فتاویٰ فیض الرسول
جلد اوّل
تصنیف:
فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ
سابق صدر شعبہ افتاء دار العلوم اہلسنت فیض الرسول
و بانی مرکز تربیت افتاء
نظر ثانی:
علامہ حافظ محمد حبیب اختر قادری
ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

نام کتاب	....	فتاویٰ فیض الرسول (جلد اوّل)
تصنیف	....	فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ
سعی واہتمام	....	مفکر ملت صاحبزادہ علامہ غلام عبد القادر علوی
تصحیح جدید	....	حافظ محمد اختر حبیب اختر
کمپوزنگ	....	کاشف حفیظ
سن اشاعت	....	جنوری 2015ء
صفحات	....	664
باہتمام	....	محمد اکبر قادری
ہدیہ	....	جلد اوّل -/700 روپے
		-/2200

انتساب

شعیب الاولیاء

شیخ المشائخ حضور سیدنا شاہ محمد یار علی صاحب

قبلہ لقدرضی المولیٰ عنہ

۱۳۸۷ھ

بانی دارالعلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف کے نام جن کی شخصیت اتباع شریعت کی ایسی آئینہ دار تھی کہ تقریباً پچاس سال تک آپ نے سفر و حضر میں نماز با جماعت حتیٰ کہ تکبیر اولیٰ کی پابندی کا اہتمام فرمایا۔

ابر رحمت ان کے مرقد پہ گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

مرکزی دارالعلوم اہلسنّت فیض الرسول
اپنی قابل قدر پیشکش

فتاویٰ فیض الرسول کی اشاعت پہ

عاشق محبوب کبریا، مجدّد مأتہ ماضیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان

و

قطب وقت حضرت سیدنا شاہ عبداللطیف صاحب قبلہ علیہ الرحمتہ والرضوان ستھن شریف ضلع سلطانپور
(مرشد اجازت حضرت شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ) کی بارگاہِ عظمت میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

حضرت شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ کے لئے ان دو بزرگوں کا خواب میں اشارہ ہی دارالعلوم فیض الرسول کے قیام کا محرک بنا اور فیض الرسول کی جملہ علمی، دینی، تبلیغی اور اشاعتی خدمات حقیقتاً انہیں بزرگوں کے روحانی فیوض ہیں۔
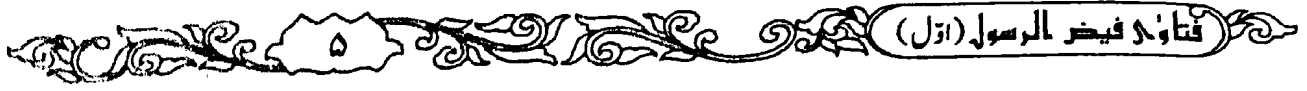
فتاویٰ فیض الرسول

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب امجدؔی کے علاوہ اور بھی جن اساتذہ وافاضل دارالعلوم فیض الرسول کے تراسی (۸۳) فتاوے اس جلد میں شامل ہیں:

شیخ العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (۲)

حضرت علامہ بدرالدین احمد صاحب رضوی (۴۴)

حضرت علامہ محمد صابر القادری نسیم بستوی (۱)

حضرت علامہ صاحبزادہ غلام عبدالقادر علویؔ (۲)

حضرت علامہ جمیل احمد صاحب شیم بستوی یار علویؔ (۱)

حضرت مولانا جمال احمد خاں رضویؔ (۱)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سالک بارہ بنکوی (۱)

حضرت مولانا غلام غوث صاحب (۱)

حضرت مولانا انوار احمد صاحب قادری (۱)

حضرت مولانا رحیم الدین صاحب رضوی (۳)

حضرت مولانا امام بخش صاحب (۱)

حضرت علامہ محمد یونس صاحب نعیمی (۲)

حضرت علامہ قاری علی حسن صاحب نعیمی اشرفی (۱)

حضرت علامہ محمد قدرت اللہ صاحب رضوی (۳)

حضرت علامہ محمد حسن صاحب چشتی (۱)

حضرت مولانا نور محمد صاحب قادریؔ (۲)

حضرت مولانا قاری خلق اللہ صاحب (۱)

حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رضویؔ (۲)

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اشرفیؔ (۱)

اکابر اہلسنّت کے تاثرات

سربراہ خانوادۂ رضویہ تاجدار اہلسنّت حضور مفتی اعظم ہند شہزادۂ اعلیٰ حضرت
حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ بریلی شریف

حضرت بابرکت محبّ سنیت مخلص مبلغ مذہب اہلسنّت مسلک امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ جناب شاہ یار علی صاحب دام بالمواہب وحضرات مدرسین، اساطین دین وجمیع اراکین خدام ملت وطلبۂ علوم شریعت سلمہم ربھم وصانہم عن الشرور والفتنہ۔

وعلیکم السلام ثم السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ طالب خیر بحمدہ تعالیٰ مع الخیر حضرت شاہ صاحب کی کرم فرمائیوں، ان کے صاجزادہ بلند اقبال کی عنایتوں اور مدرسین واراکین وطلبہ وخدام مدرسہ فیض الرسول کی محبتوں کی یاد کو دل کی گہرائیوں میں لئے ہوئے وطن پہنچا۔ فیض الرسول کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ واقعی یہ فیض الرسول ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم۔ مولیٰ عزوجل اسے روز افزوں ترقیاں بخشے اور اس کے فیوض کو عام تر فرمائے۔ دل بہت مسرور ہوا تعلیم اچھی تربیت بہتر۔ سنیت کی تبلیغ، رضویت کی اشاعت اور سنیت کی ترویج کا جذبہ فیض الرسول میں پایا کہیں نہ پایا۔ اس فقیر کا اعزاز واکرام نسبت اعلیٰ حضرت کے سبب فرما جو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھا اور پھر یہ کہ بعض نے فرمایا کہ ہم کچھ خدمت نہ کر سکے طلبہ سے جو عہد لے کر داخل کیا جاتا ہے بعد فراغ وہ عہد سند میں لکھا ہوتا ہے جو طالب علم اہل جلسہ کو سنا کر اس پر گواہ کر لیتا ہے۔ یہ ایسی بے مثال چیز ہے جو اور سنی مدارس تو اور خود مرکز اس ضروری امر کی طرف توجہ نہ کر سکا تھا اس سے فقیر بہت زیادہ متاثر ہوا اور جگہ جگہ اس کا فقیر نے ذکر کیا شاہ صاحب اور مدرسین کو ہر جگہ دعا کے ساتھ یاد کیا۔ والسلام

سربراہ خانوادۂ اشرفیہ شیخ المشائخ حضرت علامہ سید مختار اشرف صاحب قبلہ مدظلہ
سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ

یہ حسن اتفاق ہے کہ اراکین مدرسہ دارالعلوم فیض الرسول کے دعوت نامہ پر فقیر حاضر ہوا۔ اور بخاری شریف کا امتحان لیا طلبہ کی استعداد دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ عالم ہو کر عام کو فیض پہنچائیں گے اور تعلیمی خدمات کی بھی ماشاء اللہ صلاحیت ہے مدرسہ کا حسن انتظام ومدرسین وطلباء کی مہمان نوازی قابل قدر ہیں۔ مولیٰ سبحانہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس چمن مصطفیٰ صلی اللہ
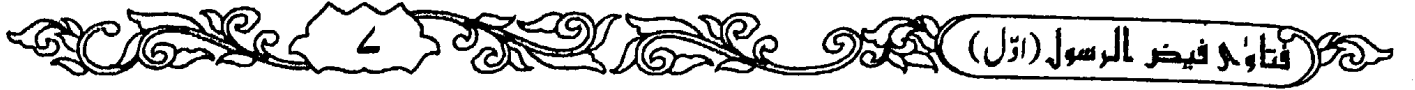
تعالیٰ علیہ وسلم سے اس طرح پھول کھلتے رہیں جو اپنی خوشبو سے عالم کو مہکائیں اور یہ ادارہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے۔

آمین یا مجیب السائلین۔

سربراہ خانوادۂ برکاتیہ سید العلماء حضرت علامہ سید آل مصطفیٰ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف

میں نے دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کی مقدس فضا میں دو روز حاضر رہ کر جو تاثرات قبول کئے زبان قلم ان سے قاصر ہے خلاصہ یہ کہ حقیقی معنی میں یہ دارالعلوم گہوارۂ شریعت و طریقت ہے اور ایک ایسا تربیت خانہ ہے جہاں نہ صرف اعلیٰ درجے کی تعلیم علوم دینی ہوتی ہے بلکہ طلبہ کی روحوں کو مزکّی و مصفّٰی بھی کیا جاتا ہے خالص سنیت کی ترویج و اشاعت پہ مسلک حضور سید اعلیٰ حضرت علامہ فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز جاری و ساری ہے اور یہ سب فیض ہے ایک مرد حق آگاہ طریقت دستگاہ پیر روشن ضمیر حضرت شیخ المشائخ جناب شاہ یار علی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کے انفاس طیبہ کا۔ فقیر بہ صمیم قلب دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی مزید عطا فرمائے اور یہ مبارک ادارہ علم و عرفان کا ایک ایسا منارۂ نور ثابت ہو جس کی تابانیاں و درخشانیاں اطراف و اکناف میں منور و مجلّیٰ فرمادے۔

شعیب الاولیاء اور امام احمد رضا

ایک معلومات افزا تحقیقی جائزہ، صاحبزادہ عبدالقادر علوی مہتمم دارالعلوم فیض الرسول

مجدد دین وملت، شہر یار علم وہدایت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اپنی خدمات کے ساتھ اپنوں کے علاوہ اغیار کے حلقہ میں بھی محتاج تعارف نہیں آپ کے فکر ونظر کے فیضان سے مسلمانوں کے قلوب میں عشق رسول کے تحفظ وبقا اور اسلامی شعور کی صالحیت پر جو حیرت انگیز تاریخی اثرات مرتب ہوئے ہیں اس سے انکار قطعاً ممکن نہیں جماعت اسلامی کے بانی جناب ابوالاعلیٰ مودودی کا اعلیٰ حضرت کی دینی خدمت اور علم وفضل کا اعتراف الفضل ما شھدت بہ الاعداء کی منہ بولی تصویر ہے یاد رہے کہ یہ وہی مودودی صاحب ہیں جن کی بے سروپا تنقید سے مبرا شخصیتیں بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خان صاحب کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔" (مقالاتِ یومِ رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور)

امام اہلسنّت کا ایک خاص وصف عشق رسول ہے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسالت پناہی میں ڈوبا ہوا ہے۔ کوئی بھی ادارہ یا انجمن، فرد ہو یا جماعت، کسی کی تحریر ہو یا تقریر اگر وہ منصب رسول اور جذبۂ عشق رسول سے متصادم نظر آئی تو امام کا شمشیر براں صفت قلم مجاہدانہ انداز میں مخالفین کی سرکوبی کرتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اعلیٰ حضرت کے سلسلے میں ممتاز عالم دین وشیخ طریقت جسٹس پیر کرم شاہ ازہری کا یہ تبصرہ بڑا برمحل ہے کہ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی زندگی کے یہ چند سال جن کا گوشہ گوشہ علم وعمل کے نور سے منور ہے جن کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے جو دو ہزار تالیفات سے مشرف ہے جو پند وموعظت اور ذکر وارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے جو پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو شرمسار کرتا گیا اور جو سمٹا تو عشق مصطفیٰ بن کر رہ گیا یہی آپ کا ایمان تھا کہ جب حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جان وایمان اور روح ودین ہے اس کے پرچار میں

آپ نے اپنی ساری عمر صرف کردی اس کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابلیتیں وقف کردیں۔

(مقالات یوم رضا دوم مطبوعہ لاہور)

امام اہلسنّت کی عشق رسول میں سرشاری اور اس میں انفرادیت کے سبب سے اب جہاں بھی عشق رسول کی بزم آراستہ ہو گی یا عاشقان رسول کی انجمن سجی ہوگی انہیں ضرور یاد کیا جائے گا کیونکہ بقول ملک شیر محمد خاں اعوان آف کالا باغ۔

احمد رضا خاں کسی فرد کا نام نہیں۔ تقدیس رسالت کی تحریک کا نام تھا۔ عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام تھا۔ عشق مصطفیٰ میں ڈوب کر دھڑکنے پاک و بابرکت اور پرسوز دل کا نام تھا اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی احمد رضا خاں کا نام زندہ رہے گا اس نام کو خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ کے لئے ثبت کردیا ہے اور اب حادثات حیات کا بیدار جھونکا اور زمانے کی کوئی سنگ دل ٹھوکر اسے مٹا نہیں سکتی۔ (محاسن کنز الایمان مطبوعہ لاہور)

فاضل بریلوی کی رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بے پناہ وارفتگی اور والہانہ و بیکراں جذبۂ عشق کا کرشمہ ہی تو ہے کہ یکساں طریقے پر اپنوں نے، بیگانوں نے حتیٰ کہ ان کے شدید ترین مخالفوں نے بھی ان کے ''عاشق رسول'' ہونے کا اعتراف واقعہ کیا ہے۔ ان کی بابرکت شخصیت حب نبوی اور عشق مصطفیٰ کا اس طرح سیمپل اور علامت بن چکی ہے کہ ان کے نام سے منسوب ہونا تو بڑی بات ہے ان کے شہر سے منسوب ہو جانا ہی عاشق رسول ہونے کا اظہار ہے۔ دنیائے سنیت کی مسلمہ بزرگ شخصیت شعیب الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا شاہ محمد یار علی العلوی الہاشمی لقدرضی المولیٰ عنہ بانی دار العلوم اہلسنّت فیض الرسول جو اپنے تقویٰ و طہارت عشق و وجدان کی لطافت، اتباع سنت، دین پر استقامت ۵۰ سال تک تکبیر اولیٰ تک نہ چھوٹنے پانے کے التزام کے ساتھ نماز باجماعت پر مداومت کے سبب اہلسنّت کے عوام و خواص کے مرجع عقیدت ہیں سچے عاشق رسول اور بادۂ حب نبی سے سرشار تھے۔ حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ یاد خدا اور رسول کی نذر اور اشاعت اسلام و سنیت کے لئے وقف تھا امام اہلسنّت اور شعیب الاولیاء میں عشق رسول وہ قدر مشترک تھا جس نے حضرت شعیب الاولیاء کے دل میں امام اہلسنّت کے تئیں بے پناہ محبت و عقیدت پیدا کردی کہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر چاہے عقیدت مندوں کا ہجوم ہو یا تخلیہ، خلوت ہو یا جلوس، تنہائی ہو یا انجمن امام اہلسنّت سے شدید وابستگی کا اظہار کرتے اور اپنے خلفاء متوسلین و مریدین کو مسلک اعلیٰ حضرت پر چلنے کی تاکید فرماتے رہے اور بعد وفات آپ کے قبہ مزار کے دروازہ پر نصب سنگ مرمر کی تختی پر آپ کے نام کے ساتھ ''شیدائے سرکار اعلیٰ حضرت'' کی عبارت فاضل بریلوی کی مقدس ذات کے ساتھ بے پناہ وابستگی کا اعلان ہے۔ آپ نے اپنے صاحبزادہ گرامی و جانشین پیر طریقت حضرت مولانا الحاج محمد صدیق احمد صاحب قبلہ کو اجازت و خلافت دیتے ہوئے انہیں اس بات کی پرزور تاکید کی ہے کہ مسلک امام احمد رضا رضی اللہ عنہ پر خود چلیں اور اپنے مریدین کو اس پر پابندی کا درس دیں۔ یاد رہے کہ موصوف کو حضور مفتی اعظم ہند و شیر بیشۂ اہل سنت علیہما الرحمہ نے بھی اجازت و خلافت سے نوازا ہے۔ اسی طرح مجھ بے بضاعت و ناسزاوار کو حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے سلسلہ کی اجازت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ دی ہے:

’’ آں عزیز کو سلسلہ عالیہ قادریہ مجوبیہ و چشتیہ لطیفیہ کی اجازت وخلافت دیتا ہے کہ جو مرد یا عورت ان کے پاس توبہ و بیعت کے لئے حاضر ہو اس سے توبہ لے کر ان مبارک سلسلوں میں داخل کریں اور مسلک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے مطابق اسلام وسنیت کا متبع بنائیں۔

خلافت نامہ کے اخیر میں ذمہ داریوں کی نشاندہی اور سنی مسلمانوں کو وہابیوں دیوبندیوں وغیرہ فرق باطلہ سے بچانے کی تاکید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ’’اور پرانے مذہب اہلسنّت پر جس کی تجدید واحیاء اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے پنی تحریرات مبارکہ، تصانیف مقدسہ میں کی ہے خود مضبوطی سے قائم رہیں اور سنی مسلمانوں کو عموماً اور اپنے متوسلین ومعتقدین کو خصوصاً اس پر قائم رہنے کی تاکید شدید رکھیں گزشتہ صفحات میں جیسا کہ ذکر کیا گیا حضرت شعیب الاولیاء بحیثیت ایک شیخ طریقت اپنے حلقہ ارادت وعقیدت میں اشاعت مذہب اہلسنّت وترویج مسلک اعلیٰ حضرت کے لئے بھرپور جدوجہد فرماتے رہے مگر صرف اس پر آپ نے قناعت نہ کی بلکہ اس سلسلے میں بھرپور سرگرمی لانے اور ٹھوس ومضبوط انداز میں مثبت تعمیری پیش رفت کے لئے ایک دینی ادارہ قائم کرنے کا ارادہ فرمایا جس کے قیام کی داستان بھی بڑی عجیب وغریب ہے۔ حضرت شعیب الاولیاء نے خواب میں دیکھا کہ ’’خانقاہ کا وہ حصہ جہاں آج تک مکتب فیض الرسول ہے حضرت شاہ عبداللطیف علیہ الرحمہ ستھن شریف مرشد اجازت حضرت شعیب الاولیاء اور امام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ دونوں حضرات تشریف فرما ہیں کچھ طلبہ پڑھنے کے لئے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں دونوں بزرگ ایک دوسرے کو اشارہ فرمارہے ہیں کہ آپ ان بچوں کو پڑھائیں‘‘ بیدار ہونے کے بعد حضرت نے اسے ان کی مقدس روحوں کی جانب سے اسے اپنے لئے براؤں شریف میں ایک دینی مدرسہ کے قیام کا حکم سمجھا اور خواب کی جزئیات سمٹ کر جب تعبیر بنیں تو براؤں شریف کی اس آبادی میں جہاں مشکل سے چند آدمی قرآن شریف پڑھنے والے تھے حیرت سے لوگ ایک ابتدائی دینی مدرسہ دیکھ رہے تھے جس کا نام حضرت نے ’’فیض الرسول‘‘ رکھا۔ ابتداء میں مکتب کی شکل میں قائم ہونے والا یہ مدرسہ دیکھتے ہی دیکھتے چند برسوں میں دارالعلوم بن گیا۔ طلبہ دور دراز سے کھنچنے لگے اور آج اس کی مرکزیت کا یہ عالم ہے کہ درجنوں دارالعلوم اس کی شاخ کی حیثیت سے بھارت کے مختلف حصوں میں دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور خود دارالعلوم فیض الرسول میں افریقہ، نیپال اور ہندوستان کے اکثر صوبہ جات کے سیکڑوں تشنگانِ علوم تقریباً دو درجن ذہین، مستعد باصلاحیت اساتذہ کے زیر تدریس ٹھوس تعلیم اور بے دین جماعتوں سے نمٹنے کے لئے مجاہدانہ تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ برصغیر میں مسلک اعلیٰ حضرت کے نمائندہ چند بڑے اداروں میں اس کا نمایاں مقام ہے اور طلبہ کی تربیت میں تو اس کی انفرادیت مابین المدارس ضرب المثل بن چکی ہے۔ اشاعتی محاذ پر باطل جماعتوں کی جانب سے پھیلائے گئے باطل نظریات کے دفاع کے لئے حضرت علیہ الرحمہ کی حقیقی روحانی سرپرستی میں آپ کی حیات مبارکہ کے اخیر برسوں میں یعنی محرم الحرام ۱۳۸۵ھ مطابق جون ۱۹۶۵ء میں مسلک رضویت کے آرگن کی حیثیت سے ’’ماہنامہ فیض الرسول‘‘ کا اجراعمل میں آیا جس کے بارے میں پہلے صفحہ پر ’’مذہب اہلسنّت کا ترجمان ومسلک رضویت کا نقیب‘‘ شائع ہونا اس کی مخصوص صحافتی روش کا مظہر ہے۔

الحمدللہ اس کے حلقہ قارئین کی وسعت چار براعظموں ایشیا، امریکہ، یورپ اور افریقہ پر محیط ہے۔ حضرت شعیب الاولیاء کو مسلک اعلیٰ حضرت سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا جس کا اظہار ان کے کردار کے مختلف گوشوں سے ہوتا ہے۔ آپ نے خانقاہ یار علویہ کو "مسلمانانِ ہم عقیدہ امام احمد رضا کے نام وقف کرتے ہوئے قانونی طور پر رجسٹری کردی ہے۔ اور رجسٹری کی دفعہ ۳ میں سجادہ نشینی کے لئے یہ ضابطہ مقرر فرمایا ہے۔

"خانقاہ کی سجادہ نشینی کا اہل وہ شخص قرار پاسکتا ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ہم عقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ مستند عالم باعمل ہو انتظامی امور میں بیدار مغز اور ہوشیار ہو۔ انتہیٰ بقدر الضرورۃ۔"

اس کی دفعہ ۹ میں خانقاہ کے داخلی و خارجی امور کے لئے ایک کمیٹی بنام مجلس عاملہ تشکیل دے کر اس کے ارکان نامزد کئے گئے ہیں پھر رجسٹری کی دفعہ ۱۰ میں تحریر ہے کہ

میرے مقرر کردہ سجادہ نشین یا آئندہ سجادہ نشیں میں اگر معاذ اللہ کوئی مذہبی خرابی پیدا ہو جائے تو اس سجادہ نشین کو مجلس عاملہ معزول کردے اور خانقاہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر دفعہ ۳ کے مطابق کسی سجادہ نشین کا تقرر کرائے۔

اس پوری تفصیل میں قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ بعض حالات میں جس مجلس عاملہ کو خانقاہ کے متولی و سجادہ نشین اور ناظم اعلیٰ دارالعلوم فیض الرسول پر بھی بالادستی حاصل ہے اس کے ارکان کی مذہبی حیثیت کے بارے میں حضرت نے کیا ضابطہ مقرر فرمایا ہے؟ مسلک رضویت کے پیروکار رجسٹری کی دفعہ ۱۲ پڑھیں اور شعیب الاولیاء کی فاضل بریلوی کے ساتھ والہانہ محبت پر وجد کریں۔ ملاحظہ ہو دفعہ ۱۲۔

"ارکان مجلس عاملہ کے لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا ہم عقیدہ ہونا ضروری ہے ورنہ وہ منصب رکنیت سے خارج ہے۔"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی ظاہری حیات میں ملاقات بھی نہیں ہوئی اور آپ مشرباً رضوی یعنی سلسلہ رضویہ میں بیعت بھی نہ تھے مگر آپ نے اپنی ذات کو امام اہلسنّت کے مسلک کے مطابق مذہب اسلام وسنیت میں اس درجہ گم کردیا تھا کہ جب پہلی بار براؤں شریف ذوالقعدہ ۱۳۸۹ھ کے جلسہ دستار فضیلت میں افتخار سلف وقارِ خلف تاجدار اہلسنّت مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان قدس سرہ العزیز تشریف لائے اور بچشم خود حضرت علیہ الرحمہ کی سرکردگی میں دارالعلوم کی خدمات ملاحظہ فرمائیں بوقت دستار بندی فارغ طلبہ کے اس عہد واقرار کو سنا جس میں بمطابق تشریحات فاضل بریلوی خدمت سنیت کا اعتراف اور حسب تصریحات تصانیف امام اہلسنّت بالخصوص حسام الحرمین، مذاہب باطلہ سے بیزار اور دور ونفور رہنے کا اقرار بھی شامل تھا جو اب تک معمول ہے تو غایت درجہ متاثر ومسرور ہوئے اور اپنے تاثرات پر مشتمل مندرجہ ذیل مکتوب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے نام بریلی شریف سے ارسال فرمایا۔ مکتوب میں خط کشیدہ حوصلہ افزا جملے جہاں سرکار مفتی اعظم کی وسیع الظرفی کا مظہر ہیں وہیں آج کل کچھ بڑوں کے روش کو دیکھتے ہوئے

نہایت حیرت انگیز بھی۔

حضرت بابرکت محبت سنیت مبلغ مذہب اہلسنّت مسلک امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ جناب شاہ یار علی صاحب دام بالمواہب وحضرات مدرسین اساطین دین وجمیع اراکین خدام ملت وطلبۂ علوم شریعت سلمہم ربہم وصانہم عن الشرور والفتنہ۔

وعلیکم السلام ثم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ طالب خیر بحمدہٖ تعالیٰ مع الخیر حضرت شاہ صاحب کی کرم فرمائیوں، ان کے صاحبزادہ بلند اقبال کی عنایتوں اور مدرسین واراکین وطلبہ وخدام مدرسہ فیض الرسول کی محبتوں کی یاد کو دل کی گہرائیوں میں لئے ہوئے وطن پہنچا۔ فیض الرسول کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ واقعی یہ فیض الرسول ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ مولیٰ عزوجل اسے روز افزوں ترقیاں بخشے اور اس کے فیوض کو عام تر فرمائے۔ دل بہت مسرور ہوا تعلیم اچھی تربیت بہتر۔ سنیت کی تبلیغ، رضویت کی اشاعت، سنت کی ترویج کا جو جذبہ فیض الرسول میں پایا کہیں نہ پایا۔ اس فقیر کا اعزاز واکرام نسبت اعلیٰ حضرت کے سبب فرمایا جو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھا اور پھر یہ کہ بعض نے فرمایا کہ ہم کچھ خدمت نہ کر سکے۔ طلبہ سے جو عہد لے کر داخل کیا جاتا ہے بعد فراغ وہ عہد سند میں لکھا ہوتا ہے جو طالب علم اہل جلسہ کو سنا کر اس پر گواہ کر لیتا ہے یہ ایسی بے مثال چیز ہے جو اور سنی مدارس تو اور خود مرکز اس ضروری امر کی طرف توجہ نہ کر سکا تھا اس سے فقیر بہت زیادہ متاثر ہوا اور جگہ جگہ اس کا فقیر نے ذکر کیا شاہ صاحب اور مدرسین کو ہر جگہ دعا کے ساتھ یاد کیا۔ والسلام

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ ۱۵/ ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ

(ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف شمارہ اگست ۱۹۶۱ء)

جب حضرت شعیب الاولیاء غالباً ۱۳۸۶ھ کے عرس رضوی کے موقع پر براؤں شریف سے بریلی شریف پہنچے تو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے ایک نیاز مند ماسٹر شفیق صاحب کے ہاں خصوصی طور پر قیام کا انتظام کروایا خانقاہِ رضویہ کے ذمہ داران کی خصوصی توجہ حضرت شاہ صاحب کے قیام وغیرہ کے سلسلہ میں دیکھ کر وہاں لوگوں کو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا کہ وہ کون صاحب ہیں جن کے لئے حضور مفتی اعظم اتنی توجہ و منتظمین عرس اتنا اہتمام کر رہے ہیں یہ باتیں مجھے دارالعلوم فیض الرسول کے شیخ المعقولات حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب نے بتلائیں جو ان دنوں بریلی شریف میں مدرس تھے راقم سطور اس سفر میں ابی الکریم حضرتِ شعیب الاولیاء کے ہمراہ تھا اور کمسن تھا۔ حضور مفتی اعظم نے موصوف کا اس سفر میں بڑا اعزاز فرمایا۔ قل کے موقع پر ایک تخت پر اپنے بغل بٹھایا۔ تخت پر ان دونوں حضرات گرامی کے بیٹھنے کے بعد مقرر یا منقبت خواں کے علاوہ کی گنجائش نہ تھی یاد رہے کہ اس وقت قل کی تقریب آستانۂ رضویہ کے اوپر والے ہال میں ہوا کرتی تھی اس موقع پر میں نے قل سے چند منٹ پہلے شہزادۂ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یاد کی ہوئی ایک تقریر عربی زبان میں کی جس کا عنوان تھا ''الامام احمد رضا'' حضور مفتی اعظم سن کر بے حد مسرور ہوئے تحسین فرمائی اور حوصلہ افزائی کے طور پر ایک روپے بطور انعام عنایت فرمائے۔ حضرت کی اس عطا کے بعد میری عقیدت کا یہ فیصلہ ہے کہ اس سلسلہ میں کسی دنیادار کا محتاج نہ

رہوں گا۔ حضرت شعیب الاولیاء نے نسبی تعلق کی بناء پر سرکار مفتی اعظم اس سفر میں اور بعد میں بھی جہاں کہیں اس نیاز مند کو شرف ملاقات نصیب ہوا اور اپنی غایت شفقت اور دعاؤں سے ذرہ نوازی فرمائی۔ بدمذہبیت کے مقابلہ میں سنیت کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حضرت علیہ الرحمہ نے حصہ لیا چاہے وہ کانپور کی سنی کانفرنس ہو یا بمبئی میں جلوس غوثیہ کی قیادت ہو یا سنی جمعیۃ العلماء کانفرنس کی پرچم کشائی، تاریخی مناظرہ بھدرسہ ہو یا مناظرۂ ڈبراو سونہٹیا وغیرہ ہر ایک میں امتیازی شان سے شریک رہتے۔ مناظرہ بھدرسہ کے مقدمہ میں حضرت شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ نے اپنی جیب خاص سے کافی رقم صرف کی اور ناشر مسلک رضویت مظہر اعلیٰ حضرت شیر بیشۂ اہلسنّت حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ کی ایسی دلدہی اور دلجوئی فرمائی جس کے وہ ہمیشہ معترف رہے۔ انہیں لے کر بستی گونڈہ، گورکھپور، فیض آباد وغیرہ اضلاع اور نیپال کی ترائی کے مواضعات میں وعظ و تقریر کروائی بہت سے ایسے مقامات جہاں کے لوگ اپنے طور پر جلسے کے انتظامات کے متحمل نہ ہوئے حضرت شعیب الاولیاء خود اپنے اخراجات سے نظر فرماتے جس کے سبب مسلمانوں کی کثیر آبادی نئی نئی گمراہیوں سے محفوظ ہوگئی اور انہیں عشق رسول اور اسلام و سنیت کی دولت ملی۔ خدمت دینی کے اسی جذبہ سے متاثر ہو کر حضرت شیر بیشہ اہل سنت حضرت شعیب الاولیاء کے ساتھ باوجود معاصرت کے عقیدت و نیازمندی کا تعلق رکھتے تھے۔ مسلک رضویت کے وفادار و پیرو کار ٹوٹ کر چاہنا اور اپنی نوازش کرنا جس طرح شیر اہلسنّت کا طرۂ امتیاز ہو اس انداز کا ان کا تعلق حضرت شعیب الاولیاء کے ساتھ ہونا جو علمبردار رضویت تھے۔ حیرت کی بات نہیں اس تعلق کا مشاہدہ کرنے والے کثیر تعداد میں لوگ آج بھی موجود ہیں اور حضرت علیہ الرحمہ کے نام آئے ہوئے شیر بیشہ اہل سنت کے مکتوبات اس کا بین ثبوت ہیں بطور نمونہ ہم ایک خط کی تلخیص پیش کر رہے ہیں جو مظہر اعلیٰ حضرت نے فیض آباد سے روانہ کیا تھا جس پر فیض آباد کے ڈاکخانہ کی مہر ۲ (مئی ۱۹۴۸ء) کی لگی ہوئی ہے اور چٹیا جو اس وقت براؤں شریف کا پوسٹ آفس تھا ۳ جولائی کی مہر ثبت ہے یہ خط مقدمہ بھدرسہ سے ہی متعلق ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مجوزہ سوانح شعیب الاولیاء میں ان خطوط اور دیگر اکابر کے تاثرات کی تحریروں کا عکس پیش کیا جائے گا۔

قارئین کرام تحریر کا اندازِ عقیدت ملاحظہ کریں اور محرر کی عظمت دھیان میں رکھ کر اس کے مرکز عقیدت کی عظمت کا اندازہ لگائیں۔

مخدومی و محترمی حامی اسلام و سنّیت، ہادیٔ شریعت، مرشد طریقت، گل گلزار قادریت، شمع بزم چشتیت، گلبن چمنستان لطیفیت، مولانا شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ ادامہ المولیٰ تعالیٰ بالفیوض والمواہب آمین بحرمۃ حبیبہٖ سید المرسلین صلی المولیٰ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وابنہ الغوث الاعظم وحزبہٖ اجمعین وعلینا وعلیکم وعلیٰ سائر اہل السنۃ بعد وکل تائب وآئب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے مزاج مبارک کی ناسازی سے بہت پریشان ہوں خدا اور رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ وعلیٰ آلہ وسلم آپ کو بہت جلد شفاء تام وصحت کاملہ عطا فرمائیں اور ہم سب اہل سنت کے سروں پر بخیر وعافیت وصحت وسلامت وفرحت ومسرت سایہ گستر رکھیں آپ کی مبارک دعاؤں کی برکت ہے مستغیث نمبر اول عبدالحمید خاں خبیث تو ہیضے میں مبتلا ہو کر اپنے مقر کو پہنچا اور

کارڈ کا مقدمہ خارج ہوگیا۔ وہبڑوں دیو کے بندوں خذلہم الواحد القہار واہلکم کے چہرے کالے اور مسلمانان اہلسنت کے منہ اجالے اور اسلام وسنیت کے بول بالے ہوئے۔ فلوجہ ربنا الکریم الحمد وعلیٰ حبیبہٖ وآلہ الصلاۃ والسلام مجسٹریٹ نے بر سر اجلاس کہہ دیا ہے کہ یکم دوم سوم جولائی ۱۹۴۸ء کو بحث سنوں گا ۸ جولائی ۱۹۴۸ء کو فیصلہ سنا دوں گا اب آپ اپنے خاص اوقات میں دعا فرمائیں خدا اور رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس مقدمے میں مجھ گنہگار سگ بارگاہِ نبوی سیہ کار بندہ سرکاری قادری خطا کار گدائے کوئے رضوی کو جملہ وہابی دیوبندی مستغیثوں اور تمام بدمذہب بددین لامذہب بیدین پر کامل فتح مبین اور مکمل نصرتِ قاہرہ پوری ظفر عظیم عطا فرما کر ہمیشہ کے لئے وہابیت و دیوبندیت اور ہر بدمذہبی بے دینی کا منہ کالا اور اسلام و سنیت کا بول بالا اور میرا اور میری امداد واعانت کرنے والے جملہ سنی بھائیوں سلمہم ربہم کا دارین میں چہرہ اجالا فرمائیں آمین۔

(تلخیص مکتوب شیر بیشۂ اہلسنّت بنام شعیب الاولیاء)

ان اکابر کے علاوہ دیگر علماء ومشائخ مثلاً حضور مفسر اعظم ہند وحضور سید العلماء وحضور حافظ ملت وحضور مجاہد ملت علیہم الرحمہ و حضور محمد میاں سرکار کلاں دامت فیوضھم وغیرہ نے بھی حضور شعیب الاولیاء کی خدمت سنیت کا اعتراف فرمایا ہے یہ حضرات اس خصوص کی بناء پر بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہتے اور انہوں نے اپنے تاثرات تحریری شکل میں بھی ظاہر کئے ہیں پروردگار عالم فیضان مسلک اعلیٰ حضرت کو عام وتام فرمائے اور سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، حضور شعیب الاولیاء، حضور مفتی اعظم ودیگر اکابرین اہل سنت علیہم الرحمہ کی قبروں پر رحمت ونور کا ساون و بھادوں برسائے آمین

ابر رحمت ان کے مرقد پہ گہر باری کرے
حشر میں شانِ کریمی نازبرداری کرے

حیات شعیب الاولیاء ایک مختصر جائزہ

صاحبزادہ غلام عبدالقادر صاحب رضا چشتی

اسم گرامی محمد یار علی، عمر شریف اسی (۸۰) سال، لقب شعیب الاولیاء شیخ المشائخ، اسم گرامی والد محترم فجر علی، مولد ومسکن براؤں شریف، حسب ونسب۔ علوی سادات، سن ولادت ۱۳۰۷ھ، براؤں شریف میں مورث اعلیٰ کی آمد ۱۸۵۷ء۔

مشائخ کرام: حضرت محبوب علی علیہ الرحمہ (سلسلہ قادریہ) ڈھلمو شریف فیض آباد

مشائخ کرام: حضرت شاہ عبداللطیف علیہ الرحمہ (سلسلہ چشتیہ) ستھن شریف

مشائخ کرام: حضرت سید شاہ عبدالشکور علیہ الرحمہ (سلسلہ سہروردیہ) جھونسی شریف

خلفاء: مجاہد سنیت حضرت مولانا الحاج شاہ محمد صدیق احمد صاحب رضا قبلہ سجادہ نشین آستانہ یار علویہ

خلفاء: حضرت صوفی شاہ عبدالمتین صاحب قبلہ سجادہ نشین آستانہ ڈھلمو شریف

خلفاء: صاحبزادہ حضرت علامہ غلام عبد القادر صاحب رضا قبلہ علوی مہتمم فیض الرسول براؤں شریف

اولاد ۷ لڑکے ۴ لڑکیاں

گورنمنٹی ملازمت پرائمری اسکول سکندر پور ضلع بستی جولائی ۱۹۱۶ء

شہرت گڈھ ضلع بستی ۱۹۱۷ء

غیر منقسم ہندوپاک کے بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کے سفر کا آغاز ۱۹۶۸ء آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کانفرنس بمبئی میں شرکت ۱۹۶۳ء

زیارت حرمین طیبین ۳ مرتبہ

آپ کی سرپرستی میں ماہنامہ فیض الرسول کا اجراء ماہ محرم ۱۳۸۵ھ مطابق جون ۱۹۶۵ء

دارالعلوم فیض الرسول کی نشاۃ اولیٰ ۱۳۵۶ھ

دارالعلوم فیض الرسول کی نشاۃ ثانیہ ۱۳۷۵ھ

سفر رنگون ۱۹۲۵ء

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ میں استفتاء وصال پر ملال ۲۲ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۶۷ء شب جمعرات ایک بج کر پندرہ منٹ۔ مزار پرانوار براؤں شریف جو زیارت گاہِ خلائق ہے۔

فہرست مسائل

عنوان	صفحہ

کتاب الطھارۃ

معذور کا بیان

باب الاوقات

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

باب الجماعت

باب مایفسد الصلوٰۃ

مکروھات الصلوٰۃ

نفل اور تراویح کا بیان

باب سجود السھو

عنوان — صفحہ

باب فی سجدة التلاوة

باب صلوٰة المسافر

باب الصلوٰة الجمعه

عنوان — صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

کتاب الصوم

عنوان | صفحہ

باب الاعتکاف

کتاب الحج

عنوان | صفحہ

کتاب النکاح

فصل فی المحرمات

عنوان	صفحہ

باب الولی الکفو

باب المھر

کتاب الرضاع

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ الْعَقَائِدِ

عقیدے کا بیان

مسئلہ: از عبدالشکور کمپاؤنڈر برڈپور۔ ضلع بستی

قرآن پاک میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو جھوٹ بولنا، زنا کرنا، چوری کرنا، شراب پینا اور شادی وغیرہ کرنا بھی ایک شی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر بھی قادر ہے؟

الجواب: جھوٹ بولنا، زنا کرنا، چوری کرنا اور شراب پینا عیب ہے اور ہر عیب خدا تعالیٰ کے لئے محال ہے ممکن نہیں اور خدا تعالیٰ کی قدرت صرف ممکنات کو شامل ہے نہ کہ محالات کو۔ تفسیر جلالین میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَاءَہٗ قَدِیْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس شی پر قادر ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ صاوی میں ہے کہ شاء ہ سے مراد ارادہ ہے اور ذات باری تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت صرف ممکنات سے متعلق ہوتے ہیں نہ کہ محالات سے اور "قدیر" قدرت سے مشتق ہے جو خدا تعالیٰ کی صفت ازلیہ قائم بذاتہٖ ہے اور ایجاداً و اعداماً ممکنات سے متعلق ہوتی ہے۔ صاوی کی عبارت یہ ہے: شاء ہ ای ارادہ والا رادۃ لاتتعلق الا بالممکن فکذا القدرۃ قولہ قدیر من القدرۃ وھی صفۃ ازلیۃ قائمۃ بذاتہٖ تعالیٰ تتعلق بالممکنات ایجادا واعداما اہ ملخصًا اور تفسیر جمل میں ہے: ای من شانہ ان یشاء ہ وذٰلک ھو الممکن اھ یعنی شاء ہ سے مراد یہ ہے کہ جس کا چاہنا اس کی شان کو زیبا ہو اور وہ صرف ممکن ہے اور شرح عقائد جلالی میں ہے: الکذب نقص والنقص علیہ محال فلایکون من الممکنات ولاتشتملہ القدرۃ کسائر وجوہ النقص علیہ تعالیٰ کالجھل والعجز۔ یعنی جھوٹ بولنا عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے تو اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکنات سے نہیں نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسے شامل ہے جیسے تمام اسباب عیب مثلاً جہل اور عجز سب خدا تعالیٰ کے لئے محال ہیں اور صلاحیت قدرت سے خارج ہیں اور علامہ کمال الدین قدسی شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں: لاخلاف بین الاشعریۃ وغیرھم فی ان کل ماکان وصف نقص فالباری عنہ منزہ وھو محال علیہ تعالیٰ اھ یعنی اشاعرہ اور غیر اشاعرہ کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ ہر وہ چیز جو صفت عیب ہے باری تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ خدا تعالیٰ پر محال ہے ممکن نہیں۔ رہا شادی کرنا تو یہ بھی محال ہے کہ خدا تعالیٰ کو شادی پر قادر ماننے سے کئی خداؤں کا ممکن ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ جب شادی کرنے پر قادر ہوگا تو استقرار حمل و تولید ولد پر بھی قادر ہوگا اور خدا کا بچہ خدا ہی ہوگا۔ قرآن مجید پارہ ۲۵۔ رکوع ۱۳ میں ہے: قُلْ اِنْ کَانَ

لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ ۝ "یعنی تم فرماؤ کہ اگر رحمٰن کے لئے کوئی بچہ ہے تو میں سب سے پہلے (اس کا) پوجنے والا ہوں"، تو قطعاً دو بلکہ کئی خداؤں کا ممکن ہونا لازم آیا کہ قدرت خدا کی انتہا نہیں۔ لاحول ولاقوة الا باللّٰه العلی العظیم۔
ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰه تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی اللّٰه علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازمحمد نعمان قادری دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈ یلہ ضلع بستی

مشرکین کی بخشش تحت قدرت باری تعالیٰ ہے یا نہیں؟

الجواب: بیشک مغفرت مشرکین تحت قدرت باری تعالیٰ ہے شرح مقاصد الطالبین فی علم اصول الدین میں ہے: اتفقت الامة ان اللّٰه تعالیٰ لایغفرعن الکفر قطعاً وان جازعقلا (بحوالہ سبحان السبوح ص ۸۲) لیکن ان کی مغفرت کا وقوع محال ہے لقوله تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ حاصل یہ ہے کہ مغفرت مشرکین عقلاً ممکن بالذات اور شرعاً محال بالغیر ہے وھو تعالیٰ اعلم صلی المولیٰ جل وعلا علیٰ حبیبهٖ وسلم۔

کتبہ: غلامی جیلانی
مدرس دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف
۱۹؍رجب المرجب ۱۳۹۳ھ

مسئلہ: ازمحمد حفیظ اللّٰہ نعیمی دارالعلوم فاروقیہ مدھ نگر پوسٹ دھوائی ضلع گونڈہ

اللّٰہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اوپر والا بولنا کیسا ہے؟ اس جملہ سے جہت کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یہ جملہ بول کر بلند وبالا اور برتری کے معنی میں استعمال کرے تو اس کی تاویل مسموع ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب: خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے اوپر والا بولنا کفر ہے کہ اس لفظ سے اس کے لئے جہت کا ثبوت ہوتا ہے، اور اس کی ذات جہت سے پاک ہے جیسا کہ حضرت علامہ سعید الدین تفتازانی رحمۃ اللّٰہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اذا لم یکن فی مکان لم یکن فی جهة لاعلو ولاسفل ولاغیرهما (شرح عقائد نسفی ص ۳۳) اور حضرت علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللّٰہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یکفر بوصفه تعالیٰ بالفوق اوبالتحت اھ تلخیصًا (بحرالرائق، جلد پنجم ص ۱۲۰) لیکن اگر کوئی شخص یہ جملہ بلندی برتری کے معنی میں استعمال کرے تو قائل پر حکم کفر نہ کریں گے مگر اس قول کو برا ہی کہیں گے اور قائل کو اس سے روکیں گے۔ وھو سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۵؍جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: ازعبدالحفیظ کانپور

۱- ہم لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ عقیدہ رکھنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟

۲- جب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں تو ان کے درمیان خدا موجود ہوتا ہے یہ کہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: (۱): اگر حاضر و ناظر بہ معنی شہید و بصیر اعتقاد رکھتے ہیں۔ یعنی ہر موجود اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے' اور وہ ہر موجود کو دیکھتا ہے تو یہ عقیدہ حق ہے مگر اس عقیدہ کی تعبیر لفظ حاضر و ناظر سے کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں حاضر و ناظر کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر پھر بھی کوئی شخص اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بولے تو وہ کفر نہ ہوگا' جیسا کہ درمختار مع شامی جلد سوم ص ۳۰۷ میں ہے: یاحاضر یا ناظر لیس بکفر وھو اعلم۔

(۲) جب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں تو ان کے درمیان خدا موجود ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہنا چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے۔ عقائد نسفی میں ہے: لایتمکن فی مکان اس کے تحت شرح عقائد نسفی میں ص ۳۳ پر ہے: اذا لم یکن فی مکان لم یکن فی جھة لاعلو ولاسفل ولاغیرھما اور وہ جو پارہ ۲۸۔ رکوع ۲۔ میں ہے: مَایَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ تو اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مشاہدہ فرماتا ہے' اور ان کے رازوں کو جانتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے درمیان خدا تعالیٰ موجود ہوتا ہے تفسیر جلالین میں ہے: ھو رابعھم بعلمہ اور علامہ صاوی نے فرمایا: قولہ بعلمہ ای وسمعہ وبصرہ ومتعلق بھم قدرتہ وارادتہ اھ۔ اور تفسیر مدارک میں اس آیت کریمہ کے تحت ہے: یعلم مایتناجون بہ ولایخفٰی علیہ ماھم وقد تعالٰی عن المکان علوا کبیرا' اھ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازمحمد قدرت اللہ خاں معرفت مولانا محمد فاروق خاں چھوٹی مسجد مکان نمبر ۱۱۶ گلی نمبر ۱ جونار سالہ اندور (ایم۔پی)

اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حاضر و ناظر خدا تعالیٰ کے اسمائے توقیفیہ میں سے نہیں ہیں اور ان الفاظ کے بعض معانی شان الوہیت کے خلاف ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر نہیں کہنا چاہئے لیکن اگر کسی نے کہا تو کفر نہیں۔ درمختار مع شامی جلد سوم ص ۳۰۷ میں ہے: یاحاضر یا ناظر لیس بکفر اس عبارت کے تحت ردالمحتار میں ہے: فان الحضور بمعنی العلم شائع (کما قال اللہ تعالٰی) مَایَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ۔ والنظر بمعنی الرؤیة (کما قال تعالٰی) اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی۔ فالمعنیٰ یا عالم یامن یریٰ (بزازیہ)۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۶ رجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از یاد علی وارثی مہنداول ضلع بستی

زید نے دیوبندیوں کی ایک کتاب میں لکھا ہوا دیکھا کہ اللہ ورسول ایک نہیں۔ یہ دیکھ کر زید نے کہا میں یہ نہیں مان سکتا کیوں کہ میری سمجھ میں اللہ ورسول ایک ہیں چاہے میں اس کہنے سے کافر ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔ لیکن میں تو یہی جانتا ہوں کہ اللہ ورسول ایک ہیں۔ یہ سن کر عمرو نے کہا زید تمہیں اس طرح نہیں کہنا چاہئے مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہارا یہ کہنا واقعی کفر نہ ہو جائے اور تم کافر نہ ہو جاؤ۔ عمرو کی باتیں سن کر زید بہت نادم ہوا اور فوراً اپنے قول سے توبہ بھی کر لی لیکن پھر بھی بہت پشیمان وخوفزدہ ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا یہ کہنا کیسا ہے؟ زید اس کہنے سے گنہگار ہوا۔ یا واقعی زید کا یہ کہنا کفر ہے' بصورت دیگر زید کو تجدید ایمان وتجدید نکاح کرنا پڑے گا یا صرف توبہ کر لینا ہی کافی ہوگا؟

الجواب: اگر زید نے یہ کہا کہ اللہ ورسول ایک ہیں اور مراد یہ تھی کہ باعتبار ذات ایک ہیں تو یہ کفر ہے' اور اگر مراد یہ تھی کہ باعتبار اطاعت ایک ہیں کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے' اور اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے تو کفر نہیں مگر ایسے کلمات سے جو موہم شرک یا کفر ہوں احتراز واجب ہے' اور یہ کہنا کہ چاہے میں اس کہنے سے کافر ہی کیوں نہ ہو جاؤں چونکہ اس میں کفر کے ساتھ اپنی رضا ظاہر کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ بھی کفر ہے فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مصر جلد ثانی ص ۲۳۵ میں ہے: من يرضى بكفر نفسه فقد كفر یعنی جو شخص اپنے کفر پر راضی ہو تو وہ کافر ہو گیا۔ لہٰذا زید توبہ کے ساتھ تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی کرے۔ وهو تعالىٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مولوی خلیل احمد۔ بیرگی۔ گریڈیہہ (بہار)

میں بموضع بیرگی امامت اور بچوں کی دینی تعلیم کا کام انجام دیتا ہوں ایک روز رمضان شریف کے ماہ میں جمعہ کے دن نماز سے قبل اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ کی روشنی میں تقریر کرتے ہوئے آگے بڑھا یہاں تک کہ جمعہ کا خطبہ اور جمعہ کی فرض نماز جماعت کے ساتھ میں نے پڑھایا۔ اسی روز عصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میرے ہی موضع کے تین طالب علم نوجوان شخصوں نے مجھ پر اعتراض کیا کہ آیت مذکورہ کا ترجمہ کرتے ہوئے تقریر کے درمیان آپ نے یہ کہا کہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے' اور صبر کرنے والے گنہگار انسان جب جہنم میں جائیں گے تو خدا بھی اس انسان کے ساتھ جہنم میں جائے گا جبکہ میں نے اپنی تقریر کے درمیان کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا ہے جس میں خدا کو جہنمی قرار دیا ہو اور میرے اس قول پر میرے مقتدیوں میں سے صرف ایک شخص میری بات کی تصدیق کرتا ہے باقی عوام کو کچھ یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے۔ لہٰذا آپ حضور عالی سے

گزارش ہے کہ تین شخصوں کے کہنے کے مطابق اور میں ایک مقتدی کے کہنے کے مطابق ازروئے شرع کس حکم کے سزاوار ہیں۔ بینوا توجروا۔

نوٹ۔خدا کو جہنمی قرار دینے والے کا عقد باقی رہا یا نہیں؟

الجواب: اگر آپ نے یہ جملہ نہیں کہا ہے کہ ''صبر کرنے والے گنہگار انسان جب جہنم میں جائیں گے تو خدا بھی اس انسان کے ساتھ جہنم میں جائے گا'' مگر طلبہ اس جملہ کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو وہ سخت گنہگار ہیں توبہ کریں' اور اگر طلبہ نے اس جملہ کو بطور معارضہ پیش کیا کہ جب اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تو کیا صبر کرنے والے گنہگار انسان جب جہنم میں جائیں گے تو خدا بھی اس انسان کے ساتھ جہنم میں جائے گا تو انہوں نے اپنی جہالت سے معیت مکانی سمجھ کر معارضہ پیش کیا حالانکہ معیت سے مراد معیت بالعون والنصر ہے جو متقین، محسنین اور صابرین کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ تفسیروں میں مذکور ہے المعیة بالعون والنصر وھٰذہ خاصة بالمتقین والمحسنین والصابرین اور یا تو ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ۔ نے معیت کے معنی کی تشریح نہیں کی جو عوام کے لئے ضروری تھی بہر حال اس انداز کی گفتگو سے احتراز لازم ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

جواب نوٹ: استفتاء کی عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ کسی نے خدا تعالیٰ کو جہنمی نہیں قرار دیا ہے لیکن اگر کوئی خدا تعالیٰ کو جہنمی قرار دے نعوذ باللہ من ذٰلك تو اس کا نکاح ضرور ٹوٹ جائے گا کہ یہ صریح کفر ہے۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵/ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از محمد اختر حسین نوری نیپالی متعلم جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ اعظم گڑھ

زید مدرسہ کا مدرس اور مسجد کا امام ہے میلاد پاک صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کے لئے مدعو کئے گئے دوران تقریر انہوں نے جملہ (اگر آپ لوگ اپنی عبادت سے اللہ تعالیٰ کا پیٹ بھرئے گا تو اللہ تعالیٰ آپ کا پیٹ بھی بھرے گا) استعمال کیا بکر اس میلاد پاک میں موجود تھا انہوں نے اس جملہ پر متنبہ کیا اور کہا کہ آپ نے بہت گندہ جملہ استعمال کیا ہے جس سے توبہ لازم ہوتی ہے لہٰذا آپ توبہ کر لیں۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ آپے سے باہر ہو گیا اور تاویل کرنی شروع کر دی کہ ہم پیٹ سے مراد عبادت لیتے ہیں۔ بکر نے کہا صریح کے اندر تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ آپ توبہ کر لیں مگر وہ توبہ کرنے سے انکار کرتے رہے' اور اکڑ گئے کہ میرا یہ جملہ صریح صحیح ہے' اور درست ہے۔ بکر نے کہا آپ کے اس جملہ سے پروردگار عالم کا حدوث ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ فریقین میں سے کون حق پر ہے' اور جو باطل پہ ہے منجانب شریعت اس پر کیا حکم وارد ہوتا ہے۔

الجواب: اللھم ھدایة الحق والصواب۔

زید کا جملۂ مذکور کفر ہے' اور اس کی یہ تاویل کہ ہم پیٹ بول کر عبادت مراد لیتے ہیں شرعاً مطرود و مردود ہے۔ لہٰذا زید پر توبہ

وتجدید ایمان لازم وضروری ہے۔ وھو تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از شاکر علی مدرس مدرسہ غوثیہ سکھوئیا پوسٹ مڑلا ضلع بستی

(۱) تقدیر کیا ہے؟ (۲) تقدیر کو اللہ تعالیٰ نے جو بری یا بھلی پیدا فرمایا اس میں کیا کیا لکھا رہتا ہے؟ (۳) کیا چوری کرنا، زنا کرنا، قتل کرنا، کسی کا گھر جلانا، کسی سے محبت کرنا وغیرہم یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے؟ (۴) کیا تقدیر بدل سکتی ہے؟ یعنی جو چیز قسمت میں نہیں لکھی ہے وہ کوشش کرنے پر مل سکتی ہے؟ (۵) جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیدا ہوتے ہی کیوں اللہ اچھی اور بری تقدیر بنا دیتا ہے جبکہ وہ اچھی اور بری باتیں پہچاننے کی عقل نہیں رکھتا ہے۔

الجواب: (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق ہر بھلائی برائی کو مقدر فرما دیا ہے اسے تقدیر کہتے ہیں وھو تعالٰی اعلم (۲) انسان کو جو کچھ نفع نقصان پہنچنے والا تھا اور وہ جو کچھ اچھائی برائی کرنے والا تھا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے یہ نہیں کہ جیسا لکھ دیا گیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے' بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا لکھا گیا وھو تعالٰی اعلم (۳) چوری وزنا وغیرہ انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے' اور اس فعل کے کرنے کی قدرت منجانب اللہ ہوتی ہے اسی لئے اس فعل پر انسان سے مواخذہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ انسان نہ تو مجبور محض ہے' اور نہ مختار کل (۴) تقدیر کی تین قسمیں ہیں۔ مبرم حقیقی۔ معلق محض اور معلق شبیہ بہ مبرم۔ ان میں مبرم حقیقی کا بدلنا ممکن ہے' اور معلق محض اکثر اولیاء کرام کی دعاؤں سے ٹل جاتی ہے' اور معلق شبیہ بہ مبرم تک صرف خاص اکابر کی رسائی ہوتی ہے۔ ایک چیز کا کسی انسان کے لئے نہ ملنا اگر مبرم حقیقی میں سے ہے تو کوشش کرنے پر نہیں مل سکتی ہے' اور اگر قضا مبرم حقیقی نہ ہو تو ذکر واذکار یا بزرگوں کی دعاؤں سے مل سکتی ہے' اور آنے والی بلا ٹل سکتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ان الدعاء یرد القضاء یعنی بے شک دعا قضا (تقدیر) ٹال دیتی ہے واللہ تعالٰی اعلم (۵) انسان پیدا ہونے کے بعد جو کچھ نیکی وبدی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پیدا ہونے سے بہت پہلے ازل ہی میں اپنے علم سے وہ سب کچھ لکھ چکا ہے۔ تقدیر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے ان میں زیادہ غور وفکر کرنا سبب ہلاکت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق وحضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اس مسئلے میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے تو اوروں کی کیا حقیقت ہے؟ تقدیر حق ہے اس کے انکار کرنے والے کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کا مجوس بتایا ہے واللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ رشعبان ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: از محمد حنیف رضوی خطیب سنی کھاڑی مسجد کرلا بمبئی

تیسرے پارہ کی آیت کریمہ میثاق والی: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ میں ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ کا کیا مطلب ہے جبکہ ہمارے رسول سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیائے کرام کے بعد تشریف لانے والے تھے؟ مفصل اطمینان بخش جواب سے نوازیں۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب آیت کریمہ کے معنی میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کے لئے سب انبیاء سے عہد لیا گیا کہ اگر تمہارے پاس محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو تم ان پر ضرور ایمان لانا یہی قول حضرت علی، ابن عباس، قتادہ اور سدی کا بھی ہے۔ رضی اللہ عنہم (تفسیر کبیر) اور یہ عہد حضور کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے علیٰ سبیل الفرض ہے اگر چہ حضور سب انبیاء کے بعد تشریف لانے والے تھے اور علیٰ سبیل الفرض کی مثالیں قرآن کریم میں بہت ہیں مثلاً پ ۲۴ رکوع ۵ میں ہے: لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ ''یعنی اگر تو نے اللہ کا شریک ٹھہرایا تو ضرور تیرا سب عمل برباد ہو جائے گا''۔ حالانکہ کوئی نبی خدا تعالیٰ کا شریک کسی کو ہرگز نہیں ٹھہرا سکتا اور ملائکہ کے بارے میں فرمایا: وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ (پ ۱۷ ع ۲) ''یعنی جو ان میں سے کہے میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے''۔ حالانکہ ان کے بارے میں خدا تعالیٰ نے خود فرمایا: وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ (پ ۱۷ ع ۲) ''یعنی ملائکہ اس کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں''۔ یہاں تک کہ پ ۲۵ ع ۳ میں فرمایا قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ۔ ''یعنی تم فرماؤ! اگر رحمٰن کے لئے لڑکا ہوتا تو سب سے پہلے میں پوجتا''۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی ذات پاک ہونے سے پاک ہے جیسا کہ سورۂ اخلاص میں فرمایا لَمْ یَلِدْ۔ لہٰذا جس طرح یہ سب علیٰ سبیل الفرض ہیں ایسے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب انبیائے کرام کے ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد بھی علیٰ سبیل الفرض ہے (تفسیر کبیر) اور بعض کا قول یہ ہے کہ سب انبیائے کرام سے ایک دوسرے کے بارے میں عہد لیا گیا۔ اس صورت میں ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر نبی سے اس بات کا عہد لیا گیا کہ اگر تم کسی نبی کا زمانہ پاؤ تو ان کی تصدیق کرو اور ان کی مدد کرو، اور اگر کوئی نبی تمہارے زمانہ میں نہ ہو تو اپنی امت کو آنے والے نبی پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کی تاکید کرو۔ یہ قول حضرت سعید بن جبیر، حسن اور طاؤس کا ہے رضی اللہ عنہم اور تفسیر کبیر، تفسیر خازن۔ تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر صاوی میں اسی قول کو مقدم کیا گیا ہے، اور تفسیر روح البیان میں صرف اسی قول کو بیان کیا، اور بعض لوگوں نے کہا کہ آیت میثاق میں نبی سے مراد امت ہے جیسا کہ آیت کریمہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ میں نبی سے مراد امت ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ امتیوں سے عہد لیا گیا کہ آنے والے رسول پر تم ضرور ایمان لانا۔ (تفسیر کبیر) اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیت کریمہ میں مضاف کا حذف ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی اولاد بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ جب تمہارے پاس تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول آئے تو تم اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ (تفسیر کبیر۔ تفسیر مدارک) اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ انبیائے کرام اور ان کی امتوں سب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا گیا مگر ذکر صرف

انبیائے کرام کا اس لئے ہوا کہ انبیاء کا عہد ان کی امت کا عہد ہے کہ متبوع کا عہد تابع کا عہد ہوتا ہے۔ (تفسیر خازن۔ تفسیر معالم التنزیل) اور بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی امتوں سے عہد لیتے تھے کہ جب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو ان کے اوپر ضرور ایمان لانا اور ان کی مدد ضرور کرنا۔ تفسیر کبیر اور تفسیر خازن میں ہے کہ یہ قول اکثر مفسرین کا ہے مگر قول اوّل قوی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دنیا میں کوئی نبی ورسول نہیں آیا مگر خدا تعالیٰ نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد لیا اور پیغمبر نے اپنی قوم سے عہد لیا کہ اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ان پر ضرور ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ (تفسیر خازن) وھو تعالٰی ورسولہُ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۸ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: محمد یوسف بنارسی ۹۳/۱۲ بیج باغ کانپور

(۱) زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا وجود عقلاً ممکن ہے لیکن چونکہ شریعت مطہرہ نے حضور کا خاتم النّبیین ہونا بتا دیا لہٰذا اب حضور کے بعد کسی نبی کا ہونا شرعاً محال ہے برائے کرم شریعت کی روشنی میں بیان کیجئے کہ زید کا قول کہاں تک صحیح ہے' اور اگر غلط ہے تو زید کا ازروئے شرع کیا حکم ہے؟ جواب مدلل ومفصل مع حوالہ عبارات کتب معتبرہ عنایت فرمائیں۔

(۲) زید کہتا ہے کہ محال تحت قدرت باری تعالیٰ ہوتا ہے کیونکہ وہ ممکن بالذات اور محال بالغیر ہوتا ہے دلیل میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو جن کا کفر قرآن وحدیث سے ثابت ہے' اور وہ قطعی کافر ہیں جنت میں داخل کرنے پر قادر ہے لیکن وہ ایسا کرے گا نہیں کیونکہ ایسا نہ کرنے کی قرآن نے خبر دی ہے لیکن تحت قدرت داخل ہے' اور بکر اس کے خلاف کا قائل ہے۔ ازروئے شرع کس کا قول صحیح اور قابل عمل ہے' اور کس کا قول غلط اور باطل ہے' اور اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ جواب مدلل ومفصل مع عبارات کتب معتبرہ مرحمت فرمائیں۔

(۳) زید عالم دین ہے' اور مفتی بھی ازیں قبل ان علمائے دیوبند کو جن کو حسام الحرمین میں ان کی کفری عقائد کی بناء پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے متحقق وثابت کرتے ہوئے ان پر فتویٰ کفر دیا ہے جس کے صحیح ہونے پر جمیع علمائے اہلسنت کا اتفاق ہے خود بھی کافر کہا کرتا تھا مگر اب یہ کہتا ہے کہ جب سے میں نے بسط البنان دیکھی ہے بر بنائے احتیاط کافر کہنے میں تامل کرتا ہوں دریں صورت زید کے لئے ازروئے شرع کیا حکم ہے؟ براہ کرم سوالات مذکورہ بالا کا جواب مدلل ومفصل عنایت فرما کر مشکور فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب: (۱) بیشک سرکار اقدس آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا شرعاً محال اور عقلاً ممکن بالذات ہے۔ اما الاوّل فلورود النص وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ واما الثانی فلان خلق نبی بعد نبینا علیه

التحیۃ والثناء من المقدورات الالٰھیۃ وکل مقدور الٰھی ممکن۔ لیکن سرکار اقدس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا خاتم الانبیاء پیدا ہونا محال بالذات ہے۔ لان ختم النبوۃ وصف لایقبل الاشتراک عقلا ولایکون موصوفہ الاواحد اوھو نبینا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے وصف ختم نبوت میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نظیر ومثل محال بالذات ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ "یعنی محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے"۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا وسلم۔ اس آیت کریمہ کے نزول سے قبل سرکار مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا دو طرح ممکن تھا ایک بطور امکان وقوعی۔ دوسرے بطور امکان ذاتی۔ ورود آیت کریمہ نے صرف امکان وقوعی ختم کیا امکان ذاتی ختم نہیں کیا۔ صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے وجود کو محال شرعی مانتے ہوئے اس کے وجود کو ممکن کہا ہے اس لئے اس کا قول صحیح ہے کیونکہ وہ صرف امکان ذاتی کا قائل ہے امکان وقوعی کا قائل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جمہور اہل سنت کے نزدیک جنت میں کفار کا داخلہ شرعاً محال اور عقلاً ممکن بالذات ہے' اور صاحب عمدہ امام ابو البرکات عبد اللہ نسفی علیہ الرحمہ وغیرہ بعض علماء کے نزدیک عقلاً بھی محال ہے شرح مقاصد الطالبین فی علم اصول الدین میں ہے: اتفقت الائمۃ ان اللہ تعالیٰ لا یعفوعن الکفر قطعا وان جاز عقلا ومنع بعضھم الجواز العقلی ایضا لامخالف لحکمۃ التفرقۃ بین من احسن غایۃ الاحسان واساء غایۃ الاساء ۃ وضعفہ ظاھر (سبحان السبوح مطبوعہ لاہور ص ۸۲) امام ابن الہمام علیہ الرحمہ مسایرہ میں فرماتے ہیں: صاحب العمدۃ اختار ان العفو عن الکفر لایجوز عقلا (سبحان السبوح، ص ۹۷) مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ جمیع اہل سنت اس امر پر متفق ہیں کہ جنت میں کفار کا داخلہ ممتنع شرعی ہے۔ ہاں اختلاف جواز عقلی اور عدم جواز عقلی میں ہے۔ جمہور اہل سنت جواز عقلی کے قائل ہیں اور امام ابو البرکات نسفی وغیرہ بعض علماء امتناع عقلی کے قائل ہیں۔ صورت مسئولہ میں زید کا قول قوی مطابق جمہور ہے' اور بکر کا قول ضعیف موافق مسلک صاحب عمدہ وغیرہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان کی عبارات کفریہ التزامیہ متعینہ کی صفائی میں بسط البنان لکھی جس نے تھانوی صاحب کے کفر پر رجسٹری کر دی معلوم ہوتا ہے کہ زید جو عالم اور مفتی بھی ہے اس نے بسط البنان کے مغالطہ وفریب کا پردہ چاک کرنے والے رسالہ وقعات السنان مصنفہ حضرت مولانا شاہ مصطفےٰ رضا شاہزادہ سرکار اعلیٰ حضرت نہیں دیکھا۔ اس مبارک رسالہ میں شاہزادۂ اعلیٰ حضرت نے بسطان البنان کا ایسا علمی رد تحریر فرمایا جس کا جواب نہ تو خود تھانوی صاحب دے سکے نہ آج تک ان کا کوئی حامی مولوی دے سکا۔ تعجب ہے کہ زید خود عالم دین اور مفتی بھی ہے' اور اس کے سامنے حفظ الایمان ص ۸ کی وہ عبارت ہے جو اپنے کفری معنی میں متعین ہے' اور جس میں تھانوی صاحب نے صاحب و علمک

اور سرکار کی شان میں کھلی توہین کی ہے تو پھر بسط
مالم تکن تعلم سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح گالی دی ہے
دیکھنے کے بعد زید کے نزدیک حفظ الایمان کی گالی اور توہین کیوں کر مدح و تعظیم بن گئی الحاصل چونکہ تھانوی کی حفظ الایمان
کفری عبارت معنی میں متعین ہے اور صریح متعین کفری قول کے قائل کے بارے میں ائمہ فتویٰ کا ارشاد ہے: من شك فی
کفرہ وعذابہ فقد کفر اس لئے زید تکفیر تھانوی سے امتناع کے باعث بحکم شریعت اسلامیہ خود کافر ہو گیا اس پر توبہ تجدید
ایمان فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۹ر شعبان ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از سیّد محمد اختر چشتی آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف۔ ضلع اٹاوہ (یو۔پی)

کیا یہ عقیدہ حق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے زمین کا جو حصہ لگا ہوا ہے وہ کعبہ شریف سے افضل ہے؟

الجواب: سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم انور سے زمین کا جو حصہ لگا ہوا ہے وہ کعبہ شریف سے بلکہ عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ بے شک یہ عقیدہ حق ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں تربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسم انور سے متصل ہے کعبہ شریف بلکہ عرش سے بھی افضل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۶۸۷) اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۲۵۷ میں ہے: ماضم اعضاءہ علیہ الصلاۃ والسلام فانہ افضل مطلقا حتی من الکعبۃ والعرش والکرسی اھ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از قطب الدین قادری زیتون پورہ مومن پورہ بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

(۱) زید خود کو عالم دین کہتا ہے اور ایک مسجد کا خطیب و امام بھی ہے۔ اس نے کہا کہ انبیائے کرام سے گناہ کبیرہ کا صدور ہوا ہے اور یہ بات اسلامی معتقدات کے عین مطابق ہے۔

(۲) تاریخ اسلام کی روایات میں ایک بات یہ ملتی ہے کہ کفار مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیتیں دیں ان میں آپ پر کوڑا کرکٹ ڈالنا، حالت نماز او جھڑی ڈالنا بھی ثابت ہے مگر زید کہتا ہے کہ یہ سلوک عام مومنین کے ساتھ ہوا ہے۔

(۳) زید کہتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر سرفراز ہوئے۔ دریافت طلب امر ہے کہ ماقبل نبوت زندگی کیا نبوی زندگی نہ تھی۔ جبکہ اس سلسلے میں ایک حدیث بھی ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اس وقت، نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ براہ کرم ان سوالوں کے جواب قرآن و حدیث و سلف صالحین کے معتقدات کی روشنی میں دیں اور زید کی حیثیت و حکم شرعیہ سے آگاہ فرمائیں، اور بیشک اللہ بہترین اجر دینے والا ہے حق واضح کرنے والوں کو۔

الجواب: انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے گناہ کبیرہ کا صدور ہرگز نہیں ہوا کہ وہ سب معصوم ہیں ان سے گناہ کبیرہ کے صدور کو اسلامی معتقدات کے عین مطابق بتانا شریعت مطہرہ پر افتراء اور جھوٹ ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت ملا علی قاری علیہما الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: **الانبیاء علیہم السلام کلھم منزھون ای معصومون عن الصغائر والکبائر** یعنی جملہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام صغیرہ اور کبیرہ سب گناہوں سے منزہ اور معصوم ہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص ۶۸) اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: **الانبیاء معصومون** یعنی انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام معصوم ہیں (شرح عقائد نسفی) اور علامہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لئے حفظ الٰہی کا وعدہ ہو جس کے سبب ان سے صدور گناہ محال ہے۔ انبیاء علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت اور جہل وغیرہ صفات ذمیمہ نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمدِ صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔ انتہیٰ ملخصاً (بہار شریعت حصہ اول ص ۱۴) اور اسی حصہ کے ص ۲۲-۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں: ''انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن اور روایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے۔ انتہیٰ بحروفہ۔ لہٰذا زید پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کو امامت سے معزول کر دیں اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں۔ **وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔**

(۲) کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیتیں پہنچائیں ان میں بحالت نماز جسم اقدس پر اوجھڑی ڈالنا حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ بخاری شریف جلد اوّل ص ۴۵۲ میں ہے: **عن عبداللہ قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساجد وحولہ ناس من قریش من المشرکین اذجاء عقبۃ بن ابی معیط بسلا جزور فقذفہ علی ظھر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یرفع راسہ حتی جاء ت فاطمۃ فاخذت من ظھرہ ودعت علی من صنع لك** یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت سجدہ میں تھے اور مشرکین قریش ان کے قریب میں تھے کہ عقبہ بن ابو معیط نے اوجھڑی لا کر حضور کی پیٹھ پر ڈال دی' تو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں انہوں نے اوجھڑی کو آپ کی پشت مبارک سے ہٹا دیا اور اس کو برا بھلا کہا' اور عام مومنین پر کوڑا کرکٹ ڈالنے کا واقعہ کسی کتاب میں میری نگاہ سے نہیں گزرا۔ **وھو اعلم وعلمہ اتم۔**

(۳) چالیس (۴۰) سال کی عمر میں منصب نبوت پر سرفراز ہوئے اگر اس کا مطلب یہ ہے تو صحیح ہے کہ چالیس سال کی عمر میں تبلیغ کا حکم ہوا تو حضور نے اعلان نبوت فرمایا' اور اگر یہ مطلب ہے کہ چالیس سال کی عمر سے پہلے وہ نبی نہیں تھے اور اس سے پہلے کی زندگی نبوت کی زندگی نہ تھی تو غلط ہے۔ حدیث شریف میں ہے: **عن العرباض بن ساریۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال انی عبداللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم المنجدل فی طینتہ** (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''حاصل ایں معنی آنچہ مشہور ست برزبانہا بلفظ کنت نبیا وآدم بین الماء والطین ودرروایتے کتبت نبیا از کتابت یعنی نوشتہ شدم من پیغمبر وحال اں کہ آدم میان آب وگل بود یعنی مخلوق نہ شدہ بود۔ ایں جا می گویند کہ ازسبق نبوت آنحضرت چہ مرادست اگر علم وتقدیر الٰہی ست نبوت ہمہ انبیاء شامل ست واگر بالفعل ست آں خود در دنیا خواہد بود۔ جوابش آنست کہ مراد اظہار نبوت اوست صلی اللہ علیہ وسلم بیش از وجود عنصری وے درملائکہ وارواح چنانکہ وارد شدہ است کتاب اسم شریف او برعرش وآسمانہا وقصور بہشت وغرفہ ہائے آں وبرسینہ ہائے حورالعین وبرگہائے درختان جنت ودرخت طوبی وبرارو ہا وچشمہائے فرشتگان۔ وبعضے عرفاء گفتہ اندروح شریف وے صلی اللہ علیہ وسلم نبی بود درعالم ارواح کہ تربیت ارواح می کرد۔ یعنی اس حدیث شریف کے معنی کا حاصل وہ ہے جو کنت نبیا و آدم بین الماء والطین کے لفظ سے لوگوں کے زبانوں پر مشہور ہے' اور ایک روایت میں کتبت نبیا ہے یعنی میں اس وقت نبی لکھا گیا جب حضرت آدم علیہ السلام آب وگل کے درمیان تھے۔ یعنی پیدا نہیں کئے گئے تھے۔ اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور کے پہلے نبی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اگر یہ مطلب ہے کہ ان کا نبی ہونا مقدر ہو چکا تھا اور وہ علم الٰہی میں پہلے سے نبی تھے تو ایسی نبوت تو تمام انبیائے کرام کو شامل ہے کہ ہر ایک کا نبی ہونا مقدر ہو چکا تھا' اور سب علم الٰہی میں پہلے ہی سے نبی تھے اور اگر بالفعل نبی ہی مراد ہے' تو دنیا ہی میں ہوں گے' تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مطلب ملائکہ اور ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عنصری سے پہلے ان کی نبوت کا ظاہر کرنا ہے جیسا کہ وارد ہے کہ عرش، ساتوں آسمان، جنت کے محلات اس کے دریچوں، حورالعین کے سینوں، جنت کے درختوں اور درخت طوبٰی کے پتوں اور فرشتوں کی آنکھوں اور ان کے ابروؤں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف لکھا ہوا تھا' اور بعض بزرگان دین نے فرمایا کہ حضور کی روح شریف عالم ارواح میں نبی تھی جو ارواح کی تربیت کرتی تھی۔ (اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۴۷۴) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ قالوا یارسول اللّٰہ متی وجبت لك النبوۃ (ای ثبت۔ مرقاۃ) قال و ادم بین الروح والجسد ' یعنی صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی تو حضور نے فرمایا آدم علیہ السلام جب روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (مشکوٰۃ) ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے ہی نبی تھے' اور ان کے نبی ہونے کو خدا تعالیٰ نے عرش اعظم وغیرہ پر ان کا نام لکھ کر پہلے ہی ظاہر فرمادیا تھا۔ یہ تینوں سوال اگر ایک ہی شخص کے بارے میں ہیں تو وہ جاہل نہیں تو گمراہ ہے' اور گمراہ نہیں تو جاہل ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷؍ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد بشیر قادری چشتی یارعلوی ڈفلڈ نہوا ضلع گونڈہ

زید نے عوام لوگوں میں یہ پھیلایا خدا اور رسول چاہے گا تو یہ کام ہو جائے گا یا کرلونگا مقدمہ میرا فتح ہو جائے گا تو ایسا نہیں

کہنا چاہئے۔ خدا چاہے گا تو ہو جائے ایسا کہنا چاہئے خدا میں رسول کو نہیں شریک کرنا چاہئے کیونکہ دلیل قرآن میں ثابت ہے کہ وحدانیت میں رسول کو شریک نہیں کرنا چاہئے اور لوگ رسول کی تعریف اتنی کر دیتے ہیں کہ خدا سے بھی رسول کا مرتبہ بڑھا دیتے ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ زمین آسمان میں جو چیز خدا کے لئے ہے سب خدا نے پیدا کیا ہے، اور جو کرنا ہوتا ہے وہ خدا ہی کرتا ہے، اور کسی نبی ولی کو اختیار نہیں کہ جو چاہیں نبی ولی کر ڈالیں سب خدا ہی کرتا ہے، اور کرے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مکہ کے کچھ لوگوں نے رسول سے سوال کیا کہ یہ بتا دو، تو آپ نے کہا کہ کل بتا دوں گا۔ اس پر سولہ دن تک خدا وحی نہیں لایا۔ سولہ دن کے بعد آیات وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ لایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا: اے رسول جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرو یا بتانے کا ارادہ کرو تو انشاء اللہ کہہ لیا کرو کہ خدا چاہے گا تو بتا دوں گا یا کروں گا۔ اگر رسول کو معلوم ہوتا تو فوراً بتا دیتے۔ یہ نہ کہتے کہ کل بتا دوں گا۔ تیسری دلیل حدیث شریف سے یہ ہے: صحابی نے رسول سے کہا کہ حضور! اگر آپ حکم دو تو ہم لوگ یہ کریں، تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے اللہ کے شریک نہ کرو میں غیر اللہ ہوں۔ اللہ کی وحدانیت میں مجھے شریک نہ کرو، تو یہ ثابت ہوا خدا کا رسول کو شریک نہیں کرنا چاہئے اور لوگ یہ جو کہہ دیتے ہیں کہ خدا اور رسول چاہے گا تو یہ کام کروں گا یا ہو جائے گا ایسا کہنا شرک ہوگا، اور اگر رسول کو شامل کرنا ہوتا تو انشاء الرسول بھی قرآن میں آتا اور انشاء اللہ ہی کی آیات میں آتا لیکن قرآن میں انشاء الرسول نہیں آیا۔

(۴) اور بکر میلاد شریف میں ختم صلاۃ وسلام کے بعد یہ شعر پڑھتا ہے: اے خدا کے لاڈلے پیارے رسول۔ لو سلام اب تو تمہارا ہو قبول۔ عمرو کا کہنا ہے کہ وحدانیت کی آڑ میں رسالت کی توہین ہے۔ بکر یہ کہتا ہے کہ توہین نہیں ہے بلکہ تعریف ہے سو قرآن شریف و حدیث شریف کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔ عین مہربانی ہوگی۔ نیز قرآن شریف اور حدیث شریف سے زید کے اوپر حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: نمبر ایک: بیشک مشیت حقیقیہ ذاتیہ مستقلہ صرف اللہ جل جلالہ ومجدہ کے لئے ہے، اور مشیت عطائیہ تابعہ لمشیۃ اللہ تعالیٰ رب العزت جل جلالہ نے اپنے عباد (بندوں) کو عطا فرمائی ہے پھر چونکہ تمام بندگان الٰہی میں سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل واعلیٰ، بلند وبالا رب العالمین جل جلالہ کے خلیفۂ اعظم ونائب اکبر ہیں اس لئے سرکار کی مشیت کو اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات عالم میں دخل عظیم عطا فرمایا ہے۔ امام طبرانی معجم کبیر میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الشمس فتاخرت ساعة من نهار یعنی سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر چلتے سورج کو حکم دیا کہ کچھ دیر چلنے سے ٹھہر جا تو وہ فوراً ٹھہر گیا۔ (معجم کبیر للطبرانی بحوالہ الامن والعلی ص ۹۹) دیکھو دنیا کے کل جاہ وجلال والے بادشاہ اور حکمت ودانش والے تمام سائنس داں اپنا سارا زور لگا دیں مگر سورج کی رفتار ایک سیکنڈ کے لئے بند نہیں ہو سکتی۔ لیکن قربان جائیں اللہ کے خلیفۂ اعظم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے اپنے رب جل جلالہ وعلا مجدہ کی عطا فرمودہ مشیت سے کروڑوں میل کی دوری پر چلتے سورج کو ٹھہرا دیا۔ فالحمد للہ رب العالمین والصلاۃ

والسلام علی سیّد المرسلین۔ بخاری شریف کے شارح مشہور محدث حضرت امام ربانی احمد بن محمد خطیب قسطلانی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

الابابی من کان ملکا وسیدا وادم بین الماء والطین واقف
اذارام امرا لایکون خلافہ ولیس لذلک الامر فی الکون صارف

یعنی خبردار! میرے باپ قربان ان (پیارے مصطفیٰ) پر جو بادشاہ اور سردار ہیں اس وقت سے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام ابھی (آب وگل)۔ پانی اور مٹی کے اندر ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ جس بات کا ارادہ کریں اس کے خلاف نہیں ہوتا تمام جہان میں کوئی ان کے حکم کا پھیرنے والا نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم (بحوالہ الامن العلی ص ۱۰۱) اور محمد رسول اللہ تو محمد رسول اللہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نائب اور خادم سیّدنا مولیٰ علی مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی نسبت امت مرحومہ کا جو اعتقاد ہے وہ حضرت شاہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور امام الوہابیہ کے چچا اور دادا پیر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے قلم سے سنئے۔ حضرت موصوف اپنی کتاب تحفہ اثناعشریہ مطبوعہ کلکتہ ص ۳۹۶ میں لکھتے ہیں: حضرت امیر وذریت طاہرہ را تمام امت برمثال پیراں ومرشداں می پرستند وامور تکوینیہ را بایشاں وابستہ می دانند۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے شہزادگان کو امت کے سارے لوگ پیروں اور مرشدوں کی طرح بہت مانتے ہیں اور کاروبار عالم کو ان کے دامنوں سے وابستہ جانتے ہیں' اور سنیئے شہزادۂ رسول سرکار غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ اپنے قصیدۂ مبارکہ غوثیہ میں فرماتے ہیں:

ولو القیت سری فوق میت لقام بقدرۃ المولیٰ تعالیٰ

یعنی اگر میں اپنا راز کسی مردہ پر ڈال دوں تو قدرت الٰہی سے وہ ضرور زندہ ہو جائے گا۔

بخاری، مسلم، نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ائمہ حدیث نے یہ صحیح حدیث جلیل روایت کی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سرکار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں: ماری ربك الایسارع فی هواك یعنی یارسول اللہ! میں یہی دیکھتی ہوں کہ رب العزۃ جل جلالہ حضور کی چاہت پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔ سبحان اللہ کیسی پیاری چاہت ہے؟ سرکار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور کیسی مبارک مشیت ہے پیارے نبی کی کہ خود رب العٰلمین جل جلالہ جلد سے جلد اسے قبول واجابت کا سہرا عطا فرماتا ہے۔ بس اسی مشیت عطائیہ مبارکہ کے باعث مسلمان حضرات نام الٰہی جل جلالہ کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک ملا کر یوں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اللہ ورسول چاہیں تو یہ کام ہو جائے گا۔ شرع کے نزدیک ایسا کہنا ہرگز شرک نہیں۔ امام الوہابیہ ملا اسماعیل اور دیگر وہابیہ کی یہ دھاندلی ہے کہ یہ لوگ اس کہنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے اعتقاد میں چونکہ اللہ رب العزت کی مشیت ذاتی مستقل ہے' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت عطائی تابع ہے اس لئے ہماری بولی میں کوئی ایسا لفظ ضرور ہونا چاہئے جس سے سننے والے کو مشیت ذاتی مستقل اور مشیت عطائی تابع

کے درمیان فرق واضح رہا کرے۔ لہٰذا مذکورہ بالا جملوں کو یوں استعمال کیا جائے ''اگر اللہ پھر رسول چاہیں تو یہ کام ہو جائے گا' جیسا کہ ہمارے علماء اہل سنت بولتے ہیں۔ انشاء الله تعالیٰ ثم شاء رسوله صلی الله علیه وسلم۔

امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی نے خواب میں ایک کتابی (یہودی یا نصرانی) سے ملاقات کی اس کتابی نے کہا کہ تم لوگ کیا ہی اچھی قوم ہو اگر شرک نہ کرتے۔ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ خواب سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو سرکار نے فرمایا: سنتے ہو خدا کی قسم! واقعی تمہاری اس بات پر مجھے خیال گزرتا تھا کہ کفار مخالفین مسلمانوں پر شرک کا الزام اٹھائیں گے۔ چنانچہ خواب میں ایک کتابی نے شرک کا اتہام جڑ ہی دیا۔ اچھا اب یوں کہا کرو: ما شاء الله ثم شاء محمد صلی الله علیه وسلم۔ جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ وطبرانی وبیہقی وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔ (بحوالہ الامن والعلی ص ۱۷۴) اس حدیث کریم سے صاف واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ جملہ کہ اللہ ورسول چاہیں تو فلاں کام ہو جائے گا خوب رواں دواں تھا لیکن چونکہ یہودی کافر صحابہ کرام پر شرک کی تہمت لگاتے تھے اس لئے سرکار نے اس کے بجائے یوں بولنا سکھایا کہ اللہ پھر رسول چاہیں تو فلاں کام ہو جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ دونوں جملے جائز اور شرک سے پاک ہیں لیکن چونکہ صحابہ کے زمانہ میں یہودی اور ہمارے زمانہ میں وہابی پہلا جملہ بولنے پر طعنہ دیتے تھے اور دیتے ہیں اس لئے ہمیں سرکار کے سکھانے کے مطابق ہمیشہ دوسرا جملہ یعنی اللہ پھر رسول اللہ چاہیں تو یہ کام ہو جائے گا بولنا چاہئے کہ دوسرا جملہ طریقۂ ادب سے زیادہ میل کھاتا ہے۔ یہ خوب واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقدس نام کے ساتھ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ملا کر بولنا ہرگز شرک نہیں۔ دیکھو قرآن شریف میں رب العزت جل جلالہ فرماتا ہے: وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ' اور ان کو کیا برا لگا یہی ناں کہ ان کو دولت مند کر دیا اور اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابن جمیل نے زکوٰۃ دینے میں کمی کی تو سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وما ینقم ابن جمیل الا انه کان فقیرا فاغناه الله ورسوله۔ یعنی ابن جمیل کو کیا برا لگ رہا ہے یہی ناں کہ وہ پہلے مفلس ومحتاج کنگال تھا پھر اللہ اور اس کے رسول نے اسے مالدار بنا دیا۔ دیکھو قرآن وحدیث میں دولت مند بنا دینے کی نسبت ایک ساتھ اللہ ورسول کی طرف کی گئی ہے۔

اگرچہ وہابیوں کے جھوٹے مذہب میں ایسی نسبت جائز نہیں بلکہ شرک ہے مگر شریعت اسلامیہ میں قطعی جائز اور حق ہے کیونکہ غناء (محتاجوں کو مالدار بنا دینا) کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف مانی جائے گی تو اس سے مراد اغناء حقیقی ذاتی مستقل ہوگی' اور جب حضور کی طرف مانی جائے گی تو اس سے مراد اغناء عطائی تابع ہوگی۔ اب زید سے پوچھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ غنی بنا دینے میں رسول کو بھی ملایا تو شرک ہوا یا نہیں اور خدا کی وحدانیت کے خلاف ہوا یا نہیں۔ اگر کہے شرک ہوا تو وہ کھلم کھلا کافر اور دیو کا بندہ ہو گیا اور اگر کہے کہ شرک نہیں تو اس سے کہو کہ اللہ اور رسول چاہیں یہ بولنا کیوں کر شرک ہے؟ یہ حقیقت پوست برکندہ ہے کہ وہابیوں کے بڑے بڑے ملا شان الٰہی کے پہچان سے قطعی جاہل ہیں اور نرے بز اخفش ہیں۔ ان کو کوت، و، ح، ی، د کے صرف

پانچ حروف رٹا دیئے گئے ہیں۔ باقی اس کے معنی اور مفہوم کی انہیں بالکل خبر نہیں ان کو یہ پتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے اس کی صفات کی گنتی غیر متناہی ہے اس کی ہر صفت یہاں تک کہ گھاس کے صرف ایک تنکے کے بارے میں اس کا جو علم ہے وہ بھی غیر متناہی ہے اس کی قدرت غیر متناہی ہے ان ملاؤں کو رب العٰلمین جل جلالہ کی پہچان ہی نصیب نہیں۔ اسی لئے سنی مسلمان علماء بیان کرتے ہیں کہ اللہ پاک کی تعلیم کی بدولت سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ما کان و ما یکون (جو کچھ ہوا اور قیامت تک جو کچھ ہوتا رہے گا) کا علم حاصل ہے' اور اللہ تعالیٰ نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا غیب جاننے پر قابو دیا ہے کہ پیارے نبی جب چاہیں زمین و آسمان، عرش، کرسی، لوح و قلم کا غیب دریافت کرلیں تو بس وہابی ملا فوراً شور مچاتے ہیں کہ دیکھو لوگو رسول کو خدا کے برابر کر دیا' اور جب سنی علماء سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ تمام ما کان و ما یکون کا علم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عظیم کا ایک قطرہ ہے تو اتنا سنتے ہی وہابی ملا کو غشی آ جاتی ہے' اور بدحواسی کے عالم میں وہ جل اٹھتے ہیں کہ ارے لوگو! سنیوں نے رسول کا مرتبہ خدا سے بھی بڑھا دیا۔ معاذ اللہ رب العٰلمین۔ بات یہ ہے کہ وہابی حضرات جس خدا کی جھوٹی توحید کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں وہ ان کے نزدیک گھٹیا درجہ کا ہے تو جب سنی حضرات اپنے سچے خدا کے رسول کا مرتبہ بے پایاں بیان کرتے ہیں تو وہابیوں کو اپنا وہمی خدا گھٹیا اور چھوٹا نظر آنے لگتا ہے' اسی لئے وہ شور مچاتے اور بطور اعتراض کہتے ہیں کہ رسول کا مرتبہ خدا سے بڑھا دیا۔ او ظالم وہابیو! خدا تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے' اور رسول پاک کا علم متناہی ہے' اور خدا سے رسول کا مرتبہ کیسے بڑھ سکتا ہے او توحید کے جھوٹے پجاریو! تم ایسے کو کیوں خدا مانتے ہو جو مسلمانوں کے سچے رسول کے مرتبہ کے سامنے گھٹیا درجہ رکھتا ہے۔ تم اس ذات واجب الوجود کو خدا مانو جو سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالق و مالک ہے جس نے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہان کے لئے رحمت بنایا اور سارے جہان والوں کو سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج اور نیاز مند قرار دیا جس نے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا علم عظیم عطا فرمایا کہ جس کی وسعت کے سامنے ساری کائنات جمیع ما کان و ما یکون کا علم ایک قطرہ ہے۔ جو وحدہ لاشریک لہ ہے جس کی کسی شان کسی صفت میں کوئی شریک نہیں۔ جس کا علم غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہے جس کا صرف وہ علم جو ایک ذرہ کے بارے میں ہے وہ بھی غیر متناہی ہے' اور بھاری ہے۔ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس علم عظیم پر جو کروڑوں سمندروں کی وسعت سے لاکھوں درجہ بڑا ہے' اور اتنا بڑا ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی شخص اس کی گہرائی اور پھیلاؤ کو ناپ نہیں سکتا۔ اگر مسلمان بن کر دنیا سے جانا چاہتے ہو تو وہابیت سے توبہ کر کے خدا تعالیٰ پر اس طرح ایمان لاؤ جس طرح سنی مسلمان اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا اب بھی سنیوں پر رسول پاک کو خدا تعالیٰ سے بڑھا دینے کا اتہام رکھو گے؟ ہیہات ہیہات مولیٰ تعالیٰ تمہیں توبہ کی دولت عطا فرمائے۔

جواب نمبر دوم: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ یعنی آسمان و زمین کی ساری چیزوں کا (اکیلا مستقل) مالک اللہ ہی ہے۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ یعنی (اے پیارے مصطفےٰ بارگاہ الٰہی میں) عرض کرو: اے اللہ! ملک کے (مستقل) مالک تو جسے چاہتا

ہے ملک عطا فرماتا ہے۔ قرآن شریف میں تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ٥ یعنی تیرے رب کی عطا پر کوئی روک نہیں۔ چوتھی جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ یعنی اور لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے قابو اور قبضہ دیتا ہے۔ پانچویں جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ٥ یعنی کہا اس شخص (آصف بن برخیا) نے جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا کہ (اے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے تخت (بلقیس، کو یمن سے یہاں) آپ کی خدمت میں لاؤں گا پھر جب حضرت سلیمان علیہ اسلام نے تخت اپنے پاس حاضر پایا تو فرمایا کہ میرے رب کا کرم ہے۔ حضور پرنور سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لو شئت لسارت معی جبال الذھب (مشکوٰۃ شریف) یعنی اگر میں چاہوں تو میرے اردگرد سونے کے کئی پہاڑ چلیں۔ سرکار غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ اپنے قصیدۂ غوثیہ شریف میں فرماتے ہیں:

وولانی علی الاقطاب جمعا	فحکمی نافذ فی کل حال
فلو القیت سری فی بحار	لصار الکل غورا فی الزوال
فلو القیت سری فوق میت	لقام بقدرۃ المولیٰ تعالیٰ

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام قطبوں پر حاکم اور ان کا والی بنایا ہے اس لئے میرا حکم ہر حال میں جاری اور نافذ ہے۔ پھر میں اگر اپنا راز سمندروں میں ڈال دوں تو ضرور سب کے سب خشک ہو کر ختم ہو جائیں گے اور اگر میں اپنا راز کسی مردہ پر ڈال دوں تو ضرور وہ قدرت الٰہی جل جلالہ سے زندہ ہو جائے گا۔

اب مذکورہ بالا آیات مقدسہ اور اقوال مبارکہ کے نتائج سنیے۔ پہلی آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر چیز کا تنہا مستقل مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ ملکیت ذاتی استقلالی ہے اس کا غیر خدا کے لئے ہونا محال ہے اور جو غیر کے لئے مانے وہ مشرک اور کافر ہے۔ دوسری آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس بندے کو چاہے پوری زمین عطا فرما کر اس کا مالک بنا دے یا سارے آسمان کی حکومت دے دے یا جس بندہ کو چاہے زمین و آسمان کی سلطنت عطا فرما کر اس کو دونوں جہاں کا مالک بنا دے کیونکہ اس کی عطا کے لئے نہ کوئی حد ہے کہ اس کے بعد عطا نہیں فرما سکتا اور نہ عطا فرمانے میں اس کے لئے کچھ مجبوری ہے کیونکہ اس کی شان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ چوتھی آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے۔ پانچویں آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کو ایسا اقتدار عظیم عطا فرمایا تھا کہ انہوں نے ایک سکنڈ سے بھی کم مدت میں حضرت بلقیس کا شاہی بھاری بھرکم تخت یمن سے لا کر ملک شام میں حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے دربار میں موجود کر دیا اور خود دربار سے ایک منٹ کے لئے بھی غائب نہیں ہوئے۔ مشکوٰۃ شریف سے نقل کردہ حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اقتدار و اختیار عطا فرمایا ہے کہ سرکار زمین کی تہ سے سونے کے بہت سے پہاڑ نکال کر ان کو اپنے ساتھ ساتھ چلائیں۔

قصیدہ غوثیہ سے اشعار مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار غوث اعظم محبوب سبحانی سیّدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو تمام جہاں کے اقطاب کا والی بنایا ہے کہ سرکار غوث اعظم جس کو چاہیں قطبیت کی کرسی پر بٹھائیں' اور جس کو چاہیں قطبیت کے تخت سے اتار کر نیچے کر دیں' اور اللہ تعالیٰ نے سرکار غوث اعظم کو متصرف بنایا ہے کہ سرکار جو کچھ چاہیں زمین و آسمان میں تصرف کریں اور جس مردے کو چاہیں باذن الٰہی زندہ کر دیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء کو بہت کچھ اختیار عطا فرمایا ہے۔ ان حضرات نے باذن الٰہی جو چاہا کیا اور آئندہ جو چاہیں گے کریں گے۔ کووں کی کائیں اور کاؤں سے ان حضرات کا اختیار سلب نہیں قرار پا سکتا۔ وہابیوں میں نہ کوئی ولی ہوا اور نہ ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی اندھی عقیدت کے باعث عام دیوبندی وہابیوں نے اپنے گرو ملا رشید احمد کو بہت بڑا ولی تسلیم کیا ہے۔ اب سنو وہابی حضرات ملا گنگوہی جی کے بارے میں کیا بکتے ہیں۔ ہندوستانی وہابیوں کے شیخ الہنود محمود الحسن دیوبندی صاحب گنگوہی جی کی تعریف میں لکھتے ہیں:

مردوں کو زندہ کیا اور زندوں کو مرنے نہ دیا — اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم
نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا — اس کا جو حکم تھا تھا سیف قضائے مبرم

پہلے شعر میں حضرت سیّدنا عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں بدتمیزی کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ گنگوہی ملا نے بہت سے مردے زندہ کئے لیکن مردہ کو زندہ کرنا یہ ایک ایسا تصرف ہے جو وہابی دھرم میں غیر خدا کو حاصل نہیں لہٰذا وہابی جواب دیں کہ خدا کا تصرف گنگوہی کے لئے ماننا شرک ہے یا نہیں؟ اور گنگوہی کی اس طرح تعریف کرنے والا مشرک ہو گیا یا نہیں؟ اور سنو! خدا تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کو قضائے مبرم کہتے ہیں۔

اور دوسرے شعر میں گنگوہی کے حکم کو قضائے مبرم کہا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہابی لوگ اپنے گرو ملا گنگوہی کو یا تو خدا مانتے ہیں یا خدا کا شریک سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ اب خود گنگوہی جی کا حال سنو!

دیوبندیوں کے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اپنی تصنیف ''تذکرۃ الرشید'' حصہ اوّل ص ۸ میں گنگوہی جی کا انگریزوں کے بارے میں جو اعتقاد تھا اس کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں (گنگوہی) جب حقیقت میں (انگریز) سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام (بغاوت) سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر (میں گنگوہی جان سے) مارا بھی گیا تو سرکار (انگریز) مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ او بدنصیب وہابیو! عبرت پکڑو اور آنکھیں کھولو دیکھو جھوٹی توحید کا علمبر دار اعظم جب انگریز گورنمنٹ سے بغاوت کے الزام میں گرفتار ہوا تو اس کو یہ سبق یاد نہیں رہ گیا کہ خدا تعالیٰ ہی مالک و مختار ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے وہی جو چاہے کرے بلکہ وہ انگریز سرکار کو مالک و مختار مان رہا ہے' اور اپنی جان کا مالک انگریزوں کو قرار دے رہا ہے' اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کا عقیدہ ہے کہ انگریز جو چاہیں کریں یعنی گنگوہی کو مار ڈالیں یا زندہ رکھیں۔''

مالک ومختار ہیں ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ سب وہابی مل کر جواب دیں کہ انگریزوں کو اپنی جان کا مالک ومختار ماننا یہ عقیدۂ شرک ہے یا نہیں؟ اور گنگوہی مشرک ہوا یا نہیں؟ لاؤ تم لوگ ایسی کوڑی جس سے گنگوہی کا گلا کفروشرک کے شکنجے سے باہر آجائے۔

جواب نمبر سوم: اللہ تعالیٰ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ٥ یعنی اے پیارے مصطفےٰ تمہیں جو باتیں معلوم نہ تھیں اللہ نے ان سب کا علم تمہیں عطا فرمایا اور تم پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔ ترمذی شریف میں سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: فتجلی لی کل شیء وعرفت یعنی (اللہ تعالیٰ کے اپنے دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھنے کے بعد) میرے لئے (کائنات کی) ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز الگ الگ پہچان لی۔ مسلم شریف جلد ثانی میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فاخبر بما كان وبما هو كائن الى يوم القيامة فاعلمنا احفظنا۔ یعنی سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم حاضرین مجلس کو ان تمام چیزوں سے جو ہو چکیں اور ان تمام باتوں سے جو قیامت تک ہوتی رہیں گی، سب سے آگاہ فرما دیا اب ہم لوگوں میں بہت بڑا عالم وہ ہے جس کو سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے واقعات بہت زیادہ یاد ہوں۔ اس حدیث شریف میں کھلے طور پر ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بہ تعلیم الٰہی جمیع ماکان ومایکون کے عالم ہیں، اور حضور نے صحابہ کو بھی ماکان ومایکون سے آگاہ فرمایا پھر ماکان ومایکون کی تکمیل تعلیم سے پہلے اگر حضور کے علم میں فلاں واقعہ نہ ہو تو اب تکمیل تعلیم کے بعد حضور کے علم کی نفی اور نفی ثابت کرنے کے لئے اس فلاں واقعہ کو پیش کرنا کھلی ہوئی شیطانیت اور دیو کی بندگی ہے پھر کسی چیز کو بنانے کے لئے تو خود اس چیز کا علم لازم ہے لیکن کسی چیز کو بتانے کے لئے تو خود بتانا ہرگز لازم نہیں۔ کفار مکہ نے بارہا پوچھا کہ قیامت کب آئے گی مگر اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا تو کیا کوئی ملعون دیو کا بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ قیامت کا وقت خدا تعالیٰ کو معلوم نہ تھا۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔ لیکن بھینس جیسا موٹا دماغ رکھنے والے وہابی یہی جملہ ہمیشہ دہراتے رہتے ہیں کہ رسول کو فلاں بات معلوم نہیں اگر معلوم ہوتی تو فوراً بتا دیتے۔ اچھا وہابیو! ہم فیصلہ کئے دیتے ہیں کہ تم پتھر جیسے مجبور اور جاہل کو اپنا رسول مانو اور ہم تو اس کو رسول مانتے ہیں جو ساری کائنات میں سب سے زیادہ بااختیار ہے، اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کے غیبوں کو شہادت بنا دیا ہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انہیں ۔۔۔ اس پر شہادت آیت و وحی و اثر کی ہے

جواب نمبر چہارم: قرآن مجید کا ارشاد ہے: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ یعنی پیارے مصطفےٰ تمہارے رب کی قسم! وہ لوگ ہرگز مومن قرار نہیں پائیں گے جب تک اپنے آپس کے نزاعی معاملات میں تمہیں حاکم نہ مان لیں۔ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے حکم دینے اور چلانے کے لئے بھیجا ہی ہے پھر وہابی کیوں دن دوپہر زندہ مکھیاں نگل رہا ہے جو اس نے یہ بک دیا کہ معاذ اللہ صحابی نے شرک کرنے کی اجازت مانگی تو حضور نے جواب دیا کہ

مجھے اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ کیا وہابیوں کے نزدیک حضور سے حکم مانگنا بھی شرک ہے۔ او اندھے وہابی! کسی کام کے جائز ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کا جائز ہونا صراحتاً قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہو۔ بے شک قرآن مجید میں: اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ آیا ہے۔ شرع کے نزدیک جو شان اغناء کی ہے وہی شان مشیت کی بھی ہے تو اگر اغناء الٰہی کے ساتھ اغناء رسول کا ذکر شامل کرنا شرک نہیں تو مشیت الٰہی کے ساتھ مشیت رسول کا ذکر ملانا بھی ہرگز شرک نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں ان شاء الرسول کا کلمہ نہیں آیا لیکن حدیث شریف میں تو آیا ہے۔ ماشاء اللّٰہ ثم ماشاء اللّٰہ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بفضلہ تعالیٰ سمجھا سکتے ہیں لیکن دیو کے بندوں کو ایمان کی واقعی باتیں سمجھنے کے لئے دل ہی نہیں ملا۔ اس لئے ہم ان کو کس طرح سمجھائیں بس خدا تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمائے کہ وہابی قرآن اور حدیث کی بات سمجھ سکیں۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

جواب نمبر پنجم: بکر کا کہنا ٹھیک ہے مذکورہ بالا شعر میں رسالت کی کوئی توہین نہیں عمرو سے اس کے بیان کی وضاحت طلب کی جائے۔ واللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ اعلم جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد القادری الرضوی

۱۹ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

مسئلہ: از مجید اللہ کپتان گنج ضلع بستی

بکر نے بازار سے سامان خریدا اور اس کو لے کر گھر آیا اور گھر پر خالد سے ملاقات ہوئی تو خالد نے بکر سے کہا کہ یہ سامان خراب اور عیب دار ہے تو بکر نے کہا عیب کس کے اندر نہیں ہے عیب تو اللہ عزوجل مجدہ کے علاوہ سب کے اندر ہے تو اس پر خالد نے کہا کہ کیا عیب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بھی ہے، تو بکر نے کہا: ہاں! پھر خالد نے کہا: کیا فرشتوں کے اندر بھی ہے......؟ تو بکر نے کہا: ہاں! فرشتوں کے اندر بھی ہے! پھر بکر کے اس کہنے پر خالد نے کہا کہ توبہ کرو، تو بکر نے کہا: میں تو برابر توبہ کرتا رہتا ہوں ایسے توبہ کرنے سے کیا فائدہ، تو مذکورہ صورت میں بکر اسلام سے خارج ہوا یا نہیں اور اس پر توبہ اور تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کا ذبیحہ کھانا کیسا ہے؟

الجواب: بعون الملک الوہاب۔ صورت مستفسرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ملائکہ میں عیب مان کر کافر و مرتد ہوگیا۔ لہٰذا بکر پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا نیز تجدید ایمان اور بیوی والا ہو تو پھر سے نکاح کرنا فرض ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کا ذبیحہ کھائیں اس لئے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے کا ذبیحہ کھانا حرام و ناجائز ہے، اور خالد بھی توبہ کرے اس لئے کہ اسی کے غلط سوال نے بکر کو کفر تک پہنچایا ہے۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم۔

الجواب: صحیح، بدرالدین احمد القادری الرضوی

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی
۳؍ رذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از حافظ سیّد جاوید حسین نوری معرفت حافظ عبد الحفیظ قادری رضوی مکان نمبر ۱۹؍۱۴۹ کانپور

زید وعمر میں اس بات پر گفتگو ہوئی کہ حضور مظہر خدا ہیں اللہ عالم الغیب ہے حضور بھی عالم الغیب۔ اللہ حی وقیوم ہے حضور بھی حی وقیوم ہیں بعطائے الٰہی تو بکر نے کہا کہ بندے پر عالم الغیب کا یا حی وقیوم کا اطلاق جائز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم غیب یعنی غیب داں ضرور ہیں اسی طرح قیوم نہیں قیم ضرور ہیں وغیرہ وغیرہ ان مسائل کو واضح طور پر تحریر فرمائیں۔

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم غیب یعنی غیب داں ضرور ہیں لیکن عالم الغیب کا اطلاق حضور پر جائز نہیں۔ ھکذا قال العلماء لاھل السنة والجماعة اور بیشک حضور علیہ الصلوٰۃ حی یعنی زندہ ہیں حدیث شریف میں ہے: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق (مشکوٰۃ) مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیوم کہنا جائز نہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے اسمائے خاصہ سے ہے جیسے رحمٰن۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۲۳؍ رذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: ڈاکٹر شمشیر احمد انصاری محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع اعظم گڑھ

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب توحید پرست تھے یا نہیں؟ اگر توحید پرست تھے تو خانۂ کعبہ کی کلید ان کے ہاتھوں میں ہوتے ہوئے خانۂ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت کیسے رکھے ہوئے تھے؟ جبکہ ان کو پورا اختیار تھا چاہتے تو رکھتے یا نکال دیتے، اور ان کی توحید پرستی واقعۂ ابرہہ سے ثابت ہے۔

الجواب: سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب توحید پرست تھے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے رسالہ مبارکہ شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام میں واضح دلائل کے ساتھ افادہ فرمایا ہے لیکن انہوں نے خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک نہیں کیا اس لئے کہ پورا عرب بتوں کی عبادت اور ان کی محبت میں غرق تھا یہاں تک کہ حضرت عبد المطلب کا خاندان بھی، تو اس صورت میں بتوں کی حفاظت کرنا اور خانۂ کعبہ سے ان کو نکالنا پورے عرب سے اعلان جنگ کے مترادف ہوتا جو ان کی طاقت سے باہر تھا۔ ھٰذا ماظھرلی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از غلام مرتضیٰ سیوانی۔ متعلم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف

زید ایک وہابی عالم ہے، اور بکر ایک سنی عالم ہے، اور وہ دونوں ایک مجلس عام میں مجتمع ہوئے اور ان کے درمیان بحث شروع ہو گئی حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کے گندم خوری کے معاملہ میں تو دوران بحث زید نے کہا کہ آدم علیہ السلام کا گندم کھانا یہ ان کی لغزش ہے تو بکر نے جواب میں کہا کہ نہیں نہیں جناب والا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش نہیں کہی جائے گی اس لئے کہ انبیائے کرام سے لغزش و غلطی کا ہونا محال ہے پھر زید نے اعتراض کیا کہ آخر اس کو کیا کہا جائے تو بکر نے کہا کہ خطائے ایزدی تو زید نے کہا: مولانا بکر صاحب! سمجھ کر بول رہے ہیں تو بکر نے کہا کہ ہاں میں سمجھتا ہوں اس میں اضافت مقلوبی ہے لہٰذا حضور والا سے گزارش ہے کہ زید و بکر پر شریعت کے کیا احکام جاری ہوں گے؟ مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حضرت آدم علیہ السلام کے گندم کھانے کو خطائے ایزدی کہنا کفر ہے بکر پر توبہ و تجدید ایمان لازم ہے۔ بیوی والا ہو تو تجدید نکاح کرے اور مرید ہو تو تجدید بیعت کرے، اور لفظ خطائے ایزدی میں اضافت مقلوبی نہیں ہے بلکہ ترکیب وصفی ہے یعنی خطائے موصوف اور ایزدی صفت ہے جیسے کہ عصائے موسوی میں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸/ ذی القعدہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از محمد مصلح الدین قادری نیپالی مدرس دارالعلوم جبل پور (ایم۔ پی)

قرآن افضل ہے یا صاحب قرآن؟ مفضول اور مفضول علیہ میں سے ہر ایک کی شرعی و عقلی علت بیان فرمائیں؟

الجواب: قرآن افضل ہے اس لئے کہ وہ کلام الٰہی ہے مخلوق نہیں ہے بلکہ قدیم بالذات ہے شرح فقہ اکبر ص ۳۸ میں ہے: کلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق بل قدیم بالذات اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوقات میں سب سے افضل ہیں۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲/ ذو القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد مصطفیٰ ناگا پار ضلع بستی

زید کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام بشر ہیں۔ اس لئے کہ ان کے ابوین بشر تھے؟

الجواب: حضور سیّد عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی بشریت سے کسی مومن کو انکار نہیں لیکن بشریت کی آڑ لے کر یہ کہنا کہ وہ ہم جیسے بشر تھے گستاخی اور بے ادبی ہے۔ حضور کا فرمانا انا بشر مثلکم تواضع اور انکسار کے طور پر ہے۔ وہابیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے تواضع کے طور پر ”احقر الناس رشید احمد“ لکھا ہے۔ احقر الناس کے معنی ہیں لوگوں میں ذلیل، کمینہ تو کیا کوئی دیوبندی یا وہابی یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا رشید احمد احقر الناس اور کمینہ تھے۔ کوئی وہابی ہرگز نہیں کہہ سکتا بلکہ

کہنے والے کو جواب دے گا کہ ہمارے پیشوا نے یہ کلام بطور انکسار استعمال کیا ہے۔ اس مثال کی روشنی میں ہم اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تواضع کے فرمایا ہے: اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہے۔ اللّٰہ ورسولہٗ اعلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

۹ر جمادی الاخریٰ ۷۷ھ

مسئلہ: از رفاقت خاں مؤذن جامع مسجد شاہ آباد ہردوئی

حضور نبی اکرم سیّد عالم جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا سایہ نہیں پڑتا تھا یہ روایت صحیح ہے یا اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے اس کے بارے میں اہل سنت والجماعت نے کوئی کتاب تصنیف کی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب: بعون الملک العزیز الغفار الوھاب۔ بے شک حضور پر نور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: لم یکن لہ ظل لا فی الشمس ولا فی القمر یعنی سورج اور چاند کی روشنی میں حضور کا سایہ نہیں پڑتا تھا لیکن بعض لوگوں کا اس مسئلہ میں ضرور اختلاف ہے لیکن سایہ نہ ہونے کے دلائل قوی ہیں اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ کا رسالہ ھدی الحیران فی نفی الفئی عن سیّد الاکوان اور علامہ ارشد القادری دام فیوضھم الجاری نے ''جسم بے سایہ'' تحریر فرمایا ہے وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ر محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد مصطفےٰ بھٹملی ضلع بستی

(۱) وَاذْکُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَہٗ بِالْاَحْقَافِ الخ پ۲۲ رکوع ۳ سورۂ ہود وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا۔ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا۔ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا۔ ان آیتوں میں لفظ ''اخ'' سے کیا مراد ہے نیز حدیث پاک میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لفظ ''اخ'' سے امت میں سے کسی کو یا سب کو کہیں ملتا ہے وہ عبارت کیا ہے، اور راوی کون ہے؟

(۲) اوّل ما خلق اللہ نوری۔ انا نبی والادم بین الماء والطین۔ لولاک لما خلقت الافلاک یہ تینوں ٹکڑے کیسے ہیں اور روایت اور سند کے اعتبار سے راوی ان تینوں کے کون سے لوگ ہیں اگر روایت صحیح ہے تو کوئی ان میں حدیث قدسی بھی ہے۔ نیز پھر لفظ ''نور'' کا معنی کیا ہے؟ ساتھ ہی مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نور، فرشتوں کا نور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور۔ یہ تینوں کیا معنی رکھتے ہیں؟ اگر حضور پاک کا نور مان لیا جائے تو یہ مجسم ہے یا غیر مجسم اس طرح مان لینے میں کوئی تنقیص تو لازم نہیں آتی یہ چند باتیں بحث و جنگ وجدال کے لئے نہیں پوچھی جارہی ہیں بلکہ کبھی اس طرح کے لوگوں سے جو اپنے کو وہابی دیوبندی کہتے ہیں اور حضور پاک کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں۔ ملاقات ہو جانے پر اپنا

خیال ظاہر کرنے کے لئے اور بس، مجھے صحیح باتوں کی تلاش ہے۔

نوٹ: نور کا لفظی اور اصطلاحی دو طرح کا معنی ہے، اور صرف لفظی یا صرف اصطلاحی۔

الجواب: (۱) آیات مذکورہ میں ''اخ'' سے مراد: ہم قوم ہے۔ حضرت امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت فرمائی جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے بعد پیدا ہونے والے بعض مخلصین مسلمانوں کو از راہ کرم لفظ اخوان سے یاد فرمایا ہے۔ راوی حدیث سے منقول کلمات یہ ہیں: وَاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ لَمْ یَاْتُوْا بَعْدَ (ملاحظہ ہو مسلم شریف جلد اوّل ص ۱۲۷) واضح ہو کہ وہابیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی کہنا لکھنا اور کتابوں میں چھاپنا جائز ہے، بلکہ ملا رشید احمد گنگوہی نے تو فتاویٰ رشیدیہ میں اپنی طرف سے ایک حدیث گھڑ کر پیش کر دی ہے جیسا کہ وہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: چونکہ حدیث میں آپ (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ کو بھائی کہو بایں رعایت تقویۃ الایمان میں اس لفظ کو لکھا ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۸۵ مطبوعہ کراچی پاکستان) اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ۔ یہ مقام عبرت ہے کہ جب وہابیوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت گھٹانے اور حضور کو اپنا بھائی بنانے کے لئے کوئی ثبوت نہ مل سکا تو ان کے پیشوا گنگوہی نے اپنے جی سے ایک حدیث گھڑ کر اپنے فتاویٰ میں لکھ دی تا کہ وہابیت کے پجاریوں کو یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ جب خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ مجھ کو بھائی کہو تو ہم لوگ ضرور حضور کو اپنا بھائی کہیں گے (معاذ اللہ تعالیٰ) واضح ہو کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بعض انبیائے کرام کی بعثت کا ذکر فرماتے ہوئے ان کو ان کی قوموں کا ''اخ'' قرار دیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا۔ یعنی قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے ہم نسب اور ہم قوم ہود کو بھیجا تو آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب ظاہر کرنے کے لئے ''اخ'' کا کلمہ استعمال فرمایا ہے۔ یوں ہی مسلم شریف کی حدیث میں ہے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شفقت کاملہ کا اظہار کرتے ہوئے بعض مخلص مسلمانوں کو لفظ اخوان سے یاد فرمایا ہے۔ سرکار اقدس حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت کریم و مہربان ہیں۔ بطور تواضع جس کلمہ کو چاہیں اپنے حق میں استعمال فرمائیں۔ خود ملا رشید احمد گنگوہی ہی نے براہین قاطعہ میں اپنے آپ کو احقر الناس لکھا ہے پھر کیا گنگوہی کے کسی گستاخ شاگرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یوں کہے کہ ہمارے مولانا گنگوہی صاحب احقر الناس تھے۔ اگر حق حاصل نہیں ہے تو کیوں جبکہ خود گنگوہی ہی نے اپنے آپ کو احقر الناس لکھا ہے تو ان کو احقر الناس کیوں نہ کہا جائے۔ اس جگہ گنگوہی کے ماننے والے یہی کہیں گے کہ حضرت مولانا گنگوہی صاحب نے چونکہ بطور تواضع اپنے آپ کو احقر الناس لکھا ہے اس لئے دوسرا کوئی شخص اس کلمے کو ان کے حق میں نہیں بول سکتا پھر مسلمانوں کی طرف سے بھی یہی جواب ہے کہ یہ سرکار افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلصین امت کو بطور تواضع کلمۂ اخوان سے یاد فرمایا ہے اس لئے وہابی دیوبندی ملحد و زندیق کو ہرگز ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ حدیث شریف کی آڑ لے کر سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی بنائے۔

(۲) وہابیوں کے مشہور و معروف ادارہ ''کتب خانہ رشیدیہ دہلی'' نے مولوی محمد ابراہیم دہلوی وہابی کی کتاب احسن المواعظ

چھپوا کر شائع کی ہے۔ اسی کتاب مذکور کے ص ۲ میں مولوی محمد ابراہیم دہلوی نے بحوالۂ المواہب الدنیہ زرقانی شرح مواہب تاریخ الخمیس۔ تاریخ انس الجلیل لکھا ہے: عن جابر قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اوّل ماخلق اللّٰه نوری۔ یعنی سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ میرا نور ہے وہابیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی ہی نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ کراچی ص ۱۵۷ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیثیں (یعنی اوّل ماخلق اللّٰه نوری اور لولاك لما خلقت الافلاك) کتب صحاح میں موجود نہیں ہیں مگر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اوّل ماخلق اللّٰه نوری نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے فقط واللّٰه تعالٰی اعلم۔ بندہ رشید احمد گنگوہی۔

علامہ فاسی مغربی کی تصنیف مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں ہے: قد قال الاشعری انه تعالٰی نور لیس کالا نوار والروح النبوة القدسیة من لمعة نوره والملٰئکة شرر تلك الانوار وقال صلی اللّٰه علیه وسلم اوّل ماخلق اللّٰه نوری ومن نوری خلق کل شیء یعنی سیّدنا ابوالحسن اشعری قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نور ہے نہ اور نوروں کے مانند اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس اسی نور کی تابش ہے، اور فرشتے ان نوروں کے پھول ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔ واضح ہو کہ حدیث اوّل ماخلق اللّٰه نوری کی مؤید وہ حدیث شریف ہے جس کو سیّدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے استاد اور امام بخاری اور امام مسلم رضی اللہ عنہما کے استاذ الاساتذہ حافظ الحدیث عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی تصنیف میں سیّدنا جابر بن سیّدنا عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ قال قلت یارسول اللّٰه بابی انت امی اخبرنی عن اوّل شیء خلقه اللّٰه تعالٰی قبل الاشیاء قال یا جابر ان اللّٰه تعالٰی قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نوره (الحدیث بطولہ) یعنی سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان مجھے حضور بتادیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بنائی۔ حضور نے فرمایا: اے جابر! بیشک تمام مخلوقات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اس حدیث عبدالرزاق کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نحوہ روایت کیا ہے۔ بالجملہ حدیث اوّل ماخلق اللّٰه نوری اکابر علماء کی تصانیف میں بلا نکیر شائع و ذائع ہے۔ اس حدیث کو علماء متقدمین و متاخرین کے درمیان قبول تام کا منصب جلیل حاصل ہے۔ علماء وہابیہ نے بھی اس حدیث کو تسلیم کیا ہے، اور تلقی علماء بالقبول وہ شیء عظیم ہے۔ جس کے بعد کسی سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔ نور عرف عام میں ایک کیفیت کا نام ہے کہ نگاہ پہلے اسے ادراک کرتی ہے، اور اس کے واسطے سے دوسری اشیاء دیدنی کو، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہئے کہ نور، ضیاء، روشنی، چمک، جھلک، اجالا کو کہتے ہیں۔ علامہ سیّد شریف جرجانی اپنی کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں: النور کیفیة تدرکها الباصرة اولا بواسطتها

المبصرات نور بایں معنی ایک عرض حادث ہے محققین کے نزدیک نور کی یہ تعریف ہے: الظاهر بنفسه والمظهر لغيره كما ذكره الامام حجة الاسلام الغزالي ثم العلامة الزرقاني (شرح المواہب)۔ یعنی نور وہ ہے جو کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مظہر۔ قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ دوسری جگہ قرآن مجید کا ارشاد ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ اس آیت کریمہ میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر جلالین مطبوعہ کراچی قرآن مجید نے جس طرح ذات الٰہی جل جلالہ کے لئے رحیم کا کلمہ استعمال کیا اور وبالمؤمنين رؤف رحيم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نور کا کلمہ استعمال کیا یونہی اللہ تعالیٰ کے لئے نور کا کلمہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نور کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔ پھر جس طرح رحیم بمعنی ذات الٰہی خالق ازلی، ابدی ہے اور رحیم بمعنی ذات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق حادث ہے یونہی نور بمعنی ذات قدوس سبوح غیر مخلوق ہے اور نور بمعنی ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق حادث ہے۔

(الف) ''اللہ کا نور'' یہ فقرہ جب اضافت بیانیہ کے معنی میں ہو تو نور سے مراد خود ذات الٰہی ہے جو کہ نور حقیقی، ازلی، ابدی ہے اور اگر یہ فقرہ اضافت بمعنی لام ہو تو نور سے مراد حسب استعمال متعدد چیزیں ہو سکتی ہیں مثلاً جلوہ، تجلی، دین اسلام، کتاب الٰہی، شرائع، دین وغیرہ۔

(ب) ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور'' یہ فقرہ بھی جب اضافت بیانیہ کے طور پر ہوگا تو نور سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے جیسا کہ اوّل ما خلق الله نوری اور ان الله تعالیٰ قد خلق قبل الاشياء نور نبيك میں نوری اور نور نبيك سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جب یہ فقرہ اضافت لامیہ کے معنی میں ہو تو اس وقت نور سے مراد چمک، دمک اور روشنی ہے۔

(ج) ''فرشتوں کا نور'' اس فقرہ میں نور سے مراد چمک اور روشنی ہے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک عالم امر میں جلوہ گر تھا اس وقت وہ جوہر غیر مجسم تھا پھر جب باذن الٰہی عالم شہادت کی طرف تشریف آوری کی تیاری ہوئی تو لباس بشریت سے متمثل ہوا اور نور مجسم بن کر رونق افروز ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نہ صرف نور بلکہ منیر بھی ہیں اور جو انکار کرے اور کہے کہ حضور منیر نہیں ہیں۔ وہ کافر مرتد ہے ملحد وزندیق ہے۔ قرآن عظیم کا منکر ہے اس لئے کہ قرآن مجید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سراجاً منیراً کا اعلان کیا ہے۔ ظلمت جہالت سے جن کا ذہن مملوو مشحون ہے ان کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ماننے سے تنقیص لازم آتی ہوگی لیکن وہ لوگ جن کا قلب نور ایمان سے روشن ہے ان کے نزدیک حضور کو نور ماننے میں حضور کی شان وعظمت کا اعتراف ہے۔ ولله الحمد اولاً واخراً۔ قوله انا نبی والادم بين الماء والطين۔ یہ حدیث تصانیف علماء میں انا اور الآدم (معروف باللام) کے ساتھ مستعمل نہیں ہے بلکہ یوں مذکور ہے: كنت نبيا وآدم بين الماء والطين۔ حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو قوی قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو موضوعات کبیر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۵۴ اور حضرت ملا علی قاری نے حدیث مذکور کی شاہد یہ حدیث پیش کی ہے: كنت نبيا وادم بين الروح والجسد اس

حدیث کوامام احمداورامام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت میسرۃ الفجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو موضوعات کبیرہ ص ۵۴۔ لولاك لما خلقت الافلاك یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ناقدین حدیث کے نزدیک ثابت نہیں۔ ہاں اس کا معنی دوسری معتبر حدیث سے ضرور ثابت ہے چنانچہ دیلمی نے حدیث لولاك بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً یوں نقل کی ہے: اتانی جبریل فقال ان اللّٰہ یقول لولاك ماخلقت الجنة ولولاك ماخلقت النار۔ یعنی حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس جبریل نے حاضر ہو کر عرض کی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اے پیارے رسول!) اگر تم نہ ہوتے تو میں جنت کو نہ بناتا اور اگر تم نہ ہوتے میں دوزخ کو نہ بناتا' اور ابن عساکر نے بروایت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر میں یہ ہے لولاك ما خلقت الدنیا یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیارے نبی! اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا کو نہ بناتا۔ جس حدیث کا متن قول ربانی اور ارشاد الٰہی ہو اسے حدیث قدسی کہتے ہیں۔ دیلمی اور ابن عساکر کی تخریج کردہ دونوں روایات حدیث قدسی ہیں: واللّٰہ تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم جل جلاله وصلی اللّٰہ علیه وسلم۔

استکتبه: عبدالرحمٰن المعروف بعلی حسن نعیمی الاشرفی

مسئلہ: از عبداللہ رفیق کانپور

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں یا نہیں؟ اگر حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں تو عام لوگ اپنے مضمون اور بیان میں حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کے ساتھ ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے کیا وہ نبی نہیں تھے اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کی' اور قربانی کس کی ہوئی؟ اہل کتاب حضرت اسحٰق علیہ السلام کی قربانی بتاتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کو دلیلوں کے ساتھ تحریر فرمائیں کرم ہوگا؟

الجواب: بے شک حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام دونوں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں' اور حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ساتھ حضرت اسحاق علیہ السلام کا بھی ذکر کیا جاتا ہے لیکن اگر کسی نے ان کے ساتھ اپنے کسی مضمون وبیان میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر نہ کیا تو عدم ذکر اس بات پر محمول نہ کیا جائے گا کہ صاحب مضمون وبیان کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے نبی ہونے پر ایمان نہیں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صاحبزادہ ہونا اسے تسلیم نہیں بلکہ جمہور علماء کے نزدیک چونکہ قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہوئی۔ ذبیح اللہ یہی ہیں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کعبہ معظّمہ کی تعمیر انہوں نے کی' آب زمزم ان کے قدم مبارک کے نیچے جاری ہوا' مکہ معظمہ ان کے سبب آباد ہوا' اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے نبی سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پاک نسل سے پیدا ہوئے۔ یہ تمام یادگاریں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں کہ مسلمان روزانہ پانچ وقت ان کے بنائے ہوئے کعبہ کی

طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتا ہے۔ ان کی قربانی کے سبب بے شمار جانوروں کی ہر سال قربانی کرتا ہے۔ لاکھوں مسلمان ہر سال مکہ شریف میں حاضر ہو کر ان کے بنائے ہوئے کعبہ معظمہ کا اپنی آنکھوں سے نظارہ کرتے اور طواف کرتے ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان ان کے لئے پانی کی تلاش میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے سعی کرنے کے سبب سعی کرتے ہیں۔ ان کی قربان گاہ منی میں ٹھہرتے اور قربانی کرتے ہیں۔ ان کے لئے جاری شدہ آب زمزم کو پیتے ہیں اور ساری دنیا کے گوشے گوشے میں اسے پہنچاتے ہیں ان وجوہات کے سبب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر زیادہ ہونا فطری امر ہے جس سے کوئی عقل سلیم رکھنے والا انکار نہیں کرسکتا۔ برخلاف اس کے حضرت اسحٰق علیہ السلام سے کوئی خاص واقعہ متعلق نہیں اور اسلام میں ان کی کوئی یادگار نہیں اس لئے ان کا چرچا کم ہوتا ہے۔

اور قربانی کس کی ہوئی بے شک یہ مسئلہ اہل کتاب اور اہل اسلام کے درمیان مختلف فیہ ہے یہود و نصاریٰ اور کچھ اہل اسلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ نہیں تسلیم کرتے بلکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ٹھہراتے ہیں۔ لیکن جمہور اہل اسلام کے نزدیک قربانی کا واقعہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے متعلق ہے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے جس کی تفصیل قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے: وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ○ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰی ط قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ○ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ○ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ○ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ○ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ○ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ○ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ○ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ○۔ (سورۃ الصفت پارہ ۲۳، رکوع ۷) اور کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں اب وہ مجھے راہ دے گا○ الٰہی مجھے لائق اولاد دے○ تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی○ پھر جب وہ اس کے ساتھ کے قابل ہو گیا، کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔ کہا: اے میرے باپ! کیجئے جس بات کا آپ کا حکم ہوتا ہے، خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے○ تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا○ (اس وقت کا حال نہ پوچھ) اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم○ بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو○ بیشک یہ روشن جانچ تھی○ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچا لیا○ اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی○ سلام ہو ابراہیم پر○ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو○ بیشک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں○ اور ہم نے اسے خوشخبری دی اسحٰق کی کہ غیب کی خبریں بتانے والا نبی ہمارے قرب خاص سے سزاواروں میں○

ان آیات طیبات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہ صاحبزادے جو دعا سے پیدا ہوئے وہی ذبیح اللہ

ہوئے مگر ان کا نام مذکور نہیں البتہ واقعہ کی تفصیل کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت ہے اس لیے کچھ اہل اسلام بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیتے ہیں لیکن جمہور اہل اسلام جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتے ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا ابن الذبیحین یعنی میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں صححہ ابن الجوزی۔ اور ایک اعرابی نے حضور کو یا ابن الذبیحین کہہ کر پکارا تو حضور نے تبسم فرمایا۔ (اخرجہ الحاکم) جب لوگوں نے حضور سے ابن الذبیحین کی وجہ دریافت کی تو حضور نے فرمایا کہ ایک ذبیح تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جو ہمارے آبائے کرام میں سے ہیں' اور دوسرے ذبیح ہمارے باپ حضرت عبداللہ ہیں کہ جب حضرت عبدالمطلب نذر پوری کرنے کے لئے انہیں ذبح کرنے چلے تو سو اونٹ کے فدیہ سے ان کی جان بچی اس طرح میں ابن الذبیحین ہوں۔ (تفسیر کبیر) معلوم ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔

(۲) حضرت اصمعی نے حضرت عمرو بن العلاء سے دریافت کیا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحٰق علیہ السلام؟ تو انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں ہے؟ حضرت اسحٰق علیہ السلام مکہ میں کب تھے وہ تو ملک شام میں تھے۔ مکہ معظّمہ میں تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے۔ انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ کعبہ معظّمہ کی تعمیر کی اور قربان گاہ مکہ ہی میں ہے۔ (تفسیر کبیر و معالم التنزیل) ثابت ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

(۳) قال اللہ تعالیٰ: وَاِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَذَاالْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (پارہ ۱۷، رکوع ۶) خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ اسلام کو صابر فرمایا کہ انہوں نے ذبح پر صبر کیا اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کو کہیں صابر نہ فرمایا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (پارہ ۱۶ - رکوع ۷) یعنی وہ وعدہ کے سچے ہیں کہ انہوں نے ذبح پر صبر کرنے کا جو اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا اس کو پورا فرمایا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ (پارہ ۱۲ - رکوع ۷) اس آیت کریمہ میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت کے ساتھ ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بھی خبر دی گئی ہے تو اگر حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بارے میں ذبح کا حکم مانا جائے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ذبح کا حکم حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہوا یا بعد میں' اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ذبح کا حکم مانا جائے تو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ جب ان کی ولادت کی خبر پہلے دی جا چکی ہے تو بیٹے کی پیدائش سے پہلے باپ کا ذبح کا حکم دینا وعدۂ الٰہی کے خلاف ہوگا جو باطل ہے' اور اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ان کے باپ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لئے ذبح کا حکم مانا جائے تو بھی باطل ہے اس لئے آیت کریمہ: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ (پارہ ۲۳-

رکوع ۷) سے معلوم ہوا کہ ذبح کا واقعہ بیٹے کی کم عمری میں ہوا۔ لہٰذا حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ٹھہرانا صحیح نہیں۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دعا کی: رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (پارہ ۲۳- رکوع ۷) یعنی اے میرے پروردگار! مجھے نیک اور صالح اولاد عطا فرما۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے کہ طلب حاصل محال ہے۔ اگر دعا کے وقت کوئی اولاد ہوتی تو یوں دعا کرتے کہ پروردگار! مجھے دوسری اولاد عطا فرما۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ دعا پہلے بیٹے کے لئے تھی اور سب مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے (تفسیر کبیر) اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں صاحبزادوں کی پیدائش پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر پہلے کیا اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر بعد میں۔ سورۂ ابراہیم میں ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ (پارہ ۱۳- رکوع ۱۸) تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس وقت پیدا ہوئے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۹ سال تھی اور جب آپ کی عمر ۱۱۲ سال ہوئی تو حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اور تفسیر خازن و معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب آپ کی عمر ۹۹ سال ہوئی تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ۱۱۲ سال کی عمر پر حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب ۱۱۷ برس کی ہوئی تو ان کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی۔

اور تفسیر کبیر میں ہے: بعض لوگوں کے نزدیک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ۹۹ رسال اور حضرت اسحٰق علیہ السلام ۱۱۲ رسال کی عمر میں پیدا ہوئے اور بعض علماء کا یہ قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۶۴ برس ہوئی تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش ۹۰ رسال کی عمر میں ہوئی، اور حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ایک سو سترہ ۱۱۷ رسال کی عمر کے بعد ہی پیدا ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ان اقوال کے مابین سال کی تعین میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہوئے یعنی ان کی ولادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہوئی بلکہ اسی لئے ان کا نام اسمٰعیل پڑا۔ جیسا کہ تفسیر خازن و معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد کی دعا کرتے تھے اور کہتے تھے اسمع یا ایل یعنی اے خدا تعالیٰ سن لے۔ اس لئے کہ ''ایل'' سریانی زبان میں خدا تعالیٰ کو کہتے ہیں تو جب خدا تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی اور صاحبزادے پیدا ہوئے تو ان کا نام وہی دعا کا جملہ اسمع ''یا ایل'' رکھا گیا جو کثرت استعمال سے اسمٰعیل ہو گیا۔

اور توراۃ میں ہے کہ حضرت اسمٰعیل دعوت ابراہیم ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوئے اسی بنا پر خدا نے ان کا نام اسمٰعیل رکھا کیونکہ عبرانی زبان میں اسمٰعیل دو لفظوں سے بنا ہے۔ ''اسمع'' اور ''ایل''۔ اسمع کے معنی ہیں: سننا اور ایل کے معنی ہیں: خدا (تکوین اصحاح ۱۵-۱۷-۱۸)

ان حوالوں سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ قرآن کریم کی آیات مبارکہ: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ہیں پھر متصلاً فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ سے واقعہ ذبح کا بیان اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام' اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہلوٹے ہیں اور قربانی کے وقت اکلوتے بھی' اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق آپ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے' اور دوسری روایتوں کے لحاظ سے اٹھارہ یا چھبیس سال بڑے تھے۔ تورات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تھا اس کے بارے میں تصریح تھی کہ وہ اکلوتا ہو اور محبوب ہو۔ (تکوین اصحاح ۲۲-آیت ۱۲)

(۶) حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت ''سورۂ حجر'' میں غلٰم علیم کے ساتھ ارشاد ہے: اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ (پارہ ۱۴ رکوع ۴) یعنی ہم آپ کو علم والے بچے کی بشارت دیتے ہیں' اور سورہ ''ذاریات'' میں ہے کہ فرشتوں نے ان کی ولادت کی بشارت غلٰم علیم کے ساتھ دی۔ ارشاد ہے: وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (پارہ ۲۶ رکوع آخر) یعنی فرشتوں نے بھی انہیں علم والے بچے کی بشارت دی مگر جس بچے کی قربانی ہوئی اس کی بشارت غلٰم حلیم کے ساتھ ہے۔ ارشاد ہے فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (پارہ ۲۳ رکوع ۷) یعنی ہم نے اس کو متحمل مزاج بچے کی بشارت دی۔

معلوم ہوا کو حضرت اسحٰق علیہ السلام صفت علم سے متصف ہوئے اور دوسرے صاحبزادے جن کی قربانی ہوئی وہ صفت حلم سے متصف ہوئے۔ لہٰذا حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ٹھہرانا صحیح نہیں۔

(۷) سورۃ الصفت کی آیات میں واقعہ ذبح سے پہلے فرمایا: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ پھر بعد میں فرمایا: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ یعنی دوسری آیت کا پہلی آیت پر عطف ہے' اور معطوف و معطوف علیہ میں مغائرت ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ ذبح کا واقعہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے غیر یعنی دوسرے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے متعلق ہے۔

(۸) جو مینڈھا کہ فدیہ میں ذبح کیا گیا تھا اس کی سینگ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کے قبضہ میں تھی جو کعبہ میں لٹکائی ہوئی تھی' اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں یزیدی حملہ سے جل گئی اس کے بارے میں اخبار کثیرہ ہیں (تفسیر کبیر) حضرت شعبی نے فرمایا کہ مینڈھا کی سینگ ہم نے کعبہ میں لٹکی ہوئی دیکھی' اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ ابتدائے اسلام میں مینڈھا کا سر اپنی دونوں سینگوں کے ساتھ کعبہ میں لٹکا ہوا تھا۔ جو سوکھا ہوا تھا۔ (تفسیر خازن ومعالم التنزیل)

معلوم ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور حضرت اسحٰق علیہ السلام ذبیح اللہ ہوتے تو مینڈھے کی سینگ ملک شام میں ان کی اولاد بنی اسرائیل کے قبضہ میں ہوتی۔

(۹) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل اور ان کی ملت کے متبعین میں قربانی کی متعدد یادگاریں آج تک پائی جارہی ہیں۔

توراۃ میں ہے کہ جو بچہ خدا کی نذر کر دیا جاتا اس کے سر کے بال چھوڑ دیئے جاتے پھر معبد کے پاس مونڈے جاتے تھے (قضاۃ اصحاح ۱۳-۱۴) تو مسلمان حج وعمرہ کا احرام باندھتے ہی بالوں کے مونڈنے۔ کترنے اور اکھاڑنے سے رک جاتا ہے پھر حج و عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہی مونڈاتا یا کترواتا ہے۔

اور توراۃ میں ہے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیم کو قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا: اے ابراہیم! تو حضرت ابراہیم نے کہا میں حاضر ہوں (تکوین اصحاح ۲۲ آیت ۱) تو مسلمان حج یا عمرہ کا احرام باندھتے ہی پکارتا رہتا ہے لبیک لبیک یعنی میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔

اور صاحبزادے کے بدلے جانور ذبح ہوا تو قران وتمتع کرنے والوں پر اور چند شرطوں کے ساتھ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر ہر سال قربانی واجب کی گئی۔ حدیث شریف میں ہے: سُنَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ۔ یعنی قربانی تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔ (احمد ابن ماجہ)

قربانی کی یہ تمام یادگاریں مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں نہ کہ بنی اسرائیل میں۔ اگر حضرت اسحٰق علیہ السلام کی قربانی ہوئی ہوتی تو اس کی یادگاریں بنی اسرائیل میں ضرور پائی جاتیں۔ معلوم ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق علیہ السلام نہیں ہیں۔ ذبح کا واقعہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے متعلق ہے، اور بنی اسرائیل صرف بغض وعناد سے اس کے ذبیح ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۰) خدا تعالیٰ نے واقعۂ ذبح میں فرمایا: فَلَمَّا اَسْلَمَا یعنی جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھ دی۔ اسلما کا مصدر اسلام ہے جس کے معنی ہیں: فرمانبردار ہونا۔ کسی کی بات ماننا، تو ذبح کا حکم دونوں کے مان لینے کو خدا تعالیٰ نے اسلمنا سے تعبیر فرمایا یعنی ان دونوں کو مسلم قرار دیا۔ پھر اس عظیم کارنامہ کے صلہ میں ان کے وارثین ومتبعین کا نام مسلمان رکھا کہ اعزازی نام نسلاً بعد نسل چلتا رہتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (پارہ ۱۷- آخری آیت) تفسیر جلالین میں ہے: ای قبل هٰذا الکتاب وفی هٰذا القرآن تو آیت کریمہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اس کتاب سے پہلے اور اس قرآن میں تمہارا نام مسلمان رکھا۔

لہٰذا قربانی کے اعزاز میں ملا ہوا خطاب ''مسلمان'' جن کے وارثین ومتبعین کا ہو وہی ذبیح اللہ ہیں اور وہ ذبیح اللہ نہیں ہیں کہ جن کے وارثین ومتبعین اپنے کو بنی اسرائیل اور یہود ونصاریٰ وغیرہ دوسرے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

تلك عشرة كاملة منصف مزاج کے لئے یہ دس دلیلیں کافی ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از شمشیر احمد انصاری محلہ کریم الدین پور گھوسی۔ ضلع اعظم گڑھ

حضرت خضر علیہ السلام ولی تھے یا نبی؟ اگر ولی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوتے ہوئے ان کے سامنے کیسے پریشان تھے؟ جبکہ امتی اپنے نبی کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ یا پھر کوئی دوسرے موسیٰ تھے جو نبی نہ تھے؟ اور اگر جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام مراد ہیں تو ایک ولی کے سامنے نبی کے پریشان ہونے کا کیا سبب ہے؟ بالتفصیل جواب سے بحوالہ کتب مطلع فرمائیں۔

باسمه تعالیٰ والصلاة والسلام علیٰ رسوله الاعلیٰ

الجواب: بعون الملك العزيز الوهاب حضرت خضر علیہ السلام ولی تھے یا نبی؟ اس میں مفسرین کرام کا بڑا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ اکثر کے نزدیک نبی نہیں تھے جیسا کہ تفسیر خازن و معالم التنزیل میں آیت کریمہ: اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا کے تحت ہے: لم یکن الخضر نبیا عند اکثر اھل العلم اور تفسیر جلالین میں ہے: اتیناہ رحمة من عندنا نبوة فی قول وولایة فی اخرو علیه اکثر العلماء مگر حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: وہ اکثر کے نزدیک نبی ہیں اور علامہ سلیمان جمل لکھتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ وہ نبی ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر جلد خامس ص ۵۱۴ میں ہے: قال الاکثرون ان ذلك العبد کان نبیا اور تفسیر جمل میں ہے: اختلف فی الخضرا ھو نبی اورسول اوملك اوولی والصحیح انه نبی' اور حضرت خضر علیہ السلام نبی ہوں یا غیر نبی بہرصورت بعض علوم میں وہ ایک نبی سے بڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ جن علوم پر نبوت موقوف نہیں ان علوم میں نبی سے بڑھ کر غیر نبی ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یجوز ان یکون غیر النبی فوق النبی فی علوم لاتتوقف علیھا نبوته (تفسیر کبیر جلد پنجم ص ۵۱۵) اور بعض علوم جو حضرت خضر علیہ السلام کو حاصل تھے اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں جانتے تھے مگر جو علوم کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھے حضرت خضر علیہ السلام بھی اس سے واقف نہیں تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: یاموسی انی علی علم من علم اللہ علمنیه لاتعلمه انت وانت علی علم من علم اللہ عملك اللہ لااعلم۔ (بخاری شریف جلد ثانی ص ۶۸۸) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے سامنے پریشان نہیں تھے بلکہ متعجب تھے اور اس کی وجہ علم الاسرار سے عدم وقوف ہے۔ ھٰذا ماعندی وھو تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم جل جلاله وصلی اللہ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبدالرزاق موقع کسوار پوسٹ دلدلہ ضلع بستی

زید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے لیکن قیامت کے دن مردوں کو زندہ نہ کرے گا تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو زندہ نہ کرے گا کفر ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں کا انکار ہے۔ پارہ ۱۸- سورۂ مومنون کے پہلے رکوع میں ہے: ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ○ اور پارہ ۲۳- سورۂ یٰسین کے آخری رکوع میں ہے: قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ اور پارہ ۲۴- سورۂ زمر کے ساتویں رکوع میں ہے: ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ اور پارہ ۳۰- سورۂ نبا کے پہلے رکوع میں ہے: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ○ رئیس الفقہاء ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اعتقادہ واجب منکرہ کافر۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ واجب ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۴۳۳) اور بہار شریعت حصہ اوّل میں ہے: ''جو کہے صرف روحیں اٹھیں گی جسم زندہ نہ ہوں گے وہ بھی کافر ہے۔ لہٰذا شخص مذکور پر اس کفری عقیدہ سے توبہ کرنا فرض ہے اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب لوگ اس کا اسلامی بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ر شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از جمال الدین موضع کودر پوسٹ دھرگی ضلع ہزاری باغ (بہار)

قیامت کے آثار میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے منارے پر اتریں گے اور امام مہدی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے اور شادی بھی فرمائیں گے اور اولاد بھی ہوگی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور میں دفن ہوں گے۔ زید کہتا ہے کہ اس پر میرا ایمان ہے اور بکر کہتا ہے کہ میں ان باتوں کو نہیں مانتا، تو زید کا قول احادیث کریمہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور بکر کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: زید کا قول احادیث کریمہ معتبرہ سے ثابت ہے اور بکر جو مذکورہ باتوں کو نہیں مانتا وہ گمراہ ہے اس پر توبہ لازم ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷ر شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از عبدالرحمٰن قادری موضع پڑولی پوسٹ ٹھوٹھی باری۔ ضلع گورکھپور

مردہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانے گا جبکہ کبھی دیکھا نہیں اور سلسلہ چشتیہ والوں کا کہنا ہے کہ اپنے پیر کی شکل میں حضور تشریف لائیں گے اور جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے لہٰذا وہ جہنمی یقینی ہے تو اس میں کیا اصل ہے؟

الجواب: مردہ جبکہ مومن ہوگا تو بتوفیق الٰہی وہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لے گا اگرچہ اس نے کبھی دیکھا نہیں ہے اور اگر کافر ہے تو نہیں پہچان سکے گا اگرچہ اس نے دیکھا ہو اور یہ کہنا غلط ہے کہ قبر میں حضور اپنے پیر کی شکل میں

تشریف لائیں گے۔ ایسی بات کوئی جاہل ہی کہہ سکتا ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کا کوئی ذمہ دار بزرگ ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا' اور بے شک جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے ایسا ہی اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے ارشادات سے ثابت ہے۔ عوارف المعارف میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: روی عن ابی یزید انه قال من لم یکن له استاذ افامامه الشیطن۔ یعنی حضرت سیّدنا بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا امام شیطان ہے لیکن مرشد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مرشد عام کہ کلام اللہ و کلام الرسول و کلام ائمۂ شریعت و طریقت و کلام علمائے دین اہل رشد و ہدایت ہے۔ اسی سلسلۂ صحیحہ پر عوام کا ہادی کلام علماء، علماء کا رہنما کلام ائمہ، کلام ائمہ کا مرشد کلام رسول اور کلام رسول کا پیشوا کلام اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم۔ دوسرے مرشد خاص کہ بندہ کسی سنی صحیح العقیدہ عالم، صحیح العمال، جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں دے۔ لہٰذا جو شخص کسی مرشد خاص کا مرید نہیں ہے اس کا مرشد مرشد عام ہے اگر وہ علمائے کرام و اولیائے عظام کا سچے دل سے معتقد ہے تو نہ وہ بے پیرا ہے نہ اس کا پیر شیطان۔ حضرت ابوالحسن نور الملۃ والدین علی قدس سرہ بہجۃ الاسرار شریف میں تحریر فرماتے ہیں: حضور پرنور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو اور اس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو کیا وہ حضور کے مریدوں میں شمار ہوگا فرمایا: من انتمی الی وتسمی لی قبله اللّٰہ تعالٰی و تاب علیه ان کان علی سبیل مکروه وهو من جملة اصحابی وان ربی عزوجل وعدنی ان یدخل اصحابی واهل مذهبی وکل محب لی فی الجنة یعنی جو اپنے آپ کو میری طرف منسوب کرے اور اپنا نام میرے غلاموں کے دفتر میں شامل کرے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا' اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو بھی اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرے میں ہے' اور بیشک میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں، ہم مذہبوں اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ هٰذا خلاصة ماقال الامام احمد رضا البریلوی رضی اللّٰہ عنه ربه القوی فی فتاواه۔ وهو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ر صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبدالرزاق موضع کسوار پوسٹ دلدلہ ضلع بستی (یو۔پی)

(۱) روح کا منکر کیسا ہے؟

(۲) نفخۂ اولی اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان جو چالیس سال کی مدت ہوگی کیا اسے بھی قیامت کہیں گے؟ اور اگر کہتے ہیں تو اس چالیس سالہ مدت کو قیامت کا دن نہ ماننے والا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: اللّٰهم هٰدایة الحق والصواب۔ روح کہ جس سے انسان زندہ رہتا ہے اس کا منکر گمراہ و بدمذہب ہے۔ قال اللّٰہ تعالٰی: قل الروح من امر ربی۔ وهو تعالٰی اعلم۔

(۲) لفظ قیامت مصدر ہے جس کے لغوی معنی کھڑے ہونے کے ہیں اور چونکہ محشر کے دن مردے زندہ ہو کر کھڑے ہوں گے اس لئے اسے قیامت کا دن کہتے ہیں۔ غیاث اللغات میں ہے: قیامت بکسر اوّل مصدر ست بمعنی قائم شدہ و قیامت معروف را قیامت بہمیں سبب گویند کہ دراں وقت مردگاں زندہ شدہ قیام خواہند کرد' اور چونکہ قیامت بمعنی مصیبت بھی مستعمل ہے اس لئے نفخۂ اولیٰ کو بھی قیامت کہتے ہیں۔ بہار شریعت حصہ اوّل ص ۴۴ میں ہے: ''جب قیام قیامت کو صرف چالیس برس رہ جائیں گے ایک خوشبودار ٹھنڈی ہوا چلے گی جو لوگوں کے بغلوں کے نیچے سے گزرے گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ مسلمان کی روح قبض ہو جائے گی اور کافر ہی کافر رہ جائیں گے' اور انہیں پر قیامت قائم ہوگی''۔ اور اسی کتاب کے اسی حصہ ص ۲۸ پر ہے: ''جسم اگر چہ گل جائے' جل جائے' خاک ہو جائے مگر اس کے اجزاء اصلیہ قیامت تک باقی رہیں گے وہ مورد ثواب ہوں گے اور انہیں پر روز قیامت دوبارہ ترکیب جسم فرمائی جائے گی'' معلوم ہوا کہ نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ اور ان دونوں کے درمیان سب قیامت ہے۔ درمیانی مدت کو قیامت نہ ماننے والا جاہل ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شاہ محمد قادری امام مسجد ماماری پوسٹ و مقام چپلون رتنا گیری (مہاراشٹرا)

امداد اللہ مہاجر مکی، اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، قاسم نانوتوی، بانی مدرسہ دیوبند، خلیل احمد انبیٹھی اسماعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان، حسین احمد ابودھیاباشی، مرتضیٰ حسن دربھنگی، خواجہ حسن نظامی، الیاس احمد کاندھلوی بانی تبلیغی جماعت اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ ان سب کے عقائد کیسے تھے؟ ان لوگوں کو اکابر اولیاء سمجھنا کیسا ہے؟ ان سب کو مسلمان جاننا یا جاننے والوں کو مسلمان جاننا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اور اقوال بزرگاں سے ثابت کریں۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ ہمارے علم میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا کوئی کفر اور گمراہی ثابت نہیں' بلکہ وہابی دیوبندی اگر حاجی صاحب کے ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کو مان لیں تو سنی اور وہابی کے درمیان کئی اختلافی مسئلہ کا خاتمہ ہو جائے۔ رہے مولوی اشرف علی تھانی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی تو یہ لوگ اپنی عبارات کفریہ قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸ اور براہین قاطعہ ص ۵۱ کی بناء پر مطابق فتویٰ حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ کافر و مرتد ہیں اس طرح جو ان کی کفریات پر یقینی اطلاع پانے کے باوجود انہیں مسلمان سمجھے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی مسلمان نہیں' اور اسمٰعیل دہلوی کی چونکہ توبہ مشہور ہے اس لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اسے کافر کہنے سے کف لسان کیا ہے' اور حسین احمد ایودھیاباشی، مرتضیٰ حسن دربھنگی، حسن نظامی، الیاس کاندھلوی اور ابوالکلام آزاد یہ سب عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ رکھتے تھے اس لئے ان میں سے بعض کے لئے کفریات ثابت ہیں اور بعض اگر کافر و مرتد نہیں تو کم از کم گمراہ ضرور ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے ان سب کو صحیح مسلمان جاننے والا جاہل نہیں تو گمراہ ہے' اور

گمراہ نہیں تو جاہل ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: عزیز احمد بیگ رضوی خطیب مسجد اعظم بنگالی اسٹریٹ ویروجپٹ کرناٹک

(۱) مولینا الیاس صاحب کاندھلوی کے عقائد کیسے تھے اور انہوں نے جو جماعت بنائی اور نام تبلیغی جماعت رکھا اس جماعت کا قیام کیسا ہے؟ اس جماعت کے چلے کو جانا اور اس جماعت کے اجتماع میں بیٹھنا ان کے ساتھ گشت کرنا کیسا ہے؟ جبکہ اس اجتماع میں وہ کتاب جس کا نام تبلیغی نصاب ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نقل کی گئی ہیں پڑھتے ہیں۔ اس کے سننے کے لئے بیٹھنے میں کیا حرج ہے؟ شان رسالت میں گستاخی اسمٰعیل دہلوی اشرف علی تھانوی وغیرہم نے کی۔ مولانا الیاس صاحب کی ذات توہین رسول سے بری ہے ان کی جماعت کا کام صرف کلمہ نماز کی تبلیغ ہے۔ جبکہ سرکار نے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا حکم ہر مسلمان کے لئے فرمایا ہے اس جماعت میں شرکت صحیح ہے یا نہیں تفصیل سے آگاہ فرمائیں؟

(۲) ایک صحیح العقیدہ سنی امام کو رضا خانی کہہ کر قبر پرست ہونے کا الزام لگانا' مشرک قرار دینا اور اس کے پیچھے نماز نہ ہونے کا فتویٰ کیسا ہے؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

(۱) مولوی الیاس کے عقائد وہی تھے جو مولوی اشرف علی تھانوی کے تھے اور مولوی اشرف علی تھانوی کے عقائد کفری تھے جیسا کہ اس کی کتاب حفظ الایمان ص ۸ سے ظاہر ہے جس کے سبب مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اور ہندو پاکستان وغیرہ کے سینکڑوں علمائے کرام ومفتیان عظام نے حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں مولوی اشرف علی تھانوی کے کافر ومرتد ہونے کا فتویٰ دیا اور تحریر فرمایا کہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر اور مولوی الیاس کاندھلوی کی تبلیغی جماعت کا مقصد چونکہ اشرف علی تھانوی اور رشید احمد گنگوہی وغیرہ کی کفری تعلیم کی نشر واشاعت اور مسلمانان اہلسنّت کو وہابی بنانا ہے اس لئے اس کا قیام ناجائز ہے۔ تبلیغی جماعت کے چلے کو جانا' اس کے اجتماع میں بیٹھنا اور ان کے سات گشت کرنا جائز نہیں کہ دین وایمان کے لئے زہر قاتل ہے' اور تبلیغی نصاب جو اجتماع میں پڑھا جاتا ہے اگر چہ اس کی سب باتیں غلط نہیں ہیں کہ اس میں قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں بھی ہیں' مگر بدمذہب وگمراہ سے قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنا بھی جائز نہیں۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: انظروا عمن تاخذون دینکم یعنی جس سے اپنے دین کا علم حاصل کرواسے دیکھ لو (کہ گمراہ وبدمذہب تو نہیں ہیں)۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷) مولوی الیاس کاندھلوی کی ذات اگر چہ بظاہر توہین رسول سے بری ہے لیکن جب وہ مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ توہین رسول کرنے والوں کو اپنا پیشوا مانتے ہیں اور ان کی تائید کرتے ہیں تو وہ بھی مجرم ہیں۔ صرف ظاہر میں ان کی جماعت کا کام کلمہ ونماز کی تبلیغ ہے حقیقت میں مسلمانان اہلسنّت کو وہابی بنانا ہے اس لئے اس جماعت میں شریک ہونا حرام وناجائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) سنی صحیح العقیدہ امام کو رضاخانی کہہ کر قبر پرست ومشرک قرار دینا اور اس کے پیچھے نماز نہ ہونے کا فتویٰ دینا سراسر غلط اور باطل ہے بلکہ کفر ہے کہ سنی صحیح العقیدہ کو بلاوجہ مشرک کہنا خود شرک وکفر میں مبتلا ہونا ہے اس لئے کہ سنی قبر کو پوجتا نہیں ہے بلکہ اس کی زیارت کرتا ہے' اور قبروں کی زیارت کا حضور نے خود حکم فرمایا ہے جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها یعنی میں نے تم لوگوں کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب میں تمہیں اجازت دیتا ہوں' ان کی زیارت کیا کرو۔ (مشکوۃ شریف ص۱۵۴) یہاں تک کہ حضور نے فرمایا: من زار قبري وجبت له شفاعتي یعنی جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔ (دارقطنی بیہقی) اسی لئے ساری دنیا کے مسلمان قبر مبارک کی زیارت کرتے ہیں۔ لہٰذا قبر کی زیارت کرنے والے کو قبر پرست کہہ کر مشرک قرار دینا ساری دنیا کے مسلمانوں کو مشرک ٹھہرانا ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم.

كتبه: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ر شوال المکرم ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از تراب علی رضوی جامع مسجد شیموگہ (کرناٹک)

عقائد وخیالات کے اعتبار سے مودودی جماعت و جماعت اسلامی ہند میں کیا فرق ہے؟ اور ایسے عقائد والے مسلمان ہیں یا کافر نیز ان کو مساجد کا امام یا مؤذن یا متولی بنانا یا شادی بیاہ کا معاملہ کرنا یا قاضی نکاح بنانا' ان کی مجالس واجتماعات میں شریک ہونا' ان کی کتابیں پڑھنا پڑھانا' ان کے ساتھ سلام وکھانا پینا' دوستی ومحبت کا رشتہ قائم کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟ بينوا توجروا.

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب مودودی جماعت اور جماعت اسلامی ہند میں کوئی فرق نہیں کہ عقائد وخیالات کے اعتبار سے یہ دونوں جماعتیں ایک ہیں علمائے اہلسنّت نے تفہیمات وغیرہ کی کفری عبارتوں کے سبب اس جماعت کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی کو کافر قرار دیا ہے جس کی تفصیل مفتی محبوب علی خاں علیہ الرحمہ کے رسالہ ''مودودی عقائد معروف کفریات'' میں ہے۔ لہٰذا جو لوگ مودودی کی کفری عبارتوں پر یقینی اطلاع پا کر بھی اسے مسلمان جانتے ہوں وہ بھی اسی کے حکم میں ہیں' اور جن لوگوں کو مودودی کفریات کی یقینی اطلاع نہیں مگر ان کا طریقۂ کار مودودیوں اور وہابیوں کی طرح ہے وہ گمراہ اور بدمذہب ہیں۔ ان کو مساجد کا امام بنانا یا مؤذن ومتولی بنانا' ان کے ساتھ شادی بیاہ کا معاملہ کرنا، ان سے نکاح پڑھوانا' ان کی مجالس واجتماعات میں شرکت کرنا' ان کی کتابیں پڑھنا پڑھانا' ان سے کسی قسم کا اسلامی تعلق رکھنا شرعاً ناجائز ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کا بائیکاٹ کریں۔ قال الله تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (پارہ۷- رکوع۱۴) اس آیت کریمہ کے تحت حضرت ملاجیون علیہ الرحمہ تفسیرات احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں: ان القوم الظلمين يعم المبتدع والفاسق والكافر والقعود مع كلهم ممتنع اھ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان مرضوا فلاتعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلاتسلموا علیھم ولاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحواھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم یعنی بدمذہب اگر بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو اگر مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو ان سے ملاقات ہو تو ان سے سلام نہ کرو ان کے پاس نہ بیٹھو ان کے ساتھ نہ پانی پیو ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ مل کر بھی نماز نہ پڑھو۔ (مسلم شریف) اور اس حدیث کو ابوداؤد نے حضرت ابن عمر سے اور ابن ماجہ نے حضرت جابر سے اور عقیل و ابن حبان نے حضرت انس سے بھی روایت کیا ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ وھو تعالیٰ اعلم

الجواب: صحیح واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمصطفےٰ الاعظمی عفی عنہ

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد طاہر پاشاہ بنکاپور (کرناٹک)

بعض لوگ ابن تیمیہ کی بہت تعریف کرتے ہیں ابن تیمیہ کون تھا اور اس کے خیالات کیسے تھے؟ بینوا توجروا

الجواب: بعون المولیٰ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ۔ جو لوگ ابن تیمیہ کی بہت تعریف کرتے ہیں یا تو وہ لوگ گمراہ و بدمذہب ہیں اور یا تو انہیں ابن تیمیہ کے بارے میں صحیح معلومات نہیں کہ وہ گمراہ و بدمذہب آدمی تھا اس نے بہت سے مسائل میں خرق اجماع کیا اور دین میں بہت سے فتنے پیدا کئے جیسا کہ فتاویٰ حدیثیہ میں ہے: اعلم انه خالف الناس فی مسائل نبه علیها التاج السبكی وغیره. فما خرق فیه الاجماع قوله ان طلاق الحائض لایقع وكذا الطلاق فی طهرجا مع فیه. وان الصلاة اذا تركت عمداً لایحب قضاء ها. وان الحائض یباح لها الطواف بالبیت ولاكفارة علیها. وان الطلاق الثلاث یرد الی واحدة. وان المائعات لاتنجس بموت حیوان فیها كالفارة. وان الجنب یصلی تطوعه باللیل ولایؤخره الی ان یغتسل قبل الفجر وان كان بالبلد. وان مخالف الاجماع لایكفرو ولا یفسق. وان ربنا محل الحوادث. وقوله بالجسمیة والجهة والانتقال وانه بقدر العرش لااصغر ولااكبر. وقال ان النار تفنی. وان الانبیاء غیر معصومین وان رسول الله صلی الله علیه وسلم لاجاه له ولایتوسل به. وان انشاء السفر الیه بسبب الزیارة معصیة لاتقصر الصلاة فیه وسیحرم ذلك یوم الحاجة ماسة الی شفاعته اه تلخیصاً۔ یعنی ابن تیمیہ نے بہت سے مسائل میں علمائے حق کی مخالفت کی ہے جس کی نشاندہی حضرت امام تاج الدین سبکی وغیرہ نے کی ہے تو جن مسائل میں اس نے خرق اجماع کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں: حالت حیض میں ا... جس طہر میں ہمبستری کی ہے طلاق واقع نہیں ہوتی اور نماز اگر قصداً چھوڑ دی جائے تو اس کی قضا

واجب نہیں، اور حالت حیض میں بیت اللہ شریف کا طواف کرنا جائز ہے، اور کوئی کفارہ نہیں اور تین طلاق سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے، اور تیل وغیرہ پتلی چیزیں چوہے وغیرہ کے مرنے سے نجس نہیں ہوتیں، اور بعد ہمبستری کے غسل کرنے سے پہلے رات میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ شہر میں ہو، اور جو شخص اجماع امت کی مخالفت کرے اسے کافر و فاسق نہیں قرار دیا جائے گا، اور خدا تعالیٰ کی ذات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے اور اس کے لئے جہت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا قائل ہے، اور کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ بالکل عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا، اور یہ بھی کہتا ہے کہ جہنم فنا ہو جائے گی، اور یہ بھی کہتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم نہیں ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی مرتبہ نہیں ہے ان کو وسیلہ نہ بنایا جائے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا گناہ ہے ایسے سفر میں نماز کی قصر جائز نہیں جو شخص ایسا کرے گا وہ حضور کی شفاعت سے محروم رہے گا۔ نعوذ باللہ من هذه الهفوات.

انہیں عقائد کی بنیاد پر جب خاتم الفقہاء والمحدثین حضرت شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا گیا کہ ابن تیمیہ نے متاخرین صوفیہ پر اعتراض کیا ہے تو انہوں نے فرمایا: ابن تیمیه عبد خذله وضله واعماه واصمه واذله وبذلك صرح الائمة الذين بينوا فسادا حواله وكذب اقواله ومن اراد ذلك فعليه بمطالعة كلام الامام المجتهد المتفق على امامته وجلالته وبلوغ مرتبة الاجتهاد ابى الحسن السبكي وولد التاج والشيخ الامام العز بن جماعة واهل عصرهم وغيرهم من الشافعية والمالكية والحنفية. ولم يقصرا عتراضه على متاخرى الصوفية بل اعتراض على مثل عمر بن الخطاب وعلى بن ابى طالب رضى الله عنهما. والحاصل ان لايقام للكلامه وزن بل يرمى فى كل وعروحزن ويعتقد فيه انه مبتدع ضال ومضل جاهل غال. عامله الله بعد له واجارنا من مثل طريقته وعقيدته وفعله آمين اھ۔ یعنی ابن تیمیہ ایسا شخص ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے نامراد کر دیا اور گمراہ فرما دیا اور اس کی بصارت و سماعت کو سلب فرما لیا اور اس کو ذلت کے گڑھے میں گرا دیا اور ان باتوں کی تصریح ان اماموں نے فرمائی ہے جنہوں نے اس کے احوال کے فساد اور اس کے اقوال کے جھوٹ کا پول کھولا ہے۔ جو شخص ان باتوں کا تفصیلی علم حاصل کرنا چاہے اسے لازم ہے کہ وہ اس امام کے کلام کا مطالعہ کرے۔ جن کی امامت و جلالت پر سب علمائے کرام کا اتفاق ہے، اور جو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہیں یعنی حضرت ابوالحسن سبکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تاج الدین سبکی کے فرزند اور حضرت شیخ امام عزالدین بن جماعہ اور ان کے ہمعصر شافعی، مالکی اور حنفی علماء کی کتابوں کو پڑھے اور ابن تیمیہ کے اعتراضات فقط متاخرین صوفیہ ہی پر نہیں بلکہ وہ تو اس قدر حد سے بڑھ گیا کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب اور امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما جیسی مقدس ذاتوں کو بھی اپنے اعتراضات کا نشانہ بنا ڈالا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی بکواسوں کا کوئی وزن نہیں بلکہ وہ اس قابل بھی نہیں کہ گدھوں اور کوؤں میں پھینک دی جائیں، اور ابن تیمیہ کے بارے میں یہی اعتقاد رکھا جائے کہ وہ بدعتی گمراہ، دوسروں کو گمراہ کرنے والا، جاہل اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ خدا تعالیٰ اس سے انتقام

لے اور ہم سب لوگوں کو اس کی راہ اور اس کے عقائد سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین (فتاوٰی حدیثیہ) اور عارف باللہ حضرت شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ابن تیمیہ ان الحنابلۃ وقد رد علیہ ائمۃ مذھبہ حق قال العلماء انہ الضال المضل ہ ا۔ یعنی ابن تیمیہ حنبلی کہلاتا تھا' حالانکہ اس مذہب کے اماموں نے بھی اس کا رد کیا ہے' یہاں تک کہ علماء نے فرمایا کہ وہ گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ (صاوی جلد اوّل ص۹۶) وھو تعالٰی اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲؍ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از فقیر ابوالقمر غلام رضوی قادری غفرلہ موتی گنج گونڈہ

عمرو جو کہ روزہ نماز کا پابند ہو بزرگان دین کا فاتحہ قیام وسلام کا بھی قائل ہو۔ لیکن دیوبندی وہابی وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اور یہ کہتا ہو سب فرقے حق پر ہیں کسی کو بھی برا نہیں کہنا چاہئے ہمارا دین کسی کو بھی برا کہنے کو نہیں کہتا تو کیا عمرو حق پر ہے عمرو کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: عمرو باطل پر ہے اس لئے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستفترق امتی ثلثا وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الاواحدۃ یعنی عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں ایک فرقہ جنتی ہوگا باقی سب جہنمی ہوں گے۔ لہٰذا عمرو کا یہ کہنا کہ سب حق پر ہیں گمراہی ہے' اور اگر دیوبندی وہابی کے عقائد کفریہ پر یقینی اطلاع پانے کے باوجود انہیں حق پر سمجھتا ہے' اور مسلمان جان کر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو بمطابق فتاوٰی حسام الحرمین کافر ہے۔ نماز کا پابند ہونا' بزرگان دین کی فاتحہ دلانا اور قیام وسلام وغیرہ کا قائل ہونا اسے کافر ہونے سے نہیں بچائے گا' اور عمرو نے جو یہ کہا کہ ہمارے دین نے کسی کو بھی برا کہنے کو نہیں کہا ہے تو وہابیوں کا خودساختہ دین ضرور برے کو برا کہنے سے روکتا ہے۔ لیکن مذہب اسلام کافر کو کافر کہنے اور سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں کو برا کہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ میں کافروں کو کافر کہنے کا حکم دیا' اور ابولہب، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ کفار قریش نے جب حضور کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی تو حضور نے انہیں کوئی جواب نہ دیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی برائی میں آیت کریمہ نازل فرمائی جس سے ثابت ہوا کہ ہمیں کوئی برا کہے' اور ہماری شان میں گستاخی کرے تو جواب نہ دینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے' اور اگر حضور کی شان میں بے ادبی کرے تو اسے سختی کے ساتھ جواب دینا اور برا کہنا طریقہ الٰہیہ ہے۔ بحمدہ تعالٰی وبکرم حبیبہ الاعلٰی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم اہل سنت وجماعت سنت رسول اور سنت الٰہیہ دونوں پر عمل کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی برا کہتا ہے تو ہم خاموش رہتے ہیں۔ لیکن جب سرکار کی شان میں توہین کرتا ہے تو اسے منہ توڑ جواب دیتے ہیں لیکن قوم وہابیہ خذلھم اللہ تعالٰی اس کے بالکل برعکس کرتے ہیں یعنی انہیں کوئی گالی دیتا ہے تو وہ بھی اسے گالی دیتے ہیں اور لڑنے جھگڑنے کو تیار ہوتے ہیں۔ لیکن جب سرکار کی شان میں کوئی گستاخی کرتا ہے تو خاموش رہتے ہیں بلکہ گستاخی کرنے والوں کا

ساتھ دیتے ہیں اور جواب دینے والے کو جھگڑالو فسادی قرار دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں سمجھنے اور مذہب حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از رعب علی القادری۔ پیرولی بازار۔ ضلع گورکھپور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا باقی سب ناری' اور غنیۃ الطالبین میں ان بہتر گمراہ فرقوں کا ذکر ہے لیکن اس میں قادیانی اور وہابی وغیرہ کا کہیں نام نہیں جس سے زید یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ زمانۂ موجود کے تمام فرقے فرضی ہیں۔ گمراہ نہیں تو اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حق ہے' اور غنیۃ الطالبین میں بہتر گمراہ فرقوں کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ بھی صحیح ہے لیکن زید کا اس سے نتیجہ مذکور نکالنا گمراہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ موجودہ کے تمام گمراہ فرقے قادیانی، چکڑالوی اور وہابی وغیرہ ہر ایک ان بہتر فرقوں میں سے کسی ایک کی شاخ ہیں اور تہتر اصل ہیں بلکہ قیامت تک جتنے گمراہ فرقے پیدا ہوں گے سب کے سب انہی اصلوں کی شاخ اور فرع ہوں گے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: صاحبزادہ خاں موضع شیو ہروا پوسٹ بھدو کھر بازار ضلع بستی

زید کا اقرار ہے کہ میں مذہب اہل سنت ہی کو حق جانتا ہوں اور مانتا ہوں اس کے سوا جتنے مذاہب ہیں سب ناحق اور ان کے پیروکار گمراہ بددین اور کافر ہیں۔ آج سے تقریباً دس سال پہلے اپنی لڑکی کی شادی وہابی کے ساتھ کر دی تھی آج وہ اس کو بھیج رہا ہے مگر اس کا اقرار اب بھی یہ ہے کہ میں سنی ہوں اور وہابی کافر ہے۔ عرض خدمت یہ ہے کہ آیا ایسی صورت میں زید کی جو دوسری لڑکی غیر منکوحہ ہے اس کی شادی بکر اپنے لڑکے کے ساتھ کر سکتا ہے یا نہیں؟ بکر کا عقیدہ مع اپنے گھر کے سنی ہے۔ زید کے بھائی اور باپ سبھی سنی ہیں' اور ان کی کوشش یہ ہے کہ زید کی دوسری لڑکی بکر ہی کے یہاں جائے۔ زید کی دوسری لڑکی کے ساتھ اگر شادی نہیں ہو سکتی ہے تو کیا زید کافر ہے یا گمراہ جواب سے ممنون کرم فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بر صحت اقوال مستفتی زید نہ کافر ہے نہ گمراہ بلکہ پکا دین دار شدید فاسق ملعن ہے۔ زید کی لڑکی کا بکر کے لڑکے کے ساتھ اگر چہ نکاح جائز ہے لیکن تحفظ دینداری کے خاطر بہتر نہیں کیونکہ آگے چل کر اس رشتہ سے بکر کے تصلب کے لئے خطرہ ہے لیکن اگر حالات اس قسم کے ہوں کہ زید کی لڑکی کو اپنے گھر لا کر وہابی کے گھر جانے سے بچانا ہے' اور اس رشتہ کے قیام سے اپنے دین پر کسی طرح کی آنچ آنے کا اندیشہ نہیں' تو اس صورت حال کے پیش نظر زید کی لڑکی کو نکاح کرا کر اپنے گھر لانا ہی مناسب ہے۔ ھذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ واللہ رسولہ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ

علیہ وسلم۔

الجواب: صحیح، غلام جیلانی قادری حنفی

کتبہ: بدرالدین احمد قادری رضوی، ۳۰ر محرم ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از عبدالغنی موضع ڈوگرا مہوا مظفر پور (بہار)

ایک شخص داڑھی منڈاتا ہے اور پاجامہ ٹخنہ کے نیچے استعمال کرتا ہے جب کچھ کہا جاتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ قرآن میں ثبوت نہیں پاتے ہیں اور حدیث پر شک ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے داڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے آیت کریمہ اور حدیث شریف سے ثبوت لمحة الضحی فی اعفاء اللحی میں ملاحظہ کریں۔ ٹخنہ سے نیچے پاجامہ کا استعمال اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو حرام ہے اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی اور نماز خلاف اولیٰ ہوگی فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اسبال الرجل ازاره اسفل من الكعبين ان لم يكن للخيلاء ففيه كراهة تنزيهة بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۴۸۔ شخص مذکور سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ تم یا تو قرآن مجید سے ثبوت لاؤ کہ داڑھی منڈانا جائز ہے ورنہ داڑھی منڈانا بند کرو۔ حیرت ہے کہ اس جاہل بے ادب نے داڑھی منڈانے کا ثبوت قرآن کریم میں پایا اور داڑھی رکھنے کا ثبوت اس نے قرآن حکیم میں نہیں پایا۔ حاصل گفتگو یہ ہے کہ اس شخص پر توبہ فرض ہے اور حکم شرع کے سامنے جھک جانا لازم ہے اگر توبہ نہیں کرتا تو مسلمان اس سے اسلامی تعلقات منقطع کرلیں۔ جو احادیث مبارکہ داڑھی رکھنے کے بارے میں علمائے اہلسنت نے بیان فرمائی ہیں ان پر شک کرنے والا غیر مقلد گمراہ ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد القادری الرضوی، ۱۹ر من ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از عزیز احمد بیگ رضوی خطیب مسجد بنگالی اسٹریٹ وبراج پیٹ۔ کرناٹک

مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی غازیپوری نے اپنے مسدس میں لکھا ہے:

ایک لکھتا ہے کہ برحق تھا یزیدی لشکر	باغی و مفسد و غدار تھے ابن حیدر
عظمت دین کو رسوا کیا کوفہ جا کر	خودکشی کا ہے یہ اقدام بانداز دگر
بات تو جب تھی کہ لکھ دیتا تو یہ اے محمود	کربلا ہی کہیں دنیا میں نہیں ہے موجود

دریافت کرنا یہ ہے کہ محمود کون ہے؟ کس جماعت سے اس کا تعلق ہے؟ اور کس کتاب میں اس نے یہ جملے لکھے ہیں؟ اور علمائے حق کا ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: محمود عباسی امروہہ ضلع مراد آباد کا رہنے والا ہے جو تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلا گیا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا ''خلافت معاویہ و یزید'' اسی کتاب میں محمود نے یزید کو امیر المومنین اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دیا تھا۔ جب مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو حکومت نے اس کتاب کو ضبط کر لیا اور اس کی نشر و اشاعت کو جرم قرار دیا۔ اسی لئے اب وہ کتاب کہیں دستیاب نہیں ہوتی۔ محمود علمائے حق کے نزدیک گمراہ و بدمذہب ہے۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: محمد ایوب قادری گونڈوی۔ نوری مسجد جنکشن بریلی شریف

زید کا اس شعر کے مطابق عقیدہ ہے اور زید کہتا ہے کہ میرے مرشد گرامی بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے اور لوگوں کو بیعت کرتے تھے میں ان کی خانقاہ کا سجادہ نشین ہوں اور میرے مرشد گرامی نے مجھے خلافت عطا فرمائی ہے۔ میرے مرشد گرامی یہ شعر پڑھتے تھے اور عقیدہ بھی رکھتے تھے اس لئے میں بھی وہی شعر پڑھتا ہوں اور میرا بھی عقیدہ ہے وہ شعر یہ ہے:

نہ ہندو ہوں نہ مسلم نہ عیسائی نہ کافر ہوں
ہوں خادم اپنے مرشد کا مرا مذہب محبت ہے

دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ شعر کیسا ہے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنے والے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فتاویٰ عالمگیری جلد دوم احکام المرتدین میں ہے: من شك في ايمانه وقال انا مومن انشاء الله فهو كافر اھ۔ اور بہار شریعت حصہ نہم بیان مرتد میں ہے کہ ''جس شخص کو اپنے ایمان میں شک ہو یعنی کہتا ہے کہ مجھے اپنے مومن ہونے کا یقین نہیں یا کہتا ہے معلوم نہیں میں مومن ہوں یا کافر تو وہ کافر ہے اھ'' ان عبارتوں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جب اپنے ایمان میں شک کرنے والا کافر ہے تو جو شخص یہ کہے کہ میں مسلم نہیں ہوں وہ بدرجۂ اولیٰ کافر ہے بعد میں یہ کہنا کہ میں کافر نہیں اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔ لہٰذا شعر مذکور کفری ہے۔ مرید ہو یا سجادہ نشین کوئی بھی ہو اس کے مطابق عقیدہ رکھنے والا کافر ہے۔ اس پر توبہ تجدید ایمان فرض ہے اور بیوی والا ہے تو تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔ وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲ر ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سوریا نگر۔ وکرولی بمبئی ۸۳

زید کہتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے سب مسلمانوں کو کفر و ضلالت سے نکالا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: جو شخص یہ کہتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے مسلمانوں کو کفر وضلالت سے نکالا ہے وہ اگر جاہل نہیں تو گمراہ اور گمراہ گر ضرور ہے۔ مسلمان اس کی بات سننے سے سخت پرہیز کریں صحیح یہ ہے کہ اس نجدی خبیث نے مسلمانوں کو کفر و ضلالت سے نکالا نہیں بلکہ کفر وضلالت میں مبتلا کیا ہے۔ انبیائے کرام و بزرگان دین کی شان میں سخت توہین کی ہیں۔ اس کے متبعین نے حرمین طیبین میں بے انتہا مظالم ڈھائے ہیں وہ صرف اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں باقی سب مسلمانوں کو مشرک سمجھتے ہیں اسی لئے علمائے اہلسنت و جماعت اوران کے علماء کے قتل کرنے کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ دیو بندیوں کے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد ٹانڈوی سابق صدرالمدرسین دیو بند اپنی کتاب الشہاب الثاقب ص ۴۲ پر لکھتے ہیں کہ ''محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداءً تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہلسنت و جماعت سے قتل وقتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھتا رہا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب ورحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکالیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔'' پھر یہی دیو بند کے شیخ الاسلام اپنی اسی کتاب الشہاب الثاقب کے ص ۴۳ پر لکھتے ہیں: ''محمد بن عبدالوہاب نجدی کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم وتمام مسلمانان دیار مشرک وکافر ہیں اور ان سے قتل وقتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال و جائز ہے بلکہ واجب ہے''۔

اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستبا حوابذلك قتل اھل السنۃ وقتل علمائھم (شامی جلد سوم مطبوعہ دیو بند ص ۳۰۹) وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۰؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: محمد محی الدین محلہ باغیچہ التفات گنج ضلع فیض آباد

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرب میں کوئی کافر نہ ہوگا اور نہ کافروں کی حکومت ہوگی۔ جیسا کہ مشکوۃ شریف میں ہے: شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ عرب کے لوگ اس کو پوجیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آج ملک عرب خصوصاً مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں نجدی وہابی کی حکومت ہے جسے اہل سنت و جماعت مسلمان نہیں مانتے' تو اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب کیا ہے؟ اطمینان بخش مفصل جواب تحریر فرما کر اہلسنّت و جماعت کو مطمئن فرمائیں۔

لك الحمد یا اللہ والصلوۃ والسلام علیك یارسول اللہ

الجواب: بعون الملك العزيز الوهاب نجدی وہابی وہ قوم ہے جو صرف اپنے کو مسلمان سمجھتی ہے اور جو لوگ ان کے فاسد اعتقادات کی موافقت نہیں کرتے انہیں کافر و مشرک کہتی ہے۔ اسی لئے وہ لوگ اہلسنّت و جماعت کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں اور علمائے اہلسنّت کے خون کو حلال ٹھراتے ہیں جیسا کہ خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اتباع عبدالوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون استباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم. یعنی عبدالوہاب کے ماننے والے نجد سے نکلے اور مکہ معظّمہ و مدینہ طیبہ پر قبضہ کر لیا وہ لوگ اپنا مذہب حنبلی بتاتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی لوگ مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کی مخالفت کریں وہ کافر و مشرک ہیں۔ اسی سبب سے وہ لوگ اہلسنّت اور ان کے علماء کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں (شامی مطبوعہ دیوبند ص ۳۰۹ ج ۳) اور دیوبندیوں کے مولانا حسین احمد ٹانڈوی سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں: ”محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہلسنّت والجماعت سے قتل و قتال کیا' ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا' ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا' ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا' اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں' سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے' بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ چھوڑنا پڑا' اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے“۔ (الشہاب الثاقب ص ۴۲) اور اسی کتاب کے ص ۴۳ پر لکھتے ہیں: ”محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل اسلام و تمام مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال و جائز بلکہ واجب ہے“ اسی وجہ سے وہابیوں نے مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ میں بے انتہا مظالم ڈھائے یہاں تک کہ جنت البقیع' مدینہ شریف کے قبرستان میں حضرت عثمان غنی، حضرت دائی حلیمہ، حضور کی صاحبزادی بی بی فاطمہ' حضرت امام حسن' حضور کی ازواج مطہرات اور بہت سے جلیل القدر صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کے مزارات کو ہتھوڑوں اور پھاوڑوں سے توڑ اور کھود کر پھینک دیا' اور مکہ معظّمہ میں بھی جنت المعلیٰ قبرستان میں ام المومنین حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مزار مبارک کے گنبد کو توڑ دیا اور عالی شان مزار کو کھود کر پھینک دیا۔ بیچ قبرستان سے صحابہ کرام کی قبروں پر پختہ سڑک بنا دی۔ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزار کے اوپر پکی سڑک بنا دی' اور یہاں تک کہ مسجدیں جو بنص قرآن اللہ تعالیٰ کی ہیں جیسا کہ پ ۲۹ سورۂ جن میں ہے: وان المسجد لله وہابیوں نے انہیں بھی گرا دیا۔ مسجد شجرہ جہاں درخت نے حضور کے سچے نبی ہونے کی گواہی دی تھی اسے کھود کر پھینک دیا اور غار ثور غار حرا کے مبارک پہاڑوں کی مسجدوں کو بھی ڈھا دیا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضراء کے توڑنے کا پروگرام بھی بنا رہی ہے۔ حضرت سیّد احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”وہابی جب مسجدوں اور

قبروں کو مکہ معظمہ میں توڑ رہے تھے تو بڑی ڈینگیں مارتے تھے۔ ڈھول بجا بجا کر گانا گاتے تھے اور صاحب قرآن کو گالیاں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اس ظالم قوم وہابی نے بعض قبروں پر پیشاب بھی کیا۔ (خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام جلد ثانی ص ۲۷۸)

سوال میں مشکوٰۃ شریف کی جس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں: ان الشیطان قد ایس من ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب ولکن فی التحریش بینھم۔ اس حدیث شریف کا ترجمہ مشکوٰۃ مترجم وہابی مطبوعہ کراچی جلد اوّل ص ۲۳ میں یوں ہے: شیطان اس امر سے مایوس ہوگیا ہے کہ مصلی (مومن) جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت کریں (یعنی بت پرستی میں مبتلا رہیں) اور اسی وجہ سے وہ ان کے درمیان لڑائی جھگڑے پیدا کیا کرتا ہے۔ انتھٰی بالفاظہ۔ وہابی کے اس ترجمہ سے واضح ہوگیا کہ شیطان کی عبادت کا مطلب ہے بت پرستی میں مبتلا رہنا یعنی جزیرۂ عرب کے مسلمان بت پرستی میں مبتلا رہیں ایسا نہ ہوگا' اور محدث کبیر حضرت شیخ عبد الحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''طیبی گفتہ مراد بمصلین مؤمنا نند و مراد بعبادت شیطان عبادت اصنام و اگرچہ اصحاب مسیلمہ و مانعی الزکوٰۃ براہ ارتداد رفتند اما عبادت اصنام نہ کردند'' یعنی علامہ طیبی نے فرمایا کہ مصلیوں سے مومنین مراد ہیں اور شیطان کی عبادت سے بتوں کی پوجا مراد ہے' اور اگرچہ مسیلمہ کے ساتھی اور مانعین زکوٰۃ مرتد ہوئے لیکن ان لوگوں نے بتوں کی پوجا نہیں کی (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۸۳) اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: معنی الحدیث ایس من ان یعود احد من المومنین الی عبادۃ الصنم ویرتد الی شرکہ فی جزیرۃ العرب ولا یرد علٰی ذٰلک ارتداد اصحابہ مسیلمۃ ومانعی الزکوٰۃ وغیرھم ممن ارتدوا بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانھم لم یعبدوا الصنم یعنی حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ جزیرۂ عرب میں کوئی مومن بت پرستی کی طرف لوٹ کر شرک نہ کرے گا' اور اس پر اصحاب مسیلمہ اور مانعین زکوٰۃ وغیرہ کے مرتد ہونے کا اعتراض نہ پڑے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوئے تھے اس لئے کہ ان مرتدوں نے بتوں کی پوجا نہیں کی تھی (مرقاۃ جلد اوّل ص ۱۱۸) اور اسی طرح مشکوٰۃ شریف ص ۱۹ میں حدیث مذکور کے حاشیہ پر لمعات سے بھی ہے۔

ان شروح وحواشی کے حوالہ جات سے حدیث شریف کا مطلب بالکل واضح اور متعین ہوگیا کہ مخبر صادق حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب عرب کے مسلمان اپنے دین سے پھر کر بت پرستی نہ کریں گے۔ لہٰذا جزیرۂ عرب کے لوگوں کا کسی وقت مرتد ہو جانا یا اس پر کسی زمانہ میں مرتدوں کی حکومت کا قائم ہو جانا حدیث شریف کے خلاف اور منافی نہیں جیسا کہ حضور سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ کے فوراً بعد مسیلمہ کذاب' اس کے متبعین اور مانعین زکوٰۃ جزیرۂ عرب ہی میں مرتد ہوئے' اور ۳۲۰ھ میں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں مرتد ابوطاہر قرامطی کے فتنہ کے سبب حج بند ہوگیا۔ اس نے خاص حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ پر غلبہ حاصل کیا مسجد حرام کے اندر ہزاروں حاجیوں کو قتل کر ڈالا اور مقدس پتھر حجر اسود پر اپنا گرز مار کر اس کو توڑ ڈالا پھر اس کو اکھاڑ کر اپنے دار السلطنت ہجر میں لے گیا۔ یہاں تک کہ بیس برس تک کعبہ معظمہ سے حجر اسود جدا رہا۔ پھر عباسی خلیفہ مطیع کے زمانہ میں جب قرامطہ مغلوب ہوگئے تو حجر اسود پھر ''ہجر'' سے لا کر کعبہ معظمہ کی دیوار کے

کو نے میں بدستور سابق جوڑا گیا۔ ان ساری تفصیلات کو حضرت علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: قال بن الربیع بن سلیمان کنت بمکۃ سنۃ القرامطۃ فصعد رجل لقطع المیزاب وانا اراہ فعیل صبری وقلت ربی ما احملک فسقط الرجل علی دماغہ فمات وصعد القرمطی المنبر وھو یقول انا باللہ وباللہ انا اخلق الخلق وافنیھم انا یعنی محمد بن ربیع بن سلیمان نے بیان کیا کہ میں فتنہ قرامطہ کے سال مکہ شریف میں موجود تھا میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک آدمی کعبہ معظمہ کے پرنالے کو اکھاڑنے کے لئے اس کی چھت پر چڑھ گیا۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو مجھ سے صبر نہ ہوسکا میں نے کہا: اے میرے پروردگار! تو کیا ہی حلیم ہے۔ اسی وقت وہ شخص سر کے بل زمین پر گر پڑا اور مر گیا اور ابوطاہر قرامطی مسجد حرام کے منبر پر چڑھ کر کہنے لگا کہ میں خدا کی قسم۔ خدا کی قسم! میں مخلوق کو پیدا بھی کرتا ہوں اور ان کو فنا بھی کرتا ہوں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین جلد ثانی ص ۸۲۹) اور پھر خلیفہ مستعصم باللہ کے دور ۶۵۴ھ میں مدینہ طیبہ پر رافضیوں کا قبضہ رہا اسی زمانہ میں مسجد نبوی میں ایسی بھیانک آگ لگ گئی کہ مسجد اور اس کی زیب و زینت کا سارا سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ آگ کے اس واقعہ کو لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ان الاستعلاء علی المسجد والمدینۃ کان فی ذلک الزمان الشیعۃ وکان القاضی والخطیب منھم حتی ذکر ابن فرحون ان اھل السنۃ لم یکن احد منھم یتظاھر بقراءہ کتب اھل السنۃ یعنی اس زمانہ میں مسجد نبوی اور مدینہ شریف پر رافضیوں کا قبضہ تھا قاضی شہر اور مسجد نبوی کے امام و خطیب سب روافض تھے۔ یہاں تک کہ ابن فرحون کا بیان ہے کہ کوئی شخص مدینہ منورہ میں اہل سنت و جماعت کی کتابوں کو علانیہ نہیں پڑھ سکتا تھا۔ (وفاء الوفاء جلد اوّل ص ۴۲۹)

ان شواہد سے ظاہر ہو گیا کہ زمانۂ موجودہ یا آئندہ میں اگر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر مرتدوں کا تسلط ہو تو یہ کوئی نئی بات نہ ہو گی کہ پہلے زمانہ میں بھی اس مقدس سرزمین پر مرتدوں اور بدمذہبوں کا کئی کئی سال تک قبضہ و تسلط رہا پھر جب خدا تعالیٰ نے چاہا تو حرم کو ان کے قبضہ و تسلط سے پاک فرمایا۔ ھذا ظھرلی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از حفیظ الدین رضوی اتر دریا پور ضلع مالدہ۔ بنگال

حضرت مولانا فضل رسول عثمانی بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۲۶۵ھ میں ایک کتاب ''سیف الجبار'' تحریر فرمائی جس میں حضرت ممدوح نے پیشوائے وہابیہ ملا اسمٰعیل دہلوی کی گمراہیوں کو بے نقاب فرمایا ہے اور اس کے ساتھ سیّد احمد بریلوی کے کچھ حالات بیان کئے ہیں جس سے واضح ہے کہ سیّد احمد بریلوی صاحب کو صحیح العقیدہ سنی مانا جائے یا فاسد العقیدہ گمراہ قرار دیا جائے اور یہ کہ سیّد احمد رائے بریلوی صاحب کے سلسلۂ بیعت میں مرید ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ رائے بریلوی صاحب

کے سلسلہ میں مرید ہیں وہ اپنی بیعت باقی رکھیں یا توڑ دیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی رضی اللہ عنہ سنی مسلمانوں کے ایک بہت ہی معزز قابل اعتماد عالم دین ہیں۔ واقعی حضرت نے ملاجی اسمٰعیل دہلوی کے مکروفریب بیان کرنے کے ضمن میں سیّد احمد رائے بریلوی کے بھی کچھ مختصر حالات ذکر فرمائے ہیں جن سے واضح ہے کہ رائے بریلوی صاحب مذکور صحیح العقیدہ سنی نہ تھا۔ لہٰذا رائے بریلوی کے سلسلہ بیعت میں مرید ہونا درست نہیں' اور جو لوگ رائے بریلوی صاحب کے سلسلے میں بیعت ہو گئے ہیں وہ بیعت کو ختم کر کے کسی دوسرے قابل بیعت سنی پیر سے مرید ہو جائیں۔ جناب مولانا فضل احمد صاحب لدھیانوی اپنی کتاب "انوار آفتاب صداقت" مطبوعہ لاہور ص ۴۹۳ میں زیر عنوان "وہابیوں کے تاریخی حالات"، جناب سیّد احمد رائے بریلوی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پھر (رائے بریلوی صاحب) پیری مریدی کے طریق سے اپنے گروہ کو تقویت دینے لگے اور ملکی جرگوں کو اپنے مریدوں میں داخل کرتے رہے مگر ان کی عادت جبلی سے خلیفہ (سید احمد) کو علم نہ تھا۔ ایک گروہ عظیم کے بھروسے پر جو لاکھ آدمیوں سے زائد تھا مطمئن ہو کر اپنے مشیروں کو صلاح سے خطاب امیر المومنین قبول کیا اپنی خلافت شرعی کی کارروائی شروع کر دی اور شاہ بخارا اور امیر کابل کو اپنی استعانت کے بارے میں مراسلے روانہ کئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دعوت اسلام کا پیغام دیا۔ امراء نامدار و علمائے لاہور کو مطلع کیا کہ (مجھ سیّد احمد) امیر المومنین سے بیعت حاصل کرو۔ جب کوئی امیر مسلمان اور عالم پنجاب کا ان کی طرف متوجہ نہ ہوا تب انہوں نے ان کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا۔ اس فتوائے تکفیر کے اجراء سے تمام ملک پنجاب کے امیر اور علماء ناراض ہو گئے اور جواب لکھے کہ تم (سید احمد) وہابی مذہب ہو تم سے بیعت کرنا روا نہیں۔ (انتہیٰ) اس بیان سے واضح ہوا کہ رائے بریلوی صاحب کے ہمعصر پنجاب کے تمام علمائے کرام رائے بریلوی صاحب کو سنی صحیح العقیدہ نہیں مانتے تھے بلکہ اس کو وہابی سمجھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الکریم اعلم بالصواب۔

کتبہ: بدرالدین احمد الصدیقی الرضوی

من اساتذہ دارالعلوم فیض الرسول الواقعۃ فی براؤں شریف من اعمال بستی فی یو پی الاثنا عشر من ربیع الغوث سنۃ اربع وتسعین وثلثمائۃ والف من الھجریۃ المقدسۃ وصلی المولیٰ علیہ وسلم علیٰ اوّل خلق اللہ وافضل خلق اللہ واکبر خلق اللہ واعلم خلق اللہ واکرم خلق اللہ واسمع خلق اللہ وانفع خلق اللہ وابصر خلق اللہ واحسن خلق اللہ سیّدنا محمد رسول اللہ وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ واصولہ وفروعہ وابنہ الغوث الاعظم الجیلانی البغدادی اجمعین واخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

مسئلہ: از محمد سلیم الدین (بی۔اے) مکان ۴۸/۳ا اسٹی ٹیوری جی روڈ گلبرگہ (کرناٹک)

زید کہتا ہے کہ اہل ہنود قطعی مشرک نہیں ہیں کہ ان کا پتھروں کے آگے سر جھکانا اور انہیں پوجنا بالکل ہماری عبادت کے عین

مطابق ہے اس لئے کہ ان کے ذہنوں میں تصور صرف خدا کا ہوتا ہے دیوی اور دیوتا وغیرہ تو صرف بھگوان کے اوتار ہیں اس طرح خدا کی ذات میں کسی اور کو وہ شریک نہیں کرتے تو اس کے بارے میں قرآن وحدیث سے جواب تحریر فرمائیں اور شخص مذکور کے متعلق شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟

الجواب: بعون الملك الوهاب۔ زید کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اہل ہنود قطعی مشرک نہیں ہیں۔ اس لئے کہ آدمی تین طرح سے مشرک ہوتا ہے۔ ایک تو خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود ماننے سے دوسرے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق تسلیم کرنے سے اور تیسرے خدا تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت کرنے یا اسے مستحق عبادت سمجھنے سے جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''شرک سہ قسم ست در وجود و در خالقیت و در عبادت'' (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۷۲) اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: الاشراك هو اثبات الشرك في الالوهية بمعني وجوب الوجود كما للمجوس اوبمعني استحقاق العبادة كما يعبده الاصنام۔ (شرح عقائد نسفی ص ۶۱) لہٰذا اہل ہنود بتوں کو پوجنے یا ان کو مستحق عبادت سمجھنے کے سبب قطعی مشرک ہیں ان کے ذہنوں میں خدا کا تصور ہونا انہیں مشرک ہونے سے نہیں بچا سکتا کہ اسی قسم کا عقیدہ اکثر مشرکین عرب کا بھی تھا کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کو مانتے تھے مگر بتوں کی پوجا کے سبب مشرک تھے جیسا کہ پ ۱۳ رکوع ۶ میں ہے: وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ یعنی ان میں کے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے ہی کی حالت میں مشرک ہیں۔ تفسیر جلالین میں ہے: وما يؤمن اكثرهم بالله حيث يقرون بانه الخالق الرزاق الاوهم مشركون بعبادة الاصنام یعنی ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اس طرح سے کہ انہیں خدا کے خالق ورزاق ہونے کا اقرار تھا مگر بتوں کی عبادت کے سبب وہ مشرک تھے۔

اور تفسیر خازن میں اسی آیت کریمہ کے تحت ہے: يعني ان من ايمانهم انهم اذا سئلوا من خلق السمٰوٰت والارض قالوا الله واذا قيل لهم من ينزل المطر قالوا الله وهم مع ذٰلك يعبدون الاصنام وفي رواية ابن عباس انهم يقرون ان الله خالقهم فذٰلك ايمانهم وهم يعبدون غيره فذٰلك شركهم۔ یعنی جب مشرکین عرب سے پوچھا جاتا کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا فرمایا تو وہ لوگ کہتے کہ اللہ' اور جب ان سے کہا جاتا کہ بارش کون نازل فرماتا ہے تو وہ لوگ کہتے کہ اللہ' مگر چونکہ خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے ساتھ وہ بتوں کی پوجا بھی کرتے تھے اس لئے وہ مشرک تھے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ مشرکین عرب اقرار کرتے تھے کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یہ ان کا ایمان تھا' مگر وہ خدا تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے تھے یہ ان کا شرک تھا' اور تفسیر مدارک میں اسی آیت کریمہ کے تحت ہے: اي وما يؤمن اكثرهم في اقراره بالله وبانه خلقنه وخلق السماوات والارض الاوهو مشرك بعبادة الوثن الجمهور على انها انزلت في المشركين۔ یعنی مشرکین عرب میں سے اکثر کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اقرار تھا اور اس بات کا بھی اعتراف تھا کہ ان کو اور آسمان وزمین کو خدا تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے مگر بتوں کی پرستش کے سبب وہ مشرک تھے' اور

جمہور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ مشرکین ہی کے بارے میں نازل ہوئی اور تفسیر ابوالسعود میں ہے: وما یومن اکثرھم باللّٰہ فی اقرارھم بوجودہ وخالقیتہ الاوھم مشرکون بعبادتھم لغیرہ تعالیٰ۔ یعنی اکثر مشرکین عرب اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے کہ ان کو خدا تعالیٰ کے وجود و خالقیت کا اقرار تھا لیکن غیر اللہ کی عبادت کرنے کے سبب وہ مشرک تھے۔

بلکہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود مشرکین عرب کے ایمان کو مختلف آیتوں میں بالتفصیل بیان فرمایا ہے مثلاً پ ۱۱ رکوع ۹ میں ہے: قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ۔ یعنی تم فرماؤ کہ آسمان و زمین سے تمہیں روزی کون دیتا ہے؟ اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟ تو اب مشرکین عرب کہیں گے کہ اللہ' اور پ ۱۸ رکوع ۵ میں ہے: قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ یعنی تم فرمادو کہ عرش عظیم اور ساتوں آسمان کا مالک کون ہے؟ اب مشرکین کہیں گے یہ اللہ کی شان ہے' اور پ ۲۱ ع ۲ میں ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ یعنی تم اگر ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے پیدا فرمایا اور چاند و سورج کو کس نے کام میں لگایا تو مشرکین ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر اسی پارہ اور اسی رکوع میں ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ یعنی اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے پانی کس نے اتار کر اس سے مردہ زمین میں زندگی پیدا کر دی تو وہ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' اور پارہ ۲۵ رکوع ۱۳ میں ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ یعنی اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ ان عقائد کے باوجود مشرکین عرب چونکہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اس لئے وہ مشرک تھے اسی طرح یہاں کے اہل ہنود بھی اگرچہ خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں مگر بتوں کی پرستش کے سبب وہ بھی مشرک ہیں اور ان کا پوجنا ہرگز ہماری عبادت کے مطابق نہیں کہ وہ معبودان باطل کو پوجتے ہیں اور ہم صرف معبود برحق کی پرستش کرتے ہیں' اور دیوی دیوتا وغیرہ کو اگرچہ وہ اوتار مانتے ہیں مگر ان کو پوجتے بھی ہیں۔ اس طرح خدا تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنے کا سبب وہ مشرک ہیں۔ لہٰذا زید پر لازم ہے کہ وہ اپنے عقیدۂ باطلہ سے رجوع کرے اور علانیہ توبہ واستغفار و تجدید ایمان کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس سے دور رہیں ورنہ وہ اوروں کو بھی گمراہ کردے گا۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ (پ ۷ رکوع ۱۴) ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد رئیس القادری متعلم مدینۃ العلوم بلبھر یادھانے پور ضلع گونڈہ

کیا قبر میں سوال و جواب اور عذاب وثواب مردہ کو زندہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے؟

الجواب: قبر میں سوال و جواب اور عذاب وثواب مردہ کو زندہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے یا کسی دوسرے طریقے سے۔ اس میں اختلاف ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں صرف اس قدر عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے' اور خدا تعالیٰ مردہ میں ایسی حالت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ دیکھتا سنتا اور باتیں کرتا ہے۔ سوال کا جواب دیتا اور عذاب وثواب سے رنج وراحت پاتا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ بہار شریعت حصہ اول ص ۲۵ میں تحریر فرماتے ہیں: مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق بدن انسان کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ اگرچہ روح بدن سے جدا ہوگئی۔ پھر چند سطر کے بعد اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں: مرنے کے بعد مسلمان کی روح حسب مرتبہ مختلف مقاموں میں رہتی ہے' مگر کہیں بھی ہو اپنے جسم سے اس کا تعلق بدستور رہتا ہے اھ ملخصاً۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اگر ہمیں قدر بدانند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتے پیدا کند کہ بداں چیزے از الم وراحت دریابد در اعتقاد صحیح کفایت است واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۱۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از حاجی اقبال احمد عیسیٰ نگر ضلع لکھیم پور (یو۔ پی)

اصلاح شریعت اسلامیہ میں (۱) عبادت۔ (۲) شرک اور (۳) بدعت کی تعریف کیا ہے؟

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: العبادۃ ھو فعل المکلف علی خلاف ھوی نفسہ تعظیما لربہ یعنی مکلّف کا جو فعل اپنی خواہش نفس کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لئے ہو اسے عبادت کہتے ہیں۔ (التعریفات ص ۱۲۷) اور حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: العبادۃ عن تعظیم اللہ تعالیٰ واظھار الخشوع لہ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے اور اس کے لئے اظہار خشوع کرنے کا نام عبادت ہے۔ (تفسیر کبیر جلد اول ص ۲۱۱)

(۲) حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الاشراک ھو اثبات الشریک فی الالوھیۃ بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس اوبمعنی استحقاق العبادۃ کما لعبدۃ الاصنام۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو بھی واجب الوجود ماننا جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے۔ یا کسی غیر خدا کو لائق عبادت سمجھنا۔ جیسا کہ بت پرستوں کا اعتقاد ہے شرک ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۶۱) اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ فرماتے ہیں: شرک سہ قسم است۔ در وجود و در خالقیت و در عبادت اھ (اشعۃ اللمعات) اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک تین قسم پر ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی واجب الوجود ٹھہرائے۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق جانے۔ تیسرے یہ کہ

خداتعالیٰ کے سوااور کسی کی عبادت کرے یا اسے مستحق عبادت جانے۔

(۳) شارح مشکوٰۃ حضرت ملاعلی قاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری حدیث شریف کل بدعة ضلالة کے تحت فرماتے ہیں:

قال النووی البدعة کل شیء عمل علی غیر مثال سبق وفی الشرع احداث مالم یکن فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و قوله کل بدعة ضلالة عام مخصوص۔ یعنی شارح مسلم حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایسا کام جس کی مثال زمانۂ سابق میں نہ ہو (لغت میں) اس کو بدعت کہتے ہیں اور شرع میں بدعت یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں نہ تھی' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: کل بدعة ضلالة عام مخصوص ہے۔ (یعنی بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے)۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۹۷) واضح ہو کہ بدعت کی کئی قسمیں ہیں۔ جیسا کہ شامی ص ۳۹۳ جلد اول میں ہے: فتکون (ای البدعة) واجبة کنصب الادلة لرد علی اهل الفرق الضالة وتعلم النحو المفهم للکتاب والسنة ومندوبة کاحداث نحو رباط ومدرسة وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروهة کزخرفة المساجد ومباحة کالتوسع بلذیذ الما کل والمشارب والثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر المناوی عن تهذیب النووی ومثله فی الطریقة الحمدیة للبر کلی اھ یعنی بدعت کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقے والوں پر رد کے لئے دلائل قائم کرنا اور علم نحو کا سیکھنا جو قرآن و حدیث سمجھنے میں معاون ہوتا ہے' اور بدعت کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسوں اور مسافر خانوں کی تعمیر اور ہر وہ نیک کام کرنا جو ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا' اور بدعت کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے مسجدوں کو آراستہ ومزین کرنا' اور بدعت کبھی مباح ہوتی ہے' جیسے لذیز کھانے پینے اور کپڑے کی کشادگی اختیار کرنا جیسا کہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں تہذیب النووی سے منقول ہے' اور اس کے مثل برکلی کی کتاب طریقۂ محمدیہ میں ہے' اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بدانکہ ہر چہ پیدا شدہ بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بدعت ست واز آنچہ موافق اصول وقواعد سنت اوست وقیاس کردہ شدہ براں آنرا بدعت حسنہ گویند و آنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند وکلیت کل بدعة ضلالة محمول بریں است وبعض بدعتہا ست کہ واجب ست چنانچہ تعلم وتعلیم صرف ونحو کہ بداں معرفت آیات واحادیث حاصل گردد، وحفظ غرائب کتاب وسنت ودیگر چیز ہائے کہ حفظ دین وملت برآں موقوف بود وبعض مستحسن ومستحب مثل بنائے رباطہا ومدرسہا' وبعض مکروہ مانند نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقول بعض۔ بعض مباح مثل فراخی درطعامہائے لذیذہ ولباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند وباعث طغیان وتکبر ومفاخرت نشوند ومباحات دیگر کہ درزماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبودند چنانکہ بیری وغربال ومانند آں وبعض حرام چنانکہ مذہب اہل بدع واہوا برخلاف سنت وجماعت وآنچہ خلفائے راشدین کردہ باشند اگر چہ بآں معنی کہ درزمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبودہ بدعت ست' ولیکن از قسم بدعت حسنہ خواہد بود بلکہ درحقیقت سنت ست۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۱۲۵)

وهو سبحانه وتعالی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۳۰ رشوال ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از محمد خورشید خاں صدر مسلم جماعت بھوانی پٹنہ۔ ضلع کالاہانڈی (اڑیسہ)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان اس فتویٰ کے بارے میں کہ ایک سنی حافظ صاحب ہیں وہ چھوٹی موٹی کتابوں کی تجارت کرتے ہیں ایک شخص نے حافظ صاحب سے بہشتی زیور طلب کیا اس کے آرڈر پر حافظ صاحب نے منگا کر دے دیا کیونکہ تاجر کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ گاہک کو خوش کرے۔ چند لوگوں نے کہہ دیا کہ آپ حافظ صاحب وہابی ہو گئے۔ وہابی کتاب منگا کر دے دیتے ہیں آپ پر توبہ تجدید ایمان واجب ہو گیا ہے۔ اب ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا سنی ایمان یا مسئلہ کیا اتنا کمزور ہے کہ صرف ایک کتاب منگانے سے وہابی ہو جاتا ہے یا وہابی دراصل وہ ہے جو وہابی عقیدہ دل میں جمائے اور اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے۔ خلاصہ فرمائیں۔ کیا واقعی حافظ صاحب وہابی ہو گئے اور توبہ و تجدید ایمان ان پر لازم ہو گیا؟ مہربانی ہوگی۔

الجواب: وہابی عقیدہ رکھنے والے ہی کو وہابی کہتے ہیں۔ حافظ صاحب مذکور اگر عقائد اہلسنت کے ماننے والے ہیں تو بہشتی زیور خریدنے اور بیچنے کے سبب وہابی نہیں ہوں گے مگر چونکہ بہشتی زیور گمراہ کن کتاب ہے اس لئے اس کی خرید و فروخت جائز نہیں حافظ صاحب گنہگار ہوئے توبہ کریں اور آئندہ اس قسم کی گمراہ کن کتاب نہ بیچنے کا عہد کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ رشول ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از حافظ امام بخش مدرس دار العلوم آبادانیہ تیغیہ سرکار نہی شریف۔ ضلع مظفر پور (بہار)

سوال (۱) مشکوٰۃ شریف ص۴۵۶ میں ہے: (باب الریاء والسمعۃ) قال اللہ تعالیٰ: انا اغنی الشرکاء عن الشرك (الی) ترکته وشرکه۔ اس حدیث شریف کا مطلب بیان فرمایا جائے۔

(۲) مذکورہ بالا حدیث میں انا اغنی الشرکاء عن الشرك پر جو حاشیہ ہے اس کا مطلب بھی واضح فرمایا جائے۔

الجواب: حدیث شریف مسئول عنہ اور اس کا مطلب نیز ترجمہ نیچے لکھا جاتا ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ: انا اغنی الشرکاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فیه معی غیری ترکته وشرکه مشکوٰۃ شریف باب الریاء والسمعۃ ص ۴۵۴) ترجمہ: جو لوگ اپنے ماتحتوں سے شرک کرواتے ہیں معبودیت میں خود شریک گردانتے ہیں اور جو لوگ شریک کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان شرکاء کی نسبت ان مشرکین کے اعمال شرکیہ سے زیادہ غنی (یعنی بے پروا) ہوں لہٰذا ان کو مقبول نہیں بناتا (تو) جس نے کوئی عمل کیا جس میں میرے غیر کو شریک کر دیا (خواہ ریاء و سمعہ) ہی کے طور پر کیوں نہ ہو تو میں اس شریک کنندہ کو اور اس کے عمل شرک کو نامقبول بنا کر چھوڑ دیتا ہوں۔

شرکاء کی دو قسمیں ہیں:

(الف) قسم اول: وہ شرکاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنے آپ کو بھی شریک سمجھتے ہیں۔ (جو عابد ان کو عبادت میں شریک کرے تو اس کا یہ فعل شرک اکبر ہے۔)

(ب) قسم دوم: وہ شرکاء ہیں جو عبادت میں اپنی شرکت تو نہیں چاہتے مگر وہ اس کے متمنی اور خواہش مند رہتے ہیں کہ عابدین انہیں دکھا سنا کر عبادت کیا کریں۔ یہ بھی ایک قسم کا شریک فی العبادت ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی شرکاء ہوئے۔ (ایسی ریاء والی بات شرک اصغر ہے)

انا اغنی الشرکاء میں شرکاء سے مراد عام شرکاء لئے جائیں تاکہ دونوں قسموں کو شامل ہو جائے اور ترکتہ وشرکہ۔ میں شرک سے مراد شرکت لیا جائے تاکہ شرک اصغر اور شرک اکبر دونوں قسموں کو حاوی ہو جائے۔

فائدہ: مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ مشکوٰۃ شریف کی مذکورہ حدیث کے حاشیہ پر دونوں جگہوں پر ضمیر ھم سے مراد شرکاء ہی ہیں۔

دونوں قسموں کے شرکاء چونکہ اپنی سر بلندی اسی شرکت فی العبادۃ سے سمجھتے ہیں اس لئے وہ اس دنیوی اور اپنی مزعومہ عزت افزائی کے لئے اس شرکت کے خواستگار اور محتاج ہوتے ہیں۔ ان کو اس سے غنا اور لاپرواہی بالکل ہی نہیں۔ اس کے برخلاف بندے کی مخلصانہ طاعت وعبادت سے عابدین کی سر بلندی اور عزت ہوتی ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی۔ وہ تو غنی بالذات ہے عزت و فضل میں ہماری طاعت کا محتاج نہیں۔

غنی ذاتش از طاعت جن و انس بری ذاتش از تہمت ضد و جنس

(۱) اعتراض: حدیث شریف کی مذکورہ بالا توضیح پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انا اغنی الشرکاء میں اغنی اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مفضل اور شرکاء مفضل علیہم ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کثرت کنندگان عابدین کی طاعت سے اللہ تعالیٰ اور شرکاء دونوں کو غنا ہے۔ اللہ عزوجل کو زیادہ اور شرکاء کو کم۔ حالانکہ شرکاء کو مطلقاً غنا نہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ اپنی مزعومہ بلندی کا معیار انہیں اعمال شرکیہ کو سمجھتے ہیں تو یہ لوگ اس کے محتاج ہوئے نہ کہ اس سے مستغنی۔ جب ان میں غنا ہے ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ کو اغنی نہیں کہہ سکتے۔

جواب محشی، مذکورہ بالا اعتراض کا جواب اس طرح دیا ہے کہ علی فرض ان لھم غنی یعنی یہاں شرکاء کے لئے فرض غنا ماننے کی صورت میں کلام ہو رہا ہے کہ شرکاء کے لئے بھی بندوں کے اعمال شرکیہ سے بالفرض غنا تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے لئے زیادہ غنا ہے کہ اس کا غنا ذاتی ہے، اور یہ شرکاء ممکن ہیں اور ممکن اپنی ذات اور اپنے وجود اور اپنے تمام صفات غنا وغیرہ میں محتاج الی الواجب ہوتا ہے، اور محتاج کو غنا ملا تو پھر واجب کے غنا کے بالمقابل ادنیٰ اور اقل ہوگا۔ (یہاں سے حاشیہ کا مطلب بھی واضح ہو گیا۔)

کتبہ: محمد اویس حسن غلام جیلانی جہانگیری،
۲۵/ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از اللہ بخش پنجیڑ ضلع رتلام (ایم۔ پی)
شرک اور بدعت کسے کہتے ہیں؟ اور ان کی کتنی قسمیں ہیں؟ بالتفصیل لکھ کر عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب: شرک کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی۔ عمل میں ریاکاری کرنا شرک ہے اسی کو شرک اصغر بھی کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: الرياء شرك خفي اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''ہر عملے کی بریا کند شرک است۔ غایت آنکہ شرک جلی ست وخفی۔ شرک جلی آشکارا بت پرستی کردن ومرائی کہ برائے غیر خدا عمل می کند نیز بت پرستی می کند لیکن پنہانی۔'' (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد چہارم ص ۲۵۰) اور شرک جلی جس کو شرک اکبر بھی کہتے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی واجب الوجود ٹھہرانا شرک اکبر ہے جیسے آریہ جو خدا تعالیٰ کے سوا روح اور مادہ کو بھی واجب الوجود مانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق اور موثر بالذات ماننا یہ بھی شرک اکبر ہے جیسے ستارہ پرستوں کا عقیدہ کہ عالم کے تغیرات ستاروں کی تاثیرات سے ہیں اور ستارے مؤثر بالذات ہیں کسی کے محتاج نہیں۔ تیسرے یہ کہ خدا عزوجل کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا یا اسے مستحق عبادت سمجھنا جیسے بت پرست جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کو پرستش کا مستحق سمجھتے ہیں یہ بھی شرک اکبر ہے اور جب مطلق شرک بولا جاتا ہے تو اکثر یہی شرک اکبر ہی مراد ہوتا ہے۔ محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: شرک سہ قسم ست در وجود، در خالقیت ودر عبادت (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۷۲) اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: الاشراك هو اثبات الشريك في الالوهية بمعني وجوب الوجود كما للمجوس اوبمعني استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام۔ (شرح عقائد نسفی ص ۶۱)

اور بدعت وہ اعتقاد یا اعمال ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات ظاہری میں نہ تھے بعد میں ایجاد ہوئے۔ یعنی بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی: وہ برے عقائد ہیں جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے جیسے وہابیوں، دیوبندیوں کا یہ عقیدہ کہ خدا تعالیٰ جھوٹ پر قادر ہے بدعت اعتقادی ہے اور بدعت عملی: ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانۂ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی اور خواہ وہ کام صحابۂ کرام کے زمانہ میں ہو یا ان کے بعد۔ اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۱۲۵ میں ہے: ''بداں کہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت ست۔'' یعنی جو چیز حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد پیدا ہوئی وہ بدعت ہے چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر کرنے کے بعد فرمایا: نعمة البدعة هذه۔ (مشکوٰۃ ص ۱۱۵) لیکن عرف عام میں ایجادات صحابہ کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں کہتے۔ ''اشعۃ اللمعات میں ہے'' آنچہ خلفائے راشدین کردہ باشند اگرچہ بآں معنی کہ در

زماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبودہ بدعت ست ولیکن قسم بدعت حسنہ خواہد بود، بلکہ درحقیقت سنت ست'' پھر بدعت عملی کی تین قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ، بدعت سیئہ اور بدعت مباحہ۔ بدعت حسنہ وہ بدعت ہے جو قرآن وحدیث کے اصول وقواعد کے مطابق ہو اور انہی پر قیاس کیا گیا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل بدعت واجبہ جیسے قرآن وحدیث سمجھنے کے لئے علم نحو کا سیکھنا اور گمراہ فرقوں پر رد کے لئے دلائل قائم کرنا۔ دوم بدعت مستحبہ جیسے مدرسوں کی تعمیر اور ہر وہ نیک کام جس کا رواج ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا۔ جیسے محفل میلاد شریف وغیرہ۔ بدعت سیئہ وہ بدعت ہے جو قرآن وحدیث کے اصول وقواعد کے مخالف ہو۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اوّل بدعت محرمہ جیسے ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری۔ دوم بدعت مکروہہ جیسے خطبہ کی اذان مسجد کے اندر پڑھنا، اور بدعت مباحہ وہ بدعت ہے جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ظاہری زمانہ میں نہ ہو اور جس کے کرنے نہ کرنے پر ثواب وعذاب نہ ہو۔ اشعۃ اللمعات میں ہے: ''آنچہ موافق اصول وقواعد سنت اوست وقیاس کردہ شدہ براں، آں را بدعت حسنہ گویند۔ وآنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند وکلیت کل بدعۃ ضلالۃ محمول بریں ست۔ وبعض بدعتہا ست کہ واجب ست چنانچہ تعلیم وتعلم صرف ونحو کہ بداں معرفت آیات واحادیث حاصل گردد وحفظ غرائب کتاب وسنت ودیگر چیز ہائے کہ حفظ دین وملت براں موقوف بود۔ وبعض مستحسن ومستحب مثل بنائے رباطہا ومدرسہا۔ وبعض مکروہ مانند نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقول بعض۔ وبعض مباح مثل فراخی در طعامہائے لذیذہ ولباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند وباعث طغیان وتکبر ومفاخرت نشوند ومباحات دیگر کہ در زماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبودن چنانکہ غربال ومانند آں۔ وبعض حرام چنانکہ مذہب اہل بدع برخلاف سنت وجماعت''۔ اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۹۳ میں ہے: قدتکون (البدعۃ) واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی اهل الفرق الضالۃ وتعلم النحو المفهم للکتاب والسنۃ ومندوبۃ کاحداث نحو الرباط ومدرسۃ وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول و مکروهۃ کزخرفۃ المساجد ومباحۃ کالتوسع بلذیذ المآکل والمشارب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تهذیب النووی ومثله فی الطریقۃ المحمدیۃ للبرکلی۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از نظام الدین احمد متعلم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف

حضرت نے اپنے رسالہ آٹھ مسئلے کا محققانہ فیصلہ میں ''بدعتوں کے رواج'' کے تحت مخالفین پر معارضہ قائم کرتے ہوئے روزہ کے افطار کی دعا اللهم لك صمت وبك امنت وعلیك توکلت وعلٰی رزقك افطرت۔ کو بھی بدعت لکھا ہے حالانکہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۶۵۱ پر تحریر فرمایا ہے: ابوداؤد عن معاذ بن زهرۃ انه بلغه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان اذا فطر قال اللهم لك صمت وعلی رزقك افطرت جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے تو وہ بدعت کیسے ہوئی؟

الجواب: محققانہ فیصلہ میں جو لکھا گیا ہے وہ صحیح ہے بیشک اللهم لك صمت وبك امنت وعلیك توکلت وعلی

رزقك افطرت ان لفظوں کے ساتھ افطار کی دعا پڑھنا جیسا کہ عام طور پر رائج ہے بے اصل ہے، بدعت ہے اور اس بدعت پر مخالفین کا بھی عمل ہے۔ البتہ حدیث شریف میں جو الفاظ مذکور ہیں یعنی اللھم لك صمت وعلی رزقك افطرت سنت ہے بدعت نہیں۔ امام المحدثین حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: واما ما اشتھر علی الالسنۃ اللھم لك صمت وبك امنت وعلی رزقك افطرت فزیادۃ وبك امنت لا اصل لھا وان کان معناھا صحیحا وکذا زیادۃ وعلیك توکلت (مرقاۃ جلد ثانی ص ۵۱۵) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از رضی احمد حبیبی۔ غلام اصغر حبیبی۔ محمد علی رضوی و دیگر برادران منصوری معرفت محمد علی رضوی ہری ہر پور پوسٹ بڑگاؤں ضلع سلطان پور

محمد عیسیٰ ولد امام بخش منصوری موضع پورے شیو چرن تیواری پوسٹ رہوا لال گنج ضلع پرتاب گڑھ کا رہنے والا ہے۔ معمولی اردو، انگریزی پڑھا ہوا ہے اور وہ اپنے آپ کو اپنے قلم سے حضرت مولانا مفتی اعظم مجدد اعظم امام مہدی اور سیّد بھی لکھتا ہے حالانکہ وہ منصوری برادری کا ہے۔ محمد عیسیٰ کی عمر تقریباً پچاس سال کی ہے وہ اپنے آپ کو یتیم بھی لکھتا ہے۔ زکوٰۃ، فطرے کی رقم وصول کر کے کھاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری بیوی کا نکاح دوسرے سے حرام ہے اور میرے مرنے کے بعد نسیم کی والدہ پیرنی بنیں گی۔ نسیم محمد عیسیٰ کے لڑکے کا نام ہے۔ محمد عیسیٰ قلم کاغذ لئے ہر وقت فضول باتیں لکھا کرتا ہے اور لکھ کر علمائے کرام کے پاس بھیجا کرتا ہے۔ مہر بھی بنوائے ہوئے ہے مہر پر مجدد اعظم کا نشان ہے اپنے خطوط میں علمائے کرام کو کتا، سؤر، گدھا، مردود، کافر لکھا کرتا ہے۔ علمائے اہلسنّت کی خاص کر توہین کر رہا ہے اور نہ تو نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اوپر سے حکم ہے اگر اس سے کوئی کہتا ہے کہ تم علمائے کرام کے پاس چلو علمائے اہلسنّت تمہاری تصدیق کریں تو ہم لوگ بھی مان لیں تو اس پر کہتا ہے کہ مجھے کہیں جانے کی اجازت نہیں ہے میرے پاس خود ان لوگوں کو لاؤ اور جب اس کے پاس کوئی جاتا ہے تو اس کے دو بھائی اور لڑکے اور کچھ لوگوں کو بہکا کر اپنے گروپ میں لئے ہوئے ہے انہیں لوگوں کے زور سے مار پیٹ پر آمادہ ہو جاتا ہے اور گالی دینے لگتا ہے۔ کتا، سور، مردود بناتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کا گروپ بڑھتا جا رہا ہے تو ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ جو شخص اس طرح کی حرکتیں کرتا ہو اور دین میں رخنہ اندازی کر رہا ہو ایسا شخص از روئے شرع مومن ہے یا کافر یا فاسق و فاجر؟ اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں اس کی ہر طریقے سے مدد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تحریر فرمائیں ورنہ مسلمانوں میں قتل و قتال کا سخت اندیشہ ہے۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ شخص مذکور کے بارے میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں اگر واقعی اس میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں کہ معمولی اردو انگریزی پڑھا ہوا ہے اور اپنے آپ کو مولانا مفتی اعظم اور مجدد اعظم لکھتا ہے تو وہ مکار عیار

فریب کار ہے' اور اپنے آپ کو امام مہدی لکھتا ہے تو وہ جھوٹا کذاب ہے کہ حدیث شریف میں امام مہدی کے بارے میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ میرے خاندان سے ہوگا اور اس کا نام میرے نام پر ہوگا۔ (ترمذی ابوداؤد)

اور ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ امام مہدی حضور کے خاندان سے ہوں گے۔ ان کا نام حضور کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور کے والد کے نام پر ہوگا۔ یعنی امام مہدی محمد بن عبداللہ نام کے ہوں گے اور ابوداؤد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول المهدی من عترتی من اولاد فاطمه۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مہدی میری عترت سے ہوں گے یعنی اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۳۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں: "بدانکہ احادیث در باب بودن مہدی از اولاد فاطمہ زہراء بحد تواتر رسیدہ۔" اور شخص مذکور منصوری ہو کر اپنے آپ کو سیّد لکھتا ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت سعد و ابو بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ادعی الی غیر ابیه وهو یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام۔ یعنی جو شخص جانتے ہوئے اپنے باپ کے علاوہ اپنے کو دوسرے کی طرف منسوب کرے تو اس پر جنت حرام ہے' اور شخص مذکور پچاس سال کی عمر میں اپنے کو یتیم کہتا ہے تو وہ نرا جاہل ہے کہ یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں کہ جس کے باپ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ جائے۔ لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے: الیتیم من فقد اباه و لم یبلغ مبلغ الرجال' اور تفسیر جلالین میں ہے: الیتامی الصغار الا لی لااب لهم اور شخص مذکور جو یہ کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری بیوی کا نکاح دوسروں سے حرام ہے' تو یہ اس کی بکواس ہے جو آیت کریمہ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ کے سراسر خلاف ہے' اور بے سبب علمائے اہلسنت کو گالی دیتا ہے' اور ان کی توہین کرتا ہے' اور ان کو کافر لکھتا ہے تو وہ خود کافر ہے۔ بہار شریعت میں ہے کہ علم دین اور علمائے دین کی توہین بے سبب یعنی محض اس وجہ سے کہ عالم دین ہے کفر ہے' اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: یخاف علیه الکفر اذا شتم عالما اوفقیها من غیر سبب' اور نماز نہ پڑھنے اور روزہ نہ رکھنے کے سبب فاسق و فاجر ہے' اور اس کے بارے میں جو یہ کہتا ہے کہ اوپر سے حکم ہوا ہے اگر اس کی یہ مراد ہے کہ میرے اوپر نماز، روزہ فرض نہیں کئے گئے ہیں تو وہ کافر ہے کہ نماز، روزہ کی فرضیت کا انکار سینکڑوں آیات و احادیث متواترہ کا انکار ہے جو صریح کفر ہے غرضیکہ شخص مذکور بعض صورتوں کے لحاظ سے کافر ہے' اور کئی لحاظ سے فاسق ہے' اور فاجر ہے بدمذہب گمراہ و گمراہ گر ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا اور اس کے ساتھیوں کا مکمل بائیکاٹ کریں اور اس فتنہ کو دبانے کی حتی الامکان کوشش کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ (پارہ ۷۔ رکوع ۱۴) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهد وهم ان لقیتموهم فلا تسلموا علیهم ولا تجالسوهم ولاتشاربوهم ولاتوا کلوهم ولاتنا کحوهم ولاتصلوا علیهم ولاتصلوا معهم۔ یعنی بدمذہب اگر

بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو اگر مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں ان سے ملاقات ہو تو ان سے سلام نہ کرو ان کے پاس نہ بیٹھو ان کے ساتھ پانی نہ پیو ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو اور ان کے ساتھ مل کر نماز نہ پڑھو۔ (مسلم شریف) اس حدیث کو ابو داؤد نے حضرت ابن عمر سے اور ابن ماجہ نے حضرت جابر سے اور عقیل و ابن حبان نے حضرت انس سے بھی روایت کیا ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الناس اذا رأومنكرا فلم يغيروه يوشك ان يعمهم بعقابه۔ یعنی جب لوگ خلاف شرع (خصوصاً بد مذہبی کی) کوئی بات دیکھیں اور اس کو (حتی الامکان) نہ مٹائیں تو عنقریب خدا تعالیٰ ان کو اپنے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از انصار نگر۔ ڈوگرہ۔ مظفر پور۔ مرسلہ ڈاکٹر محمد یونس مورخہ ۶ / اپریل ۱۹۶۰ء

(۱) جب دیوبندیو کے کفر پر شبہ کرنے والا کافر ہے تو رائی برابر ایمان والا کس کو کہا جا سکتا ہے؟ نیز اس کی پہچان کیا ہے؟

(۲) حدیث شریف میں وارد ہے کہ مونچھیں کٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ بچی کے اغل بغل کے بال داڑھی میں شامل ہیں یا نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شامل نہیں ہیں کیونکہ بہت سے عالم اسے کٹواتے ہیں۔ اگر داڑھی میں شامل ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شامل ہیں جیسا کہ بہت سے عالموں کے فعل اور بہار شریعت جلد ۱۶ / ص ۱۹۷ سے ثابت ہے کہ بچی کے اغل بغل کا بال کٹانا بدعت ہے اگر قائل آخر کا قول درست ہے تو یہ کس قسم سے ہے؟

(۱) امام مذہب حنفی سیّدنا قاضی ابو یوسف رضی اللہ عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں ايما رجل مسلم سب رسول الله صلى الله عليه وسلم اوكذبه او عابه اوتنقصه فقد كفر بالله تعالى بانت منه امرأته جو شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشنام (گالی) دے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے یا حضور کو کسی طرح کا عیب لگائے یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے وہ یقیناً کافر اور خدا کا منکر ہو گیا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ (شفا شریف و بزازیہ) درر و غرر اور فتاویٰ خیریہ وغیرہا میں ہے: اجمع المسلمون ان شاتمه صلى الله عليه وسلم كافر و من شك في عذابه و كفره فقد كفر۔ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو شخص اس کے معذب یا کافر ہونے میں شبہ و شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ انہیں احکام شرعیہ کی روشنی میں حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں دو سو اڑسٹھ علماء مکہ معظمہ و مدینہ منورہ، ہندوستان، بلوچستان، پنجاب، دکن، کوکن، بنگال اور بہار نے بالاتفاق فتویٰ دیا کہ جو شخص دیوبندیوں کے کفریات مندرجہ حفظ الایمان ص ۹ براہین قاطعہ ص ۵۱ تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸ پر یقینی اطلاع رکھتے ہوئے ان کے کافر ہونے میں شک کرے تو وہ کافر ہے۔ انتہائی ضـ ـ الایمان مومن اصطلاح شرع میں

رائی برابر ایمان والا کہا جاتا ہے۔ لیکن کافر یقینی کے کفر میں شبہ کرنے والا ضعیف الایمان نہیں رہ جاتا بلکہ وہ مسلوب ایمان ہو جاتا ہے۔ ہمیں کسی متعین رائی برابر ایمان والے کی پہچان حاصل نہیں۔ ہاں اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص رائی برابر بھی ایمان رکھتا ہے وہ ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کی تکذیب نہیں کرسکتا' اور اگر کسی ایک بات کی بھی تکذیب کر دے تو وہ بھی دوسرے کافروں کی طرح کافر ہے۔ کیونکہ تکذیب کی صورت میں اب اس کے پاس ایمان ہی نہیں رائی برابر تو بڑی چیز ہے۔

(۲) قائل ثانی کا قول درست ہے یہاں بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد الرضوی

۸ر شعبان ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: از عطاء اللہ وضیاء اللہ وعظیم اللہ قادری چشتی یارعلوی موضع سسہنیاں گلاں گونڈہ

(۱) ہم لوگ آج تک علمائے دین سے سن کر اسمٰعیل دہلوی کو کافر کرتے تھے لیکن ایک مولوی صاحب سے ہم لوگوں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں ثبوت سے کہتا ہوں کہ اسمٰعیل دہلوی کو کافر نہ کہنا چاہئے بلکہ احتیاط کرنی چاہئے۔ آپ لوگ اس کا صحیح جواب دیجئے؟

(۲) ہمارے یہاں کے پیش امام حج کو چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد یہاں کے کچھ لوگ مل کر ایک شخص کو نماز پڑھانے کے لئے لائے تو ہم لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ حسام الحرمین کے اندر ہم لوگوں نے دیکھا ہے اور علمائے کرام سے سنا ہے کہ رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی و خلیل احمد انبیٹھی و قاسم نانوتوی اور اسمٰعیل دہلوی کے بارے آپ کیا کہتے ہیں تب اس نے کہا کہ ہم ان لوگوں کو کچھ برا بھلا نہیں کہیں گے تب ہم لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا الگ پڑھنے لگے تب دوسرے مولوی صاحب نے آ کر اعلان کیا کہ آپ لوگ کون ہوتے ہیں پوچھے۔ اے آپ کو پوچھنے کا کوئی حق نہیں اور اسے بتلانا حق نہیں۔ یہ مفتیوں کا کام ہے یہ صرف مفتی لوگ کہہ سکتے ہیں تو کیا ہم لوگ عقیدہ کے بارے میں کسی سے نہ پوچھیں اور جو بھی آئے اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں یا نہیں اور ان لوگوں کو کافر کہیں یا کہ نہیں؟

(۳) ہم لوگ سنی عقیدہ رکھتے ہیں اور بریلی کے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے کہنے پر چلتے ہیں لیکن ایک مولوی نے تقریر میں اعلان کیا کہ نہ تم لوگ بریلوی بنو نہ وہابی نہ دیوبندی اور نہ چودھویں صدی کے ملاؤں کا کہنا مانو صرف محمدی بنو تو ہم لوگوں کے سمجھ میں نہیں آتا کہ بریلوی بننے سے بھی روکا جاتا ہے' اور چودھویں صدی کے ملاؤں کا کہنا ماننے سے بھی روکا جاتا ہے تو اب ہم لوگ کیا بنیں اور کس کا کہنا مانیں اور بریلوی و محمدی میں کیا فرق ہے جواب بحوالہ کتب ارسال فرمائیں؟

الجواب: (۱) اسمٰعیل دہلوی اپنے کفریات مندرجہ تقویۃ الایمان وصراط مستقیم وغیرہا کی بناء پر بحکم فقہائے کرام شرعاً ضرور کافر ہے جو مسلمان اس کو ان کفریات کی وجہ سے کافر کہے گا اس کو منع نہیں کیا جائے گا تفصیل رسالہ صمصام حیدری برگردن وہابی بیدین بسکوہری میں ملاحظہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۲) عوام کو فتویٰ دینے کا حق تو نہیں ہے لیکن مفتیان اہلسنت دامت برکاتہم العالیہ کے فتاویٰ حقہ سنا دینے کا ضرور حق ہے۔ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ و عرب و عجم کے حضرات علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے جب فتاویٰ صادر فرمادیا کہ تھانوی و گنگوہی و انبیٹھی و نانوتوی پر ان کے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان و براہین قاطعہ و تحذیر الناس و فتوے فتویٰ کے سبب شرعاً کافر و مرتد ہیں جو ان کے کفریات مذکورہ پر مطلع ہو کر ان کو کافر کہنے سے زبان روکے وہ بھی شرعاً کافر و مرتد ہے تو عامۂ اہل اسلام کو اس فتویٰ پر عمل ... ض ہے اور اس فتویٰ کو سنا دینا حق ہے اور دوسرا مولوی اللہ و رسول کے دشمنوں کا حامی ہے ان کے کفریات پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ بحکم شریعت مطہرہ وہ بھی کافر مرتد ہے۔ تفصیل "الصوارم الهندیه" میں ملاحظہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۳) بریلی شریف کے فاضل افضل حضور اعلیٰ حضرت قبلہ مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ عنہ کا دین و مذہب جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے وہ وہی ہے جو خالص دین محمدی ہے جو بریلوی بننے سے روکتا ہے وہ محمدی بننے سے روکتا ہے وہ بھی بحکم شریعت مطہرہ الفقہاء کافر ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم وعلمه اتم۔

کتبہ: بدر الدین احمد القادری الرضوی

۱۲ / ربیع الاول ۷۷ھ

مسئلہ: از بچھیا پوسٹ میاں بازار ضلع گورکھپور مرسلہ عبد الرب

زید پر زنا کا الزام تھا جلیل احمد نے کہا کہ پنچ نے اگر زید کو اپنے ٹاٹ میں نہیں ملا لیا تو میں کرسٹین ہو جاؤں گا' تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جلیل عند الشرع مجرم ہے یا نہیں؟

الجواب: جلیل اپنے اس قول کہ "میں کرسٹین ہو جاؤں گا" مسلمان نہیں رہ گیا بلکہ کافر ہو گیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی جلیل پر لازم ہے کہ پھر سے کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھے اور دل سے مانے اور زبان سے اقرار کرے کہ مذہب اسلام سچا اور حق ہے۔ باقی تمام مذاہب اور کرسٹین مذہب باطل اور جھوٹا ہے' اور کہے کہ یا اللہ میں توبہ کرتا ہوں' اور میری زبان سے جو کلمہ کفر نکل گیا ہے اس سے بیزار ہوں اور بیوی سے دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح کرے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ / جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ

مسئلہ: مسئولہ حفیظ اللہ مکان نمبر ۱۶/۶۶ بنارس

فضل اکرام الدین کی بیوی کے ماموں ہیں۔ فضل اور اکرام الدین نے آپس میں مذاق کیا تو فضل نے اکرام الدین سے کہا کہ میں نے تمہاری بیوی کو رکھا ہے' کھلایا ہے' دیا ہے' اور لیا ہے۔ اس پر اکرام الدین نے کہا کہ کیا تم اس کا ثبوت دو گے تو فضل نے کہا: ہاں دیں گے لیکن اگر تم ہار گئے تو اس پر اکرام الدین نے کہا کہ ہم اپنی بیوی تمہارے نام کر دیں گے۔ پھر اکرام الدین

غصہ کی حالت میں اٹھا۔ بیوی کے پاس آیا اور اس کو مارا اور اس سے پوچھا کہ کیا قتل تم کو رکھے ہوئے ہے تمہارا خرچہ اور تمہاری ہر خواہش پوری کرتا ہے تو اس کی بیوی نے کہا کہ یہ سب باتیں جھوٹی ہیں اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائی اور کہا یہ سب جھوٹ ہے تو غصہ کی حالت میں اکرام الدین نے کہا کہ میں قرآن کو نہیں مانتا' اور پھر کہا کہ جو ہوا سو ہوا بات ختم کرو۔ اس کے بعد اکرام الدین کی بیوی اکرام الدین کے ساتھ ایک ہفتہ تک رہی بعدہ میکے چلے آئی' میکے آکر اس نے اپنے والد سے اس کا تذکرہ کیا تو اکرام الدین کے سسر نے قتل سے پوچھا اور وہاں کے پنچ نے بھی پوچھا تو قتل نے کہا کہ میں نے مذاق کے طور پر کہا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے عندالشرع کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اکرام الدین یہ جملہ بول کر کہ ''میں قرآن نہیں مانتا'' کافر و مرتد ہو گیا۔ اس کی بیوی اس کے نکاح سے باہر ہو کر اس پر حرام ہو گئی۔ اکرام الدین پر فرض ہے کہ وہ اپنے کفری جملہ سے توبہ کرے اور ازسرنو کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر تجدید ایمان کرے پھر مسلمان ہو جانے کے بعد اگر وہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں لانا چاہے تو نئے مہر پر اس کے ساتھ نکاح کرے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اکرام الدین جب تک توبہ و تجدید ایمان نہ کرے اس وقت تک اس سے اسلامی تعلقات منقطع کرلیں۔ توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اکرام الدین کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھے اور کہے کہ جو کچھ سرکار مصطفےٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے وہ سب حق ہے میں ان سب باتوں کو حق مانتا ہوں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے' میں قرآن مجید کو سراپا حق مانتا ہوں۔ یا اللہ میں اس کفری جملہ سے توبہ کرتا ہوں اور تجھ سے اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں اپنے تمام گناہوں سے' خلاف شرع تمام بولیوں سے توبہ کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔ یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم میرے تمام گناہوں کو اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں بخش دے۔ یا رسول اللہ! بارگاہ الٰہی میں میرے تمام گناہوں کی معافی کے لئے شفاعت فرمادیں۔ صلی اللّٰہ النبی الامی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیك یارسول اللّٰہ یا اللہ العٰلمین۔ مجھے اپنے نبی کریم علیہ التحیۃ والثناء کا سچا غلام بنا اور میری توبہ قبول فرما اور مجھے توبہ پر قائم رکھ۔ آمین

جب اکرام الدین سے کلمہ کفر صادر ہو گیا تھا تو اس کی بیوی پر فرض تھا کہ وہ فوراً اکرام الدین سے جدائی کر لیتی لیکن وہ جدا نہ ہوئی اور ایک ہفتہ تک اکرام الدین کے ساتھ رہی اس لئے اس کی بیوی بھی اس خلاف شرع امر سے توبہ کرے...... قتل نے ہنسی مذاق کی آڑ میں یہ فتنہ کھڑا کیا اس پر بھی اپنے اس فتنہ انگیز فعل سے توبہ فرض ہے اگر اکرام الدین مسلمان ہو جانے کے بعد معاذ اللہ بلا تجدید نکاح کے اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھے تو مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ اس کا بائیکاٹ کریں تاوقتیکہ وہ دوبارہ اس عورت سے نکاح نہ کرے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: بدر الدین احمد الرضوی

۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

مسئلہ: عبدالعزیز خاں اشرفی رضوی اتواری ریلوے اسٹیشن کے پاس جنگی ناکہ ۱۵ ناگپور۔ مہاراشٹر

(۱) اہل سنت و جماعت کے عقائد کیسے ہیں اس کا جواب شریعت مطہرہ کے مطابق مرحمت فرمائیں اور ان کا مسلک کون سا ہے؟

(۲) دیو بندی وہابی کے عقائد کیسے ہیں اور ان کا مسلک کس نام سے مشہور ہے' اور انہیں وہابی کیوں کہا جاتا ہے؟ شرعی حوالوں سے جواب دیں۔

(۳) جو مسجدیں اہلسنت و جماعت کی ہیں ان میں دیو بندی، الیاسی، جماعت اسلامی، تبلیغی، قادیانی وغیرہم جماعت کے لوگوں کو نماز پڑھنے' تقریر کرنے' بلکہ داخل ہونے سے روکنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: (۱) اہلسنّت کے عقائد جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہیں حق ہیں اور ان کا مسلک وہی ہے جس کی تبلیغ و اشاعت حضور سیدنا غوث اعظم شیخ محی الدین سیّد عبدالقادر جیلانی بغدادی اور حضور خواجہ غریب نواز سیّد معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری اور حضرت شیخ محقق عطائے رسول شاہ عبدالحق محدث دہلوی بخاری اور امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی وغیرہ پیشوائے دین رضی اللہ عنہم اپنے اپنے وقتوں میں کرتے رہے' اور جس کی احیاء و تجدید شیخ الاسلام مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کی جو آپ کی تصنیفات فتاویٰ رضویہ، حسام الحرمین الکوکبۃ الشہابیہ اور سبحان السبوح وغیرہ سے ظاہر ہے۔

(۲) دیو بندی وہابی کے عقائد کفری ہیں جیسا کہ ان کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھی وغیرہ سے ظاہر ہے مثلاً مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان ص ۸ پر حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کل علم غیب کا انکار کرتے ہوئے صرف بعض علم غیب کو ثابت کیا پھر بعض علم غیب کے بارے میں یوں لکھا کہ ''اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے (معاذ اللہ) اور مولوی قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیو بند نے اپنی کتاب تحذیر الناس ص ۳ پر لکھا ہے کہ ''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں' مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔'' اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ خاتم النبیین کا یہ مطلب سمجھنا کہ آپ آخری نبی ہیں یہ ناسمجھ اور گنواروں کا خیال ہے۔ پھر اسی کتاب تحذیر الناس ص ۲۸ پر لکھا کہ ''اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی پیدا ہوسکتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور مولوی خلیل احمد انبیٹھی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ ص ۵۱ پر لکھا کہ ''شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہے فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے (معاذ اللہ رب العالمین) اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص شیطان و

ملک الموت کے لئے وسیع علم مانے وہ مومن مسلمان ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو وسیع اور زائد ماننے والا مشرک ہے۔
مذکورہ بالا عقیدوں کے علاوہ اور بھی اس گروہ کے کفری عقیدے بہت سے ہیں اسی لئے مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، ہند، سندھ، بنگال، پنجاب، برما، مدارس، گجرات، کاٹھیاواڑ، بلوچستان، سرحد، دکن اور کوکن وغیرہ کے سیکڑوں علمائے کرام و مفتیان عظام نے ان لوگوں کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ تفصیل کے لئے فتاویٰ حسام الحرمین اور کتاب الصوارم الہندیہ کا مطالعہ کریں' اور اس گروہ کا پیشوا محمد بن عبدالوہاب نجدی ہے جو تیرہویں صدی میں ظاہر ہوا وہ عقائد فاسدہ اور خیالات باطلہ رکھتا تھا وہ اور اس کے متبعین اہلسنّت و جماعت کو کافر و مشرک سمجھتے تھے جیسا کہ خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: **اتباع عبدالوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وعلمائهم** یعنی عبدالوہاب کے ماننے والے نجد سے نکلے اور مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ پر قبضہ کرلیا۔ وہ لوگ اپنا مذہب حنبلی بتاتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی لوگ مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کی مخالفت کریں وہ کافر و مشرک ہیں۔ اس سبب سے وہ لوگ اہلسنّت اور ان کے علماء کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں (شامی جلد سوم مطبوعہ دیوبند ص ۳۰۹) اسی وجہ سے وہابیوں نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں بے انتہا مظالم ڈھائے کہ ان مقدس مقامات اور کئی ہزار اہلسنّت و جماعت اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے یہاں تک کہ جنت البقیع مدینہ شریف کے قبرستان میں حضرت عثمان غنی، حضرت دائی حلیمہ، حضور کی صاحبزادی بی بی فاطمہ، حضرت امام حسن، حضور کی ازواج مطہرات اور بہت سے جلیل القدر صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کے مزارات کو ہتھوڑوں اور پھاوڑوں سے توڑا اور پھوڑ کر پھینک دیا اور مکہ معظمہ میں جنت المعلیٰ قبرستان میں ام المومنین حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مزار مبارک کے گنبد کو توڑ دیا اور عالیشان مزار کو کھود کر پھینک دیا۔ بیچ قبرستان سے صحابہ کرام کی قبروں پر پختہ سڑک بنادی۔ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزار پر پکی سڑک بنادی اور یہاں تک کہ مسجد میں جو بنص قرآن اللہ تعالیٰ کی ہیں جیسا کہ پ ۲۹ سورہ جن میں ہے: وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ وہابیوں نے انہیں بھی گرادیا۔ مسجد شجرہ جہاں درخت نے حضور کے نبی ہونے کی گواہی دی تھی اسے کھود کر پھینک دیا اور غار ثور و غار حرا کے مبارک پہاڑوں کی مسجدوں کو بھی ڈھادیا۔ حضرت سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: **وهم عند الهدم یزتجرون ویضربون الطبل والغنون بالغوا فی شتم القبور التی هدموها حتی قیل ان بعض الناس بال علی قبر السید المحجوب** یعنی وہابی جب مسجدوں اور قبروں کو مکہ معظمہ میں توڑ رہے تھے تو بڑی ڈینگیں مارتے تھے' ڈھول بجا بجا کر گانا گاتے تھے اور صاحب قبر کو بہت گالیاں دیتے تھے یہاں تک کہ بیان کیا گیا ہے کہ بعض وہابیوں نے حضرت سید محجوب کی قبر پر پیشاب بھی کیا۔ (خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام جلد ثانی ص ۲۰۶)
اب جو لوگ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا مذہب اختیار کئے ہوئے ہیں ان کو وہابی کہا جاتا ہے۔

(۳) مذکورہ جماعتیں چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان و ایذا پہنچانے والی ہیں اس لئے ان کو مسجدوں میں نماز پڑھنے تقریر کرنے بلکہ داخل ہونے سے بھی روکنا ضروری ہے درمختار مع شامی جلد اول ص ۴۴۴ میں ہے: یمنع منه کل موذ ولو بلسانه وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ / ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد اسحٰق پھر بندی گونڈہ

زید کہتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ صحابی ہیں اور بکر کہتا ہے کہ صحابی نہیں ہیں ان کو کیا کہا جائے تاکہ ایمان و عقیدہ خراب نہ ہو جائے؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل الشان صحابی اور منشی ہیں۔ حدیث کی مشہور و معروف کتاب مشکوٰۃ شریف ہے۔ جس کے آخر میں حضرت محدث شیخ ولی الدین رازی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کرنے والے چند صحابہ کی ایک مختصر فہرست شامل کی ہے۔ اسی فہرست میں حرف المیم فصل فی الصحابہ کا ایک عنوان قائم کیا ہے۔ جس کا معنی ہی یہ ہے کہ اس فصل میں ان صحابیوں کا بیان ہے جن کے نام کا پہلا حرف میم ہے۔ اس عنوان کے نیچے حضرت محدث ولی الدین تحریر فرماتے ہیں: معاوية بن ابی سفيان القرشي الاموی كان هو وابوه من مسلمة الفتح وهو احد الذين كتبو الرسول الله صلى الله عليه وسلم وروى عنه ابن عباس وابو سعيد رضي الله عنهم۔ یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاندان قریش قبیلہ بنی امیہ میں سے ہیں۔ آپ اور آپ کے والد ماجد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما فتح مکہ کے دن مسلمان ہو کر سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہوئے۔ آپ بارگاہ رسالت کے منشی بھی تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم نے آپ سے سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنی ہیں۔ اس حوالہ سے دن دوپہر کی طرح خوب واضح ہوگیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور حضور کے دربار کے منشی بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ کو صحابی رسول مان کر ان سے حضور کی حدیث سنی اور قبول کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں صحابہ کے متعلق اعلان فرماتا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (پارہ ۲۷ - سورۂ حدید) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابیوں سے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابیوں کے حقوق بیان کرنے کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں: اذا رايتم الذين يسبون اصحابی فقولوا لعنة الله على شركم۔ (مشکوٰۃ شریف) یعنی (اے مسلمانو!) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابیوں کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان سے برملا کہہ دو کہ تمہاری بدگوئی پر خدا کی پھٹکار پڑے۔ یہ حقوق تو عام صحابیوں کے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو ایک جلیل القدر فقیہ صحابی ہیں ان کے حقوق اور زیادہ ہیں اور

ان کی جلالت شان کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۴۱ھ میں شہزادہ رسول حضرت سرکار امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان کو سارے جہاں کے مسلمانوں کا خلیفہ اور حاکم اعلیٰ بنایا اور خود ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور شہزادۂ اصغر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کا خلیفہ ہونا ان کی زندگی بھر تسلیم فرمایا۔ یہ واضح رہے کہ سیّدنا سرکار امام حسین وہی ہیں جنہوں نے راہ حق میں شہید ہونا تو منظور فرمایا مگر یزید پلید فاسق فاجر کی باطل خلافت تسلیم نہ فرمائی۔ اب اس کے بعد جو شخص سیّدنا امیر معاویہ کی شان میں گستاخی کرے یا آپ کی خلافت کو حق نہ مانے وہ سرکار امام حسن رضی اللہ عنہ اور سرکار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ کا کھلا ہوا دشمن اور باغی قرار پائے گا۔ ہندوستان اور پاکستان کے تمام سنی مسلمانوں کی مستند کتاب بہار شریعت حصہ اوّل ص ۲۷ میں ہے: تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اہل خیر وصلاح ہیں اور عادل۔ ان کا جب ذکر کیا جائے تو خیر ہی کے ساتھ کیا جائے کسی صحابی کے ساتھ سوئے عقیدت (برا گمان رکھنا) بدمذہبی وگمراہی واستحقاق جہنم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے ایسا شخص رافضی ہے اگر چاروں خلفاء (حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، حضرت مولیٰ علی) کو مانے اور اپنے کو سنی کہے مثلاً حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہندہ اسی طرح حضرت سیّدنا عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم ان میں سے کسی کے شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ زید کی بات حق ہے اور بکر کی بات جھوٹی اور باطل ہے۔ پھر چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے سے انکار کرنا یہ ان کے حق میں توہین اور گستاخی ہے اور بکر سے یہ گستاخی ہوئی ہے لہٰذا بکر کو یہ فتویٰ دکھا کر اس کو توبہ کرائی جائے اور اگر معاذ اللہ تعالیٰ بکر کے سر پر گمراہی اور رافضیت کا بھوت سوار ہو گیا ہو اور سمجھانے پر وہ نہ مانے تو جمعہ مسجد میں اعلان کر دیا جائے کہ بکر سنی نہیں رہ گیا وہ شہزادۂ رسول سرکار امام حسن رضی اللہ عنہ کا دشمن ہو گیا ہے اعلان کے بعد مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ بکر کا بائیکاٹ کریں اور اس سے تمام تعلقات اس وقت تک منقطع رکھیں جب تک وہ توبہ کر کے سنی مسلمان نہ ہو جائے۔

مسلمانوں کو سخت ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر وہ اپنے دین وایمان کا بھلا چاہیں تو شمع نیازی مرتد اور راشد الخیری رافضی گمراہ کی کتابیں ہرگز ہرگز نہ پڑھیں ورنہ شیطان مردود ان کے ایمان اور عقیدہ کو برباد کر کے جہنم میں دھکیل دے گا۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

الجواب صحیح: بدر الدین احمد قادری رضوی

کتبہ: فقیر بارگاہ حسنی وحسینی غلام غوث قادری،

یکم صفر المظفر ۱۳۹۳ھ

مسئلہ: از بدر عالم بستوی مدرسہ بحر العلوم کھیری باغ مئو ضلع اعظم گڑھ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناخلف بیٹا یزید کافر ہے یا مسلمان؟

الجواب: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بدبخت بیٹے یزید کے بارے میں اس امر پر سب ائمہ اہلسنت کا اتفاق واجماع ہے کہ وہ فاسق وفاجر اور جری علی الکبائر تھا۔ لیکن اس کو کافر کہنے میں اختلاف فرمایا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین یزید کو کافر کہتے ہیں' اور ہمارے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کافر کہنے سے احتیاطاً سکوت فرمایا ہے کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں مگر کفر متواتر نہیں اور جبکہ احتمال ہو تو کسی کی جانب کبیرہ گناہ کی نسبت جائز نہیں ہے تو بصورت احتمال کافر کہنا کیسے جائز ہوگا۔ ھٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی رضی اللہ عنہ القوی فی الجزء السادس من الفتاوٰی الرضویہ اور شرح فقہ اکبر ص ۸۸ میں ہے: اختلف فی اکفار یزید قبل نعم یعنی لما روی عنہ مایدل علی کفرہ من تحلیل الخمر و من تفوّھہ بعد قتل الحسین واصحابہ انی جازیتھم بما فعلوا باشیاخ قریش و صنادیدھم فی بدر فی امثال ذٰلک. وقبل لا اذ لم یثبت لنا عنہ تلک الاسباب الموجبۃ ای لکفرہ وحقیقۃ الامر التوقف فیہ ومرجع امرہ الی اللہ سبحانہ اھ ملخصًا۔ پھر اسی صفحہ پر دو سطر کے بعد ہے: لایخفی ان ایمان یزید محقق ولایثبت کفرہ بدلیل ظنی فضلا عن دلیل قطعی. ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: محمد عمران قادری رضوی مصطفوی غفرلہٗ ربہ' محلہ منیر خاں پیلی بھیت

یکم جمادی الآخری ۱۳۸۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ شرع عظام دامت برکاتہم العالیہ مسائل ہذا میں

(۱) زید کہتا کہ جس شخص کے پاس اہل سادات کی مہر نہ ہو وہ عالم نہیں ہوسکتا۔ یونہی جس کے پاس اہل سادات کی مہر نہ ہو وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ عالم دین اور خلیفہ ہونے کے لئے اہل سادات کی مہر ہو یا ان کی اجازت ہو کیا زید کا قول صحیح ہے؟

(۲) زید کہتا ہے کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کو رضی اللہ عنہ کہنا کفر ہے' اور جو کہے وہ کافر ہے؟

(۳) حضرت منصور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھانسی کا فتویٰ دینے والے مع عالمگیر کے قابل گردن زدنی ہیں اور سب جہنمی ہیں جہنم میں جائیں گے۔ سب کو توبہ کرنی چاہئے اور جو حضرت عالمگیر کو جنتی کہے وہ توبہ کرے؟

(۴) زید یہ بھی کہتا ہے کہ عالمگیر عالم دین نہ تھا بلکہ ایک دنیاوی حاکم تھا اور حکمران تھا۔ اس کو عالم دین کہنا جائز نہیں؟

(۵) حضرت عالمگیر کو جہنمی کہنے پر دلیل پیش کرتا ہے کہ قرآن میں ہے: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ

خَالِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا۝ یعنی قتل مومن عمداً (قصداً) کفر ہے' اور جو مومن کو قتل کرے وہ بحکم قرآن کافر اور جہنمی ہے' اور عالمگیر نے اپنے بھائی کو قصداً قتل کیا اس لئے وہ کافر اور جہنمی ہے' اور اپنے باپ کو بھی قید کیا اور اس پر ظلم کیا اس لئے وہ ظالم و جابر بھی ہے کیا زید کا قول صحیح ہے؟ اگر نہیں تو زید کی اس دلیل کا جو اس نے قرآن سے پیش کیا ہے کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ (۱) زید جاہل محض اور اس کا قول غلط ہے عالم دین ہونے کے لئے عقائد دینیہ واحکام شرعیہ سے واقفیت ضروری ہے' اور یونہی کسی شخص کا خلیفہ ہونے کے لئے جامع شرائط بیعت شیخ کی اجازت ضروری ہے۔ ان دونوں امور میں بحیثیت سیادت نسب حضرات سادات کرام کی مہر واجازت کو کوئی دخل نہیں۔

(۲) یہ زید صرف جاہل ہی نہیں بلکہ جری اور بیباک اور شریعت مطہرہ سے بالکل بے لگام معلوم ہوتا ہے۔ اس نے حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ والرضوان کے حق میں کلمۂ ترضی استعمال کرنے والوں کو کافر کہہ کر اپنے اوپر کفر لازم کر لیا اس پر توبہ وتجدید ایمان اور کسی جامع شرائط بیعت پیر سے مرید ہو تو تجدید بیعت اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح فرض ہے' اور جن مسلمانوں کے سامنے یہ کلمہ خبیث بول کر انہیں ایذا پہنچائی ہے ان سے اس کا معافی مانگنا لازم ہے۔ زید اگر توبہ وغیرہ امور انجام دینے کے بجائے اپنی بے لگامی پر قائم رہے تو مسلمانوں پر فرض ہے' اور اہم فرض ہے کہ اس سے سارے اسلامی تعلقات منقطع رکھیں۔

(۳) ان جملوں کو بک کر زید فاسق موذی ہو گیا اس پر توبہ فرض ہے جن مسلمانوں کے سامنے یہ جملے بول کر زید نے انہیں ایذا پہنچائی ان سے معافی مانگنا اس پر لازم ہے۔

(۴) حضرت محی الدین عالمگیر اورنگ زیب علیہ الرحمۃ والرضوان سلطان اسلام ہونے کے ساتھ حافظ قرآن' عالم دین عادل' متقی پرہیزگار تھے جن کی نگرانی میں فتاویٰ عالمگیری جیسی عظیم وجلیل ضخیم کتاب مرتب ہوئی وہ عالم دین نہ ہوگا تو پھر عالم دین کون ہوگا۔

(۵) عمداً مومن کا قتل سخت ترین گناہ کبیرہ ہے' اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق و مستحق عذاب نار ضرور ہے لیکن کفر نہیں اہلسنّت کی مستند ومتداوّل کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے: والکبیرۃ لاتخرج المومن عن الایمان آیت کریمہ میں قتل مومن بالعمد پر شدید ترین سزاؤں کی وعید ضرور ہے لیکن قاتل مومن کو کافر نہیں فرمایا' اور یہی وجہ ہے کہ مفسرین کرام نے یہاں خلود فی النار سے مدتہائے دراز مراد لیا ہے۔ اگر قاتل مومن شرعاً کافر ہو جاتا تو خلود فی النار سے ابدی جہنمی مراد لیتے۔ زید کا یہ قول کہ ''جو مومن کو قتل کرے وہ بحکم قرآن کافر اور جہنمی ہے'' غلط اور باطل ہے کیونکہ قاتل مومن اشد فاسق اور مستحق جہنم ضرور ہے لیکن کافر نہیں اور یہ بحث تو اس صورت میں ہے کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو بلاوجہ شرعی قتل کیا جائے اور اگر شرعی وجہ کے پیش نظر کوئی مسلمان قتل کیا گیا تو قاتل پر کوئی مواخذہ نہیں مثلاً جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے ڈاکہ زنی کرتے ہوں یا بغیر کسی حق شرعی کے بادشاہ اسلام سے بغاوت کر کے ساعی فساد ہیں وہ ضرور قتل کیے جائیں گے اور قتل کرانے والے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ دارا

شکوہ تو بانی فتنہ وساعی فساد ہونے کے ساتھ دشمن شعار دین ومروج الحاد وزندقہ تھا کیونکہ ''او بمصاحبت ہنود وگیاں بے ایمان شدہ بود'' (ملاحظہ ہو وقائع عالمگیری ص ۲۷ مرتبہ نیبھ احمد سنڈیلوی) لہٰذا دارا کا قتل بربنائے وجہ شرعی ہے۔ رہا شاہجہاں مرحوم پر ظلم وستم کا افسانہ تو وہ زید کی من گڑھت کہانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ والرضوان شعائر اسلام کے پاسباں، مروج شریعت اسلامیہ، دین کے غازی، مجاہد اور مجدد تھے۔ آپ کے زہد وتقویٰ، حق پرستی، عدل وانصاف، حمایت دین، نکابت مفسدین پر اگر شہادت درکار ہو تو ملاحظہ ہو تفسیرات احمدیہ حضرت مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ والرضوان مصنف نور الانوار حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ناصر الشریعة القویمة سالك الطریقة المستقیمة باسط مهاد العدل والانصاف هادم اساس الجور والاعتساف مروج الشریعة الغراء مؤسس الملة الحنفیة البیضاء صاحب الفاخر صاحب جامع المراتب والمناقب بحر الدر رابی الظفر مربی ذی الفضل الصغیر الکبیر محی الدین اورنگ زیب عالم گیر۔ تفسیرات احمدیہ ص ۶ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل کے خطبہ میں اکابر علمائے اسلام کی متفقہ گواہی ملاحظہ ہو: هو المطیم علی العدل والشجاعة والندی والمفطور تقنه من الذهد والورع والتقویٰ امیر المومنین ورئیس السلمین امام الغزاة وراس المجاهدین ابو الظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه غازی. غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو بادشاہ اپنے زمانے کے اکابر حاملین شریعت علماء کی نگاہوں میں عادل ومنصف متقی وزاہد متورع، حامی دین، مروج شریعت ہو اس کو ظالم وجابر، کافر وجہنمی کہنا کتنی بڑی بدبختی اور شقاوت ہے، اور اگر ملحد جوگیوں اور فرقہ پرست غیر مسلموں سے متاثر ہو کر بیباک شخص یہ کہہ دے کہ حضرت مولانا احمد جیون منصف نور الانوار اور اکابر علمائے مصنفین فتاویٰ عالمگیری (معاذ اللہ تعالیٰ) جھوٹے تھے تو قطع نظر اس امر کے کہ ایسا دعویٰ کرنے والا خود کذاب ومکار، عیار وبہتان طراز ہے، مگر اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ تو اگر سچا ہے تو حضرت عالمگیر کے زمانے کے حاملین شریعت علماء کی اس امر پر تو بھی گواہی پیش کر کہ حضرت عالمگیر ظالم وجابر، کافر جہنمی تھے۔ زید اور اس کے جیسے خیالات فاسدہ رکھنے والے سب لوگ کان کھول کر سن لیں کہ مطالبۂ مذکور قیامت تک پورا نہیں کیا جا سکتا، تو اے لوگو! اس جہنم کی آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

بالجملہ زید اگر اپنی آخرت کی بھلائی کا خواہاں ہے تو وہ اپنے ان اقوال باطلہ سے فوراً توبہ کر ڈالے کہ موت کا وقت معلوم نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ هو الهادی یهدی من یشاء الی صراط مستقیم واللّٰہ تعالیٰ ورسوله اعلم جل جلاله وصلی اللّٰہ علیه وسلم۔

کتبہ: بدر الدین احمد القادری الرضوی،
من اساتذہ فیض الرسول براؤں الشریفہ من اعمال بستی (یوپی)،
۲۱ رمن جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از عطاء اللہ سسہنیاں کلاں ضلع گونڈہ

زید کہتا ہے کہ حضرت مولائے کائنات جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے تھے اور زمانۂ بچپن ہی سے کفر وشرک سے پاک تھے اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے کافر تھے اس کے بعد ایمان لائے تو پھر اس صورت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ سے افضل کیوں قرار دیا گیا اور کس خوبی سے ان کو خلیفہ اوّل بنایا گیا؟ فضیلت کے لحاظ سے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اوّل ہونا چاہئے تھا۔ قرآن وحدیث سے حوالہ ملنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد سب سے افضل ہونا تمام علماء اہلسنّت کے نزدیک مسلم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ (پ۳۰) یعنی اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ ستھرا ہو۔ تمام مفسرین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت کریمہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اتقی یعنی سب سے بڑا متقی و پرہیزگار انہیں کو کہا گیا ہے' اور پھر پارہ ۲۶ رمیں یوں ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یعنی بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت وفضیلت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی و پرہیزگار ہو۔ ان دونوں آیت کریمہ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں چنانچہ مشہور کتاب شرح عقائد نسفی ص ۱۰۷ میں ہے: افضل البشر بعد نبینا ابوبکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورین ثم علی المرتضیٰ۔ یعنی تمام نبیوں کے بعد بشروں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ذوالنورین پھر حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین' اور امام جلیل خاتم الحفاظ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں فرماتے ہیں: اجمع اهل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی ثم سائر العشرة ثم باقی اهل بدر ثم باقی اهل احد ثم باقی اهل البيعة ثم باقی الصحابة هٰكذا حكى الاجماع عليه ابومنصور البغدادی۔ یعنی علمائے اہلسنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام امت سے افضل ہیں آپ کے بعد حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی پھر عشرۂ مبشرہ پھر اہل بدر پھر اہل احد پھر باقی اہل بیت پھر باقی تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ابوالمنصور بغدادی نے اجماع اسی طرح نقل کیا ہے روی البخاری عن ابن عمر قال کنا نخير بين الناس فی زمان رسول الله نخير ابا بكر ثم عمر ثم عثمان وزاد الطبرانی فی الکبير فيعلم بذلك النبی صلی الله عليه وسلم ولاينكره یعنی روایت کیا ہے امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ شمار کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر کو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو بتلایا کرتے تھے۔ طبرانی نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے اور ناپسند نہ

حضرت محمد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے: اخرج البخاری عن محمد بن علی ابن طالب قال قالت لابی ای الناس خیر بعد رسول الله قال ابوبکر قلت ثم من قال عمرو خشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت قال ما انا الارجل من المسلمین۔ یعنی محمد بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر۔ میں نے کہا ان کے بعد فرمایا: حضرت عمر ہیں اور میں ڈرا کہ اب حضرت عثمان کو فرمائیں گے۔ میں نے عرض کیا: پھر آپ افضل ہیں؟ تو آپ نے (خاکساری کے طور پر) فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان ہوں (بخاری) اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضیلت بعد الانبیاء کے متعلق پیش کی جا سکتی ہیں مگر بخوف طوالت اتنے ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے زید کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کافر کہنا زید کی جہالت و نادانی ہے اس لئے کہ اہل فترت یعنی جنہیں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت نہ پہنچی تین قسم پر ہیں: اوّل موحد: جنہیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہ توحید دکھائی جیسے قس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل اور زہیر بن ابی سلمہ شاعر وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم۔ دوم مشرک: کہ اپنی جہالتوں اور ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے جیسے کہ اکثر عرب۔ سوم: غافل کہ انہماک فی الدنیا کے سبب انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث نہ ہوتی' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قسم دوم وسوم میں سے نہ تھے بلکہ قسم اوّل کے لوگوں میں سے تھے اس لئے کہ چند برس کی عمر میں ان کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ جو بعد میں صحابی ہوئے زمانۂ جاہلیت میں انہیں بت خانے لے گئے اور بتوں کو دکھا کر فرمایا: هذه الهتك السم العلى فاسجدلها یعنی یہ تمہارے بلند وبالا خدا ہیں انہیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر گئے لیکن سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور بت کی عاجزی وبت پرستوں کی جہالت ظاہر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: انی جائع فاطعمنی یعنی میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ آپ نے پھر کہا انی عارفا کسنی یعنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ پھر وہ کچھ نہ بولا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا میں تجھے پتھر مارتا ہوں۔ فان کنت الها فامنع نفسك یعنی اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا وہ اب بھی خاموش رہا آخر بقوت صدیق پتھر مارا تو وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گر پڑا۔ آپ کے والد ماجد واپس آ رہے تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر کہا: اے میرے بچے یہ کیا کیا؟ فرمایا: وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں' تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ عنہا (جو بعد میں صحابیہ ہوئیں) کے پاس لائے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا اس بچے سے کچھ نہ کہو جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے: یا امة الله علی التحقيق ابشری بالولد العتيق اسمه فی السماء الصديق لمحمد صاحب ورفیق یعنی اے اللہ کی سچی بندی! تجھے خوشخبری ہو اس بچے کی' اس کا نام آسمان میں صدیق ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یار ورفیق

ہے۔ رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد الزبیدی بسندہ فی معالی الفرش الی عوالی العرش' اور امام اجل سیدی ابوالحسن علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الصواب ان یقال ان لاصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یثبت عنہ حالۃ کفر باللہ تعالیٰ کما ثبت عن غیرہ ممن امن وھوالذی سمعناہ من اشیاخنا ومن یقتدی بہ وھو الصواب یعنی درست یوں کہنا ہے کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی حالت ثابت نہیں جیسا کہ دیگر ایمان والوں سے یہ حالت ثابت ہے' اور یہ وہ بات ہے جس کو ہم نے پیران عظام اور مقتدایان کرام سے سنا ہے' اور یہی درست ہے' اور سیّدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لم یزل ابوبکر بعین الرضامنہ امام قسطلانی ارشادالساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں: اختلف الناس فی مرادہ بھٰذا الکلام فقیل لم یزل مومنا قبل البعثۃ وبعدھا وھوا الصحیح المرتضیٰ یعنی امام ابوالحسن اشعری کے مذکورہ بالا کلام کی مراد میں لوگوں نے اختلاف کیا اور کہا گیا مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اعلان نبوت سے پہلے اور اس کے بعد مومن تھے اور یہی بات صحیح اور پسندیدہ ہے۔ الحمد للہ! حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا موحد ہونا اور شرک وکفر سے پاک رہنا ثابت ہوگیا۔

لیکن زید کو اپنی لاعلمی کی بنا پر یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تو اگر وہ پہلے ہی سے مسلمان تھے تو پھر اسلام قبول کرنے کا کیا مطلب؟ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پارہ الم رکوع ۱۶ ر میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت فرماتا ہے: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی جب اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: ایمان لاؤ! تو آپ نے کہا: میں رب العٰلمین پر ایمان لایا۔ جب خلیل کبریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو اسلام لانے کا حکم ہوا اور ان کا عرض کرنا کہ میں اسلام لایا ان کے ایمان قدیم کا منافی نہ ہوا کیونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف نبوت کے بعد یا پہلے کبھی بھی کسی وقت' ایک آن کے لئے بھی کفر کو ہرگز راہ نہیں تو پھر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ الفاظ کہ وہ فلاں دن مسلمان ہوئے ان کے اسلام سابق کے ہرگز ہرگز مخالف نہیں۔ پھر یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ابتداءً ہی مومن ہونا بمعنی موحد کافر ہے بعدہٗ قبولیت اسلام بقوانین محمدیہ کے محل میں ہے: ولاتعارض فیہ ھٰذا کلہ واضح مبین لمن لہ عقل وتفقہ فی الدین فالحمدللہ رب العالمین۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ومولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ دونوں حضرات قدیم الاسلام ہیں کہ ایک آن، ایک لحہ کو ہرگز ہرگز متصف بکفر نہ ہوئے مگر اسلام میثاقی واسلام فطری کے بعد اسلام توحیدی واسلام اخص دونوں میں صدیق اکبر کا مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بلند وبالا، ارفع واعلیٰ ہے' اور بعد الانبیاء تمام مسلمانوں سے افضل وخلیفہ اوّل ہونے کی وجہ یہی ہے کہ مردوں کے اندر اسلام اخص میں ان کا کوئی مقابل نہیں اور اسلام توحیدی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی وہ افضل

ہیں اس لئے کہ سیدنا صدیق اکبر کی عمر کا زیادہ حصہ زمانۂ ظلمت و جہالت میں گزرا۔ ابتداءً مدتوں حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے دوری رہی۔ اس پر بچپنے کی سمجھ میں ان کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کا جو کہ اس وقت مبتلائے شرک تھے اپنے دین باطل کی تعلیم دینے کے لئے بت خانہ میں لے جا کر سجدۂ بت کی تفہیم کرنا اس کے باوجود آنحضرت رضی اللہ عنہ کا توحید خالص پر قائم رہنا بہت اہم و اعظم ہے' اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنکھ کھولی تو حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا جمال جہاں آرا دیکھا۔ حضور ہی کی گود میں پرورش پائی' حضور ہی کی باتیں سنیں' حضور ہی کی عادتیں سیکھیں' شرک و بت پرستی کی صورت ہی اللہ تعالیٰ نے کبھی نہ دکھائی آٹھ یا دس سال کے ہوئے تو آفتاب رسالت اپنی عالمگیر تابشوں کے ساتھ چمک اٹھا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

اور اسلام اخص میں ان کی فضیلت یوں ہے کہ مردوں میں وہ سب سے پہلے اسلام لائے اور فوراً اپنا اسلام سب پر ظاہر کر دیا۔ ہدایتیں فرمائیں۔ کفار سے اذیتیں اٹھائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت یوں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ ابوطالب کے خوف سے ابتداء اپنے اسلام کو ظاہر نہ فرمایا امام حافظ الحدیث خیثمہ بن سلیمان و امام دارقطنی و محبّ الدین طبری وغیرہم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان ابابکر سبقنی الی اربع لم اوتھن سبقنی الی انشاء الاسلام وقدم الھجرۃ ومصاحبتہ فی الغار وقام الصلاۃ وانا یومئذ بالشعب یظھر اسلامہ واخفیہ الحدیث یعنی بے شک ابوبکر ان چار باتوں میں مجھ سے بڑھ گئے کہ جو مجھے نہ ملیں (۱) انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام کو ظاہر کیا اور (۲) مجھ سے پہلے ہجرت کی حضور علیہ السلام کے یار غار ہوئے (۳) اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دونوں گھروں میں تھا (۴) وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں: اوّل ذکر اسلم علی بن ابی طالب وھو صبی لم یبلغ الحلم وکان مستخفیا باسلامہ واول رجل عربی بالغ اسلم واظھر اسلامہ ابوبکر بن ابی قحافۃ یعنی پہلا وہ شخص جو بچپنے اور نابالغی کی حالت میں مسلمان ہوا' حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے' اور پہلا وہ شخص جو حالت بلوغ میں مسلمان ہوا' اور اپنے اسلام کو ظاہر کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

لہٰذا احادیث و آثار صحابہ کرام و اقوال ائمہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوا کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کبھی کافر نہ تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نیز دیگر تمام صحابہ سے ان کا ایمان قوی و اکمل اور ان کا مرتبہ بعد الانبیاء سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اسی لئے وہی خلیفہ اوّل بنائے جانے کے بھی مستحق ہوئے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴؍ جمادی الاخریٰ ۹ ۱۳۷ھ

مسئلہ: از خلیل الرحمٰن مظفر پوری متعلم مدرسہ مصباح العلوم مبارکپور' اعظم گڑھ

شیعوں کے جلسے میں کوئی سنی مولوی شریک ہوا اور تبرا سن کر خاموش چلا آئے۔ بعض سیاسی یا ذاتی اغراض کے تحت جو کسی شیعہ سے وابستہ رہے تردید نہیں کرتے بلکہ تردید کرنے والے کو یہ کہہ کر باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ شیعہ تو وہابی سے اچھا ہے وہابی تو خدائے وحدہٗ قدوس کی ذات پر کذب کا امکان عائد کرتا ہے اور شیعہ تو محض خلفائے ثلاثہ کو ہی برا کہتا ہے کیا عندالشرع ایسا شخص مجرم ہے بالتفصیل تحریر فرمائیں؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب جس طرح وہابیوں دیوبندیوں کے جلسے میں شریک ہو کر ان کے سواد (جتھے) کو بڑھانے والا سنی مولوی فاسق معلن ہے یونہی رافضیوں کے جلسے میں شریک ہو کر ان کی جتھا بڑھانے والا سنی مولوی رافضیوں کے جلسے میں شریک ہو کر تبرا سنے اور خاموش چلا آئے وہ فاسق ہونے کے ساتھ شیطان اخرس بھی ہے، اور جو سنی مولوی یہ بکے کہ رافضی تو وہابی سے اچھا ہے وہابی تو خدائے وحدہ قدوس کی ذات پر کذب کا امکان عائد کرتا ہے، اور رافضی تو محض خلفائے ثلاثہ ہی کو برا کہتا ہے، وہ گمراہ، بددین ہے بلکہ حسب ارشاد کتب فقہ اس پر کفر عائد ہوتا ہے جس طرح امکان کذب باری کا عقیدہ کفر ہے یونہی حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق وسیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو برا کہنا، ان پر تبرا کرنا بھی کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ رد الرفضہ ص ۹ میں تحریر فرماتے ہیں: تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للعلامۃ الشرنبلالی قلمی کتاب السیر میں ہے: الرافض اذا سب ابا بکر و عمر رضی اللہ عنہما اولعنہما یکون کافرا وان فضل علیھا علیا لایکفر وھو مبتدع یعنی رافضی اگر شیخین (حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم) رضی اللہ عنہما کو برا کہے یا ان پر تبرا بکے تو کافر ہو جائے گا، اور اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان دونوں حضرات سے افضل کہے تو کافر نہیں گمراہ و بدمذہب ہے (بشرطیکہ صرف تفضیل ہی کا عقیدہ رکھے اور ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا منکر نہ ہو) جب خلفائے ثلاثہ میں حضرات شیخین داخل ہیں اور حضرات شیخین کو برا کہنے والا کافر و مرتد ہے تو خلفائے ثلاثہ کو برا کہنے والا رافضی بھی حسب فتویٰ کافر ہوگا۔ پھر اس کو وہابی سے اچھا بتانے والا یا تو نرا جاہل ہے یا شدید گمراہ ہے۔ واقعی مرتدوں بدمذہبوں کی صحبت دین و ایمان کے حق میں زہر ہلاہل ہے جبھی تو رافضیوں کی صحبت سے متاثر ہو کر سنی مولوی نے کہا کہ رافضی تو محض خلفائے ثلاثہ ہی کو برا کہتا ہے گویا خلفائے ثلاثہ کو برا کہنا کوئی بڑی بات نہیں۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو عموماً اور آج کل کے نوعمر ناتجربہ کار سنی مولویوں کو خصوصاً شیطان کے مکر و کید سے بچائے اور مرتدوں، بدمذہبوں، وہابیوں، بیدینوں، رافضیوں کے جلسے جلوس میں شریک ہونے سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔

صحیح الجواب: غلام جیلانی الاعظمی

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

فتویٰ متعلق باغ فدک

مسئلہ: ازعبدالحق قادری غوثیہ منزل منڈی حویلی پونچھ (جموں کشمیر)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رافضی لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیا تھا جسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں غصب کرلیا اور حضور کا فرمان ہے کہ جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا تو اس حدیث شریف کی روشنی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کا کیا حال ہے؟

الجواب: بعون الملك العزيز الوهاب۔ بعض حصۂ زمین جو کفار نے مغلوب ہوکر بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے حوالے کردیا تھا ان میں سے ایک فدک بھی تھا جس کی آمدنی حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال ازواج مطہرات وغیرہ پر صرف فرماتے تھے اور تمام بنی ہاشم کو بھی اس کی آمدنی سے کچھ مرحمت فرماتے تھے۔ مہمان اور بادشاہوں کے سفراء کی مہمان نوازی بھی اس آمدنی سے ہوتی تھی۔ اس سے غریبوں اور یتیموں کی امداد بھی فرماتے تھے۔ جہاد کے لیے سامان تلوار، اونٹ اور گھوڑے وغیرہ اسی سے خریدے جاتے تھے اور اصحاب صفہ کی حاجتیں بھی اس سے پوری فرماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ فدک اور اس قسم کی دوسری زمینوں کی آمدنی مذکورہ بالا تمام مصارف کے مقابلہ میں بہت کم تھی اسی سبب سے بنی ہاشم کا جو وظیفہ حضور نے مقرر فرمادیا تھا وہ زیادہ نہیں تھا اور سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا جو حضور کو حد سے زیادہ پیاری تھیں مگر آپ کی بھی پوری کفالت نہیں فرماتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی زمینوں کی آمدنی مخصوص مدوں میں حضور صرف فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا مال اسی کی راہ میں خرچ فرماتے تھے آپ نے ان کو ذاتی ملکیت نہیں قرار دیا تھا۔

پھر جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی فدک کی آمدنی کو انہیں تمام مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور خرچ فرمایا کرتے تھے۔ فدک کی آمدنی خلفائے اربعہ کے زمانہ تک اسی طرح صرف ہوتی رہی۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت مولیٰ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سب نے فدک کی آمدنی کو انہیں مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور خرچ کیا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد باغ فدک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اختیار میں رہا۔ ان کے بعد حضرت علی بن حسین اور حسن بن حسن کے ہاتھ آیا۔ ان کے بعد حضرت زید بن حسن بن علی برادر حضرت حسن بن حسن کے تصرف میں آیا رضی اللہ عنہم۔ پھر مروان اور مروانیوں کے اختیار میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے باغ فدک حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد کے قبضہ وتصرف میں دے دیا۔ باغ فدک کی اس تاریخ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ معاملہ کچھ بھی نہ تھا مگر لوگوں نے بلاوجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر الزام لگا کر ان کو مطعون کیا۔

حضور نے باغ فدک حضرت فاطمہ کو نہیں دیا تھا

یہ کہنا صحیح نہیں کہ باغ فدک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔ یہ رافضیوں کا افتراء ہے جس کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں۔ یعنی اہل سنت کی معتبر کتابوں سے باغ فدک کا دینا ثابت نہیں بلکہ ساری کتابوں سے حضور کا حضرت سیّدہ کو باغ فدک کا نہ دینا ثابت ہے جیسا کہ مشہور و معروف کتاب ابوداؤد شریف کی حدیث ہے: عن المغيرة قال ان عمر بن عبدالعزيز جمع بني مروان حين استخلف فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت له فدك ينفق منها ويعودمنها علىٰ صغير بني هاشم و يزوج منها انهم وان فاطمة سالته ان يجعلها لها فابىٰ فكانت كذٰلك في حيوة رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى مضى لسبيله فلما ان ولى ابوبكر عمل فيها بما عمل رسول الله صلى الله عليه وسلم في حيوته حى مضى لسبيله فلما ان ولى عمر بن الخطاب عمل فيها بمثل ما عملا حتى مضى لسبيله ثم اقطعها مروان ثم صارف لعمر بن عبدالعزيز فرايت امراء منعه رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة ليس لى بحق واني اشهد كم اني رددتها علىٰ ماكانت يعني على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر و عمر۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کا جب زمانہ آیا تو انہوں نے بنی مروان کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جس کی آمدنی وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے تھے اور بنی ہاشم کے بچوں کو پہنچاتے تھے اور اس سے مجرد مرد و عورت کا نکاح بھی کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے سوال کیا کہ فدک ان ہی کے لئے مقرر کر دیں تو حضور نے انکار کر دیا تو ایسے ہی آپ کی زندگی بھر رہا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی پھر جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فدک میں ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی رحلت فرما گئے پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور اور ابوبکر نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرما گئے۔ پھر مروان نے (اپنے دور میں) فدک کو اپنی جاگیر میں لے لیا یہاں تک کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کی جاگیر بنا۔ پس میں نے دیکھا کہ جس چیز کو حضور نے اپنی بیٹی فاطمہ کو نہیں دیا اس پر میرا حق کیسے ہوسکتا ہے؟ لہٰذا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی دستور پر واپس کر دیا جس دستور پر کہ وہ پہلے تھا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ مبارک میں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۶)

اس حدیث شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سیّدہ کو باغ فدک کا نہ دینا واضح طور پر ثابت ہے بلکہ شرح ابن الحدید جو رافضیوں کی معتبر مذہبی کتاب نہج البلاغۃ کی شرح ہے اس میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: قال لها ابوبكر لما طلبت فدك بابي وامي انت الصادقة الامينة عندى ان كان رسول الله عهد اليك عهد اووعدك وعدا صدقتك وسلمت اليك فقالت لم يعهدى الى في ذٰلك۔ جب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے فدک طلب کیا تو حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ میرے نزدیک صادقہ امینہ ہیں، اگر حضور نے آپ کے لئے فدک کی وصیت کی ہو یا وعدہ کیا ہو تو اسے میں تسلیم کرتا ہوں اور فدک آپ کے حوالے کر دیتا ہوں تو سیّدہ نے فرمایا کہ فدک کے معاملہ میں حضور نے میرے لئے کوئی وصیت نہیں فرمائی ہے۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سیّدہ کو باغ فدک دینے کا جو افسانہ بنایا گیا ہے وہ صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت سیّدہ خود فرما رہی ہیں کہ حضور نے فدک کے لئے میرے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی ہے، اور نہ وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا جب حضور نے باغ فدک حضرت سیّدہ کو دیا نہیں اور دینے کا وعدہ بھی نہیں فرمایا اور نہ وصیت فرمائی تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غصب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا تو یہ مسئلہ رافضی وسنی دونوں کے یہاں متفقہ طور پر مسلم ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز پر تاوقتیکہ موہوب لہ یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے اس کا قبضہ وتصرف نہ ہو جائے وہ چیز موہوب لہ کی ملک نہیں ہو سکتی اور فدک بالاتفاق حضور کی ظاہری حیات میں کبھی حضرت سیّدہ کے قبضہ میں نہیں آیا بلکہ حضور ہی کے اختیار میں رہا اور آپ ہی اس میں مالکانہ تصرف فرماتے رہے۔

حضور نے کوئی وراثت نہیں چھوڑی

اگر یہ کہا جائے کہ حضور نے اپنی ظاہری حیات میں حضرت سیّدہ کو فدک نہیں دیا تھا تو ہم نے یہ تسلیم کر لیا لیکن جب وہ حضور کی صاحبزادی تھیں تو فدک حضرت سیّدہ کو وراثت میں ضرور ملنا چاہئے تھا کہ ہر شخص اپنے باپ کی جائیداد کا وارث ہوتا ہے اور حضرت سیّدہ حضور کی وارث نہ ہوں یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہا درجہ کے فیاض تھے جو کچھ آتا تھا سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ کچھ اپنے پاس باقی نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ حضور ایک بار نماز عصر پڑھ کر فوراً اٹھے اور نہایت تیزی کے ساتھ گھر تشریف لے گئے پھر علی الفور واپس آ گئے لوگوں کو تعجب ہوا تو فرمایا: مجھے خیال آیا کہ سونے کی ایک چیز گھر میں پڑی رہ گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑی رہ جائے اس لئے میں اسے خیرات کرنے کے لئے کہہ آیا ہوں۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ ص ۱۶۶)

اور حدیث شریف میں ہے آخری بیماری میں حضور کی ملکیت میں چھ سات اشرفیاں تھیں۔ حضور نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ اسے خیرات کریں مگر وہ مشغولیت کے سبب خیرات نہ کر سکیں تو حضور نے ان اشرفیوں کو منگا کر خیرات کر دیا اور فرمایا: ماظن نبی اللہ لولقی اللہ عزوجل وھذہ عندہ (رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۶۷) یعنی اللہ کا نبی خدا تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اشرفیاں اس کے قبضہ میں ہوں تو یہ مقام نبوت کے منافی ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد دوم ص ۴۸) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنی ذاتی ملکیت میں کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں تو ایسی صورت میں وراثت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس

لئے کہ وراثت اس چیز میں جاری ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہو اور سرکار اقدس نے ایسا کوئی مال چھوڑا ہی نہیں' اور ازواج مطہرات جو اپنے حجروں کی مالک ہوئیں تو وہ بطور میراث ان کو نہیں ملے تھے بلکہ حضور نے اپنی ظاہری حیات میں ایک ایک حجرہ بنوا کر ان کو ہبہ کر دیا تھا اور اسی زمانہ میں انہوں نے اپنے اپنے حجروں پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور ہبہ جب قبضہ کے ساتھ ہو تو ملکیت ثابت ہو جاتی ہے جیسے کہ حضور نے حضرت فاطمہ کے لئے بھی گھر بنوا کر ان کے قبضہ میں دے دیا تھا جو ان کی ملکیت تھا اور پھر فدک مال فئی سے تھا اسی لئے محدثین کرام فدک کی حدیث کو باب الفئی میں لائے ہیں اور فئی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اس کے مصارف کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود بیان فرمایا ہے: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ جو فئی دلایا اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں ور مسافروں کے لئے ہے۔ (پ۲۸ ع۴)

اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد چہارم ص۳۱۳ پر مُغرب سے ہے: حکمه ان یکون لکافة المسلمین فئی کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے' اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''حکم فئی آنست کہ مر عامہ مسلمانان را می باشد و در وے خمس و قسمت نیست و اختیار آں بدست آنحضرت ست۔'' فئی کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے اس میں خمس و تقسیم نہیں ہے' اور اس کی تولیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے (اشعۃ ج ۳' ص ۴۴۶) معلوم ہوا مال فئی وقف ہوتا ہے کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی کو قرآن کی تصریح کے مطابق اپنی ذات پر۔ ازواج مطہرات اور بنی ہاشم پر اور غریبوں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ فرما دیتے تھے جو اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ فدک کسی کی ملکیت نہیں تھا بلکہ وقف تھا اور مال وقف میں میراث جاری ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

انبیائے کرام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے

اگر فدک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت مان بھی لیا جائے پھر بھی اس میں وراثت نہیں جاری ہوگی بلکہ وہ صدقہ ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قال رسول الله علیه وسلم لانورث ماترکناه صدقة۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم (گروہ انبیاء) کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۰) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کے وصال فرما جانے کے بعد ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حضور کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: الیس قد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لانورث ماترکناه صدقة۔ کیا حضور نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔ (مسلم شریف جلد دوم ص۹۱) جب حضرت عائشہ نے ازواج مطہرات کو یہ حدیث شریف سنائی تو انہوں نے میراث طلب کرنے کا ارادہ ختم کر دیا' اور حضرت عمرو

بن الحارث رضی اللہ عنہ جو حضرت جویریہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے انہوں نے فرمایا: ماترك رسول الله صلی الله علیه وسلم عند موته دیناراً اولادرهماً ولاعبداً ولاامة ولاشیئا الا بغلته البیضاء وسلاحه وارضا جعلها صدقة۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت درہم و دینار اور غلام و باندی کچھ نہیں چھوڑ اگر ایک سفید خچر، اپنا ہتھیار اور کچھ زمین جس کو حضور نے صدقہ کر دیا تھا۔ (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۵۵)

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لایقتسم ورثتی دیناراً ماترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے وارث ایک دینار بھی تقسیم نہیں کریں گے میں جو کچھ چھوڑ جاؤں میری ازواج کے مصارف اور عاملوں کا خرچ نکالنے کے بعد جو بچے وہ صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۰) اور بخاری و مسلم میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجمع صحابہ جن میں حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب کو قسم دے کر فرمایا: کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے؟ تو سب نے اقرار کیا کہ ہاں حضور نے ایسا فرمایا ہے حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں: انشدکم بالله الذی باذنه تقوم السماء والارض هل تعلمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لانورث ماترکنا صدقة قالوا قد قال ذٰلك فاقبل عمر علیٰ علی و عباس فقال انشد کما بالله هل تعلمان ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد قال ذٰلك قالانعم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا: بے شک حضور نے ایسا فرمایا ہے پھر آپ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں آپ دونوں کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور نے ایسا فرمایا ہے؟ تو ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہاں حضور نے ایسا فرمایا ہے (بخاری ج ۲، ص ۵۷۵ مسلم ج ۲، ص ۹۰) ان احادیث کریمہ کے صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور حضور کا ترکہ خیبر اور فدک وغیرہ ان کے قبضہ میں ہوا اور پھر ان کے بعد حسنین کریمین وغیرہ کے اختیار میں رہا تو ان میں سے کسی نے ازواج مطہرات حضرت عباس اور ان کی اولاد کو باغ فدک وغیرہ سے حصہ نہ دیا' لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی' ورنہ یہ تمام بزرگوار جو رافضیوں کے نزدیک معصوم اور اہلسنّت کے نزدیک محفوظ ہیں حضرت عباس اور ازواج مطہرات کی حق تلفی جائز نہ رکھتے۔

ان تمام شواہد سے خوب واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام کے ترکہ میں وراثت نہیں جاری ہوتی اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ کو باغ فدک نہیں دیا' نہ کہ بغض و عداوت کے سبب' جیسا کہ رافضیوں کا الزام ہے اس لئے کہ اگر

حضرت سیّدہ سے ان کو دشمنی تھی تو ازواج مطہرات کو حضور کے ترکے سے حصہ پہنچتا تو ان سے اور ان کے باپ بھائی وغیرہ متعلقین سے کیا عداوت تھی کہ ان سب کو محروم المیراث کر دیا جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ ان کی صاحبزادی بھی ازواج مطہرات میں سے تھیں بلکہ حضرت عباس حضور کے چچا اور حضرت ابوبکر کے ابتدائے خلافت سے مشیر و رفیق تھے جن کو تقریباً نصف ترکہ ملتا تھا وہ کس دشمنی کے سبب وراثت سے محروم ہوئے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد رسول: لانورث ماتر کته صدقة کے سبب حضرت سیّدہ کو فدک نہ دیا کہ حدیث پر عمل کرنا ان پر لازم تھا۔ اس لئے کہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت سیّدہ کو خوش کرنے کے لئے انہیں حدیث کو پس پشت ڈال دینا چاہئے تھا اور ارشاد رسول پر انہیں عمل نہیں کرنا چاہئے تھا' اور جب حضرت ابوبکر صدیق نے حدیث رسول پر عمل کیا تو ان پر الزام کیا ہے جبکہ روایت کہ حضرت انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے رافضیوں کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت ہے جیسا کہ اصول کافی باب العلم والمعلم میں ہے: عن ابی عبداللّٰه علیه السلام قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان العلماء ورثة الانبیاء وا ن الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولادرهما ولکن اور ثوا العلم فمن اخذه منه اخذبحظ وافر۔ ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علمائے دین انبیائے کرام کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیائے کرام کسی شخص کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے تو جس شخص نے علم دین حاصل کیا اس سے بہت کچھ حاصل کیا۔ اور اسی کتاب اصول کافی کے باب صفۃ العلم میں ہے: عن ابی عبداللّٰه علیه السلام ان العلماء ورثة الانبیاء وذٰلك ان الانبیاء لم یورثوا درهما ولادیناراً وانما اور ثوا احادیث من احادیثهم فمن اخذه بشیء منها فقد اخذ حظا وافرا۔ حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ علمائے کرام انبیائے عظام کے وارث ہیں اور یہ اس لئے کہ حضرات انبیائے کرام نے کسی کو دراہم و دینار کا وارث نہیں بنایا' انہوں نے تو صرف اپنی باتوں کا وارث بنایا' تو جس شخص نے ان کی باتوں کو حاصل کر لیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ جو رافضیوں کے نزدیک معصوم ہیں اور اہلسنّت کے نزدیک محفوظ ہیں۔ ان کی روایتوں سے بھی ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی میراث صرف علم شریعت ہی ہے وہ درہم و دینار اور مال و اسباب کا کسی کو وارث نہیں بناتے اور جب یہ بات رافضیوں کی روایات سے بھی ثابت ہے تو پھر سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کرنے کے سبب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فدک کے غصب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ وغیرہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی انبیائے کرام کی وراثت کا ذکر ہے اس سے علم شریعت و نبوت مراد ہے نہ کہ درہم و دینار۔

اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث نہ جاری ہوتی تو حضرت ابوبکر حضرت علی کو حضور کی تلوار' زرہ اور دلدل وغیرہ کیوں دیتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کو حضور کی تلوار وغیرہ کا دینا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضور کے ترکہ میں میراث نہیں۔ اس لئے کہ حضرت علی حضور کے وارث نہ تھے۔ اگر حضور کے ترکہ کے وارث

ہوتے تو صرف حضرت فاطمہ زہراء، ازواج مطہرات اور حضرت عباس ہوتے نہ کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہم) مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مال وفات کے بعد عامۂ مسلمین کے لئے وقف کا حکم رکھتا ہے اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان چیزوں کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زیادہ لائق سمجھا تو ان کے لئے مخصوص کر دیا اور بعض چیزیں حضرت زبیر بن العوام اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو بھی دیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث نہیں۔

حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کو نہیں ستایا (رضی اللہ عنہما)

بیشک جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے حضور کو ستایا اور جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے حضور کو وایذا دی اس مضمون کی حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں: قال فاطمة بضعة مني فمن اغضبها اغضبني وفي رواية يريبني ما ارابها ويوذيني ما اذاها۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے تو جو شخص اس کو غضب میں لایا وہ مجھ کو غضب میں لایا' اور ایک روایت میں ہے کہ جو چیز مجھ کو اضطراب میں ڈالتی ہے جو چیز فاطمہ کو اضطراب میں ڈالتی ہے' اور جو چیز مجھ کو تکلیف دیتی ہے وہ چیز اس کو تکلیف دیتی ہے۔ (بخاری۔ مسلم مشکوٰۃ ص ۵۶۷)

یہ حدیث شریف حق ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا لیکن یہ سمجھنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدہ کو ستایا یہ غلط ہے۔ ستانے کا مفہوم کیا ہے؟ جب حضرت سیّدہ نے حضرت ابوبکر سے فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے وہ حدیث شریف سنائی کہ جس کی تصدیق بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ یہاں تک کہ حضرت علی بھی کرتے ہیں تو حضرت سیّدہ خاموش ہوگئیں کیا حدیث سنانا اور اس پر عمل کرنا سیّدہ فاطمہ کو ستانا ہے؟ کون مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث پر عمل کر کے مجھ کو ستایا گیا اور جب عام مسلمانوں کو حدیث رسول پر عمل کرنے سے تکلیف نہیں پہنچ سکتی تو حضرت فاطمہ زہراء جو حضور کی لخت جگر اور نور نظر ہیں ان کو حضور کی حدیث پر عمل کرنے سے کیوں کر تکلیف پہنچ سکتی ہے؟ اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ حضرت سیّدہ کو حدیث رسول پر عمل کرنے کے سبب تکلیف پہنچی جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو خود حضرت سیّدہ پر الزام آتا ہے کہ ان کو حدیث رسول سے تکلیف پہنچی اور یہ بات سیّدہ کی ذات سے ناممکن ہے۔ ہاں بخاری شریف کی بعض روایتوں میں حضرت سیّدہ اور حضرت ابوبکر کے سوال و جواب کو نقل کرنے کے بعد حدیث کے راوی نے اپنے خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے: فغضبت فاطمة وهجرت ابا بكر فلم تزل مها جرته حتى توفيت وعاشت بعد رسول الله ستة اشهر پس حضرت فاطمہ ناراض ہوگئیں اور انہوں نے حضرت ابوبکر کو چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی اور حضرت فاطمہ حضور کے بعد چھ ماہ باحیات رہیں۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہ الفاظ حضرت سیّدہ کی زبان سے نہیں نکلے ہیں بلکہ یہ حدیث کے راوی کا اپنا ذاتی خیال ہے جس کو انہوں نے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے یعنی حضرت ابوبکر کی شکایت کسی روایت میں حضرت سیّدہ کی زبان سے ثابت نہیں ہے' نہ کوئی حدیث کا راوی یہ کہتا ہے کہ ہم نے حضرت ابوبکر کی شکایت جناب سیّدہ سے سنی

ہے، اور چونکہ ناراضگی دل کا فعل ہے اس لئے جب تک اس کو زبان سے ظاہر نہ کیا جائے دوسرے شخص کو اس کی خبر نہیں ہوسکتی البتہ آثار و قرائن سے دوسرے لوگ قیاس کرتے ہیں مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو جانے کا بہت امکان ہے جیسے کہ ایک بار بہت سے صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت نشینی سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضور نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے مگر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ طلاق نہیں دی ہے۔ اسی طرح فدک کے معاملہ میں بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت سیّدہ کی خاموشی اور ترک کلام سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت سیّدہ ناراض ہیں حالانکہ یہ بات نہیں کہ ناراضگی ہی ترک کلام کا سبب ہو بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے والد گرامی کی حدیث سن کروہ مطمئن ہوگئیں اس لئے پھر کبھی انہوں نے حضرت ابوبکر سے فدک کے معاملہ میں گفتگو نہیں کی، اور حضرت سیّدہ کے ناراض نہ ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ وہ برابر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گھر کے سارے اخراجات لیتی تھیں اور ان کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس حضرت سیّدہ کی تیمارداری کرتی تھیں اگر واقعی حضرت سیّدہ ناراض ہوتیں تو ان کی اور ان کی بیوی کی خدمات وہ ہرگز ہرگز قبول نہ فرماتیں اور پھر حضور نے یہ فرمایا: من اغضبها اغضبني یعنی جو شخص اپنے قول یا فعل سے قصداً فاطمہ کو غضب میں لائے اس کے لئے وعید ہے۔ اس لئے کہ اغضاب کے معنی یہی ہیں اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غضب میں لانے اور ایذا پہنچانے کا قصد ہرگز نہیں کیا بلکہ وہ بارہا مقام عذر میں فرماتے رہے: یا ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ان قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم احب الى من ان اصل قرابتي۔ قسم ہے خدا کی! اے رسول اللہ کی صاحبزادی! مجھے اپنی قرابت سے حضور کی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی زیادہ محبوب ہے، اور اگر حضرت سیّدہ کا غضب میں ہونا بمقتضائے بشریت مان بھی لیا جائے تو یہ ان کا اپنا فعل ہے حضرت ابوبکر پر کوئی الزام نہیں اس لئے کہ اغضاب یعنی قصداً غضب میں لانے پر وعید ہے نہ کہ غضب پر۔ ہاں اگر اس لفظ کے ساتھ وعید ہوتی کہ من غضبت عليه غضبت عليه یعنی جس پر فاطمہ غصہ ہوں گی تو اس پر میں غصہ ہوں گا، تو اس صورت میں البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا مگر اس طرح کے الزام سے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نہیں بچ سکتے۔ اس لئے کہ حضرت سیّدہ بارہا ان پر غصہ ہوئی ہیں جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب جلاء العیون ص ۱۸۶ پر ہے: ایک بار حضرت سیّدہ زہراء مولیٰ علی سے ناراض ہوئیں تو حسن و حسین اور ام کلثوم کو لے کر اپنے میکہ چلی گئیں بلکہ بعض مرتبہ اس قدر غصہ ہوتی تھیں کہ حضرت علی کو سخت وسست بھی کہہ دیا کرتی تھیں جیسا کہ رافضی مذہب کی مشہور کتاب حق الیقین کے ص ۲۳۲ پر ہے: حضرت سیّدہ نے ایک بار حضرت علی سے ناراض ہو کر یہ جملہ کہہ دیا "مانند جنین دررحم پردہ نشین شدہ ومثل خائباں درخانہ گریختہ" حمل کے بچہ کی طرح ماں کے پیٹ میں چھپ گئے اور نامردوں کی طرح گھر میں بیٹھ گئے۔

خلاصہ یہ ہے رافضی اور سنی دونوں کی معتبر کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے حضرت سیّدہ کا حضرت علی پر ناراض ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ان کی ناراضگی حضرت علی سے وقتی اور عارضی ہوتی تھی پھر اس

کے بعد آپ راضی بھی ہو جاتی تھیں تو ہم کہتے ہیں اوّل تو حضرت ابوبکر پر حضرت سیّدہ کی زبان سے ناراض ہونا ہی ثابت نہیں اور اگر حدیث شریف کے راوی کے خیال کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ ناراضگی بھی عارضی اور وقتی تھی جیسا کہ رافضی اور سنی دونوں کی روایتوں سے ثابت ہے کہ مطالبہ فدک کے بعد حضرت سیّدہ نے حضرت ابوبکر سے بولنا چھوڑ دیا' تو آپ نے حضرت علی کو اپنا سفارشی بنایا۔ یہاں تک کہ حضرت زہراء آپ سے راضی ہو گئیں جیسا کہ سنیوں کی کتاب مدارج النبوۃ، کتاب الوفاء بیہقی اور شروح مشکوٰۃ میں یہ روایت موجود ہے' بلکہ محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطالبہ فدک کے بعد حضرت سیّدہ کے گھر گئے اور دھوپ میں ان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہو گئیں۔ (اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۴۵۴) اور رافضیوں کی کتاب محجاج السالکین میں ہے:

ان ابا بکر لما رأی ان فاطمة انقبضت عنه وهجرته ولم تتکلم بعد ذٰلك فی امر فدك وکبر ذٰلك عند فاراد استرضاء ها فاتا ها فقال لها صدقت یا ابنة رسول الله فیما ادعیت ولکنی رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقسمها فیعطی الفقراء والمساکین و ابن السبیل جعل ان یوتی منها قوتکم والصانعین بها فقال افعل فیها کما کان ابی رسول الله صلی الله علیه وسلم یفعل فیها فقال ذٰلك الله علی ان افعل فیها ماکان یفعل ابوك فقالت والله لتفعلن فقال والله لافعلن فقالت الله اشهد فرضیت بذٰلك واخذت العهد علیه وکان ابوبکر یعطیهم منها قوتهم ویقسم الباقی فیعطی الفقراء اوالمساکین وابن السبیل۔ بیشک جب حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ فاطمہ مجھ سے تنگ دل ہو گئیں اور چھوڑ دیا اور فدک کے بارے میں بات کرنا ترک کر دیا تو یہ ان پر بہت گراں ہوا انہوں نے حضرت سیّدہ کو راضی کرنا چاہا تو ان کے پاس گئے اور کہا: اے رسول اللہ کی صاحبزادی! آپ نے جو کچھ دعویٰ کیا تھا سچا تھا لیکن میں نے حضور کو دیکھا کہ وہ فدک کی آمدنی کو فقیروں' مسکینوں اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے اسی میں سے آپ کو اور فدک میں کام کرنے والوں کو دیتے تھے تو حضرت سیّدہ نے کہا کہ کرو جیسا کہ میرے والد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے تو حضرت ابوبکر نے کہا: قسم ہے خدا کی! میں آپ کے اوسطے وہ کام کروں گا جو آپ کے والد گرامی کرتے تھے تو حضرت سیّدہ نے کہا: قسم ہے خدا کی! آپ ضرور ایسا ہی کریں گے پھر حضرت ابوبکر نے کہا: خدا کی قسم! میں ضرور کروں گا تو حضرت سیّدہ نے کہا: اے خدا! تو گواہ رہنا پھر حضرت سیّدہ راضی ہو گئیں اور حضرت ابوبکر سے عہد لیا اور وہ فدک کی آمدنی سے پہلے حضرت سیّدہ وغیرہا کو دیتے تھے پھر باقی فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے۔

حضرت سیّدہ حضرت ابوبکر سے ناراض نہیں تھیں رضی اللہ عنہما

رافضی لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کردی تھی کہ حضرت ابوبکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدہ کورات ہی میں دفن کردیا جس سے معلوم ہوا کہ سیّدہ ان سے راضی نہیں ہوئی تھیں اوران لوگوں کے مابین صلح صفائی نہیں ہوئی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہلسنّت کی معتبر کتابوں سے ہرگز ثابت نہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء نے یہ وصیت کی تھی کہ حضرت ابوبکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ یہ رافضیوں کا افتراء و بہتان ہے اس لئے کہ وہ ایسی وصیت کیسے کرسکتی تھیں جبکہ نماز جنازہ پڑھانے کا حق بحیثیت امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ہی کو تھا اسی لئے امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے حاکم مروان بن حکم کواور ایک روایت میں سعید بن عاص کوحضرت امام حسن کا جنازہ پڑھانے سے نہیں روکا اور فرمایا کہ اگر شریعت کا حکم ایسا نہ ہوتا تو میں جنازہ کی نماز تمہیں نہ پڑھانے دیتا۔ (اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۴۵۴) اور جب نماز جنازہ پڑھانے کا حق خلیفۃ المسلمین ہی کو تھا تو حضرت سیّدہ کسی کی حق تلفی کی وصیت ہرگز نہیں کرسکتیں۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کی وصیت کی نسبت حضرت سیّدہ کی جانب غلط ہے البتہ انہوں نے مرض الموت میں یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد مجھے بے پردہ مردوں کے سامنے نہ نکالیں اس لئے کہ اس زمانہ میں یہ رسم تھی کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی بے پردہ نکالتے تھے تو حضرت ابوبکر کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس نے حضرت سیّدہ کے جنازے کے لئے لکڑیوں کا ایک گہوارہ بنایا جس کودیکھ کروہ بہت خوش ہوئیں لہٰذا ان کی وصیت انتہائی شرم وحیا کے سبب سے تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے خاص نہ تھی بلکہ عام تھی اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدہ کورات ہی میں دفن کردیا' اور حضرت سیّدہ کے جنازہ میں حضرت ابوبکر صدیق کا شریک نہ ہونا بخاری یا صحاح کی کسی روایت سے ثابت نہیں بلکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق ہی نے پڑھائی جیسا کہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام نخعی سے دوروایتیں مروی ہیں:

عن الشعبی قال صلی علیہا ابوبکر رضی اللہ عنہ و عن ابراھیم قال صلی ابوبکر ن الصدیق علی فاطمۃ بنت رسول اللہ وکبر علیہا اربعاً۔ حضرت امام شعبی اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر نے پڑھائی اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں' اور اگر جنازہ میں شریک نہ ہونا مان بھی لیا جائے تواس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کو بلانے کے لئے کسی کو نہ بھیجا ہوتو حضرت ابوبکر نے سمجھا ہو کہ اس میں کوئی مصلحت ہے اس لئے شریک نہ ہوئے ہوں' اور حضرت علی نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ خود آئیں گے اور رات کا وقت تھا اس لئے ان کی شرکت کے بغیر تجہیز وتکفین کردی۔ کذاذکرہ السمهودی فی تاریخ المدینۃ (اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۴۵۴) اور اگر رافضی کسی بات کو نہ مانیں اور جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ حضرت سیّدہ کی وصیت ہی کو ٹھہرائیں تو پھر ان کے پاس

اس کا کیا جواب ہوگا کہ سیّدہ کی نماز جنازہ صرف سات آدمیوں نے پڑھی جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب جلاء العیون میں کلینی سے روایت ہے کہ "از امیر المومنین صلوات اللہ علیہ روایت کردہ است کہ ہفت کس بر جنازہ فاطمہ نماز کردند ابوذر و عمار و حذیفہ و عبداللہ بن مسعود و مقداد و من امام ایشاں بودم۔" امیر المومنین حضرت علی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صرف سات آدمیوں نے فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی، ابوذر، سلمان، عمار، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود، مقداد اور میں ان کا امام تھا۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ صرف سات آدمیوں نے حضرت سیّدہ کی نماز جنازہ پڑھی اور مندرجہ ذیل حضرات ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عقیل بن طالب، حضرت جعفر بن طالب، حضرت قیس بن سعد، حضرت ایوب انصاری، حضرت ابوسعید خدری، حضرت سہل بن حنیف، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت براء بن عاذب اور حضرت ابوارفع رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ تیرہ حضرات جن کو رافضی بھی مانتے ہیں اور یہ لوگ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے ان کے بارے میں وہ کیا کہیں گے؟ کیا حضرت سیّدہ ان سے بھی ناراض تھیں؟ کیا انہوں نے یہ بھی وصیت کردی تھی کہ میرے جنازہ میں امام حسن و امام حسین بھی شریک نہ ہوں جو ان کے لاڈلے اور چہیتے بیٹے تھے؟ لہٰذا ماننے پڑے گا کہ جنازہ میں شریک ہونے نہ ہونے کو رضامندی یا ناراضگی کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے ورنہ حضرات حسنین کے بارے میں بھی کہنا پڑے گا کہ ان حضرات سے بھی حضرت سیّدہ ناراض تھیں اور جنازہ میں شریک نہ ہونے کے لئے وصیت کرگئی تھیں تو ثابت ہوا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت سیّدہ کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی تو اس کو آپ کا حضرت سیّدہ کی ناراضگی کی دلیل ٹھہرانا غلط ہے۔

حضرت ابوبکر نے حضرت سیّدہ کو اپنی پوری جائیداد پیش کی (رضی اللہ عنہما)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت التجا کے ساتھ اپنی پوری جائیداد حضرت سیّدہ کو پیش کی جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب حق الیقین میں ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حدیث رسول لانورث ماترکنا صدقة کو سنانے کے بعد بہت معذرت کی اور کہا کہ "اموال واحوال خود را از تو مضائقہ نمی کنم آں چہ خواہی بگیر تو سیّدۂ امت پدر خودی و شجرۂ طیبہ از برائے فرزنداں خود انکار فضل تو کسے نمی تواند کرد و تو حکم تو نافذ ست در اموال من امادر اموال مسلمانان مخالفت گفتۂ پدر تو نمی توانم کرد۔" میرے جملہ اموال و احوال میں آپ کو اختیار ہے آپ جو چاہیں بلا روک ٹوک لے سکتی ہیں، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی سردار ہیں اور آپ کے فرزندوں کے لئے شجرۂ مبارکہ میں آپ کی فضیلت کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اور آپ کا حکم میرے تمام مالوں میں نافذ ہے لیکن مسلمانوں کے مالوں میں آپ کے والد ماجد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت میں نہیں کرسکتا۔ (حق الیقین ملا مجلسی ص ۲۳۱) رافضیوں کی اس مذہبی کتاب سے خوب واضح ہوگیا کہ حضرت سیّدہ حضرت ابوبکر کے نزدیک بہت محترم تھیں وہ حضرت سیّدہ کی بہت عزت

کرتے تھے۔ ہرگز ہرگز ان کے دل میں حضرت سیّدہ کی طرف سے کوئی بغض وعناد نہ تھا صرف حدیث رسول کے سبب فدک ان کے حوالہ نہ کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دامن ہر طرح کے الزام سے پاک ہے اور ان پر باغ فدک کے غصب اور حضرت سیّدہ کی دشمنی کا الزام لگانا سراسر غلط ہے۔ اس مفصل جواب کا مقصد بحث ومناظرہ نہیں ہے بلکہ اپنے مسلک کی وضاحت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی واجب الاحترام ہستی پر جو طعن کیا جاتا ہے اس سے مدافعت مقصود ہے۔ خدا تعالیٰ سب کو ہٹ دھرمی سے بچائے اور حق بات قبول کرنے کی سب کو توفیق بخشے۔ امین برحمتك یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیّدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۴؍ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

فتویٰ متعلق حدیث قرطاس

مسئلہ: از محمد قمر الدین قادری چشتی ڈاکخانہ منڈی ضلع پونچھ (جموں کشمیر)

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اسلامیہ اس مسئلہ میں کہ رافضی لوگ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے درد کی شدت میں صحابہ سے فرمایا کہ قلم دوات لاؤ تا کہ میں تم لوگوں کے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس سے تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہو تو حضرت عمر نے کہا کہ اس وقت حضور کو درد کی شدت ہے وہ ہذیان بول رہے ہیں لکھنے کا سامان لانے کی ضرورت نہیں تمہارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے اس بات پر جب صحابہ نے قلم دوات لانے میں اختلاف کیا اور لوگوں کی گفتگو سے شور وغل ہوا تو حضور نے سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا اس واقعہ سے چار اعتراض پیدا ہوتے ہیں:

(۱) اوّل یہ کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد کر دیا حالانکہ حضور کا قول وحی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: وما ینطق عن الھوی ان ھو الاوحی یوحی اور وحی کا رد کرنا کفر ہے؟

(۲) دوسرے یہ کہ حضور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت کی یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا اس میں حضور کی توہین ہوئی اس لئے کہ نبی کو کبھی جنون نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی وہ بہکی بہکی باتیں کر سکتا ہے؟

(۳) تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں نے شور وغل کیا اور چلائے جبکہ قرآن حکیم میں ہے کہ جو پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرے گا اس کی سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی؟

(۴) چوتھے یہ کہ لکھنے کا سامان نہ دینے سے مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی۔ اگر حضور تحریر لکھ دیتے تو مسلمان گمراہی سے محفوظ ہو جاتے۔

ان اعتراضوں کے مدلل اور مفصل جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: بسم الله الرحمٰن الرحیم ٥ نحمده ونصلی علی رسوله الکریم جوابات لکھنے سے پہلے اس واقعہ سے متعلق دو روایتیں درج کرتے ہیں تاکہ اصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد جوابات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

پہلی روایت: عن سعید بن جبیر قال قال ابن عباس یوم الخمیس اشتد برسول الله صلی الله علیه وسلم وجعه فقال ایتونی بکتف اکتب لکم کتا بالا تضلوا بعده ابداً فتنازعوا ولاینبغی عند نبی تنازع فقالوا ماشانه اهجر استفهموه فذهبوا یردون علیه فقال دعونی ذرونی فالذی انا فیه خیر مماتدعوننی فامرهم بثلث فقال اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب والجیزوا الوفد بنحو ماکنت اجیزهم وسکت عن الثالثة۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جمعرات کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درد زیادہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس شانہ کی ہڈی لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تم لوگ کبھی نہ بہکو تو لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا اور نبی کے پاس اختلاف مناسب نہیں‘ تو کئی لوگوں نے کہا کہ حضور کا کیا حال ہے کیا جدائی کا وقت قریب آ گیا ہے آپ سے دریافت کر لو۔ بعض صحابہ نے لکھنے کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا شروع کیا تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اس لئے کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم لوگ مجھے بلا رہے ہو‘ اور آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی: اوّل: مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو، دوم ایلچیوں کو انعام دو جیسا کہ میں دیتا تھا‘ یہ کہہ کر تیسری وصیت سے خاموش ہو گئے۔ یا راوی نے کہا کہ میں اس کو بھول گیا۔ (بخاری، مسلم)

دوسری روایت: عن ابن عباس قال لما حضر رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی البیت رجال فیهم عمر بن الخطاب قال النبی صلی الله علیه وسلم هلموا اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده فقال عمر قد غلب علیه الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب الله فاختلف اهل البیت واختصموا فمنهم من یقول قربوا یکتب لکم رسول الله صلی الله علیه وسلم ومنهم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغط والاختلاف قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قوموا عنی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب حضور کے وصال کا وقت قریب آیا تو حجرۂ مبارک میں بہت سے لوگ موجود تھے جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ میں تم لوگوں کے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تم نہ بہکو تو حضرت عمر نے کہا کہ اس وقت حضور کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے تمہارے پاس قرآن ہے وہی اللہ کی کتاب تمہارے لئے کافی ہے تو حجرہ میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے اختلاف کیا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ حضور کے پاس لکھنے کا سامان رکھ دو تاکہ آپ تمہارے لئے تحریر لکھ دیں‘ اور بعض لوگ وہی کہتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ جب لوگوں نے باتیں بڑھا دیں اور اختلاف زیادہ پیدا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ (بخاری و مسلم)

اجمالی جواب: حدیث شریف سے اصل واقعہ کی تفصیل کے بعد اجمالی جواب یہ ہے کہ یہ کام صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں بلکہ دوسرے صحابہ بھی اس میں شریک ہیں۔ اس لئے کہ جتنے صحابہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک میں موجود تھے اور اس معاملہ میں وہ لوگ دو گروہ ہو گئے تھے اور حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی اس وقت موجود تھے تو اگر یہ دونوں حضرات لکھنے کا سامان نہ لانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کرتے تو یہ سارے الزامات ان دونوں حضرات پر بھی عائد ہوتے ہیں' اور اگر یہ لوگ لکھنے کا سامان لانے کی تائید میں تھے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے تو اس صورت میں حضور کی بارگاہ میں آواز بلند کرنے اور روکنے والوں کے سبب رک جانے یعنی لکھنے کا سامان حاضر نہ کرنے کا الزام ان دونوں حضرات پر بھی عائد ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے لکھنے کا سامان کیوں نہ پیش کر دیا' اور پھر یہ واقعہ جمعرات کا ہے' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ مبارکہ (پیر) کو ہوا تو فرصت کا موقع بہت تھا۔ حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ عنہما نے اس درمیان میں حضور سے کیوں نہ لکھوالیا' اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ان لفظوں کے ساتھ تھا۔ ابتونی بقرطاس یعنی تم لوگ میرے پاس کاغذ لاؤ' تو یہ حکم سب حاضرین سے تھا نہ کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے' لہٰذا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم فرض یا واجب مانا جائے تو حاضرین میں سے ہر ایک کو گنہ گار تسلیم کرنا پڑے گا' اور اگر فرض و واجب نہ مانا جائے تو ان میں سے کسی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا اور یہی حق ہے۔ رافضیوں کے سارے اعتراضات باطل و غلط ہیں۔ اب ہر ایک کے تفصیلی جوابات نمبروار درج ذیل ہیں:

حضور کے قول کو حضرت عمر نے نہیں رد کیا

(صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۱) یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد کر دیا اس لئے کہ انہوں نے درد کی شدت میں حضور کے آرام و راحت کا خیال کیا کہ حضور محنت و مشقت میں نہ پڑیں اور اسے رد نہیں کہتے۔ ہر شخص اپنے عزیز بیمار کو محنت و مشقت میں پڑنے سے بچاتا ہے خاص کر بزرگ اگر کسی وقت شدت مرض میں مبتلا ہوتا ہے' اور حاضرین کے فائدہ کے لئے خود ہی کچھ اٹھانا چاہتا ہے تو کوئی بھی اسے گوارا نہیں کرتا یہی سب لوگوں میں معمول ہے۔ لہٰذا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے فائدے کے لئے مشقت میں پڑنا چاہتے ہیں تو خود لکھیں یا لکھوائیں بہر حال مضمون بتانا یا خود لکھنا شدت مرض میں تکلیف کا سبب ہوگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے از راہ محبت گوارہ نہ کیا اور بہ لحاظ ادب حضور کو خطاب نہ کیا بلکہ اور لوگوں کو کتاب اللہ کے اشارہ سے ثابت کیا کہ حضور کو مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تا کہ حضور کے کان مبارک تک یہ آواز پہنچے اور آپ جان لیں کہ شدت مرض میں ایسی مشقت اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں۔
اور اس معاملہ میں عقلمندوں کے نزدیک حقیقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باریک بینی ہے جو لائق صد تعریف ہے کہ

تقریباً تین ماہ پہلے یہ آیت کریمہ نازل ہو چکی تھی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر تمام کر دیا۔ (پ۶ ع۵)

تو اس آیت کریمہ نے نسخ و تبدیل اور دین کے احکام میں کمی بیشی کے دروازے کو بالکل بند کر کے اس پر مہر لگا دی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ حسبکم کتاب اللہ یعنی اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں کوئی ایسی نئی بات لکھوانے والے ہیں جو پہلے سے کتاب و شریعت میں نہیں آئی ہے تو آیت کریمہ: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا جھٹلانا لازم آتا ہے اور یہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محال ہے لہٰذا حضور کا مقصد یہ ہے کہ ان احکام کی تاکید فرمائیں جو پہلے مقرر فرما چکے ہیں تو شدت مرض میں حضور کو مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں بہتر ہے کہ وہ آرام فرمائیں ہم کو خدا تعالیٰ کی کتاب اور اس کی تاکید کافی ہے اور اس بات پر حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ گواہ ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد غلب علیہ الوجع وعندکم القران حسبکم کتاب اللہ۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے وہی اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے حضور کی بات رد کر دی انتہائی نادانی و جہالت اور بغض و عداوت ہے کہ اس قسم کی مصلحت آمیز باتیں اور مشورے حضور و صحابہ کے درمیان اکثر ہوا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خصوص میں سب سے زیادہ ممتاز تھے کہ منافقوں پر نماز پڑھنے، ازواج مطہرات کو پردہ نشین کرنے، جنگ بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے، مقام ابراہیم کو مصلے ٹھہرانے اور بشر منافق کے قتل وغیرہ جیسے معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عرض و مشورے کے مطابق وحی نازل ہوئی اور اکثر واقعات میں ان کی بات اللہ و رسول کی بارگاہ میں مقبول ہوئی اور اگر اس قسم کی مصلحت آمیز باتوں کے پیش کرنے کو حضور کی بات کا رد کرنا یا وحی کا ٹھکرانا قرار دیا جائے جیسا کہ رافضی لوگ کرتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی کئی معاملات میں حضور کی بات کے رد کرنے اور وحی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہو جائے گا۔ اوّل یہ کہ بخاری شریف میں متعدد طریقوں سے مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی و حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہما کے مکان پر رات کے وقت تشریف لے گئے ان کو خواب گاہ سے اٹھایا اور نماز تہجد ادا کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: قوما فصلیا۔ یعنی تم دونوں اٹھ کر نماز پڑھو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ لانصلی الا ما کتب اللہ لنا یعنی خدا کی قسم! ہم فرض نماز سے زیادہ نہیں پڑھیں گے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر سے واپس ہو گئے اور فرمایا: وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا" اور آدمی ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ (پ۱۵ ع۲۰)

کیا اس واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وحی ٹھکرانے والا کہا جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ان کی ملامت نہ فرمائی۔ دوسرے یہ کہ صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو صلح نامہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم اور کافروں کے درمیان لکھا جا رہا تھا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور کے نام کے ساتھ لفظ ''رسول اللہ'' لکھا تو مشرکین مکہ نے اس لفظ کے لکھنے پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم اگر آپ کو رسول اللہ مانتے تو پھر آپ سے لڑتے کیوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: امح رسول اللہ یعنی رسول اللہ کا لفظ مٹادو، تو حضرت علی نے کہا: قسم خدا کی! ہم ہرگز نہیں مٹائیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ ان کے ہاتھ سے لے کر خود مٹایا۔ کیا اس واقعہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور کی بات رد کرنے والا اور وحی کو ٹھکرانے والا قرار دیا جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ حد درجہ ان کو حضور سے محبت کرنے والا قرار دیا جائے گا تو پھر از راہ محبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درد کی شدت میں حضور کا مشقت میں پڑنا گوارا نہ فرمایا تو ان کو وحی کا ٹھکرانے والا کیوں قرار دیا جائے گا۔ اگر رافضی ایسی باتوں کو بھی پیغمبر کے قول کا رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا کہیں گے تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے اس لئے کہ رافضیوں کی معتبر کتابوں میں بھی اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل نہیں کیا جیسا کہ شریف مرتضیٰ نے جس کا لقب امامیہ کے نزدیک علم الہدیٰ ہے اپنی کتاب ''درر غرر'' میں محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور انہوں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ماں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی تہمت کے بارے میں لوگوں نے بہت باتیں کیں اس لئے ان کا چچازاد بھائی ان سے کبھی کبھی ملنے کے لئے آیا کرتا تھا تو حضور نے حضرت علی سے فرمایا: خذ هٰذا السيف وانطلق فان وجدته عندها فاقتله یعنی اس تلوار کو لے کر جاؤ اور ماریہ کے پاس اگر اس مرد کو پاؤ تو قتل کردو۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں حضور کے حکم کے مطابق اس مرد کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے جان لیا کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں تو اس نے میرے پاس آکر کھجور کے درخت پر چڑھتے ہوئے اپنے آپ کو پیٹھ کے بل گرادیا اور دونوں پاؤں کو اٹھادیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مجبوب ہے یعنی مقطوع الذکر والخصیتین ہے اس کے پاس مردوں کے جیسا کچھ نہیں ہے تو میں نے اپنی تلوار میان میں کرلی اور واپس آکر حضور سے اس کا سارا حال بیان کیا تو حضور نے فرمایا: الحمد لله الذی یصرف عنا الرجس اهل البیت۔ خدا پاک کا شکر ہے کہ وہ ہمارے جملہ اہل بیت کو گندگی سے بچاتا ہے۔

اور محمد بن بابویہ نے امالی میں اور دیلمی نے ''ارشاد القلوب'' میں روایت کی ہے: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اعطنی فاطمة سبعة دراهم وقال اعطیها علیا ومربه ان یشتری لاهل بیته طعاما فقد غلبهم الجوع فاعطتها علیا وقالت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم امرك ان تبتاع لنا طعاما فاخذها علی وخرج من بیته لیبتاع طعاما لاهل بیته فسمع رجلا یقول من یقرض الملی الوفی فاعطاه الدراهم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو سات درہم عطا فرمائے اور حکم دیا کہ یہ درہم علی کو دے کر کہو کہ وہ اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خرید لائیں کہ ان پر بھوک غالب ہو رہی ہے تو حضرت فاطمہ نے وہ درم حضرت علی کو دیئے اور کہا:

بے شک حضور نے حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے واسطے کھانا خرید لائیں تو حضرت علی وہ درم لے کر اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خریدنے کے لئے گھر سے نکلے تو راستے میں سنا ایک شخص کہتا ہے کہ کون ایسا آدمی ہے جو سچے وعدہ پر ہم کو قرض دے تو حضرت علی نے وہ درم اس کو دے دیئے۔ اس واقعہ میں حضور کے حکم کی مخالفت بھی ہے' اور غیر کے مال میں بلا اجازت تصرف بھی اور اپنے اہل وعیال کے حق کا تلف کرنا بھی اور حضور کی اولاد کو بھوکا رکھ کر ان کو تکلیف پہنچانا بھی مگر یہ سب انہوں نے اللہ واسطے کیا اور ایثار کیا جو قابل تعریف وتحسین ہے۔ حضور کا حکم رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا نہیں ہے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ ہمارے اس فعل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ زہراء اور حسنین سبھی راضی ہوں گے۔ رضی اللہ عنہم۔ ان تمام واقعات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وحی الٰہی نہیں ہے۔ ورنہ لفظ رسول اللہ کے مٹانے' قبطی مرد کے قتل کرنے، کھانا خریدنے اور تہجد کی نماز پڑھنے کا حکم سب وحی الٰہی ہوتا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وحی الٰہی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہوتا اور جنگ تبوک کے موقع پر جبکہ حضور نے حضرت علی کو اہل وعیال میں رہنے کا حکم دیا تو ان کا یہ کہنا ہرگز نہ ہوتا۔ اتخلفني في النسآء والصبيان۔ یعنی کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ جاتے ہیں؟

بلکہ ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ رافضی سنی دونوں کے نزدیک حکم الٰہی کے خلاف مصلحت کو پیش کرنا اور مشقت کو ٹالنے کے لئے بار بار اصرار کرنا بھی وحی الٰہی کو ٹھکرانا نہیں۔ جیسا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے نو بار خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹ لوٹ کر گئے اور عرض کیا: یا الٰہ العٰلمین میری امت اتنی نمازوں کا بوجھ نہ اٹھا سکے گی۔ اگر معاذ اللہ! رب العٰلمین کی یہ وحی کا رد کرنا اور ٹھکرانا ہوتا تو سیّد الانبیاء سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا صدور ہرگز نہ ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسا مشورہ نہ دیتے' اور قرآن مجید سورۂ شعراء میں ہے: وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ (پ۱۹ع۶) اور یاد کرو! جب تمہارے رب نے موسیٰ کو ندا فرمائی کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ جو فرعون کی قوم ہے کیا وہ نہیں ڈریں گے عرض کیا: اے میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے' اور میری زبان نہیں چلتی۔ لہٰذا تو ہارون کو بھی رسول کر اور اس قوم کا مجھ پر ایک الزام ہے تو میں ڈرتا ہوں کہیں مجھ کو قتل کر دیں' فرمایا: یوں نہیں تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ بیشک ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔

ان آیات مبارکہ سے بھی واضح ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں مصلحت کو پیش کرنا وحی الٰہی کا رد نہیں ہے۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں ہرگز اس کے مرتکب نہ ہوتے' اور پھر رافضی سنی دونوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ اللہ ورسول کا ہر حکم وجوب کا مقتضی نہیں ہوتا بلکہ مستحب ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے جیسا کہ سنیوں کی کتاب ''نور الانوار'' اور رافضیوں کی کتاب ''درر غرر'' میں مذکور ہے۔ لہٰذا جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعض حکم کو مستحب سمجھ کر

اس پر عمل نہ کیا اور موردِ الزام نہ ہوئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضور کے حکم کو مستحب ٹھہرا کر درد کی شدت میں آپ کو مشقت میں ڈالنا ضروری نہ سمجھا تو وہ بھی موردِ الزام نہ ہوئے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

حضور کی طرف حضرت عمر نے ہذیان کی نسبت نہیں کی

(صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہ)

(۲) اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت کی ہے اس لئے کہ حدیث شریف کا یہ جملہ: اھجر استفھموہ (کیا حضور نے پریشان بات کہی ان سے پوچھو) حضرت عمر ہی نے کہا یقین کے ساتھ ہرگز ثابت نہیں کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی اکثر روایتوں میں یوں ہے: قالوا ماشانہ اھجر استفھموہ لوگوں نے کہا: حضور کا کیا حال ہے کیا انہوں نے پریشان بات کہی ان سے پھر پوچھو۔

مطلب یہ ہے کہ ہجر کے معنی پریشان و ہذیان اور بیہودہ بکنے کے بھی ہیں یہ تو تسلیم ہے مگر ہوسکتا ہے کہ کلام میں استفہام انکاری ہو جیسے پارۂ اوّل رکوع دوم میں ہے کہ منافقوں نے کہا: اَنُؤْمِنُ کَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ یعنی کیا ہم ایمان لائیں جیسے کہ بیوقوف لوگ ایمان لائے۔ یعنی ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اسی طرح جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کی تائید میں تھے ہوسکتا ہے انہی لوگوں نے کہا ہو اھجر استفھموہ۔ کیا حضور نے ہجر کیا؟ یعنی ہذیان نہیں کیا ہے۔ لکھنے کا سامان لانا چاہئے ان سے پھر پوچھو' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کے مخالف تھے انہیں لوگوں نے استفہام انکاری کے طور پر کہا ہو: اھجر استفھموہ یعنی حضور کو ہذیان تو ہوا نہیں اس لئے کہ نبی اس سے محفوظ ہوتے ہیں تو آپ کا کلام ہماری سمجھ میں نہیں آتا کون سی ایسی ضروری چیز ہے جسے حضور شدت درد میں لکھنا چاہتے ہیں پھر سے پوچھو؟

اور نہ سمجھنے کی وجہ بالکل ظاہر تھی اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ احکام کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب فرماتے تھے اور اس موقع پر یہ نہیں فرمایا کہ ان اللہ امرنی ان اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی۔ بے شک اللہ نے مجھ کو فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے ایک کتاب لکھ دوں تا کہ تم گمراہ نہ ہو۔

لہٰذا جو لوگ لکھنے کا سامان نہ لانے کی تائید میں تھے ان کو شبہ پیدا ہوا کہ حضور نے تو عادت کے مطابق ہی فرمایا ہوگا مگر ہم نہیں سمجھے پھر سے پوچھو۔

اور صحابۂ کرام خوب جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دفع تہمت کے لئے کبھی لکھتے نہ تھے قرآن مجید پارہ ۲۱ رکوع ۱ میں ہے: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ۔ اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے' مگر اس موقع پر حضور نے خود لکھنے کو فرمایا اس لئے صحابہ کو دوبارہ سمجھنے کی ضرورت پیش آئی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ ھجر ھجر و ھجر ان سے مشتق ہو جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں اور لفظ الحیاۃ مفعول مقدر ہو تو اس صورت

میں مطلب یہ ہوگا کیا حضور نے ظاہری زندگی چھوڑ دی؟ معلوم کرو جیسا کہ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد جگہ چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً پارہ ۱۶ رکوع ۶ میں ہے: وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آزر نے ان سے کہا کہ مجھے زمانۂ دراز تک چھوڑ دو۔ اور سورۂ مزمل میں ہے: وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۔ یعنی انہیں اچھی طرح چھوڑ دو۔

اور بعض روایتوں میں جو ہمزۂ استفہام نہیں ہے تو مقدر ہے جیسے پارہ ۷ رکوع ۱۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول هٰذَا رَبِّی کے شروع میں۔ بہت سے مفسرین کے نزدیک یہاں ہمزۂ استفہام مقدر ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اگر در بعضے روایات حرف استفہام مذکور نباشد مقدر ست۔ ''اگر بعض روایتوں میں حرف استفہام مذکور نہیں ہے تو مقدر ہے''۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۶۱۰)

اور اگر ہجر کے معنی اختلاط کلام ہی کے لئے جائیں تو اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ اختلاط جو بالاتفاق انبیائے کرام کو ہو سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ قوت گویائی کے اعضاء کمزور ہو جائیں یا آواز بیٹھ جائے یا زبان پر خشکی کا غلبہ ہو جن کے سبب الفاظ اچھی طرح سننے میں نہ آئیں تو یہ حالتیں انبیاء کو لاحق ہو سکتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف کی صحیح کتابوں میں موجود ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو آخری بیماری میں آواز بیٹھنے کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا، اور اختلاط کلام کی دوسری قسم کا عارضہ غشی کے سبب یا دماغ پر ابخرات کے چڑھ جانے سے سخت بخار ہوتا ہے کہ اکثر اس حالت میں مقصد کے خلاف الفاظ زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اختلاط کلام کی یہ قسم انبیاء کو ہو سکتی ہے یا نہیں۔ علماء کو اس میں اختلاف ہے جو لوگ اسے جنون کی قسم قرار دیتے ہیں وہ انبیاء کرام کے لئے اسے جائز نہیں ٹھہراتے، اور بعض لوگ اسے غشی و بے ہوشی کی مثل قرار دیتے ہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس طرح کا عارضہ لاحق ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ پارہ ۹ رکوع ۷ میں ہے: وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا یعنی موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔

اور پ ۲۴ ع ۲ میں ہے: وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ اور صور پھونکا جائے گا تو جسے اللہ چاہے گا اس کے علاوہ جتنے زمین و آسمان میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا اور وہ سب دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاکون اوّل من یفیق فاذا موسی اخذبقائمۃ من قوائم العرش، تو پہلے جس کو ہوش آئے گا وہ میں ہوں گا اور میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔

ثابت ہوا کہ انبیائے کرام پر غشی و بیہوشی طاری ہوتی ہے، اور یہ ان کی شان کے خلاف نہیں، اور خوب ظاہر ہے کہ اس حالت کو جنون پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ جنون میں پہلے قوائے مدرکہ کی روح میں خلل واقع ہوتا ہے، اور ہمیشہ رہتا ہے لیکن اس حالت میں روح کے اندر ہرگز خلل نہیں ہوتا بلکہ کچھ وقت کے لئے جسم کے صرف اعضاء مرض کے سبب قابو میں نہیں

رہتے، مگر خدا تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کو اس حالت میں بھی اپنی مرضی کے خلاف کچھ کرنے اور کہنے سے بچائے رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر بعض حاضرین کو وہم پیدا ہوا کہ حضور کا حکم اختلاط کلام کی قسم سے ہے جو ایسے مرضوں میں ظاہر ہوتا ہے تو کچھ بعید بھی نہیں کہ درد سر کی شدت کے ساتھ اس وقت حضور پر بخار بھی زور کئے ہوئے تھا مگر اس کے باوجود کہنے والے نے بہ لحاظ ادب قطعی طور پر یہ بات نہ کہی بلکہ بطریق تردد کہا: ما شانه اهجر استفهموه یعنی آپ کا کیا حال ہے کیا اختلاط کلام ہوا ہے یا ہم سمجھے نہیں دوبارہ پوچھو۔

واضح فرمائیں اگر حکم ہو لکھنے کا تو سامان لائیں ورنہ جانے دیں کہ درد کی شدت میں مشقت اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں، اور یہ سب باتیں اس صورت پر ہیں جبکہ اختلاط کلام سے آخری قسم مراد ہو اور اگر قسم اوّل مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اس مضمون کو ہم حضور کی عادت کے خلاف دیکھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی قوت گویائی میں کمزوری پیدا ہوگئی ہو اس سبب سے ہم آپ کے کلام کو بخوبی نہیں سمجھ سکے لہٰذا دوبارہ پوچھو تا کہ ظاہر فرمائیں اور ہم یقین کے ساتھ جان لیں کہ حضور لکھنے کا سامان طلب فرما رہے ہیں تو ہم اسے حاضر کریں اور اس صورت میں بھی کسی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ وهو سبحانه تعالیٰ اعلم۔

حضور کی آواز پر کسی نے آواز اونچی نہیں کی

(۳) بیشک سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز کو اونچی کرنا سب نیکیوں کو برباد کرنا ہے، اور حضور کی آواز پر آواز کو بلند کرنا سخت گناہ ہے مگر اس واقعہ میں کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور نہ کسی دوسرے صحابی نے۔ البتہ آپس کی گفتگو میں حضور کے سامنے ان لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ صحابہ کرام آپس کی بحثوں اور جھگڑوں میں حضور کے سامنے ایک دوسرے پر آوازیں بلند کرتے تھے نعرے لگاتے تھے اور حضور منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس قسم کی بحثوں کے جائز ہونے کا قرآن کریم سے بھی دو طرح اشارہ ملتا ہے۔ اوّل یہ کہ قرآن کریم نے ان لفظوں کے ساتھ حضور کے سامنے آواز بلند کرنے کو منع فرمایا ہے۔ لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ نبی کی آواز پر اپنی آوزوں کو بلند نہ کرو۔ (پ ۲۶ ع ۱۳)، اور اس طرح منع نہیں فرمایا: لاترفعوا اصواتكم بينكم عند النبي نبی کے پاس اپنی آوازوں کو آپس میں بلند نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ حضور کی آواز پر آواز بلند کرنا منع ہے مگر حضور کے سامنے آپس میں ایک دوسرے پر آواز بلند کرنا جائز ہے۔ دوسرے قرآن مجید نے یہ فرمایا: كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ۔ یعنی جس طرح کہ ایک دوسرے پر آواز بلند کرتے ہو۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کے ایک دوسرے پر آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ حضور کی آواز پر آواز بلند کرنا بربادی اعمال کا سبب ہے، اور پھر یہ کہاں سے ثابت ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز بلند کی۔ پہلے ان کا آواز بلند کرنا ثابت کیا جائے پھر اعتراض کیا جائے بہت ممکن ہے کہ مجموعی طور پر ایسا ہوا ہو اس لئے کہ جب بہت سے صحابہ حجرۂ مبارکہ میں حاضر تھے تو سب کی گفتگو سے آواز کا بلند ہونا یقینی ہے، اور یہ گناہ نہیں اور اگر یہ بھی گناہ ہو تو سب حاضرین یہاں تک حضرت عباس و حضرت علی رضی

اللہ عنہما پر بھی یہ گناہ عائد ہوگا اور حضور کا ارشاد گرامی: لاینبغی عندی تنازع یعنی میرے پاس جھگڑنا مناسب نہیں۔
اسی بات کی تائید کررہا ہے کہ یہ گناہ نہیں بلکہ خلاف اولیٰ ہے اس لئے کہ زنا جو بربادیٔ اعمال کا سبب نہیں ہے اس سے بچنے
کرنے کے لئے بھی یوں نہیں کہا جاتا کہ زنا مناسب نہیں ہے' اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قوموا عنی یعنی
لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ تو یہ کلام ان اقسام میں سے ہے جو مرض کے سبب مریض سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ذرا سی گفتگو
وشنید کو برداشت نہیں کرتا اور پھر یہ خطاب تو سب حاضرین سے تھا جس میں لکھنے کا سامان لانے کی تاکید کرنے والے اور
مخالفت کرنے والے دونوں شامل تھے تو صرف حضرت عمر ہی پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ حضرت عباس و حضرت علی اور
دوسرے لوگوں پر کیوں نہیں کیا جاتا۔

مسلمانوں کی حق تلفی نہیں ہوئی

(۴) یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لکھنے کا سامان نہ دینے کے سبب مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی اس لئے کہ حق تلفی اس صورت میں
ہوتی جبکہ خدا تعالیٰ کی جانب سے کوئی نئی بات آئی ہوتی اور امت کے لئے نفع بخش ہوتی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر
دی۔ (پ۶ ع۵)

یہ آیت کریمہ جو تقریباً تین ماہ پہلے نازل ہو چکی تھی اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ کوئی نیا حکم نہیں تھا' بلکہ کوئی امر دینی بھی
نہیں تھا بلکہ صرف ملکی مصلحتوں کا اور نیک مشورہ تھا کہ وہ وقت اسی قسم کی وصیتوں کا تھا کوئی عقل مند اسے ہرگز نہیں مان سکتا کہ
تیئس برس کی مدت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری نبوت کا زمانہ تھا اور آپ اپنی امت پر بے حد مہربان تھے اس مدت میں
پورا قرآن ان کو پڑھایا اور بے شمار حدیثیں ارشاد فرمائیں مگر ایک اہم بات کہنے سے رہ گئی تھی جو اختلاف دفع کرنے کے لئے
تریاق مجرب تھی حضور اسے لکھتے یا لکھواتے' مگر حضرت عمر کے کہنے سے رک گئے اور اس کے بعد پانچ روز تک ظاہری حیات کے
ساتھ موجود رہے لیکن حضرت عمر کے ڈر سے اسے نہیں لکھوایا اور اہل بیت کی ہروقت آمدورفت رہتی تھی مگر ان سے زبانی بھی نہیں
فرمایا جبکہ حضرت عمر وہاں ہروقت موجود بھی نہیں رہتے تھے "هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ" ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑا
بہتان ہے اور اس بیہودہ خیال کے باطل ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر لکھنے کا حکم اگر خدا تعالیٰ کی طرف
سے قطعی طور پر تھا تو جمعرات سے دوشنبہ پیر تک نہ لکھنے کے سبب حضور پر تساہلی کا الزام عائد ہوتا ہے جو شان رسالت کے سراسر
خلاف اور باطل ہے۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ
یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اے رسول! تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے تو اسے پہنچا دے اگر تو نے ایسا

نہ کیا تو اس کا پیغام تو نے پہنچایا ہی نہیں' اور اللہ لوگوں کے شر سے تجھ کو محفوظ رکھے گا۔ (پ ۶ ع ۱۴) کیا اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے جبکہ ظاہری حیات کے آخری ایام تھے۔ حضور حضرت عمر سے ڈر گئے اور خدا تعالیٰ کے وعدہ پر کہ وہ لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔ حضور نے یقین نہ کیا؟ معاذ اللہ من ذٰلک' اور اگر یہ کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کا حکم نہیں تھا بلکہ آپ اپنی طرف سے لکھوانا چاہتے تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور نے اپنے اس خیال سے رجوع فرمایا کہ نہیں؟ اگر جواب دیا جائے کہ رجوع فرمالیا تو اس صورت میں سارا اعتراض ہی ختم ہو گیا اور اس واقعہ نے بھی موافقات حضرت عمر میں سے ہو کر ان کی عزت کو اور چار چاند لگا دیئے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضور نے رجوع نہیں فرمایا تو امت کی نفع بخش چیز کا چھوڑ دینا حضور پر لازم آیا اور یہ باطل ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ط بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر بڑے ہی شفیق و مہربان (پ ۱۱ ع ۵)۔ اور دوسری دلیل اس خیال کے باطل ہونے پر یہ ہے کہ جو بات آپ لکھنا چاہتے تھے وہ یا تو کوئی نئی بات تھی جو تبلیغ سابق پر زائد تھی یا تبلیغ سابق کو منسوخ کرنے والی اور اس کے مخالف تھی اور یا تو تبلیغ سابق کی تاکید تھی، پہلی اور دوسری بات باطل ہے اس لئے کہ آیت کریمہ: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کی تکذیب لازم آتی ہے اور تیسری صورت میں امت کی کوئی حق تلفی نہ ہوئی اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید خدا تعالیٰ کی تاکید سے بڑھ کر نہیں ہے تو جن لوگوں کو خدا تعالیٰ کی تاکید کا لحاظ نہیں ہوگا ان کو حضور کی تاکید سے بھی کچھ فائدہ نہ پہنچے گا' اور حدیث شریف سے اس بے ہودہ خیال کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جو ابتدائے جواب میں لکھی گئی ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بولنے سے پہلے حاضرین نے آپس میں جھگڑا کیا اور جو کچھ کہنا تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ پوچھا مگر حضور نے قلم و دوات منگانے اور لکھنے لکھانے سے خاموشی اختیار فرمائی اگر یہ بات قطعی ہوتی تو آپ ہرگز خاموش نہ ہو جاتے اور اگر اس وقت خاموش ہو گئے تھے تو اس کے بعد پانچ روز ظاہر حیات کے ساتھ موجود رہے جس کا اقرار رافضی لوگوں کو بھی ہے تو اس درمیان میں اسے ضرور لکھوا دیتے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں سے کسی چیز کا لکھنا منظور نہ تھا بلکہ دنیوی معاملات میں کچھ کہنا تھا جس کی وصیت فرمائی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو' ایلچیوں کی خاطر مدارات کرو اور تیسری چیز کہ جس سے اس حدیث شریف میں سکوت کا ذکر ہے غالباً حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی درستگی ہے۔ جیسا کہ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے' اور اس بات پر کہ وہ دینی معاملہ نہ تھا دلیل یہ ہے کہ جب دوسری بار صحابہ کرام نے قلم دوات وغیرہ لانے کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا: ذرونی فالذی انا فیه خیر مما دعوتنی الیه مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو کہ میں اپنے باطن سے مشاہدہ حق میں مشغول ہوں اور یہ حالت اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم بلا رہے ہو۔

اگر کسی دینی معاملہ یا تبلیغ کا پہنچانا منظور ہوتا تو بہتری کا معنی کیسے درست ہوتا؟ اس لئے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام کے حق میں وحی پہنچانے اور دینی احکام جاری کرنے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔

اور اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار اس عالم سے بے تکلفی کا جواب ارشاد فرمایا تو حاضرین کو حسرت و یاس دامن گیر ہوئی اور ناامید ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا عندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ ط مطلب یہ ہوا کہ حضور کے اس جواب سے تم لوگ مایوس نہ ہو تمہاری تعلیم اور تمہارے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کلام اس گفتگو کے بعد صحابہ کرام کی تسلی کے لئے فرمایا نہ کہ تحریر سے منع کرنے کے لئے‘ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس واقعہ کے وقت حاضر تھے اس پر رافضی سنی دونوں کا اتفاق ہے مگر حضرت عمر پر یا حاضرین مجلس میں سے کسی پر کہ جن لوگوں نے تحریر کی مخالفت کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی پر انکار یا افسوس ہرگز منقول نہیں نہ آپ کے زمانۂ خلافت میں‘ نہ آپ کی پوری زندگی میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد نہ کسی شیعہ سے اور نہ کسی سنی سے۔ لہٰذا اگر حضرت عمر اس معاملہ میں خطاوار ہیں تو حضرت علی بھی اس کام کی تائید میں ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس کے علاوہ کہ جو اس وقت کمسن تھے کسی کا افسوس اور کسی کی حسرت کسی پر ہرگز منقول نہیں ہوئی اگر کوئی بہت بڑی چیز فوت ہوگئی تو بڑے بڑے صحابہ اور کم از کم حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر یقیناً حسرت و افسوس ظاہر کرتے اور تحریر سے روکنے والوں کی شکایت زبان پر ضرور لاتے‘ اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب کسی اہم بات کا لکھنا منظور نہ تھا تو حضور نے یہ کیوں فرمایا: لن تضلوا بعدی یعنی تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ معلوم ہوا دین کے بارے میں کوئی اہم بات تھی اس لئے کہ دین میں خلل پڑنا ہی گمراہی کے معنی ہیں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ ضلال عرب کی بولی میں جیسا کہ دین کی گمراہی کے معنی میں آتا ہے۔ دنیا کے معاملات میں بدتدبیری کے معنی میں بھی بہت بولا جاتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں منقول ہے: اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ یعنی بے شک ہمارے باپ صریح غلطی پر ہیں (پارہ ۱۲ رکوع ۱۲) اور اسی سورۂ یوسف میں دوسری جگہ ہے اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ ’’یعنی بے شک آپ اپنی اسی پرانی غلطی پر ہیں (پارہ ۱۳ ع ۵) ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کافر نہ تھے کہ اپنے والد یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو گمراہ سمجھتے۔ معاذ اللہ۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ دنیوی معاملات میں آپ بے تدبیری برتتے ہیں کہ ہم لوگوں سے جو ہر طرح کی خدمتیں کرتے ہیں الفت کم رکھتے ہیں اور جو لوگ چھوٹے ہیں اور خدمت کرنے سے قاصر ہیں ان سے عشق کی حد تک محبت کرتے ہیں۔ لہٰذا اسی طرح یہاں بھی ’’تضلوا‘‘ سے مراد ملک کی تدبیر میں خطا ہے نہ کہ دین کی گمراہی‘ اور واضح دلیل اس پر یہ ہے کہ ۲۳ ؍برس کی مدت میں قرآن کا نزول‘ اور احادیث کریمہ کا ارشاد ان کی گمراہی کے دفع کرنے کے لئے اگر کافی نہ ہو تو چند سطروں کی تحریر اس کام کے لئے کیسے کافی ہو سکتی ہے؟ اور بعض لوگوں کے دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کا معاملہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روک

دینے سے یہ اہم معاملہ رہ گیا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ لکھنا ہرگز منظور نہ تھا اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق حضور نے اسی مرض میں ارادہ فرمایا تھا جیسا کہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ میں ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ادعی لی ابا بکر اباك واخاك حتی الکتب لهما کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللّٰه والمومنون الا ابابکر اپنے والد ابوبکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ تا کہ میں ان کے لئے وصیت نامہ لکھ دوں اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں افضل ہوں حالانکہ خدا اور مومنین علاوہ ابوبکر کے کسی کو قبول نہیں کریں گے، مگر ایسا ارادہ فرمانے کے بعد پھر حضرت عمر یا کسی دوسرے کی ممانعت کے بغیر حضور نے خود بخود لکھنا موقوف کر دیا۔

اور پھر اگر خلافت کے لئے وصیت ہی کرنی تھی تو اس کے لئے لکھنا ضروری نہ تھا بلکہ جو لوگ حجرۂ مبارک میں موجود تھے ان کے سامنے زبانی وصیت کر دینا ہی کافی تھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے لکھنے سے منع نہیں کیا اور اگر منع کرنا فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے امت کی کوئی حق تلفی ہرگز نہیں ہوتی۔ یہ رافضیوں کا وسوسہ ہے، اور وسوسہ کا کوئی علاج نہیں۔ ھٰذا ماظهرلی وهو تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم جل جلاله وصلی اللّٰه علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

سابق فتویٰ پر ایک شبہ اور اس کا جواب

مسئلہ: از حیات علی بھاؤ پوری۔ بھاؤ پور ضلع بستی

مکرمی حضرت مفتی صاحب قبلہ دام الطافکم۔ السلام علیکم

التماس اینکہ حدیث قرطاس کے بارے میں آپ کے فتویٰ کا مطالعہ کیا۔ بجز عبارت ذیل کے آپ نے بہت خوب تحریر فرمایا ہے وہ عبارت یہ ہے: "محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں ہے تو یہ نص صریح وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں اطمینان بخش مدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

باسمه تعالٰی والصلاة والسلام علٰی رسوله الاعلٰی

محترم المقام زید اخترامکم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ثم السلام علیکم

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں ہے یہ بات نص صریح کے خلاف نہیں اس لئے کہ آیت کریمہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں هُوَ کا مرجع قرآن عظیم ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے: انه ضمیر معلوم وهو القران کانه یقول ما القرآن الاوحی یعنی آیت کریمہ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں هو کا مرجع قرآن ہے۔

گویا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: قرآن صرف وحی ہے اور تفسیر روح البیان میں ہے: ان هو ای ما الذی ینطق به من القرآن الاوحی من الله تعالیٰ یوحی الیه بواسطة جبرائیل علیه السلام۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحی الٰہی ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب وحی کیا جاتا ہے اور مدارک میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں ہے: وما اتاکم به من القرآن لیس بمنطق یصدر عن هواه ورایه انما هو وحی من عبدالله یوحی الیه یعنی جو قرآن کہ رسول تمہارے پاس لائے ہیں وہ ایسا کلام نہیں ہے جو ان کی خواہش اور رائے سے ہو۔ وہ صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور تفسیر ابوالسعود میں ہے: ان هو ای ما الذی ینطق به من القرآن الاوحی من الله تعالیٰ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جسے رسول قرآن بتاتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی ہے اور تفسیر خازن میں ہے: وما ینطق عن الهویٰ ای بالهوی والمعنی لایتکلم بالباطل وذٰلك انهم قالوا ان محمد یقول القرآن من تلقآء نفسه ان هو ای ما هو یعنی القرآن و قیل نطقه فی الدین الاوحی من الله یوحی الیه اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ کفار و مشرکین کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن اپنی طرف سے کہتے ہیں اس لئے آیت کریمہ کا یہ معنی ہوا کہ وہ باطل کلام نہیں فرماتے ہیں۔ قرآن اور بعض لوگوں نے کہا کہ ان کا ہر وہ کلام جو دین کے بارے میں ہو صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور معالم التنزیل میں ہے: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی کی تفسیر خازن کی مثل لکھنے کے بعد تحریر فرمایا ان هو ما نطقه فی الدین وقیل القرآن یعنی دین کے بارے میں رسول کا کلام اور بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن صرف وحی خداوندی ہے جو رسول کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

ان معتبر تفسیروں سے واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں هو کا مرجع قرآن عظیم ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن وحی الٰہی ہے نہ کہ ہر کلام۔ اور تفسیر معالم التنزیل میں جو هو کا مرجع نطقه فی الدین بتایا تو اس سے بھی ہر کلام کا وحی الٰہی ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف دینی کلام کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے البتہ تفسیر جمل اور صاوی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال اور سب احوال وحی الٰہی ہیں جیسا کہ ہمارے مقررین عام طور پر بیان کرتے ہیں، مگر اس کے بارے میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ وہ ظاہر کے خلاف ہے اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس آیت کریمہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کا وحی ثابت کرنا ایک وہم ہے اس لئے کہ هو کا مرجع اگر قرآن کو تسلیم کیا جائے تو اس معنی کا خلاف ہونا ظاہر ہے اور اگر هو سے مراد حضور کا قول ہو تو ان کے قول سے وہی قول مراد ہے کہ جسے کفار و مشرکین شاعر کا قول کہتے تھے تو خدا تعالیٰ نے رد کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور وہ قول قرآن کریم ہی ہے۔ علامہ امام رازی کی اصل عبارت یہ ہے: الظاهر خلاف ماهو المشهور عند بعض المفسرین وهو ان النبی صلی الله علیه وسلم ماکان ینطق الاعن وحی الاحجة لمن توهم هٰذا فی الایة لان قوله تعالیٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ان کان ضمیر القرآن فظاهر و ان کان ضمیرا عائدا الی قوله فالمرا دمن قوله هو القول الذی

كانوا يقولون فيه انه قول شاعر و رد الله عليهم فقال ولابقول شاعر وذلك القول هو القرآن۔
اور علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول کو وحی الٰہی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور نے کبھی اپنے اجتہاد سے کچھ نہیں فرمایا اور یہ بھی ظاہر کے خلاف ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیوں میں اجتہاد فرمایا ہے' اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو یا شہد کو جب حضور نے اپنے لئے حرام فرمالیا تو آیت کریمہ نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ یعنی اے نبی! تم نے کیوں حرام فرمالیا (پ۲۸ سورۂ تحریم) معلوم ہوا کہ اگر حضور کا حرام فرمانا وحی الٰہی ہوتا تو لِمَ تُحَرِّمُ نہ فرمایا جاتا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کچھ لوگوں کو غزوۂ تبوک میں شرک نہ کرنے کی اجازت دے دی تو آیت کریمہ: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ نازل ہوئی یعنی اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔ (پ۱۰ ع۱۲) ثابت ہوا کہ حضور کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں، ورنہ حضور کے اجازت دینے پر لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ نہ فرمایا جاتا۔ علامہ امام رازی کے اصل الفاظ یہ ہیں: هٰذا يدل على انه صلى الله عليه وسلم لم يجتهد وهو خلاف الظاهر فانه في الحروب اجتهد وحرم ماقال الله لم تحرم واذن لمن قال الله تعالٰى: عفا الله عنك لم اذنت لهم۔ (تفسیر کبیر جلد ہفتم ص۷۰۰)

علاوہ ان کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل وحی الٰہی نہیں ہے۔ مثلاً بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۶۷۴ میں ہے: سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (کسی مصلحت سے) عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (پ۱۰ ع۱۶) اور کھجوروں کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مشہور ہے: انتم اعلم بامور دنیاکم اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھارہ دن تک طائف کا محاصرہ جاری رکھا اور وہ فتح نہیں ہوا حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشورے پر حضور نے محاصرہ اٹھالیا (زرقانی جلد سوم ص۳۳) معلوم ہوا کہ طائف کا محاصرہ وحی الٰہی سے نہیں تھا ورنہ صحابی کے کہنے پر حضور محاصرہ ہرگز نہ اٹھاتے۔

ان تمام شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل وحی الٰہی نہیں ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے کہا کہ ان کا ہر قول و فعل وحی الٰہی ہے تو ان کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دینی امور میں حضور کا ہر قول و فعل وحی الٰہی ہے جیسا کہ معالم التنزیل میں فرمایا اور یا تو ان لوگوں کا قول عام مخصوص منہ البعض ہے۔ هٰذا ماظهرلي والعلم بالحق عندالله تعالٰى ورسولهٗ عزاسمه و صلى الله عليه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ر جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از غلام رسول پوسٹ و مقام شری دت گنج ضلع گونڈہ

زید جو عالم ہے اس نے اپنے وعظ میں بیان کیا کہ ایک روز جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے سرکار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا: اخی جبرئیل! تم کو پیغام خدا کیسے ملتا ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا: عرش سے ندا آتی ہے میں آگے بڑھتا ہوں پھر پردے کی آڑ سے مجھے پیغام ملتا ہے۔ سرکار نے فرمایا کہ کیا کبھی آپ نے پیغام دینے والے کو بھی دیکھا ہے؟ فرمایا: نہیں۔ سرکار نے ارشاد فرمایا کہ اچھا اب اگر جائیں تو پردہ ہٹا کر دیکھ لیں۔ حضرت جبرئیل جب تشریف لے گئے تو آپ نے پردہ ہٹا کر دیکھا کہ آئینۂ دربار قدرت لگا ہوا ہے۔ سرکار اس کے سامنے کھڑے عمامہ شریف سر پر باندھ رہے ہیں حضرت جبرئیل جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو فرمایا: یارسول اللہ! میں نے آپ کو بعینہ ایسے ہی وہاں دیکھا ہے اے مصطفیٰ! میں نے آپ کو قرآن لیتے بھی دیکھا ہے اور دیتے بھی دیکھا ہے۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھا۔

تمہیں ہو اوّل تمہیں ہو آخر، تمہیں ہو ظاہر تمہیں ہو باطن

جہاں بھی دیکھا تمہیں کو پایا تمہیں ہو تم دوسرا نہیں ہے

بکر بھی عالم ہے اس نے کہا اس بیان سے سرکار کو خدا کہنا مفہوم ہوتا ہے۔ لہٰذا زید کافر و مرتد ہو گیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ نیز بکر کے قول کو واضح فرمائیں۔

الجواب: زید نے محفل وعظ میں جو روایت بیان کی وہ باطل اور جھوٹی ہے سائل نے اپنے سوال میں زید کو ناحق عالم قرار دیا ہے۔ زید اگر عالم ہوتا تو جھوٹی کہانی کو حدیث شریف نہ قرار دیتا۔ زید رٹو طوطا ہے۔ آداب شرع سے آزاد چرب زبان مقررین کی نقالی سیکھ کر طلیق اللسان خطیب بن گیا ہے۔ جس کی وجہ سے گنوار عوام اسے عالم کہتے ہیں۔ زید کی بیان کردہ بے اصل روایت کے متبادر ظاہری معنی کفری ہیں اس لئے زید پر حکم کفر لازم ہے زید پر فرض ہے کہ وہ مجمع عام میں اس بے اصل روایت کے کفری مضمون سے توبہ کرے اور بارگاہ احدیت جل جلالہ میں استغفار کرے اور روایت مذکورہ کے باطل ہونے کا اعلان کرے اور تجدید ایمان کے لئے بالاعلان کلمۂ طیبہ پڑھے اور اگر بیوی رکھتا ہے تو تجدید نکاح کرے اور اگر بیعت والا ہے تو تجدید بیعت کرے۔ اگر زید کو لوگ عالم دین، نائب رسول سمجھتے ہیں تو زید پر لازم ہے کہ وہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ عنہ کا مقدس دامن تھامے اور بہار شریعت اوّل دوم، سوم، چہارم، پنجم، شانزدہم، تصنیف خلیفہ اعلیٰ حضرت اور الامن والعلی، تجلی الیقین، احکام شریعت، فتاویٰ رضویہ وغیرہ تصانیف سرکار اعلیٰ حضرت کا مطالعہ کرے۔ بکر کا قول بطور فتوائے فقہی صحیح ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

۷؍ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از نور محمد مسجد قلیان سنٹرل اسٹیشن چھاؤنی کانپور

عمرو کی داڑھی کے حد شرع سے کم ہونے کی بناء پر زید نے عمرو کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ تمہاری داڑھی حد شرع سے کم ہے اگر

رکھنی ہے تو شریعت کے مطابق رکھو اور اس میں کانٹ چھانٹ نہ کرو۔ اس پر عمرو نے کہا شریعت وریعت اپنے پاس رکھو مجھے نہ بتاؤ۔ اس جواب پر غصہ ہو کر زید نے کہا تو پھر یہ تمہاری داڑھی داڑھی ہی نہیں ہے جتنی بڑی تمہاری داڑھی ہے اس سے کہیں بڑے تو میرے موئے زیر ناف ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ عمرو کا جواب اور پھر زید کا جواب الجواب کس حد تک درست یا نادرست ہے؟

الجواب: شریعت وریعت اپنے پاس رکھو مجھے نہ بتاؤ یہ کہنا کفر ہے کہ اس میں شریعت مطہرہ کی توہین کے ساتھ مسائل شرعیہ سے انکار بھی ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں جیسا کہ صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: شرع کی توہین کرنا مثلاً کہے کہ میں شرع ورع نہیں جانتا کفر ہے (بہار شریعت حصہ نہم ص ۱۷۲) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: جو شخص مسائل شرعیہ کے مقابلے میں کہے کہ وہ مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۸۱۷) لہٰذا عمرو توبہ وتجدید ایمان کرے، اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے، اور زید نے چونکہ عمرو کے کلمات کفریہ سن کر اس کی داڑھی کے بارے میں الفاظ مذکورہ کہے اس لئے اس پر کوئی جرم عائد نہیں کہ عندالشرع کافر کی داڑھی قابل عزت نہیں۔ **وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ر محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از فجر محمد موضع جھانگی ڈیہہ پوسٹ شیو پورہ بازار ضلع گونڈہ

بکر نے اپنی عورت سے کہا نماز پڑھ۔ عورت نے کہا: کیا تم اللہ ہو؟ بکر نے کہا: ہاں! میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہوں تو بکر کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: بکر اپنے قول کے سبب کہ میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہوں کافر ہو گیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ اس پر توبہ وتجدید ایمان فرض ہے، اور بیوی کو رکھنا چاہے تو اس سے دوبارہ نکاح پڑھانا ضروری ہے۔ بکر توبہ تجدید ایمان نہ کرے یا بیوی کو بغیر نکاح رکھے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ **وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد مشرف معرفت گاماپان دوکان مین روڈ دھاراوی بمبئی ۱۷

(۱) کیا یزید جنتی ہو سکتا ہے؟

(۲) امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی بناء پر یزید گنہ گار ہوا کہ نہیں؟

(۳) کیا یزید بن معاویہ کو برا کہنا جائز ہے؟

(۴) یزید کی موت حالت کفر پر ہوئی یا حالت ایمان پر؟
(۵) یزید کے بارے میں اور پوری پوری روشنی ڈالئے؟

الجواب: (۱) بعض ائمہ کے نزدیک جنتی ہوسکتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہوسکتا۔
(۲) امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی بناء پر یزید پلید سخت گنہ گار، حق العبد میں گرفتار، لائق عذاب قہار اور مستحق عذاب نار ہوا۔
(۳) بے شک یزید خبیث کو برا کہنا جائز ہے۔
(۴) اگر کفر سرزد ہو تو غرغرہ کے وقت تک توبہ مقبول ہے اور آدمی زندگی بھر مسلمان ہو تو موت سے پہلے کفر میں مبتلا ہوسکتا ہے تو یزید کی موت حالت کفر پر ہوئی یا حالت ایمان پر اسے اللہ و رسول ہی جانتے ہیں۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
(۵) یزید کے بارے میں اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی الرحمتہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: یزید پلید علیہ مایستحقہ من العزیز المجید قطعاً یقیناً باجماع اہلسنت فاسق و فاجر و جری علی الکبائر تھا۔ اس قدر پر ائمہ اہلسنت کا اطباق و اتفاق ہے صرف اس کی تکفیر و لعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس آیت کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ۔ کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں (پ ۲۶ ع ۷) شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین پر فساد پھیلایا حرمین طیبین و خود کعبۂ معظمہ و روضۂ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے۔ تین دن مسجد نبی صلی اللہ تعالیٰ وسلم بے اذان و نماز رہی۔ مکہ و مدینہ حجاز میں ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کئے، کعبۂ معظمہ پر پتھر پھینکے، غلاف کعبہ شریف پھاڑا اور جلایا، مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا۔ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گود کے پالے ہوئے تن نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے تاکہ تمام استخوان مبارک چور ہو گئے۔ سر انور کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا، حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق و فجور نہ جانے قرآن عظیم میں صراحتاً اس پر لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فرمایا۔
لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت کہ اس سے فسق و فجور تو اتر ہیں کفر متواتر نہیں اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر اور امثال وعیدات مشروط

بعدم توبہ ہیں لقوله تعالیٰ: فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا اِلَّا مَنْ تَابَ اور توبہ تادم غرغرہ مقبول ہے اوراس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط واسلم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۰۷)

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از شمشیر احمد صدر انجمن فروغ اسلام کریم الدین پور گھوسی اعظم گڑھ

(۱) چند سنی آدمیوں نے کاٹھ کا ایک پتلا گھوڑے کی شکل کا بنایا اوراسے سہروں سے سجا کر دلدل کے نام پہ اٹھایا اورنوحہ و ماتم کے ساتھ پورے گاؤں کا چکر لگایا۔ ازروئے شرع یہ فعل کیسا ہے؟ اورایسا کرنے والوں پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ جبکہ دیکھنے والا برجستہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ بت ہے اور یہ فعل بت پرستی ہے۔

(۲) محرم الحرام کی چھ تاریخ کو ہمارے یہاں جھولا اٹھایا گیا جس میں کچھ رافضی نوحہ خوانی کے لئے آئے اوراس میں ان کے ہمراہ کچھ سنی حضرات بھی پڑھ رہے تھے رافضیوں نے یہ شعر پڑھا:

سبھی کو یاد خلافت تو رہ گئی لیکن رسول پاک کے دفن و کفن کو بھول گئے

اورسنی حضرات نے بھی روافض کے ہمراہ اس شعر کو بالتکرار پڑھا تو اب شریعت کا ان پڑھنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب: (۱) اس جعلی واختراعی دُلدل کا مجسمہ بنانے والے بنوانے والے مجسمہ مذکورہ کو دلدل کے نام پر اٹھانے والے اوراس کے دلدلی میلہ میں شرکت کرنے والے سب کے سب شریعت اسلامیہ کی رو سے گنہ گار، مستحق عذاب نار، فاسق معلن اور مردود الشہادۃ ہو گئے۔ ان سب پر فرض ہے کہ علی الاعلان توبہ کریں اور رب تبارک وتعالیٰ سے معافی مانگیں، اوراپنے گناہ پر نادم ہوں ورنہ دوسرے مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ ان مرتکبین سے میل جول اٹھنا بیٹھنا بند کر دیں۔ وھو اعلم بالصواب۔

(۲) اس خبیث شعر میں حضرات صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کھلے الفاظ میں طعن وتشنیع ہے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: ومن یکون بطعن فی معاویة فذاك من كلاب الهاويه یعنی جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبان طعن دراز کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے (احکام شریعت حصہ اوّل ص ۹۹) اوراس ملعون شعر میں سبھی کہہ کر کسی صحابی کو نہیں چھوڑا سب پر زبان طعن دراز کی ہے تو جب تنہا حضرت امیر معاویہ پر زبان طعن دراز کرنے والا جہنمی کتا ہو جاتا ہے تو صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرنے والا کس قدر گمراہ و بددین ہوگا۔ الحاصل اس مردود شعر کے پڑھنے والے، اس پر راضی رہنے والے سب کے سب گمراہ ہو گئے ان پر فرض ہے کہ توبہ کر کے تجدید ایمان کریں اور بیوی والے ہوں تو تجدید نکاح بھی کریں اوراگر بیعت والے ہوں تو تجدید بیعت بھی کریں اوراگر

وہ لوگ ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان سے قطع تعلق کریں۔ رہا شعر مذکور تو وہ جہالت کا مردہ ہے۔ کفن و دفن میں تاخیر کا سبب امر خلافت نہیں بلکہ جمہور کے قول کے مطابق یہ امر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ مبارکہ حجرۂ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تھا جہاں اب مزار انور ہے اس سے باہر نہیں لے جانا تھا۔ چھوٹا سا حجرہ اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس نماز سے مشرف ہونا تھا۔ ایک جماعت آتی پڑھتی اور باہر جاتی پھر دوسری جماعت آتی یوں یہ سلسلہ تیسرے روز ختم ہوا۔ اگر اس نماز اقدس سے فراغت کے لئے تین برس درکار ہوتا تو جنازۂ اقدس تین برس یونہی رکھا رہتا۔ یہ ہے دفن اقدس میں تاخیر کا سبب اصلی، اور اگر ابلیس کے نزدیک تاریخ دفن کا سبب امر خلافت کی یاد اور لالچ ہے تو سب سے سخت تر الزام حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم پر عائد ہوگا کہ اور حضرات تو معاذ اللہ تعالیٰ حصول خلافت کی لالچ میں پڑ کر کفن و دفن کو بھول گئے لیکن آپ کو تو خلافت کی لالچ نہ تھی تو آپ کیوں بھول گئے پھر کفن و دفن کا کام گھر والوں ہی سے متعلق ہوتا ہے تو آپ کیوں تین دن تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہ گئے کم از کم آپ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن و دفن کی یہ آخری خدمت بھی بجالائے ہوتے' مگر چونکہ یہ الزام و اعتراض مردود و ملعون ہے اس لئے ثابت ہوگیا کہ تاخیر دفن کا سبب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا افسوس کہ دین و ایمان سنیت و اسلام جیسی عظیم الشان جلیل القدر نعمت کی لوگوں کے دلوں میں عزت و قدر نہیں۔ اس لئے بددینوں اور گمراہوں کی صحبت اختیار کر کے بعض مسلمان اپنا دین و ایمان برباد کر رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائے اور بددینوں' گمراہوں کے ساتھ میل جول سے مسلمانوں کو بچائے آمین۔ بجاہ حبیبك سید المرسلین علیہ وعلیٰ الہ اکرم الصلاۃ وافضل والتسلیم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ر من صفر المظفر ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از محمد یعقوب خاں موضع پڑولی پوسٹ جھنگٹی ضلع گھورکھپور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین جب پہلے ہی سے مومن تھے تو بعد میں سرکار نے حجۃ الوداع کے موقع پر زندہ فرما کر کلمہ کیوں پڑھایا؟ بینوا

الجواب: بے شک حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوین کریمین پہلے ہی سے مسلمان تھے پر سرکار نے زندہ فرما کر اس لئے کلمہ پڑھایا تاکہ وہ لوگ بھی حضور کی صحابیت سے مشرف ہو جائیں۔ ھٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از فقیر محمد صابر حسین رضوی راج گانگ پور اڑیسہ

مندرجہ ذیل افعال زید بالعلباء کے ہیں۔ان افعال کے پیش نظر کوئی شخص ولی بننے کا اہل ہوسکتا ہے؟ فاضل علمائے کرام شریعت مطہرہ کی روشنی میں فیصلہ صادر فرما کر ہماری الجھنوں کو دفع فرمائیں۔آیا ہم زید بالعلباء کو ولی مانیں یا نہ مانیں؟

(۱) زید بالعلباء جماعتوں کو چھوڑ کر قبرستان کے ایک گوشے میں حواریوں کے ساتھ رہ کر اپنی الگ جماعت ادا کرتے ہیں اور قبرستان میں ہنسی مذاق اور دیگر دنیاوی امور کی باتیں بھی کیا کرتے تھے۔

(۲) زید بالعلباء نے اپنے علاقے کے مشہور شراب فروش کی بیوی سے بہن کا رشتہ قائم کیا تھا اور اپنی منہ بولی بہن کے یہاں کھانے پینے میں کوئی پرہیز نہیں کرتے تھے۔

(۳) زید بالعلباء کے پاس شراب فروشوں کے یہاں سے بریانی اور دیگر مرغن غذائیں جایا کرتی تھیں جنہیں زید اور ان کے حواری بڑے شوق سے کھاتے تھے۔

(۴) زید بالعلباء جب حج کرنے جانے لگے تو ان کے سفر کے آغاز کا پہلا قدم شہر کے ایک مشہور شراب فروش کے گھر سے نہایت تزک واحتشام سے نکلا اور اسی موقع پر زید نے خصوصی پوز بنا کر اپنی تصویر کھنچانے سے بھی گریز نہ کیا۔

(۵) تربھا شریف میں ایک زندہ ولی ہیں حاجی عبدالشکور دامت برکاتہم المعروف تربھا والے بابا انہوں نے اپنے نیازمندوں سے کہا کہ زید بالعلبا ولی نہیں ہے' اور اس کو ولی ماننے والا بے ایمان ہے۔

براہ کرم محررہ بالا تحریروں کی روشنی میں فرمائیں کہ کیا زید بالعلباء ولی ہیں؟ زید بالعلبا کا قبرستان کے اندر ایک پختہ مزار بنایا گیا ہے' اور زید کا عرس بھی منایا جارہا ہے۔زید کے مزار میں اکثر قوالی کا اہتمام بھی ہوا کرتا ہے' اور باجے وغیرہ کا استعمال دھڑلے سے ہوا کرتا ہے جبکہ قبرستان میں ہزاروں مردے مدفون ہیں۔

الجواب: ولی وہ مسلمان ہے جو بقدر طاقت بشری ذات وصفات باری تعالیٰ کا عارف ہو، احکام شرعیہ کا پابند ہو اور لذات وشہوات میں انہماک نہ رکھتا ہو جیسا کہ شرح عقائد نسفی میں ہے: اولی هو العارف بالله تعالیٰ و صفاته حسب مايمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي المعراض عن الانهماك في الذات والشهوات' اور محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۵۹۵ میں تحریر فرماتے ہیں: ولی کسے ست کہ عارف باشد بذات وصفات حق بقدر طاقت بشری ومواظبی باشد بر اتیان طاعت وترک منہیات درلذات وشہوات و کامل باشد درتقویٰ واتباع برحسب تفاوت ومراتب آں۔شراب فروشوں کا بائیکاٹ کرنا مسلمانوں پر لازم ہے' اور جاندار کی تصویر کھنچنا وکھنچوانا حرام ہے۔لہٰذا شخص مذکور جس نے شراب فروشوں سے نصرت نہیں کی اور بھرے مجمع میں اپنی تصویر کھنچوائی ظاہر یہ ہے کہ ایسا شخص ولی نہیں' کہ ولی ہونے کے لئے شرع کا پابند ہونا ضروری ہے جیسا کہ مذکورہ بالا کتابوں کے حوالوں سے ظاہر ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از انور حسین ایوبی پردھان نوگواں پوسٹ جوٹھیا ضلع رامپور (یوپی)

دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کے شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی مدظلہ العالی کی تصنیف نوادر الحدیث ص ۵۴ پر ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روزانہ بارہ ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے حالانکہ بارہ ہزار رکعت کے لئے کم سے کم پندرہ ہزار منٹ یا ڈھائی سو گھنٹے درکار ہیں' تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کیوں کر توقع کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے تمام ضروریات زندگی حتیٰ کہ فرائض و واجبات کو بالائے طاق رکھ کر سیکڑوں گھنٹے میں پڑھی جانے والی بارہ ہزار رکعات ایک دن میں پڑھتے رہے ہوں؟ میری نظر میں یہ خرافات ہے اطمینان بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: جو شخص ہر چیز کو عقل کے کانٹے پر تولتا ہے کہ جو چیز اس کی عقل میں نہیں سما سکتی اسے تسلیم نہیں کرتا ہے تو وہ پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں کا انکار کرتا ہے پھر کرامت' معجزہ یہاں تک کہ جنت و دوزخ اور قرآن کریم کلام الٰہی ہونے سے بھی انکار کر بیٹھتا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بارہ ہزار رکعات نفل پڑھنا کرامت ہے' مگر چوں کہ یہ بات آپ کی عقل میں نہیں سما سکتی اس لئے آپ کو انکار ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط سے دریائے نیل کے جاری ہونے کا بھی آپ کو انکار ہوگا اس لئے کہ یہ بھی خلاف عقل ہے کہ سوکھا ہوا دریا کسی کے خط سے جاری ہو جائے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی کے منبر سے نہاوند میں مصروف جنگ اسلامی لشکر کے ملاحظہ فرمانے امیر لشکر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو متنبہ کرنے اور حضرت ساریہ کا حضرت عمر کے کلام سننے سے بھی آپ کو انکار ہوگا جس کا بیان حدیث شریف کی مشہور کتاب مشکوٰۃ ص ۵۴۶ میں ہے: بغیر کسی مشین کے اتنے دور دراز مقام کو ملاحظہ فرمانا اور کلام کا سننا سنانا بھی آپ کے عقل کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ نہاوند مدینہ سے اتنی دور ہے کہ ایک مہینے میں قافلہ وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا جیسا کہ حاشیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۶۰۱ میں ہے: ''نہاوند'' در ایران صوبہ آذربائیجان از بلاد جبال ست کہ از مدینہ بیک ماہ آں جانتواں رسید۔ یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کا حضرت بلقیس کے عظیم تخت کو پلک جھپکتے میں ملک یمن سے ملک شام میں پہنچا دینے سے بھی آپ کو انکار ہوگا جس کا ذکر پ ۱۹ سورۂ نمل میں ہے یہ بھی آپ کی عقل میں آنے والی بات نہیں ہے اس لئے کہ اتنی مسافت کے لئے بہت وقت چاہئے اتنی جلد تو راکٹ بھی جا کے نہیں لا سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت بیت المقدس میں تھے۔ حضرت بلقیس کا تخت ملک یمن کے شہر سبا میں تھا جو بیت المقدس سے دو مہینے کے راستے پر تھا۔ جیسا کہ تفسیر جمل جلد سوم ص ۳۱۴ میں ہے: کان سلیمان اذ ذاک فی بیت المقدس وعرشها فی سبا بلدة بالیمن وبینها وبین بیت المقدس مسیرة شهرین...... بلکہ شہدائے اسلام کی زندگی سے بھی آپ کو انکار ہوگا جس کا ذکر پ ۲ ع ۳ اور پ ۴ اور ع ۸ میں ہے: اس لئے کہ سر کا جسم سے الگ ہو جانا پھر اسے زمین میں دفن کر دینا۔ اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہو جانا اور بیوی کا دوسرا عقد کر لینا۔ ان تمام باتوں کے باوجود شہید کو زندہ قرار دینا بھی آپ کی عقل کے خلاف ہے' بلکہ یہاں تک کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پھر وہاں سے ساتوں آسمان' عرش اعظم اور جنت وغیرہ کی

سبر بھی آپ کے نزدیک خرافات ہی ہوگی۔ جس کا ذکر پ ۱۵ رکوع انہیں ہے اور احادیث مشہورہ میں ہے اس لئے کہ اتنے لمبے سفر کے لئے بھی کئی مہینے درکار نہیں تھوڑے سے وقت میں اتنا طویل سفر بھی آپ کی عقل سے باہر ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ جو شخص اسی بات کو مانتا ہے کہ جسے اس کی عقل تسلیم کرتی ہے تو وہ اپنی عقل کا پجاری ہے اور صرف اسی کو وہ مانتا ہے۔ خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کو اس کے ماننے کا دعویٰ غلط ہے۔ اس لئے کہ ماننے کا مطلب یہ ہے کہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے تسلیم کر لیا جائے اگر سمجھ میں آنے کے بعد ہی مانا تو اپنی سمجھ کو مانا قرآن و حدیث کو نہ مانا...... کرامت حق ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور جس طرح سے معجزہ کا انکار کرنا گمراہی ہے اسی طرح کرامت کو تسلیم نہ کرنا بھی بدمذہبی ہے کہ ولی کی کرامت نبی کے معجزہ کا عکس و پرتو ہے اور معجزہ کے معنی ہیں عاجز کر دینے والا تو جس طرح معجزہ عقل انسانی کو عاجز کر دینے والا ہے اسی طرح کرامت کو بھی انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کرامت ہی نے روزانہ بارہ ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے تو اس کو بھی انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہی رہے گی۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو گمراہی سے بچائے رکھے کسی عالم دین کی صحبت عطا فرمائے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان و دیگر علمائے اہلسنت کی کتابوں کے مطالعہ کی توفیق بخشے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ سیّد المرسلین صلواۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از غفران احمد موہنا پور ڈھالا آرا مشین۔ پورند پور ضلع گورکھپور

معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہوئے یہ واقعہ صحیح ہے کہ نہیں اگر صحیح ہے تو کتاب کا حوالہ تحریر کریں اور اگر صحیح نہیں ہے تو مولوی لوگ کیوں بیان کرتے ہیں؟

الجواب: فتاویٰ افریقہ میں ہے کہ تفریح الخاطر وغیرہ میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دوش مبارک پر پائے انور رکھ کر براق پر تشریف فرما ہوئے اور بعض کے کلام میں ہے کہ عرش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جاتے وقت ایسا ہوا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ رذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد اسرائیل رضوی مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا بستی

(۱) زید کہتا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کا یہ قول صحیح ہے۔ اگر صحیح نہیں ہے تو از روئے شرع زید کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) بکر کہتا ہے کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بکر کا قول صحیح ہے اور شرعاً بکر کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱) بہت سی ایسی حدیثیں آئی ہیں جن کا ظاہر یہ ہے کہ جان بوجھ کر نماز ترک کردینا کفر ہے اور بعض صحابہ مثلاً امیر المومنین حضرت فاروق اعظم و عبدالرحمٰن بن عوف و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس و جابر بن عبداللہ و معاذ بن جبل و ابوہریرہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی مذہب تھا کہ قصداً نماز ترک کرنا کفر ہے اور بعض ائمہ مثلاً امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مبارک اور امام نخعی رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب تھا، اور امام اعظم و دیگر ائمہ نیز بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے کی تکفیر نہیں کرتے۔ لہٰذا زید کا قول بہت سے صحابۂ کرام اور ائمہ کے مذہب پر صحیح ہے، اور امام اعظم نیز بہت سے صحابہ کے مذہب پر صحیح نہیں اگر زید حنفی ہے تو اس پر لازم ہے کہ قصداً نماز ترک کرنے والے کو مذہب حنفی کے مطابق کافر کہنے سے کف لسان کرے اسی میں احتیاط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہ کہنا کہ "کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا" قرآن مجید کی آیت کریمہ کا انکار اور کفر ہے پ ۱ ع ۴ میں ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ لہٰذا بکر پر توبہ و تجدید ایمان لازم ہے، اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد علی رضوی

(۱) شہر میں دیوبندیوں اور صلح کلیوں نے ایک جلسہ کیا اور ایک سنی عالم سے صدارت کے لئے کہا جواب میں سنی مولوی نے کہا کہ میں ایسے اسٹیج پر جس میں وہابی دیوبندی گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں اور تقریریں کریں اس اسٹیج پر پیشاب بھی نہیں کروں گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کہنے والوں پر شریعت مطہرہ کے جانب سے کوئی توبہ عائد نہیں ہوتی؟

(۲) زید نے عرصہ ہوا اپنی تقریر میں بیان کرتے ہوئے فضائل درود پر زور دیا اور کہا: خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور درود پڑھنا عبادت ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ بھی (معاذ اللہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے۔ اس تقریر پر لوگوں نے سخت اعتراض کیا اور بہت ملامت کی تو زید نے مہینوں کے بعد جبراً و قہراً توبہ کی مگر تجدید نکاح آج تک نہیں کیا۔ ایسے شخص کے لئے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

(۱) سنی مولوی کا یہ جملہ کہ "جس اسٹیج پر گستاخان خدا اور رسول وہابی دیوبندی موجود ہوں اور تقریریں کریں اس اسٹیج پر پیشاب بھی نہیں کروں گا۔ اس اسٹیج سے شدید بیزاری ظاہر کرنے کے لئے ہے، اور بے شک ہمیں خدا اور رسول جل جلالہ و صلی اللہ

علیہ وسلم نے دشمنان دین وگستاخ مرتدین سے بیزار ہی رہنے کا حکم دیا ہے۔ ایسا جملہ بولنے والا شرعاً مجرم نہیں۔ ہاں جہاں فتنہ فساد پھیلانے والوں کا غلبہ ہے وہاں اس انداز وطرز کا جملہ بولنے کی بجائے ایسا جملہ استعمال کرنا چاہئے جو صاف صاف بیزاری اور دلالت کرے اور جس میں ارباب فساد کو غلط معنی پہنانے کا موقع نہ ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید کا یہ جملہ ''کہ لہٰذا خدا تعالیٰ بھی (معاذ اللہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے'' اشد ترین خبیث ملعون کفر ہے زید قطعی طور پر کافر و مرتد ہوگیا۔ لا الہ الا اللہ لامعبود الا اللہ۔ زید پر اس ملعون کلمۂ کفریہ سے توبہ کرنا اور ازسرنو کلمۂ اسلام پڑھنا اور نئے مہر پر بیوی سے نکاح کرنا فرض ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر زید نے لوگوں کے محض دباؤ سے توبہ کی ہے تو شرعاً یہ توبہ نہیں زید کافر کا کافر ہی رہے گا اور اس صورت میں تجدید نکاح کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں پھر تاوقتیکہ زید نادم ہوکر توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح نہ کرے تمام مسلمان اس سے سلام وکلام وغیرہ سارے اسلامی تعلقات منقطع کرلیں۔

واللہ رسولہ اعلم وجل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

مسئلہ: از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سوریہ نگر اسلام پورہ وکرولی بمبئی ۸۳

ہمارے یہاں سنی وہابی کا جھگڑا ہو رہا تھا تو اس جھگڑے کے دوران پیر طریقت عبدالرشید عرف منا میاں قادری نقشبندی ربانی فیض آبادی نے بڑی دلیری کے ساتھ ان کلمات کو ادا کیا ہے کہ ''مسلمان مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا لڑائی کرتے ہیں۔ ہمارے مذہب سے تو اچھا ہندوؤں کا مذہب ہے کہ ان لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ صبح وشام دوا گربتی لے جاکر جلاکر پوجاپاٹ کرلیتے ہیں پھر دوسرے دن ایک پنڈت سے کہتے ہیں کہ میں تمہارے مذہب میں آگیا'' تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت مطہرہ کیا کہتی ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: شخص مذکور اپنے کلمات مذکورہ کے سبب کافر ومرتد ہوگیا اور بیوی والا ہو تو اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ علانیہ توبہ واستغفار کرنا اس پر لازم ہے' اور بیوی کو رکھنا چاہئے تو تجدید نکاح کرے اور کسی سے مرید ہو تو تجدید بیعت بھی کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ اس کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سلام وکلام اور شادی بیاہ میں شرکت وغیرہ ہر قسم کے تعلقات اس سے منقطع کردیں ورنہ وہ بھی گنہ گار ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد عارف متعلم مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا۔ ضلع بستی۔

زید کہتا ہے کہ مسلمانوں کو دیکھ کر میرا خون جل جاتا ہے مسلمانوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتا ہوں بالخصوص نمازی اور داڑھی رکھنے والے مسلمانوں کو اس لئے کہ یہ سب غدار و بے ایمان ہوتے ہیں ان سے مجھے نفرت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میری

ولادت مسلمان کے گھر ہوگئی۔ لیکن میں عنقریب ہی آریہ سماج کا مذہب اختیار کرلوں گا۔ اس لئے کہ غیر مسلموں کا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے اچھا ہے۔ مسلمانوں کے دین میں معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ ہی جھوٹ داخل ہے۔ پھر یہ بھی کہتا ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھنے سے کیا ہوتا ہے؟ تو شریعت مطہرہ کا زید پر کیا حکم جاری ہوگا' اور مسلمان حضرات زید سے کیسا تعلق اختیار کریں' اس سے سلام وکلام، کھانا پینا، جاری رکھیں یا ترک کردیں اور پھر ایسے شخص سے جو سلام وکلام کھانا، پینا جاری رکھے اس کے اوپر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بعون الملك الوهاب۔ صورت مستفسرہ میں برصدق مستفتی زید اپنے اقوال کفریہ مذکوہ کی بناء پر کافر، مرتد بے دین و بے دھرم ہوگیا۔ اس پر واجب ہے کہ فوراً تجدید ایمان اور توبہ واستغفار کرے اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا، بیٹھنا اور سلام وکلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات ختم کر کے پورے طور پر اس کا بائیکاٹ کریں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو زید کے ساتھ وہ بھی سخت گنہ گار لائق عذاب قہار ہوں گے۔ هٰذا ماعندی والعلم بالحق عندالله تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی جل جلاله وصلی الله علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ررجب المرجب ۱۳۸۲ھ

مسئلہ: از مرزا کفایت اللہ بیگ پچھی نگر (راج نیپال) ۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

زید ایک خالص شرعی مسئلہ کی بنیاد پر (جو اس کے مقصد کے خلاف تھا) بلاتحقیق ایک مستند باعمل عالم دین جو اپنی مخلصانہ دینی خدمت کی بناء پر مرجع خواص وعوام ہے، گالی دیتا ہے توہین کرتا ہے' اور بلا ثبوت شرعی الزام عائد کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اوپر کون سا حکم شرع عائد ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے آدمی سے تعلقات کس طرح رکھنے چاہئیں؟ کیا اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے بھی ہے کہ عالم دین کی توہین کرنا کفر ہے؟ جواب مع ثبوت وحوالہ کے تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں کیا ایسا آدمی کسی دینی مدرسہ کا ذمہ دار بھی ہوسکتا ہے؟

الجواب: بلاوجہ شرعی باعمل سنی عالم دین کو گالی دینے والا اور توہین وتنقیص کرنے والا سخت گنہ گار مستحق عذاب نار ہے بلکہ اس کے کافر ہونے کا اندیشہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم مصری ص ۲۴۳ میں ہے: یخاف علیه الکفر اذا شتم عالما اوفقیها من غیر سبب۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں برصدق مستفتی زید اس عالم دین سے معافی مانگے اور توبہ واستغفار کرے عالم دین کی عالم ہونے کے سبب توہین کرنا کفر ہے۔ بہار شریعت جلد نہم ص ۱۷۲ میں ہے: "علم دین اور علماء کی توہین بے سبب یعنی محض اس وجہ سے کہ عالم علم دین ہے کفر ہے، انتہیٰ بالفاظہ۔ جو باتیں زید کے بارے میں بیان کی گئی ہیں اگر صحیح ہیں تو ایسا شخص قبل معافی اور توبہ کسی دینی مدرسہ کا ذمہ دار بھی نہیں ہوسکتا۔ هو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: مسئولہ احمد عرف بلو پہلوان متولی جامع مسجد اترولہ ضلع گونڈہ

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام کے نام کے ساتھ بجائے پورا درود یا سلام لکھنے کے صرف ''صلعم'' یا ''ص'' یا ''ع'' نیز صحابہ کرام اور اولیاء عظام کے نام کے ساتھ ''رض'' اور ''رح'' لکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے مبارک ناموں کے ساتھ بجائے پورا درود یا سلام کے صرف ''صلعم'' یا ''ص'' یا ''عہ'' یا ''عم'' لکھنا اگر شان انبیاء کی تخفیف کے لئے ہو تو کفر ہے۔ علامہ سیّد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں: فتاوٰی تاتارخانیہ سے منقول ہے: من کتب علیہ الصلاۃ والسلام بالھمزۃ والمیم یکفر لانہ تخفیف وتخفیف الانبیاء کفر۔ یعنی جو انبیاء کرام علیہ الصلاۃ والسلام کے نام میں علیہ السلام کی جگہ عہ،م (یا صلعم،عہ) لکھے تو کافر ہو جائے گا کیوں کہ ایسا لکھنا ان کی شان کو ہلکا کرنا ہے' اور یہ یقیناً کفر ہے' اور اگر صرف کاہلی' نادانی اور جہالت سے ایسا کیا تو کفر نہیں مگر حرام اور ناجائز ضرور ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام اور اولیاء عظام رضی اللہ عنہم کے مبارک ناموں کے ساتھ ''رض'' اور ''رح'' بھی لکھنا نہیں چاہیے کہ علماء کرام نے مکروہ اور باعث محرومی بتایا ہے۔ چنانچہ علامہ سیّد طحطاوی فرماتے ہیں: یکرہ الرمز بالترضی بالکتابۃ یعنی رضی اللہ عنہم کی جگہ ''رض'' لکھنا مکروہ ہے' اور بہار شریعت ص ۲۹۵ میں ہے: اکثر لوگ درود شریف کے بدلے صلعم، عم، ص، ع لکھتے ہیں یہ ناجائز اور سخت حرام ہے۔ یوں ہی رضی اللہ عنہ کی جگہ ''رض'' اور رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ ''رح'' لکھتے ہیں یہ بھی نہ چاہئے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲؍ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ

مسئلہ: از نثار احمد مہراج گنج پوسٹ جوت چاند پارہ ضلع بہرائچ یو پی

(۱) چاند کا جائے وقوع کیا ہے۔ انسان کی اس پر رسائی و رہائش ممکن ہے یا نہیں؟ بینوا بالبراھین وتوجروا عند احکم الحاکمین۔

الجواب: بعون الملک الوھاب (۱) چاند کے محل وقوع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ آسمان کے نیچے ہے' اور جو چیز آسمان کے نیچے ہے حفاظتی تدابیر کے ساتھ اس پر انسان کی رسائی و رہائش ممکن ہے۔ قرآن مجید سورۂ انبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۳ کی آیت کریمہ: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ کے تحت علامہ ابوالبرکات نسفی (متوفی ۱۳۰۱ء) تفسیر مدارک التنزیل جلد ثالث ص ۷۸ میں فرماتے ہیں: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما الفلک السماء و الجمھور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تحرک فیہ

الشمس والقمر والنجوم اھ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فلک (جس میں شمس وقمر تیر رہے ہیں) آسمان ہے اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ فلک آسمان کے نیچے ایک کھڑی ہوئی موج ہے جس میں سورج چاند اور ستارے تیر رہے ہیں۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۸؍من رجب المرجب ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح: علامہ جیلانی الاعظمی۔

مسئلہ: زید کامل اکمل مسلم اہلسنت وجماعت صحیح العقیدہ عرصہ دراز سے کسی بیماری میں مبتلا رہا۔ ایک کافر غیر مسلم نے خود اس کی بیماری دیکھ کر کہا کہ تمہارے اوپر بیار ہے اگر ہم کو تم پوجا دو پٹھیا، دھوتی، کراہی، شراب تو میں اس بیار کو پکڑلوں۔ صحیح العقیدہ نے کہا کہ تم بیار کو پکڑلو اگر میں صحت مند ہو جاؤں گا تو پوجا دے دوں گا۔ زید کو صحت حاصل ہوگئی اور اس نے پوجا کا سارا سامان دے دیا تو اب اس پر کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید پر توبہ تجدید ایمان فرض ہے اگر بیوی والا ہے تو تجدید نکاح بھی کرے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم

کتبہ: بدرالدین احمد، ۲۷؍شوال ۱۳۷۶ھ

مسئلہ: از محمد بشیر قادری چشتی دفل ڈیہہ ضلع گونڈہ

(الف) زید ایک چمار کی لڑکی لا کر اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتا ہے اس کا پکایا ہوا کھانا کھاتا ہے اور اس سے حرام کاری بھی کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اور زید کے گھر والے دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے یا نہیں؟

(ب) زید اور زید کے گھر والوں کو مسجد کے اندر نماز پڑھنے سے روکنا جرم ہے یا نہیں؟

(ج) زید اور زید کے گھر والوں پر شرعاً کوئی کفارہ لازم ہے یا نہیں؟ (د) اگر اس چمار کی لڑکی کو مسلمان کیا جائے تو کیا طریقہ ہے۔ دیہات میں کافرہ کو مسلمان کر کے اس سے نکاح پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

(ہ) زید اور زید کے گھر والوں کو تجدید ایمان اور تجدید بیعت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: (الف) زید اور اس کے گھر والے دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوئے لیکن زید زیادہ سخت گنہ گار ہوا اور اس کے گھر والے اگر زید کے اس فعل سے راضی ہیں تو وہ بھی گنہ گار ہوئے ورنہ نہیں۔ (ب) زید اور اس کے گھر والے جبکہ مسلمان ہیں تو انہیں مسجد کے اندر نماز پڑھنے سے روکنا یقیناً جرم ہے۔ (ج) زید اور اس کے گھر والوں پر شرعاً کوئی کفارہ نہیں لیکن زید کو اس چمار کی لڑکی سے الگ ہونا اور لوگوں کے سامنے اس فعل قبیح سے توبہ کرنا واجب اور لازم ہے اور زید کے گھر والے اگر اس فعل سے راضی ہوں تو وہ بھی توبہ کریں۔ (د) کسی کو دائرۂ اسلام میں لانے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسے نہلایا جائے پھر کفر

سے توبہ کروا کے کلمۂ طیبہ پڑھا دیا جائے۔ دیہات میں ہو یا شہر میں جو مسلمان ہو جائے اس سے نکاح جائز ہے۔ (ہ) زید اور اس کے گھر والوں کو تجدید ایمان اور تجدید بیعت ضروری نہیں، مگر کر لینا بہتر ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد، ۲۷ر ذی الحجہ ۷۶ھ

مطابق ۲۶ر جولائی ۵۷ء

مسئلہ: از محمد ہارون خاں مدرسہ اسلامیہ ہراپٹی مہنداوں

زید نے برسرِ عام چائے کی دوکان پر بہت سے لوگوں کی موجودگی میں دوران بحث و گفتگو حسب ذیل الفاظ کہے: علماء کی بات جو مانے گا سیدھا جہنم میں جائے گا۔ بعد میں جب کچھ لوگوں نے زید سے کہا: تمہارا ایسا کہنا ٹھیک نہیں ہے تو اس نے کہا کہ میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شخص مذکور پر از روئے شرع کیا حکم لاگو ہوتا ہے۔ اس اصرار پر اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟

الجواب: زید جھوٹا، شدید فاسق، فتنہ پرور، فساد انگیز اور موذی ہے۔ اس پر توبہ و استغفار واجب ہے۔ جن مسلمانوں کے سامنے اس نے یہ ملعون جملہ کہا ان سے معافی مانگے اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح بھی کرنا مناسب ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جب تک زید توبہ و استغفار نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ اسلامی تعلقات قائم نہ رکھیں۔ پنچایت کر کے اس کے بارے میں قطع تعلقی کا اعلان کر دیں۔ لیکن اگر زید کا مذکورہ بالا جملہ خاص علمائے سوء یعنی باطل پرست مولویوں کے بارے میں ہے تو اس پر یہ احکام نافذ نہیں، مگر طرزِ تعبیر محتاجِ اصلاح ہے۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ المولٰی علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ر رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از جان محمد مقام و پوسٹ مچھلی گاؤں بازار ضلع گونڈہ

زید کے آباء و اجداد مسلمان تھے اور وہیں خود زید بھی مسلمان تھا مگر مشرکین کی سازش اور پرانی دشمنی کی وجہ سے زید کو جگدیون مشرک نے اپنے دھرم کا ایک دھاگا پہنا دیا ساتھ ہی اس مشرک نے زید کو اپنے دھرم کی دو باتیں بھی بتائیں جس پر زید چلنے لگا مگر اب عرصہ دو ماہ سے زید اس غلط مذہب سے تائب ہو چکا ہے۔ نماز پڑھتا، روزہ رکھتا نیز اسلام کے دوسرے ارکان بھی کر رہا ہے مسلمانوں نے اندرون مسجد زید سے توبہ کرائی اس نے توبہ کی اسی رمضان المبارک میں الوداع کی نماز پڑھ کر زید اپنے گھر واپس آ رہا تھا کہ ایک مشرک نے اسے روکا اور کہا کہ میرے پیر کی انگلی میں درد ہے ذرا دیکھ لو زید دیکھنے لگا اسی دوران کئی مشرک آ گئے اور زبردستی اسے پکڑ کر زید کے اوپر شراب کی بوتل انڈیل دی اور مشرکین نے یہ کہا کہ اب تم نماز پڑھنے کے لائق

نہیں رہے تمہارے اوپر خنزیر کا تیل ڈال دیا گیا۔ زید نے اپنے گھر آکر غسل کیا اور حسب عادت نماز و روزہ اور دوسرے دینی ارکان ادا کرتا رہا۔ زید کی برادری کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں علمائے دین کے پاس استفسار کیا جائے، جو شرعی حکم بیان کریں گے، برادری کے لوگ تسلیم کرلیں گے۔ لہٰذا حضور والا سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ مذکورہ بالا تحریر کے پیش نظر حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب
صورت مستفسرہ میں مسلمان ہونے کے سبب زید کے اوپر شراب یا خنزیر کا تیل ڈالا گیا تو وہ مظلوم ہے اس پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں بلکہ ظلم کئے جانے کے سبب اسے ثواب ملا۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ر شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از طفیل احمد قادری چشتی بھدوکھر ضلع بستی

(۱) منافق کسے کہتے ہیں؟
(۲) زید سنی صحیح العقیدہ علماء اہلسنّت کے اقوال حقہ کو مانتا ہے حافظ قرآن مجید بھی ہے بکر نے اسے محض اپنی امامت میں روڑا سمجھتے ہوئے علی الاعلان متعدد بار منافق کہا۔ کیا زید کو ایسی صورت میں منافق کہنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو مع حوالہ تحریر فرمائیں اور اگر نہیں جائز ہے تو اس کا الزام کس حد تک ہے؟
(۳) اگر کسی نے بکر سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم کیا تو یہ حکم شرعاً کس جرم میں شمار ہوگا؟

الجواب: (۱) سورۂ بقرہ رکوع اوّل کی آیت کریمہ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ الخ کے تحت تفسیر خازن میں ہے کہ کفر کی چار قسمیں ہیں جن میں سے ایک ہے: كفر نفاق وهو ان يقر بلسانه ولايعتقد صحة ذٰلك بقلبه یعنی کفر نفاق یہ ہے کہ آدمی زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر دل سے اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے، اور ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ادرك الاذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجته وهو لايريد الرجعة فهو منافق یعنی اذان کے بعد جو شخص مسجد سے چلا گیا اور کسی حاجت کے لئے نہیں گیا اور نہ اس کا واپس ہونے کا ارادہ ہے تو وہ منافق ہے، اور مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اربع من كن فيه كان منافقا خالصاً ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها اذا اؤتمن خان واذا احدث كذب واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر۔ یعنی جس میں یہ چار باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان خصائل میں سے ایک ہوگی اس میں ایک خصلت نفاق کی پائی جائے گی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے۔ جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو دغا کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: صاحب ایں خصال منافق نیست بلکہ مراد آن ست کہ ایں صفات لائق منافقاں ست وسزاوار بحال مسلمانان آنست کہ ازینہا پاک ومبرا باشند (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۷۵) ثابت ہوا کہ منافق کی دو قسمیں ہیں۔ منافق اعتقادی اور منافق عملی۔ منافق اعتقادی وہ شخص ہے جو زبان سے اپنے اسلام کو ظاہر کرے اور دل میں کفر کو چھپائے رکھے جیسے عبداللہ بن ابی وغیرہ۔ قرآن مجید کی آیت کریمہ: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ط اسی منافق اعتقادی کے بارے میں ہے جو کافروں کی بدترین قسم ہے اور منافق عملی وہ شخص ہے کہ جس کے ایمان میں خرابی نہ ہو مگر سیرت وکردار میں نفاق ہو جیسے کذاب، خائن اور بدعہد وغیرہ۔

(۲) زید کو بکر کے منافق کہنے کی دو صورتیں ہیں: اوّل یہ کہ منافق اعتقادی یعنی کافر جان کر کہا تو یہ کفر ہے اس صورت میں بکر پر توبہ اور تجدید نکاح واجب ولازم ہے۔ دوسرے یہ کہ منافق عملی جان کر کہا کہ احادیث کریمہ میں جس کے اعمال وکردار میں نفاق ہو اسے منافق کہا گیا ہے تو یہ کفر نہ ہوا۔ اس صورت میں بکر پر تجدید ایمان وتجدید نکاح واجب نہ ہوگا مگر کسی سنی صحیح العقیدہ کو منافق کہنا جائز نہیں۔ لہٰذا بکر توبہ کرے۔

(۳) جس نے بکر کو تجدید ایمان وتجدید نکاح کا حکم دیا اس سے دریافت کیا جائے کہ اس نے بکر کے قول کو منافق اعتقادی پر محمول کیا ہے یا منافق عملی پر، اگر منافق اعتقادی پر محمول کیا تو تجدید ایمان ونکاح کا حکم صحیح ہے، مگر جس کلام کے دو معنی ہوں ایک کفری، دوسرا اسلامی تو متکلم کی مراد معلوم کئے بغیر کلام کو کفری معنی کی طرف پھیرنا اور قائل کو کافر سمجھ کر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دینا دیانت کے خلاف اور خیانت کی طرف مضاف ہے۔ شرح فقہ اکبر للملا علی القاری علیہ الرحمۃ الباری ص ۲۳۷ میں ہے: نقل صاحب المضمرات عن الذخیرۃ ان فی المسئلۃ اذا کان وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم ثم ان کان نیت القائل الوجہ الذی یمنع التکفیر فھو مسلم و ان کان نیتہ الوجہ الذی یوجب التکفیر لا ینفعہ فتوی المفتی ویومر بالتوبۃ والرجوع عن ذلک وبتجدید النکاح بینہ وبین امرأتہ۔ یعنی صاحب مضمرات نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں متعدد احتمالات (قائل کی) تکفیر کا سبب بنتے ہوں اور ایک احتمال تکفیر کا سبب نہ بنتا ہو تو مفتی کو چاہئے کہ اس احتمال کی طرف مائل ہو جس سے (اس کی) تکفیر نہ ہوتی ہو اس لئے کہ اس صورت میں مسلمان کے ساتھ حسن ظن ہے۔ پھر متکلم کی مراد اگر وہی معنی تھے جس سے اس کی تکفیر نہ ہوتی ہو تو اس لئے کہ اس صورت میں مسلمان کے ساتھ حسن ظن ہے۔ پھر متکلم کی مراد اگر وہی معنی تھے جس سے اس کی تکفیر نہ ہوتی تھی تب تو وہ مسلمان ہے اور اگر اس کی مراد وہ معنی ہیں جو کافر کہے جانے کا سبب ہیں تو (اس کے مسلمان ہونے کے متعلق) مفتی کا فتویٰ کچھ بھی مفید نہ ہوگا اور اس کو اس قول سے توبہ، رجوع اور اپنی بیوی سے تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ اھ۔ اور اگر بکر کے قول کو منافق عملی پر محمول کیا تو پھر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم کرنا صحیح نہیں بالخصوص جبکہ منافق کا لفظ یہاں کے اطلاق میں عملی کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ شخص تجدید ایمان اور

تجدید نکاح کے حکم سے رجوع کرے کہ اس میں ایک مومن کے لئے دینی اور دنیاوی تنگی پیدا کر رہا ہے۔ ھٰذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ ر ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: از نور محمد انصاری بدول بازار ضلع بستی

زید نے دوران تقریر کہا کہ نسبت سے شیء ممتاز ہوا کرتی ہے۔ مثلاً عام کتوں کو لوگ مارتے رہتے ہیں لیکن جس کتے کے گلے میں پٹہ پڑا ہوا تھا سے یہ سمجھ کر نہیں مارتے کہ یہ کسی بڑے آدمی کا کتا ہوگا۔ یعنی وہ کتا مالک سے نسبت کے سبب اور کتوں سے ممتاز ہوگیا۔ بلا تمثیل امت محمدیہ کو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہے کہ اس کے گلے میں حضور کی غلامی کا پٹہ پڑا ہوا ہے تو کیوں کر یہ قوم اور قوموں سے ممتاز نہ ہو۔ بکر کا یہ کہنا ہے کہ اس طرح بیان کرنا کفر ہے' تو اس کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بکر کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: بیان مذکور کفر نہیں ہے بکر کا قول غلط ہے اس پر اپنے قول سے رجوع اور توبہ واستغفار لازم ہے۔ ھٰذا ماظھر لی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۴ ر محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از ملا محمد حسین اوجھا گنج۔ ضلع بستی

کامل ایمان والا کون ہے؟

الجواب: حضور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو سچ جاننا اور حضور کی حقانیت کو دل سے ماننا ایمان ہے۔ جو شخص اس بات کا اقرار کرے اسے مسلمان سمجھا جائے گا بشرطیکہ اس کے کسی قول، فعل یا حال سے اللہ و رسول جل مجدہ وصلی اللہ علیہ وسلم کا انکار' تکذیب یا توہین نہ پائی جائے پھر جس شخص کے دل میں اللہ و رسول کی محبت تمام لوگوں پر غالب ہو اور اللہ و رسول کے محبوب سے محبت رکھے اگر چہ وہ اپنے دشمن ہوں' اور اللہ و رسول کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے والوں سے دشمنی رکھے' اگر چہ وہ اپنے عزیز ترین بیٹے ہی کیوں نہ ہوں' اور جو کچھ دے اللہ کے لئے دے اور جو نہ دے اللہ کے لئے نہ دے تو وہ کامل ایمان والا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احب للّٰہ وابغض للّٰہ واعطی للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان یعنی جو شخص اللہ کے لئے محبت رکھے اور اسی کے لئے دشمنی کرے اور اللہ ہی کے لئے دے اور اسی کے لئے روکے تو اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۱۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد عبدالوارث اشرفی الیکٹرک دوکان مدینہ مسجد ریتی روڈ گورکھپور

زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا شرک ہے اسی لئے صحابہ نے حضور کی تعظیم نہیں کی ہے لہٰذا اگر حضور کی تعظیم جائز ہے اور صحابہ نے حضور کی تعظیم کی ہے تو قرآن وحدیث کے حوالے سے تحریر فرمائیں؟

الجواب: حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو شرک کہنا وہابیوں دیوبندیوں کی جہالت ہے کہ حضور کی تعظیم شرک نہیں ہے بلکہ واجب ولازم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وتعزروہ توقروہ** یعنی رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔ (پ۲۶ ع۹) حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: **فاوجب اللّٰہ تعالٰی تعزیرہ و توقیرہ والزم الکرامہ وتعظیمہ** یعنی خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وتوقیر کو واجب قرار دیا اور ان کی تکریم وتعظیم کو لازم فرمایا (شفا شریف جلد۲، ص۲۸) یعنی آیت کریمہ میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا جو حکم دیا گیا ہے وہ واجب ولازم ہے، اور زید کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کی ہے اس لئے کہ صحابہ نے حضور کی بے انتہا تعظیم کی ہے حدیث شریف میں ہے کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے حدیبیہ کے مقام پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صلح کی گفتگو کرنے کے لئے آئے اس موقع پر صحابہ کو حضور کی تعظیم کرتے ہوئے جو انہوں نے دیکھا تھا واپسی کے بعد مکہ شریف کے کافروں سے ان لفظوں میں انہوں نے بیان کیا: **واللّٰہ لقد وفدت علی الملوك ووفدت علی قیصر وکسریٰ والنجاشی واللّٰہ ان رأیت ملکا قط یعظمہ اصحابہ ما یعظمہ اصحاب محمد محمدا۔ واللّٰہ ان تنخم نخامۃ الاوقعت فی کف رجل منھم۔ فدلك بھا وجھہ وجلدہ واذا امرھم ابتدروا امرہ واذا توضاء کادوا یقتتلون علیٰ وضوئہ وان اتکلم خفضوا اصواتھم عندہ وما یحدون النظر تعظیما لہ۔** یعنی قسم خدا کی! میں بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس طرح اس کی تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں خدا کی قسم! جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کا تھوک کسی نہ کسی آدمی کی ہتھیلی پر ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے، اور جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو فوراً ان کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے، اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ وضو کا مستعمل پانی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور جب ان کی بارگاہ میں بات کرتے ہیں تو اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں اور تعظیماً ان کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے۔ (بخاری شریف جلد اوّل ص۳۷۹)

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: **رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ بمکۃ وھو بالا بطح فی قبۃ حمراء من ادم ورأیت بلا لاخذ وضوء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ورایت الناس یبتدرون ذلك الوضوء فمن اصاب منہ شیئا تمسح بہ ومن لم یصب منہ اخذ من بلل ید**

صاحبہ یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ شریف کے ابطح مقام میں دیکھا جبکہ وہ چمڑے کے سرخ خیمہ میں فرماتے اور میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ انہوں نے حضور کے وضو کا مستعمل پانی ایک لگن میں لیا اور لوگوں کو دیکھا کہ کی طرف دوڑ رہے ہیں تو جس کو اس میں سے کچھ حاصل ہو گیا اس نے اپنے چہرہ وغیرہ پر اس کو مل لیا اور جس نے انہیں نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری لے لی۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ ص ۶۷) ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ صحابۂ کرام عنہم سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے بے انتہا تعظیم کرتے تھے۔ وہابی دیوبندی جو نہایت ادنیٰ درجہ کی تعظیم ہونے کو بھی شرک کہتے ہیں۔ خدا عزوجل انہیں صحابۂ کرام کے عقیدے اور ان کے ایمان و عمل سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔ بحرمته النبی الکریم علیه وعلٰی اله افضل الصلوات واکمل التسلیما۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالوارث اشرفی الیکٹرک دوکان مدینہ مسجد ریتی روڈ گورکھپور

مرتد کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وہ مرتد کہ جو کھلم کھلا اسلام سے پھر گیا اور جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا انکار کر دیا اس کے بارے میں شریعت کا یہ حکم ہے کہ حاکم اسلام اسے تین دن قید میں رکھے پھر اگر وہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دے (درمختار جلد سوم ص ۲۸۶) اور وہ لوگ جو کہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے ہیں اور نماز و روزہ بھی کرتے ہیں مگر اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی دوسرے نبی کی توہین کر کے مرتد ہو گئے تو وہ چاہے سنی بریلوی کہے جاتے ہوں یا وہابی دیوبندی بادشاہ اسلام کی توبہ نہیں قبول کرے گا یعنی انہیں قتل کر دے گا۔ فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: مرتد ارتداد سے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول ہے مگر بعض مرتدین مثلاً کسی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا کہ اس کی توبہ قبول نہیں توبہ قبول کرنے سے مراد یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد بادشاہ اسے قتل نہ کرے گا (بہار شریعت جلد نہم ص ۱۷۷) لیکن نبی کے گستاخ کو قتل کرنا چونکہ بادشاہ اسلام کا کام ہے، اور یہ ہمارے یہاں ممکن نہیں، تو اب موجودہ صورت میں مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ لوگوں کا مذہبی بائیکاٹ کریں، ان کا ذبیحہ نہ کھائیں، ان کے یہاں شادی بیاہ نہ کریں۔ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور قبرستان میں انہیں دفن ہونے دیں، مسلمان اگر ان کے ساتھ ایسا نہیں کریں گے تو گنہ گار ہوں گے۔ ارشاد خداوندی ہے: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ یعنی اور اگر شیطان تم کو بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھو (پ ۷ ع ۱۴) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ ظالموں کی طرف مائل نہ ہو کہ تمہیں (جہنم کی) آگ چھوئے گی۔ (پ ۱۲ ع ۱۰) وھو سبحانه و تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مسئولہ مولوی قیام الدین احمد خاں فیضی موضع پڑریا پوسٹ لوٹن ضلع بستی

سورۂ مومن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ (پ۲۴ ع۱۱) اور سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ارشاد خداوندی ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ (پ۲۶ ع۶) اور سورۂ فتح میں ارشاد ہے: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (پ۲۶ ع۹) دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں تو پھر ان آیات کریمہ میں ذنب یعنی گناہ کی نسبت حضور کی طرف کیسے کی گئی؟ اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب: بعون الملك الوهاب۔ بے شک سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: الانبياء عليهم السلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبائح حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ منزھون کی شرح میں لکھتے ہیں: ای معصومون یعنی سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام صغیرہ، کبیرہ، کفر اور بری باتوں سے معصوم ہیں (فقہ اکبر مع شرح ملا علی قاری ص۶۸) اور مذہب اصح پر انبیاء کرام کے لئے یہ عصمت قبل نبوت اور بعد نبوت دونوں زمانے میں ثابت ہے جیسا کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: هذه العصمة ثابتة للانبياء قبل النبوة وبعدها على الاصح (شرح فقہ اکبر ص۶۹) پھر قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب (گناہ) کی نسبت کیوں کی گئی؟ مفسرین کرام اور محققین عظام نے کئی معانی اس کے تحریر فرمائے ہیں۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ مومن کی آیت کریمہ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: الطاعنون فى عصمة الانبيآء (عليهم السلام) يتمسكون به ونحن نحمله على التوبة عن ترك الاولىٰ والافضل اوعلى ما كان قد صدرمنهم قبل النبوة وقيل ايضاً المقصود منه محض التعبد كما فى قوله ربنا واتنا وما وعدتنا على رسلك فان ايتآء ذٰلك الشى واجب ثم انه امرنا بطلبه وكقوله رب احكم بالحق مع انا نعلم انه لايحكم الابالحق۔ وقيل اضافة المصدرالىٰ الفاعل والمفعول فقوله واستغفر لذنبك من باب اضافة المصدرالى المفعول اى واستغفر لذنب امتك فى حقك۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت میں طعن کرنے والے اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں اور ہم اسے محمول کرتے ہیں اولیٰ اور افضل کے چھوڑنے سے توبہ کرنے پر۔ یا ان باتوں پر جو قبل نبوت انبیاء کرام سے صادر ہوئیں' اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ مقصود اس سے صرف اظہار بندگی کا طلب کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول (پ۴ع۱۱) میں ہے کہ اے ہمارے رب! اور ہمیں دے وہ جس کا تو نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ کیا ہے۔ اس لئے کہ اس چیز کا دیا جانا یقینی ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کی طلب کا حکم فرمایا اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول (پ۱۷ع۷) میں ہے کہ اے میرے رب! حق فیصلہ فرمادے۔ باوجودیکہ ہم جانتے ہیں وہ حق ہی فیصلہ فرمائے گا' اور بعض لوگوں نے کہا مصدر کی اضافت فاعل اور مفعول دونوں طرف ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ میں مصدر کی اضافت مفعول کی جانب ہے۔ یعنی آپ کی امت نے آپ کے حق میں جو گناہ کیا ہے اس کے لئے استغفار کریں (تفسیر کبیر جلد ہفتم ص۳۲۱)

اور یہی امام رازی سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آیت کریمہ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ يحتمل وجهين احدهما ان يكون الخطاب معه والمراد المومنون وهو بعيد لافراد المومنين و المومنت بالذكر وقال بعض الناس لذنبك اى لذنب اهل بيتك وللمومنين والمومنات اى الذى ليسوا منك باهل بيت. ثانيهما المراد هو النبى صلى الله عليه وسلم والذنب هو ترك الافضل الذى هو بالنسبة اليه ذنب وحاشاه من ذٰلك. یعنی وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ میں دو معنی کا احتمال ہے اوّل یہ کہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مراد مومنین ہیں مگر یہ معنی بعید ہے اس لئے کہ مومنین و مومنات کا ذکر الگ سے ہے اور بعض لوگوں نے کہا: لِذَنْۢبِكَ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اہل بیت کے لئے مغفرت طلب کریں اور دیگر مومنین و مومنات اہل بیت سے نہیں ہیں ان کے لئے بھی استغفار کریں۔ دوسرے یہ کہ مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور گناہ افضل کا ترک ہے جو حضور کے لحاظ سے گناہ ہے اور وہ اس سے مستثنیٰ ہیں (تفسیر کبیر جلد ہفتم ص۵۲۱) اور پھر یہی امام رازی سورۂ فتح کی آیت کریمہ: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: لم يكن للنبى صلى الله عليه وسلم ذنب فماذا يغفرله قلنا الجواب عنه قد تقدم مرارا من وجوه احدها المراد ذنب المومنين ثانيها المراد ترك الافضل ثالثها الصغائر فانها جائزة على الانبياء بالسهو والعمد ويصونهم عن العجب. یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گناہ نہیں ہے تو کیا معاف کیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب متعدد بار کئی طریقے سے گزر چکا ہے اوّل یہ کہ مراد مومنین کا گناہ ہے دوسرے یہ کہ ترک افضل ہے۔ تیسرے یہ کہ گناہ صغیرہ مراد ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر وہ سہواً و عمداً جائز ہیں اور خدا تعالیٰ فخر و غرور سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ہفتم ص۵۳۳)

اور عارف باللہ حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ مومن کی آیت کریمہ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: اى اطلب المغفرة من ربك لذنبك والمقصود من هٰذا الامر تعليم الامة ذٰلك والافرسول الله صلى الله عليه وسلم معصوم من الذنوب جميعًا صغائر وكبائر قبل النبوة وبعد ها على التحقيق كجميع الانبياء. واجيب ايضاً ان الكلام على حذف مضاف والتقدير واستغفر لذنب امتك واجيب ايضاً بان المراد بالذنب خلاف الاولٰى وسمى ذنبا بالنسبة لمقامه من باب حسنات الابرار سيئات المقربين. یعنی اپنے رب سے اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرو اور اس حکم کا مقصد امت کو اس کی تعلیم دینا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صغیرہ و کبیرہ سب گناہوں سے قبل نبوت اور بعد نبوت سارے انبیاء کرام کی طرح معصوم ہیں تحقیق یہی ہے اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ آیت کریمہ میں مضاف محذوف ہے تقدیر کلام ہے واستغفر لذنب امتك. یعنی اپنی امت کے گناہ کی مغفرت

طلب کرو اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ گناہ سے مراد خلاف اولیٰ ہے اور گناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کے لحاظ سے کیا گیا ہے جو اس قبیل سے ہے کہ اچھے لوگوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔ (تفسیر صاوی جلد چہارم ص ۱۰)

اور سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آیت مبارکہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا: قيل له ذلك مع عصمته لتستن بداامه۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرو باوجودیکہ وہ معصوم ہیں تا کہ حضور کی امت ان کی پیروی کرے (تفسیر جلالین ص ۴۲۱) اس پر حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قوله لتستن به امته اى تقتدى به وهٰذا احد اوجه فى تاويل الاية وهو احسنها۔ وقيل المراد بذنبه ذنب ال بيته۔ یعنی علامہ محلی کا قول لتستن الخ کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کی پیروی کرے اور یہ آیت کریمہ کی تاویلوں میں ایک بہترین تاویل ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ حضور کے گناہ سے آپ کے اہل بیت کا گناہ مراد ہیں۔ (صاوی جلد چہارم ص ۷۶) اور سورۂ فتح کی آیت کریمہ: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ کی تفسیر میں علامہ صاوی تحریر فرماتے ہیں: اسناد الذنب له صلى الله عليه وسلم مؤول امابان المراد ذنوب امتك اوهومن باب حسنات الابرار سيئات المقربين اوبان المراد بالغفران الاحالة بينه وبين الذنوب فلا تصدرمنه لان الغفر هوالستر والستر امابين العبد والذنب اوبين الذنب وعذابه فاللائق بالانبياء الاول وبالامم الثاني۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گناہ کے منسوب ہونے کی تاویل کی گئی ہے یا تو اس طرح کہ آپ کی امت کا گناہ مراد ہے یا تو اس قبیل سے ہے کہ اچھوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں اور یا تو غفران سے مراد حضور اور گناہوں کے درمیان رکاوٹ پیدا کرنا ہے کہ گناہ آپ سے صادر نہ ہو اس لئے کہ غفر کا معنی ہے: پردہ اور پردہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بندہ اور گناہ کے درمیان۔ دوسرے گناہ اور اس کے عذاب کے درمیان، تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے پہلی صورت مناسب ہے اور امتیوں کے لئے دوسری صورت۔ (تفسیر صاوی جلد چہارم ص ۸۰)

اور حضرت علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آیت مبارکہ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کی تفسیر تحریر فرماتے ہیں: وفي القرطبي وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ يحتمل وجهين احدهما يعني استغفر الله ان يقع منك ذنب. الثاني استغفر الله ليعصمك من الذنوب یعنی قرطبی میں ہے کہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ دو معنی کا احتمال رکھتا ہے: اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو کہ تم سے گناہ صادر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ سے استغفار کرو تا کہ وہ تم کو گناہوں سے بچائے (تفسیر جمل جلد چہارم ص ۱۴۸) اور آیت مبارکہ سورۂ مومن کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ علاء الدین علی خازن رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: واستغفر لذنبك يعني الصغائر وهٰذا على قول من يجوزها على الانبياء عليهم الصلاة والسلام وقيل على ترك الاولى والافضل وقيل على ماصدرمنه قبل النبوة وعند من لايجوز الصغائر على الانبياء يقول هٰذا تعبد من الله تعالىٰ لنبيه صلى الله عليه وسلم ليزيده درجة ولتصير سنة لغيره من بعد۔ یعنی

اپنے گناہوں سے استغفار کا مطلب گناہ صغیرہ ہیں اور یہ اس مفسر کے قول پر ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر گناہ صغیرہ کو جائز ٹھہراتے ہیں، اور بعض لوگوں نے کہا کہ افضل اور اولیٰ کے ترک پر استغفار کا حکم ہوا، اور کچھ لوگوں نے کہا جو گناہ کہ قبل نبوت صادر ہوا اس پر استغفار مراد ہے، اور جو لوگ کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر گناہ صغیرہ کہ جائز نہیں ٹھہراتے وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار بندگی کا طلب کرنا ہے تا کہ ان کا درجہ بڑھائے اور استغفار دوسروں کے لئے ان کا طریقہ بن جائے (تفسیر خازن جلد ششم ص ۹۷) اور سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آیت کریمہ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کی تفسیر میں حضرت علامہ ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: وهو الذی ربما یصدر عنه علیه الصلاة والسلام من ترك الاولیٰ عبر عنه بالذنب نظرا الیٰ منصبه الجلیل کیف لاوحسنات الابرار سیئات المقربین۔ یعنی گناہ وہ ہے جو بسا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک اولیٰ پر صادر ہوتا ہے اسی کو آپ کے منصب جلیل کا لحاظ کرتے ہوئے گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اچھوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔ (تفسیر ابوالسعود مع تفسیر کبیر جلد ہفتم ص ۷۳۰)

اور حضرت علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ مومن کی آیت کریمہ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ای لذنب امتك یعنی اپنی امت کے گناہ کی مغفرت طلب کریں۔ (تفسیر مدارک جلد چہارم ص ۸۲) اور اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ ابومحمد حسین فراء بغوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: هٰذا تعبد من اللّٰه لیزیده به درجة ولیصیر سنة لمن بعده۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اظہار بندگی کو چاہنا ہے تا کہ اس کے سبب حضور کا درجہ بلند فرمائے اور آپ کے بعد استغفار لوگوں کا طریقہ ہو جائے۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ششم ص ۹۷)

اور اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنّت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سورۂ فتح کی آیت کریمہ پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقتاً ذنب بمعنی گناہ نہیں۔ ماتقدم سے کیا مراد لیا؟ وحی اترنے سے پیشتر کے اور گناہ کسے کہتے ہیں؟ مخالفت فرمان کو، اور فرمان کا ہے سے معلوم ہوگا؟ وحی سے، تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا؟ اور جب فرمان نہ تھا تو مخالفت فرمان کا کیا معنی؟ اور جب مخالفت فرمان نہیں تو گناہ کیا، اور جس طرح مَاتَقَدَّمَ میں ثابت ہو گیا کہ حقیقۃً ذنب نہیں یوہیں ماتاخر میں نقد وقت ہے۔ قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائزہ ہوئے کہ بعد کو فرمان ان کے منع پر اترا اور انہیں یوں تعبیر فرمایا گیا۔ حالاں کہ ان کا حقیقتاً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا۔ بعد نزول وحی وظہور رسالت بھی جو افعال جائزہ فرمائے اور بعد کو ان کی ممانعت اتری اسی طریقے سے ان کو ماتاخر فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعتہً۔ (فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۷۵)

اور پھر تحریر فرماتے ہیں: سورۂ مومن اور سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آیت کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مومن میں تو اتنا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ اے شخص! اپنی خطا کی معافی چاہ۔ کسی کا خاص نام نہیں کوئی دلیل تخصیص کلام کی نہیں۔ قرآن عظیم تمام جہاں کی ہدایت کے لئے اترا نہ صرف اس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک

آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز برپا رکھو یہ خطاب جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیام قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی۔ اسی قرآن عظیم میں ہے: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ کتب عامہ کا قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے۔ بداں اسعدك اللہ تعالٰی۔ میں کوئی خاص شخص مراد نہیں۔ خود قرآن عظیم میں فرمایا: اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى اَرَاَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ابوجہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا اس پر یہ آیات کریمہ اتریں کہ کیا تو نے دیکھا اسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے، بھلا دیکھ تو اگر وہ بندہ ہدایت رب ہوگا یا پرہیزگاری کا حکم فرمائے۔ یہاں بندے سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور مخاطب کی ہر سامع کی طرف بلکہ فرماتا ہے: فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ان روشن دلیلوں کے بعد کیا چیز تجھے روز قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہو رہی ہے۔ یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ ان میں بھی خاص منکرین قیامت مثل مشرکین آریہ و ہنود سے، یوں ہی دونوں سورۂ کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لئے ہے کہ "اے سننے والے! اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ"۔

(۲) بلکہ اس سورۂ آیت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں اس کی ابتدا یوں ہے: فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی معافی چاہ، تو یہ خطاب اس سے ہے جو ابھی لا الٰہ الا اللہ نہیں جانتا اور نہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے، تو معنی یہ ہوئے کہ اے سننے والے! جسے ابھی توحید پر یقین نہیں کسے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ تتمہ آیت میں اس عموم کو واضح فرمادیا کہ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ جہاں تم لوگ کروٹیں لے رہے ہو اور جہاں جہاں تم سب کا ٹھکانہ ہے۔ اگر فاعلم میں تاویل کرے تو ذنبك میں تاویل سے کون مانع ہے، اور اگر ذنبك میں تاویل نہیں کرتا تو فاعلم میں کیسے تاویل کر سکتا ہے؟ دونوں پر ہمارا مطلب حاصل اور مدعی معاند کا استدلال زائل۔

(۳) دونوں آیات کریمہ میں صیغۂ امر ہے، اور امر انشاء ہے، اور انشاء وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بغرض وقوع استغفار واجب نہ کہ یہ معاذ اللہ واقع ہوا جیسے کسی نے کہا اکرم ضیفك اپنے مہمان کی عزت کرنا اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود نہیں یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا ہی بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہوا تو یوں کرنا۔

(۴) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں قال اللہ تعالٰی: وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ آدم نے اپنے رب کی معصیت کی حالانکہ خود فرماتا ہے: فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ آدم بھول گیا ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اس پر مواخذہ خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ اے ہمارے ربّ! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

(۵) جتنا قرب زیادہ اسی قدر احکام کی شدت زیادہ ع ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے'' بادشاہ جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے اسی لئے وارد ہوا حسنات الابرار سیئات المقربین نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں۔ وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

(۶) ہر ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لئے ادنیٰ ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی، اردو، ہندی سب زبانوں میں رائج ہے۔ مکان کو جس طرح اس کے مالک کی طرف نسبت کریں گے یوہیں کرایہ دار کی طرف۔ یوہیں جو عاریت لے کر بس رہا ہے اس کے پاس ملنے آئے گا یہی کہے گا ہم فلانے کے گھر گئے تھے بلکہ پیائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں ایک دوسرے سے پوچھے گا تمہارا کھیت کئے جریب ہوا یہاں نہ ملک نہ اجارہ نہ عاریت اور اضافت موجود۔ یوں ہی بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں سے عطا ہوا تھا تو ذنب سے مراد اہل بیت کرام کی لغزشیں ہیں اور اس کے بعد وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ تعمیم بعد تخصیص ہے یعنی شفاعت فرمائیے اپنے اہل بیت کرام اور سب مسلمان مردوں عورتوں کے لئے اب اس جنون کا بھی علاج ہوگیا کہ پیروؤں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے۔ تعمیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اے میرے ربّ! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔

(۷) اسی وجہ سے آیت کریمہ سورۂ فتح میں لام لك تعلیل کا ہے' اور مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ تمہارے اگلوں کے گناہ اعنی سیدنا عبداللہ وسیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام وامہات طیبات باستثناء انبیاء کرام مثل آدم وشیث ونوح وخلیل واسمٰعیل علیہم الصلاۃ والسلام وما تاخر تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہل بیت وامت مرحومہ' تو حاصل آیت کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لئے فتح مبین فرمائی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے بخش دے تمہارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ والحمد للہ رب العٰلمین (فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص۷۸) وصلی اللہ علیہ وسلم علی النبی الکریم وعلیٰ الہٖ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد ہارون فاروقی سعدی مدن پور ضلع باندہ یو۔ پی

غوث صمدانی قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں حنفیہ کو گمراہ فرقوں میں سے شمار فرمایا ہے تو اس کا جواب کیا ہے؟ تحریر فرمائیں بے انتہا کرم اور بے پایاں نوازش ہوگی۔

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر

فرماتے ہیں: کتاب غنیۃ الطالبین کی نسبت حضرت شیخ محقق محدث عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال ہے کہ وہ سرے سے حضور پرنور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہی نہیں' مگر یہ نفی مجرد ہے' اور امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ اس کتاب میں بعض مستحقین عذاب نے الحاق کر دیا ہے فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں: وایاك ان تغتر بما وقع فی الغنیة لامام العارفین وشیخ الاسلام والمسلمین الاستاذ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فانہ دسہ علیہ فیہا من سینتقم اللہ منہ والافہو بریٔ من ذلك. یعنی خبردار دھوکہ کھانا اس سے جو امام الاولیاء سردار اسلام و مسلمین حضور سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی غنیۃ میں واقع ہوا کہ اس کتاب میں اسے حضور پر افترا کر کے ایسے شخص نے بڑھا دیا ہے کہ عنقریب اللہ عزوجل اس سے بدلہ لے گا۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ اس سے بری ہیں۔

ثانیاً: اسی کتاب میں تمام اشعریہ یعنی اہلسنّت و جماعت کو بدعتی، گمراہ، گمراہ گر لکھا ہے کہ خلاف ماقالته الاشعرية من کلام اللہ معنی قائم بنفسه واللہ حسیب کل مبتدع ضال مضل۔ کیا کوئی ذی انصاف کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ یہ سرکار غوثیت کا ارشاد ہے؟ جس کتاب میں تمام اہلسنّت کو بدعتی، گمراہ، گمراہ گر لکھا ہے اس میں حنفیہ کی نسبت کچھ تو کیا جائے شکایت ہے۔ لہٰذا کوئی محل تشویش نہیں۔

ثالثاً: پھر یہ خود صریح غلط ہے' اور افترا بر افترا ہے کہ تمام حنفیہ کو ایسا لکھا ہے۔ غنیۃ الطالبین کے یہاں صرف لفظ یہ ہیں کہ هو بعض اصحاب ابی حنیفة۔ وہ بعض حنفی ہیں اس سے نہ حنفیہ پر لازم آ سکتا ہے نہ معاذ اللہ! حنفیت پر۔ آخر یہ قطعاً معلوم ہے' اور سب جانتے ہیں کہ حنفیہ میں بعض معتزلی تھے جیسے زمخشری صاحب کشاف، و عبدالجبار و مطرزی صاحب مُغرب و زاہدی صاحب قنیہ و حاوی و مجتبیٰ پھر اس سے حنفیت و حنفیہ پر کیا الزام آیا؟ بعض شافعیہ زیدی رافضی ہیں اس سے شافعیہ و شافعیت پر کیا الزام آیا؟ نجد کے وہابی سب حنبلی ہیں پھر اس سے حنبلیہ و حنبلیت پر کیا الزام آیا؟ جانے دو رافضی، خارجی، معتزلی وہابی سب اسلام ہی میں نکلے اور اسلام کے مدعی ہوئے پھر معاذ اللہ! اس سے اسلام و مسلمین پر کیا الزام آیا؟

رابعاً۔ کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار میں بسند صحیح حضرت ابوالتقی محمد بن ازہر صریفینی سے ہے مجھے رجال الغیب کے دیکھنے کی تمنا تھی مزار پاک امام احمد رضی اللہ عنہ کے حضور ایک مرد کو دیکھا دل میں آیا کہ مردان غیب سے ہیں وہ زیارت سے فارغ ہو کر چلے یہ پیچھے ہوئے۔ ان کے لئے دریائے دجلہ کا پاٹ سمٹ کر ایک قدم بھر کا رہ گیا کہ وہ پاؤں رکھ کر اس پار ہو گئے۔ انہوں نے قسم دے کر روکا اور ان کا مذہب پوچھا فرمایا حنیفا مسلما وما انا من المشرکین۔ یہ سمجھے کہ حنفی ہیں حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں عرض کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور اندر ہیں دروازہ بند ہے ان کے پہنچتے ہی حضور نے اندر سے ارشاد فرمایا: اے محمد! آج روئے زمین پر اس شان کا کوئی ولی حنفی المذہب نہیں۔ کیا معاذ اللہ! گمراہ بد مذہب لوگ اولیاء اللہ ہوتے ہیں جن کی ولایت کی خود سرکار غوثیت نے شہادت دی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۴۸) خلاصہ یہ کہ اس زمانے میں جبکہ کتابیں بلکہ قلمی ہوا کرتی تھیں ان میں الحاق آسان تھا اسی لئے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں

بھی الحاقات ہوئے اور حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں تو اس قدر الحاقات ہوئے کہ شمار نہیں کئے جاسکتے۔ جن کو حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الیواقیت الجواہر'' میں بیان فرمایا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ خود میری زندگی میں میری کتاب میں حاسدوں نے الحاقات کردیئے۔ اسی طرح حکیم سنائی اور حضرت خواجہ حافظ شیرازی وغیرہما اکابرین کے کلام میں الحاقات ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحفۂ اثنا عشریہ میں بیان فرمایا تو اسی طرح غنیۃ الطالبین میں حنفیہ کا گمراہ فرقوں سے شمار الحاقات میں سے ہے' اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے ہی ایسا لکھا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضرت نے بعض اصحاب حنفیہ کو گمراہ فرمایا ہے جو فروعی مسائل میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے۔ جیسے کہ آج کل دیوبندی اور مودودی وغیرہ فروعی مسائل میں حضرت امام اعظم کی اتباع کرنے کے سبب حنفی کہلاتے ہیں اور گمراہ و بدمذہب ہیں۔ وھو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم جل شانہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ابرار احمد قادری، امجدی منزل اوجھا گنج ضلع بستی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ زید جو عالم دین ہے اسے معلوم ہوا کہ بکر نے خداوند قدوس کو گالی دی ہے اتفاق سے بکر اسی عالم دین کے پاس سیمنٹ کی بوریہ مانگنے آیا۔ عالم نے کہا کہ تم نے خدا تعالیٰ کو گالی دی ہے اس سے توبہ کرو تو ایک بوریہ کی بجائے ہم تمہیں دو بوریہ دیں گے۔ اگر توبہ نہیں کرو گے اور اسی حال میں مرجاؤ گے تو ہم تمہارا جنازہ نہیں پڑھیں گے نہ کسی کو پڑھنے دیں گے اور نہ مسلمان کے قبرستان میں دفن ہونے دیں گے۔ بکر نے عالم دین کی یہ باتیں سن کر توبہ نہیں کی اور بوریہ لئے بغیر اٹھ کر چلا گیا۔ دو ہی تین روز کے بعد بکر سخت بیمار ہوا اس عالم دین کو جب بکر کی بیماری کا علم ہوا تو پڑھے لکھے دو آدمیوں کو اس نے توبہ کرانے کے لئے بکر کے پاس بھیجا مگر وہ نزع کی حالت میں تھا توبہ کے الفاظ بھی نہ کہہ سکا۔ یہاں تک کہ مر گیا۔ کئی لوگوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نہیں وہ اکثر خدا تعالیٰ کو فحش گالیاں دیا کرتا تھا۔ چونکہ جس آبادی کا یہ معاملہ ہے وہاں اکثر لوگ جاہل اور گنوار ہیں اس لئے بکر کی موت کے بعد عالم دین نے فتنہ و فساد کے خوف سے یہ کہا کہ ہم اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے مگر دوسروں کو پڑھنے سے روکیں گے بھی نہیں۔ آبادی میں جب یہ بات مشہور ہوگئی کہ فلاں عالم دین جو مسائل شرعیہ زیادہ جاننے والے ہیں انہوں نے خداوند قدوس کو گالی دینے والے کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کردیا تو پھر کوئی اس کی نماز جنازہ پڑھنے کو تیار نہیں ہوا۔ بکر کی موت کے وقت جن لوگوں کو عالم دین نے توبہ کرانے کے لئے بھیجا تھا ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ جب ہم لوگوں نے اس سے توبہ کرنے کے لئے کہا تھا تو اس نے کچھ ہونٹ ہلایا تھا۔ عالم دین نے کہا کہ اگر آپ کو اطمینان ہو کہ اس نے توبہ کرلی ہے تو جاکر نماز جنازہ پڑھا دو' مگر وہ بھی نماز جنازہ پڑھنے کی ہمت نہ کرسکا۔ زید عالم دین کا بیان ہے کہ میں یقین کی حد تک جانتا تھا کہ میرے انکار کردینے کے بعد کوئی جنازہ نہیں پڑھے گا اس لئے میں

نے دوسروں کو روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' اور صرف انکار کر دینے ہی کو کافی سمجھا۔ آبادی کے کچھ مسلمان خدا تعالیٰ کو گالی دینے والے کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اسلامی طور وطریقہ پر اسے غسل وکفن دے کر مسلم قبرستان میں بغیر نماز جنازہ پڑھے ہوئے لے جا کر دفن کر دیا' اور دوسرے روز عالم دین مذکور کے خلاف پنچایت کیا کہ انہوں نے نماز جنازہ پڑھنے سے کیوں انکار کیا۔ پنچایت میں آبادی کے سابق پردھان نے گالی دینے والے کی حمایت میں عالم دین مذکور کی سخت توہین کی۔ عالم دین نے پردھان سے اپنی غلطی ماننے اور گالی دینے والے کی حمایت سے توبہ کرنے کو کہا مگر وہ غلطی ماننے اور توبہ کرنے کو تیار نہیں ہوا بلکہ برابر اس عالم دین کی مخالفت کر رہا ہے' اور گالی دینے والے کے گھر والوں کو اس قدر اس عالم دین کے خلاف ابھارا کہ وہ عالم دین کے سخت دشمن ہو گئے ہیں اور مار پیٹ پر آمادہ ہیں۔ عالم دین نے پردھان اور گالی دینے والے کے گھر والوں سے کہا آپ اس کی حمایت میں اڑے ہوئے ہیں تو اب گالی دینے والے کی نماز جنازہ نہ ہونے کا غم نہ کرو بلکہ اپنی نماز جنازہ کی فکر کرو' کہ گالی دینے والے کی حمایت کرنے والے بھی گالی دینے والے کے حکم میں ہو گئے مگر بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ پردھان کہتا ہے ہم توبہ نہیں کریں گے اپنے لڑکوں کو ہندی میں نماز جنازہ لکھا دیں گے وہ ہم لوگوں کی نماز جنازہ پڑھا دیں گے۔ اب دریافت طلب یہ امور ہیں۔

(۱) بکر خداوند قدوس کو گالی دینے کے بعد مسلمان رہ گیا یا کافر مرتد ہو گیا؟

(۲) خداوند قدوس کو گالی دینے والے کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ اور اسے اسلامی طور وطریقہ سے غسل وکفن دے کر مسلم قبرستان میں دفن کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) جن لوگوں نے اسے شریعت کے مطابق اعزاز کے ساتھ غسل و کفن دے کر مسلم قبرستان میں دفن کیا ان پر توبہ لازم ہے یا نہیں؟

(۴) کیا زید عالم دین پر اس کی نماز جنازہ پڑھنا فرض تھا؟ اگر نہیں تو انکار کے سبب پردھان نے جو اس عالم دین کی توہین کی اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۵) پردھان اور گالی دینے والے کے گھر والے جو اس کی حمایت پر اڑے ہوئے ہیں اور نماز جنازہ سے انکار کے سبب عالم دین سے دشمنی کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۶) اگر وہ لوگ اپنی غلطی نہ مانیں اور توبہ نہ کریں تو ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور زندگی میں مسلمان ان کے ساتھ کیا سلوک کریں؟ بینوا توجروا

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب ا و۲ و۳ خداوند قدوس کو گالی دینا کفر وارتداد ہے۔ لہٰذا بکر دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہو گیا۔ شفاء شریف اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے: (لاخلاف ان ساب الله تعالیٰ) یسبه الكلب اوالعجز ونحوذ لك (من المسلمين كافر حلال الدم بل واجب السفك۔ (ج ۲ ص ۳۹۱) اور جب کفر

بکنے کے بعد مطالبہ کے باوجود اس نے توبہ نہ کی اور اسی حالت میں مرگیا تو ہرگز ہرگز اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے تھی اور نہ ہی بروجہ سنت اسے غسل وکفن دے کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے تھا۔ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا حرام اشد حرام بلکہ کفرانجام ہے۔ عینی اور کنز میں ہے: ''(وشرطها) ای شرط الصلاة عليه (اسلام الميت) لقوله تعالىٰ ولاتصل علىٰ احدمنهم مات ابدا يعنى المنافقين وهم الكفرة'' (عینی علی الکنز ج۱ ص۶۵ مطبوعہ پاکستان) اسے کو بروجہ سنت غسل وکفن دے کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ناجائز ہے درمختار اور شامی میں ہے: ''(اما المرتد فيلقىٰ فى حفرة) اى لايغسل ولايكفن ولايدفن الىٰ من انتقل الىٰ دينهم، بحرعن الفتح'' (شامی مطبوعہ پاکستان ج۱ ص۲۳۰) جن لوگوں نے غسل وکفن دے کر مسلمانوں کے قبرستان میں اعزاز کے ساتھ اسے دفن کیا سخت گنہ گار مستحق عذاب نار ہوئے ان پر توبہ لازم ہے۔ فقط واللّٰه تعالىٰ اعلم۔

(۴) زید عالم دین پر شخص مذکور کی نماز جنازہ پڑھنے سے احتراز فرض تھا اور احتراز کی وجہ سے پردھان کا اس عالم دین کی توہین کرنا کفر ہے۔ الاشباہ والنظائر ص ۱۹۱ میں فرمایا: الاستهزا بالعلم والعلماء كفر پھر اس کی شرح غمز العیون (ج۲ ص ۲۰۲) میں فرمایا: قال فى البزازية الاستخفاف بالعلماء كفر، لكونه استخفا فابالعلم الخ مذکورہ پردھان پر توبہ، تجدید ایمان اور بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح اور عالم دین سے معافی مانگنا فرض ہے۔ واللّٰه تعالىٰ اعلم

(۵) شخص مذکور بکر کا کفر وارتداد واضح ہو جانے کے بعد جو لوگ بھی اس کی حمایت کررہے ہیں وہ اس کے کفر سے راضی ہونے کے باعث خود بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہو گئے۔ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری علیہ الرحمہ میں فرمایا: ''وفى الظهيرية. ان الرضا بكفر غيره ايضا كفر. وفى موضع اخرمنه الرضأ بالكفر كفر۔ (شرح فقہ اکبر للملا علی القاری علیہ الرحمہ الباری ص ۲۱۸) خداوند قدوس کو گالی دے کر بغیر توبہ مرجانے والے شخص کی نماز جنازہ سے انکار کے باعث عالم دین سے دشمنی کرنا ان کا کفر پر مزید اصرار اور خبث باطنی کا آئینہ دار ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا: ''ليس من امتى من لم يعرف لعالمنا حقه'' یعنی جو ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں۔ رواه احمد والحكم والطبرانى فى الكبير عن عباده بن الصامت رضى اللّٰه عنه (فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف اول ص ۴) دوسری حدیث میں ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''لايستخف بحقهم الامنافق بين النفاق'' یعنی ان کے حق کو ہلکا نہ سمجھے گا مگر کھلا منافق۔ رواه ابوشيخ فى التوبيخ عن جابر بن عبداللّٰه الانصارى رضى اللّٰه عنه۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف اول ص ۱۴۰) خلاصہ پھر فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''من ابغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر'' اور منح الروض الازہر سے ہے: ''الظاهر انه يكفر'' (فتاویٰ رضویہ ج۱۰ انصف آخر ص ۱۴۰) واللّٰه تعالىٰ اعلم

(۶) اگر وہ لوگ اپنی غلطی نہ مانیں اور بے توبہ مرجائیں تو ہرگز ہرگز ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی اور نہ ہی مسلمانوں کے طریقہ پر غسل وکفن دے کر انہیں مقابر مسلمین میں دفن کیا جائے گا' اور زندگی میں اگر وہ لوگ توبہ، تجدید ایمان اور بیوی والے

ہوں تو تجدید نکاح نہ کریں تو ان کے ساتھ مسلمانوں کو سلام وکلام، نشست وبرخاست اور مسلمانوں کا سا برتاؤ نا جائز وحرام ہو گا۔ علاقہ کے سبھی مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ ان کا شدید مقاطعہ اور سخت بائیکاٹ کریں تاکہ وہ توبہ پر مجبور ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ: محمد قدرت اللہ الرضوی غفرلہ

دار الافتاء فیض الرسول براؤں شریف

۲۲ رشوال المکرم ۱۴۱۱ھ

مسئلہ: از مکان ۱۲۰۶ محلہ اسلام پورہ مالیگاؤں ضلع ناسک

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں لفظ دشمن کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ اور لفظ دشمن کے معنی ومطلب کیا ہیں؟

(۲) کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کا دشمن ہو سکتا ہے؟ جواب صواب سے مرحمت فرمائیں۔

الجواب: دشمنانِ دین کے مقابلہ میں لفظ دشمن کا اطلاق خدا پر ہو سکتا ہے دشمن کے لغوی معنی یہ ہیں، مخالف، بیری، بدخواہ، حریف، رقیب، (فیروز اللغات ص ۵۹۵) اوّل الذکر معنی مراد لیتے ہوئے لفظ دشمن کے اطلاق میں شرعی جرم نہیں قرآن کریم میں ہے: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ (پ ۱ سورۂ البقرۃ) اس آیت کریمہ کا ترجمہ امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے کنز الایمان میں یوں کیا ہے: جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل ومیکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ اعلم

کتبہ: غلام عبد القادر العلوی

۱۱ ر رجب ۱۴۰۳ھ

كِتَابُ الطَّهَارَةُ

وضواور غسل کا بیان

مسئلہ: ازعبدالمبین نعمانی۔ذاکرنگر۔جمشید پور۔

عورتیں وضو میں سر کا مسح کس طرح کریں؟ کیا مردوں کی طرح یہ بھی گدی سے ہاتھ پیشانی پر واپس لائیں؟

الجواب: وضو میں سر کے مسح کا مستحب طریقہ دو طرح ہے: اوّل یہ کہ پوری ہتھیلیاں انگلیوں کے سرے تک تر کرکے پھر انگوٹھے اور کلمے کی انگلی کے سوا ایک ہاتھ کی باقی تین انگلیوں کا سرا دوسرے ہاتھ کی باقی تین انگلیوں کے سرے سے ملائے اور پیشانی کے بال یا کھال پر رکھ کر گدی تک مسح کرتا ہوا اس طرح لے جائے کہ ہتھیلیاں سر سے جدا رہیں پھر وہاں سے ہتھیلیوں سے مسح کرتا ہوا آگے تک واپس لائے جیسا کہ جوہرہ نیرہ عنایہ اور کفایہ میں ہے: اوللفظ للكفاية كيفيته ان يضع من كل واحدة من اليدين ثلاث اصابع على مقدم راسه ولايضع الابهام والسبحة ويجافي كفيه ويمدهما الى القفاثم يضع كفيه على مؤخرراسه ويمدهما الى المقدم اھ۔ فتاوی رضویہ میں مسح کے اس طریقے کو بہتر فرمایا اور بہار شریعت میں اسی طریقہ کو بیان کیا گیا' اور مسح کا دوسرا مستحب طریقہ یہ ہے کہ سب انگلیاں سر کے حصے پر رکھے اور ہتھیلیاں سر کی کروٹوں پر اور ہاتھ جمائے ہوئے گدی تک کھینچتا لے جائے بس۔ جیسا کہ فتاوی قاضی خاں اور عالمگیری میں ہے: واللفظ للهندية يضع كفيه واصابعه على مقدم راسه ويمدهما الى قفاه على وجه يستوعب جميع الراس اھ۔ شرح نقایہ اور عمدۃ الرعایہ میں اسی دوسرے طریقہ پر جزم کہا' اور فتاوی رضویہ میں فرمایا کہ سر کے مسح میں ادائے سنت کو یہ طریقہ بھی کافی ہے۔ ردالمحتار اور بحر الرائق میں ہے: قال الزيلعي تكلموا في كيفية المسح والاظهر ان يضع كفيه واصابعه على مقدم راسه ويمدهما الى القفا على وجه يستوعب جميع الراس اھ۔ طحاوی علی المراقی میں فرمایا وقال الزاهدى هكذا روى عن ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ اھ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: ازمحمد عبداللطیف، رپن اسٹریٹ کلکتہ

زید تین مرتبہ کہنیوں سمیت ہاتھ دھونے کے بعد کہنیوں سے ہتھیلی تک پانی بہاتا ہے پھر تین مرتبہ چلو میں پانی لے کر

کہنیوں تک بہاتا ہے تو اس طرح وضو کرنا کس قدر جائز یا ناجائز ہے؟ دلیل کے ساتھ فتویٰ عنایت فرمائیں۔

الجواب: وضو میں جس عضو کو جہاں تک دھونے کا حکم ہے اس مقدار کے ہر حصے پر ایک بار پانی بہانا فرض اور تین بار پانی بہانا سنت ہے خواہ تین بار پانی بہانے کے لئے کئی چلو پانی لینا پڑے یعنی تین چلو پانی لینا سنت نہیں بلکہ تین بار پانی بہانا سنت ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: تثلیث الغسل المستوعب ولا عبرة للغرفات اھ لہٰذا زید اگر کہنیوں سمیت ہاتھ کے ہر حصہ پر تین بار پانی بہانے کے بعد پھر کہنیوں سے ہتھیلیوں تک پانی بہاتا ہے تو اسراف و گناہ ہے لیکن اگر تین بار دھونے سے کہنیوں تک ہاتھ کے ہر حصے پر تین بار پانی نہیں بہتا اس لئے پھر کہنیوں سے ہتھیلیوں تک بہاتا ہے تو کوئی گناہ نہیں کہ ہر حصہ پر تین بار پانی بہانے کے حکم پر عمل کرتا ہے مگر پھر تین مرتبہ چلو میں پانی لے کر کہنیوں تک بہانا ضرور اسراف و گناہ ہے بشرطیکہ تبرید یعنی ٹھنڈک پہنچانا مقصود نہ ہو۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از حیدر علی متعلم دار العلوم منظر اسلام التفات گنج ضلع فیض آباد۔

زید نے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے وضو کیا اور اس کی نیت صرف نماز جنازہ پڑھنے کی تھی لیکن نماز جنازہ پڑھنے کے بعد اسی وضو سے نماز ظہر ادا کر لی تو اس کی نماز ظہر ادا ہوئی کہ نہیں؟ یا اسے نماز ظہر ادا کرنے کے لئے دوسرا وضو کرنا چاہئے تھا؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ زید نے جو وضو کہ صرف نماز جنازہ پڑھنے کی نیت سے کیا پھر اس وضو سے نماز ظہر پڑھی تو وہ ادا ہو گئی۔ کسی دوسرے فرض یا سنت کو ادا کرنے کے لئے بلا ناقض وضو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں۔ مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ غیر ولی کو اگر نماز جنازہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اجازت ہے کہ پانی پر قدرت کے باوجود تیمم کر کے نماز جنازہ میں شامل ہو جائے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۹ میں ہے: یجوز التیمم اذا حضرتہ جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطہارۃ ان تفوتہ الصلوٰۃ ولایجوز للولی وھو الصحیح ھٰکذا فی الھدایۃ۔ اس صورت میں تیمم کا جواز اس مجبوری کے سبب ہے کہ نماز جنازہ کی نہ قضا ہے نہ تکرار، مگر اس تیمم سے نہ وہ دوسری نمازیں پڑھ سکتا ہے اور نہ کوئی ایسا کام کر سکتا ہے کہ جس کے لئے باوضو ہونا شرط ہے اس لئے کہ پانی پر قدرت کے باوجود ایک عذر خاص کے سبب تیمم کو جائز قرار دیا گیا ہے تو وہ نماز جنازہ ہی تک محدود رہے گا کہ دوسری نمازوں کے لئے وہ عذر نہ رہا۔ مسئلہ تو صرف اسی قدر تھا مگر عوام نے اسے کچھ کا کچھ مشہور کر دیا حالانکہ جو شخص پانی پر قادر نہ ہو اگر نماز جنازہ کے لئے تیمم کر لے تو جب تک عذر باقی رہے گا وہ تیمم سب نمازوں کے لئے کافی ہوگا اور جب تیمم جو وضو کا خلیفہ ہے اس کے لئے یہ حکم ہے تو اگر نماز جنازہ کے لئے وضو کیا گیا جو اصل ہے تو وہ بدرجۂ اولیٰ سب نمازوں کے لئے کافی ہوگا۔ ھٰکذا فی الجزء الاول من الفتاویٰ الرضویۃ۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۱۸/ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از۔ محمد حنیف مدرسہ اسلامیہ جلال پور سکندرہ مدیاپور۔ ضلع کان پور۔

وضو کرنے کے بعد یا سنتیں پڑھنے کے بعد کبھی جمعہ کی نماز ختم ہونے کے بعد کبھی عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد منہ میں پاخانہ کی بو محسوس ہو اس وقت کیا کرنا چاہئے گاؤں میں جتنے کنویں ہیں ان میں تقریباً اسی طرح کا پانی ہوتا ہے کبھی حوضوں میں وضو کرنے کے بعد بو معلوم ہوتی ہے اور شہروں میں مساجد کے نلوں کا پانی بھی نمکین ہوتا ہے جو پانی آج نمکین معلوم ہوتا ہے پہلے ایسا نہیں تھا بارہا کئی مہینہ پیا گیا کبھی نمکین نہیں معلوم ہوا؟

الجواب: بعون العزیز الملك الوهاب۔ ظاہر یہ ہے کہ پانی بدبودار نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس میں بدبو ہوتی تو وضو کرنے کے موقع پر خاص کر ناک میں پانی ڈالتے وقت ضرور محسوس ہوتی۔ غالباً جن لوگوں کے منہ میں نماز کے بعد پاخانہ کی بدبو محسوس ہوتی ہے ان کو پائریا کی بیماری ہے کہ اس مرض کی زیادتی میں ایسی ہی بدبو محسوس ہوتی ہے۔ جس پانی میں پاخانہ کی بدبو ہو اس سے وضو وغیرہ ناجائز ہے اور نمکین پانی سے جائز ہے۔ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۱۲۴ میں ہے: ینجس الماء القلیل بتغیر احد اوصافه من لون اوطعم اوریح بنجس اھ تلخیصاً' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ۲۰ میں ہے: لا یجوز التوضؤ بماء الملح اذا ذهبت رقته وصار ثخینا فان بقیت رقته ولطافته جاز کذا فی فتاوی قاضی خاں ملخصًا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷/ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد حنیف مدرسہ اسلامیہ جلال پور سکندرہ پوسٹ مدیاپور۔ ضلع کان پور

نابالغ یا بالغ طلبہ وطالبات کا کنویں یا نل سے بھرا ہوا پانی مدرس وضو، غسل، طہارت کے کام میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ اور مصلی حضرات اس پانی سے جو اوپر لکھا گیا وضو، غسل وطہارت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: دوسروں کے نابالغ بچے خواہ طلبہ ہوں یا طالبات، ان کا کنویں یا نل سے بھرا ہوا پانی بلا معاوضہ مدرس اور مصلی حضرات کو وضو، غسل اور طہارت وغیرہ کسی کام میں لانا جائز نہیں۔ بہار شریعت حصہ چہاردہم ص ۷۷ میں ہے: "بعض لوگ دوسرے کے بچے سے پانی بھروا کر پیتے یا وضو کرتے ہیں یا دوسری طرح استعمال کرتے ہیں یہ ناجائز ہے۔" اور درمختار مع شامی جلد چہارم ص ۵۳۱ میں ہے: لاتصح هبة صغیر اھ۔ البتہ اپنے نابالغ لڑکے یا دوسرے کے نابالغ لڑکے لڑکی کا بھرا ہوا پانی استعمال کرنا جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰/ربیع النور ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از سمیع اللہ موضع جلالہ ضلع فتح پور۔

پاخانہ کے مقام سے اگر باریک کیڑا نکلا جو مثل چاول کے ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب: پاخانہ کے مقام سے باریک کیڑا نکلنے کے سبب بھی وضو ٹوٹ جائے گا درمختار میں ہے: ینقضہ خروج ریح اودودۃ اوحصارۃ من دبر، اھ ملخصًا۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱/جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد حنیف رضوی سنی رضوی مسجد۔ آگرہ روڈ کرلا بمبئی۔

اگر اعضائے وضو یا غسل پر تیل لگا ہو تو طہارت حاصل ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جب کہ عضو کے ہر حصہ پر پانی گزر جائے تو طہارت حاصل ہو جائے گی اگرچہ تیل کے سبب عضو پانی کو قبول نہ کرے جیسا کہ شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی ص ۷۳ میں ہے: اذا ادھن فامر الماء فلم یصل یجزی اھ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸/ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از غلام مرتضیٰ حشمتی۔ خطیب مسجد گلشن بغداد۔ آزاد نگر گھاٹ کوپر بمبئی ۸۶

باوضو کا عضو بعد وضو کچھ یا زیادہ کٹ گیا مگر خون کچھ بھی نہ نکلا کیا دوبارہ وضو کرے یا عضو منقطعہ پر پانی بہانا کافی ہوگا؟

الجواب: جبکہ کٹے ہوئے عضو سے خون کچھ بھی نہ نکلا تو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں کما ھو الظاھر، اور کٹے ہوئے عضو پر پانی بہانا بھی لازم نہیں: لان الغسل فی محلہ وقع طھارۃ حکمیۃ للبدن کلہ من الحدث لایختص بذلک المحل فلایزول حکمہ بزوالہ کما ھو مصرح فی الکتب الفقھیۃ۔ اسی لئے وضو یا غسل کے بعد کسی نے اگر اپنے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے کسی حصہ سے کچھ چمڑا کاٹ کر نکال لیا اور خون نہیں بہا تو اس حصہ پر پانی بہانا بھی ضروری نہیں جیسا کہ حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: تشر بعض جلد رجلہ اوغیرھا من الاعضاء بعد الوضوء والغسل لاتبطل طھارۃ ماتحت ذلک۔ (غنیہ ص ۱۴۳) وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰/محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از ڈاکٹر شمشیر احمد انصاری محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع اعظم گڑھ
زید نے نجس کپڑا پہن کر غسل جنابت کیا اور غسل کے درمیان کپڑا تن سے جدا نہیں کیا اس کا غسل ہوا کہ نہیں؟ اگر نہیں تو کیا علت ہے؟ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم و کتب فقہ کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: نجس کپڑا پہن کر غسل کرنے کے بارے میں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر غسل کرنے والے نے اپنے کپڑے پر بہت پانی ڈالا تو وہ پاک ہو جائے گا اور جب کپڑا پاک ہو جائے تو وہ صحت غسل کو مانع نہ ہوگا۔ فتح القدیر جلد اوّل ص ۱۸۵ میں ہے: **قال ابویوسف في ازار الحمام اذا صب علیه ماء کثیر وهو علیه یطهر بلاعصر** اس لئے کہ غسل میں بہت زیادہ پانی ڈالنا یقیناً تین بار دھونے اور نچوڑنے کے قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ بحرالرائق جلد اوّل ص ۲۳۸ میں ہے: **لایخفی ان الازار المذکور ان کان متنجسا فقد جعلوا الصب الکثیر بحیث یخرج ما اصاب الثوب من الماء ویخلفه غیره ثلاثا قائم مقام العصر** لیکن لوگ عموماً زیادہ پانی نہیں ڈالتے جس سے نجاست اور پھیل جاتی ہے بلکہ ہاتھ میں نجاست لگ جاتی ہے پھر بے احتیاطی سے سارا بدن یہاں تک کہ برتن بھی نجس ہو جاتا ہے اس لئے پاک ہی کپڑا پہن کر غسل کرنا چاہئے اور یا تو محفوظ مقام پر ننگے نہانا چاہئے۔ ہاں اگر ندی وغیرہ میں غسل کرے اور نجاست ایسی ہو کہ بغیر ملے زائل نہ ہو تو اسے مل کر دھوئے اور اگر ایسی نہ ہو تو پانی کے دھکے اور بہاؤ سے کپڑا خود بخود پاک ہو جائے گا۔ شامی جلد اوّل ص ۲۲۲ میں ہے: **الجریان بمنزلة التکرار والعصر هو الصحیح** (سراج) **وهو تعالٰی اعلم۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد یعقوب جمہنی پوسٹ تلولی ضلع بستی...... ہمبستری کے بعد غسل کیوں واجب ہوتا ہے جبکہ دوسری نجاستیں صرف مقام مخصوص کے دھونے سے پاک ہو جاتی ہیں۔ دلیل کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

الجواب: قرآن مجید میں جب کے متعلق مبالغہ کا صیغہ آیا ہے جیسا کہ پ ۶ رکوع ۶ میں ہے: **اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا** اور اس میں طہارت کے لئے حکم کو وضو کی طرح بعض اعضاء کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا جس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ پورے بدن کی طہارت مطلوب ہے اور اس کی عقلی وجہیں تین ہیں: اوّل یہ کہ انزال منی کے ساتھ قضائے شہوت میں ایسی لذت کا حصول ہوتا ہے کہ جس سے پورا بدن متمتع ہوتا ہے اس لئے اس نعمت کے شکریہ میں پورے بدن کے دھونے کا حکم ہوا۔ اسی سبب سے وجوب غسل کے لئے **علي وجه الدفق الشهوة** کی قید ہے کہ بغیر اس کے لذت کا حصول نہیں ہوتا۔ اسی لئے اس صورت میں وضو واجب ہوتا ہے نہ کہ غسل۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جنابت پورے بدن کی قوت سے حاصل ہوتی ہے اسی لئے اس کی زیادتی کا اثر پورے جسم سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا جنابت سے پورا بدن ظاہر و باطن بقدر امکان دھونے کا حکم ہوا اور یہ

باتیں پیشاب وغیرہ میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں حاضری کے لئے کمال نظافت چاہئے اور کمال نظافت پورے بدن کے غسل ہی سے حاصل ہوگا مگر پیشاب وغیرہ جس کا وقوع کثیر ہے اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بندوں کی آسانی کے لئے وضو کو غسل کے قائم مقام کر دیا اور جنابت کا وقوع چونکہ کم ہے اس لئے اس میں پورے بدن کا دھونا لازم قرار دیا گیا جیسا کہ تفسیر روح البیان جلد دوم ص ۳۵۵ اور بدائع الصنائع جلد اول ص ۳۶ میں ہے: انما وجب غسل جمیع البدن بخروج المنی ولم یجب بخروج البول والغائط وانما وجب غسل الاعضاء المخصوصة لاغیر بوجوہ۔ احدھا ان قضاء الشھوۃ بانزال المنی استمتاع بنعمة یظھر اثرھا فی جمیع البدن وھو اللذۃ فامر بغسل جمیع البدن شکراً لھذہ النعمة وھٰذا لایتقرر فی البول والغائط۔ والثانی ان الجنابة تاخذ جمیع البدن ظاھرہ وباطنه لان الوطی الذی ھو سببه لایکون الاباستعمال لجمیع مافی البدن من القوۃ حتی یضعف الانسان بالاکثار منه ویقوی بالامتناع فاذا اخذت الجنابة جمیع البدن الظاھر والباطن وجب غسل جمیع البدن الظاھر والباطن بقدر الامکان ولاکذٰلك الحدث فانه لایاخذ الاالظاھر من الاطراف لان سببه یکون بظواھر الاطراف من الاکل والشرب ولایکونان باستعمال جمیع البدن فاوجب غسل ظواھر الاطراف لاجمیع البدن والثالث ان غسل الکل اوالبعض وجب وسیلة الی الصلٰوۃ التی ھی خدمة الرب سبحانه وتعالیٰ والقیام بین یدیه وتعظیمه فیجب ان یکون المصلی علی اطھر الاحوال وانظفھا لیکون اقرب الی التعظیم واکمل فی الخدمة وکمال النظافة یحصل بغسل جمیع البدن وھٰذا ھو العزیمة فی الحدث ایضًا الاان ذٰلك مما یکثر وجودہ فاکتفی فیه بالیسر النظافة وھی تنقیة الاطراف التی تنکشف کثیرا وتقع علیه الابصار ابد واقیم ذٰلك مقام غسل کل البدن دفعا للحرج وتیسیرا وفضلا من اللہ ونعمة ولاحرج فی الجنابة لانھا لاتکثرفبقی الامر فیھا علی العزیمة۔

ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ جل جلاله وصلی اللہ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ رصفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از برکت علی رضوی، مسجد نواپارہ (راجم) ضلع رائے پور (ایم۔ پی)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ آلہ تناسل فرج میں داخل کیا گیا اور غیبوبت حشفہ پایا گیا مگر درمیان میں کپڑا حائل تھا اور انزال نہیں ہوا تو غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جبکہ آلۂ تناسل فرج میں داخل کیا اور غیبوبت حشفہ پایا گیا تو اگر چہ کپڑا حائل ہوا اور انزال ہونا معلوم نہ ہو احتیاطاً وجوب غسل کا حکم کیا جائے گا۔ اس لئے کہ نفس انزال آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا اور کبھی منی کی قلت کے سبب منزل کو

انزال کا ادراک نہیں ہوتا تو دخول حشفہ ہی کو انزال کے قائم مقام قرار دیا جائے گا بشرطیکہ اس کی گرمی محسوس ہو۔ ہدایہ میں ہے: لانه سبب الانزال ونفسه يتغيب عن بصره وقد يخفى عليه لقلته فيقام مقامه اورعنایہ میں ہے:...... نفس الانزال الذى ترتب عليه الغسل يتغيب عن بصر المنزل وقد يخفى الانزال لقلة المنى فيقام الالتقاء مقام الانزال۔ اورکفایہ میں ہے:لانه سبب الانزال اذا الغالب فى مثله الانزال وهو مغيب عن بصره وربما يخفى عليه الانزال لقلته فاقيم السبب الظاهر وهوالالتقاء مقام الانزال' اور فتح القدیر میں ہے: ربما يلتذ فينزل ويخفى' اور حاشیہ ہدایہ میں ملا الہد اد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب دخول حشفہ کو وجوب حد میں انزال کے قائم مقام کیا گیا تو وجوب غسل میں بدرجۂ اولیٰ انزال کے قائم مقام قرار دیا جائے گا۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے: لان هٰذا الفعل اقيم مقام الانزال فى حق وجوب الحد فلان يقوم فى الاغتسال اولىٰ'' اور الاشباہ والنظائر ص ۳۳۴ میں ہے: لافرق فى الايلاج بين ان يكون بحائل اولالكن بشرط ان تصل الحرارة معه۔ وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸؍ذی القعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سوریہ نگر وکرولی بمبئی ۸۳

زید نے اپنے ہاتھ سے منی نکالی تو اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ اور روزہ کی حالت میں ایسا کیا تو روزہ جاتا رہا یا نہیں؟

الجواب: استمناء بالید یعنی جلق اور مشت زنی کے سبب اگر منی اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو کر عضو سے نکلی تو غسل واجب ہے' اور روزہ یاد ہوتے ہوئے اگر ایسا کیا تو روزہ جاتا رہا فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ۱۴ میں ہے: المعانى الموجبة للغسل ثلاثة منها الجنابة وهى تثبت بسببين احدهما خروج المنى على وجه الدفق والشهوة من غيرا يلاج باللمس اوالنظرا والا حتلام اوالا ستمناء كذا فى محيط السرخسى تلخيصًا' اور عالمگیری کی اسی جلد کے ص ۱۹۱ میں ہے: الصائم اذا عالج ذكره حتىٰ امنى فعليه القضاء وهو المختار وبه قال عامة المشايخ كذا فى البحر الرائق۔ وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴؍ربیع الاول ۱۳۸۱ھ

کنوئیں کا بیان

مسئلہ: از قاضی محمد اطیع الحق عثمانی قادری رضوی مصطفوی گونڈوی علاؤالدین پور سعد اللہ نگر ضلع گونڈہ۔

۱......ایک مسلمان بے نمازی جو چھوٹا استنجاء پانی یا ڈھیلے سے نہیں کرتا ہے معمولی طور پر غسل کر کے یعنی ایک دو ڈول پانی سر پر ڈال کر استعمالی کپڑے پہنے ہوئے بغرض نکالنے ڈول کے کنویں میں داخل ہوا اور غوطہ لگایا اب اس کنویں کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اگر اسی طرح کافر کنویں میں گھسا تو کنواں پاک رہا یا ناپاک ہو گیا؟

۲......جس شخص پر غسل فرض ہو اور وہ بغیر غسل کئے کنویں میں داخل ہو گیا بغرض نکالنے ڈول کے تو اس کنویں کا کیا حکم ہے؟

۳- ناپاک آدمی نے ڈول بھر کر سر پر ڈالا پھر دوسرا ڈول بھرنے میں کچھ قطرے اس کے بدن و کپڑوں سے ٹپک کر کنویں میں گرے یا غسل کرنے میں چھینٹیں اڑ کر کنویں میں گریں تو کنواں نجس ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر یقینی طور پر معلوم تھا کہ کنویں میں داخل ہونے والے کے بدن یا کپڑے پر نجاست حقیقیہ تھی تو سب پانی نکالا جائے اور اگر کسی چیز کا نجس ہونا یقینی طور پر معلوم نہیں جب بھی احتیاطی حکم یہی ہے کہ کل پانی نکالا جائے اس لئے کہ عوام جاہل بے نمازی اور کافر غالباً نجاست سے خالی نہیں ہوتے اور ان کا دو ایک ڈول سر پر ڈالنا عموماً طہارت کے لئے کافی نہیں ہوتا ھٰکذا فی الجزء الاول من الفتاویٰ الرضویۃ۔

۲......جس شخص پر غسل فرض ہوا اگر بلا ضرورت کنویں میں اترے اور اس کے بدن پر نجاست حقیقیہ نہ لگی ہو تو بیس ڈول نکالے جائیں اور اگر ڈول نکالنے کے لئے اترا تو کچھ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۳۰۸ و بہار شریعت ج ۲ ص ۵۲)

۳......غسل کرنے والے کے بدن یا کپڑے پر اگر کوئی نجاست حقیقیہ تھی اور اس کے پانی کی کوئی چھینٹ یا قطرہ کنویں میں گرا تو کل پانی ناپاک ہو جائے گا اور نہ مستعمل بھی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مستعمل پانی اگر غیر مستعمل پانی میں پڑے تو اسی وقت مستعمل کرے گا جب کہ مقدار میں اس کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے۔ (فتاویٰ رضویہ) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۳ر شوال ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: مسئولہ شاہ محمد۔ گورا۔ پوسٹ بکھرا بازار بستی۔

ایک عورت حالت نفاس میں کنویں میں گر کر مر گئی گرنے کے بعد نکال دی گئی ایسی صورت میں کنویں کا پانی کس مقدار میں نکالا جائے جس سے کنواں پاک ہو جائے اور کنویں کا پانی بوجہ سوتا ہونے یک دم نکالنا دشوار ہے تو کس طریقے سے نکالا جائے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں کل پانی نکالا جائے اور اس قسم کے کنویں سے پانی نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پانی کی

گہرائی کسی لکڑی یا رسی سے صحیح طور پر ناپ لی جائے چند آدمی بہت پھرتی سے سو ڈول نکال ڈالیں پھر پانی ناپیں جتنا کم ہوا اسی حساب سے پانی نکالیں کنواں پاک ہو جائے گا۔ وھو اعلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد

۶؍رجب ۱۳۷۶ھ

تیمّم کا بیان

مسئلہ: از جمیل احمد سائکل مستری مہراج گنج۔ ضلع بستی۔

ایک شخص کو غسل کی حاجت ہے۔ اتفاق سے اس کی آنکھ ایسے وقت کھلی جبکہ فجر کی نماز کا وقت بہت تنگ ہو گیا کہ اگر غسل کرے تو نماز قضا ہو جائے گی، تو کیا ایسا شخص غسل کا تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: جبکہ نماز کا وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ جلدی سے غسل کر کے نماز نہیں پڑھ سکتا تو اگر جسم پر کہیں نجاست لگی ہو تو اسے دھو کر غسل کا تیمّم کرے اور وضو بنا کر نماز پڑھ لے پھر غسل کرے اور سورج بلند ہونے کے بعد نماز دوبارہ پڑھے۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص ۵۸۴ میں ہے: مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے اور سارے بدن پر پانی بہانے کے بعد دو رکعت فرض پڑھنے بھر کا بھی وقت نہیں ہے، اور اگر اتنا وقت تو ہے لیکن صابن وغیرہ لگا کر اہتمام سے نہانے بھر کا وقت نہیں ہے تو فرض ہے کہ صابن وغیرہ کے بغیر غسل کر کے نماز پڑھے۔ اس صورت میں اگر تیمّم کر کے نماز پڑھی تو سخت گنہ گار ہوگا۔ کما ھو الظاھر۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد حسن اشرفی مقام و پوسٹ سندھاوا ضلع راجکوٹ (گجرات)

اگر کسی نے اپنے گھر کو گوبر اور مٹی سے لیپا تو یہ لیپنا کیسا ہے؟ اور اس سے تیمّم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: مٹی کے ساتھ گوبر ملا کر لیپنا جائز نہیں کہ وہ نجاست غلیظہ ہے۔ بہار شریعت حصہ دوم طبع لاہور ص ۹۸ پر ہے: گائے بھینس کا گوبر اور بکری اونٹ کی مینگنی سب نجاست غلیظہ ہیں، اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۴۳ پر ہے: اخثاء البقر نجس نجاسة غليظة هٰكذا في فتاوىٰ قاضي خان اور اس سے تیمّم کرنا بھی جائز نہیں کہ تیمّم کے لئے مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے قال الله تعالىٰ: فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا. وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰؍ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

معذور کا بیان

مسئلہ: از منیر احمد یوسف زئی۔ اسٹیشن ماسٹر موتی گنج۔ گونڈہ

بکر جس کی عمر پچھتر سال ہے مفلوج بھی ہو گئے تھے جس کا اثر اب بھی ہے اب کچھ دنوں سے قطرہ قطرہ پیشاب ہر وقت آتا رہتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اپنی نماز کیسے ادا کرے؟

الجواب: وہ شخص کہ جسے ہر وقت پیشاب کا قطرہ آنے کی بیماری ہے اگر نماز کا ایک وقت پورا ایسا گزر گیا کہ وضو کے ساتھ نماز فرض ادا نہ کر سکا تو وہ معذور ہے اس کا حکم یہ ہے کہ فرض نماز کا وقت ہو جانے پر وضو کرے اور آخر وقت تک جتنی نمازیں چاہے اس وضو سے پڑھے اس وقت میں پیشاب کا قطرہ آنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا پھر اس فرض نماز کا وقت چلے جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ۳۸ میں ہے: المستحاضة ومن به سلس البول اوالستطلاق بطن اوانفلات الريح اور عاف دائم اوجرح لايرقا يتوضؤن لوقت كل صلوٰة ويصلون بذلك الوضوء فی الوقت ماشاء وامن الفرائض والنوافل هٰكذا فی البحر۔ ويبطل الوضوء عند خروج الوقت المفروضة بالحدث السابق هٰكذا فی الهداية وهو الصحيح هٰكذا فی المحيط فی نواقض الوضوء۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سوریا نگر وکرولی بمبئی ۸۳

خالدہ کو وزنی چیز اٹھانے یا چیخ کر بولنے اور شہوت کی بات ہونے سے پیشاب کے قطرے نکل آتے ہیں تو اس کے لئے نماز کی کیا صورت ہے؟

الجواب: خالدہ کو چاہئے کہ لنگوٹ باندھے رہے اگر اس کے باوجود پیشاب کے قطرے نکلیں تو جو کپڑا پیشاب سے ناپاک ہو جائے اسے اتار کر پاک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ ر جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شکیل احمد خاں معرفت عبد الغنی اوشا انجینئرنگ جی ٹی روڈ۔ درگا پور۔

زید ایک نمازی لڑکا ہے اور جوان بھی ہے اس کو قطرہ قطرہ منی ٹپکنے کی بیماری ہے جب وہ پیشاب کرنے جاتا ہے تو پیشاب کے بعد قطرہ ٹپک پڑتے ہیں اور ویسے بھی ٹپکتے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں بار بار کوئی بھی شخص دوسرا پاجامہ تبدیل نہیں کر سکتا لہٰذا اس نے ایک ہاف پینٹ سلایا ہے پیشاب سے فارغ ہو کر اس کو پہن لیتا ہے ایسی صورت میں جو قطرے ہوتے ہیں وہ خالی کپڑے کے بنے ہوئے ہاف پینٹ میں جذب ہو جاتے ہیں اس طرح اوپر کی لنگی یا پاجامہ محفوظ رہتا ہے، تو کیا اس طرح اندر

سے ہاف پینٹ پہن کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرسکتا ہے؟ اگر ہاف پینٹ نہ پہنے تو نماز ہی میں قطرہ ٹپکنے کا ڈر رہتا ہے!

الجواب: اگر کسی کپڑے میں ایک درہم سے زیادہ پیشاب یا منی لگ جائے تو اسے پہن کر نماز پڑھنے سے نماز ہالکل نہیں ہوگی جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۴۳ میں ہے: اذا اصاب الثوب اکثر من قدر الدرهم یمنع جواز الصلاة کذا فی الکافی۔ لہٰذا اگر دوسرا پاک کپڑا پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے تو پاک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا زید پر فرض ہے اور اگر جانتا ہے کہ نماز پڑھتے پڑھتے پھر درہم سے زیادہ نجس ہو جائے گا تو اس نجس کپڑے کے ساتھ پڑھ لے نماز ہو جائے گی فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ۳۹ میں ہے: ان کان بحال لو غسله یتنجس ثانیًا قبل الفراغ من الصلاة جاز ان لا یغسله وصلی قبل ان یغسله والا فلا هٰذا هو المختار هٰکذا فی المضمرات۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از میر پور پوسٹ قیصر گنج ضلع بہرائچ شریف مرسلہ محمود علی، محمد صدیق، محمد نذیر

زید کے کپڑے پر اگر ایک دن سے لے کر سات سال کا لڑکا پیشاب کر دے تو بغیر صاف کئے اس کپڑے کو پہن کر وہ امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: لڑکا یا لڑکی خواہ ایک روز کے ہوں یا سات سال کے ان کے پیشاب نجاست غلیظہ ہیں کہ اگر کپڑے یا بدن میں لگ جائیں تو ان کا پاک کرنا فرض ہے بغیر پاک کئے نماز پڑھائی تو امام ومقتدی کسی کی نماز نہیں ہوگی' اور قصداً پڑھائی تو گناہ بھی ہوا' اور اگر بہ نیت استخفاف ہے تو کفر ہوا اور اگر درہم کے برابر ہے تو پاک کرنا واجب ہے بے پاک کئے نماز پڑھائی تو مکروہ تحریمی ہوئی یعنی ایسی نماز کا امام ومقتدی دونوں پر اعادہ واجب ہے' اور قصداً پڑھائی تو گنہگار بھی ہوا اور درہم سے کم ہے تو پاک کرنا سنت ہے بے پاک کئے نماز ہوگئی مگر خلاف سنت ہوئی ایسی نماز کا اعادہ بہتر ہے۔ هٰکذا فی بهار الشریعة لصدر الشریعة رحمة الله علیه۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۱۴ر من ربیع الاول ۱۳۸۱ھ

باب الاوقات

نماز کے وقتوں کا بیان

مسئلہ: محمد صابر خان پرنس ٹیلر متصل گنا دفتر اسٹیشن روڈ بلرام پور گونڈہ۔

(۱) زید کا کہنا ہے کہ نماز عشاء تہائی رات کے بعد تاخیر سے ادا کرنا مستحب ہے مگر بعض اکابر حضرات علماء کرام و مشائخ عظام کو شروع وقت میں ادا کرتے دیکھا گیا استفسار پر معلوم ہوا کہ عوام خاص طور پر سردیوں میں لحاف میں گھس جانے کے بعد لحاف چھوڑ کر وضو کرنے اور مسجد جانے کی مشقت مشکل سے اٹھا پائیں گے اس طرح بعض کی جماعت جائے گی اور بعض کی تو نمازیں ہی جاتی رہیں گی اس اندیشہ کے پیش نظر بغرض حفاظت جماعت و فرض تسھیلاً للمسلمین ویسروا ولاتعسروا کو مدنظر رکھتے ہوئے شروع وقت ہی میں جبکہ عشاء کا وقت ہو جائے تو جماعت قائم کرنا نماز عشاء ادا کرنا فی الجملۃ مستحب کہا جاسکتا ہے اور حدیث ماراٰہ المسلمون حسن نافھو عنداللہ حسن کے تحت حسن بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ علماء و مشائخ کا نظراً الی تکاسل العوام مسجدوں میں سنن و نوافل کا ادا فرمانا۔ بکر کہتا ہے کہ کوئی بھی ہو کچھ بھی کہے سب بیکار و بکواس ہے مستحب جو ہے وہی ہے اس کے خلاف کو مستحب کہنا اور سمجھنا سراسر جہالت اور انتہائی بیوقوفی کی باتیں ہیں۔ ایسی صورت میں زید بکر کے بارے میں کیا حکم ہے اور کون حق پر ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نماز عشاء میں تہائی رات تک تاخیر کو فقہائے کرام نے ضرور مستحب فرمایا ہے اس لئے کہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے: یستحب ان یؤخر العشاء یعنی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں تاخیر کو پسند کرتے اور ایک روایت میں ہے: لایبالی بتاخیر العشاء الی ثلث اللیل یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کو تہائی رات تک پڑھنے میں کوئی تامل نہ فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۶۰) اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے اس وقت تشریف لائے جب کہ تہائی رات گزر چکی تھی اور صحابۂ کرام بہت پہلے سے بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے تو حضور نے فرمایا: لولا ان یثقل علی امتی لصلیت بھم ھٰذہ الساعۃ یعنی اگر میری امت پر گراں نہ گزرتا تو میں ان کو عشاء کی نماز تہائی رات ہی میں پڑھاتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۶۱) اور مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا: لولا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یؤخر العشاء الی ثلث اللیل اونصفہ۔ یعنی اگر اپنی امت پر مجھے شاق گزرنے کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز

تہائی یا آدھی رات تک پڑھا کریں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۶۱) امام ترمذی نے فرمایا: حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن صحیح وھو الذی اختارہ اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین، یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ و تابعین کے اکثر علماء نے اختیار فرمایا ہے (ترمذی شریف جلد اوّل ص ۲۲) اور حضرت سیّد احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''وردفی التاخیر اخبار کثیرۃ صحاح وھو مذھب اکثر اھل العلم من الصحابۃ والتابعین''۔ یعنی عشاء کی نماز کے مؤخر کرنے کے بارے میں بہت سی صحیح حدیثیں مروی ہیں اور یہی صحابہ و تابعین کے اکثر علماء کا مذہب ہے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۹۹) ظاہر ہوا کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین کے علمائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عشاء کی نماز کو تہائی رات ہی میں پڑھنے کو پسند فرمایا کہ عبادات الٰہی میں مشقت زیادتی ثواب کا باعث ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''تاخیر نماز عشاء مستحب ست بجہت حصول تعب و مشقت در عبادت حق'' یعنی خدا تعالیٰ کی عبادت میں کلفت و مشقت حاصل ہونے کے لئے عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۳۰۰) اسی لئے نماز عشاء میں تہائی رات تک تاخیر کو مستحب فرمایا گیا تسہیلا للمسلمین اور یسروا ولاتعسروا کے پیش نظر اسے واجب نہیں قرار دیا گیا اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم، صحابۂ کرام، تابعین عظام اور فقہائے اسلام نے تہائی رات میں عشاء کی نماز کو پسند فرماتے ہوئے اسے مستحب قرار دیا تو ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن کے تحت ان حضرات کی پسند پر آج کے مسلمانوں کی پسند کو ترجیح دے کر ہر حالت میں اوّل وقت میں پڑھنے کو حسن نہیں قرار دیا جا سکتا جس مسئلہ میں کوئی روایت منقول نہ ہو صرف اسی میں مسلمانوں کی پسند کو حسن قرار دیا جائے گا۔ پھر بعض فقہائے کرام نے تہائی رات تک مؤخر کرنے کو مطلق رکھا یعنی سردی اور گرمی کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۴۸ میں ہے: یستحب تاخیر العشاء الی ثلث اللیل اھ تلخیصًا۔ مگر بعض حدیثوں میں چونکہ سردی اور گرمی کے موسم کا حکم الگ الگ ہے اس لئے بہت سے فقہائے کرام نے صرف سردی میں تہائی رات تک مؤخر کرنے کو مستحب فرمایا اور گرمیوں میں تعجیل کو مستحب فرمایا جیسا کہ فقیہ النفس حضرت قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: یعجل العشاء فی الصیف یؤخر فی الشتاء الی ثلث اللیل لقولہ علیہ السلام معاذ رضی اللہ عنہ اخر العشاء فی الشتاء فان اللیل فیہ طویل وعجل فی الصیف فان اللیل فیہ قصیر ھذا اذا کانت السماء مصحیۃ فان کانت متغیمۃ یعجل اھ ملخصًا۔ یعنی گرمیوں میں عشاء کی نماز جلد ہی پڑھی جائے اور جاڑوں میں تہائی رات تک مؤخر کیا جائے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سردی میں عشاء کی نماز مؤخر کرو اس لئے کہ رات اس موسم میں بڑی ہوتی ہے اور گرمیوں میں عشاء کی نماز کے لئے جلدی کرو کہ اس موسم میں رات چھوٹی ہوتی ہے اور یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جبکہ آسمان صاف ہو اور اگر ابر آلود ہو تو ہر موسم میں عشاء کی نماز کے لئے جلدی کی جائے، اور حضرت سیّد احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یستحب تاخیر

منه قيده فى الخانية والتحفة والمحيط الرضوى والبدائع بالشتاء اما بالصيف فندب التعجيل نهر لئلا تقل الجماعة لقصر الليل فيه اه یعنی عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے اس حکم کو خانیہ، تحفہ، محیط رضوی اور بدائع میں صرف جاڑے کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور گرمیوں میں جلد پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے تاکہ جماعت کم نہ ہو اس لئے کہ اس موسم میں رات چھوٹی ہوتی ہے۔ (طحطاوی علی مراقی ص ۹۹) حدیث شریف اور فقہائے کرام کی مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ سردی کے سبب عشاء کی نماز میں تعجیل کو مستحب نہیں قرار دیا جائے گا گرمیوں میں دن بڑے اور رات کے چھوٹی ہونے کے سبب یا بارش کی وجہ سے البتہ تعجیل مستحب ہے پھر زمانہ سابق میں سردی سے بچنے کے لئے لوگوں کے پاس سامان کم تھے اس کے باوجود حضور نے سردی میں تاخیر کو پسند فرمایا تو آج جب کہ لوگوں کے پاس سردی سے بچاؤ کے سامان زیادہ ہیں سردی میں تعجیل کو کیوں کر مستحب قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ آج کل عام شہروں، قصبوں یہاں تک کہ بعض دیہاتوں میں بھی روشنی کی سہولتوں اور ہوٹلوں وغیرہ کے سبب تہائی رات کے بعد بھی کافی چہل پہل اور لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے لہٰذا کچھ کاہلوں کے سبب ہر موسم میں تعجیل کو مستحب قرار نہیں دیا جا سکتا کہ سردی میں رات بڑی ہونے کے سبب بعد نماز لوگ دنیاوی باتوں میں مصروف ہوں گے جس کی حدیث شریف میں ممانعت ہے ہاں اگر کسی گاؤں کے لوگ عام طور پر اول وقت کھا پی کر سونے کے عادی ہوں اور تہائی رات تک عشاء کے مؤخر کرنے میں اکثر لوگوں کی جماعت ترک ہو جاتی ہو تو خاص کر اس صورت میں تعجیل کو مستحب ضرور قرار دیا جائے گا جیسا کہ طحطاوی کی تعلیل لئلا تقتل الجماعة سے ظاہر ہے۔

وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۱۸ / جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از ابوالکلام احمد کسم کھور۔ ضلع فرخ آباد۔

مجھ سے ایک بزرگ نے صلوٰۃ الاولیاء پڑھنے کو فرمایا تھا صرف صبح کا نام لیا تھا میں تفصیلی طور پر ان سے یہ دریافت نہ کر سکا کہ صبح کس وقت صبح صادق سے پہلے یا بعد میں پڑھی جائے اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ صبح صادق کے بعد فجر کی نماز سے پیشتر اگر پڑھی جائے تو کیا حرج ہے؟ اس لئے کہ صبح صادق سے قبل ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ تفصیلی طور پر ارشاد فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب: صلاۃ الاولیاء نماز نفل ہے اور صورت مستفسرہ میں نفل نماز رات میں صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پڑھ سکتے ہیں پھر بعد طلوع فجر طلوع آفتاب تک سوائے دو رکعت سنت فجر کے اور کوئی نفل نماز تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء وغیرہ جائز نہیں (بہار شریعت) اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: یکره فيه التطوع باكثر من سنة الفجر۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ ربیع الاول ۹۷ھ

مسئلہ: از قاسمی نہال الدین مقیم بارک پار ضلع بستی

(۱) مغرب کی نماز میں دوسرے نمازیوں کے وضو کے انتظار میں دیر کرنا صحیح و درست ہے یا نہیں؟

عشاء کے پہلے سونے سے عشاء کا وقت ختم ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جماعت کے آدمی موجود ہونے پر وقت مستحب سے زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں' بلکہ بعض دوسرے مقتدیوں کو گراں گزرے تو انتظار منع ہے' اور مغرب میں تاخیر کرنی مکروہ ہے پھر جتنی تاخیر ہوگی کراہت بڑھتی جائے گی لہٰذا ایسی صورت میں جماعت کے آدمی موجود ہونے پر دوسرے بعض نمازیوں کے لئے انتظار کرنا اور جماعت کو مؤخر کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اگر خود جماعت تاخیر سے ہونے والی ہو تو تنہا نماز پڑھ لے اور تاخیر کی کراہت سے بچے هٰكذا فی الفتاویٰ۔

(۲) مغرب کا وقت ختم ہو جانے کے بعد صبح صادق سے پہلے تک عشاء کا وقت ہے۔ لہٰذا اس درمیان میں جب بھی نماز پڑھے خواہ سو کر یا بغیر سوئے نماز ادا ہو جائے گی ہاں نماز عشاء پڑھنے سے پہلے سونا مکروہ ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے: کان یکرہ النوم قبلها والحدیث بعدها (متفق علیہ مشکوٰۃ شریف) سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عشاء پڑھنے سے پہلے سونا اور عشاء پڑھنے کے بعد بات چیت کرنا (مکروہ) ناپسند فرماتے تھے۔ پھر دوسری حدیث حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متن سے مروی ہے آپ نے فرمایا فمن نام فلا نامت عینہ فمن نام فلا نامت عینہ فمن نام فلا نامت عینہ (رواہ مالک عن عمر بن الخطاب مشکوٰۃ شریف) یعنی جو شخص عشاء پڑھنے سے پہلے سوئے تو اس کی آنکھیں نہ سوئیں جو سو جائے تو اس کی آنکھیں نہ سوئیں جو سو جائے تو اس کی آنکھیں نہ سوئیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انتہائی غضب میں یہ دعا فرمائی کہ ایسے شخص کو آرام وسکون نصیب نہ ہو۔ بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عشاء پڑھنے سے پہلے سونا تنگی رزق اور افلاس پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے سو کر دینی اور دنیاوی نعمتوں سے محروم نہ ہوں۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: محمد نعیم الدین عفی عنہ

۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: از محمد فیروز عبد الجبار گمان اسٹرڈم (ہالینڈ)

سال گزشتہ ہم نے کوشش کر کے حضرت علامہ مفتی سیّد محمد افضل حسنی صاحب فیصل آباد پاکستان کے ذریعہ اور دیگر متبحرین کی نگرانی میں اسٹرڈم (ہالینڈ) کا نقشۂ اوقات الصلاۃ تیار کرایا تھا۔ شائع ہونے کے بعد گرمی کے چند ایام جن میں حنفیہ کے

نزدیک عشاء کا وقت نہیں ہوتا اس کے بارے میں یہاں کچھ انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ مسلمانوں میں انتشار اور فتنہ و فساد کو دفع کرنے کے لئے جن ایام میں شفق ابیض غروب نہیں ہوتی کیا اگر صرف شفق احمر کے غروب کا ثبوت مل جائے تو صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے نماز عشاء ادا کی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: غروب شفق احمر کے بعد شفق ابیض میں عشاء کی نماز اگرچہ صاحبین کے قول پر ہو جائے گی لیکن امام مذہب حنفیہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور جمہور مشائخ مذہب کے نزدیک اس صورت میں عشاء کی فرض نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی پڑھی بے پڑھی برابر رہے گی اور بعد میں پڑھنے سے سب کے نزدیک متفقہ طور پر ہو جائے گی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: اوّل وقت العشاء حین یغیب الشفق لاخلاف فیه وانما اختلفوا فی الشفق قال ابویوسف و محمد و الشافعی رحمهم الله تعالیٰ هی الحمرة وقال ابوحنیفة رحمه الله تعالیٰ هو البیاض المعترض الذی یلی الحمرة حتی لوصلی العشاء بعد ماغابت الحمرة ولم یغب البیاض المعترض الذی یکون بعد الحمرة لاتجوز عنده' اور پھر ائمہ مذہب حنفیہ میں کسی امام سے یہ منقول نہیں کہ بلغاریہ اور لندن وغیرہ میں جبکہ شفق ابیض غروب نہ ہو تو صاحبین کے قول پر اسی میں نماز عشاء پڑھ لی جائے لہٰذا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب جو احتیاط پر مبنی ہے اسی کو اختیار کیا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے جیسا کہ درمختار وردالمحتار کے حوالے سے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے قول امام کو اختیار کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ جن شہروں میں عشاء کا وقت ہی نہ آئے کہ شفق ڈوبتے ہی یا ڈوبنے سے پہلے فجر طلوع ہو جائے (جیسے بلغاریہ ولندن کہ ان جگہوں میں ہر سال چالیس راتیں ایسی ہوتی ہیں کہ عشاء کا وقت آتا ہی نہیں اور بعض دنوں سیکنڈوں اور منٹوں کے لئے ہوتا ہے) تو وہاں والوں کو چاہئے کہ ان دونوں کی عشاء اور وتر کی قضا پڑھیں۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۹) ھٰذا ما ظهر لی وهو اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

باب الاذان والاقامة

اذان اور اقامت کا بیان

مسئله: از سیّد شاہ محمد حسنی حسینی چشتی القادری ۹/۱۵۱ صوفیہ اسٹریٹ۔ گنٹکل (اے پی)

یہاں چند مختلف خیالات رکھنے والے مسلمان بھائی اعتراضات کرتے ہیں کہ قبل اذان اور قبل اقامت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا اور پڑھ کر اذان واقامت دینا درست نہیں' مگر مسجد میں روزانہ بلند آواز سے درود شریف پڑھ کر مائیک میں اذان دی جاتی ہے' اور پست آواز سے درود شریف پڑھ کر اقامت کہی جاتی ہے اس کو روکنے کے لئے روزانہ تحقیقات مخالفانہ مسلمان بھائی کر رہے ہیں۔ امید رکھتا ہوں براہ کرم اس کا جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب: بعون الملك الوهاب. اذان واقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا جائز ہے مگر درود شریف پڑھنے کے بعد قدرے ٹھہر جائے پھر اذان واقامت پڑھے تا کہ دونوں کے درمیان فصل ہو جائے یا درود شریف کی آواز اذان واقامت کی آواز سے پست رہے تا کہ امتیاز رہے' بلکہ علمائے کرام کثرہم اللہ تعالیٰ نے اقامت سے پہلے اور اس قسم کے دوسرے مواقع میں درود شریف پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۴۸ مطبوعہ دیوبند میں ہے: نص العلماء على استحبابها في مواضع يوم الجمعة وليلتها' وزيد يوم السبت والاحد والخميس لما ورد في كل من الثلاثة وعند الصباح والمساء' وعند دخول المسجد والخروج منه' وعند زيارة قبره الشريف صلى الله عليه وسلم' وعند الصفا والمروة' وفي خطبة الجمعة وغيرها وعقب اجابة المؤذن وعند الاقامة واول الدعاء واوسطه وآخره وعقب دعاء القنوت. وعند الفراغ من التلبية وعند الاجتماع والافتراق وعند الوضوء وعند طنين الاذان وعند نسيان الشيء وعند الوعظ ونشر العلوم وعند قراء ة الحديث ابتداء وانتهاء وعند كتابة السوال والفتياء ولكل مصنف ودارس ومدرس وخطيب و خاطب و متزوج و مزوج في الرسائل' و بين يدى سائر الامور المهمة وعند ذكر وسماع اسمه صلى الله عليه وسلم اوكتابه عند من لا يقول بوجوبها كذا في شرح الفاسي على دلائل الخيرات ملخصًا وغالبها منصوص عليه في كتبنا اھ۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آوازِ اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم

الاذان والاقامۃ ص ۲۹۵ مطبوعہ لائل پور) اگر مخالفین اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں اذان و اقامت سے پہلے درود شریف نہیں پڑھا جاتا تھا تو مخالفین سے کہئے کہ مسلمان بچوں کو جو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں۔ کلموں کی تعداد ان کی ترتیب اور ان کے نام سب بدعت ہیں۔ قرآن شریف کے تیس پارے بنانا، ان میں رکوع قائم کرنا، اس پر اعراب یعنی زبر زیر وغیرہ لگانا اور آیتوں کا نمبر لگانا سب بدعت ہے، حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا، حدیث کی قسمیں بنانا، پھر ان کے احکام مقرر کرنا سب بدعت ہیں، اصولِ حدیث و اصولِ فقہ کے سارے قاعدے قانون سب بدعت ہیں۔ نماز کے لئے زبان سے نیت کرنا یہ بھی بدعت ہے۔ روزہ کی نیت اس طرح زبان سے کہنا: نویت ان اصوم غداً ان شاء اللّٰہ تعالٰی اور افطار کے وقت ان الفاظ کو زبان سے کہنا: اللھم لک صمت وبک امنت وعلیک توکلت وعلی رزقک افطرت یہ دونوں بدعت ہیں اور خطبہ کی اذان داخل مسجد کہنا یہ بھی بدعت ہے۔ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں۔ اذان و اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنے کی مخالفت کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ ان بدعتوں کی بھی مخالفت کریں، مگر وہ لوگ ان بدعتوں کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ جس سے انبیائے کرام و بزرگان دین کی عظمت ظاہر ہو صرف اسی کی مخالفت کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی بات نہ سنیں کہ عظمت نبی کا دشمن ابلیس جنت سے نکال دیا گیا اور یہ لوگ عظمت نبی کی مخالفت کر کے جنت میں جانے کا خواب دیکھتے ہیں خدا تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از شوکت علی موضع پورینہ پوسٹ دیوا کل پور ضلع بستی؟

ہندہ نماز کے لئے مسجد میں اذان دیتی ہے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: نماز کے لئے ہندہ کی اذان صحیح نہیں اور جائز بھی نہیں کہ عورت کو آواز بلند کرنا حرام ہے اور جو نمازیں اس کی اذان پر پڑھی گئیں وہ نمازیں بغیر اذان پڑھی گئیں ردالمحتار جلد اوّل ص ۲۵۷ میں ہے: اما النساء فیکرہ لھن الاذان وکذا الاقامۃ لما روی عن انس و ابن عمر من کراھتھما لھن ولان مبنی حالھن علی الستر ود فع

صوتهن حرام اھ۔اور طحطاوی مراقی ص ۱۰۸میں ہے: قال فی السراج اذالم یعید وا اذان المرأة فکانهم صلوا بغیر اذان وجزم به فی البحر والنهر اھ۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از زکی الدین پڑری۔ ضلع بستی

نابالغ لڑکے کی اذان درست ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نابالغ لڑکا اگر سمجھدار ہے تو اس کی اذان درست ہے۔ بہار شریعت میں ہے کہ سمجھ والا بچے، غلام، اندھے اور ولد الزنا کی اذان صحیح ہے اھ۔ درمختار میں ہے: ویجوز بلا کراهة اذان صبی مراهق اھ۔ المرادبه العاقل وان لم یراهق کما هو ظاهر البحر وغیره اھ۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراهة فی ظاهر الروایة ولکن اذان البالغ افضل اھ۔ یعنی ظاہر روایت میں سمجھدار بچہ کی اذان بلا کراہت درست ہے لیکن بالغ کا اذان پڑھنا افضل ہے' اور اگر لڑکا سمجھدار نہیں تو اس کی اذان درست نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذان الصبی الذی لا یعقل لایجوز ویعا دوکذا المجنون ھٰکذا فی النهایة' اور سمجھدار بچہ کی پہچان یہ ہے کہ لوگ اس کی اذان کو اذان سمجھیں کھیل نہ سمجھیں۔ واللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از غلام جیلانی خلیل آباد ضلع بستی۔

کیا فرماتے ہیں حضرت مفتی صاحب قبلہ اس مسئلہ میں آپ کی تصنیف انوار الحدیث ص ۱۱۹ میں درمختار اور بہار شریعت کے حوالے سے تحریر ہے کہ فاسق کی اذان کا اعادہ کرے اور حضرت مفتی اعظم ہند بریلی شریف نے فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۸ میں عالمگیری کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ فاسق کی اذان کا اعادہ نہیں؟ تو اس کے بارے میں تحقیقی جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: بعون الملك العزیز الوهاب۔ فقہائے کرام نے بالاتفاق فاسق کی اذان کو مکروہ فرمایا ہے تنویر الابصار اور درمختار میں ہے: یکره اذان جنب وامرأة وفاسق ولوعالما اھ۔ یعنی جنبی، عورت اور فاسق کی اذان مکروہ ہے اگر چہ وہ عالم ہو' اور کنز الدقائق و بحر الرائق میں ہے: کره اذان الجنب والمرأة والفاسق اھ تلخیصًا۔ یعنی جنبی، عورت اور فاسق کی اذان مکروہ ہے' اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۶ میں ہے: صرحا بکراهة اذان الفاسق من غیر تقیید بکونه عالما اوغیره اھ۔ یعنی عالم غیر عالم کی قید کے بغیر اذان فاسق کے مکروہ ہونے کی فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے پھر چونکہ اذان شعائر اسلام ہے' اور فاسق کی اذان سے بھی اقامت شعار کا مقصد حاصل ہے اس لئے بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ فاسق کی اذان صحیح ہے' مگر اذان کا مقصود اصل چونکہ دخول وقت کا اعلام ہے' اور فاسق کی خبر دیانات میں معتبر نہیں اس

لئے بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ فاسق کی اذان صحیح نہیں۔ درمختار میں ہے: جزم المصنف بعدم صحة اذان مجنون ومعتوه وصبی لایعقل قلت وفاسق لعدم قبول قوله فی الدیانات اھ۔ یعنی تنویر الابصار کے مصنف نے مجنون، معتوہ اور ناسمجھ بچے کی اذان کے صحیح ہونے پر جزم کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ فاسق کی اذان بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اس کا قول دیانات میں قابل قبول نہیں، اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۴ میں ہے: اذان الفاسق والمرأة والجنب صحیح اھ۔ یعنی فاسق کی اور عورت کی اور جنب کی اذان صحیح ہے مگر پھر اسی صفحہ پر چند سطر بعد فرمایا کہ چونکہ فاسق کا قول اور اس کی خبر امور دینیہ میں قابل قبول نہیں اس لئے مناسب ہے کہ فاسق کی اذان صحیح نہ ہو۔ بحر الرائق کے اصل الفاظ یہ ہیں: ینبغی ان لایصح اذان الفاسق بالنسبة الی قبول خبره والاعتماد علیه لماقدمناه انه لایقبل قوله فی الامور الدینیة اھ۔ اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں فرمایا: قوله ینبغی ان لا یصح اذان الفاسق الخ کذا فی النهر ایضًا وظاهره انه یعا دوقد صرح فی معراج الدرایة عن المجتبیٰ انه یکره ولایعادو کذا نقله بعض الافاضل عند الفتاوی الهندیة عن الذخیره لکن فی القهستانی اعلم ان اعادة اذان الجنب والمرأة والمجنون والسکران والصبی والفاجر والراکب والقاعد والماشی والمنحرف عن القبلة واجبة لانه غیر معتدبه وقیل مستحبة فانه معتدبه الاانه ناقص وهو الاصح کما فی التمرتاشی اھ۔ فقد صرح باعادة اذان الفاجر ای الفاسق لکن فی کون اذانه معتدابه نظر لما ذکر الشارح من عدم قبول قوله فحینئذ العلم بدخول الاوقات ومثله المجنون والسکران والصبی فالمناسب ان لا یعتد باذانهم اصلا اھ۔ یعنی صاحب بحر الرائق کا قول مناسب یہ ہے کہ فاسق کی اذان صحیح نہ ہو تو ایسا ہی نہر میں بھی ہے اور اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ فاسق کی اذان لوٹائی جائے اور معراج الدرایہ میں مجتبیٰ سے تصریح ہے کہ مکروہ ہے مگر لوٹائی نہ جائے اسی طرح بعض افاضل نے فتاویٰ ھندیہ یعنی عالمگیری سے نقل کیا ہے جس میں ذخیرہ سے ہے لیکن قہستانی میں ہے کہ جنبی، عورت، مجنون، نشہ والا، بچہ، فاسق، سوار اور بیٹھ کر اذان پڑھنے والا، چلتے ہوئے اور قبلہ سے انحراف کے ساتھ اذان کہنے والا ان سب کی اذان کا اعادہ واجب ہے، اور بعض لوگوں نے فرمایا کہ مستحب ہے اس لئے کہ اذان ہو جاتی ہے مگر ناقص ہوتی ہے، اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تمرتاشی میں ہے، تو ہم یہ کہتے ہیں جبکہ فاجر یعنی فاسق کی اذان کے اعادہ کی تصریح ہے تو اس کی اذان کو مان لینا یہ محل نظر ہے۔ اس سبب سے کہ جس کو شارح نے ذکر کیا یعنی اس کے قول کا قابل قبول نہ ہونا لہٰذا اس کی اذان سے دخول اوقات کے حکم کا فائدہ نہیں حاصل ہوگا اور اس کے مثل مجنون، نشہ والا اور بچہ ہے تو مناسب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی اذان کو ہرگز نہ مانا جائے انتہیٰ، اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۲۶۳ میں تحریر فرمایا: حاصله انه یصح اذان الفاسق وان لم یحصل به الاعلام اھ۔ یعنی اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ فاسق کی اذان صحیح ہو جاتی ہے اگرچہ اس سے اعلام نہیں حاصل ہوتا۔ لہٰذا صحیح ہو جانے کے سبب اس کی اذان کا اعادہ واجب نہیں اور چونکہ اس سے اعلام حاصل نہیں ہوتا اور پھر حدیث شریف میں ہے: یؤذن لکم خیارکم

اس لئے فاسق کی اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۲۰ اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۴ میں ہے: صرح بکراهة اذان الفاسق ولایعاد فالاعادة فیه لیقع علی وجه السنة اھ۔ یعنی اذان فاسق کے مکروہ ہونے کی تصریح ہے اور اعادہ (واجب) نہیں مگر اس کا اعادہ کرنا چاہئے تاکہ اذان مسنون طریقہ پر ہو جائے۔ لہٰذا حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ فاسق کی اذان مکروہ ہے مگر دے تو ہو جائے گی عالمگیری میں ہے: یکرہ اذان الفاسق ولایعاد اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق اذان نہ کہے کہ اس کی اذان مکروہ ہے اور کہہ دے تو ہو جائے گی اعادہ واجب نہیں اور انوار الحدیث میں جو درمختار اور بہار شریعت کے حوالے سے ہے کہ فاسق کی اذان کا اعادہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اعادہ مستحب ومندوب ہے اور اعادہ واجب نہ ہو مگر مستحب ومندوب ہو اس میں تعارض نہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم مطبوعہ لائل پور ص ۳۸۸ میں ہے: فاسق کی اذان اگرچہ شعار کا کام دے مگر اعلام کہ اس کا بڑا کام ہے اس سے حاصل نہیں ہوتا نہ فاسق کی اذان پر وقت روزہ ونماز میں اعتماد جائز۔ ولہٰذا مندوب ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہو تو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اذان دے انتہی بالفاظہٖ اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۲۶۴ میں ہے: المقصود الاصلی من الاذان فی الشرع الاعلام بدخول اوقات الصلاۃ ثم صار من شعائر الاسلام فی کل بلدۃ اوناحیة من البلاد الواسعة فمن حیث الاعلام بدخول الوقت و قبول قوله لا بدمن الاسلام والعقل والبلوغ والعدالة فاذا اتصف المؤذن بهذ الصفات یصح اذانه ولافلایصح من حیث الاعتماد علیه وامامن حیث اقامة الشعار النافیة للاثم عن اهل البلدۃ فیصح اذان الکل سوی الصبی الذی لایعقل فیعاد اذان الکل ندبا علی الاصح اھ۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از سیّد محمد منظور عالم مسجد و محلّہ گوٹیا باغ شہر لکھیم پور کھیری (یو پی)

(۱) اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تکبیر کے وقت بات کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اقامت شروع ہونے سے قبل کھڑا ہونا سنت ہے یا حی علی الصلوۃ پر؟ زید لوگوں کو یہ بتلاتا ہے کہ تکبیر شروع ہونے سے قبل کھڑا ہونا خلاف سنت ہے بلکہ حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا چاہئے اور یہی سنت رسول ہے لیکن کچھ لوگ اس فعل کو بدعت قرار دے رہے ہیں اور گمراہی بتاتے ہیں سب کتابوں کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: (۱) جس شخص نے نماز نہ پڑھی ہو اسے اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا جائز نہیں اس لئے کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ادرك الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجته

وھو لا یرید الرجوع فھو منافق۔ یعنی اذان کے بعد جو شخص مسجد سے چلا گیا اور کسی حاجت کے لئے نہیں گیا اور نہ اس کا واپس ہونے کا ارادہ ہے تو وہ منافق ہے لیکن جو شخص کسی دوسری مسجد کی جماعت کا منتظم ہو مثلاً امام یا مؤذن وغیرہ کہ اس کے ہونے سے لوگ ہوتے ہیں ورنہ متفرق ہو جاتے ہیں ایسے شخص کو اجازت ہے کہ اذان ہونے کے بعد اپنی مسجد کو چلا جائے اگرچہ یہاں اقامت بھی شروع ہوگئی ہو۔ تنویر الابصار اور درمختار مع شامی ج ۱ ص ۴۷۹ میں ہے: کرہ تحریما خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ الا ان ینتظم بہ امر جماعۃ اخریٰ اوکان الخروج لسجد حیہ ولم یصلوا فیہ ملخصًا، اور اگر ظہر یا عشاء کی نماز تنہا پڑھ چکا ہے تو اقامت شروع ہونے سے پہلے جا سکتا ہے اور جب اقامت شروع ہوگئی تو بہ نیت نفل جماعت میں شریک ہو جائے اور عصر و مغرب و فجر میں مسجد سے چلا جائے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۲ میں ہے: ان کان قد صلی مرۃ ففی العشاء والظھر لاباس بالخروج مالم یاخذ المؤذن فی الاقامۃ فان اخذ فی الاقامۃ لم یخرج حتیٰ قضا ھما تطوعاً وفی العصر والمغرب والفجر یخرج۔ وھو تعالٰی عالم۔

(۲) تکبیر کے وقت بات کرنا جائز نہیں بہار شریعت ج ۳ ص ۳۶ میں فتاویٰ رضویہ سے ہے کہ جواذان کے وقت باتوں میں مشغول رہے اس پر معاذ اللہ خاتمہ برا ہونے کا خوف ہے اور حدیث شریف میں اقامت کو اذان کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ بھی نماز کے اعلام کے لئے ہے اور گفتگو کی آواز اعلام میں مخل ہوگی۔ وھو اعلم۔

(۳) تکبیر کے وقت بیٹھے کا حکم ہے کھڑا رہنا مکروہ و منع ہے۔ پھر جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھنا چاہئے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں مضمرات سے ہے: اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح۔ یعنی اگر کوئی شخص تکبیر کے وقت آیا تو اسے کھڑا ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے تو اس وقت کھڑا ہو اور شامی جلد اوّل ص ۲۶۸ مطبوعہ دیوبند میں ہے: یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔ یعنی کھڑا ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ لہٰذا بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو اٹھے اور مولوی عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل ص ۱۳۶ میں لکھتے ہیں: اذا دخل المسجد یکرہ لہ الانتظار الصلوٰۃ قائماً بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبہ صرح فی جامع المضمرات۔ یعنی جو شخص مسجد کے اندر داخل ہوا سے کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو اس کی تصریح جامع المضمرات میں ہے اور علامہ سیّد احمد طحطاوی اپنی مشہور کتاب طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۱۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں: اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل فی المسجد فانہ یقعد ولاینتظر قائمًا فانہ مکروہ کما فی المضمرات۔ قھستانی ویفھم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون۔ یعنی جب مکبر تکبیر کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑے رہنا مکروہ ہے

جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے' اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے' اور لوگ اس سے غافل ہیں' اور حدیث شریف کی مشہور کتاب موطا امام محمد باب تسویۃ الصف ص ۸۸ میں ہے: قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوۃ فیصفوا ویسو والصفوف۔ یعنی محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہنچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں۔ حدیث وفقہ کی مذکورہ بالا عبارتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مقتدیوں کا اقامت کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے' اور یہی حکم امام کے لئے بھی ہے تفصیل کے لئے ہمارے رسالہ ''آٹھ مسئلے'' کا مختصر فیصلہ دیکھئے مگر نہ معلوم کیوں وہابی دیوبندی اس مسئلہ میں عمل کرنے والوں سے جھگڑتے اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے پیشواؤں نے اردو کی چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی اس مسئلہ کو اسی طرح لکھا ہے۔ مفتاح الجنہ ص ۳۳ میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی کرامت علی جونپوری نے لکھا ہے کہ جب اقامت میں حی علی الصلوۃ کہے تب امام اور سب لوگ کھڑے ہو جائیں اور راہ نجات ص ۱۴ میں ہے: حی علی الصلوۃ کے وقت امام اٹھے۔ لوگوں کا اب بھی اس مسئلہ کی مخالفت کرنا کھلی ہوئی ہٹ دھرمی ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین یارب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیّدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲ رشعبان المعظم ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از سیّد محمد اختر چشتی آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف۔ ضلع اٹاوہ

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خود اذان پڑھی ہے؟ اگر پڑھی ہے تو اس طرح جیسے کہ لوگ پڑھتے ہیں یا اس میں کچھ کی تبدیلی کے ساتھ؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار سفر میں ظہر کی اذان پڑھی ہے' اور اشھد ان محمداً رسول اللہ کی بجائے آپ نے اشھد ان رسول اللہ پڑھا۔ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: فی الضیاء انہ علیہ السلام اذن فی سفر بنفسہ واقام وصلی الظھر وقد حققناہ فی الخزائن' اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جد الممتار جلد اوّل ص ۲۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں: عن التحفۃ للامام ابن حجر مکی انہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن مرۃ فی سفر فقال فی تشھدہ اشھد انی رسول اللہ وقد اشار ابن حجر الیٰ صحتہ اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد صفی اللہ ابوالعلائی گدی۔ سی کولیری ضلع ہزاری باغ۔ بہار

اذان و جماعت کے درمیان الصلاۃ والسلام علیك یارسول اللہ پکارنا جائز ہے یا نہیں؟ حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ ایک مؤذن نے صلاۃ پکاری تو لوگوں نے اسے نکال دیا تو کیا اس بات پر مؤذن کو نکالنے والے لوگ حق بجانب ہیں؟

الجواب: اذان و جماعت کے درمیان الصلاۃ والسلام علیك یارسول اللہ پکارنا جائز و مستحسن ہے۔ اسے اصطلاح شرع میں تثویب کہتے ہیں اور تثویب کو فقہائے کرام نے نماز مغرب کے علاوہ باقی نمازوں کے لئے مستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں ہے: التثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلاۃ الا فی المغرب ھکذا فی شرح النقایہ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامۃ وتثویب کل بلدما تعارفوہ اما بالتنحنح اوبالصلاۃ اوقامت قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذلك بما تعارفوہ کذا فی الکافی۔ یعنی نماز مغرب کے علاوہ ہر نماز میں علمائے متاخرین کے نزدیک تثویب مستحسن ہے ایسا ہی شیخ ابوالمکارم کی شرح النقایہ میں ہے اور تثویب یہ ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان مؤذن نماز کا دوبارہ اعلان کرے اور ہر شہر کی تثویب وہ ہے جو شہر والوں میں متعارف ہو کھنکھارنا یا صلاۃ صلاۃ پکارنا یا قامت قامت کہنا۔ اس لئے کہ تثویب اعلان نماز میں مبالغہ کے لئے ہے اور وہ اسی چیز سے حاصل ہوگا جو لوگوں میں متعارف ہوا ایسا ہی کافی میں ہے اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل ص ۴۱۸ میں تحریر فرماتے ہیں: واستحسن المتاخرون التثویب فی الصلوات کلھا۔ یعنی ہر نماز کے لئے تثویب کو متاخرین علماء نے مستحسن قرار دیا ہے اور مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے: ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ فی الاصح وتثویب کل بلد بحسب ما تعارف اھلھا۔ یعنی صحیح مذہب یہ ہے کہ اذان کے بعد ہر وقت میں تثویب کہی جائے اس لئے کہ دینی کاموں میں لوگوں کی سستی ظاہر ہے اور ہر شہر کی تثویب شہر والوں کے عرف کے لحاظ سے ہے۔ فقہائے کرام کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ اذان و جماعت کے درمیان مؤذن کا نماز کے لئے دوبارہ اعلان کرنا جائز و مستحسن ہے اور ہر شہر میں ان کلمات کے ساتھ پکارا جائے جن سے شہر والے سمجھ لیں کہ یہ نماز کا دوبارہ اعلان ہے اور آج کل عام شہروں میں الصلاۃ والسلام علیك یارسول اللہ اور اسی طرح کے دوسرے کلمات سے لوگ نماز کا دوبارہ اعلان سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کلمات کا اذان و جماعت کے درمیان پکارنا جائز و مستحسن ہے جو آٹھویں صدی ہجری کی بہترین ایجاد ہے جیسا کہ درمختار مع ردالمحتار جلد اوّل ص ۲۷۳ میں ہے: التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین وھو بدعۃ حسنۃ اھ تلخیصًا۔ یعنی اذان کے بعد الصلاۃ والسلام علیك یارسول اللہ پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ ہجری میں جاری ہوا اور یہ بدعت حسنہ ہے اور بدعت حسنہ کی مخالفت کرنے والے گمراہ نہیں تو جاہل اور جاہل نہیں تو گمراہ ضرور ہیں کہ قرآن کریم کے تیس پارے بنانا، ان میں رکوع قائم کرنا، اس پر اعراب یعنی زبر زیر وغیرہ لگانا، حدیث شریف کو کتابی شکل میں جمع کرنا، قرآن و

حدیث سمجھنے کے لئے علم نحو وصرف سیکھنا اور فقہ و علم کلام کی تدوین یہ سب بدعت حسنہ ہیں جن کی مخالفت جاہل یا گمراہ کے سوا تیسرا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا صلاۃ پکارنے کے سبب موذن کو نکالنے والے ظالم و جفا کار اور حق العبد میں گرفتار ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲؍ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد شوکت علی صدر بزم قادری موضع کمہریا۔ وارانسی۔

اقامت کے وقت امام اور مقتدی سب بیٹھے رہتے ہیں اور حی علی الفلاح پر اٹھتے ہیں جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ ایک مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ شروع تکبیر میں کھڑا رہنا چاہئے ورنہ صفیں کس طرح درست ہوں گی اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا رواجی لکھا ہے' تو صحیح مسئلہ کیا ہے؟ بحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب: اقامت کے وقت امام اور مقتدی سب کو بیٹھے رہنے کا حکم ہے۔ کھڑا رہنا مکروہ و منع ہے پھر جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھیں اور صفوں کو درست کریں جیسا کہ فقہائے کرام اور شارحین حدیث کے اقوال سے ثابت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں مضمرات سے ہے: اذا دخل الرجل عندالاقامة يكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن قوله حي على الفلاح یعنی اگر کوئی شخص تکبیر کے وقت آیا تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مکبر حي على الفلاح پر پہنچے تو اس وقت کھڑا ہو۔ اور درمختار میں ہے: دخل المسجد والمؤذن يقيم قعد یعنی جو شخص تکبیر کہے جانے کے وقت مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے اسی عبارت کے تحت شامی جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: يكره له الانتظار قائماً ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن حي على الفلاح یعنی اس کے لئے کھڑا ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر جب موذن حي على الفلاح کہے تو اٹھے اور مولوی عبدالحئی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی ص ۱۳۶ میں لکھتے ہیں: اذا دخل المسجد يكره له انتظار الصلوة قائماً بل يجلس موضعا ثم يقوم عند حي على الفلاح۔ یعنی جو شخص مسجد میں داخل ہوا سے کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حي على الفلاح کے وقت کھڑا ہو اور طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۱۵۱ میں ہے: اذا اخذ المؤذن في الاقامة ودخل رجل المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائما فانه مكروه كما في المضمرات قهستاني ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون۔ یعنی مکبر جب اقامت کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے' اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع اقامت میں کھڑا ہو جانا مکروہ ہے' اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ لہٰذا جو لوگ مسجد میں موجود ہیں اقامت کے وقت بیٹھے رہیں اور

مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھیں اور یہی حکم امام کے لئے بھی ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ۵۳ میں ہے:
یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثة وھو الصحیح۔ یعنی علمائے ثلاثہ حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک امام ومقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے اور یہی صحیح ہے' اور درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۳۲۲ میں ہے: والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح یعنی امام ومقتدی کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا سنت مستحبہ ہے' اور شرح وقایہ مجیدی جلد اوّل ص ۱۳۶ میں ہے: یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلٰوۃ یعنی امام ومقتدی حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوں' اور مراقی الفلاح میں ہے: قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح یعنی امام اگر محراب کے پاس حاضر ہو تو امام اور مقتدری کا مکبر کے حی علی الفلاح کہتے وقت کھڑا ہونا نماز کے آداب میں سے ہے' اور حدیث شریف کی مشہور کتاب مؤطا امام محمد باب ''تسویۃ الصّف'' ص ۸۸ میں ہے:
قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقیموا الی الصلوۃ فیصفوا ویسووا الصفوف۔ یعنی محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد شیبانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہنچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور پھر صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں' اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ''مالابدمنه'' ص ۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ''نزد حی علی الصلاۃ امام برخیزد'' یعنی امام حی علی الفلاح کے وقت اٹھے ان تمام حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ امام ومقتدی جو لوگ مسجد میں موجود ہیں سب اقامت کے وقت بیٹھے رہیں جب مکبر حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھیں۔ لہٰذا جس مفتی نے یہ فتویٰ دیا کہ شروع تکبیر میں کھڑا رہنا چاہئے اور یہ لکھا کہ حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا رواجی ہے وہ نام کا مفتی ہے حقیقت میں مفتی نہیں ہے ورنہ یہ مسئلہ جبکہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے اسے اس کی ضرور خبر ہوتی۔ دیوبندی جو عام طور پر اس مسئلہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کے پیشوا مولوی کرامت علی جونپوری نے اپنی کتاب مفتاح الجنہ ص ۳۳ پر لکھا ہے کہ جب اقامت میں حی علی الصلاۃ کہے تب امام اور سب لوگ کھڑے ہو جائیں یہاں تک کہ دیوبندیوں کی کتاب راہِ نجات ص ۱۴ میں ہے: حی علی الصلاۃ کے وقت امام اٹھے۔ رہا یہ سوال کہ صفیں کب درست ہوں گی تو اس کا جواب حدیث شریف کی کتاب مؤطا امام محمد کے حوالہ سے اوپر گزرا کہ حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہونے کے بعد صفیں سیدھی کریں اس مسئلہ پر مزید حوالہ جاننے کے لئے ہمارا رسالہ ''محققانہ فیصلہ'' پڑھیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از سیّد نذیر احمد رفاعی شاہ نور (کرناٹک)

مفتی اسلام حضرت علامہ جلال الدین احمد صاحب قبلہ امجدی مدظلہ العالی! السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ استقامت ڈائجسٹ پانچویں سال کے تیسرے شمارے میں اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت کرنے کے بارے میں آپ نے ابوداؤد شریف کی ایک حدیث لکھی ہے جو حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو حضور نے فرمایا: خدا کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھی کرو۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں: خرج یوما فقام حتی کادان یکبر فرای رجلا بادیا صدره من الصف فقال عباداللہ لتسون صفوفکم (مشکوٰۃ شریف ص ۹۷) تکبیر کے وقت حی علی الصلاۃ۔ حی علی الفلاح پر اٹھنے اور صفوں کی درستگی کے بعد امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے مسئلے میں حضرت کے مفصل مضمون سے ہم لوگ خوب مطمئن ہو گئے تھے لیکن ایک شخص کہتا ہے کہ حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر کہی جائے آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف مترجم جلد اوّل ص ۲۴۰ مطبوعہ کراچی پاکستان میں ہے' اور اسی مشکوٰۃ شریف مترجم جلد اوّل ص ۲۴۳ میں دوسری حدیث شریف یوں ہے: فاذا استوینا کبر۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب صفیں درست ہو جاتیں تو تکبیر کہی جاتی' تو ان احادیث کریمہ سے اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور صفیں درست ہو جاتیں اس کے بعد تکبیر کہی جاتی۔ شخص مذکور نے حدیثوں کا ترجمہ دکھا کر ہمیں شبہ میں ڈال دیا لہٰذا حضرت اس اعتراض کا اطمینان بخش جواب استقامت ڈائجسٹ میں شائع فرما دیں تاکہ شبہ دور ہو جائے عین کرم ہوگا۔

الجواب: پہلی حدیث مذکور ابوداؤد شریف کی نہیں ہے بلکہ مسلم شریف کی ہے۔ کتاب کا نام نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہے تصحیح کر لیں۔ اقامت کے بعد بھی صفوں کی درستگی کے اہتمام میں آپ کو اس لئے شبہہ پیدا ہوا کہ مخالف نے اپنا غلط مسئلہ صحیح ثابت کرنے کے لئے حدیث کا ترجمہ بدل دیا ہے' اور ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد ونظریات کو ثابت کرنے کے لئے نہ معلوم کتنی آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ بدل کر لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اردو داں حضرات کو ان کے ترجموں کے مطالعہ سے بچنا لازم ہے۔ حدیثوں کے صحیح ترجمہ کے لئے ہماری کتاب انوار الحدیث کو پڑھیں جس میں ۵۵۴ حدیثیں اصل عربی متن کے ساتھ درج ہیں اور خاص کر مشکوٰۃ شریف کی حدیثوں کا صحیح ترجمہ اور مفہوم سمجھنا چاہیں تو حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف مرآۃ للناجیح کا مطالعہ کریں۔ مخالف نے فقام حتی کادان یکبر کا جو ترجمہ کیا ہے کہ ''حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر کہی جائے'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور پہلے نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اس کے بعد تکبیر کہی جاتی تھی' تو یہ ترجمہ غلط ہے' اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ترجمہ کیا: ای قارب

ان یکبر تکبیرۃ الاحرام' اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں ترجمہ کیا: "تا آنکہ نزدیک بود کہ تکبیر برآورد برائے احرام" مگر چونکہ صحیح ترجمہ سے مخالف کے نظریہ کی تائید نہیں ہوتی تھی اس لئے اس نے حدیث کا ترجمہ بدل دیا۔ اسی طرح مخالف نے دوسری حدیث فاذا استوینا کبر کا جو ترجمہ کیا ہے کہ "جب صفیں درست ہوجاتیں تو تکبیر کہی جاتی" اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام پہلے صفیں درست کر لیتے تھے اس کے بعد تکبیر کہی جاتی تھی تو یہ بھی غلط ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جب صفیں درست ہوجاتیں تو حضور تکبیر تحریمہ کہتے جیسا کہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں تحریر فرمایا: فاذا استوینا کبر ای الاحرام قال ابن الملک یدل علیٰ ان السنۃ للامام ان یسوی الصفوف ثم یکبر اھ۔ یعنی جب صحابہ کرام کی صفیں سیدھی ہوجاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے۔ ابن الملک نے فرمایا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ امام کے لئے سنت یہ ہے کہ پہلے وہ صفوں کو درست کرے پھر اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہے اور شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات میں فاذا استوینا کبر کا ترجمہ فرمایا: "پس چوں برابری شدیم وخوب می استادیم درنماز تکبیر برآورد برائے احرام یعنی جب صحابہ کرام خوب برابر سیدھے کھڑے ہوجاتے تو حضور تکبیر تحریمہ کہتے' مگر اس حدیث شریف کے صحیح ترجمہ سے بھی مخالف کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا تھا اس لئے اس نے حدیث شریف کا ترجمہ ہی بدل ڈالا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

صحیح ترجمہ سے خوب واضح ہوگیا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کا اہتمام فرماتے تھے اور تا وقتیکہ صفیں خوب سیدھی نہ ہوجاتیں تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ر شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از شمیم احمد نرسا چٹی ضلع دھنباد۔

تکبیر کے وقت مقتدیوں کو کھڑا رہنا چاہئے یا حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مع حوالہ کے جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: بعون الملک الوھاب تکبیر کے وقت مقتدیوں کو بیٹھا رہنا چاہئے پھر جب حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھنا چاہئے حدیث شریف کی مشہور کتاب مؤطا امام محمد باب تسویۃ الصف ص ۸۸ میں ہے: قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلاۃ فیصفوا ویسووا الصفوف یعنی محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہنچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور پھر صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے: دخل المسجد وھو یقیم یقعد ولا یقف قائما الی وقت الشروع اھ۔ یعنی اقامت کے وقت جو شخص مسجد میں داخل ہو وہ بیٹھ جائے نماز کے شروع

ہونے تک کھڑا نہ رہے' اور طحطاوی علی مراقی ص ۱۵۱ میں ہے: اذا اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل المسجد فانه یقعد ولا ینتظر قائما فانه مکروه کما فی المضمرات قهستانی ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون۔ یعنی مکبر جب تکبیر کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے اور اس حکم سے سمجھا گیا کہ شروع اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے' اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ لہٰذا جو لوگ مسجد میں موجود ہیں تکبیر کے وقت بیٹھے رہیں اور جب مکبر حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھیں اور یہی حکم امام کے لئے بھی ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری، درمختار اور شرح وقایہ وغیرہ میں ہے: وهو تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم جل جلاله و صلی المولیٰ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ / شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد ادریس حنفی لکھنوی اشوک نگر۔ لکھنؤ

بخدمت اقدس حضرت مولانا جلال الدین احمد الامجدی زاد مجدکم مفتی فیض الرسول براؤں شریف بستی۔

السلام علیکم! مخدومنا!

بے حد مشکور ہوں کہ جناب نے سنیوں کے مشہور مجلّہ "استقامت" جنوری ۱۹۷۹ء میں اذان جمعہ اقامت اذان خطبہ جمعہ، تھویب اور دیگر مسائل پر سیر حاصل معلومات یکجا کر کے ہر عامی و خاصی کو اہم معلومات بہم پہنچا دیں۔ یہ مسائل ایسے تھے کہ جن پر فریق مخالف کا عمل دوسرے طریقے پر ہے' اور وہ اکثر ان موضوعات کو زیر بحث لا کر عام آدمی کو الجھن میں ڈالتے ہیں۔ انہیں مباحث کو پیش نظر رکھتے ہوئے میری آنجناب سے گزارش ہے کہ جو رخ تشنہ رہ گیا ہے۔ یا جس پر فریق مخالف کو مسکت جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بارے میں مزید وضاحت اور صراحت اس ناچیز کو براہ راست اور عام قارئین کو بوساطت رسالہ استقامت عنایت فرما دیں تو بے حد ممنون احسان ہوں گا۔ اس تحریری جسارت کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ والسلام

مطلوبہ صراحت بر مسائل متفرقہ

(۱) اذان جمعہ و خطبہ

اذان نماز پنجوقتہ کے لئے اندرون مسجد مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ (جس کا خاص شرائط کے ساتھ پڑھا جانا بدل ہے نماز ظہر کا) کی اذان بھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب دو اذانیں شروع ہوئیں تو پہلی اذان جمعہ کے لئے اور دوسری اذان خطبہ کے لئے مقرر ہوئی۔ کیا خطبہ کی اذان بھی حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں اور اس کے بعد کے زمانے میں مسجد کے دروازے ہی پر دی جاتی تھی؟ اگر نہیں تو کیا معمول تھا؟ یہ جو اذان خطبہ آج کل سنیوں کی مساجد میں صحن مسجد میں دی جاتی

ہے(نہ کہ منبر کے سامنے اگلی صف میں) وہ بھی مسنون کب ہوئی۔ مسجد کے دروازے پر یا بیرون مسجد کیوں نہ دی جائے؟

(۲) تثویب

نورالایضاح میں تثویب کو جائز کہا ہے' اوران الفاظ میں: الصلاۃ الصلاۃ یا مصلین اے نماز کے پڑھنے والو! نماز کے لئے آؤ جماعت تیار ہے۔ یہ اس وقت کی ایجاد ہے جب مسلمان سلاطین کے عاملین اذان سن کر فوراً نہیں حاضر ہو پاتے تھے اوران کو جماعت کی تیاری کی اطلاع جماعت کھڑی ہونے سے پہلے کی جاتی تھی۔ اب زمانہ حال میں اس کا کیا جواز ہے خصوصاً صلوٰۃ وسلام کے ساتھ اور بالالتزام؟

(۳) تکبیر کے وقت مقتدی اور امام کا اٹھنا:

امام کے بارے میں تو مسئلہ صاف ہے' اور تمام حنفی کتب فقہ میں ہے کہ حي علی الصلوٰۃ یا حي علی الفلاح پر نماز کے لئے کھڑا ہو اور یہ مستحب ہے نورالایضاح اور مالا بد منہ میں تو یہ بھی مستحب لکھا ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر امام تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کردے۔ اب مقتدیوں کے بارے میں یہ صراحت درکار ہے کہ جب حي علی الفلاح پر کھڑے ہوئے اور صفیں درست کرنا شروع کیا تو امام کی تکبیر اولیٰ ان کو کیسے ملے گی؟ یا امام نے نماز شروع کردی اور مقتدی تکبیر کو دہراتے رہے (جو مستحب ہے) تو تکبیر اولیٰ ضرور فوت ہوگی جس کے پاتے ہی پر جماعت کا پورا ثواب ملنا لکھا ہے۔ ایک دیوبندی مفتی نے مندرجہ ذیل فتویٰ دیا ہے اس پر بھی بحث ضروری ہے' اور مسئلہ کی مزید صراحت بھی۔

فتویٰ: فقہ کی کتابوں میں ایسا یعنی حي علی الفلاح پر امام کا کھڑا ہونا اور قد قامت الصلوٰۃ پر نماز شروع کرنا) مستحب لکھا ہے دلیل قیاسی دی ہے کہ جب مؤذن نے نماز کے لئے پکارا تو کھڑا ہو جائے اور جب نماز کے قائم ہونے کی اطلاع دی تو نماز شروع کرے لیکن امام ابو یوسف نے مسئلہ ثانی (شروع کرنے) میں اختلاف کیا ہے کہ بعد فراغت تکبیر نماز شروع کرے تاکہ امام بھی مؤذن کی تکبیر کا جواب دے سکے۔

احادیث سے مسائل بالا کی تائید نہیں ہوتی ہے بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوں کی درستگی کا آپ بہت اہتمام کرتے تھے کسی سے فرماتے آگے بڑھو اور کسی سے فرماتے پیچھے ہٹو پھر اس کے بعد نماز شروع فرماتے۔ پہلے سے اگر صفیں نہ درست کی جائیں عین موقعہ پر حي علی الصلوٰۃ پر ہی کھڑے ہوں تو مشاہدہ ہے کہ صفیں بہت ہی ٹیڑھی آگے پیچھے ہوتی ہیں۔ پس احادیث کی روشنی میں پہلے سے کھڑے ہو کر صفوں کا درست کرنا مطلوب معلوم ہوتا ہے۔ فقہاء میں سے علامہ طحطاوی نے صراحت کی ہے کہ اس سے قبل کھڑے ہونے کی مخالفت نہیں ہے۔ فقط

(دستخط مفتی) محمد ظہور ندوی

طالب علمانہ معروضات پیش ہیں۔ فروگذاشت کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

محمد ادریس لکھنوی

۹۲/۸۶ھ

عزیز گرامی زیدت محاسنکم ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ ثم السلام علیکم!

الجواب: بعون الملک العزیز الوهاب (۱) ایک اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شروع ہوئی جو جمعہ کے وقت خطبہ کے لئے مقرر ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے پورے زمانۂ خلافت اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں جمعہ کے لئے وہی ایک اذان خطبہ کے وقت ہوتی رہی پھر جب لوگوں کی کثرت ہوئی تو خلیفہ سوم نے ایک دوسری اذان خطبہ سے پہلے زوراء بازار میں دلوانی شروع کی جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں: فی سنن ابی داؤد بسندہٖ عن السائب بن یزید ان الاذان کان اولہ حین یجلس الامام علی المنبر یوم الجمعة فی عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم وابی بکر و عمر فلما کان خلافه عثمان وکثر الناس امر بالاذان الثالث واذن به علی الزوراء فثبت الامر علی ذلک والمراد بالاذان الثالث هو الاول وجعله ثالثا باطلاق الاذان علی الاقامة ایضاً والزوراء اسم سوق بالمدینة اھ ۔ یعنی سنن ابوداؤد میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتا تو پہلی اذان ہوتی تھی پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگوں کی کثرت ہوئی تو انہوں نے تیسری اذان کو شروع فرمایا جو زوراء میں دی جاتی تھی، اور تیسری اذان سے مراد جمعہ کی پہلی اذان ہے، اور روای نے اسے تیسری اذان اس لئے کہا کہ اقامت پر بھی اذان کا لفظ بولا جاتا ہے، او زوراء مدینہ طیبہ کے ایک بازار کا نام ہے ۔ انتھٰے، اور بیشک خطبہ کی اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بلکہ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے سے مسجد کے دروازہ پر ہوا کرتی تھی، اور بعد میں بھی یہ معمول تھا لہٰذا اس اذان کا مسجد کے اندر ہونا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے ۔ رسول اکرم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں خطبہ کی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ایک بار بھی ہرگز ہرگز ثابت نہیں ۔ جو لوگ اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر افتراء کرتے ہیں ۔ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابو بکر و عمر رضی اللہ عنهما ۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ۔ انتھٰے، اور اسی حدیث شریف سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ جو لوگ بین یدیہ سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں وہ غلط ہے کہ حدیث میں بین یدیہ کے ساتھ

علی باب المسجد بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے چہرے کے مقابل مسجد کے دروازہ پر خطبہ کی اذان ہوتی تھی نہ کی اندر اور مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں: قولہ بین یدیہ ای مستقبل الامام فی المسجد کان اوخارجہ والمسنون ھو الثانی۔ یعنی بین یدیہ کے معنی یہ ہیں کہ امام کے روبرو ہو مسجد میں خواہ باہر اور سنت یہی ہے کہ مسجد کے باہر ہو۔ انتھیٰ۔

معلوم ہوا کہ خطبہ کی اذان کا باہر ہونا سنت ہے اور جب باہر ہونا سنت ہے تو اندر ہونا خلاف سنت ہوا۔ لہٰذا عمدۃ الرعایہ کی اس عبارت کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوسکتے کہ چاہے سنت کے مطابق کرو چاہے سنت کے خلاف دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ کوئی عالم ایسا نہیں کہے گا بلکہ معنی وہی ہیں کہ بین یدیہ سے یہ سمجھ لینا کہ مسجد کے اندر ہو غلط ہے اس کے معنی صرف اتنے ہیں کہ امام کے روبرو ہو۔ اندر کی تخصیص اس لفظ سے مفہوم نہیں ہوتی۔ لفظ دونوں صورتوں پر صادق ہے اور سنت یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو تو ضروری ہوا کہ وہی معنی لئے جائیں جو سنت کے مطابق ہوں۔ بہرحال ان کے کلام میں بھی اتنی تصریح ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر ہونا سنت ہے تو بلاشبہ مسجد کے اندر ہونا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہوا اور کچھ لوگ مسجد کے اندر اذان دلوانے کی نسبت ہشام بن عبدالملک کی طرف کرتے ہیں مگر ہشام سے بھی اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ثابت نہیں۔ البتہ پہلی اذان کی نسبت بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اسے ہشام نے مسجد کی طرف منتقل کیا۔ رہی خطبہ کی اذان تو اس کے بارے میں تصریح ہے کہ ہشام نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ اسی حالت پر باقی رہا جیسا کہ زمانۂ رسالت وزمانۂ خلافت میں تھی جیسا کہ امام محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مواہب جلد ہفتم مطبوعہ مصر ۴۳۵ میں تحریر فرماتے ہیں: لما کان عثمان امر بالا ذان قبلہ علی الزوراء ثم ھشام الی المسجد ای امر بفعلہ فیہ وجعل آخر الذی بعد جلوس الخطیب علی المنبر بین یدیہ بمعنی انہ ابقاہ بالمکان الذی یفعل فیہ فلم یغیرہ بخلاف ماکان بالزوراء فحولہ الی المسجد علی المنار۔ یعنی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو خطبہ کی اذان سے پہلے ایک اذان زوراء بازار میں مکان کی چھت پر دلوائی پھر اس پہلی اذان کو ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا اور دوسری اذان جو کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے وہ خطیب کے سامنے کی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی۔ اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیلی نہ کی بخلاف بازار والی اذان اوّل کے کہ اس کو مسجد کی طرف منارہ پر لے آیا۔ انتھیٰ اور اگر ہشام سے اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ثابت بھی ہو جائے تو اس کا قول وفعل حجت نہیں کہ وہ ایک مروانی ظالم بادشاہ ہے جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے امام زین العابدین کے صاحبزادے یعنی حضرت امام باقر کے بھائی حضرت امام زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم کو شہید کرایا سولی دلوائی اور اس پر یہ شدید ظلم کہ نعش مبارک کو نہیں دفن ہونے دیا برسوں سولی پر لٹکتی رہی جب ہشام مرگیا تو نعش مبارک دفن ہوئی۔

ایسے ظالم بادشاہ کی سنت کو قبول کرلینا اور رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

سنت کو چھوڑ دینا صریح ظلم ہے' اور جو خطبہ کی اذان صحن مسجد میں دیتے ہیں وہ بھی خلاف سنت ہے کہ صحن داخل مسجد ہے۔ ہاں اگر وہ جگہ پہلے خارج مسجد تھی پھر مسجد بڑھائی گئی تو پہلے جو جگہ اذان کے لئے مقرر تھی وہاں خطبہ کی اذان دینے میں کوئی حرج نہیں کہ وہ جگہ بدستور مستثنیٰ رہے گی۔ جیسے کہ مکہ معظمہ میں اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مسجد حرام ہی تک تھی لہٰذا اگر مسجد بڑھانے کے سبب کنواں اندر ہو گیا تو اس کا بند کرنا ضروری نہیں۔ جیسے کہ آب زم زم کا کنواں۔ حالانکہ مسجد کے اندر کنواں بنانا جائز نہیں۔

فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: یکرہ المضمضة والوضوء فی المسجد الاان یکون ثمہ موضع اعدلذلك ولایصلی فیه اور فرمایا: لایحفر فی المسجد بئرماء ولوقدیمة تترك کبئرز مزم انتھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر اذان پڑھنا خلاف سنت اور بدعت سیہ ہے خواہ عام اذان ہو یا خطبہ کی اذان۔ اسی لئے فقہائے کرام نے مطلق اذان کو مسجد میں مکروہ وممنوع فرمایا اور کسی نے اذانِ خطبہ کا استثناء نہ کیا۔ یہاں تک کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر خاص باب جمعہ میں داخل مسجد اذان کو مکروہ فرمایا' مگر مخالفین اس لئے نہیں مانتے کہ اس سنت کو امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے زندہ فرمایا۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ہٹ دھرمی سے بچائے اور سنت کریمہ پر عمل کرنے اور بدعت سیہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سیّد المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

(۲) نور الایضاح میں تثویب کے جواز کو ''الصلاۃ الصلاۃ یامصلین'' کے ساتھ خاص نہیں فرمایا اس لئے کہ وہ اعلام بعد الاعلام ہے' اور اس کے لئے کوئی صیغہ معین نہیں بلکہ جو اصطلاح چاہیں مقرر کر لیں جائز ہے جیسا کہ اس عبارت کقوله بعد الاذان الصلٰوۃ الاصلاۃ یا مصلین سے ظاہر ہے' اور ردالمحتار میں ہے: بما تعارفوہ کتنحنح اوقامت قامت اوالصلاۃ الصلاۃ ولواحد ثوا اعلاما مخالفا لذالك جازنھر عن المجتبیٰ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: التثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلاۃ الافی المغرب ھٰکذا فی شرح التقایه للشیخ ابی المکارم۔ وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامة وتثویب کل بلد علی ماتعارفوہ اما بالتنحنح اوبالصلاۃ اوقامت قامت لانه للمبالغة فی الالعام وانما یحصل ذٰلك بما تعارفوہ کذا فی الکافی اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامة علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول ما راہ المومنون حسنا فھو عنداللّٰہ تعالیٰ حسن اھ۔

فقہائے کرام کی ان تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ تثویب کے لئے کوئی صیغہ خاص نہیں ہے' بلکہ جو صیغہ بھی متعارف ہو اس سے تثویب جائز ہے' اور صلاۃ وسلام کے ساتھ بالالتزام اس لئے تثویب ہوتی ہے کہ آج کل اسلامی شہروں میں صلاۃ و سلام کا صیغہ تثویب کے لئے متعارف ہے جو ۷۸۱ھ کی بہترین ایجاد ہے درمختار میں ہے: التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاخرسنة سبع مائة واحدیٰ وثمانین وھو بدعة حسنة اھ ملخصًا۔ یعنی اذان کے بعد الصلاۃ والسلام

علیك یارسول اللہ پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں جاری ہوا اور یہ بہترین ایجاد ہے انتہیٰ۔ لیکن چونکہ تھویب کے ان الفاظ کے ساتھ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے اس لئے بعض لوگ تھویب کی مخالفت کرتے ہیں، اور زمانہ حال میں بھی تھویب کے جائز اور مستحق ہونے کی وجہ ہی ہے جو پہلے تھی یعنی امور دینیہ میں لوگوں کی سستی و کاہلی جیسا کہ نور الایضاح کی شرح مراقی الفلاح میں ہے: ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظهور التوانی فی الامور الدینیه ا ھ۔ اور مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں: ان التثویب مستحسن فی جمیع الصلوات لجمیع الناس لظهور التكاسل فی امور الدین لاسیما فی الصلاة ویستثنٰی منه المغرب اھ۔ یعنی مغرب کے علاوہ ہر نماز میں سب لوگوں کے لئے علمائے متاخرین نے تھویب کو مستحسن قرار دیا ہے اس لئے کہ لوگ دینی امور خاص کر نماز میں سستی برتنے لگے ہیں انتہیٰ۔ صاف تصریح ہے کہ نماز مغرب کے علاوہ ہر نماز میں بالالتزام اور بلاتخصیص سب کے لئے تھویب مستحسن ہے۔ واللہ تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم۔

(۳) قدقامت الصلاۃ پر امام تکبیر تحریمہ کہہ کر شروع کردے یہ طرفین کے نزدیک مستحب ہے، اور اقامت کے وقت حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑا رہنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات پھر فتاوٰی عالمگیری، ردالمحتار، عمدۃ الرعایہ اور طحطاوی علی مراقی میں تصریح ہے تو اگر مقتدی اس کراہت سے بچ کر تکبیر اولٰی نہ پاسکے تو امام تکبیر اولٰی کو موخر کرے جو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے۔ بحرالرائق میں ہے: فی الظهیریة ولوا خرحتی یفرغ المؤذن من الاقامة لاباس به فی قولهم جمیعا ا ھ۔ اور درمختار میں ہے: لواخرحتی اتمها لاباس به اجماعاً اھ۔ اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: لواخره حتی یفرغ من الاقامة لاباس به فی قولهم جمیعا اھ۔ اور امام کے تکبیر اولٰی، ختم اقامت کے بعد کہنے میں تین فائدے ہیں: اوّل یہ کہ امام اور مقتدی دونوں مؤذن کی مکمل اقامت کا جواب دے سکیں گے جو مستحب ہے، دوسرے یہ کہ مؤذن اقامت سے فارغ ہوکر تکبیر اولٰی پاسکے گا جو کم ازکم مستحب ضروری ہے، اور تیسرے یہ کہ مقتدی کراہت سے بچ کر صفیں سیدھی کرلیں گے جن کی حدیث شریف میں تاکید ہے، تو صرف امام کے ایک مستحب پر عمل کرنے سے خود امام اور تمام مقتدیوں کا ایک دوسرے مستحب کا ترک لازم آتا ہے کہ ان میں سے کوئی اقامت کا جواب مکمل نہ دے سکے گا اور مؤذن تکبیر اولٰی نہ پاسکے گا اور سب مقتدیوں کو صفیں درست کرنے کے لئے حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑے ہوکر کراہت کا مرتکب ہونا پڑے گا تو مستحب کے لئے کراہت کے ارتکاب کا حکم نہ کیا جائے گا بلکہ اس صورت میں مستحب کو چھوڑ دیا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابن ہمام فتح القدیر باب المواقیت میں تحریر فرماتے ہیں: اذا لزم من تحصیل المندوب ارتکاب مکروه ترك، اور جبکہ ارتکاب کراہت کے ساتھ دوسرے مستحب کا ترک بھی لازم آتا ہو تو بدرجۂ اولٰی مستحب پر عمل کا حکم نہ کیا جائے گا۔ اسی لئے جمہور اور اہل حرمین کا عمل حضرت امام ابویوسف کے قول پر ہے جیسا کہ شرح نقایہ ص ۶۳ میں ہے: والجمهور علی قول ابی یوسف لیدرك المؤذن اوّل صلاة الامام وعلیه عمل اهل الحرمین اھ۔ اور مفتی محمد ظہور صاحب ندوی نے اپنے

فتویٰ میں جو یہ لکھا کہ "احادیث سے مسائل بالا کی تائید نہیں ہوتی" پھر یہ بتایا کہ احادیث کی روشنی میں پہلے سے کھڑے ہو کر صفوں کا درست کرنا مطلوب معلوم ہوتا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام علمائے متقدمین و متاخرین حتیٰ کہ ائمہ ثلاثہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد رضی اللہ عنہم جو امام و مقتدی کو حی علی الصلاۃ پر اٹھنے کا حکم دیتے ہیں یہ سب احادیث کریمہ کے خلاف حکم دیتے ہیں۔ یا تو اس لئے کہ یہ لوگ حدیث پر اپنی عقل کو ترجیح دیتے ہیں یا اس لئے کہ ان ائمہ کرام نے احادیث کو نہیں سمجھا' اور یہ دونوں باطل ہیں کہ امام اعظم نے خود فرمایا: اذا صح الحدیث فھو مذھبی اور احادیث کریمہ کے مفہوم کو جتنا ائمہ کرام نے سمجھا کسی نے نہیں سمجھا صرف عربی دانی کی بنیاد پر ان ائمہ کرام کے مقابل اگر کوئی حدیث فہمی اور تفقہ کا دعویٰ کرے تو غلط ہے کہ عربی زبان ہر شخص حاصل کر سکتا ہے مگر تفقہ صرف انہیں لوگوں کے نصیب میں ہے کہ جن کے ساتھ خدا عزوجل بھلائی کا ارادہ فرمائے: لقوله عليه السلام من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين (الحدیث) پھر مفتی ظہور صاحب ندوی نے احادیث سے مسائل بالا کی تائید نہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے "احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوں کی درستگی کا آپ بہت اہتمام کرتے تھے کسی سے فرماتے آگے بڑھو کسی سے فرماتے پیچھے ہٹو پھر اس کے بعد نماز شروع فرماتے" بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کی درستگی کا بڑا اہتمام فرماتے پھر اس کے بعد نماز شروع فرماتے' مگر اس سے شروع اقامت میں امام و مقتدی کا کھڑا ہو جانا ثابت نہیں ہوتا کہ حدیث شریف سے بعد اقامت بھی صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت ہے جیسا کہ امام مسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو حضور نے فرمایا: خدا کے بندو! اپنی صفوں کو برابر کرو۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں: خرج يوما فقام حتى كادان يكبر فرائ رجلا باديا صدره من الصف فقال عباد الله تسون صفوفكم (مشکوٰۃ ص ۹۷) اور حضرت عمر فاروق اعظم و حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ یہ حضرات بھی ختم اقامت کے باوجود تکبیر تحریمہ نہ کہتے بلکہ جب صفوں کی درستگی کی خبر ملتی تو نماز شروع فرماتے حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں: عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب كان يامر رجلا بستوية الصفوف فاذا جاء وه فاخبروه بستويتها كبر بعد. وعن مالك بن ابى عامر الانصارى ان عثمان بن عفان لايكبر حتى تاتيه رجال قدوكلهم بستوية الصفوف فيخبرونه ان قد استوت فيكبر (موطا امام محمد ص ۸۸) لہٰذا اسی پر عمل کرنے کا حکم کیا جائے گا کہ حی علی الصلوٰۃ پر اٹھنے کے بعد اگر مؤذن کے قد قامت الصلاۃ پڑھنے تک صفیں درست نہ ہو سکیں تو اگرچہ اقامت ختم ہو جائے تاوقتیکہ صفوں کی درستگی نہ ہو جائے نماز شروع نہ کی جائے اس لئے کہ قد قامت الصلاۃ پر نماز کے شروع کر دینے کے حکم مستحب پر عمل کرنے کے لئے جو جمہور کے خلاف بھی ہے مقتدیوں کو حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑے ہونے کا حکم دے کر فعل مکروہ میں نہیں مبتلا کیا جائے گا اور نہ صفوں کی درستگی کا اہتمام ترک کیا جائے گا۔ یعنی حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہو کر صفوں کی درستگی کے بعد امام نماز شروع کرے گا خواہ

قامت الصلاۃ پر صفیں درست ہوں یا اس کے بعد۔ احادیث کریمہ اور خلفائے راشدین کے عمل سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔
اسی لئے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ موطا امام محمد میں تسویۃ الصف کی حدیثیں نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلاۃ فیصفوا ویسووا الصفوف یعنی اقامت کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہنچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں پھر صف بندی کریں اور صفوں کو سیدھی کریں۔ انتھیٰ۔ خلاصہ یہ کہ حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑا ہونا حدیث سے ثابت نہیں اسی لئے مفتی صاحب کمزور لفظوں کے ساتھ آخر میں لکھتے ہیں کہ "پس احادیث کی روشنی میں پہلے سے کھڑے ہو کر صفوں کا درست کرنا مطلوب معلوم ہوتا ہے" اور پھر اخیر میں جو یہ لکھا کہ فقہاء میں سے علامہ طحطاوی نے صراحت کی ہے کہ اس سے قبل کھڑے ہونے کی ممانعت نہیں ہے' تو مفتی مذکور کا یہ لکھنا صحیح نہیں اس لئے کہ علامہ طحطاوی نے حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے' اور ممانعت بھی کی ہے' جیسا کہ طحطاوی علی مراقی ص ۱۵۱ میں ہے: اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما فانہ مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفھم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ر ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: مسئولہ مولوی عبدالرزاق قادری مدرس مدرسہ انوار العلوم عماد پٹی۔ ضلع چمپارن۔
جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد کے اندر ہونا کیسا ہے؟ داخل مسجد اذان ہونے کو زید مکروہ بتاتا ہے حوالہ میں حدیث اور کتب معتبرہ پیش کرتا ہے' اور بکر خارج مسجد اذان دینے کو بدعت قرار دیتا ہے' اور دلائل کو نہیں مانتا تو بکر کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: بیشک جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر پڑھنا مکروہ وممنوع ہے' اور خارج مسجد پڑھنا بدعت نہیں بلکہ داخل مسجد پڑھنا بدعت ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں جمعہ کی یہ اذان مسجد کے دروازے ہی پر ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علیٰ باب المسجد وابی بکر وعمر (رضی اللہ عنھما) یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اور طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۱۱۷ پر ہے: "یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم۔ یعنی زندویستی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے لہٰذا زید کا قول صحیح اور حق ہے' اور بکر جو خارج مسجد اذان دینے کو بدعت بتاتا ہے' اور حدیث وفقہ کو نہیں مانتا جاہل اور ہٹ دھرم ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مسئولہ مولوی نظام الدین خطیب مسجد ڈھونڈھیا۔ ضلع بستی۔

کیا جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر دینا منع ہے؟ بعض مسجدوں میں منبر اس طرح بنا ہے کہ باہر اذان دینے میں دیوار حائل ہوتی ہے مؤذن خطیب کے روبرو نہیں ہوسکتا تو ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: بیشک حدیث شریف اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے باہر پڑھنا سنت اور داخل مسجد پڑھنا مکروہ وممنوع ہے۔ اگر باہر اذان دینے میں خطیب ومؤذن کے درمیان دیوار حائل ہوتی ہو تو اس صورت میں بھی اندر اذان پڑھنا منع ہے اس لئے کہ یہاں دو سنتیں ہیں ایک محاذات خطیب دوسرے اذان کا مسجد کے باہر ہونا۔ جب ان میں تعارض ہو اور جمع ناممکن ہو تو ارجح کو اختیار کیا جائے گا کما هو الضابطة المستمرة۔ یہاں ارجح اور اقویٰ اذان کا خارج مسجد ہونا ہے اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے' اور ہر مکروہ منہی عنہ ہے لہٰذا مسجد کے اندر اذان منہی عنہ ہے' اور منہیات سے بچنا مامورات کی ادائیگی سے اہم واعظم ہے الاشباہ والنظائر میں ہے: اعتناء الشرع بالمنهيات اشد من اعتنائه بالمامورات۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی محمد رضا صاحب، ساکن مجھوا سیٹھ پوسٹ ٹنڈوا ضلع بستی۔

(۱) کیا اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہئے؟ فقہ حنفی کی معتمد کتابوں کے حوالہ سے مدلل بیان فرمائیں۔

(۲) خطبہ کی اذان اگر منبر کے سامنے مسجد کے اندر کہی جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے کسی حصہ میں ہوتی تھی؟ اس کا جواب بھی حدیث شریف اور فقہ حنفی کی کتابوں کے حوالہ سے تحریر فرمائیں۔

الجواب: (۱) بیشک جو لوگ اقامت کے وقت مسجد میں موجود ہیں بیٹھے رہیں۔ جب مکبر حی علی الصلاة حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھیں۔ یہی حکم امام اور مقتدی دونوں کے لئے ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں ہے: يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلثة وهو الصحيح۔ یعنی علمائے ثلاثہ حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب کہ مکبر حی علی الفلاح کہے' اور یہی صحیح ہے' اور شرح وقایہ جلد اوّل مطبوعہ مجیدی کانپور ص ۱۳۶ میں ہے: يقوم الامام والقوم عند حي على الصلاة یعنی امام اور مقتدی حی علی الصلاة کہنے کے وقت کھڑے ہوں' اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل ص ۴۱۹ میں ہے: قال ائمتنا يقوم الامام والقوم عند حي على الصلاة۔ یعنی ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ امام اور مقتدی حی علی الصلاة کے وقت کھڑے ہوں' اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۳۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں: فقہا گفتہ اند مذہب آنست نزد حی علی الصلاة باید برخاست۔ یعنی فقہائے

کرام نے فرمایا مذہب یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ کے وقت اٹھنا چاہئے اور جو شخص اقامت کے وقت آئے اس کے لئے بھی حکم ہے کہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ جب تکبیر کہنے والا حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح پر پہنچے تو اس وقت کھڑا ہو فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں ہے: اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح کذا فی المضمرات اور شامی جلد اوّل ص ۲۸۰ میں ہے: یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند ربی جل جلالہ وھو تعالٰی اعلم۔

(۲) مسجد کے اندرونی حصہ میں اذان پڑھنا مکروہ ومنع ہے فتاویٰ قاضی خاں جلد اوّل مصری ص ۷۸، فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۵، اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۵ میں ہے: قالوا لایؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۱۷ میں ہے: یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اس طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور صحابۂ کرام کے زمانے میں خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علیٰ باب المسجد وابو بکر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں۔ لہٰذا یہ جو رواج ہو گیا ہے خطبہ کی اذان مسجد کے اندر دی جاتی ہے غلط ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس رواج کو چھوڑ کر حدیث وفقہ پر عمل کریں۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از احمد اسرائیل حشمتی پوسٹ ومقام ڈونگلہ چتوڑ گڑھ (راجستھان)

خطبہ کی اذان اور پنج وقتی اذان کہاں دی جائے؟ مسجد کے اندر یا باہر اور صحن کی دیوار پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب پنج وقتی اذان کسی بھی جگہ مسجد کے باہر دی جائے کہ مسجد کے اندر اذان پڑھنا مکروہ ومنع ہے فتاویٰ قاضی خان جلد اوّل مصری ص ۷۸، فتاویٰ عالم گیری جلد اوّل مصری ص ۵۵، اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۹ میں ہے: قالوا لایؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور طحطاوی علی مراقی ص ۳۱۷ میں ہے: یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان پڑھنا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے

ہے'اور صحن کی دیوار پر اذان پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کہ وہ خارج مسجد ہے'اور خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے مسجد کے باہر پڑھی جائے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں پڑھی جاتی تھی۔ حدیث کی معتبر کتاب ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۲۱۶ میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علیٰ باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں۔ لہٰذا عام طور پر جو رواج ہو گیا ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے اندر دی جاتی ہے وہ غلط ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از غلام یٰسین قادری۔ ضیاء الاسلام کنواں پارہ چکیا چمپارن۔

جمعہ کی اذان ثانی جو مسجد کے اندر منبر کے سامنے ہوتی ہے یہ کیسا ہے؟ کیا مسجد کے اندر جائز ہے یا نہیں زید مسجد کے باہر منبر کے سامنے پکارنے کو جائز بتاتا ہے'اور بکر اس کو بدعت کہتا ہے لہٰذا حضور والا سے گزارش ہے کہ مدلل ومبرہن فرما کر شکریہ کا موقع دیں نیز بکر کے بارے میں کیا حکم ہے تحریر فرمائیں؟

الجواب: بعون الملك الوھاب اللھم ھدایة الحق والصواب جمعہ کی اذان ثانی بھی خارج مسجد ہونی چاہئے داخل مسجد اذان پڑھنا مکروہ ومنع ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد سے باہر دروازے پر ہی ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۵۶ میں ہے: عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر الصدیق وعمر رضی اللہ عنھما یعنی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں'اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۵ میں ہے: قالوا لایؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد کے اندر اذان پڑھنا ممنوع ہے لہٰذا داخل مسجد اذان کو جائز بتانے والا اور خارج مسجد اذان کو بدعت ٹھہرانے والا جاہل ہے ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ر شعبان ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از وکیل الدین قدوائی مکان نمبر ۸۸/۵۱۷ چمن گنج کان پور۔

(۱) قبل خطبہ جمعہ اذان ثانی از روئے شرع کس جگہ سے کہنی چاہئے حوالہ حدیث شریف سے دیں؟

(۲) اذان ثانی کا روبروئے خطیب داخل مسجد منبر کے قریب ہونا کیسا ہے؟

(۳) اذان مذکور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں داخل مسجد ہوا کرتی تھی کہ خارج مسجد؟

(۴) جس حدیث سے اذان مذکور خارج مسجد ہونا ثابت ہے وہ حدیث منسوخ ہے کہ نہیں؟

(۵) اگر خارج مسجد اذان ہونے والی حدیث منسوخ ہے تو ناسخ کون سی حدیث ہے؟

(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنت مروج نہ ہو اس کو رائج کرنا کیسا ہے؟

(۷) قوم کے عمل سے جو سنت اٹھ چکی ہو اس کو رائج کرنے والے اور کرانے والے کی فضیلت بیان فرمائیں؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) جمعہ کی اذان خواہ اذان اوّل ہو یا اذان ثانی یونہی نماز پنجگانہ کی اذان سب کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ وہ خارج مسجد ہو کیونکہ مسجد کے اندر اذان ممنوع ہے فتاوٰی قاضی خاں ص ۷۸ مطبوعہ مصر جلد اول۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ۵۵، بحر الرائق جلد اوّل مطبوعہ مصر ۲۶۸، شرح نقایہ علامہ برجندی ص ۸۴، فتح القدیر مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۱۷۱، فتاوٰی خلاصہ قلمی ص ۶۲ میں ہے: لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے تو جس طرح اس حکم فقہی کے پیش نظر نماز پنجگانہ کی اذان مسجد کے اندر ممنوع ہے ٹھیک یونہی جمعہ کی اذان ثانی بھی داخل مسجد ناجائز ہے۔ ہاں اس اذان کے لئے مزید حکم یہ ہے کہ خارج مسجد ہونے کے ساتھ خطیب کے سامنے ہو۔ بعض لوگوں نے نظر و فکر سے عاری ہونے کے باعث خطیب کے سامنے ہونے کا معنی یہ سمجھا ہے کہ منبر سے قریب خطیب سے دو ہاتھ کے فاصلے پر اذان ہو لیکن یہ ان حضرات کی غلطی ہے کیونکہ خطیب کا سامنا جس طرح قریب سے ہو سکتا ہے ٹھیک یونہی دور سے بھی ہو سکتا ہے، اور جب اسلامی فقہ نے مسجد میں اذان دینا ممنوع قرار دے دیا تو ایسی صورت میں حکم شرعی یہ ہوگا کہ مؤذن خارج مسجد اس جگہ کھڑا ہو اور اذان دے دہاں اس کے اور چہرۂ خطیب کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو حضور پرنور سیّدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں خطبہ والی یہ اذان مسجد کے باہر دروازے پر ہوتی تھی سنن ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۵۶ میں ہے: عن سائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن (خطبہ کے لئے) منبر پر تشریف رکھتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دروازۂ مسجد پر اذان ہوتی اور (ایسا ہی) حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما (کے زمانہ میں) ان دونوں حضرات کے سامنے (دروازۂ مسجد پر اذان ہوتی تھی اور کہیں منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے، تو دن دوپہر میں آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ بمطابق حدیث شریف و حسب ارشاد فقہائے اسلام جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے مقابل خارج مسجد ہو۔

(۲) جب کتب فقہ نے ضابطۂ کلیہ بیان کر دیا کہ مسجد کے اندر اذان دینا جائز نہیں تو بالکل آئینہ کی طرح یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ جمعہ کی اذان ثانی بھی چونکہ ایک اذان ہے اس لئے اس کا بھی مسجد کے اندر ہونا جائز نہیں ہاں روبروئے خطیب ہونا بیشک مشروع ہے، اور اس پر عمل کی صورت یہ ہے کہ مؤذن خارج مسجد اذان دینے کے لئے اس جگہ کھڑا ہو جہاں اس کے اور خطیب کے چہرہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

(۳) خطبہ والی اذان، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مقدسہ میں داخل مسجد نہیں ہوتی تھی بلکہ خارج مسجد دروازہ پر ہوتی تھی جیسا کہ سنن ابوداؤد کی حدیث شریف مذکور بالا سے واضح اور ثابت ہے۔

(۴) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی جس حدیث سے اذانِ خطبہ کا خارج مسجد ہونا ثابت ہے وہ ہرگز منسوخ نہیں کیونکہ اسی حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد خطبہ والی اذان صحابۂ کرام کے زمانہ میں خارج مسجد دروازہ پر دی جاتی تھی حالانکہ حضرات صحابہ نے یہ اذان خارج مسجد دروازہ پر دلوائی۔ پھر یہ حدیث شریف تو اخبار میں سے ہے اس کے منسوخ ہونے کے کیا معنی۔

(۵) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکورہ بالا نہ تو منسوخ ہے، اور نہ اس کی کوئی ناسخ حدیث ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضرات فقہائے کرام صاف صاف بالاعلان تحریر فرماتے ہیں: لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے تو اگر کوئی ناسخ حدیث ہوتی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ خطبہ والی اذان مسجد کے اندر جائز ہے تو فقہاء ضابطۂ کلیہ بیان فرمانے کے وقت اس کا استثناء ضرور فرماتے اور یوں تحریر کرتے: لا یؤذن فی المسجد الا اذان الخطبة یعنی مسجد کے اندر صرف اذان خطبہ جائز ہے باقی اور کوئی اذان جائز نہیں لیکن ان ائمہ دین نے اذان خطبہ کا استثناء نہیں فرمایا تو ثابت ہو گیا کہ حدیث ابوداؤد مذکور بالا کی ناسخ کوئی حدیث نہیں۔

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مردہ سنت کو زندہ کرنا یعنی رائج کرنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔

(۷) حضور اقدس افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من احیی سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة۔ رواہ السجزی فی الابانة عن انس رضی اللہ عنه یعنی جس نے میری مردہ سنت کو رائج کیا بیشک اس کو مجھ سے محبت ہے، اور جس کو مجھ سے محبت ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ اللھم ارزقنا۔ ایک دوسری حدیث میں پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم فرماتے ہیں: من احیٰی سنة من سنتی فقد امیتت بعدی فان له من الاجر مثل اجور من عمل بھا من غیران ینقص من اجورھم شیئا رواہ الترمذی عن بلال رضی اللہ عنه یعنی جو شخص میری کوئی سنت زندہ کرے جسے لوگوں نے میرے بعد چھوڑ دیا ہو تو جتنے اس پر عمل کریں گے سب کے برابر اس زندہ کرنے والے کو ثواب ملے گا اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ ایک تیسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مأته شهید رواہ " بیھقی فی الذھد عن عبداللہ

بن عباس رضی اللہ عنہما یعنی میری امت کے (اعمال) بگڑ جانے کے وقت جو شخص میری سنت مضبوط تھامے اسے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ پھر چونکہ دور حاضر میں جمعہ کی اذان ثانی سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے صریحاً خلاف مسجد کے اندر دلوانے کا رواج قائم ہے اس لئے جو شخص سنت نبوی زندہ کرنے کے لئے اس اذان کو دروازۂ مسجد پر دلوائے گا وہ ان تمام فضائل وحسنات کا مستحق ہوگا جو احادیث مذکورۂ بالا میں بیان کئے گئے وانما التوفیق من اللہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی المولی علیہ وسلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد الصدیقی القادری الرضوی، ۱۸/ربیع النور ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از شیخ رحمو اشرفی موتی تالاب پارہ۔ جگدلپور۔ بستر۔ (ایم۔ پی)

جمعہ کی اذان ثانی منبر کے نزدیک مسجد کے اندر دی جائے یا مسجد کے باہر امام کے روبرو دی جائے نیز کون سا طریقہ مسنون ہے اور کون سا طریقہ مکروہ وخلاف سنت ہے؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں بڑی نوازش ہوگی

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے خارج مسجد ہونی چاہئے یہی طریقہ سنت ہے منبر کے نزدیک یعنی داخل مسجد اذان پڑھنا خلاف سنت ومکروہ ومنع ہے۔ اس لئے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد سے باہر دروازہ پر ہی ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۵۶ میں ہے: عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی جب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں، اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۵ پر ہے: لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان منع ہے اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے، اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۵ میں ہے: قالو الا یؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد کے اندر اذان ممنوع ہے۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہُ الاعلٰی جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹/جمادی الاخری ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از عبدالغنی موضع ڈوگرا مہوا مظفر پور (بہار)

(۲) ہمارے یہاں جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہوتی تھی۔ ایک نوجوان مولوی صاحب پنجگانہ نماز پڑھاتے تھے، مگر

چند دن ہوئے کہ مولوی صاحب نے اعلان کیا کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر کے بجائے باہر ہونی چاہئے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے ہم میں اختلاف ہوگیا۔ بہت سے لوگوں نے مولوی صاحب کی اقتداء میں جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑ دی ہے۔ تراویح چھوڑ دی اور آپس میں جھگڑے کی نوبت آگئی تو ایسی صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان اختلافات کی ذمہ داری کس پر ہے؟

(۲) جب سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں اندر مسجد جمعہ کی اذان دلوائی اور خلیفہ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیق وسیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے دور میں ایسا ہی کیا تو جو شخص اندر مسجد اذان دلوائے تو کیا وہ مسلمان نہیں یا وہ سنیت سے خارج سمجھا جائے گا۔ یا اس کی نماز نہ ہوگی؟ یہ خیال نہ فرمائیں کہ اندر مسجد اذان دلوانے پر اصرار کرنے والے دیوبندی ہیں۔ نہیں نہیں، بلکہ یہ لوگ متقی اور سرکار نہی شریف والے سرکار کے مریدوں میں سے ہیں۔ صاف صاف حکم شرع شریف سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ (۱) آج کل جمعہ کی اذان ثانی منبر سے دو ہاتھ یا تین ہاتھ کے فاصلے پر مسجد کے اندر دلواتے ہیں یہ ناجائز ہے جس طرح اور نمازوں کے لئے اذان خارج مسجد ہونی چاہئے یونہی جمعہ کی اذان ثانی بھی خارج مسجد ہونی چاہئے ہاں اس اذان میں اتنی پابندی زیادہ ہے کہ خطیب کے سامنے ہو۔ حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد کے باہر دروازے پر ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۵۶ میں ہے: عن السائب بن يزيد رضي الله عنه قال كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة علىٰ باب المسجد وابى بكر و عمر۔ یعنی جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن (خطبہ کے لئے) منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے سامنے دروازۂ مسجد پر اذان ہوتی تھی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۵۵ مطبوعہ مصر میں ہے: لايؤذن في المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان منع ہے۔ بحر الرائق ص ۲۶۸ میں ہے: لايؤذن في المسجد یعنی مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ اب جبکہ حدیث شریف سے معلوم ہوگیا کہ سرکار اقدس نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کریمہ یہی ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہو اور فقہائے کرام کے ارشادات سے ثابت ہوا کہ اذان مسجد میں ناجائز ہے تو اس نوجوان مولوی کا اعلان کرنا کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے باہر ہونی چاہئے ضرور حق ہے۔ جن لوگوں نے محض اس احیائے سنت کے باعث مسجد کو چھوڑ دیا اور اس نوجوان مولوی کی اقتداء سے متنفر ہو گئے اور جماعت کا نظم توڑ دیا اور تراویح سے اپنے کو محروم کر لیا نیز فتنہ و فساد پر آمادہ ہو گئے وہ سب کے سب گنہگار ہوئے۔ خواہش نفسانی کے پیچھے چلنے والے قرار پا گئے اور چونکہ بلا عذر شرعی تارک جماعت ہوئے اس لئے شرعاً فاسق معلن بھی ہو گئے۔ ان سب پر توبہ کرنا اور اپنے گناہوں سے معافی مانگنا شرعاً فرض ہے۔

(۲) مستفتی الٹی بات لکھ رہا ہے کیونکہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے مقدس زمانے میں جمعہ کی یہ اذان مسجد

کے اندر نہیں بلکہ خارج مسجد دروازے پر دلوائی ہے اور ایسا ہی خلیفۂ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیق اور سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں ہوا ہے جیسا کہ ابوداؤد شریف کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے۔

جو شخص دیدہ و دانستہ بلا وجہ شرعی اس سنت مقدسہ کی مخالفت کرے وہ ضرور بدمذہبوں کا بھائی ہے جب حسب بیان سائل خارج مسجد اذان کی مخالفت کرنے والے سرکار نبی شریف کی خانقاہ سے منسلک ہیں تو پھر یہ تناؤ کیسا؟ تو، تو، میں میں اور جھگڑا فساد کیسا؟ خارج مسجد اذان دلوانے پر جھگڑا کیوں کر رہے ہیں۔ متقی ہوتے ہوئے اس سنت کریمہ کی مخالفت نہیں سمجھ میں آتی۔

بس فیصلہ یہ ہے کہ سب لوگ حکم شرع کے آگے اپنی اپنی گردنوں کو جھکا دیں، اپنے اپنے دلوں سے شیطانی خیالات نکال باہر کریں اور دونوں فریق متفقہ اعلان کر دیں کہ اب بحکم شریعت اسلامیہ جمعہ کی اذان ثانی موافق سنت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام اندر کی بجائے خارج مسجد ہوگی، اور خدا و رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم کی رضا حاصل کرنے اور شیطان کو بھگانے اور اس کو خائب و خاسر کرنے کے لئے دونوں فریق ان تمام باتوں کی آپس میں معافی کرالیں۔ جو زمانہ اختلاف میں ایک دوسرے کے خلاف کہتے اور سنتے رہے اس میں جو پیش قدمی کرے گا وہ جنت میں بھی پیش قدمی کرے گا۔ والتوفیق من المولیٰ تعالیٰ سبحانہ ورسولہٗ جل جلالہ وصلی المولی تعالی علیہ وسلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد الصدیقی القادری الرضوی، ۱۹؍ ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: منجانب مسلمانانِ کوٹھیا شریف ڈاکخانہ کانٹی ضلع مظفر پور (بہار)

(۱) خطبہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونی چاہئے؟ مسجد کے اندر اذان کہنا کیسا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں پورے ہندوستان میں اذان اندر ہوتی ہے یہ رائے عام اور سارے علماء کا اجماع ہے اور اتفاق ہے لہٰذا اندر ہونی چاہئے اس مسئلہ کے متعلق امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر حکم صادر فرمائیں۔ حدیث اور کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ہے، اور حدیث کی کتاب دکھائی جاتی ہے تو جاننے والے کہتے ہیں ہم اس بات کو نہیں مانیں گے میرے خاندان میں ہوتا آرہا ہے۔ مسجد کے باہر اذان ہونا نئی بات ہے۔ نہ ماننے والوں پر اسلام کا کیا حکم ہے؟

(۲) عربی خطبہ میں اردو اشعار پڑھنا کیسا ہے امام صاحب سے اسی بات پر گفتگو ہوئی کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ کو پڑھنا ہوگا امام صاحب کہتے ہیں کہ ہم نہیں پڑھیں گے یہ خلاف سنت متوارثہ ہے لہٰذا عربی خطبہ میں اردو اشعار پڑھنا کیسا ہے جیسا کہ خطبہ علمی میں ہے یہ اردو اشعار نہ پڑھنے کی وجہ سے کچھ لوگوں نے جمعہ اپنے مکان میں قائم کر لیا ہے ان کے جمعہ قائم کرنے سے جمعہ کی نماز ہو جائے گی۔ اس جگہ نماز پڑھنا کیسا ہے، اور مسجد کو اسی بات پر چھوڑ کر الگ جمعہ قائم کر لیا ہے ایسے لوگوں پر اسلام کا کیا حکم ہے؟

(۳) تکبیر میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہوتے ہیں پہلے سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں مکبر حی علی الفلاح پر پہنچا ہے تو لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کا ثبوت نہیں ہے شروع سے کھڑا ہونا چاہئے اس کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے اور اس کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب: (۱) خطبہ کی اذان مسجد کے اندر پڑھنا مکروہ ومنع ہے' اور اذانوں کی طرح یہ اذان بھی مسجد کے باہر ہی ہونی چاہئے کہ یہی سنت ہے جیسا کہ حدیث کی معتبر کتاب ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں' اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے' اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۹ میں ہے: قالوا لایؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۱۷ میں ہے: یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے' اور یہ کہنا غلط ہے کہ پورے ہندوستان میں اذان اندر ہوتی ہے اس لئے کہ ہندوستان کی بے شمار مسجدوں میں خطبہ کی اذان باہر ہوتی ہے' اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اندر اذان ہونے پر سارے علماء کا اجماع واتفاق ہے اس لئے کہ حدیث شریف اور فقہائے کرام کی تصریح کے ہوتے ہوئے کبھی بھی اندر اذان ہونے پر سارے علماء کا اتفاق نہیں ہوسکتا اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول منجد کے اندر اذان ہونے کے بارے میں ہرگز منقول نہیں لہٰذا ان کا مسلک حدیث شریف اور فقہائے کرام کے اقوال کے مطابق ہی ہے جو لوگ حدیث وفقہ کے ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اپنے خاندان کے غلط طریقہ کو مانتے ہیں مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے دور رہنا لازم ہے کہ وہ لوگ گمراہ نہیں تو جاہل ہیں اور جاہل نہیں تو گمراہ ہیں' اور مسجد کے اندر اذان ہونا نئی بات ہے باہر ہونا نئی بات نہیں ہے اس لئے کہ وہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(۲) امام صاحب صحیح کہتے ہیں بے شک جمعہ کے خطبہ میں اردو اشعار پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف اور مکروہ ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانۂ مبارکہ سے صحابۂ کرام تابعین عظام اور ائمہ اعلام کے عہد تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص عربی زبان میں مذکور وماثور۔ حالانکہ بحمداللہ تعالٰی زمانۂ صحابہ میں اسلام سیکڑوں عجمی شہروں میں شائع ہوا جمعے قائم ہوئے مگر تحقیق حاجت کے باوجود کبھی عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ فرمانا یا دونوں زبانیں ملانا صحابہ کرام سے مروی نہ ہوا۔ اگر لوگ اردو اشعار سننے کے لئے بضد ہیں تو امام کو چاہتے کہ رفع فتنہ کے لئے خطبہ کی اذان سے پہلے لوگوں کو اردو اشعار پڑھ کر سنادے پھر اذان کے بعد خالص عربی زبان میں خطبہ پڑھے۔ خطبۂ جمعہ میں اردو اشعار پڑھنے

کے سبب جن لوگوں نے دوسرا جمعہ قائم کرلیا وہ یا تو جاہل گنوار ہیں اور یا گمراہ۔ خداتعالیٰ ہدایت فرمائے اور دیہات میں نیا جمعہ قائم کرنا غلط ہے کہ وہاں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں البتہ جہاں سے قائم ہو وہاں بند نہ کیا جائے کہ وہاں جس طرح بھی عوام اللہ و رسولہ کا نام لیں غنیمت ہے۔ هٰكذا قال الامام احمد رضا البريلوى رضى الله عنه. وهو تعالىٰ اعلم

(۴) تکبیر کے وقت بیٹھنے کا حکم ہے کھڑا رہنا مکروہ و منع ہے پھر جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھنا چاہئے فتاویٰ عالمگیری، درمختار، شامی، شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ، مراقی الفلاح، طحطاوی علی مراقی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، اشعۃ اللمعات، مظاہر حق، مالابدمنہ، اور بہار شریعت وغیرہ تمام کتب معتبرہ میں یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے یہاں تک کہ حدیث کی مشہور کتاب مؤطا امام محمد باب تسویۃ الصف ص ۸۸ میں ہے: قال محمد ينبغى للقوم اذا قال المؤذن حى على الفلاح ان يقوموا الى الصلوٰة فيصفوا ويسووا الصفوف۔ یعنی محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد شیبانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہنچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں۔ وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ رمحرم الحرام ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: سیّد جاوید اشرف چشتی باری مسجد سلی گوڑی ٹاؤن۔ دارجلنگ (مغربی بنگال)

ایک مسجد میں خطبہ کی اذان داخل مسجد ہورہی ہے۔ مسجد کے متولی، سب نمازی اور تمام اہل محلّہ چاہتے ہیں کہ خطبہ کی اذان خارج مسجد ہو لیکن اگر امام صاحب راضی نہ ہوں تو کیا ایک شخص کی مرضی پر شریعت کے قانون کو قربان کیا جاسکتا ہے؟ جو فیصلہ ہو تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: مسجد کے اندر اذان پڑھنا مکروہ و منع ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں جلد اوّل مصری ص ۷۸ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۵ میں ہے: لايؤذن فى المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان دینا منع ہے، اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۷ میں ہے: يكره ان يؤذن فى المسجد كما فى القهستانى عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے، اور حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے حدیث شریف مروی ہے: قال كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وابى بكر و عمر۔ یعنی صحابی رسول حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی رائج تھا۔ (ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲) معلوم ہوا کہ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر پڑھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين یعنی میرے طریقے اور ہدایت

یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے پر تم لوگوں کو عمل کرنا لازم ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص ۳۰) لہٰذا خطبہ کی اذان کے بارے میں حضور اور ان کے خلفائے راشدین کے طریقے پر عمل کیا جائے اگرچہ امام صاحب راضی نہ ہوں کہ سنت کے مقابلہ میں امام کی رضا کوئی چیز نہیں اور امام کو بھی اس سنت سے اعراض نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے: من رغب عن سنتي فليس مني۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص میرے طریقے سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جو میرے طریقہ کو پسند نہ کرے وہ میرے راستہ پر نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷) وهو تعالٰی اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۹ ذی القعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شاہ محمد قادری رضوی نوری امام مسجد ماماری محلہ و پوسٹ چپلون رتنا گیری (مہاراشٹر)

اذان اوّل یا اذان ثانی مسجد کے اندر دینا جائز ہے کہ نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ہندوستان میں تقریباً سبھی مسجدوں میں منبر سے ڈیڑھ ہاتھ ہٹ کر خطیب کے سامنے اذان آج پشتہا پشت سے ہوتی چلی آرہی ہے آج تک کسی نے منع نہ کیا۔ کیا ان تمام اماموں میں اس مسئلہ کا جاننے والا کوئی نہ تھا؟ لہٰذا ہر اعتبار سے مسجد کے اندر منبر کے قریب خطیب کے سامنے اذان دینا صحیح ہے شریعت مطہرہ میں چاروں اماموں کے نزدیک اذان اولیٰ و اذان ثانی کہاں دینی چاہئے؟ اور زید کا اثبات صحیح ہے یا غلط ہے؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب اذان اوّل ہو یا اذانِ ثانی مسجد کے اندر پڑھنا مکروہ ہے۔ بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: لایؤذن في المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے' اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۹ میں ہے: قالوا لا يؤذن في المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۱۷ میں ہے: يكره ان يؤذن في المسجد كما في القهستاني عن النظم۔ یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے' اور خاص کر جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں حدیث کی معتبر کتاب ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن يزيد قال كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وابي بكر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں۔

اس حدیث شریف سے واضح طور سے معلوم ہوا کہ خطبہ کی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں مسجد کے باہر ہی ہوا کرتی تھی اور یہی سنت ہے حدیث شریف کے مقابلہ میں غلط رواج کا پیش کرنا صحیح نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين۔ میرا اور خلفاء راشدین کا طریقہ تم پر لازم ہے۔ لہٰذا جو لوگ سرکار کے ماننے والے ہیں وہ حضور کی اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کے لئے مسجد

کے باہر خطبہ کی اذان دیتے ہیں اور جو باپ دادا کے رواج کو مانتے ہیں وہ حضور کی سنت جاننے کے باوجود اندر ہی اذان پڑھ کر حضور کی سنت کو ٹھکراتے ہیں اور باپ دادا کے رواج کو زندہ کرتے ہیں' اور جبکہ حدیث شریف اور فقہ سے ثابت ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر پڑھنا سنت اور داخل مسجد پڑھنا مکروہ ومنع ہے تو جو لوگ پشتہا پشت سے مسجد کے اندر خطبہ کی اذان پڑھتے چلے آئے وہ اس مسئلہ سے جاہل تھے یا جاہل نہ تھے بالکل ظاہر ہے۔ چاروں اماموں میں سے کسی نے مسجد کے اندر اذان پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہے...... زید کا استدلال بہر صورت صحیح نہیں خدا تعالیٰ تمام مسلمانوں کو غلط رواج چھوڑ کر حدیث وفقہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہٹ دھرمی سے بچائے آمین یارب العلمین۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مسلمانان رانی گنج پوسٹ بہور کپور ضلع فیض آباد۔ (یو۔پی)۔

(۱) جمعہ کی اذان ثانی جو کہ خطبہ کے وقت ہوتی ہے' اور ہمارے خطے میں ہر جگہ رواج ہے کہ وہ اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہوتی ہے۔ آیا یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہئے یا کہ اندر؟

(۲) ایک آدمی کہتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے: وہ اذان خطیب کے سامنے ہوتی تھی تو کیا خطیب کے سامنے اندر ہی یا باہر؟ اس حدیث سے کیا حکم ثابت ہوتا ہے؟ اگر اس حدیث سے اندر ہونا ثابت ہے تو باہر اذان کہنے کی کیا دلیل ہے؟

(۳) اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو کہ مسجد کے اندر اذان کہنے پر اصرار کرے اور باہر اذان کہنے کو نئی بات وبرا جانے۔ واضح ہو کہ یہاں منبر ایسی جگہ بنا ہوا ہے کہ باہر سے اذان کہنے پر خطیب کا سامنا ہوتا ہے جواب اہل سنت وامام اعظم کے مذہب کے مطابق ہو اور قرآن وحدیث وفقہ حنفی کی معتبر کتابوں کا حوالہ بھی دیں؟

الجواب: (۱) خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے مسجد کے باہر ہونی چاہئے اور یہ جو رواج ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے اندر دی جاتی ہے۔ غلط ہے۔

(۲) بیشک حدیث شریف میں ہے: خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے ہوتی تھی مگر مسجد کے باہر دروازہ پر نہ کہ مسجد کے اندر۔ جیسا کہ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا جلس علی لمنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں۔ اسی لئے فقہائے کرام مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو منع فرماتے ہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں جلد اوّل مصری ص ۵۵ اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے' اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۵ میں ہے: قالوا لایؤذن فی المسجد فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور طحطاوی علی مراقی الفلاح

ص ۲۱۷ میں ہے: یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القهستانی عن النظم۔ یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔

(۳) مسجد کے اندر اذان کہنے پر اصرار کرنے والا اور باہر اذان کہنے کو نئی بات قرار دینے والا جاہل گنوار ہے اور حدیث مذکور و فقہائے کرام کی عبارتوں پر مطلع ہونے کے باوجود اگر نہ مانے تو ہٹ دھرم بھی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از عبید اللہ خاں سلیمانی۔ یاول ضلع جل گاؤں (مہاراشٹر)

زید کہتا ہے کہ خطبہ کی اذان خارج مسجد ہونی چاہئے اور یہی سنت ہے اور یہی صحابہ تابعین تبع تابعین ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے اور مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ تحریمی اور خلاف سنت ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے منبر کے پاس ہونی چاہئے خارج مسجد خطبہ کی اذان دینا بدعت ہے؟ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے اور یہ بھی واضح فرمائیں کہ اگر خارج مسجد اذان دینا صحیح ہے تو مسجد کے اندر اذان دینے کا طریقہ کب سے رائج ہے اور اس کا موجد کون ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: بیشک خطبہ کی اذان خارج مسجد ہونی چاہئے یہی سنت ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانۂ مبارکہ میں یہ اذان خارج مسجد ہی ہوا کرتی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی رائج تھا (ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲) اور حضرت علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ آیت مبارکہ: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ الخ کے تحت تحریر فرماتے ہیں: اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد۔ یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان پڑھی جاتی تھی۔ اسی لئے فتاویٰ قاضی خاں، فتاویٰ عالمگیری، بحر الرائق، فتح القدیر اور طحطاوی وغیرہ تمام کتب فقہ میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو مکروہ و منع لکھا ہے۔ لہٰذا عمرو جو خطبہ کی اذان خارج مسجد پڑھنے کو بدعت بتاتا ہے وہ گمراہ نہیں تو جاہل ہے اور جاہل نہیں تو گمراہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے طریقہ کو بدعت بتاتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ مسجد کے اندر اذان دینے کا طریقہ کب سے رائج ہے اور اس کا موجد کون ہے؟ تو ان باتوں کا جواب ان لوگوں کے ذمہ ہے جو مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو سنت سمجھتے ہیں وہ بتائیں کہ انہوں نے کس کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور اس کا موجد کون ہے؟ رہے مسجد کے باہر پڑھنے والے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے طریقے پر عمل کرتے

ہیں۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ر شوال ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبدالرشید خاں خطیب جامع مسجد ہریا۔ ضلع بستی

جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد ہونی چاہئے یا داخل مسجد؟

الجواب: خطبہ کی اذان ثانی بھی خارج مسجد ہونی چاہئے داخل مسجد اذان پڑھنا مکروہ و منع اور بدعت سیئہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد سے باہر دروازہ ہی پر ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی جب رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانۂ مبارکہ ہیں' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۵۵' فتاویٰ قاضی خاں جلد اوّل ص ۷۸' اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: لایؤذن فی المسجد۔ یعنی مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از محمد طاہر پاشا مقام بنکاپور ضلع دھارواڑ کرناٹک۔

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے وہ مسجد کے اندر دینی چاہئے یا مسجد کے باہر؟ زید کہتا ہے کہ درمختار اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے دی جائے خطیب کے سامنے یا روبرو کا کیا مطلب نکلتا ہے؟ فتاویٰ رضویہ اور بہار شریعت وغیرہ دکھانے کے بعد زید کہتا ہے کہ نئی کتاب اور نئے مسائل کی ضرورت نہیں۔ رکن دین۔ درمختار' فتاویٰ عالمگیری یہ سب بہت پرانی کتابیں ہیں۔ اس میں خطیب کے سامنے اور خطیب کے روبرو اذان ثانی دینے کو لکھا ہے اس لئے یہ اذان مسجد کے اندر ہی دینی چاہئے کیونکہ یہ بہت پرانا رواج ہے۔ اس سے قبل چھ ماہ تک جمعہ کی اذان ثانی باہر دی جاتی رہی جو کہ زید اب اپنی ہٹ دھرمی سے جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر دلوا رہا ہے۔ زید خود فاسق معلن ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور زید کا یہ کہنا کہ ''فتاویٰ رضویہ اور بہار شریعت وغیرہ یہ سب نئی کتابیں ہیں اور نئے مسائل ہیں ان کی ضرورت نہیں'' تو زید کے اس قول پر عندالشرع کیا جرم عائد ہوتا ہے؟ حدیث مبارکہ کی روشنی میں اس کا مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: بعون الملک العزیز الوھاب۔ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر پڑھنا سنت ہے' اور مسجد کے اندر خطیب

کے سامنے دو تین ہاتھ کے فاصلہ پر پڑھنا جیسا کہ بعض جگہ رائج ہے خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے اس لئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں ایک بار بھی خطبہ کی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں بلکہ ان کے مبارک دور میں خطیب کے سامنے مسجد کے باہر دروازہ پر یہ اذان ہوا کرتی تھی جیسا کہ حدیث مبارکہ کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے روز تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اھ۔ اور خطیب کے سامنے یا روبرو کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کی اذان خطیب کے بالمقابل مسجد کے باہر ہو۔ جو لوگ خطیب کے سامنے یا روبرو کا مطلب مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں وہ کھلی ہوئی غلطی پر ہیں کہ حدیث مذکور میں بین یدیہ کے ساتھ علی باب المسجد بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ خطیب کے سامنے یا روبرو کا مطلب یہ ہے کہ خطیب کے چہرے کے بالمقابل مسجد کے باہر دروازہ پر اذان ہو نہ کہ اندر جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی لہٰذا رکن دین، درمختار اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں جو خطیب کے سامنے یا خطیب کے روبرو اذان ثانی دینے کا لکھا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ خطیب کے بالمقابل مسجد کے باہر ہو۔ اسی لئے ان کتابوں میں مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دو تین ہاتھ کے فاصلے پر اذان دینے کو نہیں لکھا بلکہ مخالف کی پیش کی ہوئی کتاب فتاویٰ عالمگیری اور فقہ کی دوسری معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو مکروہ و ممنوع فرمایا جیسا کہ فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۹ میں ہے: قالوا لا یؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸، فتاویٰ قاضی خاں جلد اوّل مصری ص ۷۸ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۵ میں ہے: لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے اور طحطاوی علی مراقی ص ۲۱۷ میں ہے: یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔ لہٰذا جو لوگ مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو صحیح سمجھتے ہیں وہ فقہ اور حدیث شریف کے بجائے رواج کے ماننے والے ہیں کہ ان کے پاس ہٹ دھرمی اور رواج کے سوا مسجد کے اندر اذان پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں اور زید جس نے یہ کہا کہ فتاویٰ رضویہ اور بہار شریعت سب نئی کتابیں ہیں اور سب نئے مسائل ہیں تو جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ نہیں تو جاہل ہے۔ کہ فتاویٰ رضویہ اور بہار شریعت نئی کتابیں ضرور ہیں مگر مسائل پرانے ہیں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو حدیث شریف اور فقہ پر عمل کرنے کی اور ہٹ دھرمی سے بچنے کی توفیق رفیق بخشے۔ (آمین) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از مشہور عالم محلہ ڈونگری۔ بمبئی نمبر ۹

اذان میں حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھا چومنا اور آنکھوں پر لگانا کیسا ہے؟

الجواب: اذان میں حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں سے لگانا مستحب ہے۔ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار جلد اوّل ص ۲۶۸ میں تحریر فرماتے ہیں: یستحب ان یقال عند سماع الاولی عن الشهادة صلى الله عليك يارسول الله، وعند الثانيه منها قرت عيني بك يارسول الله، ثم يقول اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفرى الابهامين على العينين فانه صلى الله عليه وسلم يكون قاعد اله الى الجنة كذا في كنز العباد اھ قهستاني ونحوه في الفتاوى الصوفية۔ یعنی مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشهد ان محمدا رسول الله سنے تو صلى الله عليك يارسول الله کہے اور جب دوسری بار سنے تو قرت عيني بك يارسول الله اور پھر کہے اللهم متعني بالسمع والبصر اور یہ کہنا انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھنے کے بعد ہو۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رکاب میں اسے جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔ یہ مضمون جامع الرموز علامہ قہستانی کا ہے اور اسی کے مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور سیّد العلماء حضرت سیّد احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۱۱۱ میں علامہ شامی کے مثل لکھنے کے بعد فرمایا: وذكر الديلمي في الفردوس من حديث ابي بكر الصديق رضى الله عنه مرفوعًا من مسح العين بباطن انملة السبابتين بعد تقبيلهما عند قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله، وقال اشهد ان محمدا عبده ورسولهٗ رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبيا حلت له شفاعتي اھ وكذاروى عن الخضر عليه السلام و بمثله يعمل بالفضائل۔ یعنی دیلمی نے کتاب الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع کو ذکر فرمایا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جو مؤذن کے اشهد ان محمدا رسول الله کہتے وقت شہادت کی انگلیوں کے پیٹ کو چومنے کے بعد آنکھوں پر پھیر لے اور اشهد ان محمد اعبده ورسولهٗ۔ رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبيا کہے تو اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی، اور ایسے ہی حضرت خضر علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے اور اس قسم کی حدیثوں پر فضائل میں عمل کیا جاتا ہے، اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ موضوعات کبیر میں تحریر فرماتے ہیں: اذا ثبت رفعه الى الصديق رضى الله عنه فيكفي للعمل به لقوله عليه الصلاة والسلام عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين یعنی جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر میرا اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے، اور احادیث کریمہ میں تکبیر کو بھی اذان کہا گیا ہے لہٰذا تکبیر میں بھی انگوٹھا چومنا جائز و باعث برکت ہے، اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا جائز و مستحسن ہے کہ اس میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی

تعظیم بھی ہے اور حضور کی تعظیم جس طرح بھی کی جائے باعث ثواب ہے۔ هٰذا ما ظهرلی والعلم بالحق عند الله تعالٰی ورسوله

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مسئولہ قاضی محمد اسمٰعیل۔ بلوچ واڑہ شہر جوناگڑھ (گجرات)

خطبہ کی اذان مسجد کے اندر پڑھی جائے یا باہر؟ فتاویٰ عالمگیری مترجم اردو جلد اوّل باب جمعہ میں ہے کہ خطیب جب منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان دی جائے اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے خارج مسجد ہی ہونی چاہئے داخل مسجد اذان پڑھنا مکروہ ومنع اور بدعت سیئہ ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد کے باہر دروازہ ہی پر ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں بالتصریح مذکور ہے اور فتاویٰ عالمگیری اردو میں جو خطیب کے سامنے کا لفظ ہے وہ عربی لفظ بین یدیہ کا ترجمہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اذان مسجد کے اندر پڑھی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خطیب کے سامنے مسجد کے باہر پڑھی جائے جیسا کہ حدیث شریف سے ظاہر ہے بلکہ خود فتاویٰ عالمگیری میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو ممنوع قرار دیا ہے جیسا کہ جلد اوّل مصری ص ۵۵ میں ہے: لایؤذن فی المسجد. واللہ تعالٰی اعلم والیه المرجع والمآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از منشی عین اللہ ساکن سسہنیاں کلاں۔ ضلع گونڈہ

اذان واقامت کے درمیان صلاۃ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: اذان واقامت کے درمیان صلاۃ پڑھنا یعنی بلند آواز سے الصلاۃ والسلام علیك یارسول اللہ کہنا جائز ومستحسن ہے۔ اس صلاۃ کا نام اصطلاح شرع میں تثویب ہے اور تثویب کو فقہائے کرام نے نماز مغرب کے علاوہ باقی نمازوں کے لئے مستحسن قرار دیا ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں ہے: والتثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلاۃ الا فی المغرب هٰکذا فی شرح النقایة للشیخ ابی المکارم وهو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامة وتثویب کل بلدۃ علیٰ ماتعارفوه اما بالتنحنح اوبالصلاۃ الصلاۃ اوقامت قامت لانه للمبالغة فی الاعلام وانما یحصل ذٰلك بما تعارفوه کذا فی الکافی اھ۔ اور درمختار میں ہے: ویثوب بین الاذان والاقامة فی الکل للکل بما تعارفوه، اور اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: لظهور التوانی فی الامور الدینیة قال فی العنایة احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامة علی حسب ماتعارفوه فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وهو تثویب الفجر وما رآہ المسلمون حسنا فهو

عنداللہ حسن اھ' اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظھور التوانی فی الامور الدینیة فی الاصح وتثویب کل بلد بحسب ماتعارفه اھلھا اھ۔ اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل ص ۴۱۸ پر ہے: اما التثویب بین الاذان والاقامة فلم یکن علی عھدہ علیه السلام. واستحسن المتاخرون التثویب فی الصلوات کلھا اھ۔ اور اذان واقامت کے درمیان خاص کر صلاۃ وسلام پڑھنے کے متعلق صاحب درمختار میں تصریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنة سبع مائة واحدیٰ وثمانین وھو بدعة حسنة اھ ملخصًا یعنی اذان کے بعد الصلاۃ السلام علیك یارسول اللہ پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں جاری ہوا اور یہ بہترین ایجاد ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ضیاء الحق ساکن ڈومری پوسٹ کٹرہ ضلع مظفر پور (بہار)

زید قبروں پر اذان دینے سے منع کرتا ہے کیا یہ صحیح ہے کہ قبر پر اذان نہیں دینی چاہئے؟

الجواب: قبر پر بعد دفن میت اذان دینا جائز و مستحب ہے۔ اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام الشاہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی نے اپنے رسالہ مبارکہ ایذان الاجر فی اذان القبر میں پندرہ (۱۵) دلیلوں سے ثابت فرمایا ہے کہ قبر پر اذان دینا مستحب ہے اور اس اذان سے میت کے لئے سات (۷) فائدے شمار فرمائے ہیں۔ حاصل یہ کہ قواعد شرعیہ کی روشنی میں یہ اذان بلا دغدغہ جائز و مستحسن ہے جو اس کو ناجائز بتائے وہ یا تو اصول شرع سے جاہل ہے یا وہابی بے دین ہے۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ثم عند رسوله صلی اللہ علیه واٰله وسلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد الصدیقی القادری الرضوی

مسئلہ: از صدر الدین متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف۔

ایک شخص ایک مسجد میں مؤذن ہے جب کبھی اس مؤذن سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو لوگ باری باری اس مؤذن کو ڈانٹتے ہیں پھنکارتے ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ مصلیوں اور دیگر مسلمانوں کا اخلاق مؤذن کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے؟ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: اللہ جل وعلا وسیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مؤذن بڑی فضیلت والا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الامام ضامن والمؤذن مؤتمن اللھم ارشد الائمة واغفر للمؤذنین رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام ضامن ہے' اور

مؤذن امانت دار ہے اے اللہ! تو ہدایت دے اماموں کو اور بخش دے اذان دینے والوں کو۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اذن سبع سنین محتسباً کتب له براءة من النار (رواہ الترمذی وابن ماجہ) یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص خالصاً لوجہ اللہ سات برس اذان کہے اس کے لئے دوزخ سے نجات لکھی جاتی ہے (ترمذی، ابن ماجہ) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اذن ثنتی عشرة سنة وجبت له الجنة وکتب له...... وفی کل یوم ستون حسنة ولکل اقامة ثلثون حسنة (رواہ ابن ماجہ) یعنی بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بارہ برس اذان دے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور اس کے اذان دینے کے بدلے ہر دن ساٹھ نیکیاں اور ہر تکبیر کے بدلے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں (ابن ماجہ) ان احادیث کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مؤذن بڑی اہمیت اور فضیلت والا ہے تو مؤذن کی بے قدری و تذلیل اللہ و رسول جل جلالہ و صلی المولیٰ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ لہٰذا ہر نمازی بلکہ ہر مسلمان کو مؤذن کی عزت کرنا ضروری ہے ہاں اگر مؤذن سے کوئی غلطی یا لغزش ہو جائے تو کوئی ایک مقتدر مصلی مناسب طریقہ سے متنبہ کر دے ہر شخص ڈانٹنے پھٹکارنے پر آمادہ نہ ہو جائے کہ اس میں مؤذن کو اذیت ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ والیہ المرجع المآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵ر جمادی الاخری ۹۷ھ

مسئولہ: عبدالحمید عرف جگنو میاں، مہراج گنج، کپلوشو، نیپال

زید کا نام حافظ ہے اور ایک مسلم آبادی میں جو کہ دیہات ہے مدرسی کرتا ہے اذان و اقامت امامت اور میلاد و فاتحہ وغیرہ کا کام بھی انجام دیتا ہے۔ یہی زید ہندہ (جو کہ بکر کے نکاح میں ہے) سے کئی سال سے ناجائز طور پر میاں بیوی جیسا رہن سہن رکھتا تھا وطی میں بھی پکڑا گیا اور اقرار جرم عام آدمیوں میں کیا چند ہی ماہ کے بعد ہندہ کی لڑکی زینب کے ساتھ زید کا ناجائز تعلق پیدا ہو گیا جب گندگی پھیلی تو لوگوں نے لعن طعن شروع کیا تو زید زینب کو لے کر فرار ہو گیا۔ تھوڑی ہی مدت میں خفیہ آمد و رفت شروع کی کچھ لوگ حتیٰ کہ ایک سنی عالم بھی زید کے حامی بنے اب زید بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اسی پرانی بستی میں آ کر زینب کے ساتھ بغیر نکاح و طلاق کے میاں بیوی کا حق ادا کرتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے حتیٰ کہ اب زید کے گھر میں زینب سے بچہ بھی پیدا ہونے والا ہے زید گاؤں والوں سے کہتا ہے کہ اس میں میرا کیا قصور ہے جب زینب کا شوہر طلاق دے گا تب تو میں نکاح پڑھوا ہی لوں گا زید کے بھاگ جانے کے بعد گاؤں میں دوسرے سنی صحیح العقیدہ مدرس کی تقرری ہو گئی ہے۔ اب زید بھی آ گیا ہے اس لئے حق و ناحق کے دو گروہ پیدا ہو گئے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) زید اذان، اقامت، امامت، میلاد و فاتحہ ایک سنی جانکار مدرس کے ہوتے ہوئے بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) زید کی پرورش بحیثیت مدرس یعنی مسلمانوں کے مال سے

زیداوراس کے حامیوں خصوصاً عالم صاحب سے حقہ پانی اور معاملہ داری بند کرنا مناسب ہے کہ نہیں؟ بینوا بالتفصیل

خوردونوش اور تنخواہ کا انتظام کرنا درست ہے کہ نہیں؟ ایک عالم صاحب معاملہ کو جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ نکاح درست ہے اب

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) زیداگر واقعی زینب کو ناجائز طور پر رکھے ہوئے ہے تو فاسق معلن ہے اس کی اذان مکروہ ہے اگر کہہ دے تو دوبارہ کہی جائے جیسا کہ بہار شریعت حصہ سوم ص ۳۱ میں درمختار کے حوالہ سے ہے کہ فاسق اگرچہ عالم ہی ہو اس کی اذان مکروہ ہے لہٰذا اعادہ کیا جائے اور اس کی اقامت بھی مکروہ ہے اور اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان نمازوں کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے کوئی پڑھانے والا ہو یا نہ ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اگر کوئی قابل امامت نہ ملے تو تنہا تنہا پڑھیں مگر ایسے شخص کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں غنیۃ میں ہے: لوقدموا فاسقا یاثمون اور درمختار میں ہے: کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا اور فتاویٰ رضویہ جلد ۳ ص ۲۵۳ میں ہے: تقدیم الفاسق اثم والصلاۃ خلفہ مکروھۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھما فی درجۃ واحدۃ ودرء الفاسد اھم من جلب المصالح۔ اور میلاد و فاتحہ بھی اس سے پڑھانا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور ایسے بدکار فاسق معلن کی تعظیم ہرگز جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲) زید پر واجب ہے کہ فوراً زینب کو اپنے سے الگ کر دے اور ہرگز ہرگز اس کے ساتھ ناجائز تعلق نہ رکھے اور علانیہ توبہ و استغفار کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے اور زید زینب سے کسی صورت میں بھی نکاح نہیں کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ زینب کی ماں سے زنا کا اقرار کر چکا ہے اور جس سے زنا کر چکا ہو اس کی لڑکی سے نکاح کسی حال میں ہرگز جائز نہیں (شرح وقایہ جلد دوم ص ۱۱) وھو تعالیٰ اعلم۔

(۳) زید کی پرورش کے بارے میں پوچھا جاتا ہے جو حافظ ہو کر شریعت کو کھیل بتاتا ہے وہ ظالم جفا کار سخت گنہگار اور لائق عذاب قہار ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا مکمل بائیکاٹ کریں قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ (پارہ ۷، رکوع ۱۲) نکاح مذکور کو درست کہنے والا جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ نہیں تو جاہل ہے حدیث شریف: یفتون بغیر علم ضلوا واضلوا کا مصداق ہے اس پر اپنے قول سے رجوع لازم ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بھی بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ ربیع النور ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از عبدالرحمٰن قادری موضع پڑولی پوسٹ جھنگٹی (ٹھوٹھی باری) ضلع گورکھپور۔

تھویب جو اذان و اقامت کے درمیان کہی جاتی ہے جس میں الصلاۃ والسلام علیك یارسول اللہ وغیرہ کلمات

مخصوصہ پڑھے جاتے ہیں اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ اور خاص کر مذکورہ کلمات کا ہی پڑھنا کہاں سے ثابت ہے؟ اور حدیث شریف: ان علیار ای مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا هذا المبتدع من المسجد وروی مجاهد قال دخلت مع ابن عمر مسجداً فصلی فیه الظهر فسمع مؤذنا یثوب فغضب وقال قم حتی نخرج من عند هذا المبتدع کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: بعون الملك الوهاب۔ تھویب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تھویب قدیم دوسرے تھویب جدید۔ تثویب قدیم الصلاۃ خیر من النوم ہے جو اذان کی مشروعیت کے بعد فجر کی اذان میں بڑھائی گئی جیسا کہ بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۰ میں ہے: وهو نوعان قدیم و حادث فالاول الصلوة خیر من النوم والثانی احدثه علماء الکوفة بین الاذان والاقامة' اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ان بلالا اذن لصلاۃ الفجر ثم جاء الی باب حجرۃ عائشة رضی الله عنها فقال الصلاۃ یارسول الله. فقالت عائشه رضی الله عنها الرسول نائم فقال بلال الصلاۃ خیر من النوم. فلما انتبه اخبرته عائشة فاستحسنه رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال اجعله فی اذانك (عنایہ مع فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۲) اور جب لوگوں کے اندر امور دینیہ میں سستی پیدا ہوئی تو اذان و اقامت کے درمیان تھویب جدید کا اضافہ کیا گیا۔

تھویب قدیم سنت ہے' اور فجر کی اذان کے ساتھ خاص ہے دوسری اذان کے ساتھ بڑھانا مکروہ و ممنوع ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: عن بلال رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتثوبن فی شیء من الصلوات الافی صلاۃ الفجر۔ یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں تھویب ہرگز مت کہو۔ (مشکوۃ شریف ص ۶۳) اور تھویب قدیم کو دوسرے وقت کی اذان میں اضافہ کرنے سے حضرت علی و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے انکار فرمایا جیسا کہ امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: عن ابن عمر انه سمع مؤذنا یثوب فی غیر الفجر وهو فی المسجد فقال لصاحبه قم حتی نخرج من عند هذا المبتدع وعن علی رضی الله عنه انکاره بقوله اخرجوا هذا المبتدع من المسجد واما التثویب بین الاذان والاقامة فلم یکن علی عهده علیه السلام واستحسن المتاخرون التثویب فی الصلوٰت کلها۔ یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے ایک مؤذن سے سنا کہ وہ فجر کی اذان کے علاوہ دوسری اذان میں تھویب کہتا ہے تو آپ نے اپنے ساتھی سے فرمایا اٹھو اس مبتدع کے پاس سے نکل چلیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غیر فجر میں تھویب سے انکار ان کے اس قول سے مروی ہے کہ اس مبتدع کو مسجد سے نکال دو۔ رہی اذان و اقامت کے درمیان کی تھویب تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں نہیں تھی مگر اس تھویب کو متاخرین نے سب نمازوں کے لئے مستحسن قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد اوّل ص ۴۱۸)

معلوم ہوا کہ حضرت علی وابن عمر رضی اللہ عنہم کا انکار تھویب جدید کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کا انکار غیر فجر میں تھویب قدیم سے ہے' اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: '' آوردہ اند کہ ابن عمر بمسجد ے در آمد ومؤذن راشنید در جز نماز فجر تھویب کرد پس از مسجد بر آمد وگفت بیروں روید از پیش ایں مرد کہ مبتدع ست (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۳۰۸) اس عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز فجر کے علاوہ دوسری نماز کے لئے تھویب قدیم سے انکار ہے' اور اگر حضرت ابن عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہما کا انکار تھویب جدید سے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس تھویب کے بارے میں ائمہ اسلام وفقہائے عظام کے تین اقوال ہیں۔ اوّل یہ کہ تھویب جدید نماز فجر کے علاوہ تمام نمازوں کے لئے مکروہ ہے فجر کا وقت چونکہ نوم وغفلت کا وقت ہے اس لئے اس میں صرف اس کی اذان کے بعد یہ تھویب جائز ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ قاضی اور مفتی وغیرہ جو مصالح مسلمین کے ساتھ مشغول ہوں صرف ان کے لئے سب نمازوں کے وقت تھویب جائز ہے۔ یہ قول حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے' اور اسی کو امام فقیہ النفس حضرت قاضی خاں نے بھی اختیار فرمایا ہے' اور تیسرا قول یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت سب مسلمانوں کے لئے تھویب جائز ومستحسن ہے متاخرین نے امور دینیہ میں لوگوں کی غفلت اور سستی کے سبب اسی قول کو اختیار فرمایا جس پر اہلسنت وجماعت کا عمل ہے جیسے کہ اذان وامامت وغیرہ پہ اجرت لینا علمائے متقدمین کے نزدیک ناجائز ہے مگر متاخرین علماء نے امور دینیہ میں لوگوں کی سستی دیکھ کر اسے جائز قرار دے دیا جس پر آج ساری دنیا کا عمل ہے درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۳۴ میں ہے: لاتصح الاجارة لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامة وتعليم القران والفقه ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القران والفقه والامامة والاذان اھ۔

اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول مجتبائی ص ۱۵۴ میں ہے: اختلف الفقهاء في حكم هذا التثويب على ثلثة اقوال. الاول انه يكره في جميع الصلوات الاالفجر لكونه وقت نوم وغفلة ويشهد له حديث ابي بكرة خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم لصلاة الصبح فكان لايمر برجل الاناداه بالصلاة اوحركه برجله. اخرجه ابوداؤد فانه يدل على اختصاص الفجر بتثويب في الجملة. والثاني ماقاله ابويوسف واختاره قاضي خان انه يجوز التثويب للامراء وكل من كان مشغولا بمصالح المسلمين كالقاضي والمفتي في جميع الصلوات لالغيرهم ويشهد له ماثبت بروايات عديدة ان بلالاكان يحضرباب الحجرة النبوية بعد الاذان ويقول الصلاة الصلاة. والثالث مااختاره المتاخرون ان التثويب مستحسن في جميع الصلوات لجميع الناس لظهور التكاسل في امور الدين لاسيما في الصلاة ويستثنى منه المغرب بناء على انه ليس يفصل فيه كثيرا بين الاذان والاقامة صرح به العناية والدرر والنهاية وغيرها۔

متون مثلاً تنویر الابصار، وقایہ، نقایہ، کنز الدقائق، غرر الاحکام، غرر الاذکار، وافی، ملتقی، اصلاح، نور الایضاح اور شرح مثلاً درمختار، طحطاوی، عنایہ، نہایہ، غنیۃ شرح منیہ، صغیری، بحر الرائق، نہر الفائق، تبیین الحقائق، برجندی، قہستانی، درر، ابن ملک، کافی، مجتبیٰ، ایضاح، امداد الفتاح، مراقی الفلاح طحطاوی علی مراقی اور فتاویٰ مثلاً ظہیریہ، خلاصہ، خزانۃ المفتیین، جواہر اخلاطی اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہا کتب معتبرہ میں اذان و اقامت کے درمیان تثویب کو جائز و مستحسن لکھا ہے درمختار مع شامی جلد اوّل مطبوعہ دیوبند ص ۲۶۱ میں ہے: يثوب بين الاذان والاقامة فى الكل للكل بما تعارفوه اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: التثويب العود الى الاعلام بعد الاعلام درر. قوله فى الكل اى كل الصلوات لظهور التوانى فى الامور الدينية. قال فى العناية احدث المتاخرون التثويب بين الاذان والاقامة على حسب ماتعارفوه فى جميع الصلوات سوى المغرب مع ابقاء الاول يعنى الاصل وهو تثويب الفجر ومارآه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن اھ. قوله بما تعارفوه كتنحنح او قامت قامت اوالصلاة الصلاة ولواحد ثوا اعلاما مخالفا لذلك جاز نهر عن المجتبىٰ اھ ملتقطاً۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں ہے: التثويب حسن عند المتاخرين فى كل صلاة الافى المغرب هكذا فى شرح النقايه للشيخ ابى المكارم وهو رجوع المؤذن الى الاعلام بالصلاة بين الاذان والاقامة وتثويب كل بلد ماتعارفوه اما بالتنحنح اوبالصلاة الصلاة واقامت اقامت لانه للمبالغة فى الاعلام وانما يحصل ذلك بما تعارفوه كذا فى الكافى۔

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ مسلمان امور دین میں سست ہو گئے ہیں اس وجہ سے متاخرین نے اذان و اقامت کے درمیان تثویب کو مقرر کیا اور تثویب مغرب کے علاوہ ہر نماز کے لئے جائز ہے اور مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور تثویب کے لئے کوئی الفاظ خاص نہیں ہیں لوگ جو الفاظ بھی مقرر کر لیں جائز ہے۔ آج کل تثویب میں الصلاة والسلام عليك يارسول الله وغیرہ کلمات مخصوصہ عموماً کہے جاتے ہیں اس لئے کہ ان سے اعلام کے ساتھ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار بھی ہوتا ہے اور اسی لئے جو لوگ حضور کی عظمت کے مخالف ہیں وہ تثویب کی مخالفت کرتے ہیں ورنہ تثویب کا جائز و مستحسن ہونا جبکہ تمام کتب متداولہ میں مذکور ہے اس کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں اور تثویب میں الصلاة والسلام عليك يارسول الله پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں جاری ہوا جو بہترین ایجاد ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد اوّل مطبوعہ دیوبند ص ۲۶۱ میں ہے: التسليم بعد الاذان حدث فى ربيع الاخر سنة سبع مائة واحدى وثمانين وهو بدعة حسنة اھ۔ هذا ما عندى والعلم بالحق عندالله تعالىٰ ورسوله جل جلاله وصلى الله عليه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

باب شروط الصلاۃ

نماز کی شرطوں کا بیان

مسئلہ: از جمیل احمد سائیکل مستری مہراج گنج ضلع بستی۔

بہت سے لوگ اتنی باریک دھوتی پہن کر نماز پڑھتے ہیں کہ بدن جھلکتا ہے تو ایسے لوگوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور باریک دوپٹہ اوڑھ کر عورتوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مرد کو ناف سے گھٹنے تک چھپانا فرض ہے۔ لہٰذا اتنی باریک دھوتی یا لنگی پہن کر نماز پڑھی کہ جس سے بدن کی رنگت چمکتی ہے تو نماز بالکل نہیں ہوئی، اور بعض لوگ جو دھوتی اور لنگی کے نیچے جانگھیا پہنتے ہیں تو اس سے ران کا کچھ حصہ تو چھپ جاتا ہے مگر پورا گھٹنا اور ران کا کچھ حصہ باریک دھوتی اور لنگی کے نیچے سے جھلکتا ہے تو اس صورت میں بھی نماز نہیں ہوتی اس لئے کہ گھٹنے کا چھپانا بھی فرض ہے حدیث شریف میں ہے: الرکبۃ من العورۃ' اور فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۵۴ میں ہے: العورۃ للرجل من تحت السرۃ حتی تجاوز رکبتیہ فسرتہ لیست بعورۃ عند علمائنا الثلاثۃ ورکبتہ عورۃ عند علمائنا جمیعا ھٰکذا فی المحیط۔ پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد ہے: الثوب الرقیق الذی یصف ماتحتہ لاتجوز الصلاۃ فیہ کذا فی التبیین۔

اور اتنا باریک دوپٹہ اوڑھ کر عورتوں کی نماز نہیں ہوگی کہ جس سے بال کا رنگ جھلکے اس لئے کہ عورتوں کو بال کا چھپانا بھی فرض ہے بلکہ منہ، ہتھیلی اور پاؤں کے تلووں کے علاوہ پورے بدن کا چھپانا ضروری ہے فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۴ میں ہے: بدن الحرۃ عورۃ الاوجہھا وکفیھا وقدمیھا کذا فی المتون۔ وشعر المرأۃ ما علی راسھا عورۃ واما المسترسل ففیہ روایتان الاصح انہ عورۃ کذافی الخلاصۃ وھو الصحیح وبہ اخذ الفقیہ ابوا اللیث وعلیہ الفتویٰ کذا فی معراج الدرایۃ' اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۴۳ پر ہے کہ اتنا باریک دوپٹہ جس سے بال کی سیاہی چمکے عورت نے اوڑھ کر نماز پڑھی تو نماز نہ ہوگی جب تک کہ اس پر کوئی ایسی چیز نہ اوڑھے جس سے بال وغیرہ کا رنگ چھپ جائے۔ انتھی بالفاظہ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ کسان ٹولہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی۔

ظہر کی نماز پڑھنے کے ارادہ سے کھڑا ہو مگر نیت کرنے میں زبان سے لفظ عصر نکل جائے تو ظہر کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں۔ لہٰذا جب دل میں ظہر کی نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اور زبان سے لفظ عصر نکل جائے تو ظہر کی نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر فرض پڑھنے کا ارادہ ہو مگر بھول کر سنت کہہ دے تو فرض نماز ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ نیت میں زبان کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ دل میں جو ارادہ ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے: المعتبر فیھا عمل القلب اللازم للارادۃ فلا عبرۃ للذکر باللسان ان خالف القلب لانہ کلام لانیۃ۔ اسی کے تحت شامی جلد اوّل ص ۲۷۸ میں ہے: لو قصد الظھر وتلفظ بالعصر سھوا اجزأہ کما فی الزاھدی قھستانی۔ ھٰذا ماعندی وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ضیاء الحق ساکن ڈومری پوسٹ کٹرہ ضلع مظفر پور (بہار)

زید عید کی نماز پڑھانے کھڑا ہوا اور کہا جسے عید کی نماز کی نیت نہ آتی ہو وہ کہہ دے ''جو نیت امام کی وہ نیت میری۔'' کیا یہ کہنے سے نماز عید ہو جائے گی؟

الجواب: ہاں ہو جائے گی۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۳ میں ہے: جب امام کے پیچھے ہو اور یہ نیت کرے کہ امام جو نماز پڑھتا ہے وہی میں بھی پڑھتا ہوں تو یہ نماز ہو جائے گی۔ انتھی۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹/ ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از محمد حسن محلہ باغیچہ التفات گنج ضلع فیض آباد

کچھ لوگ اللہ اکبر کو آللہ اکبر یا اللہ آکبر کہتے ہیں اور بعض لوگ اللہ اکبار کہتے ہیں تو اس سے نماز میں کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: کلمۂ جلالت یا لفظ اکبر میں ہمزہ کو مد کے ساتھ آللہ اکبر یا اللہ آکبر تکبیر تحریمہ میں کہا تو نماز شروع ہی نہیں ہوئی، اور اگر درمیان نماز تکبیرات انتقالیہ میں کہیں ایسا کہہ دیا تو نماز باطل ہوگئی۔ اس لئے کہ ایسا کہنے سے استفہام پیدا ہو جاتا ہے جو مفسد نماز ہے اور اللہ اکبار کہنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ اکبار کبر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ڈھول، اور یا تو اکبار حیض یا شیطان کا نام ہے شامی جلد اوّل مطبوعہ ہند ص ۳۰۴ پر درمختار کی عبارت عن مدھمزات کے ماتحت ہے: ای ھمزۃ الھل وھمزۃ اکبر اطلاقا للجمع علی مافوق الواحد لانہ یصیرا استفھا ما وتعمدہ کفر فلایکون ذکراً فلا یصح الشروع بہ ویبطل الصلاۃ بہ لو حصل فی اثنائھا فی تکبیرات الانتقال ۔۔۔ اور اسی سے متصل پھر درمختار کی عبارت باء باکبر کے ماتحت ہے ای وخالص عن مدباء

اکبر لانہ یکون مع کبر وھو الطبل فیحرج عن معنی التکبیر اوھو اسم للحیض اوللشیطان فتثبت الشرکۃ اھ ھٰذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مرتضیٰ حسین خاں۔ دیوررام پور ضلع بستی۔

چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: چلتی ہوئی ٹرین میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے مگر فرض، واجب اور سنت فجر پڑھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ نماز کے لئے شروع سے آخر تک اتحاد مکان اور جہت قبلہ شرط ہے' اور چلتی ہوئی ٹرین میں شروع نماز سے آخر تک قبلہ رخ رہنا اگرچہ بعض صورتوں میں ممکن ہے لیکن اختتام نماز تک اتحاد مکان یعنی ایک جگہ رہنا کسی طرح ممکن نہیں اس لئے چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ ہاں اگر نماز کے اوقات میں نماز پڑھنے کی مقدار ٹرین کا ٹھہرنا ممکن نہ ہو تو چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھ لے پھر موقع ملنے پر اعادہ کرے ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۷۲ میں ہے: الحاصل ان کلا من اتحاد المکان واستقبال القبلۃ شرط فی صلاۃ غیر النافلۃ عند الامکان لایسقط الابعذر اھ۔ یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ نفل نماز کے علاوہ سب نمازوں کے لئے اتحاد مکان اور استقبال قبلہ یعنی ایک جگہ ٹھہرنا اور قبلہ رخ ہونا آخر نماز تک بقدر امکان شرط ہے جو بغیر عذر شرعی ساقط نہ ہوگا' اور ظاہر ہے کہ ٹرین نماز کے اوقات میں کہیں نہ کہیں اتنی دیر ضرور ٹھہرتی ہے کہ دو چار رکعت نماز فرض آسانی سے پڑھ سکتا ہے کہ ٹرین ٹھہرنے سے پہلے وضو سے فارغ ہو کر تیار رہے' اور ٹرین ٹھہرتے ہی اتر کر یا ٹرین ہی میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر پڑھ لے اگر اتنی قدرت کے باوجود کاہلی اور سستی سے چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھے گا تو وہ شرعاً معذور نہ ہوگا اور نماز نہ ہوگی......اور بعض لوگ جو ٹرین کو کشتی پر قیاس کر کے چلتی ہوئی ٹرین میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ صحیح نہیں اس لئے کہ ٹرین خشکی کی سواری ہے' اور کشتی دریا کی۔ اگر کشتی کو بیچ دریا میں ٹھہرایا جائے تو پانی ہی پر ٹھہرے گی اور زمین اسے میسر نہ ہوگی اور ٹھہرنے کی حالت میں بھی دریا کی موجوں سے ہلتی رہے گی بخلاف ٹرین کے کہ وہ زمین ہی پر ٹھہرتی ہے' اور مستقر رہتی ہے تو اس کو کشتی پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے' اور پھر ٹرین اوقات نماز میں عام طور پر جگہ جگہ ٹھہرتی ہے تو اس پر سے اتر کر یا اس میں کھڑے ہو کر نماز بخوبی پڑھ سکتے ہیں اور کشتی جہاز و اسٹیمر نماز کے اوقات میں جابجا نہیں ٹھہرتے ہیں بلکہ خاص مقام ہی پر جا کر ٹھہرتے ہیں اور کبھی کنارے سے دور ٹھہرتے ہیں کہ اس سے اتر کر کنارے پر جانے اور واپس آنے کا وقت نہیں ملتا اس لئے ٹرین کو کشتی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں کشتی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر زمین پر اس کا ٹھہرانا یا اس پر سے اتر کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو اس پر بھی نماز پڑھنا صحیح نہیں مراقی الفلاح میں ہے فان صلی المربوطۃ بالشط قائما وکان شیء من السفینۃ علی قرار الارض صحت الصلوٰۃ فیھا علی المختار علی السریروان لم یستقر منھا شیء علی الارض فلا تصح الصلاۃ فیھا علی المختار کما فی المحیط والبدائع الااذالم یمکنہ الخروج بلاضرر

فیصلی فیھا اھ۔ اور طحطاوی علی مراقی میں ہے: قال الحلبی ینبغی ان لا تجوز الصلاۃ فیھا اذا کانت سائرۃ مع امکان الخروج الی البر۔ اھ۔ خلاصہ یہ ہے کہ چلتی ہوئی ٹرین میں فرض، واجب اور سنت فجر پڑھنا جائز نہیں بلکہ بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۹ میں ہے: چلتی ریل گاڑی پر بھی فرض وواجب اور سنت فجر نہیں ہوسکتی اور اس کو جہاز وکشتی کے حکم میں تصور کرنا غلطی ہے کہ کشتی اگر ٹھہرائی جائے جب بھی زمین پر نہ ٹھہرے گی اور ریل گاڑی ایسی نہیں، اور کشتی پر بھی اسی وقت نماز جائز ہے جب وہ بیچ دریا میں ہو۔ کنارہ پر ہو اور خشکی پر آسکتا ہو تو اس پر بھی جائز نہیں ہے لہٰذا جب اسٹیشن پر گاڑی ٹھہرے اس وقت یہ نماز پڑھے، اور اگر دیکھے کہ وقت جاتا ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو پڑھ لے پھر جب موقع ملے اعادہ کرلے کہ جہاں من جہۃ العباد کوئی شرط یا رکن مفقود ہو اس کا یہی حکم ہے انتہی بالفاظہ۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد حنیف میاں۔ سسہنیاں کلاں ضلع گونڈہ۔

امام، مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والے کو محراب یا در میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟

الجواب: امام کو بلاضرورت محراب میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندر ہوں مکروہ ہے۔ ہاں اگر پاؤں باہر اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح امام کا در میں کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے لیکن پاؤں باہر اور سجدہ در میں ہو تو کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ در کی کرسی بلند نہ ہو اس لئے کہ اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے چار گرہ زیادہ اونچی ہو تو بالکل نماز نہیں ہوگی، اور اگر چار گرہ یا اس سے کم بقدر ممتاز بلند ہے تو بھی کراہت سے خالی نہیں، اور بےضرورت مقتدیوں کا در میں صف قائم کرنا سخت مکروہ ہے کہ باعث قطع صف ہے، اور قطع صف ناجائز ہے ہاں اگر کثرت جماعت کے سبب جگہ میں تنگی ہو اس لئے مقتدی در میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔ اسی طرح اگر بارش کے سبب پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو کوئی حرج نہیں کہ یہ ضرورت ہے، اور الضرورات تبیح المحظورات۔ رہا تنہا نماز پڑھنے والا تو وہ بلاضرورت بھی محراب ودر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۲) وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از غلام حسین اشرفی مقام وڈاک خانہ مرولیا ضلع پرولیا (مغربی بنگال)

میں چار رکعت نماز والی سنت اور نفل نماز کی ادائیگی میں عام دستور کے مطابق قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر تیسری کے لئے کھڑا ہو جاتا ہوں اور تیسری کی ابتداء بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ سے کرتا ہوں جب کہ پچھلے دنوں نماز کی ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ عبارت نظر آئی۔ اگر نماز نفل یا غیر سنت مؤکدہ چار رکعت والی پڑھنی ہے تو دوسری رکعت میں قعدہ میں التحیات کے بعد

درود شریف پڑھ کر کھڑا ہو جانا چاہئے اور تیسری رکعت میں ثنا یعنی سبحانك اللھم سے شروع کرنا چاہئے۔ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں اس کا خیال رکھئے۔ اس سے میں اور میرے احباب پریشان ہیں۔ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ اس کی صحت یا عدم صحت کی وضاحت فرمائیے مذکورہ بالا عبارت کی صحت کی بنیاد پر ہماری پچھلی نمازیں ہم پر واجب الاعادہ تو نہیں ہیں؟

الجواب: کتاب مذکور کی منقولہ عبارت صحیح ہے۔ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۴۵۴ میں ہے: لایصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم فی القعدۃ الاولٰی فی الاربع قبل الظھر والجمعة ولا یستفتح اذا قام الی الثلاثة منھا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم ویستفتح ویتعو ذولونذر لان کل شفع صلاۃ۔ لیکن اس کا پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ بہتر ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: چار رکعت تراویح یا نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف و دعا اور تیسری رکعت میں سبحانك اللھم پڑھنا بہتر ہے (فتاوٰی رضویہ جلد سوم ص ۲۶۹) اسی لئے کتاب مذکور کے مصنف نے واجب اور سنت وغیرہ کا لفظ نہ لکھا بلکہ یوں لکھا کہ درود شریف پڑھ کر کھڑا ہونا چاہئے اور تیسری رکعت ثنا سے شروع کرنا چاہئے۔ لہٰذا نفل یا سنت غیر مؤکدہ کی چار رکعت والی نماز میں اگر کسی نے دو رکعت پر درود شریف اور تیسری رکعت پر ثنا نہ پڑھی تو اس نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

فرائض نماز

مسئله: از غفور علی موضع کٹری بازار ضلع بستی۔

کیا عورتوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے؟ اکثر عورتوں کو دیکھا گیا ہے کہ فرض اور واجب سب نمازیں بیٹھ کر پڑھتی ہیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض، وتر، عیدین اور سنت فجر میں قیام فرض ہے یعنی بلا عذر صحیح یہ نمازیں بیٹھ کر پڑھی گئیں تو نہ ہوں گی۔ بحرالرائق ص ۲۹۲ جلد اوّل میں ہے: وھو فرض فی الصلاۃ للقادر علیه فی الفرض وما ھو ملحق به اھ اور فتاویٰ عالمگیری ص ۶۴ جلد اوّل میں ہے: وھو فرض فی صلاۃ الفرض والوتر ھٰکذا فی الجوھرۃ النیرۃ والسراج الوھاج اھ اور شامی جلد اوّل ص ۲۹۹ میں ہے: وسنة الفجر لاتجوز قاعدا من غیر عذر با جماعھم کما ھو روایة الحسن عن ابی حنیفة کما صرح به فی الخلاصة اھ۔ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۶۹ میں غنیۃ سے ہے: اگر عصا یا خادم یا دیوار پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا ہے تو فرض ہے کہ کھڑا ہو کر پڑھے اگر کچھ دیر بھی کھڑا ہو سکتا ہے اگرچہ اتنا ہی کہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہہ لے تو فرض ہے کہ کھڑا ہو کر اتنا کہہ لے پھر بیٹھ جائے۔ اھ۔

اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۲ میں تنویر الابصار و در مختار سے ہے: ان قدر علی بعض القیام ولو متکئا علی عصا او حائط قام لزوماً بقدر ما یقدر ولو قدر اٰیۃ او تکبیرۃ علی المذھب اھ. اور یہ حکم مردوں کے لئے خاص نہیں ہے یعنی جس طرح نماز میں قیام مردوں کے لئے فرض ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی فرض ہے لہٰذا فرض و واجب تمام نمازیں جن میں قیام ضروری ہے بغیر عذر صحیح بیٹھ کر نہیں ہوسکتیں۔ جتنی نمازیں باوجود قدرت قیام بیٹھ کر پڑھی گئیں ان سب کی قضا پڑھنا اور توبہ کرنا فرض ہے۔ اگر قضا نہیں پڑھیں گی اور توبہ نہیں کریں گی تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گی۔ ہاں نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھی جاسکتی ہیں مگر کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے اس لئے کہ کھڑے ہوکر پڑھنے میں بیٹھ کر پڑھنے سے دوگنا ثواب ہے اور وتر کے بعد جو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے۔ ھذا فی بھار شریعت. واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالوارث الیکٹرک دوکان مدینہ مسجد ریتی روڈ گورکھپور۔

قرآن مجید آہستہ پڑھنے کی ادنیٰ مقدار کیا ہے؟ بہت سے لوگ صرف ہونٹ ہلاتے ہیں، تو اس طرح قرآن پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: قرآن مجید آہستہ پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سنے۔ اگر صرف ہونٹ ہلائے یا اس قدر آہستہ پڑھے کہ خود بھی نہ سنے تو نماز نہ ہوگی۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۶۹ میں ہے: ''آہستہ پڑھنے میں بھی اتنا ضروری ہے کہ خود سنے۔ اگر حروف کی تصحیح تو کی مگر اس قدر آہستہ کہ خود نہ سنا اور کوئی مانع مثلاً شور و غل یا ثقل سماعت بھی نہیں تو نماز نہ ہوئی اھ . اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۶۵ میں ہے. ان صحح الحروف بلسانہ ولم یسمع نفسہ لایجوز وبہ اخذ عامۃ المشائخ ھکذا فی المحیط وھو المختار ھکذا فی السراجیۃ وھو الصحیح ھکذا فی النقایۃ. وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم بالثواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حیدر علی متعلم دار العلوم منظر اسلام التفات گنج ضلع فیض آباد۔

منفرد نے نماز ظہر پڑھی تین رکعتوں کو بھری پڑھا چوتھی رکعت میں سورت نہیں ملائی رکوع و سجود کر کے نماز پوری کرلی تو کیا اس کی نماز ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: منفرد کی نماز بلا کراہت ادا ہوگئی اس لئے کہ اسے فرض کی آخری دو رکعتوں میں سوت کا ملانا جائز ہے۔ نہ واجب ہے نہ مکروہ۔ لہٰذا دونوں رکعتوں میں ملائے یا ایک میں بہر صورت جائز ہے البتہ صاحب حلیہ نے خلاف اولیٰ کا افادہ

فرمایا ہے' اور خلاف اولیٰ وہ ہے کہ جس کا نہ کرنا بہتر اور کیا تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ بعض ائمہ نے فرض کی آخری دو رکعتوں میں ضم سورہ کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی ہے' اور ظاہراً یہ استحباب صرف منفرد کے لئے ہے امام کے لئے ضرور مکروہ ہے بلکہ مقتدیوں پر گراں گزرے تو حرام ہے درمختار میں ہے: ضم سورة في الاوليين من الفرض وهل يكره في الاخريين المختار لا' اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۰۸ میں ہے: في البحر عن فخر الاسلام ان السورة مشروعة في الاخريين نفلًا وفي الذخيرة انه المختار في المحيط وهو الاصح والظاهران المراد بقوله نفلًا الجواز والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلاينا في كونه خلاف الاولى كما افاده في الحلية۔اھ۔وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۱۸؍ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از غلام غوث علوی براؤں شریف ضلع بستی۔

زید نے مغرب کی نماز پڑھاتے ہوئے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پڑھا اس کے بعد کے کلمات بھول گیا فوراً ہی اس نے وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور چند آیات کریمہ پڑھ کر رکوع میں چلا گیا بعد نماز بکر نے کہا کہ نماز واجب الاعادہ ہے کیونکہ جس آیت کو پہلے شروع کیا تھا اس کا پڑھنا واجب ہے' اور یہاں ترک واجب پایا گیا لہٰذا نماز پھر سے دہرائی گئی۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ بکر کا یہ قول از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: بکر کا قول صحیح نہیں اس لئے کہ زید بھول جانے کے سبب دوسری آیت کی طرف منتقل ہوا اور اس صورت میں نہ ترک واجب نہ کسی قسم کی کراہت جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۲۵ میں ہے: وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ: از محمد عبد الحفیظ رضوی جونپوری سنی کھاڑی مسجد کرلا بمبئی۔

حالت نماز میں قرآن کریم پڑھتے ہوئے اگر ایسی غلطی ہوگئی کہ جس سے معنی فاسد ہوگئے مگر پھر خود بخود فوراً درست کرلیا یا لقمہ دینے سے اصلاح کیا تو نماز باطل ہوئی یا صحیح ہوگئی؟

الجواب: بعون الملك الوهاب۔ جبکہ خود بخود درست کرلیا یا مقتدی کے لقمہ دینے سے اصلاح کرلی تو نماز صحیح ہوگئی باطل نہ ہوئی۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۱۴ میں ہے: "اگر امام نے ایسی غلطی کی جس سے نماز فاسد ہوگئی تو لقمہ دینا فرض ہے نہ دے گا اور اس کی تصحیح نہ ہوگی تو سب کی نماز جاتی رہے گی اھ۔ وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از فقیر ابوالقمر غلام رضوی قادری موتی گنج گونڈہ۔
چار رکعت فرض کی نماز امام نے شروع کردی اور دو رکعتیں ہو چکیں کوئی تیسری رکعت میں شامل ہو دو رکعتیں تو امام کے ساتھ پوری کیں مگر جب چھوٹی ہوئی رکعت پڑھے تو اس میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت ملایا جائے یا نہیں؟

الجواب: پہلی اور دوسری رکعت یا صرف پہلی رکعت چھوٹ جانے کی صورت میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب مقتدی اپنی چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرے گا تو اس میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملانا واجب ہے۔ اگر بھول کر چھوڑ دے گا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا' اور اگر قصداً جان بوجھ کر چھوڑ دے گا تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے. هو منفرد و يقضي اوّل صلاته في حق قراء ة. وهو تعالٰى اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از محمد قمر الزماں صدیقی کیر آف انڈین آئیل کمپنی فاربس گنج ضلع پورنیاں (بہار)
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید جو دارالعلوم دیوبند کا فارغ ہے' اور قاری بھی ہے وہ امامت بھی کرتا ہے نماز میں ولا الضالین کے ضاد کو قصداً ظاء پڑھتا ہے' اور اسی کو صحیح مانتا ہے بکر کا کہنا ہے کہ یہ غلط ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کس کی بات مانی جائے نیز ضاد کی ادائیگی کس طرح کی جائے اور ضاد کو ظاء پڑھنے والے کے لئے کیا حکم ہے جواب مع حوالہ تحریر فرمائیں تا کہ زید کو دنداں شکن جواب دیا جاسکے۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب زید جو درالعلوم دیوبند کا فارغ ہے دیابنہ کے کفریات قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸ اور براہین قاطعہ ص ۵ کی بناء پر مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، ہندوستان، پاکستان اور بنگال و برما کے سینکڑوں علمائے کرام و مفتیان عظام نے جو مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی کو کافر و مرتد قرار دیا ہے جس کی تفصیل حسام الحرمين اور الصوارم الهندية میں ہے اسے یہ فتویٰ تسلیم ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تسلیم ہے تو بمطابق فتویٰ حسام الحرمین وہ بھی کافر و مرتد ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہرصورت باطل محض ہے' اور اگر حسام الحرمین کا فتویٰ تسلیم ہے مگر ضاد کو قصداً ظاء پڑھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ ہوگی کہ قصداً ضاد کو ظاء پڑھنا حرام قطعی ہے' زید سراسر غلطی پر ہے بکر کا کہنا صحیح ہے فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۱۱ میں ہے. ض، ظ، ذ، اور ز معجمات سب حروف متباینہ متغایرہ ہیں ان میں کسی کو دوسرے سے تلاوت قرآن میں قصداً بدلنا اس کی جگہ اسے پڑھنا نماز میں ہو خواہ بیرون نماز حرام قطعی و گناہ عظیم افتراء علی اللہ و تحریف کتاب کریم ہے انتہیٰ۔ ضاد کا مخرج زبان کی دائیں یا بائیں کروٹ ہے یوں کہ اکثر پہلوئے زبان حلق سے نوک

کے قریب تک اسی جانب کوان بالائی داڑھوں کی طرف جو وسط زبان سے محاذی ہیں قریب ملاصق ہوتا ہوا کچلیوں کی طرف دراز ہو ھکذا فی الجز الثالث من الفتاوی الرضویۃ علی ص ۱۱۷ اور ضاد کو قصداً ظاء پڑھنے والا متفری علی اللہ، محرف قرآن کریم اور حرام قطعی کا مرتکب ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۳؍ جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از محمد فاروق القادری جل ہری مسجد موضع جل ہری۔ پوسٹ سنا باند ضلع بان کوڑا (بنگال)

بنگلہ میں قرآن شریف چھپانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک شخص جو ق، ک، ش، س اور الحمد کو الھمد پڑھتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اللہ اکبر، اللہ اکبار کہنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآن مجید کا ترجمہ بنگلہ وغیرہ میں چھپانا تو جائز ہے۔ لیکن اس کے اصل عربی متن کو بنگلہ میں لکھانا اور چھپانا جائز نہیں' اور شخص مذکور اگر ش، ق اور ح کی ادائیگی پر بالفعل قادر ہے مگر اپنی لاپرواہی سے حروف کو صحیح ادا نہیں کرتا تو خود اس کی نماز باطل اور اس کے پیچھے دوسروں کی نماز بھی باطل' اور اگر بالفعل حروف کی ادائیگی پر قادر نہیں اور صحیح پڑھنے کے لئے جان لڑا کر کوشش بھی نہ کی تو اس صورت میں بھی اس کی اور اس کے پیچھے دوسروں کی نماز نہیں ہوگی' اور اگر برابر حد درجہ کی کوشش کئے جارہا ہے مگر کسی طرح صحیح حروف کو ادا نہیں کر پاتا تو اس کا حکم مثل امی کے ہے کہ اگر کسی صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز مل سکے مگر وہ تنہا پڑھے یا امامت کرے تو نماز باطل ہے البتہ اگر رات دن برابر تصحیح حروف میں کوشش کرتا رہے' اور امید کے باوجود طول مدت سے گھبرا کر نہ چھوڑے اور الحمد شریف جو واجب ہے اس کے علاوہ شروع نماز سے آخر تک کوئی ایسی آیت یا سورہ نہ پڑھے کہ جن کے حروف ادا نہ کر پاتا ہو بلکہ ایسی سورتیں اور آیتیں اختیار کرے کہ جن کے حروف کی ادائیگی پر قادر ہو اور کوئی شخص صحیح پڑھنے والا نہ مل سکے کہ جس کی وہ اقتداء کرے اور جماعت بھر کے سب لوگ اسی کی طرح ق کو ک، ش کو س اور ح کو ہ پڑھنے والے ہوں تو جب تک کوشش کرتا رہے گا اس کی نماز بھی ہو جائے گی اور اس کے مثل دوسروں کو بھی اس کی پیچھے ہو جائے گی' اور جس دن امید کے باوجود تنگ آکر کوشش چھوڑ دے یا صحیح القراءت کی اقتداء ملتے ہوئے خود امامت کرے یا تنہا پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے اور اس کے پیچھے دوسروں کی بھی باطل یہی قول مفتی بہ ہے' اور اللہ اکبر کو اللہ اکبار پڑھنے والے کی نہ اپنی نماز ہوگی نہ اس کے پیچھے دوسروں کی۔ درمختار مع ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۹۱ میں ہے: لایصح اقتداء غیر الالثغ بہ علی الاصح وحرر الحلبی وابن الشحنہ انہ بعد بذل جھدہ دائما احتما کالامی فلایؤم الامثلہ ولاتصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ اووجد قدر الفرض مما لالثغ فیہ ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ و کذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف اھ ملخصًا' اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۹۲ پر ہے۔ من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف کالرھمن الرھیم والشیتان الرجیم والآلمین وایاک نابد وایاک

نستئین السرات انأمت فکل ذٰلك حمکه مامن بذل الجهد دائما والا فلا تصح الصلٰوة به۔اھ ملتقطااور درمختارمع شامی جلداوّل ص۳۲۳ میں ہے: اذا مد احد الهمزتین مفسد وتعمده کفرو کذا الباء فی الاصح۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹؍جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: ازمحمد کمال الدین خطیب جامع مسجد مقام ملفت گنج ضلع فرید پور (بنگلہ دیش)

ہمارے بنگلہ دیش میں خارج نماز بغرض شبینہ میکروفون کے ذریعہ چند حفاظ ایک مجلس میں بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں جس کی آواز بہت دور تک پہنچتی ہے لیکن بیرون ملک مسجد کے لوگوں کے استماع وانصات کے حکم میں دو مفتی صاحبان کی طرف سے جواز وعدم جواز کے حسب ذیل دو مختلف فتوے موصول ہوئے ہیں۔

(۱) نقل فتویٰ جو مولانا عبدالمقتدر کی تحریر ہے:

سوال: جس کے آس پاس لوگ اپنے اپنے شغل میں مشغول ہوں اور تلاوت قرآن مجید کی طرف متوجہ نہ ہوں تو اس حال میں قاری کو بلند آواز سے یا میکروفون سے تلاوت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو قاری گنہگار ہوگا یا نہیں؟

جواب: چونکہ کلام مجید میں استماع وانصات کا حکم مطلق ہے نماز یا غیر نماز کے ساتھ مقید نہیں اگر چہ آیت نماز کے شان میں نازل ہوئی۔ مجلس کے اندر یا باہر جہاں تک آواز پہنچے سننے والوں پر استماع وانصات فرض ہے قاری کو لازم ہے کہ بقدر حاجت مناسب آواز میں تلاوت کرے کہ باہر کے لوگوں کے کانوں تک آواز نہ پہنچے ورنہ قاری گنہگار ہوگا اور سننے والوں پر کوئی جرم عائد نہ ہوگا۔ درمختار ص ۵۰۹ وفی الفتح عن الخلاصة۔ راقم فتویٰ: مفتی مولانا عبدالمقتدر صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ ضلع سلہٹ۔

(۲) نقل فتویٰ جو مولانا احمد اللہ صاحب کی تحریر ہے:

سوال: استماع قرآن کے متعلق علمائے کرام کے اقوال وآراء کیا ہیں اور مجلس ختم شبینہ کے باہر لوگوں پر استماع فرض ہے یا نہیں۔

جواب: تلاوت دو طرح کی ہے۔ داخل نماز یا خارج نماز۔ داخل نماز بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک امام کی قرأت تمام مقتدیوں پر سننا فرض عین ہے چونکہ استماع کی آیت نماز کی شان میں نازل ہوئی خارج نماز استماع قرأت کے متعلق علماء کرام کے تین اقوال ہیں۔ اول۔ مستحب حوالہ تفسیر بیضاوی مصری ص ۲۵۶ تفسیر کمالین، تفسیر روح البیان جلد حاشر ص ۲۰۶ ثانی، فرض کفایہ حوالہ کبیری ص ۲۶۵ شامی جلد اوّل ص ۵۰۹ تفسیر اکلیل علی المدارک جلد رابع ص ۱۹۲ بہار شریعت جلد ثالث ص ۱۰۶، ثالث۔ فرض عین حوالہ شامی حاشیہ درمختار ص ۵۰۹ (اس کے بعد مفتی موصوف نے لکھا ہے) کہ علماء کرام نے ان تین اقوال میں

سے سب سے اہم ایک ایک موقع پر ایک ایک حکم اختیار کر سکتے ہیں۔ مثلاً (۱) موقع جس مجلس میں لوگ نماز کی جماعت شریک ہونے کے لئے جمع ہوں وہاں استماع کو فرض عین کہہ سکتے ہیں۔ (۲) موقع جس مجلس میں عام طور پر کچھ لوگ جمع ہوں اور کسی نے تلاوت کی تو یہاں استماع کو فرض کفایہ کہہ سکتے ہیں۔ (۳) موقع کسی جماعت یا کسی مجلس کے باہر کسی کے کان میں تلاوت کی آواز پہنچے تو یہاں استماع کو مستحب کہہ سکتے ہیں اگر چہ اس قسم کا سننے والا ''فاستمعوا'' کے خطاب میں داخل نہیں۔

راقم فتویٰ: مولانا احمد اللہ صاحب محدث دارالسنۃ مدرسہ عالیہ مقام سرسینہ ضلع باقر گنج۔

(دونوں فتوؤں کے مضامین ختم ہوئے)

مستفتی کی گزارش یہ ہے کہ ان دو فتوؤں کے متضاد بیانات سے یہاں کے لوگ سخت شک و تردد میں ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں شدید فرقہ بندی کی نوبت آ گئی ہے۔ لہٰذا برائے کرم تحقیقی دلائل سے بالتفصیل ثابت فرمائیں کہ اس کے بارے میں معتبر و قابل عمل حکم کیا ہے۔ نیز وضاحت سے ختم شبینہ کی تعریف بیان فرمائیں کہ تلاوت نماز کے اندر ہو یا باہر۔ بینوا بالبرھان توجروا عندالرحمٰن۔

الجواب: آیت کریمہ: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا میں خداعزوجل نے جس حال میں استماع قرآن اور انصات کا حکم فرمایا ہے اس میں ائمہ کرام و علمائے عظام کے کئی اقوال ہیں جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کریمہ کے احکام علی العموم جاری ہوں گے لہٰذا کسی بھی وقت میں اور کسی بھی جگہ میں نماز کے اندر یا باہر قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو جتنے لوگوں کے کان میں آواز پہنچے ہر ایک کو سننا اور چپ رہنا فرض ہے اور یہ قول حضرت حسن بصری اور اہل ظاہر کا ہے جیسا کہ تفسیر خازن جلد ثانی ص ۳۳۰ اور تفسیر جمل جلد ثانی ص ۲۲۳ میں ہے: وللعلماء فی ذٰلك اقوال قول الحسن واھل الظاھر ان تجری ھذہ الایات علی العموم ففی ای وقت وای موضع قرئ القرآن یجب علی کل احد الاستماع له والسکوت اھ بعض فقہائے کرام نے اسی قول کو اختیار فرمایا اور نماز و خارج نماز ہر صورت میں ہر شخص پر جہاں تک آواز پہنچے قرآن کا سننا فرض قرار دیا۔ لیکن اس قول کو اختیار کرنا مسلمانوں کو مشقت میں ڈالنا اور ان کے لئے تنگی پیدا کرنا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ ٹیلی ویژن، ریڈیو، ٹرانزسٹر، اور لاؤڈ اسپیکر وغیرہ عام ہے یہاں تک کہ نمازوں میں بھی لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جانے لگا ہے۔ اسی لئے بسا اوقات ضروری کام کے لئے آنے جانے اور اہم کام کی مشغولیت کے وقت بھی تلاوت قرآن کی آواز کانوں میں آ جاتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کے لئے استماع قرآن کا فرض ہونا حرج عظیم ہے اور خداعزوجل مسلمانوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے۔ سختی نہیں چاہتا کما قال تعالیٰ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (پ۲ع۷) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لولا ان شق علی امتی لامرتھم بالسواك عند کل صلاۃ ولاخرت صلاۃ العشاء الی ثلث اللیل۔ (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۴۵) اور خارج نماز استماع قرآن کو مستحب قرار دینا جیسا کہ بعض نے اختیار فرمایا احترام قرآن کے شایان نہیں کہ اس صورت میں کسی کے لئے استماع لازم نہیں رہ جاتا۔ لہٰذا شرح

المنیہ، فتاویٰ رضویہ او بہار شریعت وغیرہ میں جو قول اختیار کیا گیا ہے وہی انسب اور اسلم ہے۔ یعنی جبکہ لوگ استماع قرآن کے لئے حاضر ہوئے ہوں تو ان سب کا سننا فرض عین ہے۔ ورنہ فرض کفایہ کہ اس قول میں نہ تو مسلمانوں کے لئے تنگی ہے اور نہ احترام قرآن کی اضاعت ہے۔ ردالمحتار جلد اوّل مطبوعہ ھند ص ۳۶۶ میں ہے: فی شرح المنیة والاصل ان الاستماع القران فرض کفایة لانه لاقامة حقه بان یکون ملتفتا الیه غیر مضیع وذٰلك یحصل بانصات البعض کما فی ردالسلام عین کان لزعایة الحق السلم کفی فیه البعض عن الکل الاانه تجب علی القاری احترامه بان لایقرأه فی الاسواق ومواضع الاشتغال فاذا قرأه فیها کان هو المضیع لحرمته فیکون الاثم علیه دون اهل الاشتغال دفعا للحرج اھ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۰۲ میں ہے: ''جب بلند آواز قرآن پڑھا جائے تو عام حاضرین پر سننا فرض ہے جبکہ وہ مجمع بغرض سننے کے حاضر ہو ورنہ ایک کا سننا کافی ہے اگرچہ اور اپنے کام میں ہوں (غنیۃ، فتاویٰ رضویہ) رمضان شریف کی کسی ایک رات میں پورا قرآن تراویح میں ختم کرنے کو شبینہ کہتے ہیں یہ جائز ہے مگر وہ شبینہ کہ جو آج کل عام طور پر رائج ہے ناجائز ہے۔ بہار شریعت حصہ چہارم ص ۳۷ میں ہے: '' شبینہ کہ ایک رات کی تراویح میں پورا قرآن پڑھا جاتا ہے جس طرح آج کل رواج ہے کوکوئی بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔ کچھ لوگ لیٹے ہیں کچھ لوگ چائے پینے میں مشغول ہیں کچھ لوگ مسجد کے باہر حقہ نوشی کر رہے ہیں اور جب جی میں آیا ایک آدھ رکعت میں شامل بھی ہو گئے یہ ناجائز ہے۔ تمت بحروفه۔ نماز میں ختم قرآن افضل ہے' اور خارج نماز جائز ہے۔ واللّٰه تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم جل جلاله وصلی المولیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ / ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد اسلم۔ بھیونڈی۔

قرآن خوانی میں سب لوگوں کو بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: ناجائز و حرام ہے۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۰۲ میں بحوالۂ درمختار ہے کہ مجمع میں سب لوگ بلند آواز سے (قرآن مجید) پڑھیں یہ حرام ہے۔ اکثر تیجوں میں سب بلند آواز سے پڑھتے ہیں یہ حرام ہے اگر چند شخص پڑھنے والے ہوں تو حکم ہے کہ آہستہ پڑھیں۔ انتهٰی بالفاظه هٰذا ماعندی والعلم بالحق عندالله تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی جل جلاله وصلی المولیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ / ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

مسئولہ محمد عثمان، مکند نگر، متصل ڈبہ کمپنی، سین دھاراوی روڈ بمبئی نمبر ۱۷

(۱) قرآن پاک کی بلند آواز سے تلاوت کرنا کیسا ہے؟
(۲) اگر کوئی بہ نیت ثواب سورۂ یٰسین و سورۂ ملک تلاوت کر کے صبح و شام ایصال ثواب کرے تو کیسا ہے؟ اور سورۂ یٰسین و سورۂ ملک کے فضائل و برکات کیا ہیں؟
(۳) ایک مسلمان نے اپنی منکوحہ بیوی کو غیر مرد سے بوس و کنار کرتے ہوئے دیکھ لیا اسی وقت اپنی بیوی کو مارا اور غیر مرد کو بھی مارا اور بیوی کو گھر سے نکال دیا اس حالت میں طلاق دینے کی ضرورت ہے یا نکاح سے نکل گئی اور کیا نان و نفقہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟
(۴) روزہ دار اپنے جسم میں دن میں تیل کی مالش کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ (۱) مجمع میں سب لوگ بلند آواز سے قرآن مجید پڑھیں یہ حرام ہے اکثر تیجوں اور قرآن خوانی کی مجلسوں میں سب بلند آواز سے پڑھتے ہیں یہ حرام ہے اگر چند شخص پڑھنے والے ہوں تو حکم ہے کہ آہستہ پڑھیں۔ (بہار شریعت) اور بازار وغیرہ میں جہاں لوگ کام کر رہے ہیں بلند آواز سے پڑھنا جائز نہیں کہ لوگ نہ سنیں گے تو گناہ پڑھنے والے پر ہے اگرچہ کام میں مشغول ہونے سے پہلے اس نے پڑھنا شروع کر دیا ہو اور اگر وہ جگہ کام کرنے کے لئے مقرر نہ ہو تو اگر پہلے پڑھنا اس نے شروع کیا اور لوگ نہیں سنتے تو لوگوں پر گناہ اور اگر کام شروع ہونے کے بعد اس نے پڑھنا شروع کیا تو اس پر گناہ۔ (بہار شریعت بحوالہ غنیۃ)

سورۂ یٰسین اور سورۂ ملک وغیرہ کسی بھی سورت کو تلاوت کر کے ایصال ثواب کرنا جائز و مستحسن ہے اور سورۂ یٰسین کی حدیث شریف میں بہت فضیلت آئی ہے ترمذی اور دارمی کی حدیث ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسین کو پڑھے اس کے لئے دس قرآن پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے اور بیہقی شریف کی حدیث ہے کہ جو شخص محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سورۂ یٰسین پڑھے تو اس کے اگلے گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور سورۂ ملک کی بھی بہت فضیلت آئی ہے شامی جلد اوّل ص ۲۷۵ میں ہے: جو شخص ہر رات سورۂ ملک پڑھے گا وہ قبر میں منکر نکیر کے سوال سے محفوظ رہے گا۔ اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۳) صرف مارنے پیٹنے سے عورت نکاح سے نہیں نکلتی اگر عورت مذکور کو نہ رکھنا چاہے تو طلاق دینا ضروری ہے اور ختم عدت تک شوہر پر نان و نفقہ لازم ہے۔
(۴) کرسکتا ہے کوئی مضائقہ نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵؍ ذی القعدہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ کسان ٹولہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی۔
بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع میں کتنا جھکے؟ اور اس حالت میں اگر سرین اٹھائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بیٹھ کرنماز پڑھے تو رکوع کا درجۂ کمال وطریقۂ اعتدال یہ ہے کہ پیشانی جھک کر گھٹنوں کے مقابل آجائے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: فی حاشیۃ الفتال عن البرجندی لو کان یصلی قاعدا ینبغی ان یحاذی جبھتہ قدام رکبتیہ لیحصل الرکوع اھ قلت ولعلہ محمول علی تمام الرکوع والافقد علمت حصولہ باصل طأطأۃ الراس ای مع انحناء الظھر۔ تامل۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۳۰۰) اس حالت میں سیرین اٹھانا فعل عبث ہے جو کم سے کم مکروہ تنزیہی ضرور ہے۔ ھٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی فی الجزء الثالث من الفتاوی الرضویۃ۔ ھٰذا ماعندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی محمود شاہ ابوالعلائی محمدی اسٹیٹ سی۔ ایس۔ ٹی روڈ کالینہ بمبئی

سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے یا صرف انگلیوں کا سرا زمین سے لگا رہا اور ان کا پیٹ نہیں لگا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب: اگر سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے یا صرف انگلیوں کے سرے زمین سے لگے اور کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں تو اس صورت میں نماز بالکل نہیں ہوگی' اور اگر ایک دو انگلیوں کے پیٹ زمین سے لگے اور اکثر کے پیٹ نہیں لگے تو اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۳۹۵ میں ہے: ''اگر ہر دو پائے بردار دنماز فاسدست واگر یک پائے بردار دمکروہ ست' اور درمختار مع ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۱۳ میں ہے: وضع اصبع واحدۃ منھما شرط' اور اسی جلد کے ص ۳۵۱ پر ہے: فیہ یفترض وضع اصابع القدم ولوواحدۃ نحو القبلۃ والاالم تجزد الناس عنہ غافلون' اور فتاوٰی رضویہ جلد اوّل ص ۵۵۶ پر ہے: ''سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے اھ...... پھر اسی صفحہ کی تیسری سطر میں ہے: ''پاؤں کو دیکھئے انگلیوں کے سرے زمین پر ہوتے ہیں کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں ہوتا تو سجدہ باطل نماز باطل۔ اھ۔

اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے' اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط' تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے نماز نہ ہوئی بلکہ اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی جب بھی نہ ہوئی۔ اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں (بہار شریعت حصہ سوم ص ۷۱) ھٰذا ماعندی وھو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد فیاض اندھاری پور۔ ضلع غازی آباد۔

سجدہ میں اگر ناک زمین پر نہ لگے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: سجدہ میں ناک زمین پر لگا کر ہڈی تک دبانا واجب ہے تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ اس کی ناک زمین پر نہ لگی یا زمین پر لگی مگر ناک ہڈی تک نہ دبی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی۔ اسی طرح فتاویٰ رضویہ اول ص ۵۵۶ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۷۱ میں ہے: ھٰذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئولہ: حافظ واحد علی امام مسجد و مدرس صدر العلوم موضع بیوہرا پوسٹ کرچھنا۔ الہ آباد۔

(۱) قعدۂ نماز میں جو درود پڑھا جاتا ہے اس میں سرکار کے نام کے ساتھ سیّدنا کہنا نماز کی حالت میں جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) امام کو نماز کی نیت میں ساتھ ان مقتدیوں کے کہنا چاہئے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ کہنا چاہئے۔

(۳) حضور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہے یا ۱۲ ربیع الاول شریف کو بعض کہتے ہیں کہ ۹ ربیع الاول ہے؟

(۴) مرض کی وجہ سے لنگوٹ باندھ کر نماز کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) نماز کے درود میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ لفظ سیّدنا کہنا جائز بلکہ افضل مستحب ہے۔ درمختار میں ہے: ندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فھو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ وما نقل لاتسودونی فی الصلاۃ فکذب اھ۔ اور ردالمحتار شامی جلد اوّل ص ۳۴۵ میں ہے: والافضل الاتیان بلفظ السیادۃ کما قالہ ابن ظھیرۃ وصرح بہ جمع وبہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بما امرنا بہ وزیادۃ الاخبار بالواقع الذی ھو ادب فھو افضل من ترکہ اھ والمولیٰ تعالٰی اعلم۔

(۲) شرع نے امام کو نماز کی نیت میں ساتھ ان مقتدیوں کے کہنے یا نیت کرنے کا حکم نہیں فرمایا ہے۔

(۳) جیسے کہ شرع کی بہت سی باتوں میں علماء کا اختلاف ہے مگر صحیح اور معتمد جمہور کا قول ہے ایسے ہی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں سات (۷) قول ہیں ۲، ۸، ۱۲، ۱۷، ۱۸ اور ۲۲ لیکن صحیح و معتمد ۱۲ ربیع الاول ہی ہے ۹ ربیع الاول کا قول میری نگاہ سے نہیں گزرا۔

(۴) کر سکتا ہے بشرطیکہ لنگوٹ کے سبب رکوع اور سجدہ وغیرہ صحیح طور پر ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: حافظ غلام دستگیر بارہ بنکوی۔

نماز میں کون سا درود پڑھا جاتا ہے زید بجائے اللھم صل علیٰ محمد کے درود ابراہیمی میں لفظ سیّدنا کا اضافہ کر کے اس طرح پڑھتا ہے اللھم صل علیٰ سیّدنا محمد الخ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اس اضافہ سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں پڑتا۔ بزرگان دین نے نمازوں میں درود ابراہیمی کس طرح پڑھا ہے۔ دونوں میں صحیح کون سا ہے۔

الجواب: نماز میں درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے اور اسی کا پڑھنا افضل ہے ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۲ میں ہے: اور اللھم صل علیٰ محمد کے بجائے اللھم صل علیٰ سیّدنا محمد پڑھنا اور اسی طرح حضرت خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے نام مبارک نام کے ساتھ لفظ سیّدنا لگانا بہتر ہے اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کی خوبی اور بڑھ جاتی ہے فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: درود شریف میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے طیبہ کے ساتھ لفظ سیّدنا کہنا بہتر ہے (بہار شریعت حصہ سوم ص ۸۴) اور درمختار میں ہے۔

ندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوك الادب فھو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ اور ردالمحتار جلد اوّل مطبوعہ دیوبند ص ۳۴۵ میں ہے: والافضل الاتیان بلفظ السیادۃ کما قالہ ابن ظھیرۃ وصرح بہ جمع وبہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بما امرنا بہ وزیادۃ الاخبار بالواقع الذی ھو ادب فھو افضل من ترکہ واما حدیث لاتسیدونی فی الصلاۃ فباطل لااصل لہ کما قالہ بعض متاخری الحفاظ وقول الطوسی انھا مبطلۃ غلط۔ واعترض بان ھٰذا مخالف لمذھبنا لما مر من قول الامام من انہ لوزاد فی تشھدہ اونقص فیہ کان مکروھا قلت فیہ نظرفان الصلاۃ زائدۃ علی التشھد لیست منہ نعم ینبغی علی ھذا عدم ذکرھا فی واشھد ان محمد اعبدہ ورسولہٗ وانہ یاتی بھا مع ابراھیم علیہ السلام۔ بزرگان دین نے نمازوں میں درود ابراہیمی لفظ سیدنا کے اضافہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور بغیر اضافہ بھی۔ دونوں صحیح ہیں مگر لفظ سیّدنا کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ رشوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از ظہور محمد عرف بھلن پہلوان زید پور بارہ بنکی ۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

ہم لوگ بعد نماز فجر صلاۃ وسلام بطور عقیدت کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں نیز اس کو ہم فرض وضروری بھی نہیں سمجھتے اور اس بات کا بھی خیال کرتے ہیں کہ ہمارا صلاۃ وسلام پڑھنا کسی مصلی کی نماز کے لئے باعث خلل نہ ہو شرعی نقطہ نظر سے ہمارا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں ان لوگوں نے فرنگی محل لکھنؤ سے فتویٰ بھی منگوایا ہے۔ اگر اس کے اندر کوئی شرعی کتربیونت ہو

تفصیل کے ساتھ اس پر بھی روشنی ڈالیں۔ وہ بھی اسی استفتاء کے ساتھ نقل ہے۔ استفتاء

ہم لوگ محفل میلاد شریف میں کھڑے ہو کر پورے احترام کے ساتھ صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں اس میں کوئی اختلاف ہمارے درمیان نہیں ہے۔ البتہ کچھ حضرات نے بعد نماز فجر کھڑے ہو کر پورے احترام کے ساتھ صلاۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ضروری وظائف جو پڑھے جاتے تھے وہ چھوٹ گئے ہیں اور بعد نماز فجر کھڑے ہو کر سلام کا ثبوت کہیں سے ثابت ہے یا نہیں؟ یا یہ نیا طریقہ ہے' اور جو لوگ بجائے سلام کے بیٹھ کر درود شریف کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ کیسے ہیں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی عنایت رسول غفرلہ زید پور محلّہ پورب طرف بارہ بنکی ۱۷ ر فروری ۱۹۸۱ء

یقیناً یہ طریقہ اسلاف سے ثابت نہیں۔ لیکن چونکہ مدینہ منورہ میں جو لوگ مسجد نبوی میں حاضری دیتے ہیں وہ بعد نماز مغرب اور بعد نماز فجر بالخصوص مواجہہ شریف میں حاضر ہو کر سلام پیش کرتے ہیں اس طریقہ کی تمثیل کے بطور از راہ عقیدت اور حضور تصوری کوئی شخص سلام محض کرتا ہے تو اس کا سلام دوسروں کے مشاغل میں خارج نہ ہونا چاہئے اور صلاۃ وسلام ایسے وقت پڑھنا کہ دوسرے نمازیوں کی نمازوں اور وظائف کی یکسوئی میں خلل انداز ہو کر ذہنی انتشار کا باعث ہو یقیناً صلاۃ وسلام کے اخلاص پر اثر انداز ہوگا۔ اس لئے اگر صلاۃ وسلام عرض کرنا ہی مقصود ہے تو وہ بعد طلوع آفتاب زیادہ بہتر ہوگا۔ فوراً ادائے فرض کے بعد مناسب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ محمد حسیب بقلم خود غفرلہ فرنگی محل۔

اگر بخلوص نیت لوگ صلاۃ وسلام پڑھنا ہی چاہتے ہیں' تو ایسے وقت پر پڑھیں جب ان کا سلام دوسروں کے وظائف کی یکسوئی میں حارج نہ ہو۔ تاکہ آپ کا احترام بھی قائم رہے' اور مناسب ہے کہ اس مسئلہ میں لاؤڈ اسپیکر سے اجتناب کیا جائے۔

واللہ اعلم

الجواب: وہابی دیوبندی قیام تعظیمی کے سخت مخالف ہیں' اور آیت کریمہ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا چونکہ درود شریف پڑھنے کے حکم پر دلیل قطعی ہے اس لئے وہ بظاہر اس کی مخالفت نہیں کرتے مگر اس سے کوئی خاص لگاؤ بھی نہیں رکھتے اس لئے ان کے اجتماعات اور جلسے درود شریف پڑھنے اور پڑھانے سے عموماً خالی ہوتے ہیں اس لئے کہ اس میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرح سے تعظیم پائی جاتی ہے' اور وہ تعظیم رسول کے منکر ہیں اس لئے کبھی وہ خود براہ راست درود وسلام کھڑے ہو کر پڑھنے کی مخالفت کرتے ہیں اور کبھی اہل سنت و جماعت ہی کو کسی بہانے سے اس کی مخالفت پر اکساتے ہیں لہٰذا تعیین وقت کے ساتھ بعد نماز فجر اگرچہ کھڑے ہو کر ایک ساتھ بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا فرض و واجب نہیں بلکہ جائز ہے اسے ناجائز کہنا جہالت ہے لیکن جب وہابی دیوبندی اس کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ صرف جائز ہی نہ رہا بلکہ مستحسن و مرغوب ہو گیا۔ جیسا کہ شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''عمل بر رخصت از برائے اظہار خلاف با اہل ضلالت مستحسن و مرغوب ست۔ (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۳۴۷) اس لئے اوراد و وظائف میں خلل کا نام لے کر درود وسلام کو بند کرانا وہابیوں دیوبندیوں کے مقصد کو پورا کرنا ہے اور ادائے فرض کے فوراً بعد پڑھنے کو مناسب قرار دینا

اور بعد طلوع آفتاب کے پڑھنے کو بہتر ٹھہرانا دوسرے الفاظ میں بعد نماز فجر درود وسلام کو بند کرانا ہے اس لئے کہ اگر بعد نماز فوراً نہ پڑھا گیا تو سورج نکلنے تک لوگ درود وسلام کے لئے نہیں ٹھہریں گے اور اس طرح وہ بند ہو جائے گا لہٰذا صلاۃ وسلام بند نہ کریں اور ادائے فرض کے بعد فوراً پڑھیں طلوع آفتاب کا انتظار نہ کریں لیکن اس صورت میں صرف ایک بند پر اکتفاء کریں اس سے زیادہ نہ پڑھیں تا کہ وظیفہ والے صلاۃ وسلام میں شریک ہونے کے بعد بغیر کسی خلل کے یکسوئی کے ساتھ اپنا وظیفہ پڑھ سکیں اور اگر کچھ لوگ نماز میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھیں اور صلاۃ وسلام کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے اجتناب کو مناسب کہنا بھی صحیح نہیں کہ اس کام کے لئے اس کا استعمال خاص طور پر مناسب بلکہ افضل ہے۔ اس لئے کہ اس میں گمراہ فرقہ کی مخالفت کا بہترین اظہار ہے اور ان کی مخالفت کا اظہار مستحسن ومرغوب ہے کما تقدم تصریح الشیخ الدهلوی البخاری علیه رحمة الباری۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از مولانا عبدالقدوس کشمیری خطیب مسجد ۴۲ اسیفی جوبلی اسٹریٹ بمبئی نمبر ۳

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ فرض کا آخری قعدہ بھول کر کھڑا ہو گیا دو رکعت والی نماز میں تیسری کا اور چار رکعت والی نماز میں پانچویں کا سجدہ کر لیا تو مسئلہ یہ ہے کہ فرض باطل ہو کر سب رکعتیں نفل ہو گئیں۔ اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نفل کا ہر قعدہ قعدۂ اخیرہ ہے یعنی فرض ہے اور فرض چھوٹ گیا تو نماز کو فاسد ہو جانا چاہئے۔ نماز کے نفل ہو جانے کی صورت میں اسے صحیح نہیں ہونا چاہئے؟ اس شبہہ کا جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں باسمه تعالٰی والصلاة والسلام علٰی رسوله الاعلٰی۔

الجواب: بیشک نفل کا ہر قعدہ قعدۂ اخیرہ ہے اور وہ فرض ہے۔ جس کے چھوٹ جانے کے سبب نماز کو فاسد ہو جانا چاہئے قیاس یہی کہتا ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ والرضوان کا مذہب یہی ہے۔ لیکن استحسان یعنی قیاس خفی سے نماز فاسد نہیں ہوتی جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ دلیل استحسان یہ ہے کہ جب دو رکعت کی فرض نماز میں قعدہ چھوڑ کر تیسری کا سجدہ کر لیا تو پوری نماز کو اور جب چار رکعت کی نماز میں پانچویں کا سجدہ کر لیا تو ضم رکعت کے بعد آخری چار رکعت کو فرض سے مشابہت کے سبب ایک ہی نماز قرار دے دیا گیا اور اس نماز کا قعدۂ اخیرہ فرض ہو گیا۔ یہاں تک کہ چار رکعت کی فرض نماز میں قعدۂ اولیٰ بھی نہیں کیا اور ایک ہی قعدہ سے چھ رکعتیں پڑھیں تو بعض لوگوں کے قول پر وہ بھی درست ہو جائیں گی لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ فاسد ہو جائیں گی اس لئے کہ فرض کے قعدہ پر قیاس کرتے ہوئے استحساناً چار رکعت جائز ہے اور چھ رکعت کی فرض نماز کو نہیں ہے فتح القدیر جلد اول ص ۴۴۴ میں ہے: ترك القعدة علی راس الرکعتین من النفل لایفسدها عندهما خلافا لمحمد، اور مراقی

الفلاح مع طحطاوی ص۲۱۴ میں ہے: اذا صلی نافلة اکثر من الرکعتین کاربع فاتبها ولم یجلس الا فی اخرها فالقیاس فسادها وبه قال زفر وهو روایة عن محمد و فی الاستحسان لاتفسد' اور کفایہ مع فتح القدیر جلد اوّل ص۳۴۴ میں ہے: عندهما ترك القعدة علی راس الرکعتین فی التطوع لا یفسد الصلاة' اور درمختار مع شامی جلد اوّل ص۵۰۳ میں ہے: لوترك القعود الاول فی النفل سهوا سجدولم تفسد استحسانا اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۲۶۵ میں ہے: کون کل شفع صلاة علی حدة یقتضی افتراض القعدة عقبه فیفسد وترکها کما هو قول محمد وهو القیاس لکن عندهما لما قام الی الثالثة قبل القعدة فقد جعل الکل صلاة واحدة شبیهة بالفرض وصارت القعدة الاخیرة هی الفرض وهو الاستحسان. ولو تطوع بست رکعات بقعدة واحدة قیل یجوز ولاصح لاقان الاستحسان جواز الاربع بقعدة اعتبارا بالفرض ولیس فی الفرض ست رکعات تؤدی بقعدة فیعود الامر الی اصل القیاس کما فی البدائع. اھ ملخصًا. واللّٰه تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم جل جلاله وصلی اللّٰه علیه وسلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸/ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دارالعلوم امجدیہ کسان ٹولہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی۔

اگر نماز میں قراءت کرنے کے بعد سجدہ میں چلا گیا اور بھول کر رکوع چھوٹ گیا۔ یا کسی رکعت کا ایک سجدہ بھول گیا اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد یاد آیا تو وہ کیا کرے؟

الجواب: اگر رکوع بھول کر چھوٹ گیا اور قعدۂ اخیرہ میں یاد آیا تو اٹھ کر رکوع کرلے اور دونوں سجدے دوبارہ کرے پھر سجدۂ سہو کرنے کے بعد نماز پوری کرے اور اگر کوئی سجدۂ صلاتیہ بھول گیا اور قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد یاد آیا تو سجدۂ صلاتیہ کرنے کے بعد پھر تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے اور پھر تشہد پڑھ کر نماز مکمل کرے ردالمحتار جلد اوّل مطبوعہ ہند ص۳۰۳ میں ہے: یفترض ایقاعه (ای القعود الاخیر) بعد جمیع الارکان حتی لوتذکر بعده سجدة صلبیة سجدها واعاد القعود وسجد للسهوولورکوعا قضاه مع مابعده من السجود. واللّٰه تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم جل مجده وصلی اللّٰه علیه وسلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

باب الامامة

امامت کا بیان

مسئلہ: از رمضان علی قادری رضوی۔ علی آباد بارہ بنکی۔ (یو۔ پی)۔

کیا داڑھی منڈانے والے کے پیچھے داڑھی منڈانے والوں کی نماز ہوسکتی ہے؟...... زید کہتا ہے کہ جب کوئی داڑھی والا نہ ہوتو غیر داڑھی والے کے پیچھے نماز ہو جائے گی۔ جس طرح جمعہ کی امامت کے لئے جب باشرع آدمی نہ ملے تو فاسق معلن کی امامت درست ہے اسی طرح جب نماز پنجگانہ کے لئے کوئی حد شرع داڑھی والا نہ ہوتو داڑھی منڈانے والے کے پیچھے نماز ہو جائے گی۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ داڑھی فرض تو ہے نہیں بلکہ سنت ہے' اور جماعت فرض ہے۔ اگر حد شرع داڑھی والا امام نہ ملنے کی صورت میں جماعت نہ کی جائے گی تو ترک فرض ہوگا جو گناہ ہے ترک سنت سے ترک فرض نہ کیا جائے گا ..... بکر کہتا ہے کہ داڑھی بار بار منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا فسق ہے' اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا داڑھی منڈانے والے کی امامت مکروہ تحریمی اور اس کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا لوٹانا واجب ہے۔ پنج وقتہ نمازوں کی امامت کے لئے متشرع آدمی نہ ہونے کی صورت میں بھی اگر غیر داڑھی والے کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی تو بھی اعادہ واجب ہوگا .... دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید و بکر میں سے کس کی بات صحیح ہے؟ نیز مسئلہ پوری تحقیق سے بحوالہ کتب بیان کر دیا جائے۔

الجواب: داڑھی منڈانا حرام ہے جیسا کہ درمختار میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیته یعنی مرد کو داڑھی منڈانا حرام ہے' اور فتح القدیر جلد ثانی ص ۲۷ درمختار مع شامی جلد ثانی ص ۱۱۶ ردالمحتار جلد ثانی ص ۱۱۷ بحر الرائق جلد ثانی ص ۲۸۰ اور طحطاوی علی مراقی ص ۴۱۱ میں ہے: واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیة وھو دون ذٰلك (ای بقدر المسنون وھو القبضة) کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم یبحه احد واخذ کلها فعلی یھود الھند ومجوس الاعاجم اھ۔ یعنی داڑھی جب کہ ایک مشت سے کم ہوتو اس کا کاٹنا جس طرح کہ بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک جائز نہیں اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "داڑھی کترانا منڈانا حرام ہے" (فتاویٰ رضویہ جلد ثالث ص ۳۷۲) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے (بہار شریعت ج ۱۶ ص ۱۹۷) اور محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں: ''حلق کردن لحیہ حرام ست و روش افرنج و ہنود و جوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند و گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است'' و آنکہ را سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک در دین ست یا بجہت آں کہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند ..... یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے انگریزوں، ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے' اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے' اور جن فقہانے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا (تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یا) تو سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید ورحمت ہے) (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۲۲۲) لہٰذا بار بار داڑھی کا منڈانے والا مرتکب حرام اور فاسق ہے اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی۔ غنیۃ شرح میں ہے: لوقدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھة تقدیمه تحریم لعدم اعتنائه باموردینه وتساهله فی الاتیان بلوا زمه فلا یعبد منه الاخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ماینا فیها بل هو الغالب بالنظر الی فسقه اھ۔ یعنی اگر فاسق کو امامت کے لئے آگے بڑھائیں تو گنہگار ہوں گے کہ اس کو مقدم کرنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ وہ دینی امور کا لحاظ نہیں کرتا اور ان کی ادائیگی میں سستی برتتا ہے لہٰذا وہ نماز کی بعض شرطوں کو چھوڑ دے یا کوئی فعل منافی نماز کرے تو بعید نہیں بلکہ فاسق کا ایسا کرنا بہت ممکن ہے۔ لہٰذا داڑھی منڈانے والے فاسق معلن کے پیچھے داڑھی منڈانے والوں کی نفس نماز تو ہو جائے گی مگر پڑھنے والے گنہگار ہوں گے اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ ایسی نماز اگر دوبارہ پڑھیں گے تو گنہگار نہ ہوں گے..... طحطاوی علی مراقی میں ہے: الکراهة فی الفاسق تحریمیة یعنی فاسق میں کراہت تحریمی ہے' اور درمختار میں ہے: کل صلاة اديت مع كراهة التحريمة تجب اعادتها۔ یعنی ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی ہو جائے اس کا اعادہ واجب ہے' اور فاسق کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنے کا حکم صرف اس صورت میں ہے کہ جب دوسری جگہ صالح امامت متقی کے پیچھے جمعہ نہ پا سکے ورنہ جمعہ کی نماز پڑھنا بھی فاسق کے پیچھے جائز نہیں۔ ردالمحتار جلد اوّل ص ۲۷۶ میں ہے: فی المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعة لانه فی غیرها یجدا ماما غیره اھ قال فی الفتح وعلیه فیکره فی الجمعة اذا تعددت اقامتها فی المصر علی قول محمد المفتی به اھ یعنی معراج میں ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ جمعہ کے علاوہ کسی دوسری نماز میں فاسق کی اقتداء مناسب نہیں اس لئے کہ دوسری نمازوں کے لئے دوسرا امام مل جائے گا اسی پر فتح القدیر میں فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول مفتیٰ بہ پر جب کہ شہر میں متعدد جگہ جمعہ قائم ہو تو اس صورت میں فاسق کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی مکروہ ہے..... اور صالح متقی امام نہ ملنے کی صورت میں فاسق کے پیچھے جمعہ پڑھنے کا حکم اس لئے ہوا کہ اس کی اقتدا مکروہ تحریمی اور جمعہ فرض ہے جس کے لئے جماعت شرط' تو مکروہ تحریمی کے سبب فرض کو ترک نہ کیا جائے گا' اور جماعت فرض نہیں ہے بلکہ عام مشائخ کے قول پر واجب ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۷۷ میں ہے: الجماعة سنة مؤكدة كذا فی المتون والخلاصة والمحیط ومحیط السرخسی و فی الغایة قال عامة مشایخنا انها

واجبۃ وفی المفید وتسمیتھا سنۃ لوجوبھا بالسنۃ اھ یعنی جماعت سنت مؤکدہ ہے ایسا ہی متون، خلاصہ، محیط، محیط سرخسی میں ہے' اور غایہ میں ہے کہ ہمارے عام مشائخ نے فرمایا کہ جماعت واجب ہے' اور مفید میں ہے کہ اس کا نام سنت اس لئے رکھا گیا کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے' اور داڑھی رکھنا سنت نہیں بلکہ واجب ہے جس کا ترک فسق وحرام ہے' اور تارک فاسق جس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی جیسا کہ اوپر گزرا اور جماعت واجب۔ لہٰذا واجب کے لئے مکروہ تحریمی کا ارتکاب نہ کیا جائے گا کہ مکروہ تحریمی کا اعتناء واجب سے اہم واعظم ہے جیسا کہ الاشباہ والنظائر ص ۹۹ میں ہے: اعتناء الشرع بالمنھیات اشد من اعتنائہ بالمأمورات اھ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً تنہا تنہا پڑھیں کہ جماعت واجب ہے' اور اس کی تقدیم ممنوع بکراہت تحریم اور واجب ومکروہ تحریمی دونوں ایک مرتبہ میں ہیں ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں کہ وہ فرض ہے' اور فرض اہم (فتاویٰ رضویہ جلد ثالث ص ۲۷۳) لہٰذا زید کا قول غلط ہے' اور بکر کا قول صحیح ہے۔ وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸/ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از فقیر صاحب' کریم صاحب مقام دیوالی ضلع رتنا گیری۔ مہاراشٹر۔

(۱) کیا شافعی امام کی اقتداء میں حنفی لوگوں کی نماز درست ہے؟

(۲) حنفی امام ہے مگر داڑھی حد شرع سے کم رکھتا ہے لیکن لوگ نماز ایسے امام کی اقتداء میں پڑھتے ہیں تو لوگوں کا نماز پڑھنا درست ہے؟ اور امام کیا ہے؟

(۳) بغیر داڑھی کا امام نماز پڑھاتا ہے' اور لوگ نماز پڑھتے ہیں آیا ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے؟ اور ایسا امام کیسا ہے؟ جواب بحوالہ مرحمت فرمائیں۔

الجواب: (۱) اگر شافعی امام نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے مذہب کے مطابق وضو توڑنے والا ہے یا نماز کو فاسد کرنے والا ہے جیسے کہ منہ بھرتے ہونے یا غیر سبیلین سے خون وغیرہ نکل کر بہنے کے بعد وضو نہ کیا یا ماء مستعمل سے وضو کیا یا وضو میں چوتھائی سر سے کم مسح کیا۔ صاحب ترتیب ہو کر یاد ہوتے ہوئے اور وقت میں وسعت کے باوجود قضا نماز پڑھے بغیر وقتی نماز شروع کردی۔ یا کوئی فرض ایک بار پڑھ کر اسی نماز کی امامت کر رہا ہو تو شافعی امام کی اقتدا میں حنفیوں کی نماز درست نہیں۔ جیسا کہ غنیۃ ص ۴۸۰ میں ہے: اما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز مالم یعلم منہ مایفسد الصلاۃ علیٰ اعتقاد المقتدی علیہ الاجماع' اور اگر شافعی امام مسائل حنفیہ کی رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے حنفیوں کی نماز درست ہے۔ بشرطیکہ بدمذہبی وغیرہ اور کوئی دوسری وجہ مانع امامت نہ ہو ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۴۸ میں کبریٰ سے ہے: ان

اعلم الاحتیاط منه فی مذهبنا فلا کراهة فی الاقتداء به. مگر حنفیوں کو رفع یدین میں اس کی اتباع کرنا مکروہ ہے' اور شافعی امام جب کہ وتر وسلام سے پڑھے حنفیوں کو اس کی اقتداء صحیح نہیں ہے جیسا کہ ردمحتار مع شامی جلد اوّل ص ۴۴۸ میں ہے: صح الاقتداء فیه بشافعی لم یفصله بسلام لا ان فصله علی الاصح اه تخلیصاً۔

(۲) ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است وآنکہ آنرا سنت گویند بمعنی طریقۂ مسلوک دردین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آں بسنت است چنانکہ نماز عید راسنت گفتہ اند۔ یعنی داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے' اور جن فقہاء نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا ہے تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یا تو یہاں سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے' اور یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۲۱۲) اور درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۲۶۱ میں ہے: یحرم علی الرجل قطع لحیته اه یعنی مرد کو اپنی داڑھی کا کاٹنا حرام ہے' اور بہار شریعت حصہ شانزدہم میں ہے: ''داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے'' لہٰذا امام مذکور اگر داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کا عادی ہے تو فاسق معلن ہے' اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(۳) اگر امام بغیر داڑھی کا اس لئے ہے کہ اسے داڑھی نکلتی ہی نہیں ہے' اور وہ بالغ ہے تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے جبکہ کوئی اور وجہ مانع نہ ہو' اور اگر وہ داڑھی منڈاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کہ وہ مرتکب حرام ہے' اور فاسق معلن ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵/ذوالقعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از ڈاکٹر شکیل احمد نوری دواخانہ باری مسجد جگتدل۔ ضلع ۲۴ پرگنہ

زید پابند شرع و متقی ہے' اور مسجد کا امام بھی ہے مگر انہوں نے بینک میں روپیہ جمع کیا ہے اور اس سے جو سود ملتا ہے وہ اپنے مصرف میں لاتا ہے' اور اس سے زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور ان کی امامت درست ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: زید جس بینک کے روپیہ کا نفع اپنے مصرف میں لاتا ہے اس سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے اگر وہ بینک مسلمانوں کا ہے یا مسلمانوں اور کافروں کا مشترکہ ہے تو اس صورت میں اس پیسہ سے زکوٰۃ ادا کرنا اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں کہ وہ سخت گنہگار فاسق اور سود خور ہے۔ اگر وہ بینک یہاں کے خالص غیر مسلموں کا ہے تو اس کا نفع شرعاً سود نہیں اسے اپنے مصرف میں لانا اور اس سے زکوٰۃ وغیرہ ادا کرنا جائز ہے کہ یہاں کے غیر مسلم کافر حربی ہیں' اور کافر حربی و مسلمان کے درمیان سود نہیں۔

رئیس الفقہاء حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ان هم الاحربی وما یعقلها الاالعالمون (تفسیرات احمدیہ ۳۰۰) اور حدیث شریف میں ہے: لاربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب' اور دار الحرب کی قید اس حدیث شریف میں اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ کما صرح به العالمون. هٰذا ما عندی وهو سبحانه وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد شوکت علی صدر بزم قادری کمہریاوارانسی۔
امام فرض ظہر کے پہلے کی چار رکعت سنت پڑھے بغیر امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بعون الملك الوهاب. بلاعذر چار رکعت سنت پڑھے بغیر ظہر فرض کی امامت کرنا مکروہ ہے' اور بالکل ترک کردینے یعنی بعد فرض بھی نہ پڑھنے والے کے لئے وعید ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ترك اربعا قبل الظهر لم تنله شفاعتي. اه۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد لطیف اسٹینڈرڈ واچ سروس نیر پوسٹ مہنداوّل ضلع بستی۔
ہمارے یہاں ایک لڑکی ھندہ کو ناجائز حمل رہا جب قریب چھ (۶) ماہ کے حمل ہوگیا تو گاؤں کے مسلمانوں نے لڑکی کو طلب کرکے بیان لیا۔ لڑکی ھندہ نے بتایا کہ یہ حمل زید کا ہے اس پر گاؤں والوں نے زید کا بائیکاٹ کردیا لیکن گاؤں کے کچھ مسلمان حامد و محمود وغیرہ زید کے ساتھ کھاتے پیتے اور سلام کلام شادی وغیرہ میں شرکت کرتے رہے۔ ھندہ نے دوا کے ذریعہ حمل کا اسقاط بھی کرادیا اس کے بعد ھندہ نے کہیں سے استفتاء لیا اور توبہ کی۔ نیز میلاد کا پروگرام رکھا جس میں حامد و محمود وغیرہ کو بھی دعوت دی اور مکتب کے ماسٹر صاحب اور مسجد کے امام صاحب کو بھی دعوت دی اور ان لوگوں نے دعوت میں شرکت بھی کی لیکن جو مسلمان پہلے بائیکاٹ کئے ہوئے تھے نہ تو انہیں شریک کیا گیا اور نہ ان کے سامنے توبہ کی گئی' اور انہیں بائیکاٹ کرنے والے مسلمانوں نے اب امام صاحب کو بھی امامت سے الگ کردیا یہ کہہ کر کہ آپ نے جو لوگ پہلے سے غلط کام میں ساتھ دے رہے تھے ان کا ساتھ دیا ہے۔ اس وجہ سے آپ امامت کے لائق نہیں رہے کیونکہ ابھی ان لوگوں نے توبہ نہیں کی جنھوں نے شرع کے خلاف والوں کا ساتھ دیا تھا' اس لئے حضور والا سے گزارش ہے کہ ہم مسلمانوں کو شریعت کے حکم سے آگاہ کریں کہ امام صاحب کے پیچھے نماز ہم لوگ پڑھیں یا نہ پڑھیں اور اگر پڑھیں تو امام صاحب پر کیا حکم ہے؟ جیسا ہو ہم مسلمانوں کو شریعت کے حکم سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب: جو گناہ لوگوں پر ظاہر ہوجائے اس کی توبہ علانیہ ہونا ضروری ہے۔ جن لوگوں نے بائیکاٹ کیا ان کے سامنے

ضروری نہیں۔ لہٰذا جب کہ مجرم نے توبہ کرلی اگر چہ بائیکاٹ کرنے والوں کے سامنے نہ کی مگر اس کا مقصد حاصل ہے۔ اسی طرح توبہ کرنے کے لئے بائیکاٹ کرنے والوں کی دعوت دینی بھی ضروری نہیں البتہ بہتر یہی تھا کہ مجلس توبہ میں بائیکاٹ کرنے والوں کو بھی شریک کیا جاتا' اور جو مسلمان زید کے ساتھ کھاتے پیتے رہے وہ گنہگار ہوئے ان پر بھی لازم تھا کہ وہ زید کا بائیکاٹ کرتے۔ پارہ ص ۷ ع ۱۴ میں ہے: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ اس آیت کریمہ کے تحت رئیس الفقہاء حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ان القوم الظلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والعقود مع کلھم ممتنع۔ (تفسیر احمدیہ ص ۲۵۵) لہٰذا وہ سب بھی علانیہ توبہ واستغفار کریں' اور مکتب کے ماسٹر و مسجد کے امام کو چاہئے تھا کہ وہ اس قسم کی دعوت میں شرکت نہ کرتے اور جب حامد محمود وغیرہ کو دعوت دی گئی تو اس صورت میں بدرجہ اولیٰ نہیں احترام کرنا چاہئے تھا لیکن اگر امام نے اس قسم کی دعوت میں شرکت کرلی تو وہ اس درجہ گنہگار نہیں ہوئے کہ ان کے پیچھے نماز جائز نہ ہو اس کے باوجود امام کو چاہئے کہ وہ رفع فتنہ کے لئے توبہ کرلیں فتاویٰ عالمگیری میں ملتا ہے کہ اگر ایک دسترخوان پر کافر و مشرک کے ساتھ کسی مسلمان نے ایک دوبار کھانا کھالیا تو حرج نہیں۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں: لم یذکر محمد الاکل مع المجوس ومع غیرہ من اھل الشرك انه ھل یحل الاوحکی عن الحاکم الامام عبدالرحمن الکاتب انه ان ابتلی به المسلم مرۃ اومرتین فلاباس به واما الدوام علیه فیکرہ کذا فی المحیط انتھٰی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از بیت اللہ سرپنچ پیری بزرگ پوسٹ بھدوکھر بازار ضلع بستی

زید جو کہ مسجد کا امام ہے وہ ایک غیر محرم عورت ھندہ کے ساتھ تنہائی میں کھلم کھلا اٹھتا بیٹھتا ہے' اور اپنی بیوی کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آکر اپنی کمسن بچیوں کو چھین کر ایک غیر محرم مرد کے ساتھ اس کے میکے بھیج دیا ہے۔ زید نے آج تین سال سے اپنی بیوی کا حق جو کہ شریعت مطہرہ کا قائم کردہ ہے قطعی طور پر ادا نہیں کیا' اور اس سے بولنا چالنا اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بالکل ترک کردیا ہے۔ آج تقریباً پندرہ دن سے زید کی بیوی اپنے میکے مجبور ہو کر رہ گئی ہے۔ جب یہ معاملہ زید نے اپنی بیوی کے ساتھ کیا تو اس کے والدین زید کے پاس آئے اور پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا اور تم یہ کیا کرتے ہو تو اس پر زید نے انہیں جواب دیا کہ وہ ہمارے مصرف کی نہیں ہے ہم اس کو نہیں رکھیں گے ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں مجبور ہو کر اس کے والدین واپس چلے گئے یہ ہے زید امام کا کارنامہ۔

لہٰذا عوام الناس جو کہ امام کے مقتدی ہیں ایسی صورت میں ہم عوام الناس ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ اگر پڑھیں تو نماز ہوگی یا نہیں ہوگی؟ جو شریعت مطہرہ کا حکم ہے بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں' اور ہم تمامی مسلمانوں کی رہبری

فرمائیں۔

الجواب: خدا تعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ پارۂ چہارم رکوع ۱۴ میں ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور اپنی بیویوں سے کمسن بچیوں کا چھین لینا ظلم ہے بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۱۴۳ میں ہے: لڑکی اس وقت تک پرورش میں رہے گی کہ حد شہوت کو پہنچ جائے اس کی مقدار نو برس کی عمر ہے اور غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں المنا بیٹھنا حرام ہے ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لایخلون رجل بامرأة الاکان ثالثها الشیطن۔ یعنی کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہیں جمع ہوتا ہے لیکن اس حال میں کہ وہاں دو کے علاوہ تیسرا شیطان ہوتا ہے الاشباہ والنظائر ص ۲۸۸ میں ہے: الخلوة بالاجنبية حرام۔ یعنی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی حرام ہے۔ لہٰذا شخص مذکور میں اگر واقعی وہ سب باتیں پائی جاتی ہیں جن کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو وہ مرتکب حرام، فاسق اور ظالم ہے تاوقتیکہ توبہ نہ کرے اور ان باتوں سے باز نہ آئے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۸؍ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از برکت اللہ چودھری پیری بزرگ ضلع بستی

زید، بکر اور عمر تین بھائی ہیں اور تینوں نے بانٹ لیا ہے مگر ایک ہی مکان میں رہتے ہیں ایک ایک کمرہ اور تھوڑا تھوڑا برآمدہ ہر ایک کے حصہ میں ہے لیکن تینوں کا آنگن ایک ہی ہے کوئی دیوار یا ٹاٹی بیچ میں حائل نہیں اور نہ آپس میں کسی قسم کا جھگڑا فساد رہتا ہے تینوں میل جول سے رہتے ہیں زید کی خالد سے بظاہر دوستی ہے خالد کو ساتھ لے کر اکثر اپنے گھر بیٹھا باتیں کیا کرتا ہے اور کبھی کبھی خالد بھی اس کے گھر زید کی موجودگی میں چلا جاتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے مگر تنہائی میں نہیں بیٹھتا ہے خالد عالم دین ہے اور امامت بھی کرتا ہے مگر گاؤں کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ خالد زید کے گھر جا کر زید کی غیر موجوگی میں بیٹھ جاتا ہے اس وجہ سے اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں اور خالد کو کچھ لوگوں نے روکا کہ زید کے گھر مت جاؤ تو خالد نے کہا کہ اب نہیں جائیں گے اور نہ جاتا ہے تو خالد کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: خالد اگر غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں نہیں بیٹھتا تھا اور نہ اب بیٹھتا ہے بلکہ لوگوں کے روکنے پر زید کے گھر جانا بھی بند کر دیا تو اس پر شرعاً کوئی جرم نہیں عائد ہوتا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو اور اگر خالد پر غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا جھوٹا الزام ہے تو جھوٹا الزام لگانے والے اور مومن پر بدگمانی کرنے والے گنہگار حق العبد میں گرفتار ہیں اور ان پر توبہ کرنا اور خالد سے معافی مانگنا لازم ہے قال اللہ تعالیٰ: یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (پ ۲۶ ع ۱۴) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ر شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد حنیف قادری بھارت الیکٹرک اینڈ مشینری اسٹور ۳۷ ضلع اجین۔ مدھیہ پردیش

زید کے منہ سے بدبو آتی ہے اور زید ماسٹر بھی ہے اور وہ ٹی بی کے مرض میں بھی مبتلا ہے جس کی وجہ سے اسے کھانسی بہت آتی ہے قرأت پڑھنے میں الفاظ کی ادائیگی نہیں ہوتی اور زید پر زکوٰۃ فرض ہے لیکن جب دینے کا وقت آتا ہے تو بیوی کو مالک بنا دیتا ہے اور سال گزرنے سے پہلے بیوی پھر شوہر کو مالک بنا دیتی ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جس زید میں مذکورہ بالا باتیں پائی جاتی ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ اگر زید کے منہ کی بدبو اس درجہ ہو کہ جس سے نمازیوں کو ایذا پہنچتی ہو تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے بھی روکا جائے گا ردالمحتار میں ہے: **الحق بعضهم بذلك من بفيه بخر** اور اعلیٰ حضرت امام رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''جس کے بدن میں بدبو ہو کہ اس سے نمازیوں کو ایذا ہو مثلاً معاذ اللہ گندہ دہن یا گندہ بغل ہو اسے مسجد میں نہ آنے دیا جائے اھ ملخصا (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۸۱) مگر ماسٹر ہونا مانع امامت نہیں جب کہ مشتہاۃ لڑکیوں کو بے پردہ نہ پڑھاتا ہو اسی طرح ٹی۔ بی کا مرض ہونا بھی مانع جواز امامت نہیں لیکن اگر اس کے سبب قرأت صحیح نہ کر پاتا ہو تو صحیح قرأت کرنے والوں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی اور زکوٰۃ سے بچنے کے لئے حیلۂ مذکور کرنا جائز نہیں۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ ابوبکر بن محمد حدادی یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: **اختلفوا فی الحيلة لاسقاط الزكوٰة فاجازها ابو يوسف وكرهها محمد والفتوىٰ علىٰ قول محمد** (جوہرہ نیرہ ج ۱ ص ۲۸۵) اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: **قال ابو يوسف لايكره لانه امتناع عن الوجوب لاابطال حق الغير۔ وفي المحيط انه الاصح وقال محمد يكره واختاره الشيخ حميد الدين الضرير لان فيه اضرارًا بالفقراء وابطال حقهم مآلًا (الى ان قال) وقيل الفتوىٰ في الشفعة علىٰ قول ابي يوسف وفي الزكوٰة علىٰ قول محمد هٰذا تفصيل حسن** (ردالمحتار جلد دوم ص ۶۱) اور الاشباہ والنظائر ص ۴۰۷ میں ہے: **اختلفوا في الكراهة ومشايخنا رحمهم الله تعالىٰ اخذوا بقول محمد رحمة الله تعالىٰ دفعا للضرر عن الفقراءوهو تعالىٰ اعلم ورسوله الاعظم۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از حافظ محمد اشفاق حسین اشرفی۔ کالاہانڈی اڑیسہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر میں ایک قاری صاحب ہیں پہلے امامت کرتے تھے اب کاروبار کرتے ہیں وضو میں آدھی ٹنکی پانی بہاتے ہیں کہتے ہیں ہمارا دل نہیں بھرتا ہے دوسرے یہ کہ جب سے

امامت چھوڑے ہیں کسی امام کو ٹھہرنے نہیں دیتے اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں نکتہ چینی بال کی کھال نکالتے ہیں جس سے جماعت میں نفاق پھوٹ پڑ جاتا ہے ابھی بھی دو پارٹیاں ہیں آئے دن خلفشار ہوتا رہتا ہے جو شخص مسلمانوں میں پھوٹ ڈالے اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ مطلع فرمائیں خود کو بڑا متقی پرہیزگار فخر کے ساتھ سمجھتے ہیں، مستند قاری بھی نہیں صرف تکلم ہے نہ حافظ نہ عالم جعلی صوفی بنے ہیں اور کیا قبرستان میں قبر کے اوپر موم بتی جلا سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: امام حسن وامام حسین علیہ السلام بولنا جائز ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب: وضو کے فرائض، سنن، مستحبات ادا کرنے اور اعضاء کو ٹھنڈک پہنچانے کے علاوہ پانی گرانا اسراف وناجائز ہے اگر قاری صاحب وضو میں پانی کا اسراف کرتے ہیں تو اس سے بچنا لازم ہے' اور قاری صاحب مذکور اگر اماموں پر صحیح اعتراض کرتے ہیں مثلاً آج کل بہت سے امام وضو کرنے میں اعضاء کو دھوتے نہیں بلکہ بھگوتے ہیں یا عضو کا بعض حصہ دھوتے ہیں اور بعض حصہ صرف تر کر کے چھوڑ دیتے ہیں خاص کر پیشانی پر بال اگنے کی جگہ پر پانی نہیں ڈالتے صرف گیلا ہاتھ پھیر لیتے ہیں۔ کچھ لوگ اللہ اکبر کی جگہ آللہ اکبر یا اللہ اکبار کہتے ہیں۔ بعض امام نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں قرأت قرآن میں حروف کے مخارج کی رعایت نہیں کرتے اور دونوں پاؤں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر نہیں لگاتے۔ اگر قاری اس قسم کی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں تو وہ حق بجانب ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ وہ ثواب پاتے ہیں' اور اگر بیجا اعتراض کر کے مسلمانوں میں افتراق پیدا کرتے ہیں تو سخت گنہگار ہیں...... اور اگر بتی قبر پر سلگانے کے بارے میں فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۱۸۵ میں ہے: ''اگر بتی قبر پر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوء ادب اور بدفالی ہے عالمگیری میں ہے: ان سقف القبر حق المیت ہاں قریب قبر زمین خالی رکھ کر سلگائیں جو خوشبو محبوب ہے' اور پھر ص ۲۲۱ میں ہے: اگر کی بتی جلانا اور تلاوت قرآن کے وقت تعظیم قرآن کے لئے ہو یا وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں ان کی ترویح کے لئے ہو تو مستحسن ہے ورنہ فضول اور تضیع مال۔ میت کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔

اور امام حسین علیہ السلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ استقلالاً وابتداء جائز نہیں ہے' اور اتباعاً جائز ہے یعنی امام حسین علیہ السلام کہنا نہیں جائز ہے' اور امام حسین علیٰ نبینا وعلیہ السلام جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از جیش محمد، موضع پیری بزرگ پوسٹ بھدوکھر بازار ضلع بستی

(۱) امام کیسا ہونا چاہئے۔ خوبی بتلائیے؟

(۲) فجر کی نماز ہونے کے بعد لوگ نماز ادا کرتے ہیں اسی حالت میں کچھ لوگ لاؤڈ اسپیکر پر سلام پڑھتے ہیں جس سے

نماز میں خلل ہوتا ہے منع کرنے پر مانتے نہیں ہیں۔

الجواب: (۱) امام سنی صحیح العقیدہ ہو وہابی دیوبندی وغیرہ بدمذہب نہ ہو صحیح الطہارۃ یعنی وضو، غسل اور کپڑے وغیرہ کی طہارت رکھتا ہو، صحیح القرأت ہو مثلاً ا، ع، ت، ط، س، ش، ص، ہ، ذ، ض اور ذ، ز، ض میں فرق کرتا ہوں، فاسق معلن نہ ہو اسی طرح اور امور جو منافی امامت ہیں ان سے پاک ہو۔

(۲) جماعت واجب ہے لوگوں کو چاہئے کہ جماعت میں حاضر ہوں کہ بلا عذر شرعی جماعت کا ایک بار بھی ترک کرنا گناہ ہے اور ترک کی عادت کرنے والا فاسق مردود الشہادۃ ہے اور اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو کوئی ایسا غیر ضروری کام نہیں کرنا چاہئے کہ جس میں نماز میں خلل واقع ہو۔ وھو تعالٰی اعلم۔

انتباہ: آپ نے اپنے نام جیش محمد پر (م) لکھا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر (م) لکھنا حرام وناجائز ہے اور جیش محمد تو آپ کا نام ہے اس پر (م) کا لکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ اگر جیش محمد پر درود کا اشارہ ہے تو یہ بھی ناجائز ہے وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ر صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از نور محمد مصباحی مدرس دار العلوم رضویہ بڑھیا پوسٹ مذو بازار ضلع گونڈہ

زید مڈل اسکول کا ٹیچر ہے صوم وصلوٰۃ کا پابند بھی ہے۔ نس بندی کے دنوں میں نس بندی کا جوز ور تھا اس سے ہر شخص واقف ہے ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے نوٹس آئی جس میں صاف طور سے لکھا ہوا تھا کہ آپ فیملی پلاننگ کے تحت اپنی یا اپنی اہلیہ کی نس بندی کرائیے اس پر زید نے عمل نہیں کیا اس کے معطلی کا کاغذ آیا زید نے کاغذ لیا اور تہیہ کر لیا کہ نس بندی نہیں کراؤں گا بھلے مجھے مستعفی ہونا پڑے کچھ ہی دنوں کے بعد تعلیمی محکمے کے بڑے افسر نے بلا کے جملہ ماسٹران کو جمع کر کے خطاب کیا کہ کوئی شخص استعفیٰ دے کر بھی نس بندی سے نہیں بچ سکے گا ہمارے ملک کا قانون ہے ہندوستان میں رہ کر اس کی مخالفت کرنا بغاوت کے مترادف ہوگا تعلیمی افسر نے یہ بھی کہا جو ماسٹر نس بندی نہیں کراتا ہے اسے میسا کے تحت جیل جانا پڑے گا ان حالات کے پیش نظر زید نے مجبور ہو کر نس بندی کرالی اب نس بندی کرانے کے بعد زید پر ازروئے شرع کیا حکم لاگو ہوگا کیا زید کو سماج میں ذلیل نگاہوں سے دیکھا جائے گا کیا اس کی امامت اذان واقامت وغیرہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب کہ نس بندی کے بارے میں حکام نے دہشت پھیلا رکھی تھی اور ملازمین کو طرح طرح کی دھمکیوں سے ڈرایا جارہا تھا اس صورت میں اگر زید نے مجبوراً نس بندی کرالی تو اسے مجرم نہیں قرار دیا جائے گا لیکن احتیاطاً وعلانیہ توبہ کرلے اب توبہ کے بعد بھی نس بندی کے سبب زید کی امامت اور اذان واقامت پر اعتراض کرنے والے اور اسے ذلیل نگاہوں سے دیکھنے والے بلاشبہ گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے حدیث شریف میں ہے: التائب من الذنب کمن لاذنب لہ وھو

تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۲؍صفر المظفر ۹۸ھ۱۳

مسئلہ: از عطاء اللہ سہنیاں کلاں ضلع گونڈہ

(۱) نماز پڑھانے کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جس نے اپنی بیوی ہندہ کا مہر ادا نہیں کیا اور نہ بخشوایا مگر اس سے مجامعت کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ہمارے یہاں ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز بتاتے ہیں۔

الجواب: (۱) نماز پڑھانا خالص عبادت ہے اور کسی عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں لیکن جس شخص کو امام مقرر کر دیا جائے تو اس کو امامت کے سلسلے میں پابندیٔ وقت کی تنخواہ لینا قطعاً جائز ہے۔

(۲) ہمارے ملک ہندوستان میں عموماً مہر مطلق کا رواج ہے جس کا نچوڑ یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی ایک کی موت یا شوہر کے طلاق دے دینے پر اس کو مہر کے وصول کرنے کا حق ہے لہٰذا اگر کوئی شخص بغیر مہر ادا کئے یا بغیر معاف کرائے اپنی بیوی سے مجامعت یعنی ہمبستری کرتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جن لوگوں نے نماز پڑھانا جائز قرار دیا ہے وہ شریعت طاہرہ کے احکام سے جاہل ہیں ان کے ناجائز کہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: بدر الدین احمد القادری الرضوی
۲۸؍محرم الحرام ۷۷ھ۱۳

الجواب حق: واقعی مہر مطلق میں عورت اگر مہر کا مطالبہ کرے تو اس کا مطالبہ جائز ہے لیکن شوہر ادائیگی مہر پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہاں طلاق کی صورت میں وہ مجبور کیا جائے گا اور موت کی صورت میں اس کے ورثہ سے وصول کیا جائے گا۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۸؍محرم الحرام ۷۷ھ۱۳

مسئلہ: از حکیم اللہ بستوی پوسٹ ومقام بھیلواڑہ ضلع سابر کانٹھا گجرات

زید صاحب نصاب ہوتے ہوئے زکوٰۃ وصدقۂ فطر لے رہا ہے اور ایک مسجد میں امامت بھی کر رہا ہے اور داڑھی بھی منڈواتا ہے اور زید کی بیوی دوکان پر بیٹھ کر برسر بازار خرید وفروخت بھی کرتی ہے کیا ایسی صورت میں زید کی امامت قابل قبول ہے۔

الجواب: امام ہو یا غیر امام جو صاحب نصاب ہو اسے زکوٰۃ و صدقۂ فطر لینا حرام و ناجائز ہے' اور جو لوگ جان بوجھ کر ایسے شخص کو زکوٰۃ و فطرہ دیں گے ان کی زکوٰۃ و فطرہ ادا نہ ہوگا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: ''صاحب نصاب کو اگر چہ امام مسجد ہو کوئی صدقۂ واجبہ مثل زکوٰۃ یا صدقات عید الفطر یا کفارات جائز نہیں حرام ہے اور اس کے دیئے وہ زکوٰۃ و صدقۂ فطر ادا نہ ہوں گے'' (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۴۸۳) اور داڑھی منڈانا حرام ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۲۶۱ میں ہے: ''یحرم علی الرجل قطع لحیته'' اور اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۲۱۲ میں ہے: ''حلق کردن لحیہ حرام ست'' یعنی داڑھی منڈانا حرام۔ بہار شریعت حصہ شانزدہم ص ۱۹۷ میں ہے: ''داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرانا حرام ہے''۔ اور برسر بازار خرید و فروخت کرنے میں اگر عورت کے کپڑے خلاف شرع ہوتے ہیں' مثلاً باریک کہ بدن چمکے یا اوچھے کہ ستر عورت نہ کریں جیسے چھوٹی قمیص یا بلاؤز کہ گٹوں کے اوپر ہاتھ یا پیٹ کھلا ہو بے طریقہ سے اوڑھے پہنے جیسے دوپٹہ سر سے ڈھلکا یا کچھ حصہ بالوں کا کھلا یا زرق برق پوشاک جس پر نگاہ پڑے اور احتمال فتنہ ہو یا اس کی چال ڈھال بول چال میں آثار بدوضعی پائے جائیں اور شوہر ان باتوں پر مطلع ہو کر باوصف قدرت بندوبست نہ کرے تو وہ دیوث ہے: هٰکذا فی جزء الثالث من الفتاوی الرضویة۔ لہٰذا شخص مذکور میں اگر یہ باتیں پائی جاتی ہیں جو سوال میں مذکور ہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کہ وہ فاسق ہے حضرت علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لو قدموا فاسقاً یاثمون بناء علی ان الکراهة تقدیمه کراهة تحریم لعدم اعتنائه بامور دینه وتساهله فی الاتیان بلوازمه فلا یبعد منه اخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ماینا فیها بل هو الغالب بالنظر الی فسقه (غنیۃ ص ۴۲۹) وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ر ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شریف الدین مدرس مدرسہ نعیم العلوم تولہوا۔ نیپال

جامع مسجد میں ایک امام کو امامت کرتے ہوئے اکیس سال گزر گئے۔ بائیسویں سال میں کچھ لوگ ایک پارٹی بنا کر علیحدہ ہو گئے' اور نماز الگ پڑھنے لگے۔ اختلاف کی بناء پر سابق امام کو ہٹانے کی آواز بلند کی۔ لوگوں نے سوال کیا کہ امام کو کس وجہ سے ہٹا دیں۔ مخالف نے جواب دیا کہ امام کو نکال کر دوسرے امام کو معین کرو' تو ہم نماز پڑھنے مسجد میں آئیں گے نہیں تو نہیں آئیں گے بات حکام تک پہنچی۔ موقع کے حاکم نے مخالف سے سوال کیا۔ وہاں بھی کوئی معقول جواب نہ دیا۔ حکام نے سابق امام کے بارے میں فیصلہ دے دیا۔ حکام کی بھی بات نہ مان کر پھر حاکموں سے مخالف نے کہا کہ آپ لوگ میرے مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے لہٰذا دونوں پارٹیوں کے طرف سے دو دو عالموں کو بلوائیے اور وہ چار عالم مل کر جو فیصلہ دے دیں

دونوں فریق مان لیں۔ بات طے ہوگئی وقت مقررہ پر چار عالم تشریف لائے جن میں امام کی طرف سے دوسنی عالم اور مخالف کی طرف سے دو غیر مقلد تھے۔ پہلی نشست میں علماء نے امام کو بلایا امام حاضر ہوا اور ایک شخص مخالف پارٹی سے بلایا اور سوال کیا کہ امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو کوئی بہتان ہو یا کوئی اور خرابی ہو جس کی وجہ سے نہیں پڑھتے ہو تو بتاؤ' تو مخالف نے جواب دیا کہ امام پر کوئی بہتان نہیں کوئی جرم نہیں' تو عالم نے سوال کیا کہ نماز الگ پڑھنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام میں کوئی نقص ہے اس پر مخالف نے جواب دیا کہ نہیں نہیں صاحب' امام میں کوئی نقص نہیں ہے۔ میری استدعا ہے کہ چونکہ یہ مقام ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اس مسجد میں ایک امام ایسا ہو جو مفتی ہو قاری ہو اس کو رکھا جائے عالم نے سوال کیا کہ امام کو کس وجہ سے ہٹائیں۔ پہلے روز کی یہ نشست برخاست ہوگئی اور بات طے نہ ہو پائی۔ دوسرے روز پہلی نشست میں گفتگو جاری ہوئی امام میں کوئی خرابی نہ پا کر دو عالموں نے فتویٰ دیا کہ امام میں شرعی نقص نہیں ہے اس وجہ سے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ مخالف پارٹی کے دو عالموں نے جواب دیا کہ آپ اپنا فیصلہ حاکم کو دے دیجئے اور میں اپنا فیصلہ حاکم کو دے دوں گا۔ بات حاکم تک پہنچی حاکم موقع پر پھر چاروں عالم کو ایک جگہ جمع کر کے کہا کہ آپ لوگوں کو فیصلہ دینا ہے۔ شرع کے رو سے فیصلہ دیجئے۔ مخالف نے جب کوئی بات نہ بن پڑی تو امام پر زنا کا غلط بہتان لگایا اور بہتان لگانے والے ہی کو گواہی میں طلب کیا اور اس کی گواہی پر فتویٰ دے دیا نہ گواہ کو دیکھا کہ کیسا ہے' اور نہ امام سے پوچھا اور نہ امام کی طرف سے کوئی گواہی لی۔ فتویٰ یہ دیا کہ امام میں کچھ خامیاں ہیں اس وجہ سے امامت کے لائق نہیں ہے' اور چاروں عالموں نے دستخط کر دیئے پھر بات حاکم تک پہنچی تو زنا ثابت نہ کر سکے حاکم کا فیصلہ پھر امام سابق کے حق میں رہا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ سابق امام کی امامت درست ہے کہ نہیں؟ اور ایسا کیوں؟ اور بہتان لگانے والے پر از روئے شرع کیا احکام نافذ ہوتے ہیں اور کیوں؟

نوٹ: جبکہ اسی فیصد عوام سابق امام کو چاہتی ہے' اور ابھی سابق امام ہی امامت کرتا ہے۔

الجواب: امام سابق اگر صحیح العقیدہ صحیح الطہارۃ اور صحیح القرأت ہے اس میں کوئی وجہ شرعی مانع امامت نہیں ہے تو اس کی امامت درست ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اسے بلا وجہ شرعی امامت سے الگ کرنا گناہ ہے یہاں تک کہ حکم شرع کو بھی یہ اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ۲۴۱ پر ردالمحتار سے ہے: لیس للقاضی عزل صاحب وظیفۃ بغیر حجۃ' اور زنا کے بارے میں ایک آدمی کی گواہی مان کر فتویٰ دینے والے جاہل گنوار ہیں اس لئے کہ ثبوت زنا کے لئے چار عادل گواہوں کا ہونا ضروری ہے' اور زنا کا جھوٹا الزام لگانے والا اسی درے مارے جانے کا مستحق ہے جیسا کہ پارہ ۱۸ رسورۂ نور رکوع اوّل میں ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از رباعی باشا ابراہیم صاحب ملاّ۔

(۱) زید کہتا ہے کہ ہم امام کو نفقہ (پگار) دیتے ہیں ہم اس کو نوکر ہی کہیں گے، کیا زید کا کہنا درست ہے؟ اور کہنے والے پر کیا حکم ہے؟

(۲) امام کی برائی بیان کرنے والے اسی امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟

(۳) گھڑی کی زنجیر سونے چاندی یا دھاتوں کی بنی ہوئی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: (۱) زید کا کہنا درست نہیں اس لئے کہ جیسے ماں، باپ کی بیوی ضرور ہے مگر اسے اس لفظ کے ساتھ یاد کرنا ان کی توہین ہے پگار لینے والا ضرور نوکر ہے مگر تنخواہ دار امام کو نوکر کہنا اس کی توہین ہے۔ لہٰذا زید پر لازم ہے کہ امام سے معافی مانگے اور آئندہ اس کے بارے میں اس لفظ کے بولنے سے احترام کرے۔

(۲) اگر امام فاسق معلن ہے اس لئے کوئی اس کی برائی بیان کرتا ہے تو اس صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں اور ایسے امام کے پیچھے کسی کو نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر فاسق معلن نہیں ہے تو برائی کرنے والا سخت گنہگار حق العباد میں گرفتار مگر اس کی نماز اس کے پیچھے ہو جائے گی۔ **وھو تعالیٰ اعلم**

(۳) گھڑی سونے چاندی کی زنجیر لگی ہوئی مرد کو پہننا حرام اور دوسری دھاتوں کی ممنوع ہے ان کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ **ھٰکذا قال الامام احمد الرضا البریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان وھو تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ رشوال المکرم ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از ہارون رشید اشرفی متعلم رضائے غوث او کے روڈ۔ آسنسول

جو شخص سنی صحیح العقیدہ ہو مگر مندرجہ ذیل باتوں میں سے کسی ایک بات کا مرتکب ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، اور خود اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

(۱) حالت سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں میں سے کم سے کم تین انگلیوں کے پیٹ زمین سے نہ لگائے۔

(۲) قمیص یا کرتے کے بوتام خصوصاً سب سے اوپر والا حالت نماز میں کھلا رکھے۔

(۳) جس قمیص یا کرتے کی آستین بوتام دار ہو حالت نماز میں اس کے بوتام نہ لگائے۔

(۴) حالت نماز میں چین والی گھڑی باندھے۔

(۵) دیوبندی عقیدہ والوں سے سلام کرے بلکہ کبھی کبھی ایسوں کے پیچھے نماز بھی ادا کر لے۔

الجواب: **اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب** (۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ہر پاؤں کی اکثر (یعنی تین تین) انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے (فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص ۵۵۶) اور حضرت صدر الشریعہ

رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: سجدہ میں ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ لگنا واجب ہے (بہار شریعت جلد سوم ص ۷۰) لہٰذا جو شخص حالت سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں سے کم سے کم تین انگلیوں کا پیٹ زمین سے نہ لگائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور خود اس کی نماز بھی مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) قمیص یا کرتے کے اگر اتنے بٹن لگا لئے کہ سینہ ڈھک گیا اور اوپر کا بٹن نہ لگانے کے سبب گلے کے پاس کا تھوڑا حصہ کھلا رہا تو حرج نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۴۷) اور اگر سینہ کھلا رہا تو مکروہ اور ظاہر کراہت تحریمی ہے (بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۶۶) اور اس صورت میں امام و مقتدی اور منفرد سب پر نماز کا اعادہ واجب ہے: لان کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا (درمختار) وھو اعلم۔

(۳) جس قمیص کی آستین بٹن والی ہو اور بٹن نہ لگائے تو نماز مکروہ ہوگی اور ظاہر کراہت تنزیہی۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۳۸ میں ہے: اگر آستینوں میں ہاتھ ڈالے اور بند نہ باندھے تو خلاف معتاد ضرور ہے۔ ہاں امام جعفر ہندوانی نے اس صورت کا مشابہ سدل ٹھہرا کر فرمایا کہ برا کیا۔ اھ۔ وھو اعلم۔

(۴) اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان احکام شریعت حصہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں: گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں ممنوع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہیں۔ اھ۔

(۵) ایسے شخص کے پیچھے بھی نماز پڑھا جائز نہیں ہے۔ وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ رذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از مقام آستانۂ عالیہ سیدنا بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ گلبرگہ شریف۔ معرفت جعفر علی جونانٹ بولٹ درگاہ روڈ گلبرگہ شریف۔

محترمی حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمتہ۔ عید سعید کی مبارکباد اخلاص قبول فرمائیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ المولیٰ وبعون رسولہ الاعلیٰ میں بخیریت ہوں اور آپ کی خیریت کا خداوند قدوس سے نیک خواہاں ہوں شہر گلبرگہ شریف میں بے شمار مساجد ہیں پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ اکثر مساجد کے ائمہ داڑھیوں کو حد شرع سے زیادہ کترواتے ہیں، بلکہ غیر مذہب طریقہ پر رکھتے ہیں جبکہ داڑھی کی شرعی حد ایک مشت بتلائی جاتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے حبیب پاک کے صدقہ میں نے داڑھی رکھ لی ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اس سنت کریمہ کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین۔

چند مسائل ذہن پر بار ہیں براہ کرم فقہی مستند مسائل کی روشنی میں احقر کو بذریعہ لیٹر مرحمت فرما کر شش و پنج کی تیرگی سے نجات دلائیں۔ حسب ذیل مسائل کی روانگی کا انتظام فرمائیں جو طالب علم کی پیاس بجھانے کے مصداق ہوں گے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ایک محلہ کی مسجد کے امام صاحب بحمدہ تعالیٰ سنی حنفی و صحیح العقیدہ ہیں' اور ان کی ایک مشت داڑھی ہے البتہ بعض دفعہ وہ اپنے صاحبزادے کو فرض نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا دیتے ہیں' اور صاحبزادے داڑھی حد شرع سے کم ہی کترواتے ہیں۔ ان کے پیچھے کے نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر داڑھی بڑھ نہ رہی ہو تو کیا حکم ہے؟

(۲) بعض ائمہ مساجد کو دیکھا گیا کہ بحالت نماز نظر ادھر ادھر گھماتے ہیں اور عمل کثیر کرتے ہیں یعنی دونوں ہاتھوں سے کپڑوں کو سمیٹتے ہیں کیا نماز فائدہ مند نہ ہوگی؟

(۳) اکثر حفاظِ کرام کی داڑھیاں نہیں ہوتیں اور داڑھیاں رکھتے بھی ہیں تو فیشن ایبل کیا ان کی اقتداء میں تراویح کی نماز درست ہے؟

(۴) ایک صاحب کبھی کبھی فرض پڑھاتے ہیں، حالانکہ ان کی عمر ۳۰ رسال سے تقریباً زائد ہوگی شادی نہیں کی ہے بعض حضرات انہیں نماز پڑھانے سے روکتے ہیں تو کیا وہ نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) ایک مقام پر افطار کے ساتھ اذان و نماز باجماعت کا شاندار اہتمام ہوا جب کہ اس مقام سے مسجد صرف سڑک پار کرنے کا فاصلہ رکھتی ہے بلکہ مسجد کی اذان کی آواز وہاں تک پہنچتی ہے' تو کیا اس مقام پر اذان دے کر نماز باجماعت ادا کی جا سکتی ہے؟

الجواب: (۱) ایک مشت تک داڑھی بڑھانا واجب ہے چونکہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے اس لئے عام طور پر لوگ اسے سنت کہہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: **خالفوا المشرکین اوفروا اللحیٰ واحفوا الشوارب وفی روایۃ انھکوا الشوارب واعفوا اللحی۔** یعنی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتراؤ' اور ایک روایت میں ہے کہ مونچھوں کو خوب کم کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔ (بخاری، مسلم) درمختار میں ہے: **یحرم علی الرجل قطع لحیتہ۔** یعنی مرد کو داڑھی منڈانا حرام ہے' اور بہار شریعت جلد شانز دہم (۱۶) ص ۱۹۷ میں ہے: داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے' اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: حلق کردن لحیہ حرام ست و روش افرنج و ہنود و جوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند و گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست و آں کہ آنرا سنت گویند بمعنی طریقۂ سلوک دین ست۔ یا بجہت آنکہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ عیدرا سنت گفتہ اند''...... یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے' اور انگریزوں، ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے' اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے' اور جن فقہاء نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے

نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یا تو یہاں سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے اور یا تو اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ بہت سے علماء کرام نے عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے) (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۲۱۲) اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۱۶، ردالمحتار جلد دوم ص ۱۱۷، بحرالرائق جلد دوم ص ۲۸۰، اور طحطاوی ص ۴۱۱ میں ہے: واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیة وهودون ذلك (ای القدر المسنون وهو القبضة) كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم يبحه احد اخذ كلها فعل يهود الهند و مجوس الاعاجم. یعنی داڑھی جب کہ ایک مشت سے کم ہو تو اس کا کاٹنا جس طرح بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک حلال نہیں اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے۔ اھ۔ لہٰذا امام کے صاحبزادے اگر داڑھی کٹا کر ایک مشت سے کم رکھتے ہیں تو ان کو امامت کے لئے آگے بڑھانا جائز نہیں اگر بڑھا دیا تو ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اگر پڑھی تو اس نماز کا دہرانا واجب ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے کہ وہ فاسق مرتکب حرام ہے جیسا کہ مذکورہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہے، اور داڑھی نہ بڑھنے کا عموماً لوگ بہانہ بناتے ہیں لیکن اگر حقیقت میں داڑھی نہ بڑھتی تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع جواز امامت نہ ہو۔ وهو تعالیٰ اعلم

(۲) نماز کی حالت میں ادھر ادھر منہ پھیر کر دیکھنا مکروہ تحریمی اور اگر منہ نہ پھیرے صرف کنکھیوں سے ادھر ادھر بلا حاجت دیکھے تو کراہت تنزیہی ہے، اور نادراً کسی صحیح غرض سے ہو تو اصلاً حرج نہیں۔ (بہار شریعت) اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن کپڑا اسمیٹنا جیسا کہ ناواقف لوگ سجدہ میں جاتے ہوئے آگے یا پیچھے کے کپڑے کو اٹھاتے ہیں یہ مفسد نماز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ جس نماز میں ایسا کیا گیا اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

(۳) اگر حافظ کی پیدائشی طور پر داڑھی نہ ہو تو اس کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ امامت کی اور شرط مفقود نہ ہو، اور اگر داڑھی منڈاتا ہو یا کٹا کر ایک مشت سے کم رکھتا ہو تو اس کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے کہ وہ فاسق ہے یعنی تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے مگر فاسق کے پیچھے پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھنا واجب۔ هٰكذا فی الكتب الفقه. وهو تعالیٰ اعلم۔

(۴) امامت کے لئے شادی ہونا شرط نہیں لہٰذا شخص مذکور میں اگر کوئی دوسری شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے پیچھے ہر قسم کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۵) اگر افتراق بین المسلمین نہ ہو تو جس طرح مسجد کے سامنے روڈ کی دوسری جانب مسجد بنانا جائز ہے اسی طرح اذان و اقامت کے ساتھ اس جگہ نماز باجماعت پڑھنا بھی جائز ہے۔ وهو تعالیٰ و سبحانه اعلم بالصواب. واليه المرجع والمآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ رشوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: ازعبدالستار موضع پڑولی پوسٹ جھنگٹی۔ضلع گورکھپور۔

زید نے بلا جبر واکراہ راضی برضانس بندی کرالی اب ازروئے شرع اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ ایک نام نہاد مولوی نے کہا کہ اگر زید نے اس گناہ سے نادم ہوکر علی الاعلان عام مجلس میں اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرلی تو اب زید کے پیچھے نماز درست اور جائز ہے' تو کیا مولوی مذکور کا یہ کہنا صحیح ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں کچھ پیر اور مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ اس کی توبہ باب قبول ہی نہ ہوگی؟

الجواب: چوری، شراب نوشی، زنا کاری، اور سود خوری بلکہ کفر وشرک جیسے گناہ عظیم جب توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں تونس بندی کا گناہ بھی توبہ سے معاف ہوجائے گا قال اللہ: مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا○ (پ۱۹،ع ۴) اور حدیث شریف میں ہے: التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔ لہٰذا نس بندی کرانے والا اگر علانیہ توبہ واستغفار کرلے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی اور شرعی خرابی نہ ہو۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳؍ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

المسئلہ: ازمصلیان کالیا مسجد محلہ بلوہا بلرامپور گونڈہ۔

(۱) اگر کسی مسجد میں امام اوّل کی غیر موجودگی میں نماز پڑھانے کے لئے بحیثیت نائب امام ثانی مقرر ہو تو بلاوجہ شرعی امام ثانی کو امام اوّل بنادیا اور امام اوّل کو اس کے منصب سے معزول کردینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مسلمانوں میں اختلاف رہا ہو اور کسی عالم کے کہنے پر لوگوں نے صلح کرلی ہو پھر کچھ صلح سے مکر جائیں جس کے سبب مسلمانوں میں انتشار ہو تو صلح سے مکرنے والے مجرم ہیں یا نہیں؟

(۳) امام اوّل میں جب کہ کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد امام ثانی کا اپنے چند ہمنواؤں کے ساتھ اسی مسجد میں دوبارہ نماز جمعہ قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) امام میں کوئی شرعی خرابی نہ ہونے کے باوجود کچھ لوگوں کا یہ کہہ کر جماعت سے الگ ہوجانا کہ ہماری طبیعت کراہت کرتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) امام اوّل اگر بدمذہب نہ ہو اور اس کی طہارت، قرأت یا اعمال وغیرہ کی وجہ سے کوئی سبب کراہت نہ ہو تو بلاوجہ شرعی امام اوّل کو اس کے منصب سے معزول کردینا جائز نہیں لان فیہ ایذا المسلم۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(۲) ایسی صلح سے مکر جانا کہ جس کے سبب مسلمانوں میں انتشار واختلاف ہو جائز نہیں۔ مکرنے والے بیشک مجرم وگنہگار

ہیں قال اللہ تعالیٰ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ الآیہ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۳) نماز جمعہ ہو جانے کے بعد پھر اسی مسجد میں دوبارہ نماز جمعہ قائم کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ایک مسجد میں تکرار نماز جمعہ ہرگز جائز نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۰۸) وھو تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم۔

(۴) کسی وجہ شرعی کے بغیر صرف ضد نفسانی سے طبیعت کی کراہت کے سبب جماعت سے الگ ہو جانا جائز نہیں مراقی الفلاح میں ہے: لو ام قوماً وھم لہ کارھون فھو علیٰ ثلاثہ اوجہ ان کانت الکراھۃ لفساد فیہ او کانوا احق بالامامۃ منہ یکرہ وان کان ھو احق بھا منھم ولافساد فیہ ومع ھٰذا یکرہ لایکرہ التقدم لان الجاھل والفاسق یکرہ العالم و الصالح۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۴؍ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از علی احمد پوسٹ ومقام مہندوپار۔ ضلع بستی

زید تقریباً بارہ سال سے جامع مسجد کا امام تھا عمرو نے زید پر زنا کا الزام لگایا اور بکر سے کہا جب کہو ہم زید کو حرام کاری کی حالت میں پکڑ کر دکھا دیں تو بکر نے ایک چھوٹے سے گاؤں میں اکثریت سے الگ ہو کر جمعہ وعیدین کی نماز قائم کی۔ علمائے کرام ومفتیان عظام نے اسے دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز قائم کرنے سے بہت روکا مگر وہ باز نہ آیا یہاں تک کہ ضد نفسانی میں بکر نے لوگوں سے کہا کہ مزار پر جانا اور حلوہ وغیرہ میری سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اپنے لڑکے کو پڑھنے کے لئے دیوبندی مکتب میں داخل کر دیا۔ بکر دو سال تک دیہات میں جمعہ وعیدین پڑھتا اور پڑھاتا رہا اسی درمیان میں کچھ لوگوں نے از راہِ نفسانیت زید کے خلاف ہو کر اسے امامت سے ہٹا دیا اور بکر کو امام مقرر کیا تو بکر نے دیہات کا جمعہ بند کر کے امامت قبول کر لی اور کہتا ہے کہ میں سنی ہوں۔ لہٰذا دریافت طلب امور ہیں کہ:

(۱) عمرو جس نے زید پر زنا کا الزام لگایا اس کے لئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) بکر جس نے زنا کے الزام کی تصدیق کرتے ہوئے دوسرا جمعہ خلاف شرع دیہات میں قائم کر لیا جو عالم نہیں ہے مگر وہابیوں دیوبندیوں کے جلسوں میں اکثر شرکت کرتا رہتا ہے اور بد مذہبوں کی کتابوں کا اکثر مطالعہ کرتا رہتا ہے جو مزار پر جانے اور حلوہ وغیرہ کے سمجھ میں آنے سے انکار کرتا ہے۔ جو اپنے لڑکے کو دیوبندی مکتب میں پڑھانے کو جائز سمجھتا ہے نیز اس کا عقیدہ مشکوک ہے اگرچہ اب وہ اپنے سنی ہونے کا اقرار کرتا ہے تو ایسے شخص کو امام مقرر کرنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید کو بلا وجہ شرعی امامت سے ہٹانا کیسا ہے؟

الجواب: عمرو جس نے زید پر زنا کا الزام لگایا اگر وہ چشم دید چار گواہوں سے زنا ثابت نہ کرے تو وہ گنہگار حق العبد میں گرفتار اور مستحق عذاب نار ہے قال اللہ تعالیٰ: تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًاۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ۝ یعنی تم اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں اور تم اسے ہلکا سمجھتے ہو حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ (پ۱۸ سورۂ نور ع۲) اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۝ یعنی جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتیں کو نا کی ہوئی باتوں (کے الزام) سے ایذا دیتے ہیں تو انہوں نے بہتان اور کھلا ہوا گناہ اٹھایا (پ۲۲ سورۂ احزاب ع۷) اور خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ۔ یعنی جو لوگ پارسا عورتوں (اور مردوں) کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو۔ (پ۱۸ سورۂ نور ع۱) لہٰذا اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو قرآن کریم کے فرمان کے مطابق زنا کے الزام لگانے والے کو چار گواہ نہ لانے کی صورت میں اسی کوڑے مارے جاتے اور اسے ذلیل ورسوا کیا جاتا۔ موجودہ صورت میں اس پر علانیہ توبہ واستغفار کرنا اور جس پر جھوٹا الزام لگایا ہے اس سے معافی طلب کرنا لازم ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ (پارہ۷، رکوع۱۴) وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) بکر نے زنا کے الزام لگانے والے کی تصدیق کی وہ بھی الزام لگانے والے کے برابر گنہگار ہے اس پر بھی معافی مانگنا اور علانیہ توبہ واستغفار کرنا واجب ہے۔ پھر دیہات میں خلاف شرع جمعہ قائم کرنا اور دو سال بعد بند کر دینا بکر کی کھلی ہوئی غلطی ہے کہ اس نے احکام شرعیہ کو کھیل بنایا ہے' اور وہابیوں دیوبندیوں کے جلسوں میں اکثر شرکت کرنا، بدمذہبوں کی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔ مزار پر جانے اور حلوہ وغیرہ کے سمجھ میں آنے سے انکار کرنا اور اپنے لڑکے کو دیوبندی مکتب میں پڑھنے کے لئے بھیجنا۔ یہ سب اس کی بدعقیدگی اور گمراہی کی کھلی ہوئی نشاندہی کرتے ہیں۔ لہٰذا اب اگرچہ وہ اپنے سنی ہونے کا اقرار کرلے اسے امام بنانا ہرگز جائز نہیں جن لوگوں نے بکر کے حالات سے مطلع ہوتے ہوئے اسے امام مقرر کیا اور زید کو بلاوجہ شرعی معزول کر دیا ان لوگوں نے اللہ ورسول اور مسلمانوں کی خیانت کی۔ وہ مسلمانوں کے بدخواہ ہیں ان پر اپنے فعل سے توبہ کرنا اور اپنے مقرر کئے ہوئے مشکوک امام کو معزول کرنا ان پر لازم ہے۔ حاکم صحیح مستدرک میں ہے' اور ابن عدی وعقیلی وطبرانی وخطیب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من استعمل رجلا من عصابة وفیھم من ھو ارضی اللہ منھم فقد خان اللہ ورسولہ وللمؤمنین یعنی جس نے کسی جماعت میں سے ایک شخص کو کسی کام پر مقرر کیا اور ان میں وہ شخص موجود تھا جو اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں کی خیانت کی۔ تیسیر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کی شرح میں ہے: ای نصبه علیھم امیراً وقیما اوا ماماً بالصلاۃ اھ۔ پھر اگرچہ اس نے توبہ کرلی ہو اور اپنے سنی ہونے کا اعلان کرتا ہو اسے امام نہیں بنا سکتے بلکہ لازم ہے کہ اسے زمانہ

دراز تک معزول رکھیں اور اس کے احوال کو بغور دیکھتے رہیں اگر خوف وطمع اور غضب ورضا وغیرہا مختلف حالات کے متعدد تجربے ثابت کردیں کہ واقعی یہ سنی صحیح العقیدہ ثابت قدم ہے' اور وہابیوں دیوبندیوں کے جلسوں میں شرکت نہیں کرتا اور ان کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتا بلکہ ان سے اور سب بدمذہبوں سے اور ان کی کتابوں سے متنفر ہے اس وقت اسے کسی مسجد کا امام مقرر کرسکتے ہیں۔ فتاویٰ قاضی خاں پھر فتاویٰ عالمگیری میں ہے: الفاسق اذا تاب لایقبل شهادته مالم ینص علیه زمان یظهر علیه اثر التوبة اھ۔ امیر المؤمنین غیظ المنافقین سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب صبیغ تمیمی سے جس پر بحث متشابہات کے سبب بدمذہبی کا اندیشہ تھا بعد ضرب شدید توبہ لی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجا کہ مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھیں، اس کے ساتھ خرید وفروخت نہ کریں، بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کو نہ جائیں اور مرجائے تو اس کے جنازے پر حاضر نہ ہوں تو اس حکم کی تعمیل میں ایک مدت تک یہ حال رہا کہ اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے اور وہ آجاتا تو سب متفرق ہو جاتے حالانکہ وہ توبہ بہت پہلے کرچکا تھا' مگر مسلمان بحکم امیر المؤمنین اس سے دور رہتے۔ پھر جب حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کو مطلع کیا کہ اب اس کا حال اچھا ہوگیا اس وقت آپ نے مسلمانوں کو صبیغ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور خرید وفروخت کرنے کی اجازت دی۔ اخرج نصر المقدسی فی کتاب الحجة وابن عساکر عن ابی عثمان النهدی عن صبیغ انه سال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه عن المرسلات والذاریات والنازعات فقال له عمر الق ماعلی راسك فاذاله صفیر تان فقال لو وجدتك محلوقا لضربت الذی فیه عیناك ثم كتب الی اهل البصرة ان لاتجالسوا صبیغاً قال ابوعثمان فلوجاء ونحن مائة نفرقنا عنه اھ۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا رضی المولیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں: جسے دیکھیں کہ ان (گمراہ) لوگوں سے میل جول رکھتا۔ ان کی مجلس وعظ میں جاتا ہے اس کا حال مشتبہ ہے ہرگز اسے امام نہ بنائیں اگرچہ وہ اپنے کو سنی صحیح العقیدہ کہتا ہو (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۱۴) وھو تعالیٰ اعلم۔

(۳) زید اگر بدمذہب نہ ہو اور اس کی طہارت وقرأت یا کسی عمل کی وجہ سے کوئی سبب کراہت نہ ہو اور الزام زنا ثابت نہ ہو تو اسے امامت سے ہٹانا جائز نہیں لان فیه ایذاء المسلم لہٰذا جن لوگوں نے زید کو بلا وجہ شرعی امامت سے معزول کیا ان لوگوں نے دو ظلم کیے کہ جو شخص قابل امامت تھا اسے ہٹا دیا اور بکر جو قابل امامت نہیں تھا اسے امام مقرر کردیا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس کا حال مشتبہ ہو اور جو احکام شرعیہ کا پاس ولحاظ نہیں رکھتا اسے امامت سے الگ کردیں اور امام اوّل کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کردیں۔

اور اگر امام اوّل میں بھی کوئی شرعی خرابی ہو تو تیسرا شخص جو سنی صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت ہو اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو اسے امام مقرر کریں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے کما ھو الظاهر وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۹/ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از جیش محمد قادری، متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف۔ بستی۔

زید ایک سنی درسگاہ کا طالب علم ہے۔ مسائل شرعیہ ضروریہ سے بخوبی آگاہ ہے۔ صحیح الطہارت اور صحیح القرأت ہے، مگر کمر سے پیر تک مرض جھولہ اور فالج کے باعث لاٹھی کے سہارے لنگڑاتے ہوئے چلتا ہے۔ نماز کا قیام اور رکوع تو سنت کے مطابق ادا کرتا ہے۔ لیکن سجدہ کی حالت میں بوجہ مجبوری دائیں پاؤں کے انگوٹھے کا محض سرا لگتا ہے، اور دوسرے پیر کی چار انگلیوں کے صرف سرے لگتے ہیں پیٹ نہیں لگ پاتے باقی فرائض بسنت کے مطابق ادا کرتا ہے تو ایسی صورت میں زید مذکور عالم اور غیر عالم کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ زید کے پیچھے نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں۔ بینوا بالدلیل توجروا الاجر الجزیل۔

الجواب: بعضے اعذار ایسے ہیں جس میں معذور کی اقتداء صحیح اور درست ہے جیسے الاقتداء القائم بالقاعد والمتوضی بالمتیمم یعنی بیٹھ کر رکوع اور سجود کرنے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی تیمم والے کے پیچھے وضو والے کی نماز کا درست ہونا۔ اسی طرح صورت مسئولہ میں زید چونکہ نماز کے بعض فرض یا واجب ادا کرنے سے مجبور اور معذور ہے۔ اس لئے اسے غیر عالم کی امامت کرنا تو بلاشبہ درست ہے رہا عالم کی تو اس میں بھی حرج نہیں لیکن صحت امامت کا جامع عالم صف میں موجود ہو تو اسی کو امام بنانا اولیٰ اور بہتر ہے۔ ھٰکذا فی فتاویٰ الرضویۃ ج ۳ ص ۲۲۶، فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۷۹ خط مصری میں ہے: ولو کان لقدم الامام عوج و قام علیٰ بعضھا یجوز وغیرہ اولیٰ۔ یعنی امام کے پاؤں میں ایسا لنگ ہو کہ پاؤں کے بعض حصہ کے بل کھڑا ہوتا ہے پورا حصہ زمین پر نہیں جمتا تو اس کی امامت درست ہے، مگر دوسرا شخص (جو ایسا نہ ہو) وان بلغ حد بہ الرکوع علی المعتمد وکذا باعرج وغیرہ اولیٰ۔ یعنی قول معتمد کے مطابق کبڑی پیٹھ والے کی اقتداء درست ہے اگرچہ اس کا کبڑا پن قیام فرض کی شکل سے ہٹ کر رکوع کی صورت میں پہنچ چکا ہو ایسے ہی لنگڑے کے پیچھے نماز درست ہے مگر دوسرا شخص بہتر ہے۔ شامی جلد اوّل مطبوعہ دیوبند ص ۲۷۸ میں عبارت درمختار ومفلوج وابرص شاع برصہ کے تحت ہے: وکذا اعرج یؤم ببعض قدمہ فلاقتداء بغیرہ اولیٰ۔ یعنی فالج زدہ اور ظاہر برص والے کی طرح وہ لنگڑا شخص بھی ہے جو اپنے پیر کے بعض حصہ کے بل کھڑا ہوتا ہے پورا حصہ زمین پر نہیں جمتا تو ایسوں کی اقتداء اگرچہ درست ہے مگر دوسرا شخص اولیٰ اور بہتر ہے۔ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ وقت مجبوری جب پورا قیام فرض (کما فی الاحدب) اور استقرار علی الارض (کما فی الاعرج) حاصل نہ ہونے کی صورت میں بھی امامت درست ہے تو حالت سجدہ میں صرف انگوٹھا یا بعض واجب انگلیوں کا پیٹ زمین پر نہ لگنا صحت امامت کے لئے کب حرج بن سکتا ہے۔ بلاشبہ یہاں بھی امامت صحیح اور درست ہے اقتدا کرنے میں حرج نہیں۔ سوال مذکور میں زید کے متعلق فالج زدہ اور لنگڑا ہونا دو چیزیں بتائی گئی ہیں،

اور دونوں کا حکم واضح ہو چکا۔ اب رہی یہ بات کہ ایسے لوگوں کی امامت تنزیہی کراہات میں شمار کی گئی ہے اور کراہت تنزیہی بھی ایک قسم کی ہی مخلوط ہوتی ہے جس کے مطابق ایسے لوگوں کی امامت ممنوع کہی جاسکتی ہے، تو شرعی نقطہ فقہ سے ایسا خیال درست نہیں ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی شرعاً ممنوع نہیں۔ کما تحقق فی فتاویٰ الرضویۃ جلد اوّل ص ۱۷۹ تا ص ۱۸۰ مکروہ تنزیہی کا حاصل معنی خلاف اولیٰ ہوتا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اوّل مطبوعہ دیوبند ص ۴۳۹ میں قول فقہاء نقل کیا ہے: المکروہ تنزیھا مرجعہ الی خلاف اولیٰ تو مسئلہ مذکور کی بابت حسب تصریحات فقہائے اعلام مطلب یہ ہوا کہ جماعت میں مذکورہ عذر رکھنے والوں سے بہتر دوسرا موجود ہو تو ان لوگوں کی امامت ناپسند اور خلاف اولیٰ ہے ورنہ خلاف اولیٰ بھی نہیں، بلکہ قوم میں اگر دوسرا لائق امامت نہ ہو اور یہ لوگ شرائط امامت کے مطابق ہوں تو امامت کے لئے یہی اولیٰ اور بہتر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامی والہ وسلم۔

الجواب: صحیح والمجیب نجیح: غلام الجیلانی الاعظمی، **الجواب صحیح**: بدرالدین احمد قادری رضوی۔

کتبہ العبد المسکین: محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

الصدیقی القادری البرکاتی الرضوی،

۹ رمن ذی الحجۃ المکرمۃ المحرمۃ ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از صغیر احمد پوسٹ ومقام بہادر پور۔ ضلع بستی۔

زید نے اپنی خوشی سے پیشہ کی لالچ میں نس بندی کرالی تو زید کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور زید اگر نماز کی صف میں داخل ہو تو لوگوں کی نمازوں میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب: زید گنہگار ہوا اس کے اوپر توبہ واستغفار لازم ہے، اور بعد توبہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے، اور اس کا نماز کی صف میں کھڑا ہونا لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں پیدا کرے گا کہ زنا کرنے والے، شراب پینے والے، جوا کھیلنے والے، سود کھانے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے، اور اس قسم کے دوسرے گناہ کبیرہ جن کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے ان کے مرتکب کی نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے، اور ان کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں واقع ہوتا تو نس بندی کرانے والے کی نماز جنازہ پڑھنا بھی واجب ہوگا۔ اور اس کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں واقع ہوگا۔ ھٰذا ماعندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی عبدالسمیع اندر چوک کاٹھمنڈو (نیپال)

جس کے سر کے بال سینے تک ہوں بلکہ اس سے بھی نیچے ہوں۔ کٹاتے چھنٹاتے نہ ہوں اسے سنت جانتے ہوں۔ ایسے کی امامت کیسی ہے؟ ایسے بال رکھنا جو دوش اور گوش سے بڑھے ہوں جائز ہیں یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ بہار شریعت جلد شانزدہم ص ۱۸۹ میں تحریر فرماتے ہیں: "مرد کو یہ جائز نہیں کہ عورتوں کی طرح بال بڑھائے بعض صوفی بننے والے لمبی لمبی لٹیں بڑھا لیتے ہیں جو ان کے سینے پر سانپ کی طرح لہراتی ہیں اور بعض چوٹیاں گوندھتے ہیں یا جوڑے بنا لیتے ہیں یہ سب ناجائز اور خلاف شرع ہیں، تصوف بال کے بڑھانے اور رنگے ہوئے کپڑے پہننے کا نام نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی کرنے اور خواہشات نفس کو مٹانے کا نام (تصوف) ہے" انتہی۔ معلوم ہوا کہ سینے تک بال رکھنا سنت نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ شخص مذکور کو اس مسئلہ سے باخبر کیا جائے اگر وہ نہ مانے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے کہ ناجائز کو سنت ماننے والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

الجواب صحیح: غلام جیلانی قادری اعظمی

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از قاری شمس الدین رحمانی محلّہ دمدمہ کالپی۔ ضلع جالون۔

ہمارے قصبہ میں تقریباً آٹھ حفاظ ایسے ہیں جو نماز عشاء فرض تراویح پڑھاتے ہیں لیکن یہ حضرات حد شرح سے داڑھی کم رکھتے ہیں اور ان کی اقتداء میں سینکڑوں نمازیں پڑھیں تو کیا ان کی اقتداء میں نماز ہوتی ہے؟ ایسے حفاظ کو ایسی صورت میں نماز پڑھانا بند کر دینا چاہیے یا لوگوں کو ان کو اقامت سے روکنا چاہیے؟ مفصل و مدلل جواب تحریر کرنے کی زحمت فرمائیں۔ نوازش ہو گی۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے: سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خالفوا المشرکین واوفروا اللحٰی واحفوا الشوارب۔ یعنی مشرکین کی مخالفت کرو (اس طرح کہ) داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست کرو۔ اور محدث عبد الحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۲۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں: حلق کردن لحیہ حرام ست وروش افرنج وہنود وجوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند وگزاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست وآنکہ آں راسنت گویند بہ معنی طریقۂ مسلوک دردین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آں بسنت چنانکہ نماز عید راسنت گفتہ اند۔ یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے، اور انگریزوں، ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے، اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے، اور جن فقہائے کرام نے داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا تو سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو سنت فرمایا۔ (حالانکہ نماز عید واجب ہے) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ بہار شریعت جلد شانزدہم ص ۱۹۷ میں تحریر فرماتے ہیں: "داڑھی بڑھانا سنن انبیاء سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم

کرنا حرام ہے''۔ لہٰذا جو حفاظ کی ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے کے عادی ہیں۔ وہ فاسق ہیں ایسے حفاظ کو امامت کرنا جائز نہیں۔ اگر وہ لوگ امامت سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کو امامت سے روکیں اس لئے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ جو نمازیں کہ ان کے پیچھے پڑھی گئی ہیں خواہ فرض ہوں یا سنت ان کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے اگر دوبارہ نہیں پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ هٰذا ما عندی والعلم بالحق عنداللّٰه تعالٰی ورسوله الاعلٰی جل جلاله وصلی المولٰی علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸؍شوال ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از ایم عبدالشکور ٹیلرس اسپیشل ٹیلرنگ شاپ بینک روڈ ضلع ٹیکم گڑھ۔ ایم۔ پی۔

(۱) جو شخص جھوٹ بولتا ہو اور ثابت ہونے پر معافی مانگ لے پھر بھی باز نہ آئے کیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے؟

(۲) ایک شخص بلا امتیاز مذہب وملت سود کھاتا ہے' اور ایک امام کی شادی اسی سود خور کے گھر ہوئی ہے امام صاحب اس کے یہاں آتے جاتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں کوئی کراہت نہیں کرتے تو ان کی امامت جائز ہے؟

(۳) ایک مسجد کے امام صاحب ہیں ان کی برادری کا ایک فرد اہل ہنود عورت کو بغیر نکاح رکھے ہوئے ہے برادری والے اس سے برادری چلاتے ہیں۔ امام صاحب کے گھر کے لوگ اس کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں امام صاحب انھیں کوئی نصیحت نہیں کرتے کیا ایسے امام کی امامت جائز ہے؟

(۴) ایک عالم صاحب نے دوران تقریر فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب ایک برتن میں پیشاب فرمایا اور صبح کو خادمہ سے فرمایا کہ اس برتن کا پیشاب پھینک دو۔ خادمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تو میں پانی سمجھ کر پی گئی اس پر آپ نے فرمایا کہ اب تیرے پیٹ میں کبھی درد نہ ہوگا' اور اسے کبھی درد نہیں ہوا۔ خادمہ کا نام اُم ایمن ہے کیا یہ واقعہ درست ہے کہ آپ کا بول و براز کسی نے دیکھا ہے پیا ہے؟ ازراہ کرم مطلع فرمائیں اور ایسے مولوی کے لئے کیا حکم ہے شرعی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: اللھم ھدایة الحق والصواب (۱) مسلم شریف کی حدیث ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الکذب فجور یعنی جھوٹ بولنا فسق و فجور ہے' اور جو شخص علانیہ فسق و فجور کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(۲) مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے: سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درھم ربوا یاکله الرجل وھو یعلم اشد من ستة وثلثین زنیة۔ یعنی سود کا ایک درھم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھائے اس کا گناہ چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ ہے۔ العیاذ باللّٰه تعالٰی

حدیث کے فرمان کے مطابق سود کھانے والا شخص اتنے بڑے گناہ کا عادی ہے اور امام اس سے کراہت نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے وھو تعالٰی اعلم۔

(۳) اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو اجنبی عورت رکھنے والے کو سخت سزا دی جاتی۔ موجودہ صورت میں یہ حکم ہے کہ اس کا بائیکاٹ کیا جائے اور امام پر لازم ہے کہ حتی الامکان اپنے گھر والوں کو شخص مذکور سے دور رہنے کی کوشش کرے پھر اگر اس کے گھر والے باز نہ آئیں اور سرکشی کریں تو امام بری الذمہ ہے اور اگر وہ حتی المقدور کوشش نہ کرے تو ایسے شخص کو امامت سے برطرف کر دیا جائے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(۴) واقعہ صحیح ہے جیسا کہ خصائص کبریٰ جلد اوّل ص ۷۱ پر درج ہے۔ اس حدیث کو حاکم، دارقطنی اور ابو نعیم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عند المولٰی تعالٰی

کتبہ: جلال الدین احمد امجدؔی

۲۵ رشوال ۱۳۹۴ھ

مسئلہ: از محمد عارف پیش امام مسجد نیلگراں وارڈ نمبر ۲ سجان گڑھ ضلع چورو (راجستھان)

زید نے ایک مشرکہ عورت سے زنا کیا یہاں تک کہ کچھ مدت گزرنے کے بعد اس نے اپنے مشرک شوہر کو چھوڑ کر اسلام بھی قبول کر لیا اور یہ عورت نہ حاملہ تھی نہ حائضہ۔ اس نے سرکاری دفتر میں جا کر اسلام قبول کیا اور اس نے زید ہی سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو نکاح پڑھانے والے نے بھی قبل از نکاح اس کے سامنے احکام پیش کئے اور اللہ تعالٰی کی وحدانیت کا اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرایا اور کفر و شرک اور دیگر ممنوعات شرعیہ سے اجتناب پر بیعت لی اس کے بعد پھر زید ہی سے اس کا نکاح پڑھا دیا تو اس نکاح پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا' تو ایسی صورت میں نکاح پڑھانے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں نوازش ہوگی۔

الجواب: اگر شوہر والی کافرہ عورت مسلمان ہو جائے تو حکم ہے کہ اس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اسلام لے آئے تو عورت بدستور اس کی بیوی ہے' اور اگر شوہر اسلام لانے سے انکار کرے تو تین حیض کے بعد عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اس سے پہلے نکاح کرنا صحیح نہیں۔ امام ابن ہمام فتح القدیر جلد سوم ص ۲۸۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ولید بن مغیرہ کی صاحبزادی صفوان بن امیہ کے عقد میں تھیں جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئیں مگر ان کا شوہر صفوان بھاگ گیا مسلمان نہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کی یہاں تک کہ صفوان بھی مسلمان ہو گئے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ کے مسلمان ہونے پر اس وقت تفریق کی جب کہ اس کے شوہر نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا جیسا کہ فتح القدیر کی اسی جلد اور اسی صفحہ پر ہے' اور بہار شریعت حصہ ہفتم بیان حرمت بالشرک صفحہ ۲۷ پر ہے: اگر عورت پہلے مسلمان ہوئی تو مرد پر اسلام پیش کریں اگر تین حیض آنے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو نکاح باقی ہے ورنہ بعد کو جس سے چاہے نکاح کرے۔ لہٰذا

صورت مسئولہ میں جب کافرہ عورت مسلمان ہوئی تو اس وقت سے اسے تین حیض آنے سے پہلے اگر اس کا شوہر مسلمان ہو جائے تو وہ بدستور اس کی بیوی ہے طلاق یا اس کی موت کے بغیر اس کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے اور اگر وہ مسلمان نہ ہو تو تین حیض آنے کے بعد وہ کسی مسلمان سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کرسکتی ہے۔ اگر بعد اسلام فوراً نکاح کیا تو جائز نہ ہوا۔ عورت و مرد ایک دوسرے سے الگ رہیں اور جو گناہ ہوئے ان سے توبہ کریں اور نکاح خواں نیز جتنے لوگ اس نکاح سے راضی رہے سب علانیہ توبہ و استغفار کریں اور نکاح خواں تاوقتیکہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ ھٰذا ما عندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ جل جلالہ صلی المولیٰ تعالیٰ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از مظفر احمد ایم۔ ایس۔ سی میتھ گورکھپور یونیورسٹی

ہمارے محلّہ میں مسجد کے امام و دیگر لوگ دیوبندی خیال کے ہیں کیا ان کے پیچھے نماز ہو جائے گی؟ کیا میرے لئے یہ درست ہے کہ میں نماز جماعت سے نہ پڑھوں بلکہ علیحدہ پڑھ لیا کروں؟ بینوا توجروا

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کے سبب بحکم شریعت اسلامیہ کافر، مرتد اور بیدین ہیں (ملاحظہ ہو فتاویٰ حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ) ان کے پیچھے نماز ہرگز نہ ہوگی اور پڑھنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ امام محقق علی الاطلاق رضی اللہ عنہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہمارے تینوں ائمہ مذہب امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم سے نقل فرماتے ہیں: لاتجوز الصلوٰۃ خلف اھل الھواء یعنی بے دینوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ حضور پرنور شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں: ”دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے ہوگی ہی نہیں فرض سر پر رہے گا اور ان کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ علاوہ“۔ صورت مسئولہ میں اگر آپ کو سنی مسلمان لائق امامت نہ مل سکے تو آپ اپنی تنہا پڑھیں۔ کسی دیوبندی، وہابی، مودودی، تبلیغی وغیرہ بے دین کی اقتداء میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ ورنہ فرض آپ کے ذمہ باقی رہے گا، اور مزید برآں آپ پر معاذ اللہ تعالیٰ شدید گناہ کا وبال رہے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سچی ہدایت پر قائم رکھے۔ واللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ اعلم وجل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: بدر الدین احمد القادری الرضوی

من اساتذہ دار العلوم فیض الرسول فی براؤن الشریفۃ من اعمال بستی،

۶ رشعبان المعظم ۱۳۸۶ھ

الجواب: صحیح حق والحق احق بالاتباع العبد محمد نعیم الدین عفی عنہ صدیقی قادری رضوی، مدرس دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف

مسئلہ: از مسلمانان اہلسنت و جماعت شہر کالپی شریف

ہمارے یہاں شہر کالپی میں امامت عیدین کا مسئلہ درپیش ہے۔ حافظ امیر بخش صاحب جو امام جامع مسجد اور عیدین تھے جب ان کا آخر وقت ہوا تو انہوں نے اپنا جانشین اور قائم مقام اپنے داماد حافظ عبدالباری صاحب کو کیا اور امامت بطور ترکہ مرحوم نے حافظ عبدالباری صاحب کے حق میں منتقل کی جس سے یہاں کے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا کتنے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ امامت ان کی میراث نہ تھی جو بحیثیت ایک فرد واحد انھوں نے باختیار خود اپنے داماد کو دی ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا' اور کتنے لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ انتخاب صحیح ہے عیدین کی نماز حافظ عبدالباری صاحب ہی پڑھائیں گے۔ یہ اختلاف کالپی میں کسی وقت بھی باہمی فساد اور نزاع شدید کا سبب بن سکتا ہے۔

جب کہ کالپی شہر میں علاوہ جامع مسجد کے اور بھی کئی جگہ جمعہ کی نماز ہوتی ہے مثلاً خانقاہ شریف کی تاریخی قدیمی مسجد میں بھی نماز جمعہ ہوتی ہے جو عرصۂ دراز سے ہوتی چلی آرہی ہے اس میں حاجی حافظ عبدالباسط صاحب تقریباً ۳۰؍سال سے نماز جمعہ پڑھاتے ہیں۔ حافظ عبدالباسط صاحب یہاں کے مشہور حافظ اور بہت سے حفاظ شہر کے استاذ بھی ہیں اور بستی کے تمام حفاظ میں سینئر بھی ہیں اور معتبر بھی نیز ان کی زندگی کا زیادہ حصہ دین میں گزرا ہے' اور مسائل ضروریہ نماز روزہ طہارت وغیرہ وغیرہ سے دوسرے حفاظ کے مقابلے میں زیادہ واقف اور ذی علم ہیں اور کافی لوگ بھی ان سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی امامت و اقتداء میں بستی کا ۳؍۴ مسلمان نماز پڑھتا ہے جب کہ جامع مسجد میں جمعہ میں بستی کا ۱؍۴ مسلمان ہوتا ہے ان تمام حالات کے پیش نظر ان کی حق تلفی کی جارہی ہے نیز ان کے حق کو پامال کرتے ہوئے ان کے استحقاق کو نظر انداز کیا گیا ایسی صورت میں یہاں مسلمان دو فریق ہو گئے ہیں۔ شہر کالپی میں پہلے قاضی خاندان کے افراد بھی نماز عیدین یکے بعد دیگرے عرصہ تک پڑھاتے رہے ہیں۔ جب کہ وہ نماز جمعہ نہیں پڑھاتے تھے مگر اب ان میں کوئی باقی نہیں رہا۔ بستی کے کچھ سمجھدار طبقہ نے حافظ عبدالباری صاحب کے معاونین کے سامنے چند تجاویز رکھیں جو درج ذیل ہیں' مگر وہ لوگ کسی تجویز پر متفق نہیں۔

تجویز نمبر (۱) بستی کے تمام حفاظ جن کی تعداد ۱۵؍سے ۲۰؍تک ہے آپس میں عیدین کی نماز کے لئے کسی ایک امام کو منتخب کریں۔

(۲) حافظ عبدالباری صاحب جامع مسجد کے امام رہیں اور حاجی عبدالباسط صاحب جامع خانقاہ شریف کے امام رہیں' اور عیدین کے لئے تیسرے امام کا انتخاب کر لیا جائے تا کہ نزاع آئندہ کا سدباب ہو جائے۔

(۳) بستی کے ہر برادری کے دو دو چار چار افراد جو لکھے پڑھے ہوں' اور نمازی مسلمان باہم مشورہ سے ہر دو حفاظ مذکور الصدر میں سے جس کو دینی سطح نظر سے اعلیٰ و اولیٰ سمجھیں اسے امام عیدین مقرر کر دیں۔

(۴) کسی سنی مفتی عالم دین کو بلا کر تمام حفاظ کا علمی و عملی تعارف و توازن کرانے کے بعد ان سے شرعی فیصلہ حاصل کرلیا جائے۔

مگر حافظ عبدالباری صاحب کے معاونین اور حامیان اس پر اٹل ہیں کہ جو فیصلہ ہو چکا وہی رہے گا۔ کیا ہر جاہل، بے نمازی، بدافعال، چور، بدمعاش مسلمان بھی امامت کے لئے انتخاب میں رائے دہندگی کا حق دار ہے۔ ان حالات کے پیش نظر مندرجہ ذیل استصواب کے جواب باصواب سے مطلع فرمائیں تاکہ فتویٰ کے فیصلہ کی روشنی میں عملدرآمد کیا جا سکے۔

(۱) موجودہ انتخاب جو امیر بخش صاب نے از خود اپنے داماد حافظ عبدالباری صاحب کے حق میں کیا ہے۔ کیا درست ہے؟

(۲) امامت کے فیصلہ کا حق از روئے شرع پاک کس کو حاصل ہے؟

(۳) بخیال سدباب نزاع بین المسلمین ہم لوگ علاوہ عیدگاہ کے خانقاہ شریف کی مسجد جمعہ میں دوگانہ (عیدین) جداگانہ ادا کر سکتے ہیں؟

(۴) حالات مندرجہ بالا کے تحت ہر دوائمہ مذکور میں سے امامت عیدین کا حق کس کو پہنچتا ہے؟

(۵) کیا یہ دلیل شرعی ہے کہ جو امام جامع مسجد کا امام ہو وہی عیدین کی نماز پڑھا سکتا ہے دوسرا نہیں؟

الجواب: بعون الملك الوهاب (۱) موجودہ انتخاب جو امیر بخش صاحب نے از خود کیا شرعاً درست نہیں۔ وهو تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

(۲) اس زمانہ میں جمعہ اور عیدین کی امامت کے فیصلہ کا حق شہر کے سب سے بڑے سنی عالم فقیہ معتمد کو ہے اور جہاں یہ نہ ہو تو بہ مجبوری وہاں کے صرف عوام نہیں بلکہ عام مسلمانوں کی اکثریت جسے انتخاب کرے وہ امامت عیدین کر سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۲۵ میں تحریر فرماتے ہیں: ہر شخص کو اختیار نہیں کہ بطور خود یا ایک دو یا دس بیس سو پچاس کے کہے سے امام جمعہ وعیدین بن جائے ایسا شخص اگرچہ اس کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور عمل میں بھی فسق و فجور نہ ہو۔ جب بھی امامت جمعہ وعیدین نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو اس کے پیچھے نماز باطل ہوگی۔ انتہیٰ

اس لئے کہ جمعہ وعیدین کی نماز صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بادشاہ اسلام اس کا نائب یا اس کا ماذون قائم کرے۔ یا ایسا عالم جو اعلم علمائے بلد ہو۔ یا بدرجۂ مجبوری عام مسلمانوں کی اکثریت جسے منتخب کرے وہ امامت کرے اور ان طریقوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو نماز باطل محض ہوگی کہ اذا فات الشرط فات المشروط یعنی جب شرط نہیں پائی گئی تو مشروط نہیں پایا جا سکتا۔

(۳) جب کہ خانقاہ شریف کی مسجد میں جمعہ جائز ہے تو اس میں عیدین کی نماز بھی جائز ہے هٰكذا فی الفتاویٰ الرضویہ۔

(۴) سب سے زیادہ مستحق امامت وہ شخص ہے جو نماز و طہارت کے احکام سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اس کے بعد وہ شخص جو تجوید کا زیادہ علم رکھتا ہو۔ صورت مستفسرہ میں اگر دونوں برابر ہوں تو ایسی صورت میں جو زیادہ پرہیز گار ہو' اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہوگی' اور اگر یہ اور قسم کی دوسری قابل ترجیح باتوں میں دونوں برابر ہوں تو جماعت جس کو منتخب کرے وہ امام ہوگا' اور جماعت میں بھی اختلاف ہونے کی صورت میں اکثریت کا لحاظ ہوگا۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۱۵۔

(۵) امام جمعہ ہی عیدین کی نماز پڑھاتا ہے یا اس کے اذن سے کوئی دوسرا لیکن خانقاہ شریف کی مسجد میں جبکہ جمعہ قائم ہے تو وہ مسجد بھی شرعاً جامع مسجد ہے۔ اگرچہ اہل شہر اسے جامع مسجد نہ کہتے ہوں۔ ھٰذا ما ظھرلی والعلم بالحق عنداللہ ورسولہٗ جل وعلا وصلی المولٰی علیہ وسلم

الجواب صحیح: غلام جیلانی اعظمی

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ / ذی القعدہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد جمال الدین اورنگ آباد جی، ٹی روڈ اورنگ آباد ضلع گیا۔

جامع مسجد اورنگ آباد ضلع گیا جی، ٹی روڈ بازار میں واقع ہے جس میں امام و مؤذن بھی مقرر ہیں امام مذکور بنام مولوی عبدالرؤف صاحب کے عادات و خیالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) امام مذکور نذر و نیاز بزرگان دین کی مزار شریف پر چادر چڑھانے سے منع کرتے ہیں' اور میلاد شریف کے قیام میں بھی منکر ہیں' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے سے بھی منع کرتے ہیں' اور امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی نذر و نیاز کھانے کو بھی حرام کہتے ہیں۔

(۲) امام مذکور علمائے دیوبند بالخصوص مولوی رشید احمد گنگوہی و مولوی اشرف علی تھانوی و قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اور خلیل احمد انبیٹھوی کو اپنا رہبر و پیشوا جانتے مانتے ہیں۔ ان کے عقائد کے پابند ہیں' اور مولوی اشرف علی تھانوی و مولوی رشید احمد گنگوہی کے فضائل و کرامات برسر منبر بیان کرتے ہیں' اور امام مذکور کو امارت شرعیہ بہار نے یہاں کا شہر قاضی بھی مقرر کر رکھا ہے۔ مذکورہ سوال پیش ضروری دریافت طلب ہے کہ مذکورہ اکابر اربعہ دیوبند کا شرع مطہرہ میں کیا مقام ہے' اور ان کو اپنا رہبر و پیشوا جاننا و ماننا اور ان کے فضائل و مناقب برسر منبر بیان کرنا اور ان کے عقائد کا پابند امام مذکور بنام مولوی عبدالرؤف کا شرع مطہرہ میں کیا مقام ہے؟ یہ سب بالتصریح تحریر فرمائیں تاکہ یہاں کے سنی عوام اپنے دین و ایمان کی حفاظت اس کی روشنی میں کریں۔

(۳) کافروں کی فرضی سمادھی پر امام مذکور نے جا کر تلاوت قرآن شریف کی اور دعائے مغفرت بہ ہوش و حواس کی۔

(۴) مذکورہ حال کے سبب امام مذکور سے کچھ لوگ بدظن ہو کر ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور بعض لوگ جماعت کی

فضیلت کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ جماعت اولیٰ ختم ہونے کے بعد جماعت ثانیہ جوسنی ہیں پڑھتے ہیں آیا یہ جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟

(۵) امام مذکور کی بدعقیدگی کے سبب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جماعت اولیٰ کس کی ہے؟ آیا امام مذکور کی ہو یا جو لوگ ان کے حال خراب کے سبب الگ بعد میں جماعت سے پڑھتے ہیں۔ یہ اذان و اقامت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب امام مذکور اگر مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کو اپنا رہبر و پیشوا مانتا ہے اور ان کے فضائل و بزرگی کا قائل ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے جماعت کی فضیلت نہیں حاصل ہوتی بلکہ سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی پڑھنے والے سخت گنہگار ہوتے ہیں جو نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئیں ان نمازوں کو پھر سے پڑھنا فرض ہے۔ ایسے امام کی نماز نماز نہیں اور اس کی جماعت جماعت نہیں۔ لہٰذا جو سنی حضرات بعد میں جماعت کرتے ہیں یہی جماعت جماعت اولیٰ ہے۔ اگر اذان کسی ایسے آدمی نے پڑھی ہے جو سنی ہے اور فاسق معلن نہیں ہے تو اس جماعت کے لئے اذان کا اعادہ نہ کیا جائے اور اگر دینے والا فاسق معلن ہے یا سنی نہیں ہے تو اذان کا اعادہ ضروری ہے اور تکبیر کا اعادہ بہر صورت ضروری ہے۔ هٰذا ما عندی والعلم عند اللّٰه تعالٰی ورسولهٗ جل جلاله وصلى المولىٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ر شوال ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از عطاء اللہ مدرسہ نوریہ بنی نگر پوسٹ کٹھیلا ضلع بستی

نابالغوں کی امامت بالغ کرسکتا ہے یا نہیں نیز ایک بالغ اور چند نابالغوں کی امامت بالغ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بالغ امام نابالغوں کی امامت کرسکتا ہے اسی طرح ایک بالغ اور چند نابالغ مقتدیوں کی بھی بالغ امامت کرسکتا ہے۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ر ربیع الاولی ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد زکی موضع نونہوا۔ مہنداوّل ضلع بستی۔

زید ایک مسجد کا امام ہے اور بکر مقتدی بکر نے امام صاحب سے کہا کہ تمام آدمیوں کے نگاہ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ تمہارے لڑکے اور لڑکی کا چال چلن ٹھیک نہیں ہے۔ اس بات پر غصہ میں آ کر بکر کو کہا کہ میں قیامت میں بھی آٹھ قدم دور رہنا چاہتا ہوں اور یہاں پر بات کرنا درکنار ہے۔ گو کہ امام صاحب نے بکر کو کہا کہ بات چیت کرنا کیا ہے میں تمہاری شکل دیکھنا گوارہ نہیں کرتا، تو ضروری امر یہ ہے کہ بکر امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں اور بکر نے امام صاحب سے جو بیان کیا وہ بہت

آدمیوں کے کہنے پر یعنی کئی مقتدیوں نے یہ کہا کہ امام صاحب کو سمجھا دو تو یہ بتلا دیجئے کہ وہ مقتدی جنھوں نے کہا بکر سے وہ امام صاحب کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (پارہ ۲۸ رکوع ۱۹) یعنی اے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ اور حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته۔ یعنی تم سب اپنے متعلقین کے سردار وحاکم ہو اور حاکم سے روز قیامت اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ صورت مستفسرہ میں امام کی لڑکی اور لڑکے کا چال چلن اگر واقعی خراب ہے اور امام ان کی حالتوں پر مطلع ہو کر بقدر قدرت انھیں منع نہیں کرتا بلکہ لڑتا ہے تو وہ دیوث اور فاسق ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ناجائز اور گناہ ہے جو نمازیں پڑھی گئیں ان کو پھر سے پڑھنا واجب ہے فان الدیوث کما فی الحدیث و کتب الفقه کالدر وغیرہ من لایغار علیٰ اهله هٰکذا فی الفتاویٰ الرضویة اور اگر امام کے لڑکے اور لڑکی کی چال چلن خراب نہیں ہے بلکہ ازروئے دشمنی لوگ الزام لگاتے ہیں تو امام مذکور کے پیچھے سب کو نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اور کوئی دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو واللہ تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از خلیل الرحمان مظفر پوری متعلم مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور۔ اعظم گڑھ

کیا داڑھی ترشوانے والا جو حد شرع سے کم ہی ہو۔ کالر دار قمیص اور پتلون کٹ پاجامہ پہننے والے کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب: جو شخص اپنی داڑھی حد شرع یعنی ایک مشت سے کم کرا دیتا ہے وہ فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور اس کو امام بنانا گناہ ہے جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان کا اعادہ واجب ہے۔ کالر دار قمیص اور پتلون کٹ پاجامہ فاسقوں کی وضع ہے اس سے امام کو پرہیز کرنا چاہئے۔ فتاویٰ رضویہ جلد ثانی ص ۲۱۹ پر زیر استفتاء جو شخص اپنی داڑھی مقدار سے کم رکھتا ہے اور ہمیشہ ترشواتا ہے اس کا امام کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے کے متعلق اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں: وہ (یعنی داڑھی حد شرع سے کم رکھنے والا) فاسق معلن ہے اور اسے امام کرنا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی۔ غنیۃ میں ہے: لوقدموا فاسقًا یاثمون...... واللہ تعالیٰ ورسولهٗ اعلم جل جلاله وصلی المولیٰ عنه

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد انیس اڈیٹر سیکرٹری جامعہ وارثیہ لکھنؤ (یو۔ پی)

لکھنؤ کی ایک مسجد کا نام نور محمد مسجد ہے اور یہ مسجد محلہ باغ آمنہ بی بی حسین گنج لکھنؤ میں ہے اس مسجد میں تقریباً چھپن سال

سے ایک حافظ غلام نبی حسن صاحب امام خطبہ علمی پڑھتے رہے چونکہ امام صاحب مسلسل علالت میں چل رہے ہیں اس لئے اہل محلّہ نے دار العلوم ندوۃ العلماء کے فارغ مولوی کو امامت کے لئے طے کرلیا ہے چونکہ اہل محلّہ کے چند حضرات دار العلوم ندوۃ العلماء کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور انھیں کے فرمان کے مطابق حال ہی میں خطبہ علمی پر بحث و نکتہ چینی کی ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) یہ کہ خطبہ علمی میں ایک جگہ پر لکھا ہوا ہے۔ جس کا صفحہ نمبر۲ ہے' اور شروع لائن کے آٹھویں سطر پر ہے وعلی غالب کل غالب ہے اس پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے اپنی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے شرک بتا رہے ہیں۔

(۲) یہ کہ خطبہ علمی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ متفرق جگہوں پر کچھ غلطیاں لکھی ہوئی ہیں۔

(۳) یہ کہ بجائے خطبہ علمی کے مولوی اسمٰعیل دہلوی یا خطبہ شاہ محدث دہلوی یا مولوی اشرف علی تھانوی کی زیادہ افضل ہے۔

(۴) حسب ذیل کا حوالہ اپنی کتاب بہشتی ثمر حصہ اول، دوم از مولوی محمد عیسیٰ خلیفۂ اجل مولوی اشرف علی تھانوی۔ لہٰذا حضرت سے مؤدبانہ التماس ہے کہ محلّہ میں ہیجان اور انتشار ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو تحریر فرمادیں۔ فقط۔ بینوا توجروا

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق الصواب. دار العلوم ندوۃ العلماء کے اکثر فارغین گمراہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فارغ مذکورہ کو خطبۂ علمی میں شرک نظر آتا ہے' اور ملا اسمٰعیل دہلوی و اشرف علی تھانوی کے خطبہ میں بہتری نظر آتی ہے۔ اہل محلّہ پر لازم ہے کہ کسی سنی صحیح العقیدہ کو امامت کے لئے مقرر کریں اور ایسے شخص کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں شرح عقائد نسفی میں ہے: لاکلام فی کراھۃ الصلاۃ خلف الفاسق والمبتدع ھٰذا اذالم یؤدالفسق والبدعۃ الیٰ حدالکفر اما اذا ادی الیہ فلا کلام فی عدم جواز الصلاۃ خلفہ۔ اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ر جمادی الاخری ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد شوکت علی موضع پورینہ پوسٹ دیواکل پور ضلع بستی۔

زید سارنگی بجاتا اور گانا گاتا تھا کئی سالوں سے لیکن چند دنوں سے گانا اور سرنگی بجانا چھوڑ دیا ہے' اور توبہ کرلی ہے تو زید امامت کرسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: جب کہ زید نے توبہ کرلی اور اپنی توبہ پر قائم ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم
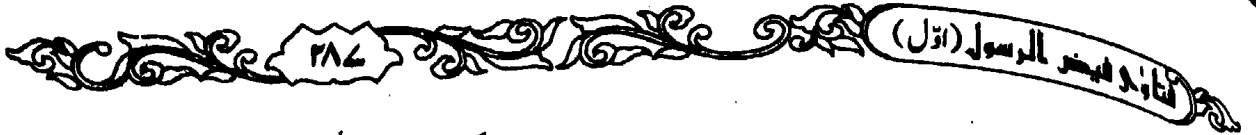
کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از پیر محمد ٹیلر ماسٹر پوسٹ ومقام کوٹڑی ضلع بھیلواڑہ (راجستھان)

خالد علی الاعلان سینما دیکھا کرتا ہے تو کیا وہ عیدین کی امامت کرسکتا ہے؟ اور کیا اس کے پیچھے نماز ادا ہو جائے گی؟ پھر وہ کہتا ہے کہ میں خطبہ پڑھادوں تو خطبہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: سینما دیکھنا ناجائز ہے اور جو شخص علی الاعلان سینما دیکھتا ہو اسے عیدین کی امامت کے لئے کھڑا کرنا ناجائز ہے اس لئے کہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی کہ وہ فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا کرنا بھی جائز نہیں کہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور فاسق کی تعظیم جائز نہیں ہے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالقیوم اشرف القادری خطیب جامع مسجد ٹاٹ شاہ فیض آباد۔

زید ایک مسجد میں جمعہ کی امامت کرتا ہے لیکن سال بھر کا عینی مشاہدہ ہے کہ حدود مسجد میں سونے کے باوجود نماز فجر کو عمداً ترک کرتا ہے ۸، ۹ بجے دن میں سوکر اٹھتا ہے تو کیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے؟

الجواب: علانیہ اور عمداً ترک نماز وجماعت کے سبب زید فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھی جائے تو اس کا اعادہ واجب ہے: لما صر حوابہ من کراھۃ الصلوٰۃ خلف الفاسق المعلن وان کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ تحریمۃ فانھا تعاد وجوبا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از حاجی امداد بخش عبدالکریم محمد امین مرزا منڈی کالپی ضلع جالون

کیا ایسی حالت میں داڑھی منڈانے والا نماز پڑھ سکتا ہے جب کہ جماعت بھر میں کوئی شخص قرآن کریم نہیں پڑھا ہے صرف داڑھی منڈا قرآن بھی پڑھا ہوا ہے اور پنج وقتی نماز میں ادا کرتا ہے؟

الجواب: بہار شریعت جلد شانزدہم ص ۱۹۷ میں ہے: داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے۔ مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔ لہٰذا داڑھی منڈانے والا نماز نہیں پڑھا سکتا۔ اگر کوئی دوسرا نماز پڑھانے والا نہ مل سکے تو سب لوگ تنہا تنہا پڑھیں فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۵۳ میں ہے: "اگر علانیہ فسق وفجور کرتا ہے اور دوسرا کوئی امامت کے قابل نہ مل سکے تو تنہا نماز پڑھیں: فان تقدیم الفاسق اثم الصلوٰۃ خلفہ مکروھۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھما فی درجۃ

واحدۃ ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح۔اھ۔وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۹۹ ۱۳ھ

مسئلہ: از غلیل الرحمٰن انوریؔ خادم المسجد مدرسہ جرنگ ڈیہ گریڈیہہ (بہار)

(۱) پرہیزگار متقی عالم وفاضل درزی ذات وکلال ذات کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز اگر درزی ذات کا پیشہ سلائی ہو اور عالم وفاضل نہ ہو تو امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور کلال ذات عالم وفاضل نہ ہو لیکن پرہیزگار ہو اور کلالی پیشہ نہ ہو تو امامت کرسکتا ہے کہ نہیں؟ مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ ارشاد فرمائیں۔

(۲) ایک مسجد میں امام مقرر ہے سنی صحیح العقیدہ عالم اور ایک حافظ قرآن مقتدی ہے لہٰذا دیگر مقتدیوں کا کہنا ہے کہ امامت کا مستحق حافظ قرآن ہے مقررہ عالم امام امامت کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ حافظ قرآن کا درجہ زیادہ ہے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ مقررہ امام امامت کا مستحق ہے یا مقتدی حافظ قرآن دوسرے...... ایک عالم اور ایک حافظ دونوں ایک جماعت میں شریک ہوں تو کون امامت کرانے کا مستحق ہے؟ قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: ہر سنی صحیح العقیدہ صحیح الطہارۃ والقرأۃ غیر فاسق معلن جس میں کوئی بات ایسی نہ ہو کہ لوگوں کے لئے نفرت کا باعث ہو اور جماعت کے لئے قلت کا سبب ہو اس کے پیچھے بلا کراہت نماز جائز ہے خواہ وہ کسی برادری کا ہو کہ امامت کسی برادری کے ساتھ خاص نہیں ہے، اور وہ شخص جو ذات کا درزی ہے، اور سلائی کا پیشہ کرتا ہے اگر کپڑے کی چوری یا کوئی دوسری شرعی خرابی اس میں نہیں ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، اور کلال جو پیشہ کلالی نہ کرتا ہو اگر اس میں امامت کے شرائط پائے جاتے ہوں تو اس کے پیچھے بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ خواہ وہ عالم وفاضل ہو یا نہ ہو کہ امامت کے لئے عالم وفاضل ہونا شرط نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) سب سے زیادہ امامت کا مستحق وہ شخص ہے جو نماز کے مسائل کو سب سے زیادہ جانتا ہو جیسا کہ درمختار میں ہے: الاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوٰۃ اور عالم دین ایسے شخص سے جو صرف حافظ ہو نماز کے مسائل زیادہ جانتا ہے اس لئے صورت مستفسرہ میں عالم ہی مستحق امامت ہے لہٰذا بعض مقتدیوں کا یہ کہنا کہ عالم دین کی موجودگی میں حافظ قرآن مستحق امامت ہے صحیح نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
یکم صفر المظفر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از ڈاکٹر محمد اسحاق دھول پور راجستھان

ایک شہر کے اندر دو چار آدمیوں نے نئی جگہ نماز عید قائم کرلی ہے جب کہ یہ لوگ نہ بادشاہ اسلام ہیں نہ اس کے نائب ہیں' اور نہ عالم ہیں نہ عالموں کے حکم میں آتے ہیں۔ اگر ان لوگوں نے نئی جگہ نماز عید پڑھ لی ہے تو کیا نماز عید ہوگئی؟ اور سمجھانے پر جھگڑا کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگوں کو کس طرح سمجھایا جائے جس میں جو صاحب خود امامت کرتے ہیں وہ بھی سمجھانے کی جگہ جھگڑا کر دیتے ہیں اور انھیں کے اشارہ پر نماز عید جو عیدگاہ کے برابر میں ایک کھیت حائل ہے وہیں عید کی نماز قائم کرلی ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب: شہر میں اگرچہ چند جگہ نماز عید قائم کرنا ناجائز ہے مگر صورت مستفسرہ میں عید کی نماز کا قیام افتراق بین المسلمین کے سبب ناجائز ہے کہ عیدگاہ کے برابر دوسری عیدگاہ قائم کرنا کھلا ہوا فتنہ ہے' اور مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از صغیر احمد، پوسٹ ومقام بہادر پور بازار ضلع بستی

زید نے اپنی خوشی سے پیسے کے لالچ میں نس بندی کرائی تو زید کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کے جنازے کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور زید اگر نماز کی صف میں داخل ہو تو لوگوں کی نمازوں میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب زید گنہگار ہوا اس کے اوپر توبہ واستغفار لازم ہے' اور بعد توبہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے' اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے' اور اس کا نماز کی صف میں کھڑا ہونا لوگوں کی نماز میں خلل پیدا نہیں کرے گا کہ زنا کرنے والے' شراب پینے والے' جوا کھیلنے والے' سود کھانے والے' والدین کی نافرمانی کرنے والے' اور اس قسم کے دوسرے گناہ کبیرہ جن کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے ان کے مرتکب کی نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے ان کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں ہوتا تو نس بندی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا بھی واجب ہوگا اور اس کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں واقع ہوگا۔ **وھو تعالٰی اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ ر ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از محمد رمضان خاں خزانچی مدرسہ رکن الاسلام قادریہ، مقام بڑی پوسٹ ماتور ضلع الور (راجستھان)

(ا) جمعہ واجب یا فرض؟

(ب) زید امام ہے نوے فیصدی لوگ زید کی امامت تسلیم نہیں کرتے اور زید کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے دریں حالت کیا زید کی امامت درست ہے؟

(ج) زید سے نوے فیصدی لوگ ناراض ہیں بکر وہاں پہنچ گیا گاؤں والوں نے بکر سے کہا کہ آپ جمعہ کی نماز پڑھا دیجئے ہم مسلمان نماز جمعہ پڑھ لیں گے ورنہ ہم نوے فیصدی لوگ جمعہ کی نماز سے محروم رہیں گے ہم زید کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ وہ جھوٹا ہے وعدہ خلاف ہے دریں حالت بکر نے نماز پڑھا دی کیا نماز جمعہ ادا ہوگئی؟ کیا بکر کو زید سے اجازت لینے کی ضرورت رہی؟ جب لوگ زید کو امام نہیں مانتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) جمعہ کی نماز فرض عین ہے اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے درمختار میں ہے: فرض عین یکفر جاحدھا اھ۔

(ب) زید میں اگر ازروئے شرع کوئی عیب ہے جس کے سبب لوگ اس کی امامت تسلیم نہیں کرتے تو لوگ حق بجانب ہیں اور اس صورت میں زید کو امامت کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی عیب نہیں مگر ازروئے نفسیات لوگ زید کی امامت تسلیم نہیں کرتے تو زید کی امامت جائز ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(ج) اگر زید واقعی جھوٹا اور وعدہ خلاف ہے اس سبب سے زید کو امامت سے الگ کر کے لوگوں نے بکر کو امامت جمعہ کے لئے مقرر کر لیا تو زید سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں نماز جمعہ ہوگی بشرطیکہ شہر میں پڑھی گئی ہو کہ گاؤں میں جمعہ کی نماز صحیح اور جائز نہیں ہاں اگر عوام پڑھتے ہوں تو انہیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ ورسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ ھٰکذا فی کتب الفقہ۔ وللہ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۲؍صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از محمد یعقوب رضویؔ متھرا بازار ضلع گونڈہ

گھڑی کے ساتھ لوہا یا اسٹیل یا پیتل وغیرہ کا چین باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا کوئی خرابی ہے؟ زید کہتا ہے کہ نماز ہو جائے گی کوئی خرابی نہیں۔ کیا یہ قول درست ہے مدلل تحریر فرمائیں؟

الجواب: گھڑی کے ساتھ لوہا یا اسٹیل وغیرہ کا چین باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لہٰذا زید کا قول صحیح نہیں اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ احکام شریعت حصہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں: گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں ممنوع کی گئیں ہیں ان کو پہن کر نماز ادا کرنا یا امامت مکروہ تحریمی ہے۔ انتہٰی کلامہ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد یونس سونی برگدوا (نیپال)

زید وبکر دو بھائی ہیں اور ھندہ وزبیدہ دو بہنیں ہیں زید کے نکاح میں ہندہ ہے' اور بکر کے نکاح میں زبیدہ ہے لیکن زید کے ناجائز تعلقات زبیدہ سے ہوگئے اور زید اپنی بیوی ھندہ کو طلاق دے کر زبیدہ کو لے کر گھر سے چلا گیا اور اس سے نکاح کر لیا ہندہ کو طلاق نہیں ہوئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ بکر نے زبیدہ کو بعد میں طلاق دے دی اور اسی دن زید نے نکاح کیا عدت نہیں گزاری ایسی صورت میں زید کا نکاح ازروئے شرع کیسا ہے کیا ایسے شخص کی امامت درست ہے؟ بیان فرمائیں؟

الجواب: اگر زید نے اپنی بیوی ھندہ کو طلاق دی اور بکر نے ھندہ کی بہن زبیدہ کو طلاق دی تو دونوں کی عدت گزرنے سے پہلے زید کا نکاح زبیدہ سے کرنا حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ھندہ کی عدت گزرنے سے پہلے زبیدہ سے نکاح کرنا جمع بین الاختین ہے جو حرام ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۱ میں ہے: لایجوز ان یتزوج اخت معتدۃ سوء کانت العدۃ عن طلاق رجعی اوبائن او ثلاث اھ۔ اور بکر کی طلاق کے بعد زبیدہ اس کی معتدہ ہے' اور کسی غیر کی معتدہ سے نکاح کرنا جائز نہیں فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۲ میں ہے: لایجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذالک المعتدۃ کذا فی السراج الوھاج' اور شخص مذکور جس نے بکر کی بیوی زبیدہ سے ناجائز تعلق پیدا کیا پھر اسے لے کر بھاگ گیا اور عدت گزرنے سے پہلے زبیدہ سے نکاح کیا وہ سخت ظالم و جفا کار مستحق عذاب نار ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از خدا بخش انصاری کالپی محلہ مرزا منڈی ضلع جالون

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور طلاق دیئے تقریباً چار سال کا عرصہ ہوگیا ہے زید کی بیوی باہر چلی گئی لیکن زید مہینہ میں دو ایک مرتبہ اس کے پاس جایا کرتا ہے زید نے خود بیوی کو باہر سے بلوا کر کسی مکان یعنی محلہ میں بیوی کو رکھ لیا ہے زید برابر اس کے گھر جاتا ہے' اور بات کرتا ہے' اور اس کے یہاں کھانا پکوا کر کھاتا بھی ہے ایسی حالت میں کیا زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: زید اگر اپنی مطلقہ بیوی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد شبنماں مقام و پوسٹ نند نگر ضلع بستی (یو۔ پی)

زید وہابی ہے بلکہ وہابی گر ہے اس نے عمداً اپنے بھائی بکر کو دیوبند میں تعلیم دلوائی ہے بکر دیوبند کا فارغ التحصیل مولوی ہے

زید نے بارہا توبہ کی پھر مکر گیا گستاخان رسول کو کافر نہیں کہتا ہے جہاں دیکھتا ہے کر لیتا ہے لوگ زید کو ترک کر چکے تھے لیکن محمود جو سنی عالم ہے اس نے زید کی منافقانہ توبہ پر گاؤں والوں سے ملاپ کرا دیا اور سب کو زید کے یہاں کھلایا اور خود بھی کھایا اس کے بعد جو زید کا بھائی اور فارغ التحصیل دیوبند کا مولوی ہے اس نے کہا نہ میں وہابیت سے توبہ کروں گا اور نہ وہابیوں کو برا کہوں گا بلکہ اپنے گھر والوں سے کہوں گا کہ وہ لوگ بھی وہابیت پر قائم رہیں اور وہابی کے یہاں سے رشتہ رکھیں محمود زید و بکر سے پوری طرح واقف ہے لہٰذا ایسی صورت میں زید و بکر سے کیا رابطہ رکھیں؟ اور محمود سے تعلق یا اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: زید نے اگر واقعی وہابیت سے توبہ کر لی ہے تو سنی ہے۔ پھر اگر وہ اپنے وہابی بھائی یا کسی دوسرے سے میل ملاپ رکھتا ہے ان کے ساتھ کھاتا پیتا اور اٹھتا بیٹھتا ہے تو وہ گنہگار سنی ہے تاوقتیکہ اس کے کسی قول یا فعل سے کفر وارتداد ثابت نہ ہوا سے سنی ہی قرار دیا جائے گا' اور اگر زید نے دل سے توبہ نہیں کی ہے بلکہ سنیوں کو دھوکا دینے کے لئے منافقانہ توبہ کی ہے جس کا قطعی ثبوت اس کے قول یا فعل سے ملتا ہے تو وہ بہت بڑا مکار ہے اس صورت میں مسلمانوں کو زید و بکر دونوں سے دور رہنا لازم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ایاکم وایاھم لایضلونھم ولایفتنونکم اھ۔ اور سنی عالم دین نے اگر زید کی منافقانہ توبہ کے فریب میں آ کر سنیوں کا اس سے ملاپ کرا دیا اور اس کے یہاں لوگوں کو کھلا دیا اور خود بھی کھایا تو اس صورت میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن زید کی منافقت ثابت ہونے کے بعد سنی عالم دین محمود پر لازم ہے کہ وہ اس کی منافقت اور اپنی فریب خوردگی سب مسلمانوں پر ظاہر کرے اور دوبارہ زید کے بائیکاٹ کرنے کا اعلان عام کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کی امامت درست نہیں کہ مداہن فی الدین ہے: وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از سیّد محمد محسن علی الحسینی عفی عنہ ہیڈ مولوی۔ بی۔ بی اسکول پنسکورہ ضلع مدنہ پور (بنگال)

(۱) اگر امام نے اپنی منکوحہ سے اجازت لے کر نس بندی کروائی تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) ایسا امام جو غیر فاسق ہو اگر نہ مل سکے تو فاسق معلن کے پیچھے فساق کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا کیا جائے؟

الجواب: (۱) امام نے اگرچہ بیوی سے اجازت لے کر نس بندی کروائی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ صدق دل سے علانیہ توبہ کرے اور اپنے اس فعل پر نادم ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں اگر کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو اور آپریشن مذکور کا اثر مانع امامت نہیں اس لئے کہ وہ فعل ناجائز ہے نہ کہ اس کا اثر، یہاں تک کہ اگر آپریشن کراتا اور آپریشن ناکام ہوتا۔ یعنی قوت تولید منقطع نہ ہوتی تب بھی ناجائز فعل کے ارتکاب کے سبب اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہ ہوتا' اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: التائب من الذنب کمن لاذنب لہ...... واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) فاسق معلن کے پیچھے فساق کی بھی نماز جائز نہیں اگر کوئی شخص قابل امامت نہ مل سکے تو سب تنہا پڑھیں۔ فتاویٰ

رضویہ جلد سوم ص ۲۵۳ میں ہے: تقدیم الفاسق اثم والصلوٰۃ خلفہ مکروھۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھما فی درجۃ واحدۃ ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح۔ اھ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

الجواب صحیح: غلام جیلانی اعظمی۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از محمد اسرائیل حشمتی پوسٹ ومقام ڈونگلہ چتوڑگڑھ (راجستھان)

زید بالغ ہے مگر ابھی اس کے داڑھی نہیں نکلی ہے تو اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: زید اگر بالغ صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت ہے اور اس میں کوئی وجہ مانع امامت نہیں تو اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی اگرچہ اس کی ابھی داڑھی نہیں نکلی ہے۔ ہاں اگر زید حسین وجمیل اور خوبصورت ہو کہ فساق کے لئے محل شہوت ہو تو اس کی امامت خلاف اولیٰ ہے کما فی الفتاویٰ الرضویۃ ج ۳ ص ۲۲۰۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹؍ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد اسرائیل حشمتی پوسٹ ومقام ڈونگلہ چتوڑگڑھ (راجستھان)

بکر، عمرو، احمد، خالد نماز کے مسائل سے کم واقف ہیں اور ان کی قرأت صحیح نہیں، اور جماعت تو جماعت بلاعذر شرعی پانچوں وقت مسجد میں بھی نہیں پہنچتے مگر تہجد گزار ہیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور زید قرأت ونماز کے مسائل کو ان سے زیادہ جانتا ہے، اور بلاعذر شرعی مسجد وجماعت نہیں چھوڑتا مگر تہجد گزار نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: بکر، عمرو خالد جو مسائل نماز سے کم واقف ہیں اور صحیح القرأت نہیں ہیں اور بلاعذر شرعی ترک جماعت کے عادی بھی ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اگرچہ وہ تہجد گزار ہوں، اور زید اگر بلاعذر شرعی ترک جماعت کا عادی نہیں اور مسائل نماز کا زیادہ جاننے والا صحیح القرأت ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ وہ تہجد گزار نہ ہو بشرطیکہ اس میں کوئی سبب مانع امامت نہ ہو۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد یعقوب رضوی متھرا بازار ضلع گونڈہ

ایک سند یافتہ مولانا صاحب ہیں جن کی اکثر فجر کی نماز قضا ہوجاتی ہے، اور بازار میں ہوٹل پر بیٹھ کر چائے وغیرہ پیتے ہیں

ایسے مولانا صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: جس مولوی کی فجر کی نماز اکثر قضا ہو جاتی ہے وہ فاسق ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے ھکذا فی کتب الفقہ وھو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

مسئلہ: از رفعت اللہ متعلم مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا ضلع بستی۔

زید اپنی داڑھی کے بال کترواکر ایک مشت سے کم رکھتا ہے تو اس کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مطلق طور پر یا تخصیص کے ساتھ اور جن لوگوں نے شخص مذکور کی اقتداء میں اپنی نمازوں کو ادا کیا ہے ان پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے مع الدلیل واضح فرمائیں؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ داڑھی کے بال ایک مشت سے کم کرنا جائز نہیں جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۱۶، ردالمحتار جلد دوم ص ۱۱۷، بحر الرائق جلد دوم ص ۲۸۰، فتح القدیر جلد دوم ص ۲۷۰ اور طحطاوی علیٰ مراقی ص ۴۱۱ میں ہے: واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیۃ وھو دون ذٰلک (ای القدر المسنون وھو القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یبحہ احد...... یعنی داڑھی جب کہ ایک مشت سے کم ہو تو اس کو کاٹنا جس طرح کہ بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک حلال نہیں...... اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۲۱۲ میں فرماتے ہیں کہ "گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست و آں کہ آں را سنت گویند بمعنیٰ طریقہ سلوک در دین ست یا بجہت آں کہ ثبوت آں بسنت ست چونکہ نماز عید را سنت گفتہ اند"...... یعنی داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے، اور جن فقہاء نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یا تو سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے) اور بہار شریعت جلد شانزدہم ص ۱۹۷ میں ہے: "داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے"۔ لہٰذا زید داڑھی کے ایک مشت سے کم کرنے کی عادت کے سبب فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے حتیٰ کہ داڑھی ایک مشت سے کم کرنے والے کی نماز بھی اس کی اقتداء میں جائز نہیں جن لوگوں نے جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں سب کا اعادہ واجب ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۷۳ میں ہے: جن صورتوں میں کراہت تحریم کا حکم ہے صلحاء وفساق سب پر اعادہ واجب ہے۔ جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً پڑھیں کہ جماعت واجب ہے، اور اس کی تقدیم ممنوع بکراہت تحریم اور واجب و مکروہ دونوں ایک مرتبہ میں ہیں۔ ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح ا ھ۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم

عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۸؍ذی الحجہ ۹۹ھ

مسئلہ: از خدا بخش انصاری۔ کالپی محلہ مرزا منڈی ضلع جالون۔

زید کی دوکان محلہ کے اندر مکان یعنی دالان میں پرچونی کی ہے زید کا لڑکا دوکان پر بیٹھتا ہے لڑکا جب بازار سودا لینے جاتا ہے تو زید کی بیوی دوکان میں بیٹھتی ہے' اور اگر لڑکا دو ایک روز کے لئے باہر چلا جاتا ہے تو زید کی بیوی دوکان پر بیٹھتی ہے زید کی عمر ستر سال اور زید کی بیوی کی عمر تقریباً ۶۰ سال ہے زید نمازی اور پرہیزگار ہے تو کیا ایسی صورت میں زید کے پیچھے نماز جائز ہے شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر دوکان پر بیٹھنے میں زید کی بیوی کے کپڑے خلاف شرع ہوتے ہیں مثلاً باریک اتنے کہ بدن جھلکے یا اوچھے کہ ستر عورت نہ کریں جیسے اونچی کرتی یا پیٹ کھلا ہوا ہو یا بے طوری سے اوڑھے پہنے جیسے دوپٹہ سر سے ڈھلکا یا کچھ حصہ بالوں کا کھلا رہے' اور زید ان باتوں پر مطلع ہو کر باوصف قدرت بندوبست نہیں کرتا تو وہ دیوث ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں' اور اگر زید کی بیوی ان شناعتوں سے پاک ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ ھٰکذا فی الجزء الثالث من الفتاویٰ الرضویۃ

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۶؍ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از غلام حسین نارتھ اسٹرن ریلوے کاریالے گورکھپور۔

زینب کی شادی ہوئی تھی کچھ عرصہ کے بعد شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد زینب نے اپنے دیور سے ناجائز تعلق کر لیا' اور دیور کے ساتھ چلی گئی اور زینب نے اپنے دیور سے نکاح نہیں کیا تھا اور زینب حاملہ ہو گئی۔ لڑکا پیدا ہونے پر زینب کا نکاح زینب کے دیور کے کے ساتھ ہوا۔ اب وہ لڑکا حافظ قرآن ہوئے تو اب حضور سے یہ عرض ہے کہ حافظ صاحب امامت کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کوئی دوسرا شخص حافظ مذکور سے طہارت ونماز کا علم زیادہ رکھتا ہو تو اس حافظ کو امام بنانا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے' اور اگر وہ حافظ مسائل طہارت ونماز سب حاضرین سے زیادہ جانتے ہوں تو انھیں امام بنانا بلا کراہت جائز ہے اگر کوئی دوسری وجہ مانع نہ ہو۔ درمختار میں ہے: کرہ امامۃ عبدا واعرابی وولد الزناء الیٰ قولہ الا ان یکون اعلم القوم۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ / جمادی الاخریٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از متولیان سنی خوجہ مسجد ۱۰۲ اٹن ٹن پورا اسٹریٹ خوجہ محلہ بمبئی ۹

ہمارے یہاں تقریباً ایک سو بیس سال سے سنی امام امامت کر رہے ہیں' اور پنجگانہ نماز کے بعد فاتحہ اور دعائے ثانیہ کے پابند رہے۔ نیز گیارہویں شریف اور بارہویں شریف اور موئے مبارک کی زیارت ہوتی رہی اور صلاۃ وسلام بھی ہوتا رہا چند سال سے جدید امام نے فاتحہ و دعائے ثانیہ صلاۃ وسلام پر عمل کرنا ترک کر دیا' اور اس کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ سنی مسجد کے لئے سنی امام ہونا ضروری ہے کہ نہیں اور اگر سنی ہونا ضروری ہے تو سنی کسے کہتے ہیں؟

الجواب: سنی مسجد کے لئے سنی امام ہونا ضروری ہے کہ اہل سنت و جماعت کے علاوہ دوسرے فرقے والے یا تو کافر ہیں یا گمراہ' اور کافر کے پیچھے نماز پڑھنا باطل محض ہے' اور گمراہ یعنی جس کی بد مذہبی حد کفر کو پہنچی ہوا سے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ بحر الرائق جلد اوّل ص ۳۴۹ میں ہے: لاتجوز الصلاۃ خلف من ینکر شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوینکر الکرام الکاتبین اوتنکرا الرؤیة لانہ کافر۔ والرافضی ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع وان انکر خلافة الصدیق فھو کافر' اور غنیۃ ص ۴۷۹ میں ہے: یکرہ تقدم المبتدع لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل۔ والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علیٰ خلاف مایعتقدہ اھل السنة والجماعة۔ وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھة اذالم یکن مایعتقدہ یؤدی الی الکفر عندا ھل السنة امالوکان مؤدیاً الی الکفر فلایجوز اصلا کالغلاۃ من الروافض الذین یدعون الالوھیة لعلی رضی اللہ عنہ اوان النبوۃ کانت لہ فغلط جبرئیل ونحو ذٰلک مما ھو کفر۔ اھ۔ تلخیصًا' اور درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۳۰۷ میں ہے: کل صلاۃ ادیت مع کراھة التحریم تجب اعادتھا۔ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۱۱ میں ہے: ''وہ بد مذہب کہ جس کی بد مذہبی حد کفر کو پہنچ گئی ہو جیسے رافضی اگرچہ صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت یا صحبت سے انکار کرتا ہو یا شیخین رضی اللہ عنہما کی شان اقدس میں تبرا کہتا ہو، قدری، جہمی، مشبہ اور وہ جو قرآن کو مخلوق بتاتا ہے' اور وہ جو شفاعت یا دیدار الٰہی یا عذاب قبر یا کراماً کاتبین کا انکار کرتا ہے ان کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی۔ اس سے سخت تر حکم وہابیہ زمانہ کا ہے اللہ عزوجل و نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے یا توہین کرنے والے کو اپنا پیشوا یا کم از کم مسلمان ہی جانتے ہیں''۔ انتہیٰ۔ ضروریات اہلسنّت کے ماننے والے کو سنی کہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص ضروریات اہلسنّت میں سے کسی بات کا انکار کرتا ہو وہ سنی نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از قاری شمس الدین احمد رحمانی محلہ دمدمہ کالپی شریف (جالون)

(۱) ایک اہلسنّت دختر کا عقد دیوبندی کے ساتھ قاضی اہلسنّت نے پڑھایا یا قاضی امامت بھی کراتا ہے کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا از روئے شرع جائز ہے؟

(۲) بازار کے بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۳) میری داڑھی حد شرع سے کم ہے میں نماز پڑھتا ہوں کیا میری امامت درست ہے؟ مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ کیا فاسق وفاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

الجواب: (۱) اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ بمطابق فتویٰ حسام الحرمین دیوبندی عقیدہ رکھنے والے کے ساتھ سنی لڑکی کا عقد ہرگز ہرگز منعقد نہ ہوگا۔ قاضی نے اگر جان بوجھ کر ایسا نکاح پڑھایا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اگر قاضی توبہ وتجدید ایمان کرے اور جو نکاح اس نے پڑھایا اس کے باطل ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کردے تو امامت کی دیگر شرائط پائے جانے کے ساتھ اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) بلاضرورت بازار میں بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے' اور خرید وفروخت وغیرہ ضروریات کے لئے بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

(۳) حد شرع یعنی ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ حسب تصریح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے' اور جو شخص ترک واجب کا عادی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ فاسق وفاجر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے یعنی ایسی نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالغفور

(۱) زید جو کہ حاجی' نمازی اور سنی صحیح العقیدہ ہے' اور اسلامی مکتب کا ماسٹر ہے' اور جامع مسجد کا امام ہے اس کے بچے اور بہو بلا روک ٹوک بلا حجاب باہر آتی جاتے ہیں بسلسلۂ تجارت۔

(۲) زید اپنی سمدھن کو گالیاں جھگڑے لڑائی پر دیتا ہے جب اس سے دریافت کیا گیا تو کہتا ہے کہ سمدھن کو گالی دینا جائز ہے احکام شرع سے ہم مسلمانوں کو آگاہ فرمائیں کہ مذکورہ زید کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اس کی امامت جائز ہے؟ کیا سمدھن کو گالی دی جاسکتی ہے؟

الجواب: (۱) بے پردہ باہر نکلنے میں اگر عورت کے کپڑے خلاف شرع ہوتے ہیں۔ مثلاً اتنے باریک کہ بدن جھلکے یا اتنے چھوٹے کہ ستر عورت نہ کریں جیسے بلاؤز کہ کہنی وغیرہ کھلی رہتی ہے یا بے طریقہ اوڑھے پہنے جیسے دوپٹہ ڈھلکے یا کچھ حصہ

بالوں کا کھلا رہے یا زرق برق پوشاک پہنے کہ جس پر لوگوں کی نگاہ پڑے اور احتمال فتنہ ہو۔ یا اس کی چال ڈھال بول چال میں آثار بدوضعی پائے جائیں اور زید ان باتوں پر مطلع ہو کر باوصف قدرت بندوبست نہیں کرتا تو وہ دیوث ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اگر ان خرابیوں سے پاک ہے تو اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ هٰكذا في الفتاوىٰ الرضوية

(۲) سمدھن ہو یا کوئی اور گالی دینا گناہ ہے اور گالی کو جائز سمجھنا اشد گناہ...... زید پر لازم ہے کہ گالی دینے اور گالی کو جائز سمجھنے سے علانیہ توبہ کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور توبہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی اور خرابی نہ ہو۔ هٰذا ما عندي والعلم عند الله تعالىٰ و رسوله جل جلاله وصلى المولىٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ر شوال ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از عبدالعلیم خلیل آبادی

زید جو کہ ولد الزنا ہے اور اس سے بطریق زنا ایک لڑکی بھی ہوئی اور وہ عالم بھی ہے نیز کتب اسلامیہ کا مطالعہ بھی کرتا رہتا ہے اور نماز میں سستی اور کاہلی سے کام لیتا ہے اور کبھی قضا بھی کر دیتا ہے نیز وہ سود اور رشوت بھی لیا کرتا ہے اور خائن بھی ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ باتوں کا علم رکھتے ہوئے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے شرع کے نزدیک کیسے ہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید یقیناً ولد الزنا، زنا کار، خائن، رشوت و سود خور اور قصداً نماز قضا کرنے والا ہے تو عالم نہیں اگر علامہ اور مفتی ہو تب بھی ایسے شخص کو امام بنانے والے گنہ گار اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی یعنی واجب الاعادہ ہے: هٰكذا ذكر صدر الشريعة رحمة الله عليه في الجزء الثالث من بهار شريعة ناقلا عن الكتب الفقهية. والله تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: مسئولہ صفی اللہ دھرم سنگھواں بازار بستی

دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ یعنی جھکنے والوں کے ساتھ جھک جاؤ تو جس کسی کے پیچھے نماز پڑھی جائے نماز ہو جائے گی۔

الجواب: فتاویٰ حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں ہے کہ دیوبندیوں نے حفظ الایمان ص ۹، براہین قاطعہ ص ۵۱ تحذیر الناس ص ۱۴ و ص ۲۸ میں حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو گندے عقائد لکھے وہ شدید گستاخی اور کفر

ہیں لہٰذا دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے بحکم قرآن و حدیث کافر، مرتد اور خارج از اسلام ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا حرام حرام ہے سارے جہاں کے ہادی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لاتصلوا معھم یعنی بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ نماز نہ پڑھوتو بھلا بدعقیدہ کے پیچھے نماز پڑھنا کب جائز ہوگا؟ قرآن مجید کے ارشاد: وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے بارے میں تفسیر جلالین شریف ص ۹ مطبوعہ اصح المطابق کراچی میں ہے: وصلوا مع المصلین محمد واصحابه صلی الله علیه وعلیهم وسلم۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں فرماتا ہے کہ تم ایمان لاؤ اور میرے محبوب اور ان کے ساتھی نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھو اس آیت کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن کو چاہئے کہ وہ ایمان والوں کے ساتھ نماز پڑھے جو لوگ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے گستاخ ہیں وہ نہ تو مسلمان ہیں نہ ان کی نماز ہے' نہ جماعت' اور نہ امامت' اور یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ جو شخص خود تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں گستاخی نہیں کرتا لیکن گستاخ مولویوں اور دیوبندیوں کو مسلمان سمجھتا ہے' اور اس کو یہ اطلاع ہے کہ دیوبندیوں نے حضور کی شان میں گستاخی کی ہے تو ایسا شخص بھی اسلامی قانون کی رو سے مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے' اور ایسے شخص کے پیچھے بھی نماز ہرگز جائز نہیں۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

۲۴ رجمادی الاخری ۷۷ھ۱۳

مسئلہ: ازمحمد ابراہیم دھوبہی پوسٹ کھنڈسری بازار۔ ضلع بستی۔

داڑھی کی شرعی حد کیا ہے؟ اور حد شرع سے کم اور زیادہ رکھنے والوں پر عندالشرع کیا حکم نافذ ہوگا؟ آیا ان کی امامت درست ہے یا نہیں؟ حدیث شریف اور کتب فقہ سے جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: بخاری اور مسلم کی حدیث ہے: سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: انھکوا الشوارب واعفوا اللحیٰ۔ یعنی مونچھوں کو خوب کم کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست و آنکہ آں راست گویند بمعنیٰ طریقۂ مسلوک در دین ست یا بجہت آں کہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند"۔ یعنی داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے' اور جن فقہاء نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یا تو یہاں سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے) (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۲۱۲) اور فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے"۔ (بہار شریعت حصہ اوّل ص ۱۹۷) لہٰذا ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے مونڈانے یا ایک مشت سے کم کرانے والا سخت گنہگار' فاسق معلن' مردود الشہادہ ہے ایسے شخص کے پیچھے

نماز ہرگز درست نہیں اگر پڑھ لی تو اعادہ واجب۔ مراقی الفلاح میں ہے: کرہ امامۃ الفاسق لعدم اہتمامہ بالدین فتجب اہانتہ شرعاً فلا یعظم بتقدیمہ للامامۃ واذا تعذر منعہ ینتقل عنہ الی غیر مسجدہ للجمعۃ وغیرھا۔ حد شرع یعنی ایک مشت سے کچھ زائد داڑھی رکھنا جائز ہے لیکن ہمارے ائمہ اور جمہور علماء کے نزدیک اس کا طول فاحش کہ بیحد بڑھایا جائے جو حد تناسب سے خارج اور باعث انگشت نمائی ہو مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ ھٰکذا فی لمعۃ الضحیٰ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: مہدی حسن خاں ساکن مروٹیا۔ ضلع گورکھپور۔

زید جو فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز جماعت سے پڑھنا اور بعد میں اعادہ کر لینا تنہا پڑھنے سے افضل اور بہتر ہے؟

الجواب: زید اگر واقعی فاسق معلن ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ناجائز گناہ ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۸۷ میں غنیۃ شرح منیہ سے ہے: لوقدموا فاسقاً یاثمون اھ اور تبیین الحقائق میں ہے: لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اہانتہ شرعاً۔ اھ لہٰذا بکر کا قول صحیح نہیں۔ اگر کوئی دوسرا قابل امامت نہ ہو تو تنہا پڑھیں: فان تقدیم الفاسق اثم والصلوٰۃ خلفہ مکروھۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھما فی درجۃ واحدۃ ودرء الفاسدا ھم من جلب المصالح۔ اور اگر کوئی گناہ چھپا کر کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں اور اس کے فسق کے سبب جماعت نہ چھوڑیں۔ لان الجماعۃ واجبۃ والصلاۃ خلف فاسق غیر معلن لاتکرہ الا تنزیھا۔ ھٰکذا فی الفتاوی الرضویۃ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از محمد اسلم اسلام پورہ بھیمڑی ضلع تھانہ۔

ہماری مسجد کے امام صاحب سجدہ کرتے وقت اپنے پیر کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر نہیں لگاتے میں نے ان سے بارہا کہا کہ آپ کی انگلی برابر نہیں لگتی لیکن وہ نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ سجدہ کی حالت میں پیر کی صرف ایک انگلی زمین پر لگی رہے تو کافی ہے نماز ہو جائے گی امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ تم جو انگلیوں کا پیٹ لگنا ضروری سمجھتے ہو۔ ایسا کہاں لکھا ہے میں نے عرض کیا جناب بہار شریعت حصہ سوم میں شاید لکھا ہوا ہے۔ اتنا بتانے پر بھی وہ باز نہیں آتے تو ایسے امام کی اقتداء میں نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: ہدایہ جلد اوّل زیر بیان سجدہ ص ۷۶ میں ہے: یوجہ اصابع رجلیہ نحو القبلۃ یعنی نمازی بحالت

کرتے وقت اپنے دونوں پاؤں کی سب انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب کردے اور یہ بالکل واضح مطابق مشاہدہ ہے کہ جب تک سب انگلیوں کا پیٹ زمین سے نہ لگا دیا جائے اس وقت تک انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہوگا۔ اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام شاہ احمد رضا رضی اللہ عنہ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل کتاب الطہارات باب المیاہ ص ۵۵۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''سجدہ میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے اھ۔ اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ بہار شریعت جلد سوم ص ۸۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''سجدہ میں دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب اور دسوں کا قبلہ رو ہونا سنت'' اھ۔ ان حوالہ جات کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ امام صاحب جس کا یہ کہنا کہ ''سجدہ میں پیر کی صرف انگلی زمین پر لگی رہے تو کافی ہے نماز ہو جائے گی'' صحیح نہیں ہے۔ سائل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ امام صاحب کے سامنے ان حوالوں کو پیش کرے امید یہی ہے کہ امام صاحب صحیح مسئلہ سے آگاہ ہو جائیں گے تو اس پر ضرور عمل کریں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کو سائل کے مسئلہ بتانے پر اطمینان نہیں ہوا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ امامت کی ذمہ داری کو انھوں نے محسوس نہ کیا۔ ان کو تو چاہئے تھا کہ نماز کے فرائض و واجبات اور سنن کی پوری پوری معلومات حاصل کر کے ان کی پابندی کرتے۔ اب اگر امام صاحب اس مسئلہ کو تسلیم کر کے سجدہ میں اپنے ہر پاؤں کی کم از کم تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر جماتے رہیں تو ان کی اقتدا میں نماز ہو جائے گی جب کہ کوئی دوسری چیز مانع جواز نہ ہو اور اگر معاذ اللہ امام صاحب اس مسئلہ پر عمل کرنے کو تیار نہ ہوں تو ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: بدر الدین احمد الرضوی

مسئلہ: مسئولہ سیّد سراج عالم۔ مقام درگاہ ضلع فیض آباد

ایک امام جہری نمازوں میں اتنی آہستہ قرأت کرتا ہے کہ مقتدی نہیں سن پاتے بعض دفعہ تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آمین کب کہی جائے اور رکوع و سجود میں بھی دھوکہ ہو جاتا ہے اور اپنی ایک لڑکی کا عقد دیوبندی وہابی کے ساتھ کیا ہے اور اس وہابی کے یہاں آمدورفت رکھتا ہے حالانکہ اپنے کو سنی المذہب بتاتا ہے اور اپنے گھر کی عورتوں کو پردہ میں نہیں رکھتا تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جہری نمازوں میں امام پر جہر واجب ہے اور جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جو لوگ صف اوّل میں ہیں وہ سن سکیں۔ اگر اس قدر آہستہ پڑھا کہ صرف ایک دو آدمی جو امام کے قریب ہیں وہی سن سکے تو جہر نہیں بلکہ آہستہ ہے درمختار میں ہے لوسمع رجل اور جلان فلیس بجھر اھ۔ اور دیوبندی وہابی کے ساتھ عقد کرنا اور ان کے یہاں آمدورفت رکھنا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام مذکور کی طرف جو باتیں منسوب کی گئی ہیں اگر اس میں پائی جاتی ہیں اور واقعی وہ سنی المذہب ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے یعنی اگر کسی نے پڑھ لی ہے تو اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب اور لازم ہے

اگر دوبارہ نہیں پڑھے گا تو گنہگار ہوگا' اور اگر امام مذکور دیوبندی وہابی مذہب کو حق مانتا ہے' اور دنیوی مفاد کے لئے اپنے کوسُنی المذہب بتاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔ شرح عقائد نسفی میں ہے: لاکلام فی کراھة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع ھٰذا اذا لم یؤد الفسق والبدعة الی حد الکفر اما اذا ادیٰ الیه فلا کلام فی عدم جواز الصلاة خلفه اھ۔ ھٰذا ما عندی والعلم عنداللّٰه تعالیٰ ورسوله۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ازعبدالعزیز۔ ناگ بھیڑ ضلع چاندہ (ایم۔ پی)

ایسا حافظ قرآن جو داڑھی کترواکر ہمیشہ ایک مشت سے کم رکھتا ہے اس کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے ایک مرتبہ بھی کٹوا کر ایک مشت سے کم کرنے والا گنہگار ہے' اور اسے کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کی عادت کر لینے والا فاسق معلن ہے۔ لہٰذا حافظ مذکور جب کہ داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کا عادی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ تراویح سنت مؤکدہ ہے لیکن ایسے شخص کے پیچھے پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ ھٰذہ خلاصة ما فی الکتب الفقهة۔ واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مسئولہ سراج الدین احمد کپور پور بہرائچ۔

(۱) زید کی بیوی پردہ میں نہیں رہتی کوسوں روز گھاس کرنے چلی جاتی ہے' اور نماز کی پابند بالکل نہیں ہے۔

(۲) اور زید سود پر قرض لیتا ہے۔

(۳) زید واقف مسلمانوں کے خلاف ناواقف مسلمانوں کو بھڑکاتا ہے' اور ایک گٹ بناکر اکثریت کا دعویٰ کرتا ہے اس طرح اسلام کو کمزور کرتا ہے تو ایسی صورت میں زید کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز و درست ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازا جائے۔

الجواب: قرآن مجید میں ارشاد ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ مرد عورتوں پر حاکم ہیں نیز ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا٥ اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے بیوی، بچوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ لہٰذا ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنی عورت کو پردہ میں رکھے اور نماز و احکام شرع کا حکم کرے اگر حکم نہ کرے تو شوہر مجرم ہے ایسے کے پیچھے نماز درست نہیں اور اگر حکم دینے کے باوجود عورت پردہ سے نہ رہے' اور نماز و احکام شرع کی پابند نہ رہے تو بیوی کا یہ جرم شوہر کے حق میں مانع اقتداء نہیں اس کے پیچھے بشرائط امامت نماز درست ہے۔

(۲) سود لینا اور دینا دونوں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں حدیث شریف میں ہے: الاخذ والمعطی فیه سواء۔ (رواہ مسلم ومشکوٰۃ)

شریف) یعنی سود لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہیں اور سود کا گناہ ایسا ہے' جیسے کوئی معاذ اللہ اپنی ماں سے زنا کرے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے حدیث مروی ہے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الربو سبعون جزأ ایسرھا ان ینکح الرجل امہ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف) یعنی سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں سب میں ہلکا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے زنا کرے۔ لہٰذا سود لینے اور دینے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں ایسے کو امام بنانا گناہ ہے اس لئے زید کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے' اسے امام بنانے والے توبہ کریں اور زید سے بیزاری ظاہر کریں زید جب تک توبہ کر کے اس فعل سے باز نہ آجائے اس کو ہرگز امام نہ بنایا جائے۔

(۳) زید کا ناواقف مسلمانوں کو ورغلانے کا کیا مطلب ہے؟ واضح کر کے لکھنا چاہئے بہر حال زید اگر غلط اور خلاف شرع بات میں نادان مسلمانوں کو اپنا ساتھی بنا کر واقف مسلمانوں کے خلاف کرتا ہے تو یہ بھی ناجائز ہے اس وجہ سے بھی زید امامت کے قابل نہیں جب تک توبہ کر کے صحیح راستہ نہ اختیار کرے اس کو ہرگز امام نہ بنایا جائے زید اسلام اور سنیت پر سچائی کے ساتھ رہ کر امامت کرسکتا ہے' اور امامت نہ بھی کرتا ہو تو بہر حال اپنے مذہب اہلسنّت والجماعت پر صحیح طریقے سے رہنا فرض ہے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا سخت گناہ ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا قرآنی حکم ہے کہ اللہ کی رسی کو مل جل کر مضبوط پکڑ لو یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ ارشاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے یعنی جماعت پر اللہ کا دست رحمت ہے۔ دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ زید کو دینی باتیں بتا کر نرمی اور آسانی سے صحیح راستے پر کریں اور اگر زید پھر بھی شریعت مطہرہ کا احترام نہ کرے اور ناجائز امر سے باز نہ آئے تو اس سے قطع تعلق کریں۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔

کتبہ: نعیم الدین احمد عفی عنہ

۲۹ر جمادی الاول ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: از کرم حسین ساکن یوسف جوت۔ ضلع بستی۔

زید سنی المذہب ہے مگر داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنا یا مونڈانا تمام علمائے محققین کے نزدیک حرام ہے۔ فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے (بہار شریعت جلد شانزدہم ص ۱۹۷) اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''حلق کردن لحیہ ست وروش افرنج وہنود وجوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند وگزاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست یعنی داڑھی مونڈانا حرام ہے' اور انگریزوں، ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے' اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۲۱۲) اور شیخ علاء الدین محمد علی بن حصکفی رحمۃ اللہ علیہ درمختار، م ۔، سیّد محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار جلد دوم ص ۱۱۳

میں، شیخ زین الدین ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ بحر الرائق جلد دوم ص ۲۸۰ میں، امام ابن ہمام فتح القدیر جلد دوم ص ۲۷۰ میں، اور سیّد العلماء حضرت سیّد احمد طحطاوی الاخذ من اللحیۃ وھودون ذلک (ای القدر المسنون وھوا بقبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یجہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند ومجوس الاعاجم اھ۔ یعنی داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اس کو کاٹنا جس طرح کہ بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک حلال نہیں اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے' اور پھر درمختار جلد پنجم کتاب الحظر والاباحہ فصل فی البیع میں ہے: یحرم علی الرجل قطع لحیتہ اھ یعنی مرد پر اپنی داڑھی کا کاٹنا حرام ہے۔ یہ ایک مشت کے اندر کاٹنے کا حکم ہے۔ لانہ صرح فی النھایۃ بوجوب قطع مازاد علی القبضۃ بالضم ومقتضاہ الاثم بترکہ الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت ھٰکذا فی الدر المختار' تو لفظ حرام سے صاف ظاہر ہے کہ ایک مشت رکھنا واجب ہے' اور اگر سنت مؤکدہ ہی مان لیا جائے جب بھی اس کا ترک اساءت اور کرنا ثواب اور نادراً ترک پر عتاب اور اس کے ترک کی عادت پر استحقاق عذاب' تو اس عادت پر اصرار گناہ کبیرہ ہوا۔ ردالمحتار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ جلد چہارم ص ۲۷۷ میں ہے: قال ابن کمال لان الصغیرۃ تاخذحکم الکبیرۃ بالاصرار اھ۔ یعنی فتح القدیر میں علامہ کمال الدین محمد ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسئلہ کی تعلیل میں فرمایا: اس لئے کہ گناہ صغیرہ اصرار کرنے سے گناہ کبیرہ کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

اور کبیرہ کا مطلب فاسق ہے' اور اصرار کے ادنیٰ درجہ کے تین مرتبے ہیں: کما صرح فی الکتب الفقھہ لہٰذا زیدسُنّی المذہب ہونے کے باوجود اگر داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کی عادت پر اصرار کرنے والا ہے تو سنت مؤکدہ فرض کر لینے کی صورت میں وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق معلن ہو گیا اور فاسق معلن کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے ردالمحتار پھر فتاویٰ رضویہ میں ہے: مشی فی شرح المنیۃ علیٰ ان کراھۃ تقدیمہ یعنی الفاسق کراھۃ تحریم اھ۔ درمختار میں ہے: کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مظفر علی کھورئی ضلع ساگر (ایم پی)

ایک آنکھ والا جو حافظ قرآن بھی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے ایک آنکھ والے بکرے کی قربانی درست نہیں اسی طرح ایک آنکھ والے کے پیچھے نماز بھی درست نہیں؟

الجواب: یک چشم اگر سنی صحیح العقیدہ، صحیح القرأت، مسائل نماز سے واقف اور پابند شرع ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے' اور حافظ قرآن ہے تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ امام کو قربانی کے جانور پر قیاس کرنا صحیح نہیں ورنہ کسی کے پیچھے نماز درست نہ

ہوگی اس لئے کہ کسی دو پایہ جانور کی قربانی درست نہیں: کما صرح فی الکتب الفقھة وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سوریا نگر وکرولی بمبئی ۸۳
کیا امام کا مقتدیوں کی نماز صحیح ہونے کے لئے ان کی امامت کی نیت ضروری ہے؟

الجواب: مقتدیوں کی نماز صحیح ہونے کے لئے ان کی امامت کی نیت کرنا امام پر ضروری نہیں، اور اگر کرے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں غنیۃ ص ۲۴۸ میں ہے: لایحتاج الامام فی صحة الاقتداء بہ الیٰ نیة الامامة الا فی حق النساء اھ تلخیصًا۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰؍ جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد عبد القیوم صدر غوثیہ کمیٹی امداد گھر سرائے۔ وجے واڑہ
زید مسجد کا امام ہے اس نے پڑوس کی ایک غیر شادی شدہ عورت کا چھ ماہ حمل گرایا ہے۔ اب زید کو ایسی صورت میں امامت پر رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی اقتدا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کے امام نے اگر واقعی غیر شادی شدہ عورت کا ایسا حمل گرایا ہے تو وہ گناہ عظیم کا مرتکب ہوا۔ علانیہ توبہ و استغفار کرے اور اپنے گناہ پر نادم و شرمندہ ہو۔ اگر وہ ایسا کرے تو اسے امامت پر باقی رکھیں۔ حدیث شریف میں ہے: التائب من الذنب کمن لاذنب لہ، اور اگر وہ علانیہ توبہ و استغفار نہ کرے یا اس میں کوئی دوسری خرابی مانع امامت ہو تو اسے امامت سے الگ کردیں۔ ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸؍ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد صفی اللہ ابو العلائی مقام و پوسٹ جیڈی سی کوٹلری ہزاری باغ۔
ایک مولوی صاحب نے اپنی اہلیہ کا آپریشن کروایا تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مولوی صاحب مذکور نے اگر ضبط تولید کا آپریشن کروایا اور اس کے بغیر چارۂ کار تھا تو وہ سخت گنہگار ہوئے۔ علانیہ توبہ و استغفار کے بعد مولوی مذکور کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: مقبول احمد دھوبی ٹولہ کچھوچھہ شریف فیض آباد

عنین کی امامت درست ہے یا نہیں جب کہ ہر معنی میں وہ بہتر ہے؟

الجواب: عنین اگر صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ اور صحیح القرأۃ ہو اس میں کوئی دوسری وجہ مانع امامت نہ ہو تو اس کی امامت درست ہے۔ وهو تعالىٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
یکم صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: محمد زکریا نیو بھرم پوری پوسٹ ہر ہر۔ چتر ادرگاہ۔ کرناٹک۔

ایک امام جن کی زبان لقوہ کے سبب مارگئی اور ان سے حرف صحیح ادا نہیں ہوتے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جس امام کی زبان لقوہ سے مار گئی ہے اگر پڑھنے میں ان کے حروف صحیح نہیں ادا ہوتے تو صحیح پڑھنے والوں کی نماز ان کے پیچھے نہیں ہوگی۔ ایسے لوگوں کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں درمختار میں توتلے کے پیچھے فساد نماز کا حکم لکھ کر فرماتے ہیں: هٰذا هو الصحيح المختار في حكم الالثغ والكذامن لايقدر على التلفظ بحرف من الحروف۔ وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالرشید جام محلہ بھساول ضلع جلگاؤں (مہاراشٹر)

ہمارے یہاں ایک ہی عیدگاہ ہے جس میں دیوبندی عقیدے کا امام نماز پڑھاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر ہم لوگ کیا کریں؟

الجواب: دیوبندی عقیدے والے اپنے خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ کے سبب کم از کم گمراہ و بدمذہب ضرور ہیں اور ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: يكره تقديم المبتدع لانه فاسق من حيث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حيث العمل لان الفاسق من حيث العمل يعترف بانه فاسق ويخاف ويستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئا علىٰ خلاف ما يعتقده اهل السنة (غنیۃ ص ۴۷۰) لہٰذا آپ لوگ دیوبندی امام کے نماز پڑھانے سے پہلے یا بعد اسی عیدگاہ میں عید کی نماز الگ پڑھیں۔ اگر مخالفین روکیں اور عیدگاہ میں نہ پڑھنے دیں تو مسجد میں پڑھیں۔ وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۴ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد الیاس اشرفی، پیر محمد رضوی سلی گوڑی (مغربی بنگال)

آدمی بالغ ہے مگر اس کی داڑھی نہیں آئی یا ہلکی ہلکی آرہی ہے وہ حافظ بھی ہو چکا ہے یا یہ کہ ایک مشت سے کم ہی داڑھی ہوتی ہے بڑھتی نہیں یا یہ کہ داڑھی نکلنے کا امکان ہی نہیں۔ بتایا جائے کہ ان لوگوں کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں اور ان کی اذان معتبر ہے کہ نہیں؟

الجواب: مذکورہ اشخاص کے پیچھے نماز ہو جائے گی اور ان کی اذان بھی شرعاً معتبر ہے البتہ جو لوگ کہ داڑھی منڈاتے ہیں یا کٹا کر ایک مشت سے کم رکھتے ہیں ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کہ وہ فاسق معلن ہیں۔ ھٰذا خلاصة ما فی الکتب الفقھیة۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ / ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از دین محمد رضوی مقام کھیتکو وایا جرنگڈیہہ ضلع گریڈیہہ (بہار)

ایک پیش امام نے ہرمونیم کے ساتھ ڈھول خود اپنے ہاتھ سے بجایا اور وہ بھی مدرسے کے اندر جو مسجد سے بالکل متصل ہے یعنی سامنے دو گز کے فاصلے میں۔ ایسے پیش امام کے پیچھے بغیر توبہ کئے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جس امام نے ہرمونیم کے ساتھ اپنے ہاتھ سے ڈھول بجایا بغیر توبہ کئے اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں۔ ڈھول بجانے کے بعد توبہ سے پہلے جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں وہ دوبارہ پڑھی جائیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ / رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از رمضان علی۔ محمد چھیدی وغیرہم پٹھانہ جوت مہراج گنج (ترائی) گونڈہ

زید ایک مسجد کا امام ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ ایک مدرسے کا مدرس بھی ہے۔ زید کے بھائی خالد کی باکرہ لڑکی کا نکاح حامد کے ساتھ ہوا تھا مابین زوجین غیر معمولی کشیدگی کی بنیاد پر ناراضگی بڑھتی گئی اور زید نے اپنے بھائی کی لڑکی کو حامد کے طلاق دیئے بغیر دوسری جگہ شادی کر دی، اور وہاں بھیج دیا۔ اب ایسی صورت میں زید قابل امامت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مقتدیوں کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: زید نے اگر واقعی اپنے بھائی کی منکوحہ لڑکی کی شادی بغیر طلاق دوسری جگہ کر دی تو وہ شخص سخت گنہگار، مستحق عذاب نار فاسق معلن اور دیوث ہے وہ ہرگز قابل امامت نہیں۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور نا جائز ہے۔ اس واقعہ

کے بعد جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان سب کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۳۰۷ میں ہے: کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ وھو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸؍ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از علاء الدین گگوانہ۔ اجمیر شریف۔

ایک شخص مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتا ہے عرصہ تین چار ماہ قبل موٹر سے گرنے سے پاؤں کی کولھی میں فریکچر ہوگیا ہے۔ وہ ٹھیک ہونے پر امامت کے فرائض دوبارہ انجام دے رہا ہے رکوع سجدہ قیام میں بھی کسی قسم کی کوئی تکلیف یا دقت نہیں ہوتی۔ کیا کولھی میں فریکچر ہونے کے باعث اب دوبارہ وہ از روئے شرع امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیں۔

الجواب: اگر رکوع اور سجود وغیرہ صحیح طور پر ادا ہو جاتے ہیں تو فریکچر ہونا مانع امامت نہیں۔ لہٰذا شخص مذکور اگر صحیح عقیدہ، صحیح الطہارۃ اور صحیح القرأۃ ہو تو فریکچر کے بعد بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵؍ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از نذیر حیات قادری مقام و پوسٹ کورہی ضلع باندہ

زید جو کہ ایک مسجد کا پیش امام ہے۔ سالہا سال سے لوگوں کو پانچوں وقت کی نماز کے علاوہ عیدالفطر و عیدالاضحیٰ وغیرہ کی بھی نماز پڑھاتا ہے' اور وہ ایسے افعال کا مرتکب ہے جو عندالشرع ناجائز و حرام ہیں مثلاً ناچ دیکھنا وغیرہ اور قصداً جماعت سے نماز نہیں پڑھتا ہے' اور مالک نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ نہیں دیتا، قربانی نہیں کرتا، اور جو نمازیں چھوٹ گئیں ان کی قضا بھی نہیں پڑھتا اور نماز کے ضروری مسائل بھی اسے نہیں معلوم۔ یہاں تک کہ نماز کے فرائض، واجبات بھی نہیں جانتا۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو امام بنانا درست ہے یا نہیں' اور اب تک جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو شخص ناچ دیکھتا ہے، بلا عذر شرعی ترک جماعت کا عادی ہے، مالک نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ نہیں دیتا، نہ قربانی کرتا ہے' اور نماز کے مسائل سے بھی واقف نہیں ہے۔ ایسا شخص فاسق ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں۔ ان کا دوبارہ پڑھنا مسلمانوں پر لازم ہے علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لو قدموا فاسقاً یاثمون بناء علیٰ ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ الیٰ فسقہ اھ (غنیۃ ص ۴۷۹) اور درمختار میں ہے: کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از شیخ محمد جمال چودھری شانتا کروز (ویسٹ) بمبئی ۵۴

محلہ کی مسجد کے امام صاحب نے اپنے لڑکے کو تین سال قبل بغرض ملازمت عرب بھیجا' اور باہر بھیجنے کے لئے جو رقم دلال کو دی جاتی ہے۔ وہ رقم بطور قرض حسنہ ملنے پر دو تین آدمیوں کے ذریعہ سود پر روپیہ جمع کر کے دلال کو دیا۔ نمازیوں میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ سود پر خود رقم لینے یا دوسرے کے ذریعہ لینے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اس لئے لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا بند کر دیا۔ پھر دو دن کے بعد امام صاحب نے یہ کہا کہ میں اپنے لڑکے کے لئے صرف سودی روپیہ کی ضمانت لی تھی۔ اب میں توبہ کرتا ہوں آئندہ میں اس قسم کے گناہ میں نہ پڑوں گا' اور سودی روپیہ جو میرے لڑکے پر ہے وہ خود ادا کرے گا۔ اس قسم میں لین دین میں بھی نہیں رہوں گا' اور پھر توبہ کے بعد لوگوں نے نماز شروع کر دی ہے۔ واضح ہو کہ توبہ سے پہلے چند آدمیوں کے سامنے اقرار کیا تھا کہ وہ سودی روپیہ میں نے لیا تھا اور توبہ میں کہا کہ روپیہ میرے لڑکے کو دیا ہے میں ضامن تھا اور ایسی ضمانت سے توبہ کرتا ہوں بعد توبہ نماز پڑھ رہے ہیں' تو کیا ایسے امام سے پیچھے نماز جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سود حرام اشد حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے: سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کا گناہ ایسے ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سب سے کم درجہ کا گناہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے (العیاذ باللہ) (ابن ماجہ۔ بیہقی) اور سود لینے والے اور دینے والے دونوں گناہ میں برابر ہیں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والوں، سود دینے والوں، سودی دستاویز لکھنے والوں اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے' اور فرمایا کہ وہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ (مسلم شریف) لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر واقعی امام مذکور نے خود سودی روپیہ لیا تھا اور بعد میں کہا کہ میں صرف ضامن تھا تو امام پر سود اور جھوٹ دونوں سے توبہ کرنا واجب ہے' اور جس طرح بھی ممکن ہو سودی روپیہ کا جلد سے جلد واپس کرنا لازم ہے۔ اگر باوجود امکان وہ سودی روپیہ واپس نہ کریں تو ان کے پیچھے توبہ کے بعد بھی نماز نہ پڑھیں' اور چند آدمیوں کے سامنے جو پہلے اقرار کیا تھا کہ سودی روپیہ میں نے لیا تھا۔ اگر اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے لڑکے نے لیا تھا کہ کبھی گھر والوں کا فعل بھی اپنی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے' تو اس صورت میں امام پر سودی روپیہ نکلوانے اور اس پر راضی و ضامن ہونے سے توبہ لازم ہے' اور بعد توبہ ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از پردھان محمد افضل موضع بستی پور۔ اکبر پور ضلع فیض آباد

زید حافظ قرآن ہیں' چالیس سال سے امامت بھی کر رہے ہیں' امامت اس طرح کرتے ہیں کہ عید و بقر عید کی نماز اور جب بھی وہ باہر سے آتے ہیں پابندی سے نماز پڑھاتے ہیں۔ زید چونکہ کچہری میں وکیل کے محرر ہیں اور گاؤں سے دور شہر میں محرری کرتے ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے محرر جو کہ وکیل کے محرر ہوں ان کے پیچھے نماز از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: محرر اگر سودی لین دین اور جھوٹے مقدمات کے کاغذات لکھتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ سودی دستاویز اور جھوٹ لکھنے والا ملعون و فاسق ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث شریف مروی ہے: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکل الربٰو اومو کلتہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والوں، سود دینے والوں، سودی دستاویز لکھنے والوں اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے' اور فرمایا کہ وہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ (مسلم۔ مشکوٰۃ ص ۲۴۴) اور اگر محرر ناجائز امور کے کاغذات نہ لکھتا ہو اور نہ اس میں کوئی دوسری شرعی خرابی ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کہ اس پرفتن دور میں اگرچہ ناجائز امور کے کاغذات لکھنا عام طور پر رائج ہے لیکن اللہ کے بعض نیک بندے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو وکیل کے محرر ہونے کے باوجود ناجائز کاغذات نہ لکھتے ہوں بلکہ اس قسم کے کاغذات وکیل کے دوسرے محرر لکھتے ہوں جیسے کہ بعض لوگ بال بنانے کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں مگر داڑھی نہیں مونڈتے حالانکہ اس پیشہ میں آج کل حلق لحیہ غالب ہے۔ لہٰذا تاوقتیکہ ثابت نہ ہو جائے کہ محرر مذکور ناجائز اور جھوٹے مقدمات کے کاغذات لکھتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا کہ مطلقاً ہر محرر کی امامت کو ناجائز ٹھہرانا غلط ہے۔ ھٰذا ما ظھرلی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از ماسٹر فیض محمد مدرسہ انوار العلوم شہرت گڑھ۔ ضلع بستی

۱- جس مولوی کی شادی نہ ہوئی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲- جس شخص کی داڑھی حد شرع سے کم ہو وہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) مولوی مذکور اگر صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت ہو اس میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اگرچہ شادی نہ ہوئی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ وسبحانہ وتعالٰی اعلم

۲- اگر داڑھی حد شرع تک بڑھی نہ ہو تو وہ امامت کر سکتا ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو' اور اگر داڑھی کٹوا کر حد شرع سے کم رکھتا ہو تو ایسا شخص امامت نہیں کر سکتا کہ ارتکاب حرام کے سبب وہ فاسق معلن ہے درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۲۶۲ میں ہے: بحرم علی الرجل قطع لحیتہ' اور بہار شریعت حصہ شانزدہم ص ۱۹۷ میں ہے: ''داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔ ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از سید نیاز احمد قادری تاڑپتری۔ ضلع انت پور (اندھرا پردیش)

زید کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے۔ اگر دباؤ ڈالنے پر کبھی پڑھ لے تو دہرالیتا ہے۔ سو زید کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر زید از راہ نفسانیت بلا وجہ شرعی کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے تو وہ گنہگار ہے لیکن اگر وہاں کے امام کوئی شرعی خرابی رکھتے ہوں مثلاً صحیح عقیدہ، صحیح طہارت یا صحیح قرأت والے نہیں ہیں یا داڑھی کٹا کر ایک مشت سے کم رکھتے ہیں تو اس صورت میں زید حق بجانب ہے بیشک ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ کما ھو مصرح فی الکتب الفقھۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از شیر محمد انصاری موضع لکھاہی ڈاکخانہ مرزاپور۔ بلرامپور ضلع گونڈہ

ہمارے یہاں جائداد کی تقسیم شرعی طور پر نہیں ہوتی ہے، لڑکی کو حصہ نہیں دیا جاتا، بیوہ کی صرف پرورش ہوتی ہے حصہ نہیں ملتا ہے۔ یہ رائج ہی نہیں ہے، تو شرعی حصہ نہ لینے اور نہ دینے پر امامت کے لئے کیا حکم ہوگا جبکہ اکثر حضرات الا ماشاء اللہ اس فعل میں ملوث ہوں؟۔ بینوا توجروا

الجواب: جائداد کا شرعی طور پر تقسیم نہ کرنا یعنی ماں، بہن وغیرہ عورتوں کو حصہ نہ دینا حرام ہے، اور فعل حرام میں اکثر لوگ ملوث ہوں تو وہ حلال نہیں ہو جائے گا...... اپنا حصہ شرعی نہ لینے پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن دوسروں کا حصہ غصب کرنے والا اگر صاحب حق کو نہ دے اور نہ معاف کرائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از سمیع اللہ موضع جلال ضلع فتح پور

غیر قاری کے پیچھے قاری کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جو ما یجوز بہ الصلاۃ قرأت نہ کرتا ہو وہی عند الشرع غیر قاری اور امی ہے ایسے شخص کے پیچھے قاری

یعنی مایجوزبہ الصلاۃ قرأت کرنے والے کی نماز نہ ہوگی فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصرص ۸۰ میں ہے: لایصح اقتداء القاری بالامی۔ کذا فی فتاویٰ قاضی خاں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۲۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از نصیر احمد قادری گدی پور گونڈہ

زید نے ایک وہابی کا نکاح پڑھا۔ زید سے پوچھنے پر وہ کہتا ہے کہ میں نے نہ جانکاری میں پڑھا ہے زید چونکہ مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس ہے تو بغیر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ہے جو فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب: زید نے اگر واقعی نہ جانکاری میں وہابی کا نکاح پڑھا دیا ہے تو تجدید ایمان تجدید نکاح کے بغیر اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو لیکن زید آئندہ بلا تحقیق کوئی نکاح نہ پڑھنے کا لوگوں کے سامنے عہد کرے اور نکاحانہ پیسہ واپس کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور اس کا بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۱۹/ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد وکیل بھٹملا ضلع بستی

خالد نے جان بوجھ کر ہندہ کا نکاح محمود وہابی کے ساتھ پڑھ دیا عندالشرع خالد پر کیا حکم ہے؟ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وہابی کے ساتھ نکاح پڑھنا جائز نہیں۔ خالد سخت گنہگار لائق عذاب قہار ہے۔ اس پر لازم ہے کہ مجمع عام میں لوگوں کے سامنے علانیہ توبہ واستغفار کرے اور اپنی غلطی پر نادم ہو اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور نہ اس سے کسی قسم کا اسلامی تعلق رکھنا جائز ہے۔ ھٰذا ماظھرلی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۸/ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از معشوق علی ساکن دسیا پوسٹ چیتیا بازار ضلع بستی

زید پڑھا لکھا ہوشیار ہے' اور مدرس کی حیثیت سے علم دین کی تعلیم بھی دیتا ہے' اور اس نے ایک مرتبہ فلم دیکھی اور دوسرے مرتبہ پھر دیکھنے کے لئے گیا مگر اس مرتبہ ٹکٹ نہ پانے کی وجہ سے مایوس ہو کر واپس چلا آیا' اور وہی امامت بھی کرتا ہے۔ آیا اس

کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ایسا شخص فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ لہٰذا ظلم دیکھنے کے بعد جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ہیں ان کو دوبارہ پڑھیں' اور آئندہ تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از حافظ عبد الجبار ۸۵/۵ حویلی کبیر خاں نیکی منڈی۔ آگرہ

کھڑے ہو کر تکبیر سننا کیسا ہے۔ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر ہونی چاہئے یا اندر؟ حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ اپنی مسجد کے امام کو ہم نے ''محققانہ فیصلہ'' دکھا کر ان مسائل سے آگاہ کیا مگر وہ ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلط ہے' تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: کھڑے ہو کر تکبیر سننا مکروہ و منع ہے جیسا کہ ہماری کتاب ''محققانہ فیصلہ'' کے حوالوں سے ثابت ہے خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے مسجد کے باہر پڑھنا سنت ہے جیسا کہ سرکار اقدس صلی المولیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ مبارکہ میں رائج تھا' اور مسجد کے اندر منبر کے قریب جیسا کہ بعض مسجدوں میں رائج ہے خلاف سنت، مکروہ اور منع ہے حوالہ کے لئے محققانہ فیصلہ میں ابوداؤد شریف کی حدیث اور فقہائے کرام کی عبارتیں کافی ہیں۔ ان مسائل کی مخالفت کرنے والے عموماً گمراہ و بدمذہب ہوتے ہیں۔ لہٰذا امام مذکور اگر گمراہ ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال احمد الامجدی

۱۴ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از شیخ عبد الرحمٰن جھلائی دوکان۔ مقام و پوسٹ پٹامنڈی۔ ضلع کٹک

۱- زید نے اپنی خوشی سے اپنے نئے مکان میں اذان دے کر کچھ عوام کو لے کر نماز پنجگانہ شروع کی اور جمعہ بھی پڑھ لیا خود اذان دے کر اس کی ابتدا کی جو کہ آج تک جاری ہے' اور باقاعدہ پیش امام بھی باہر سے لا کر رکھ دیا ہے مسجد قدیم جو کہ آبادی کے وقت سے قائم ہے' اور پچاس گز کے فاصلے پر ہے آیا نئی مسجد جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں مسجد کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟

۲- زید اور پیش امام نے مل کر مصلیوں میں تفرقہ ڈال دیا ہے' اور پرانی مسجد کو برباد کرنے کی کوشش میں لگا ہے' اور جاہل عوام کو بہکا کر مسجد قدیم سے الگ کر دیا ہے ایسے پیش امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید پر اور جن لوگوں نے اس کا ساتھ دیا ہو شرع کا کیا حکم ہے؟

۳- پیش امام مسجد کچھ دن بریلی مدرسہ میں چپڑاسی رہا پھر وہاں سے الگ ہونے کے بعد دیوبندی مدرسہ کا سفیر رہا اور

مدرس بھی پھر دیو بندی بستی میں پیش امام رہا پھر چندہ کی غرض سے بریلوی بن کر آیا اور عوام میں نفاق ڈال کر الگ مسجد بنا کر نماز پڑھانا شروع کر دی اور مسجد قدیم کو برباد کرنے میں لگا ہوا ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس پر شرع کا کیا حکم ہے؟
بینوا توجروا

الجواب: ۱- نئی جگہ جہاں لوگوں کو اکٹھا کر کے زید نے نماز الگ پڑھنی شروع کر دی ہے اگر اس جگہ کو مالک زمین نے مسجد قرار دے دیا ہے تو وہ مسجد کے حکم میں ہے اگر چہ مسجد جیسی عمارت نہ ہو۔

۲- جو شخص کہ کسی مسجد کو برباد کرنے کی کوشش کرے اور از راہ نفسانیت مصلیوں میں تفرقہ ڈالے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور جو لوگ ایسے شخص کا ساتھ دیں وہ گنہگار ہیں قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ (پ۷ع۱۴)

۳- شخص مذکور اگر ایسا ہے کہ دیو بندیوں میں دیو بندی بن جاتا ہے اور سنیوں میں سنی تو وہ دیو بندی بھی ہے اور منافق بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز جائز نہیں اگر چہ وہ دیو بندیت سے توبہ بھی کرے۔ ہاں کچھ زمانہ گزرنے کے بعد جبکہ اس کی سنیت پر اطمینان ہو جائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: امیر المومنین غیظ المنافقین امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب صبیغ سے جس پر بوجہ بحث متشابہات بدمذہبی کا اندیشہ تھا بعد ضرب شاید توبہ لی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجا کہ مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھیں، اس کے ساتھ خرید و فروخت نہ کریں، بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو نہ جائیں، مرجائے تو اس کے جنازہ پر حاضر نہ ہوں۔ بتعمیل حکم احکم ایک مدت تک یہ حال رہا کہ اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے اور وہ آتا تو سب متفرق ہو جاتے۔ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرضی بھیجی کہ اب اس کا حال اچھا ہو گیا اس وقت اجازت فرمائی۔ اخرج نصر المقدسی فی کتاب الحجۃ وابن عساکر (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۳۱۳) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از احمد اللہ خاں محلہ کا ئستھانہ قصبہ رودولی شریف بارہ بنکی

محمد امین اہلسنت کا امام ہے اس کی عمر ۱۶ سال ہے گیارہ پارے قرآن شریف کے حفظ کر چکا ہے کچھ مسائل سے واقفیت رکھتا ہے اس کے بالغ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: لڑکے کی عمر جب پندرہ سال کی ہو جائے تو وہ بالغ ہے اگر چہ اس میں آثار بلوغ نہ پائے جائیں اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مطبوعہ مصر ص ۵۴ میں ہے: السن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریۃ اذا انتھیا الیہ خمس عشرۃ سنۃ عند ابی یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ

تعالیٰ وعلیہ الفتوی۔ لہٰذا اگر محمد امین کی عمر سولہ سال ہے اور وہ صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأۃ اور نماز کے ضروری مسائل جانتا ہے تو اگرچہ اس میں بالغ ہونے کی علامت نہ بھی پائی جائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد وسیم الدین نیپالی متعلم دارالعلوم مبارکپور اعظم گڑھ

ایک شخص میں ذکر وخصیہ پائے جاتے ہیں اور مونچھ وداڑھی بھی پائی جاتی ہے لیکن اس کا پیشاب مقام مخصوص سے ہو کر نہیں گرتا ہے بلکہ اس کے نیچے سے گرتا ہے وہ خنثیٰ ہے یا نہیں؟ وہ شخص اذان وامامت کہہ سکتا ہے اور مردوں کی امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: شخص مذکور میں اگر مردوں کے مخصوص اعضا ذکر وخصیتین پائے جاتے ہیں اور عورتوں کے اعضا نہیں پائے جاتے صرف پیشاب مقام مخصوص کے بجائے نیچے سے گرتا ہے تو وہ شرعاً خنثیٰ نہیں بلکہ مرد ہے اس لئے کہ شریعت میں خنثیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جس میں مرد وعورت دونوں کے مخصوص اعضا پائے جائیں یا ان دونوں کا کوئی بھی مخصوص عضو نہ پایا جائے جیسا کہ حضرت سیّد شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ التعریفات ص ۹۱ میں تحریر فرماتے ہیں: الخنثیٰ فی الشریعۃ شخص آلۃ الرجل والنساء اولیس لہ شی منھما اصلًا اور طحطاوی علیٰ مراقی ص ۱۶۸ میں ہے: ھو مالہ آلۃ الرجال والنساء جمیعا قھستانی اوفاقدھما معا اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل ص ۱۵۴ میں ہے: الخناثی المشکلۃ الذین لم یظھر کونھم من الرجال والنساء کمن معہ علامۃ الذکور والاناث کلیھا اولیس معہ شیء منھما اور غیاث اللغات میں ہے: خنثیٰ بالضم وثائے مثلثہ ومفتوح بمعنی شخصیکہ علامت مرد و زن ہر دو داشتہ باشد از منتخب و صراح وبرھان۔ لہٰذا دوسرے مردوں کی طرح وہ بھی اذان واقامت کہہ سکتا ہے اور مردوں کی امامت بھی کرسکتا ہے بشرطیکہ اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ وھو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از نائب بابا عرف جوکھو بابا موضع دھوبہی پوسٹ کھنڈسری بازار ضلع بستی

زید سنی جماعت کا مستند عالم ہے۔ لیکن اپنی شادی اور اپنے بھائی کی شادی وہابی کی لڑکی سے کی اور اس کے گھر آتا جاتا ہے کھاتا پیتا ہے نیز تعلقات رکھتا ہے۔ لیکن خود اس کا ذبیحہ نہیں کھاتا ہے اور اس کے والد ودیگر گھر والے ذبیحہ بھی کھاتے ہیں نیز زید اپنے گھر والوں کو ذبیحہ کھانے سے منع نہیں کرتا ہے۔ اب ایسی صورت میں زید کو برائے نماز امام بنایا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ نیز زید کے یہاں شادی ودیگر تقریبات میں ہم سنی مسلمان کھانا پینا کھا پی سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل واضح فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب. وہابیوں نے اللہ و رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم کی شان میں شدید گستاخیاں کی ہیں۔ جن کی بناء پر مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ نیز ہندو پاکستان کے سینکڑوں علمائے کرام ومفتیان عظام نے فتویٰ دیا ہے کہ یہ لوگ کافر ومرتد ہیں۔ ان کے یہاں شادی بیاہ کرنا اور ان سے مسلمانوں کی طرح میل جول رکھنا، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا جائز نہیں قال اللہ تعالٰی: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پ ۷ ع ۱۴) رئیس الفقہا حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں: ان القوم الظلمين يعم المبتدع و الفاسق والكافر والعقود مع كلهم ممتنع (تفسیرات احمدیہ ص ۲۵۵) اور حدیث شریف میں ہے: اياكم واياهم لايضلونكم ولايفتنونكم (مسلم شریف) اور مشرک کی طرح مرتد کا ذبیحہ بھی مردار ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مصری ص ۲۵۱ میں ہے: "لاتوكل ذبيحة اهل الشرك والمرتد اھ" تو زید جو اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے تعلقات رکھتا ہے۔ ان کے گھر آتا جاتا ہے، اور کھاتا پیتا ہے نیز اپنے گھر والوں کو وہابیوں مرتدوں کا مردار ذبیحہ کھانے سے منع نہیں کرتا۔ اسے نماز کا امام نہ بنایا جائے کہ ایسے شخص کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے کہ بے وضو نماز پڑھا دیتا ہو یا بے نہائے امامت کر لیتا ہو۔ غنیۃ شرح منیہ اور پھر فتاویٰ رضویہ میں ہے: "لوقدموا فاسقا ياثمون بناء على ان كراهة تقديمه كراهة تحريمة لعدم اعتنائه بامور دينه وتساهله في الاتيان بلوازمه فلايبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلاة و فعل ماينا فيها بل هو الغالب بالنظر الى فسقه۔ اھ۔ اور زید کے گھر والے جب کہ وہابی کا مردار ذبیحہ کھاتے ہیں تو اس کے یہاں شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں سنیوں کا کھانا جائز نہیں۔ وهو تعالٰى اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از ضامن علی حبیبی متعلم صدر العلوم ریلوے مسجد بڑگاؤں (گونڈہ)

۱- زید ایک ایسی مسجد میں امامت کرتا ہے جس کی مجلس انتظامیہ مختلف المذاہب ہے۔ یعنی کوئی وہابی ہے تو کوئی جماعت اسلامی ہے، اور کوئی سنی۔ زید کے کھانے کی باری بھی ان سب حضرات کے یہاں ہے۔ زید سنی ہے مگر نشست و برخاست اور کھانا پینا دیوبندیوں وغیرہ کے یہاں ہے ایسی صورت میں زید کی امامت کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

۲- مذکور زید کہتا ہے کہ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے کھاتا ہوں انتظام ہونے پر نہ کھاؤں گا شرعاً یہ عذر قابل قبول ہے کہ نہیں اور اگر نہیں تو جتنی نمازیں زید کے پیچھے پڑھی گئیں تو اس کا اعادہ ہے کہ نہیں۔

۳- زید بازاروں میں اور شاہراہ عام پر سگریٹ نوشی کرتا ہوا گزرتا ہے۔ جس کی وجہ سے مقتدی بدظن ہیں امام کے لئے یہ فعل کیسا ہے؟

۴- مذکور زید ایک نامحرم کے یہاں جاتا ہے۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہوگی؟ حکم شرع سے واضح اور بین طور پر

فرمائیں؟

الجواب: دیوبندی زمانہ دین کے دشمن اور اللہ و رسول کی بارگاہ کے گستاخ و بے ادب ہیں ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا اور ان کے یہاں باری سے کھانا ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں ہے: سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان مرضوا فلاتعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم وان لقيتموهم فلا تسلموا عليهم ولا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تواكلوهم ولا تناكحوهم ولا تصلوا عليهم ولا تصلوا معهم۔ یعنی بدمذہب اگر بیمار پڑیں تو ان کو عیادت نہ کرو اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو، ان سے ملاقات ہو تو انہیں سلام نہ کرو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو، ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو ورنہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ (مسلم شریف) یہ حکم بدمذہبوں کا ہے اور مرتدین کے لئے حکم بہت سخت ہے۔

لہٰذا جو شخص کہ اللہ و رسول کے دشمنوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا ہے اور ان کے یہاں کھاتا پیتا ہے ایسا شخص بغیر غسل اور وضو کے نماز بھی پڑھ سکتا ہے اور زید کا یہ کہنا کہ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ان کے یہاں کھاتا پیتا ہوں تو وہ مجبوریاں کیا ہیں؟ جو لوگ کہ اس کے ماں باپ کی شان میں گستاخیاں کریں اور ان کو گالیاں دیں کیا ان مجبوریوں کی وجہ سے ایسے لوگوں کے ساتھ وہ نشست و برخاست رکھے گا اور ان کے یہاں کھائے پئے گا؟ اگر نہیں تو پھر اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ وہ نشست و برخاست اور ان کے یہاں کھانا پینا کیوں کر گوارہ کرتا ہے اور زید کا بازار وغیرہ شاہراہ عام پر سگریٹ نوشی کرنا اس کے خفیف الحرکات ہونے کی خبر دیتا ہے اور زید کا نامحرم کے یہاں آمد و رفت رکھنا حد فسق تک پہنچائے گا اور اگر اس سے ہنسی مذاق کرتا ہے یا اس کے ساتھ تنہائی میں اٹھتا بیٹھتا ہے تو فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جو نمازیں پڑھی گئیں ان کا اعادہ کیا جائے۔

حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: لوقدموا فاسقاً یاثمون بناء علی ان کراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور دينه وتساهله في الاتيان بلوازمه فلايبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلوٰة وفعل ماينا فيها بل هو الغالب بالنظر الى فسقه (غنیۃ ص ۴۷۹) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ”اگر فاسق معلن ہے کہ علانیہ کبیرہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پڑھ لی تو پھیرنی واجب“ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۵۳) وهو تعالىٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از حافظ محمد اشفاق حسین صاحب امام مسجد بھوانی پٹنہ ضلع کالاہانڈی۔ اڑیسہ

ہمارے یہاں ایک حافظ صاحب یہی جنہوں نے اشرف علی کے مترجم قرآن شریف میں حفظ کیا ہے یہاں وہ امامت کرتے تھے جب لوگوں کو معلوم ہوا لوگوں نے کہا اس قرآن شریف کو دفن کر دو انھوں نے دفن نہیں کیا امامت چھوڑ دی یہ دوسری جگہ قریب ہی امامت کرتے ہیں ابھی بھی قرآن شریف موجود ہے حافظ صاحب تو عالم نہیں ہیں صرف حافظ ہیں اگر کبھی کوئی سورت کا ترجمہ دیکھنا پڑتا ہوگا تو اسی میں دیکھتے ہوں گے آخر ان کو ضد کیا ہے قرآن شریف کو کیوں نہیں بدل لیتے جبکہ وہ اپنے کو سنی کہتے ہیں...... دوسرے یہ کہ یہی حافظ صاحب ابھی ابھی عرصہ چھ ماہ ہوا اپنے چھوٹے بھائی کی شادی ایک تبلیغی جماعت کا آدمی جو چلہ میں اکثر جایا کرتا ہے تبلیغی جماعت کا ہے اس کی لڑکی کے ساتھ شادی کی ہے کیا ضرورت تھی وہاں شادی کرنے کی دوسری جگہ بھی کر سکتے ہیں؟ کہتے ہیں ہم سنی بنالیں گے مہربانی فرما کر تسلی بخش جواب دیں۔

الجواب: بعض حافظ ایسے ہوتے ہیں کہ جس قرآن مجید میں وہ حفظ کرتے ہیں اس قرآن مجید کی مدد سے اپنے حفظ کو برقرار رکھتے ہیں اور دوسرے قسم کے مطبوعہ قرآن مجید سے اپنے بھولے ہوئے کو یاد نہیں کر پاتے اگر حافظ مذکور کی ایسی ہی حالت ہے تو اسے اس قرآن مجید کے رکھنے اور پڑھنے میں معذور رکھا جائے گا لیکن اس کا ترجمہ اور تفسیر دیکھنا ہرگز جائز نہیں کہ دین وایمان کے لئے زہر قاتل ہے، اور اگر حافظ دوسرے قسم کے مطبوعہ قرآن مجید سے اپنے حفظ کو برقرار رکھ سکتا ہے، اور اپنے بھولے ہوئے کو یاد کر سکتا ہے تو بیشک اسے اس قرآن مجید کو دفن کر دینا چاہئے کہ غیر عالم کے لئے اس کا ترجمہ اور تفسیر فتنہ ہے بلکہ عام علماء کو بھی اس کے ترجمہ اور تفسیر کے مطالعہ کی اجازت نہیں، اور تبلیغی جماعت اور اس کی لڑکی اگر دیوبندی مولویوں کے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸ اور براہین قاطعہ ص ۵۱ پر یقینی اطلاع پاتے ہوئے ان کفری عبارتوں کو حق سمجھتے ہیں تو بمطابق فتویٰ حسام الحرمین باپ مرتد ہے اس سے رشتہ کرنا جائز نہیں اور لڑکی مرتدہ ہے اس کا نکاح کسی سے منعقد ہی نہیں ہو سکتا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۶۳ میں ہے: لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدة ولامسلمة ولا کافرة اصلية وكذالك لايجوز نكاح المرتدة مع احد كذا في المبسوط یعنی مرتد کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے، اور اگر دیوبندیوں کے عقائد کفریہ کو باپ اور بیٹی حق نہیں سمجھتے لیکن ان کا طریقۂ کار وہابیوں جیسا ہے، اور دیوبندیوں کے پیچھے نماز جائز سمجھتے ہیں تو گمراہ ہیں اس صورت میں اگر چہ نکاح منعقد ہو گیا لیکن لڑکی کو توبہ کرانے کے بعد اس کے باپ کے یہاں آمد و رفت رکھنے سے روکنا اور سب کو اس کے تبلیغی باپ سے قطع تعلق رکھنا لازم ہے اگر حافظ مذکور تبلیغی جماعت کے آدمی سے قطع تعلق نہ کرے تو ایسا شخص قابل امامت نہیں۔ وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ / ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از محمد آدم نوری موضع مٹیسر پوسٹ کرہی ضلع سدھارتھ نگر

ہمارے یہاں ایک خاندان آباد ہے جو پشت در پشت اپنے آپ کو شیخ کہتا رہا اور زکوٰۃ وخیرات کھاتا رہا اسی خاندان کے

ایک نوجوان شخص نے کچھ پڑھ لیا تو اب وہ اپنے آپ کو سیّد کہنے اور لکھنے لگا جو منع کرنے پر نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ ہم سیّد ہی ہیں حالاں کہ اس کے پاس سیّد ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور گاؤں کے بڑے بوڑھوں کا بیان ہے کہ یہ شیخ ہیں اور ساری رشتہ داریاں ان کی شیخ ہی برادری میں ہیں کوئی سیّدان کا رشتہ دار نہیں ہے۔ وہی شخص مذکور بروقت گاؤں کے مکتب کا مدرس مقرر رہوا ہے جو مسجد کی امامت بھی کرتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حدیث شریف میں ہے: حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من ادعٰی الٰی غیر ابیه فعلیه لعنة الله والملائكة والناس اجمعین لایقبل الله منه یوم القیمة صرفا ولاعدلا. هٰذا مختصر** ۔یعنی جو شخص اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرے تو اس پر خدا تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہم نے یہ حدیث حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۶۶۷) لہٰذا شخص مذکور کا خاندان جب کہ پشتہا پشت سے شیخ مشہور ہے، اور صدقہ وزکوٰۃ بھی کھاتا ہے، اور اس کی ساری رشتہ داریاں شیخ برادری ہی میں ہیں اور اس کے پاس سیّد ہونے کوئی ثبوت نہیں مگر وہ اپنے آپ کو سید کہتا ہے تو اس کو آگاہ کیا جائے کہ جو شخص اپنا نسب غلط بتائے اس پر اللہ کی لعنت ہے، اور سارے فرشتوں اور سب آدمیوں کی بھی لعنت ہے مزید برآں اس کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی چاہے وہ فرض ہو یا نفل۔ حدیث شریف کے مضمون پر آگاہ ہونے کے بعد اگر شخص مذکور اپنا نسب غلط نہ بتانے کا عہد کرے اور توبہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو، اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ جو شخص اپنے اوپر اللہ کی اور سارے ملائکہ وانسان کی لعنت ہونے سے نہ ڈرے اور اپنی کسی عبادت کے قبول نہ ہونے کا خوف نہ کرے تو بہت ممکن ہے کہ ایسا شخص حالت ناپاکی میں بھی نماز پڑھا دے۔ علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ شرح منیہ میں فاسق کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: **لعدم اعتنائه باموردینه وتساهله فی الاتیان بلوازمه فلا یبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ماینا فیها بل هوالغالب بالنظر الیٰ فسقه**۔ اھ۔ **وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم بالصواب.**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شیخ واجد صدر انجمن گلشن اسلامیہ سنہٹ ضلع بالاسور (اڑیسہ)

سیدی آقائی ومولائی قبلہ مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضور کی خدمت اقدس میں گزارش ہے کہ ہماری مسجد میں ایک امام ہیں جو پانچ وقت نماز پڑھاتے ہیں اور محلہ کے تمام کاموں کو بھی کرتے ہیں، پھر کاروبار میں بھی لگے ہیں، اور ایک دوکان بھی کرتے ہیں روزانہ دوکان میں بیٹھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا

کہنا ہے کہ تجارت میں جھوٹ بولا جاتا ہے۔ کیاان کے پیچھے نماز جائز ہے؟ حضور والا سے دست بستہ گزارش ہے کہ بہت جلد جواب عنایت فرمائیں۔ ہم بہت پریشان ہیں محلہ میں پھوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: امام مذکور اگر صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ اور صحیح القرأۃ ہو تو تجارت مانع امامت نہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، اور یہ خیال کہ تجارت میں جھوٹ بولا جاتا ہے غلط ہے۔ بے شمار مسلمان جنھیں اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا خوف ہے، اور اپنی عاقبت کے خراب ہونے کا ڈر ہے وہ بغیر جھوٹ بولے ہوئے تجارت کرتے ہیں۔ لہٰذا تاوقتیکہ امام کا جھوٹ بول کر تجارت کرنا ثابت نہ ہوجائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی اور دوسری شرعی خرابی نہ ہو۔ وهو تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم جل مجده وصلی اللّٰه علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از صوفی حسن علی۔ سی۔ ایس۔ ٹی روڈ کرلا۔ بمبئی ۰ ۷

بمبئی میں کچھ نام نہاد مولانا ایسے ہیں جو اپنے وطن سے بظاہر دین کا کام کرنے آئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ صرف پیسہ کمانے آئے ہیں۔ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ بدمذہب ہو یا مرتد کوئی بھی انھیں نکاح پڑھانے کے لئے بلائے تو وہ بلا کھٹک نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ کسی محلہ میں اگر بدمذہب یا مرتد ہونے کے سبب نکاح پڑھانے سے کوئی امام انکار کردیتا ہے تو یہ لوگ جاکر نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے اس فعل پر اعتراض کرتا ہے تو جواب دے دیتے ہیں کہ اس کا بدمذہب ہونا ہم کو معلوم نہیں تھا۔ حالانکہ جب دوسرے محلہ کے لوگ نکاح پڑھانے کے لئے بلانے آتے ہیں تو انھیں اس محلہ کے امام اور مولانا سے پوچھنا چاہئے کہ آپ نے نکاح کیوں نہیں پڑھایا۔ لیکن وہ کچھ نہیں پوچھتے۔ بدمذہب ہو یا مرتد۔ وہابی کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ پیسہ چاہے جیسا ملے، تو ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر واقعی وہ لوگ ایسے ہیں جیسا کہ سوال میں لکھا گیا ہے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ جب وہ حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے اور مرتد کے ساتھ نکاح پڑھا کر زنا کا دروازہ کھولنے سے نہیں ڈرتے تو وہ بغیر وضو اور غسل کے نماز بھی پڑھا سکتے ہیں۔ ایسے لوگ سخت فاسق ہیں اور فاسق کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ کما صرح فی الکتب الفقهیة وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

باب الجماعۃ

جماعت کا بیان

مسئلہ: از غلام جیلانی دھورہرا۔ ضلع بستی۔

ظہر کی جماعت کے لئے کم از کم کتنے مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے؟

الجواب: جمعہ اور عیدین کے علاوہ دیگر نمازوں کی جماعت کے لئے امام کے ساتھ کم از کم ایک مقتدی کا ہونا ضروری ہے درمختار میں ہے: اقلھا اثنان واحد مع الامام اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذا زاد علی الواحد فی غیر الجمعۃ فھو جماعۃ کذا فی السراجیۃ۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از بھاؤ پور بستی مرسلہ ارکان مدرسہ عربیہ مخزن العلوم

(۱) امام کے لئے کتنی شرائط کی پابندی ضروری ہے، اور نماز جماعت سے اعراض کی شرعاً کتنی صورتیں ہیں اور بلا وجہ شرعی محض ضد و نفسانیت سے عمداً ترک جماعت کا مرتکب کیسا ہے؟ (۲) ایک ایسی جگہ جہاں امام معین موجود ہو اور جہاں ایک ہی مسجد اور ایک ہی عیدگاہ ہو کیا اسی عیدگاہ میں دو مختلف جماعتیں جائز ہیں اگر فتویٰ جواز پر ہو تو حوالہ تحریر فرمائیں اور اگر ایک ہی جماعت درست ہے تو وہ جماعت کون سی ہے امام معین کی یا دوسری جماعت؟ نیز فریق ثانی کا جرم کس درجہ کا ہے؟

الجواب: (۱) مرد غیر معذور کے امام کے لئے چھ (۶) شرائط کا جامع ہونا لازم ہے۔ اسلام، عقل، بلوغ، مرد ہونا، غیر معذور ہونا، قرأت۔ شامی میں ہے: شروط الامامۃ للرجال الاصحاء ستۃ اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورۃ والقراءۃ والسلامۃ من الاعذار اھ۔ جس جماعت کا امام فاسق معلن یا بدمذہب ہو اس سے اعراض کرنا ضروری ہے۔ بلا وجہ شرعی محض ضد و نفسانیت سے عمداً ترک جماعت کا ارتکاب گناہ ہے، اور بار بار ترک جماعت پر فاسق مردود الشہادۃ ہوگا۔ (۲) عیدگاہ مذکور کے امام معین میں جب کہ شرعی قباحت نہ ہو تو اس عیدگاہ میں دو مختلف جماعتیں جائز نہیں جماعت اسی امام معین کی درست ہے۔ فریق ثانی پر تفریق بین المسلمین کا جرم عائد ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: بدر الدین احمد رضوی

۱۷ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: ازمحمد سلیم حبیبی (ہوڑہ)

(۱) اگر جماعت کا وقت ہونے پر بکر اقامت کہہ دے اور ایک شخص درمیان صف میں نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے بعد والے لوگ اس کے اختتام نماز کا انتظار کریں گے یا اس کے پڑھتے ہوئے نماز کی نیت باندھ لیں گے اور اپنی نماز پوری کر کے وہ شخص بھی اپنی جگہ درمیان میں ہاتھ باندھ کر شامل ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہو تو قطع صف ہوگا یا نہیں؟

(۲) پہلی صف بالغوں سے پر ہے دوسری صف میں نابالغ بچے کھڑے ہیں۔ اب بعد میں آنے والے بالغ حضرات صف میں کہاں کھڑے ہوں؟ جب کہ لڑکوں کی صف پوری نہیں ہے بلکہ دائیں بائیں جگہ خالی ہے۔

الجواب: (۱) اس کا انتظار نہیں ہوگا۔ اس کے پڑھتے ہوئے دوسرے لوگ نماز کی نیت باندھ لیں گے اور وہ شخص اپنی نماز پوری کر کے شامل ہو جائے گا' اور یہ صورت قطع صف میں داخل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) بعد میں آنے والے بالغ حضرات لڑکوں کی صف میں کھڑے ہوں کہ اس مسئلہ میں نابالغ بالغ کے حکم میں ہے: لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی بانس والیتیم واقامھما خلفہ۔ مشکوٰۃ شریف باب الموقف میں ہے: عن انس قال صلیت وانا ویتیم فی بیتنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وام سلیم خلفنا۔ (رواہ مسلم) بحرالرائق میں ہے: ظاھر حدیث انس انہ یستوی بین الرجل والصبی ویکونان خلفہ فانہ قال فصفت انا والیتیم وراءہ والعجوز من ورائنا ویقتضی ایضًا ان للصبی الواحد لایکون منفرداً عن صف الرجال بل یدخل فی صفھم۔ اھ۔ تو جب ایک بالغ اور نابالغ کی صف قائم ہو سکتی ہے' اور ایک نابالغ مردوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو سکتا ہے تو صورت مسئولہ میں چند بالغ نابالغوں کے برابر بھی کھڑے ہو سکتے ہیں اور یصف الرجال ثم الصبیان کا حکم وجوبی نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی محمود شاہ ابوالعلائی محمد اسٹیٹ سی۔ ایس۔ ٹی روڈ کالینہ بمبئی ۹۸

ہمارے محلہ میں محمدی مسجد کے امام اور مقتدی سنی حنفی ہیں جس میں کچھ غیر مقلد آ کر جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور بلند آواز سے آمین کہتے اور رفع یدین کرتے ہیں تو اس سے حنفیوں کی نماز میں خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ ان کو حنفیوں کی مسجد میں آنے سے روکنا کیسا ہے؟ اور جو لوگ کہ ہماری جماعت میں ان کے شریک ہونے پر راضی ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: جماعت میں غیر مقلدوں کے شریک ہونے سے بیشک نماز میں خرابی پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ ان کی نماز باطل ہے تو جس صف کے بیچ میں وہ کھڑے ہوتے ہیں شریعت کے نزدیک حقیقت میں وہ جگہ خالی ہوتی ہے جس سے صف قطع ہوتی ہے' اور قطع صف حرام ہے۔ حنفیوں پر لازم ہے کہ ان کو اپنی مسجد میں آنے سے منع کریں اگر قدرت کے باوجود ان کو نہیں روکیں گے تو گنہگار ہوں گے' اور جو لوگ کہ حنفیوں کی جماعت میں ان کے شریک ہونے پر راضی ہیں وہ بھی گنہگار مستحق وعید

عذاب ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: غیر مقلدین زمانہ بحکم فقہاء وتصریحات عامہ کتب فقہ کافر تھے ہی جس کا روشن بیان رسالہ الکوکبۃ الشھابیۃ ورسالہ سل السیوف ورسالہ النھی الاکید وغیرہا میں ہے' اور تجربے نے ثابت کر دیا کہ وہ ضرور منکرین ضروریات دین ہیں اور ان کے منکروں کے حامی وہمراہ تو یقیناً قطعاً اجماعاً' ان کے کفر وارتداد میں شک نہیں اور کافر کی نماز باطل تو وہ جس صف میں کھڑے ہوں گے اتنی جگہ خالی ہوگی اور صف قطع ہوگی اور قطع صف حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفاقطعه الله جو صف کو ملائے اللہ اسے اپنی رحمت سے ملائے اور جو صف قطع کرے اللہ اسے اپنی رحمت سے جدا کرے' تو جتنے اہل سنت ان کی شرکت پر راضی ہوں گے یا باوصف قدرت منع نہ کریں گے سب گنہگار و مستحق وعید عذاب ہوں گے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۳۵۶) وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از شیخ لعل محمد امام اقصیٰ مسجد پوسٹ ومقام پوسد ضلع ایوت محل (مہاراشٹر)

(۱) مسجد محلّہ جس کا امام ومؤذن مقرر ہے بطریق مسنون جماعت ہو چکی ہے اب دوسری جماعت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب فقہ تحریر فرمائیں۔

(۲) یہاں پر دستور ہے کہ نماز پڑھانے کے بعد امام اپنی جگہ ہی پر نماز پڑھتا ہے' اور سنت ونوافل پڑھنے کے بعد دعائے ثانی بآواز بلند کرتا ہے بعدہٗ فاتحہ پڑھتا ہے' اور ایسا ہر نماز پنجگانہ کے بعد کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ ایسا کرنے کو ناجائز وبدعت کہتے ہیں...... لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ امام کا اپنی ہی جگہ پر رہ کر نماز پڑھنا اور بعد نماز فاتحہ پڑھنا اور اس کا دستور بنا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ قرآن وحدیث جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: (۱) مسجد محلّہ میں جس کا امام ومؤذن مقرر ہوں اس میں محلّہ والے بطریق مسنون موافق المذہب امام کے پیچھے جماعت کر چکے اس کے بعد باقی لوگوں کا اس مسجد میں دوسری جماعت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ظاہر الروایۃ سے حکم کراہت نقل کیا گیا ہے' مگر فقہائے کرام نے فرمایا کہ حکم کراہت صرف اس صورت میں ہے جب کہ باقی لوگ دوسری اذان کے ساتھ جماعت ثانیہ کریں ورنہ بالاجماع مکروہ نہیں۔ اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر باقی لوگ اذان جدید کے ساتھ اعادۂ جماعت کریں تو مکروہ تحریمی ہے' اور اگر محراب نہ بدلیں تو مکرہ تنزیہی ہے' اور اگر اذان دوبارہ نہ پڑھیں اور محراب بدل کر جماعت ثانیہ قام کریں تو بلا کراہت جائز ہے یہی صحیح ہے' اور اسی پر فتویٰ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۷۷ میں ہے: المسجد اذاكان امام معلوم وجماعة معلومة في محلة فصلى اهله بالجماعة لايباح تكرارها فيه باذان ثان اما اذا صلوا بغير اذان يباح اجماعاً و كذا في مسجد قارعة الطريق كذا في شرح المجمع للمصنف اھ۔ اور فتاویٰ بزازیہ جلد اوّل مع ہندیہ ص ۶۲ و ردالمحتار جلد اوّل ص ۲۶۵ میں ہے: عن ابی

یوسف اذا لم تکن علی الھیئۃ الاولٰی لاتکرہ والاتکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ کذا فی البزازیۃ انتھٰی وفی التاتارخانیۃ عن الولوالجیۃ وبہ ناخذ اھ۔ مگر یہ جماعت ثانیہ کا جواز صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو کبھی کسی عذر کے سبب جماعت اولیٰ کی حاضری سے محروم رہے نہ یہ کہ جماعت ثانیہ کے بھروسے پر بلا عذر شرعی قصداً جماعت ترک کرے یہ بلاشبہ ناجائز وگناہ ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

(۲) جائز ہے بشرطیکہ اس کے خلاف کو جائز نہ سمجھتا ہو کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب لوگوں کا مجموعی طور پر دعا کرنا اور سورۂ فاتحہ یا دوسری آیتوں کو تلاوت کے بعد اس کا ایصال ثواب کرنا شرعاً ممنوع نہیں کہ بندہ جب چاہے تنہا دعا کرے یا مجموعی طور پر اسے شریعت کی جانب سے اختیار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اپنی تلاوت یا کسی کار خیر کے ایصال ثواب کا بھی ہر وقت مجاز ہے۔ رہا سوال اس کے دستور بنا لینے کا تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسے کہ بعض لوگ بعد نمازِ فجر تلاوت قرآن کریم کا دستور بنا لیتے ہیں حالانکہ شریعت نے بعد نماز فجر تلاوت قرآن کے لئے وقت نہیں معین فرمایا ہے' اور بخاری و مسلم کی حدیث ہے: کان عبداللّٰہ بن مسعود یذکر الناس فی کل خمیس۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرماتے تھے حالانکہ شریعت نے ہر جمعرات کو وعظ کے لئے حکم نہیں دیا ہے۔ رہا اس طریقے کو بدعت کہنا تو وہ بدعت ضرور ہے مگر بدعت سیئہ نہیں ہے بلکہ بدعت حسنہ یا بدعت مباحہ ہے' اور بدعت حسنہ و بدعت مباحہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہیں۔ مثلاً مسلمان بچوں کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں کلموں کی تعداد، ان کی ترتیب اور ان کے نام سب بدعت ہیں۔ قرآن کریم کے تیس پارے بنانا ان میں رکوع قائم کرنا اور اس پر زبر زیر وغیرہ لگانا اور آیتوں کا نمبر لگانا سب بدعت ہے حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا یہ بھی بدعت ہے اصول حدیث اور اصول فقہ کے سارے قاعدے قانون بدعت ہیں۔ فقہ اور علم کلام یہ بھی از اوّل تا آخر بدعت ہے نماز میں زبان سے نیت کرنا بدعت اور رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نعمۃ البدعۃ ھٰذہٖ۔ یعنی یہ بہترین بدعت ہے۔ (بخاری شریف مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۵) روزہ کی نیت اس طرح زبان سے کہنا: نویت ان اصوم غدا للّٰہ تعالٰی من فرض رمضان اور افطار کے وقت زبان سے کہنا: اللھم لک صمت وبک امنت وعلیک توکلت وعلٰی رزقک افطرت۔ یہ بھی دونوں بدعت ہیں اس طرح شریعت کے چار طریقے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی' اور طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی سب بدعت ہیں اور ان کے وظیفے جو دستور کے مطابق پڑھے جاتے ہیں اور مراقبے و چلے وغیرہ بھی بدعت ہیں جن کو سب لوگ دین کا کام سمجھ کر کرتے ہیں لہٰذا جس طرح یہ سب بدعتیں جائز ہیں اسی طرح دعائے ثانی و فاتحہ کی بدعت بھی جائز ہے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از سیّد عبدالرؤف مدرسہ عین العلوم بیت الانوار گیوال بیگھہ گیا۔

جامع مسجد اورنگ آباد میں نظام الاوقات کی پابندی کے ساتھ نماز پنجگانہ باجماعت ایک حافظ عالم کی امامت واقتداء میں مدتوں سے ہوتی چلی آئی ہے اندریں صورت اگر مختلف مصلین کا بعد اختتام جماعت اسی جامع مسجد میں کسی دوسرے امام کی امامت واقتداء میں جماعت ثانیہ کا اس بنیاد پر قائم کرنا کہ جامع مسجد بازار اور گزرگاہ عام پر واقع ہے تو کیا عندالاحناف ازروئے فقہ جماعت ثانیہ کا قائم کرنا بلا کراہت جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں اورنگ آباد کی جامع مسجد اگر شارع عام یا بازار میں ہے: جس کے لئے اہل معین نہیں تو بالاجماع اس میں جماعت ثانیہ ثالثہ اور رابعہ وغیرہ قائم کرنا جائز بلکہ شرعاً یہی مطلوب ہے کہ جو لوگ آتے جائیں بر اذان جدید و تکبیر جدید جماعت کرتے جائیں' اور اگر بلذار یا گزرگاہ عام پر واقع ہونے کے باوجود اس کے اہل معین ہیں یعنی جماعت خاصہ سے مخصوص ہے تو امام کے سنی صحیح العقیدہ جامع شرائط امامت ہونے کی صورت میں قصداً جماعت اولیٰ کو چھوڑ کر بطور عادت جماعت ثانیہ قائم کرنا ہرگز درست نہیں۔ ہاں احیاناً کسی عذر کے سبب جماعت اولیٰ کی حاضری سے محروم رہے تو جماعت ثانیہ قائم ہوسکتی ہے۔ هٰذا خلاصة ماقال الامام احمد رضا رحمة الله عليه فى الجزء الثالث من الفتاوىٰ الرضويه...... اور اگر امام مذکور وہابی غیر مقلد یا وہابی دیوبندی یا مودودی یا تبلیغی یا صلح کلی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا باطل ہے اسے امامت سے الگ کر دیں اور اگر عدم استطاعت کے باعث الگ نہ کر سکیں تو اپنی جماعت الگ قائم کریں۔ شرح عقائد نسفی ص ۱۱۵ میں ہے: لاكلام فى كراهة الصلوٰة خلف الفاسق والمبتدع هٰذا اذا لم يؤد الفسق والبدعة الىٰ حد الكفر اما اذا ادىٰ اليه فلا كلام فى عدم جواز الصلوٰة خلفه. اھ۔ والله اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از محبوب خاں عرفانی ٹرسٹی جامع مسجد منچر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

نماز تہجد اور صلاۃ التسبیح جماعت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ۔ تداعی کے معنی ہیں ایک دوسرے کو بلانا' جمع کرنا اور اسے کثرت جماعت لازم عادی ہے۔ جس کی تحدید یوں فرمائی گئی ہے کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلا کراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔ هٰكذا فى الفتاوىٰ الرضويه. وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد حنیف معرفت جمال وارثی پوسٹ پارہ کلاں ضلع رائے بریلی

(۱) جن لوگوں کے گھر پر اذان سنائی دیتی ہے' اور وہ لوگ نماز فجر یا عشاء اپنے گھر ہی میں پڑھ لیتے ہیں ایسے لوگوں کی

نمازیں گھر پر بلا عذر شرعی ہوں گی یا نہیں؟

(۲) شرعی عذر کیا ہیں جن کی بناء پر گھر پر نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب: (۱) اللهم هداية الحق والصواب. جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے تنویر الابصار اور درمختار میں ہے: قيل واجبة وعليه العامة اى عامة مشايخنا وبه جزم في التحفة وغيرها قال في البحر وهوراجح عند اهل المذهب. اور حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز قائم کرتا اور اپنے نوجوانوں کو حکم دیتا کہ جو کچھ بے نمازیوں کے گھروں میں ہے اسے جلا دیں۔ (مشکوٰۃ شریف) لہٰذا جو لوگ کہ بلا عذر شرعی نمازیں گھر میں پڑھ لیتے ہیں اگر چہ ان کی نمازیں ہو جاتی ہیں مگر ایک بار ایسا کرنے والا ترک جماعت کے سبب گنہگار مستحق سزا ہے اور کئی بار بلا عذر ترک جماعت کرنے والا فاسق مردود الشہادۃ ہے۔ اگر پڑوسیوں نے سکوت کیا اور جماعت میں شریک ہونے کی تاکید نہیں کی تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۳۲۷) وهو تعالیٰ اعلم

(۲) اندھا یا اپاہج ہونا، اتنا بوڑھا یا بیمار ہونا کہ مسجد تک جانے سے عاجز ہو سخت بارش یا شدید کیچڑ کا حائل ہونا، آندھی یا سخت اندھیری یا سخت سردی کا ہونا اور پاخانہ پیشاب کی شدید حاجت کا ہونا وغیرہ۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۳۲۹ بحوالہ درمختار) وهو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد حنیف مدرسہ اسلامیہ جلال پور سکندرہ پوسٹ مدیا پور۔ ضلع کانپور

وہ کیا کیا عذر ہیں جن کی بناء پر گھر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: نفل نماز بلا عذر شرعی اپنے اپنے گھروں میں پڑھ سکتے ہیں اور فرض نماز کو جماعت سے پڑھنے کے لئے حدیث شریف میں بڑی تاکید آئی ہے لہٰذا بلا عذر شرعی جماعت چھوڑ کر گھر پر نماز پڑھنا گناہ ہے۔ مریض جسے مسجد تک جانے میں مشقت ہو، اپاہج جس کا پاؤں کٹ گیا ہو، جس پر فالج گرا ہو۔ اتنا بوڑھا کہ مسجد تک جانے سے عاجز ہو۔ اندھا اگرچہ اندھے کے لئے کوئی ایسا ہو جو مسجد تک پہنچا دے سخت بارش اور شدید کیچڑ کا حائل ہونا، سخت سردی، سخت تاریکی، سخت آندھی، مال یا کھانے کے تلف ہو جانے کا اندیشہ، تنگ دست کو قرض خواہ کا خوف، ظالم، خوف، پاخانہ پیشاب کی شدید حاجت، کھانا حاضر ہو اور نفس کو اس کی خواہش ہو اور مریض کا تیماردار ہونا کہ جس کے چلے جانے سے مریض کو تکلیف ہوگی یہ سب شرعاً عذر ہیں ان صورتوں میں جماعت چھوڑ کر گھر پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰/ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: ازمحمد طاہر پاشا۔ مقام بنکا پور ضلع دھارواڑ (کرناٹک)

(۱) نماز میں امام کا وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرنا چاہئے؟

(۲) دو آدمی نماز پڑھ رہے تھے۔ تیسرا آدمی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہے تو وہ کس طرح جماعت میں شامل ہو۔ زید کہتا ہے کہ وہ امام کو اشارہ کرے اور امام قرأت کرتے ہوئے سیدھے پیر کا انگوٹھا نہ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھے تو کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو صحیح کیا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: (۱) نماز میں امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ دوسرے کو امامت کے لئے خلیفہ بنا سکتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام ناک بند کر کے پیٹھ جھکا کر پیچھے ہٹے اور اشارہ سے کسی کو خلیفہ بنانے میں کسی سے بات نہ کرے درمختار میں ہے: استخلف ای جازله ذٰلك اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۸۹ میں ہے: صورة الاستخلاف ان یتاخر محدودبا واضعا یده علی انفه یوهم انه قدر عف ویقدم من الصف الذی یلیه ولایستخلف بالکلام بل بالاشارة. اھ۔ لیکن چونکہ خلیفہ بنانے کا مسئلہ ایک ایسا سخت دشوار مسئلہ ہے کہ جس کے لئے شرائط بہت ہیں اور مختلف صورتوں میں مختلف احکام ہیں جن کی پوری رعایت عام لوگوں سے مشکل ہے اس لئے جو بات افضل ہے اسی پر عمل کریں یعنی وہ نیت توڑ دی جائے اور ازسرنو نماز پڑھی جائے بلکہ جو لوگ کہ علم کافی رکھتے ہیں اور اس کے شرائط کی رعایت پر قادر ہیں ان کے لئے بھی ازسرنو نماز پڑھنا فاضل ہے ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۰۵ میں ہے: استینافه افضل ای بان یعمل عملا یقطع الصلاة ثم یشرع بعد الوضوء شرنبلا لیه عن الکافی۔ اھ۔ وهو سبحانه اعلم

(۲) ایک شخص امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا پھر تیسرے نے جماعت میں شامل ہونا چاہا تو امام آگے بڑھ جائے یا مقتدی پیچھے ہٹ جائے یا آنے والا خود اس کو پیچھے کھینچ لے یہ تینوں صورتیں جائز ہیں ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۸۲ میں ہے: اذا اقتدیٰ بامام فجاء اخر یتقدم الامام موضع سجدوه کذا فی مختار النوازل وفی قهستانی عن الجلابی ان المقتدی یتاخر۔ اھ۔ اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۳۰۹ میں ہے: لو اقتدی واحد بآخر فجاء ثالث بجذب المقتدی۔ اھ۔ لیکن اگر آنے والے کا حکم مان کر آگے بڑھا یا مقتدی پیچھے ہٹا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر حکم شرع پر عمل کرنے کی نیت سے حرکت کی تو نماز فاسد نہ ہوگی لہٰذا آنے والے کے اشارے کے تھوڑا ٹھہرے پھر ہٹے درمختار میں ہے: لو امتثل امر غیره فقیل له تقدم فتقدم فسدت بل یمکث ساعة ثم یتقدم برایة قهستانی اھ۔ زید کا قول صحیح ہے مگر امام قرأت کرتے ہوئے اور سیدھے پیر کا انگوٹھا نہ اٹھاتے ہوئے بڑھنے کی شرط لگانا صحیح نہیں۔ وهو تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از غلام مرتضیٰ۔ سیوان (بہار)

اگر امام کی دائیں جانب مقتدی زیادہ ہوں اور بائیں جانب کچھ کم ہوں یا دونوں جانب برابر ہوں تو نئے آنے والے مقتدی کو کہاں کھڑا ہونا چاہیے؟

الجواب: بائیں جانب مقتدی کچھ کم ہوں تو آنے والے مقتدی کو بائیں جانب کھڑا ہونا افضل ہے کہ وہ اقرب الی الامام ہے' اور دونوں جانب برابر ہونے کی صورت میں دائیں جانب کھڑا ہونا افضل ہے۔ بحر الرائق میں ہے: اذا استوی جانبا الامام فانه یقوم الجائی عن یمینه وان ترجح الیمین فانه یقوم عن یساره اور عالمگیری میں ہے: افضل مکان المأمون حیث یکون اقرب الی الامام فان تساوت المواضع ففی یمین الامام وھو الاحسن ھٰکذا فی المحیط۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عندالله تعالٰی ورسولهٗ جل جلاله وصلی الله علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

مسئلہ: از محمد ابوظفر رضوی۔ بی ۱۸/۱۳۴ ار یوڑی تالاب وارانسی۔

وہابی دیوبندی اگر صف میں کھڑا ہے تو صف منقطع ہوگی یا نہیں اور اگر ہم وہابی دیوبندی کو مسجد سے باہر کرتے ہیں تو فتنہ پیدا ہونے کا ڈر ہے تو اس صورت میں کیا کریں؟ حضور والا سے گزارش ہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ کا مفصل و مدلل جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

الجواب: وہابی دیوبندی اپنے کفریات قطعیہ کی بناء پر بمطابق فتویٰ حسام الحرمین مسلمان نہیں۔ ان کی نماز شرعاً نماز نہیں لہٰذا دیوبندی وہابی صف کے درمیان کھڑے ہوں گے تو یقیناً صف منقطع ہوگی سنیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی مسجدوں میں اعلان کردیں کہ کوئی وہابی دیوبندی ہماری صفوں میں نہ گھسے بلکہ ہماری مسجدوں میں نہ آئے کہ وہ موذی ہے' اور ہر موذی کو مسجد میں آنے سے روکنا لازم ہے درمختار میں ہے: یمنع منه کل موذولو بلسانه۔ ملخصًا۔ یعنی ایذا دینے والے کو مسجد میں آنے سے روکا جائے اگرچہ وہ صرف زبان ہی سے ایذا دیتا ہو' تو اللہ عزوجل اور رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو گالیاں دینے والوں سے بڑھ کر موذی کون ہوگا لہٰذا ان کو مسجد میں آنے سے روکا جائے اور آجائیں تو باہر کردیا جائے اور اگر باہر کرنے میں فتنہ ہوگا اور سنی اس فتنہ کا مقابلہ کرسکتے ہیں تو اس صورت میں بھی ان کو باہر کرنا لازم ہے ہاں اگر فتنہ کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو باہر کرنا لازم نہیں لیکن اگر فتنہ کا بہانہ ہے' اور حقیقت میں سنیوں کی سستی غفلت اور لاپرواہی سے وہابی دیوبندی سنیوں کی مسجد میں آتے ہیں اور صفوں میں گھستے ہیں تو اس محلہ کے سب سنی گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۳۰؍محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد عبد الجبار مدرس مصباح العلوم بابا گنج ضلع بہرائچ
جماعت ہو رہی ہے اور مسجد میں نیچے جگہ نہیں ہے تو کیا بقیہ لوگ چھت پر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: اگر جماعت کے لئے جگہ تنگ ہو نیچے نہ ہو تو باقی لوگ مسجد کی چھت پر صف بندی کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں یہ بلا کراہت جائز ہے۔ بشرطیکہ چھت پر اقتداء کرنے والوں کے لئے امام کا حال مشتبہ نہ ہو اور نیچے جگہ ہوتے ہوئے اوپر جماعت قائم کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں بحوالۂ عالمگیری منقول ہے: الصعود علی کل مسجد مکروہ ولهٰذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علی سطحه. کذا فی الغرائب. واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۹؍صفر المظفر ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از حاجی عین اللہ بھگوت پور۔ ضلع بستی
امام اتنا جلد باز ہے کہ مقتدی ثنا یا دعائے ماثورہ نہیں پڑھ پاتا تو مقتدی کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: امام کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہئے کہ مقتدی ثنا یا دعائے ماثورہ نہ پڑھ سکیں، اور پڑھنے میں اتنی دیر بھی نہ لگانی چاہئے کہ مقتدیوں پر گراں ہو۔ اگر امام نے قرأت شروع کر دی اور مقتدی ثنا مکمل نہ کر سکا تھا تو چھوڑ دے۔ اسی طرح اگر دعائے ماثورہ پوری نہ پڑھ سکا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دے لیکن اگر مقتدی التحیات عبدہٗ ورسولہٗ تک نہ پڑھ سکا تھا کہ تیسری رکعت کے لئے امام کھڑا ہو گیا یا قعدۂ اخیرہ میں سلام پھیر دیا تو مقتدی التحیات عبدہٗ ورسولہٗ تک بغیر پڑھے نہ کھڑا ہو سکتا ہے نہ سلام پھیر سکتا ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۶؍جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ

مسئلہ: از اکرام حسین ساکن مجھوا سیٹھ پوسٹ ٹنڈوا ضلع بستی
ہمارے گاؤں میں دو اہل سنت جماعت کی مسجدیں ہیں، اور دونوں میں اہل سنت جماعت کے امام بھی مقرر ہیں۔ ایک مجد ہمارے دروازے کے سامنے ہے، اور دوسری مسجد گھر کے قریب مجوگز کی دوری پر ہے نماز کی تعداد دونوں میں برابر ہے، اور

سامنے والی مسجد میں اذان ہورہی ہو تو کیا ہم دور والی مسجد میں نماز جا کر ادا کریں یا گھر کے سامنے والی مسجد میں؟ امام یہ بھی کہتا ہے اگر مجھ میں کسی قسم کی خرابی پائی جائے تو آپ بھی نماز پڑھا سکتے ہیں۔ پھر وہ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھاتا ہے یعنی گھر کے سامنے والی مسجد میں اب اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے ویسے تو ہم کہیں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب: قریب کی مسجد کی جماعت کو چھوڑ کر دور کی مسجد میں جانے والا اگر اس مسجد کا امام یا مؤذن یا مقیم جماعت ہو یعنی اس کے نہ جانے کے سبب جماعت میں خلل کا اندیشہ ہو یا کوئی اور وجہ شرعی ضروری ہو تو دور کی مسجد میں جانا ضروری ہے اور اگر کوئی وجہ شرعی نہ ہو تو قریب کی مسجد کو چھوڑ کر دور کی مسجد میں جانا بہتر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷؍رجب المرجب ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از حافظ محمد اصغر علی موضع گنوریا ڈاکخانہ حسین آباد گرنٹ تحصیل اترولہ (گونڈہ)

ہمارے یہاں دیہاتوں میں بعض جگہوں پر بعد نماز جمعہ فوراً دوبارہ تکبیر کہی جاتی ہے اور اسی مصلیٰ و مقام پر چار رکعت نماز فرض ظہر بجماعت پڑھی جاتی ہے اس پر کچھ لوگوں کا اعتراض ہے لہٰذا ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کافی ہے یا ظہر کی نماز بجماعت پڑھنا ضروری ہے اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ اور علمائے جمہور کا کیا حکم ہے؟ آگاہ فرمائیں۔

الجواب: بالاتفاق علمائے حنفیہ دیہات میں جمع کی نماز کافی نہیں مگر جہاں عوام پڑھتے ہوں انہیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ ھدایہ جلد اوّل میں ہے: لاتصح الجمعة الا فی مصر جامع اومصلی المصر ولاتجوز فی القریٰ لقوله علیه السلام لاجمعة ولاتشریق ولااضحی الافی مصر جامع اھ۔ لہٰذا دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھنے سے ظہر کی فرض نماز ساقط نہ ہوگی بلکہ اس کا پڑھنا ضروری ہے تو اسے اور دنوں کی طرح جماعت ہی سے پڑھیں کہ جماعت پر قادر ہوتے ہوئے فرض تنہا تنہا پڑھنا گناہ ہے اس لئے جو لوگ جمعہ کے دن بھی چار رکعت نماز ظہر پڑھتے ہیں وہ حکم شرع پر عمل کرتے ہیں اور جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۰۴ کا مطالعہ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹؍صفر المظفر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: عاشق علی بمبئی ٹیلرس چھاؤنی بستی۔

زید ایک مرتبہ پالن (حقانی) کی تقریر میں اس خیال سے گیا کہ وہ کیا کہتا ہے اس کی تقریر کیسی ہے نیز دوسرے دن مع فیملی اور دو چار ساتھیوں کے بھی گیا جس پر مقامی علماء نے جمعہ پڑھنے کے لئے جس وقت گیا تو اس کو مسجد سے نکال کر باہر کر دیا جس پر زید نے کچھ بات چیت کرنا چاہی تو علماء نے کہا کہ تم سے ہمیں کوئی مطلب نہیں تم چلے جاؤ اس پر زید خاموش ہو کر واپس چلا آیا

لہٰذا اب اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: چونکہ پالن حقانی گمراہ و بدمذہب ہے اس لئے اس کی تقریر سننا مذہب حق اہلسنّت و جماعت کے لئے زہر قاتل ہے لہٰذا ایک دن زید کا خود تقریر سننا اور دوسرے دن اہل وعیال اور دوست واحباب کو لے کر جانا حرام وناجائز ہے۔ لے جانے اور جان والوں پر توبہ واستغفار لازم ہے لیکن اگر زید سنی ہے تو صرف اس گناہ کے سبب اس کو مسجد سے نکالنا جائز نہیں مقامی علماء اگر مسجد سے نکالنے کے لئے اس گناہ کے علاوہ کوئی دوسری وجہ معقول نہ پیش کریں تو زید سے معافی مانگنا اور توبہ کرنا ان پر لازم ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ر شوال ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از قاری شمس الدین محلّہ دمدمہ کالپی شریف (جالون)

مقتدی امام کی چوتھی رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی ایک رکعت پڑھ کر التحیات پڑھے یا دو رکعت پڑھنے کے بعد التحیات پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ حکم یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی ایک ہی رکعت پڑھ کر قعدۂ اولیٰ کرے۔ پھر دوسری بلا قعدہ پڑھ کر تیسری پر قعدہ اخیرہ کرے۔ درمختار میں ہے: یقضی اوّل صلاۃ فی حق قراءۃ وآخرھا فی حق تشھد فمدرك ركعة من غیر فجر یاتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشھد بینھما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولا یقعد قبلھا۔ اھ وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ر شوال ۱۳۹۴ھ

مسئلہ: از غلام مرتضیٰ حشمتی خطیب مسجد گلشن بغداد آزاد نگر گھاٹ کوپر بمبئی ۸۶

امام دائیں یا بائیں جانب سلام پھیر رہا ہے۔ آنے والا جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ آنے والا جماعت میں شریک ہونے کے لئے تکبیر تحریمہ کرچکا ہے۔ جماعت نہ ملنے کی صورت میں دوبارہ تکبیر تحریمہ کہے یا وہی کافی ہے؟

الجواب: اگر امام پر سجدۂ سہو واجب تھا جس کے لئے وہ اپنی دائیں جانب سلام پھیر رہا تھا یا اسے سہو ہونا یاد نہ تھا اس لئے وہ بہ نیت قطع دائیں جانب سلام پھیرنے کے بعد بائیں جانب کے سلام میں مفرو تھا پھر کوئی فعل منافی نماز سے پہلے سجدہ کر لیا تو ان دونوں صورتوں میں سلام پھیرنے کے وقت آنے والا جماعت میں شریک ہوگا تو اس کی اقتداء صحیح ہوجائے گی۔ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۵۰۳ میں ہے: سلام من علیك سجود سھو یخرجه من الصلاۃ خروجا موقوفا ان سجدعاد الیھا والا لا وعلٰی ھٰذا فیصح الاقتداء به اھ۔ اور اگر سجدۂ سہو واجب نہ تھا مگر اس کے لئے سلام پھیر رہا تھا یا

سہو ہونا یاد تھا اس کے باوجود بہ نیت قطع وہ سلام میں مشغول تھا یا ختم نماز کے لئے سلام پھیر رہا تھا اور سہو نہیں تھا تو ان صورتوں میں سلام پھیرنے کے وقت آنے والا اگر جماعت میں شریک ہوگا تو اس کی اقتداء صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ سلام میں مشغول ہوتے ہی وہ نماز سے خارج ہوگیا' اور اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ دوبارہ کہے گا۔ وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۳۰: محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

باب ما يفسد الصلاة

مفسدات نماز کا بیان

مسئلہ: از ملا محمد حسین اوجھا گنج۔ ضلع بستی۔

بعض لوگ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں تو اس سے نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نستعین کو الف کے ساتھ نستاعین پڑھنا بے معنی ہے اس لئے اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے هٰكذا فی الجزء الثالث من الفتاوىٰ الرضوية علىٰ صفحه ۱۹۱. وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی مدرسہ دار العلوم امجدیہ محلہ کسان ٹولہ سنڈیلہ۔ ضلع ہردوئی

بعض لوگ نماز کے اندر قیام کی حالت میں خصوصاً تراویح میں اپنے جسم کو بار بار کھجلاتے ہیں تو اس سے نماز میں کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک قیام میں تین بار کھجلانے سے نماز جاتی رہے گی یعنی اس طرح کہ کھجا کر ہاتھ ہٹایا پھر کھجایا پھر ہٹایا اسی طرح تین بار کیا، اور اگر ایک مرتبہ ہاتھ رکھ کر کئی بار حرکت دی تو یہ ایک ہی مرتبہ کھجلانا ہوا اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۹۷ میں ہے: اذا حك ثلاثا في ركن واحد تفسد صلاته هٰذا اذا رفع يده في كل مرة اما اذا لم يرفع في كل مرة فلا تفسد كذا في الخلاصة. هٰذا ما عندي وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از سید اعجاز احمد تارڑ پتری (آندھرا پردیش)

بہار شریعت، قانون شریعت، جنتی زیور اور بہشتی زیور چاروں کتابوں کے اندر مسائل قراءت بیرون نماز کے بیان میں لکھا کہ تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ مستحب ہے تو صحیح کیا ہے؟

الجواب: تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں، اور بیشک بہار شریعت میں واجب چھپا ہے جس پر غنیۃ کا حوالہ ہے حالانکہ غنیۃ مطبوعہ رحیمیہ ص ۴۶۳ میں ہے: التعوذ يستحب مرة واحدة مالم يفصل بعمل

دنیوی؛ تو معلوم ہوا کہ بہارشریعت سے مسائل جو ناشرین کی غفلتوں سے غلط چھپ گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے اور قانون شریعت، سنی بہشتی زیور اور جنتی زیور میں بہارشریعت پر اعتماد کر کے واجب لکھ دیا گیا مگر صحیح یہی ہے کہ اعوذباللہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں جیسا کہ تفسیر خازن جلد اوّل ص ۴۱ میں ہے: اتفق سائر الفقهاء علیٰ ان الاستعاذة سنة فی الصلاة وغیرها، اور حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (پ۱۴ ع ۱۹) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ''قرآن کریم کی تلاوت شروع کرنے کے وقت اعوذباللہ من الشیطان الرجیم پڑھو یہ مستحب ہے۔ هٰذا ماعندی وهو اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ رصفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از ظہور محمد میوہ فروش بھیلواڑہ (راجستھان)

زید نے فجر کی دوسری رکعت میں سورۂ فتح پ ۲۶ رکوع ۱۱ میں محمد رسول اللہ سے پڑھنا شروع کیا اور فی الانجیل پر رکعت پوری کر دی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں نماز بلا کراہت ہوگئی کہ فی الانجیل پر رکوع کر دینے سے فساد معنی نہیں ہے اور محمد رسول اللہ سے فی الانجیل تک تین چھوٹی آیتوں سے زیادہ بھی ہے۔ هٰذا ماعندی وهو اعلم بالصواب.

کتبہ: انوار احمد قادری

۱۵ ر ظفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: سیّد اللہ بخش ۱۸/۹۳ ا راجہ جی اسٹریٹ اننت پور (آندھرا پردیش)

امام صاحب نے ایک آیت کریمہ کو غلط پڑھ کر چھوڑ دیا پھر سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں اور آخر میں سجدۂ سہو کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: امام صاحب نے اگر ایسا غلط پڑھا جس سے معنی فاسد ہو گئے تو اسے چھوڑ کر دوسری آیت کریمہ پڑھنے اور سجدۂ سہو کرنے سے بھی نماز نہیں ہوئی اور اگر معنی فاسد نہ ہوئے تھے تو سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں سب کی نماز ہوگی۔ لیکن جس مقتدی کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی تھیں اگر وہ امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک رہا تو فعل لغو میں اتباع کے سبب اس کی نماز باطل ہوگئی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: اذا ظن الامام ان علیه سهواً فسجد للسهو وتابعه المسبوق فی ذلك ثم علم ان الامام لم یكن علیه سهواً الاشهر ان صلاته تفسد. وهو تعالٰی اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲؍ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد رضا منیجر دارالعلوم عربیہ اسلامیہ سعدی مدنپور ضلع باندہ

صوفی جمیل الدین عقیدت مریداں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ملفوظات حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت کی خدمت میں شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ' سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ شمس دہر رحمۃ اللہ علیہ' مولانا شمس الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تشریف فرماتھے تو حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نماز ادا کر رہے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے بلایا چونکہ یہ حالت نماز میں تھے جواب نہ دیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے آپ لوگوں کو آواز دی کیا آپ نے سنا نہیں ہے؟ عرض کی: یارسول اللہ! ہم حالت نماز میں تھے اس لئے جواب نہ دے سکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت اللہ کا رسول تمہیں آواز دے تو تم اگر نماز میں بھی ہو تو بھی جواب دے دو یہ جواب تمہاری نماز سے بہتر ہے۔ ایک دفعہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک درویش حضرت شیخ علی سنجری تھا وہ نماز میں مشغول تھا قطب صاحب نے اس کو پکارا اس نے نماز ترک کر کے شیخ کا جواب دیا۔ قطب صاحب نے فرمایا کہ تم نے نماز کی نیت کیوں توڑ دی اس نے جواب دیا کہ آپ کے بلانے کا جواب نماز سے افضل ہے کیونکہ اہل تصوف کے یہاں جب پیر مرید کو بلائے تو مرید کو لازم ہے کہ فوراً جواب دے اس جواب سے ایک سال کی عبادت لکھی جاتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت بابا نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں مریدین حاضر تھے آپ علم الیقین و عین الیقین کا ذکر فرما رہے تھے اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا مفتی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مراد علی رہتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے مراد علی کو بلایا یہ نماز پڑھ رہے تھے نیت توڑ کر حاضر ہوئے کچھ مراد علی سے دریافت کیا اس کے بعد مراد علی جا کر نماز پڑھنے لگے پھر ضرورت پر بلایا تو پھر نماز چھوڑ کر حاضر ہوئے فارغ ہو کر پھر نماز پڑھنے لگے پھر بلایا اس وقت نماز چھوڑ کر مع جانماز کے آ گئے اور جانماز آگے رکھ دی مولانا صاحب نے کہا: نماز کیوں ترک کر دی تو مراد علی نے جواب دیا کہ جب نماز ہی والا بلائے تو نماز کیا پڑھوں؟ آپ نے حکم دیا کہ واپس جا کر نماز پڑھو اور اے مراد علی! تو آخرت میں بھی ہمارے ساتھ رہے گا لہٰذا مراد علی بھی مولانا کے پاس نیاول شریف میں دفن ہوئے اس یقین اور تعمیل حکم کی وجہ سے آخرت میں بھی ساتھ رہے بغیر عشق و یقین کے معرفت نصیب نہیں ہو سکتی۔

نوٹ: یہ صوفی جمیل الدین نے ایک رسالہ شائع کیا اس لئے میں نے بعینہ اسی رسالے سے نقل کر دیا برائے مہربانی اس کا جواب دے کر ممنون فرمائیں اس رسالے سے تہلکہ مچا ہے بالخصوص صوفی جمیل کے مریدوں کو سمجھانے میں بڑی دقت ہو رہی ہے۔

الجواب: تفسیر خازن جلد ثالث ص ۲۱ پر آیت کریمہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ کی تفسیر میں ہے: حضرت ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکارا میں نے جواب نہیں دیا۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر میں حضور کی بارگاہ میں آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا تو حضور نے فرمایا کہ کیا خداتعالیٰ نے اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ نہیں فرمایا ہے؟ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے جب کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے تو حضور نے انہیں پکارا، مگر انہوں نے جواب نہیں دیا پھر نماز پڑھ کر حضور کے دربار میں آئے۔ حضور نے فرمایا: تم نے جواب کیوں نہیں دیا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا حضور نے فرمایا: کیا تو قرآن مجید میں یہ آیت کریمہ نہیں پاتا ہے اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ پھر اس کے بعد علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قیل هذه الاجابة مختصة بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلی هٰذا لیس لاحد ان یقطع صلاته لدعاء احد آخر وقیل لودعاه احد لامرهم لایتحمل التاخیر فله ان یقطع صلاته یعنی بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ حالت نماز میں جواب دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے لہٰذا دوسرے کے بلانے پر نماز کو توڑ دینا کسی کے لئے جائز نہیں ہے، اور بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسے اہم کام کے لئے پکار رہا ہو کہ جس میں تاخیر کی گنجائش نہ ہو تو نماز کا توڑ دینا جائز ہے (تفسیر خازن جلد ثالث ص ۲۱) اور اسی آیت کریمہ کے تحت تفسیر ابوالسعود میں ہے: واختلف فیه فقیل هٰذا من خصائص دعائه علیه الصلوٰة والسلام وقیل لانه اجابته علیه الصلوٰة والسلام لاتقطع الصلوٰة وقیل کان ذٰلک الدعاء لامرهم لایتحمل التاخیر وللمصلی ان یقطع الصلوٰة لمثله یعنی نماز پڑھنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے تو بعض لوگوں نے فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، اور بعض نے فرمایا کہ یہ اس لئے کہ حضور کو جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی ہے، اور بعض لوگوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پکارنا ایسے اہم کام کے لئے تھا کہ جس میں تاخیر کی گنجائش نہیں تھی، اور ایسے کاموں کے لئے نماز کا توڑ دینا جائز ہے، اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۷۲ میں ہے: ''ماں باپ دادا دادی وغیرہ اصول کے محض بلانے سے نماز قطع کرنا جائز نہیں، البتہ اگر ان کا پکارنا کسی بڑی مصیبت کے لئے ہو تو توڑ دے یہ حکم فرض کا ہے، اور اگر نفل نماز ہے، اور ان کو معلوم ہے کہ نماز پڑھتا ہے تو ان کے معمولی پکارنے پر نماز نہ توڑے اور ان کا نماز پڑھنا انہیں معلوم نہ ہو اور پکارا تو توڑ دے اور جواب دے اگرچہ معمولی طور سے بائیں۔ (درمختار ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۴۰) اسی طرح فقہ کی اور کتابوں میں بھی پیر یا کسی دوسرے دینی پیشوا کا استثناء نہیں کیا گیا ہے اسی لئے خلفائے راشدین وائمہ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پکارنے پر نماز کا توڑ دینا کتابوں میں نہیں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا بزرگوں کے بلانے پر نماز توڑ دینے کے جو واقعات کہ ذکر کئے گئے ہیں یا تو ان بزرگوں کی جانب ان واقعات کا انتساب ہی غلط ہے، اور یا تو پکارنا کسی ایسے اہم کام کے لئے تھا کہ جس میں تاخیر کی گنجائش نہیں تھی اور یا تو نماز نفل تھی اور دینی پیشوا کے لئے والدین کا درجہ مان کر نماز کو توڑ دیا گیا اور مولانا مفتی

نور محمد سے مراد علی کا جو یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "جب نماز ہی والا بلاتا ہو تو نماز کیا پڑھوں" یہ قول منجر الی الکفر ہے۔ اس پر نور محمد کے گرفت نہ کرنے اور خوشخبری سنانے کا قصہ غلط ہے ایک عالم دین اور مفتی کے بارے میں ایسے واقعات کا ہرگز یقین نہیں کیا جا سکتا۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ ررجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از غلام محی الدین سبحانی علاؤالدین پور پوسٹ دولت پور گرنٹ۔ گونڈہ

سرکار امام اہلسنت اعلیٰحضرت کتاب فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص ۴۷ پر ایک مسئلہ تحریر فرماتے ہیں: مرد نماز میں تھا عورت نے اس کا بوسہ لیا اس سے مرد کو خواہش پیدا ہوئی نماز جاتی رہی اگر چہ یہ اس کا اپنا فعل نہ تھا' اور عورت نماز پڑھتی ہو مرد بوسہ لے عورت کو خواہش پیدا ہو عورت کی نماز نہ جائے گی۔ عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟ ایک دیوبندی مولوی کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے غلط لکھا ہے' اور حوالہ دیتا ہے کہ فقہاء کرام کا متفق فیصلہ ہے کہ نماز باطل ہو جائے گی۔ لہٰذا سرکار والا بالتفصیل فتاویٰ رضویہ کے مسئلہ کو بیان فرمائیں۔

الجواب: مسئلہ مذکور اختلافی ہے۔ درمختار اور ردالمحتار میں یہی ہے کہ عورت کو مرد نے بوسہ لیا تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن فقہ کی کئی معتبر کتابوں میں یہ بھی ہے کہ نہیں فاسد ہوگی مثلاً جوہرہ نیرہ جلد اوّل ص ۶۴ میں ہے: لو کانت ھی تصلی فقبلھا لاتفسد صلاتھا۔ یعنی اگر عورت نماز پڑھ رہی ہو اور مرد اس کا بوسہ لے تو عورت کی نماز فاسد نہیں ہوگی' اور بحر الرائق جلد دوم ص ۱۳ پر شرح الزاہدی سے ہے: لو قبل المصلیۃ لاتفسد صلاتھا وقال ابو جعفر ان کان بشھوۃ فسدت۔ یعنی اگر مرد نے نماز پڑھنے والی عورت کا بوسہ لیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی' اور امام ابو جعفر نے فرمایا کہ اگر شہوت سے ہو تو فاسد ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ میں فقہائے کرام کے تین قول ہیں ایک تو یہ ہے کہ شہوت ہو یا نہ ہو بہر صورت عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کہ کسی حالت میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ تیسرے یہ کہ بوسہ اگر شہوت سے ہے تو فاسد ہوگی ورنہ نہیں۔ لہٰذا دیوبندی مولوی کا یہ کہنا غلط ہے کہ اعلیٰحضرت نے غلط لکھا ہے' اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ نماز کے بطلان پر فقہائے کرام کا متفقہ فیصلہ بتانا دیوبندی کی کھلی ہوئی جہالت ہے۔ وھو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ ررجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد حسین مدرسہ اسلامیہ رضویہ مسجد علی پور مستھ کے پاس اودے پور (راجستھان)

نماز جمعہ وعیدین لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب مع حوالہ کتب دیگر مشکور فرمائیں۔ ہمارے شہر اودے پور میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں انہوں نے لاؤڈ اسپیکر پر نماز عید الفطر پڑھا دی' اور جب ان کے سامنے

علمائے کرام کے فتوے رکھے گئے تو جواباً فرمایا کہ میں بھی مولوی مفتی ہوں نوے فیصدی علماء میرے ساتھ ہیں اور جواز کے قائل ہیں' اور حضرت سیدی مفتی اعظم ہند قبلہ کا فتویٰ جو کہ عدم جواز سے متعلق ہے اسے بھی رد فرما دیا اور ایک کثیر علماء کرام کی کانفرنس کا تذکرہ کرتے ہوئے جو کہ موصوف کے الفاظ میں بریلی شریف منعقد ہوئی تھی فرمایا کہ جب اس کانفرنس میں حضرت مفتی اعظم ہند کو عدم جواز پر کوئی دلیل نہ ملی تو فرمایا کہ بحث نہ کرو اور مجھ بڈھے کی بات مان لو۔ ہمارے یہاں ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو گیا ہے لہٰذا ان تمام باتوں کا تفصیل جواب دے کر مشکور فرماتے ہوئے فتنہ کا سد باب کریں امید ہے کہ پہلی فرصت میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔ (نوٹ) علمائے کرام کے دستخط بھی کرا دیئے جائیں۔

الجواب: اللهم هداية الحق الصواب. نماز کے لئے خواہ جمعہ کی ہو یا عیدین کی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ممنوع ہے۔ کیونکہ وہ ایک صورت میں رافع سنت ہے' اور دوسری صورت میں اسراف ہے۔ رہا اودے پور نو وارد مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ نوے فیصدی علماء میرے ساتھ ہیں اور جواز کے قائل ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ قائلین جواز علماء کی تعداد نوے فیصد تک پہنچانا حقیقت حال کے ہرگز مطابق نہیں۔ ہاں اگر موصوف کے نزدیک مقررین، واعظین، خطباء مساجد، اور نوآموز فارغین یہ سب حضرات فقہی علماء ہیں تب تو نوے فیصدی والی تعداد ضرور تسلیم کئے جانے کی گنجائش رکھتی ہے۔ لیکن تنقیح اور نکھار کا مسئلہ تو ابھی باقی ہی ہے وہ یہ کہ جواز سے کیا مراد ہے؟ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اقتدا کا جائز ہونا یا نماز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہونا۔ یہ امر ظاہر نہ ہو سکا کہ حضرت موصوف نے جوز سے جواز اقتداء مراد لیا ہے یا جواز استعمال۔ میرے علم میں فقہی بصیرت رکھنے والے معتمد علیہ علماء میں صرف ایک ذات حضرت مولانا سیّد مفتی افضل حسین صاحب قبلہ کی ہے' جس نے ہمارے ملک میں جواز اقتداء کا فتویٰ دیا۔ باقی جمہور اکابر مسئلہ متنازعہ فقہاء میں عدم جواز کے قائل ہیں اور عدم جواز کا فتویٰ دیئے آئے ہیں' اور رہا جواز استعمال تو اس کے بارے میں حضرت سیّد مفتی صاحب قبلہ کا کوئی قول ہمارے پیش نظر نہیں۔ اب حضرت موصوف سے میں گزارش کرتا ہوں کہ اگر آپ حضرت مفتی صاحب قبلہ کے فتویٰ پر اعتماد کر کے قائل جواز اقتداء ہیں تو رہیں۔ لیکن افراد امت کے درمیان ہنگامہ شور اور فتنہ کی صورت پیدا ہونے کا موقع نہ دیں جب آپ مسلمانوں میں عالم شمار کئے جاتے ہیں تو بشرو اولا تنفروا کا مصداق بنیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کے فتویٰ کا مفاد صرف اباحت ہے۔ وجوب یا سنت نہیں۔ پھر مختلف فیہ اباحت کی بنیاد پر اکابر علماء کے فتاویٰ کو رد کرتے ہوئے ان کو عوام کی نگاہ میں بے اعتبار قرار دینا آپ کے شایان شان نہیں' اور جو قول آپ نے سرکار مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے کہ حضرت کو جب کوئی دلیل نہ ملی تو فرمایا بحث نہ کرو مجھ بڈھے کی بات مان لو' تو اولاً: یہ کہ حضرت کا قول نہیں چنانچہ خود میں نے ۳۰ رذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۶ رفروری ۱۹۷۲ء کو بمقام پچپڑوا ضلع گونڈہ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ سے دریافت کیا حضور نے انکار فرمایا۔ ثانیاً: سن سنا کر یہ غیر ذمہ دارانہ قول ایک مرجع انام پیشوا دین کی طرف منسوب کرنا' اور عوام میں اسے مطعون ہونے کا موقع دینا یہ کہاں تک مناسب اور شان مفتی کے لائق ہے۔ آج فرائض، واجبات اور سنن کے مقابلہ میں بیشمار منکرات شرعیہ برسرپیکار

ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ آپ احیاء شریعت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان منکرات کے ردو انکار پر اپنے فتویٰ کا زور صرف فرمائیں امید قوی ہے کہ حضرت موصوف میرے معروضات پر عالمانہ حیثیت سے غور فرما کر شہر اودے پور کے نماز پنجگانہ کے پابند سنی عوام وخواص کے دلوں کو ٹھنڈا ہونے کا موقع عنایت کریں گے۔

الجواب صحیح والمجیب نجح: غلام جیلانی اعظمی

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹/ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

قد اصاب من اجاب واللّٰہ اعلم بالصواب.

العبد: محمد نعیم الدین عفی عنہ

مسئلہ: از محمد اقلیم انصاری مقام کیوٹنوا پوسٹ نرکٹہا۔ ضلع بستی۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا اور پڑھانا کیسا ہے؟ نماز کے باہر لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کریم کی تلاوت کی جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی جائے تو نماز پڑھنے میں کون سی خرابی واقع ہو جاتی ہے؟

الجواب: بعون الملك العزيز الوهاب. لاؤڈ اسپیکر پر قرآن عظیم کی تلاوت کرنا اور نعت شریف پڑھنا متفقہ طور پر سب علماء کے نزدیک جائز ہے مگر لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک شرعی خرابی یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی آواز نہیں ہوتی بلکہ امام کی آواز مشین میں پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے مثل دوسری آواز پیدا ہو کر سنائی پڑتی ہے جو لاؤڈ اسپیکر کی آواز ہوتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر کی اقتداء صحیح نہیں۔ لہٰذا محققین فن کے ذریعہ اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ متکلم کی آواز لاؤڈ اسپیکر کی مشین میں پہنچ کر فنا نہیں ہوتی بلکہ وہی آواز بلند ہو کر سامعین تک پہنچتی ہے تو لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ متکلم کی آواز مشین میں پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اور اس کی مثل دوسری آواز پیدا ہو کر مسموع ہوتی ہے تو لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وهو تعالىٰ وسبحانه اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷/ ذی القعدہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از شاہ محمد قادری امام مسجد ماماری پوسٹ ومقام چپلون رتنا گیری (مہاراشٹر)

لاؤڈ اسپیکر سے نماز پنجگانہ ونماز عیدین پڑھنا پڑھانا کیسا ہے؟ نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب. جو لوگ صرف لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع سجدہ کریں گے ان کی نماز نہ ہوگی۔ یہی فتویٰ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ اور بہت سے اکابر اہلسنت کا ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک

اگرچہ نماز ہو جائے گی لیکن چونکہ معاملہ نماز جیسی اہم عبادت کے جائز اور ناجائز ہونے کا ہے اس لئے تاوقتیکہ محققین فن یہ ثابت نہ کر دیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے احتیاطاً نماز کے جائز ہونے کا حکم کیا جائے گا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۹؍رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از صوفی نثار احمد رضوی، محمد حنیف سیٹھ، حاجی اصغر علی سیٹھ رضوی و دیگر مصلیان سنی بڑی مسجد آزاد روڈ بمبئی ۸

شہر بمبئی کی اکثر مساجد اہلسنّت میں نماز باجماعت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ادا کی جاتی ہے، اور خاص طور سے جمعہ اور تراویح عیدین میں تو باقاعدہ لاؤڈ اسپیکر کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس عالم میں صرف چار یا پانچ مساجد ایسی ہیں کہ جن میں نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نہیں ہوتا اور مکبرین کے ذریعہ جماعت کثیرہ نماز ادا کرتی ہے انھیں چند مساجد میں سے ہماری مسجد بھی ہے جہاں ہم پنج وقتہ و دیگر نمازیں ادا کرتے ہیں اس مسجد میں تراویح جمعۃ الوداع کی نمازوں میں ایک عظیم جماعت ہوتی ہے، اور عیدین میں تقریباً تیس چالیس ہزار کا مجمع ہوتا ہے اس قدر عظیم جماعت میں ابھی تک مکبرین کا انتظام ہوتا ہے یہ بھی ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آواز پہنچتے پہنچتے ایک طرف دوسرا رکن شروع ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف کے مقتدی ابھی رکن اوّل ہی میں ہوتے ہیں ایسی صورت میں ہزار احتیاط کے باوجود ہر سال جماعت میں انتشار اور اختلاف ہوتا ہے کبھی کبھی جھگڑے فساد کی نوبت بھی آجاتی ہے، اور عوامی مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر لگایا جائے ہر مسجد میں نماز ہوتی ہے یہاں کیوں نہیں ہوتی۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں لہٰذا اس صورت حال میں فتنہ و فساد سے بچنے اور اتنی بڑی جماعت کے ارکان صحیح ہونے کی غرض سے نیز دفع شر کی خاطر کیا شرعاً ایسی کوئی صورت جواز ہے کہ جماعت میں مکبرین کا بھی نظم رہے، اور لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال ہو جائے یا ایسی ہی اور کوئی صورت جواز ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے ساتھ نماز صحیح ہو جائے۔ امید کہ اس شرعی اہم مسئلہ میں قوم کی صحیح رہبری و رہنمائی فرمائیں گے اور کوئی نہ کوئی مناسب صورت بیان فرما کر ہر وقت اور ہر سال کے اس انتشار و اختلاف کو دور فرما کر نوازش فرمائیں گے۔

۲- یہاں شہر کی ایک مسجد میں حالیہ چند ماہ سے ایک سنی عالم دین امامت کے لئے تشریف لائے ہیں اور موصوف لاؤڈ اسپیکر پر نماز باجماعت کی امامت فرماتے ہیں موصوف سے جب اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ خود حضور مفتی اعظم ہند صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ القدسیہ ابتدا میں آٹھ سال تک لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے جواز کے قائل تھے بعد میں حضور نے اپنا فتویٰ بدل دیا اور نماز نہ ہونے کا فتویٰ دیا اس بات سے عوام میں مزید انتشار و اختلاف پھیلا ہوا ہے، اور ان چند مساجد جہاں لاؤڈ اسپیکر نہیں ہے وہاں کے ائمہ و مصلیان سخت پریشان ہیں کیا حضور مفتی اعظم صاحب قبلہ کا کوئی ایسا فتویٰ ہے، اور کیا اس فتویٰ میں کوئی صورت جواز ہے؟ چونکہ ماہ رمضان قریب ہے لہٰذا عرض ہے کہ اولین فرصت میں جواب ارسال فرمائیں تاکہ وقت سے پہلے صحیح طور پر عوام کو مطمئن کیا جا سکے اور یہ اختلاف و انتشار دور ہو جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض علماء کہتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے اس لئے اس کی آواز پر انتقالات کرنا جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن بعض علماء کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں ہے بلکہ صدا ہے اور صدا کا وہ حکم نہیں جو متکلم کی آواز کا ہے کہ متکلم کی آواز بغیر کسی چیز سے ٹکرائے صرف ہوا کے تموج سے سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے اس لئے صدائے آیت سجدہ سنے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا جیسا کہ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: فی الخلاصۃ ان سمعھا من الصدا لاتجب (فتح القدیر جلد اول ص ۴۶۸) اور تنویر الابصار درمختار مع شامی جلد اول ص ۵۱۷ میں ہے: لاتجب بسماعہ من الصدی اور مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۶۴ میں ہے: لاتجب بسماعہ من الصدی وھو ما یجیبك مثل صوتك فی الجبال والصحاری ونحوھا اس تغایر حکم سے صاف ظاہر ہوا کہ صدا کا حکم جداگانہ ہے اور جب سجدۂ تلاوت کے وجوب میں صدا کا اعتبار نہیں تو حکماً صدا نفس آواز متکلم سے الگ ہے اور جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جدا ٹھہری تو نماز کے سجدہ کے لئے صدا کو شرعاً بعینہٖ آواز متکلم مان لینا صحیح نہیں۔ یعنی جب کہ سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جدا اور خارج ہے تو اس میں بھی خارج قرار پائے گی اور جب خارج قرار پائی تو خارج سے تلقن مفسد نماز ہے۔ اس لئے حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ اور بہت سے اکابر اہلسنّت کا فتویٰ یہی ہے کہ جو لوگ صرف لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر انتقالات کریں گے ان کی نماز نہ ہوگی، اور اگرچہ بعض لوگوں کے نزدیک ہو جائے گی لیکن چونکہ معاملہ نماز جیسی اہم عبادت کے جواز وعدم جواز کا ہے اور عبادات میں احتیاطی پہلو ہی اختیار کیا جاتا ہے اس لئے تاوقتیکہ محققین فن اس بات کو ثابت نہ کردیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے صدا نہیں اس وقت تک اس کی آواز پر احتیاطاً نماز کے عدم جواز ہی کا حکم کیا جائے گا، اور مکبرین کے ساتھ بھی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز نہ ہوگا اس لئے کہ جو مکبر اور مقتدی دور ہوں گے وہ لاؤڈ اسپیکر ہی کی آواز کی اتباع کریں گے جو نماز کے فساد کا باعث ہوگا لہٰذا فی الحال لاؤڈ اسپیکر کے جواز کی کوئی صورت بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔

۲- نماز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے جواز میں حضور مفتی اعظم ھند قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کا کوئی فتویٰ ہمارے علم میں نہیں ہے اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ پہلے جواز کے قائل تھے پھر بعد میں اپنا فتویٰ بدل دیا تو یہ مجوزین کے لئے مفید نہیں اس لئے کہ قول مرجوح عنہ کی بنیاد پر فارسی میں نماز کے اندر قرأت کرنا بھی جائز ہو جائے گا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ررجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از حافظ محمد حنیف رضوی۔ خطیب سنی رضوی مسجد کھاڑی کرلا۔ بمبئی ۷۰

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال کرنا یعنی اس کی آواز پر مقتدیوں کا رکوع و سجود کرنا کیسا ہے؟ جگہ جگہ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جائز ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق کے ساتھ تفصیلی جواب تحریر فرما کر عنداللہ

ماجوراور عندالناس مشکور ہوں۔

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

الجواب: وھو الموفق للصواب۔ بے شک یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع وسجود جائز ہے یا نہیں۔ جولوگ کہ جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز چونکہ بعینہٖ امام کی آواز ہے اس لئے اس کی آواز پر اقتداء کرنا جائز ہے' اور جولوگ کہ نا جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ امام کی آواز نہیں ہے اس لئے اس کی آواز پر رکوع وسجود کرنا جائز نہیں ہے کہ یہ خارج سے تلقن ہے جو مفسد نماز ہے۔ یعنی اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ امام کی آواز ہے یا نہیں۔ اگر بعینہٖ امام کی آواز ہے تو اس کی آواز پر اقتداء جائز ہے ورنہ نہیں۔

تو لاؤڈ اسپیکر چونکہ آلات جدیدہ میں سے ایک سائنسی چیز ہے تو اس کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہوتی ہے یا نہیں۔ اس کے بارے میں سائنسدانوں اور اس کے انجینئروں کی طرف رجوع کرنا لازم ہے' اور ان کی تحقیق یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں ہے۔ جیسا کہ جناب ایم- آر- اے خانصاحب بی ایس انجینئر طلائی تمغہ یافتہ علی گڑھ۔ سی اینڈ جی فائنل گریڈ لندن ایم- اے- آئی- اے پاکستان- پی- اے- ایس اسپیشلسٹ ٹیلی کم ٹرکاگ جرمنی- ٹی- ای- ایس کلاس اے پرنسپل ٹیلی کمیونی کیشن اسٹاف کالج ہری پور- ہزارہ (پاکستان) لکھتے ہیں:

لاؤڈ اسپیکر میں مقرر کی آواز کہنے والے اور سننے والے کے درمیان تین بڑے واسطے ہوتے ہیں (۱) مائیکروفون (۲) ایمپلی فائر (۳) لاؤڈ اسپیکر۔ مائیکروفون میں کرنٹ موجود ہوتا ہے' مگر بہت کمزور ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ لاؤڈ اسپیکر کو آواز کے بڑھانے میں مدد دے سکے۔ اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ایک آلہ جسے ایمپلی فائر کہتے ہیں جو مائیکروفون کے برقی کرنٹ کو لاؤڈ اسپیکر تک پہنچاتا ہے جس سے آواز حسب منشاء اونچی ہوتی ہے' اور لاؤڈ اسپیکر کے مخروطی کے ارتعاش سے اس کے اطراف کی ہوا میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو ہوا میں ویسی ہی آواز کی تبدیلیوں کا انسان کے کان پر سبب بنتا ہے۔ اس طرح بولنے والے کی آواز برقی رو میں مائیکروفون کے ذریعے تبدیل ہو جاتی ہے' اور یہ برقی رو ایمپلی فائر کی مدد سے بڑھ جاتی ہے' اور ایمپلی فائر سے بڑھی ہوئی برقی رو لاؤڈ اسپیکر کو متاثر کرنے سے لاؤڈ اسپیکر میں ایسا ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو سننے والے آدمی کے کان کے احساس آواز کا سبب بنتا ہے۔

مثال: آواز جو (بولنے والے کے منہ سے) مائیکروفون میں داخل ہوتی ہے' اور پھر وہ لاؤڈ اسپیکر پر دوبارہ پیدا ہوتی ہے' اور دونوں میں تعلق اور مطابقت برقی گھنٹی کی مثل سے سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ برقی گھنٹی کا (سسٹم یہ ہوتا ہے کہ) بٹن دروازہ پر نصب ہوتا ہے' اور اصل گھنٹی مکان کے اندر کسی مناسب مقام پر ہوتی ہے مگر جب یہاں بٹن دبایا جاتا ہے تو (اسی وقت بلاوقفہ) وہاں گھنٹی بجتی ہے' اور جب بٹن سے ہاتھ ہٹا لیتے ہیں تو گھنٹی بجنا بند کر دیتی ہے۔ اگر آپ بٹن کو دباتے اور چھوڑتے رہیں تو گھنٹی بھی اسی وقتی مناسبت کے ساتھ بجتی اور بند ہوتی رہے گی۔

لہٰذا اب یہ سوچنا غلط ہوگا کہ (اس برقی سسٹم میں) راست بلاواسطہ ہاتھ سے گھنٹی بجائی جارہی ہے۔ (خلاصہ یہ ہوا کہ) ہاتھ کا عمل تو بٹن پر ختم ہوجاتا ہے لیکن جو آواز بجتی ہوئی گھنٹی میں پیدا ہوتی ہے وہ گھنٹی کے اندر اس برقی ترکیب کا نتیجہ ہوتی ہے جو برقی کرنٹ اور وائر (میں تاروں) کی مدد سے عمل کرتی ہے۔

اسی طرح لاؤڈ اسپیکر (کے سسٹم) میں بھی اصل آواز مائیکروفون پر ختم ہوجاتی ہے لیکن برقی تار، برقی قوت اور برقی ترکیبیں (جو مائیکروفون اور لاؤڈ اسپیکر میں ہوتی ہیں) ایک ایسی مشابہ آواز دوبارہ پیدا کرتی ہیں جو اصل آواز کی پوری نقل ہوتی ہے۔ انتہی کلامہ

سائنسداں کی مذکورہ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بٹن پر انگلی کے دباؤ کا اثر باقی تاروں کو متحرک کرکے گھنٹی بجانے کا سبب بنتا ہے۔ بالکل اسی طرح آواز کا مائیکروفون کے مشینی نظام پر اثر بھی لاؤڈ اسپیکر کے نظام کو حرکت میں لاکر اس سے آواز نکلنے کا سبب ہوتا ہے نہ کہ وہ آواز خود آگے بڑھتی ہے جیسا کہ مجوزین کا خیال ہے۔

سائنسداں کی اصل تحریر یہ ہے:

Voice from the speaker of the loudspeaker.

In between the speaking man and the audience there 3 main devices namely; the microphone, the amplifier and the loudspeaker. The current orginaled in the microphone is too weak to operate a loud speaker directly. In order that good volume be obtained for the loud speaker. A device which magnifies the microphone current and delivers it to the loudspeaker known as amplifier is used. The vibrations of the con set the surrounding air in vibrations and these vibrations in air cause corresponding sound variations on the man's ear. Thus the speach of the speaking man is converted through the microphone. The electric current is amplified in the amplifier and the out put of the amplifier actuates the loudspeaker whose vibrations cause ser sation of sound on the listening man's ear.

AN EXAMPLE:

The condition between voice in put at the microphone and that reproduced at the loudspeaker can be understood by the example of an

electric call bell. The switch of the the bell is fixed at the door and the bell is fixed somewhere inside the house, as the switch is pressed the bell rings and when the switch is released the bell stops ringing. If you keep pressing and releasing the switch the bell will keep ringing and stopping in the same time accordingly. Now to think think that the bell is rung by the hand directly will be incorrect. The action of the hand finishes at the switch. It is the electric current wires and the electric device inside the bell which acts further to give the sound of the bell ringing. Similarly in the case of the voive from the loudspeaker the original voive finishes at the mircophone and it is the electric wires, electirc power and the electric device incroporated in the microphone and the loudspeaker which reproduce a sound exactly immitating the original one.

By M.R.A Khan, B.Sc. Engrs. (Gold Medallist) Alig. C & G (Final Grade) London. A.M.I.E. Pakistan) P.A.A.S. Specialist Telecomm. Trg. Grermany) T.E.S Class 1st. Principal Telecommunications Staff College, Haripur (Hazara)

(۲) اور جناب ایل کنوٹ صاحب (ایم، پی، ٹی، اے) پی۔ایم۔جی کولمبو پلان اکسپرٹ ٹیلی کمیونیکشن اسٹریلیا۔ ٹیلی کمیونی کیشن ٹریننگ سنٹر ہری پور۔ ہزارہ (پاکستان) ایک سوال کے جواب میں کہ۔ ''لاؤڈ اسپیکر سے نکلی ہوئی آواز آدمی کی آواز سمجھی جاسکتی ہے یا نہیں۔'' لکھتے ہیں:

میری رائے میں لاؤڈ اسپیکر سے نکلی ہوئی آواز آدمی کی اصل آواز نہیں سمجھی جاسکتی...... اصل کلام سے پیدا شدہ آواز کا ارتعاش مائیکروفون کے پردے پر دباؤ ڈالتا ہے جو ایمپلی فائر اور لاؤڈ اسپیکر سسٹم کو اس طرح پر کنٹرول کرتا ہے جس سے اصل آواز کی قابل شناخت نقل پیدا ہو سکے۔ از سر نو پیدائش یعنی ری پروڈکشن کی اصطلاح جو عام طور پر اس آلے کے لئے کہی جاتی ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ آلہ آواز پیدا کرتا ہے نہ کہ اصل کلام کو منتقل کرتا ہے۔

ماہر سائنس جناب کنوٹ صاحب کی اصل تحریر یہ ہے:

In my view the sound from the lousspeaker can not be regarded as the man's actual voice. The ctual voice impresses it's sound vibrations. upon the

microphone diaphragm, which controls an amplifier-loudspeaker system in such a way as to produce a recognisabe copy of the oriainal voice. The very term "Reprocuction" commonly applied to such equipment itself imp ies that the equipment is producing the sound not the actual voice.

By L. canute (M.P.T.A) P.M.G. comombe plan Expert (telecomm austrialia)

Tele comm Trg. Can re Haripur (Hazara) Pakistan

(۳) اور جناب سی۔ڈبلیو۔سی۔رچرڈ بی۔ایس۔سی انگلینڈ۔اے۔ایم۔آئی۔ای۔ای کولمبو پلان ایکسپرٹ ایڈوائزر حکومت پاکستان۔ ٹیلی کمیونیکشن اسٹاف کالج ہری پور۔ ہزارا لکھتے ہیں: ''میری سوچی سمجھی ہوئی رائے ہے کہ یہ آواز جو لاؤڈ سپیکر سے نکلی ہوئی ہے، آدمی کی اصل آواز نہیں سمجھی جاسکتی، اور جو آواز لاؤڈ اسپیکر سے سنی جاتی ہے آدمی کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے، اور مشابہ آواز بالکل نقلی ہے...... برقی میکانکی نظام سے جو آواز نکلتی ہے وہ خود ہوا کے دباؤ کے اتار چڑھاؤ کا نتیجہ ہوتی ہے جس سے آواز کی سماعت کا احساس ہوتا ہے، اور یہ آواز انسانی آواز سے قطعاً راست تعلق نہیں رکھتی۔'' انتہائی قانونی بنیاد پر بغیر کسی پس و پیش کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو آواز لاؤڈ اسپیکر سے نکل رہی ہے وہ مائیکروفون پر بولنے والے آدمی کی اصل آواز نہیں ہے۔

اس سائنسدان کی اصل تحریر یہ ہے:

It is my considered opinion that this sound from the loudspeaker can not be regarded as being the actual sound of the man's voice. The sound that is heard from the loudspeaker is merely a replica of the man's voice and this replica is entirely artificial. The sound emanates from a mechainsm known as an electric mechanical transducer and the sound itself, that is the air pressure variations which cause the sensation of hearing has absolutely no direct connecion with the sound of the man's voice on a strictly legalistic basis. It can unhesitatingly be said that the sound issuing from a loudspeaker is not the sound of a man's voive.

By C.W.C Richard B.Sc. (Eng) A.M.I.C.E, A.M.I.E.E. colombe plan Expert Advisor to the Government of Pakistan.

Telecommunication Staff College, Haripur (Hazara)

(۴) اور جناب آر ایچ ہامس گرانڈ ٹی۔ وی نیٹ ورک لمیٹڈ گرانڈ ہاؤس، واٹر اسٹریٹ مانچسٹر ۳ گرانڈ مانچسٹر ٹیلکس ڈینز گیٹ ۷۲۱۱ لکھتے ہیں:

یہ میری فنی رائے ہے کہ جو آواز لاؤڈ اسپیکر سے نکلتی ہے' اور خطاب عام کے لئے رائج ہے اس سے نکلی ہوئی آواز آدمی کی اصل آواز نہیں سمجھی جاسکتی' اور سوائے اس کے اس میں کچھ نہیں ہے کہ یہ اصل آواز سے بہت قریبی مشابہت رکھتی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو آدمی کی اصل آواز سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کسی تصویر کی حقیقی نقل کو اصل تصویر (یعنی منقول عنہ) سمجھ لینا۔

اس ماہر سائنسدان کی اصل تحریر یہ ہے:

This is to record my professional opinion that the sound of a voive emerging from a loudspeaker such as in use for a public adress system can not be held to be the real voive of the person origintaing the sound. It is a colse replica but nothing more and is no rrore the orginal voive than a copy of a painting will be held to be the original painting.

By. R.H. Hammans Granada T.V. Net work Limited Granada House Water Street, Manchester Telex Deans Gaie 7211.

نوٹ: سائنسدانوں کی یہ ساری تحریریں مائیکروفون نماز میں بھی۔ ''دی اسٹوری آف دی آرٹی فیشل وائس۔ بائی۔ سم اکسپرئنس اینڈ اکسپرٹ پاکستان اینڈ فارنیرس۔

The story of the artificial voive. By some experianced and expert Pakistan and Foreigheners. کے حوالہ سے دیکھی جاسکتی ہیں۔

ماہرین سائنس اور اس کے انجینئروں کے متفقہ اقوال سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں ہوتی بلکہ اس کی نقل ہوتی ہے جو آواز کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے' اور آواز کے ٹکرانے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ صدا ہوتی ہے جیسے کہ پہاڑ اور گنبد وغیرہ سے ٹکرا کر پیدا ہونے والی آواز صدا ہوتی ہے' اور صدا کا وہ حکم نہیں جو متکلم کی آواز کا ہے کہ متکلم کی آواز بغیر کسی چیز سے ٹکرائے صرف ہوا کے تموج سے سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے' اور صدا چونکہ کسی چیز سے ٹکرا کر پیدا ہوتی ہے اسی لئے اس سے آیت سجدہ سنے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا جیسا کہ امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: فی الخلاصۃ ان سمعھا من الصد الاتجب۔ (فتح القدیر جلد اول ص ۴۶۸) اور تنویر الابصار و در مختار مع شامی جلد اول ص ۵۱۷ میں ہے: لاتجب بسماعہ من الصدی۔ مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۶۴ میں ہے: لاتجب

بسماعه من الصدیٰ وھو مایجیبك مثل صوتك فی الجبال والصحاریٔ ونحوھا۔

اس تقاریر حکم سے صاف ظاہر ہوا کہ صدا کا حکم جداگانہ ہے، اور جب سجدۂ تلاوت کے وجوب میں صدا کا اعتبار نہیں تو حکماً صدا نفس آواز متکلم سے الگ ہے، اور جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جا ٹھہری تو نماز کے سجدہ کے لئے صدا کو شرعاً بعینہ آواز متکلم مان لینا صحیح نہیں۔ یعنی جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جدا اور خارج ہے تو اس میں بھی خارج قرار پائے گی اور جب صدا خارج قرار پائی تو حالت نماز میں اس سے تلقن جائز نہیں خواہ وہ لاؤڈ اسپیکر کی صدا ہو یا صحرا وغیرہ کی۔ اس لئے کہ خارج سے تلقن مفسد نماز ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد اوّل مطبوعہ دیوبند ص ۴۱۸، فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ۹۳، عنایہ شرح ہدایہ مع فتح القدیر جلد اوّل ص ۳۵۱، شرح النقایہ جلد اوّل ص ۹۲، اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۱۲ پر مذکور ہے۔

ماہرین سائنس کی تحقیقات اور فقہائے معتمدین کے اقوال سے یہ امر پورے طور پر متحقق ہو گیا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع وسجود کرنے والوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور ایسی نماز کا پھر سے پڑھنا فرض ہوتا ہے۔ لیکن اگر اب بھی فاسد نماز کا یقین نہ ہو تو کم از کم اس کا شبہہ ضرور ہے کہ فسادِ عبادت کے شبہہ کو احتیاطاً ہمیشہ یقین ہی کا درجہ دیا جاتا ہے، جیسے کہ حدیث شریف میں ہونے کے باوجود ۱۳ ذی الحجہ کی قربانی کو ناجائز قرار دیا گیا اس لئے کہ اس تاریخ میں فسادِ قربانی کا شبہ ہے، اور حطیم کو طواف میں احتیاطاً کعبہ شریف کا جز تسلیم کیا گیا اس لئے کہ خارج ماننے میں فسادِ طواف کا شبہہ ہے مگر اسی حطیم کو نماز کے مسئلہ میں احتیاطاً کعبہ شریف سے خارج قرار دیا گیا اس لئے کہ جز تسلیم کرنے میں فسادِ نماز کا شبہہ ہے ردالمحتار جلد دوم ص ۱۶۷ میں ہے: اذا ستقبله المصلي لم تصح صلاته لان فرضية استقبال الكعبة ثبتت بالنص القطعي وكون الحطيم من الكعبة ثبت بالاحادفصار كانه من الكعبة من وجه دون وجه فكان الاحتياط في وجوب الطواف وراء ه وفي عدم صحته استقباله۔ لہٰذا اس بنیاد پر بھی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ناجائز ہی قرار دیا جائے گا اور اس کی آواز پر رکوع وسجود کرنے سے فسادِ نماز ہی کا حکم کیا جائے گا۔

اور عام لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں چونکہ لاؤڈ اسپیکر نماز کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کا احترام یقیناً ضروری اور باعث ثواب ہے۔ لیکن قرآن حدیث اور اجماع امت فقہائے ملت کے اقوال سے استدلال کرنے کی بجائے لوگوں کے عمل سے استدلال کرنا غلط ہے۔ خصوصاً نجدیوں کے عمل کو جائز وناجائز ہونے کا معیار بنانا تو بہت بڑے فتنے کا سبب ہو جائے گا کہ بزرگوں کی قبر کو توڑنا اور مسجدوں کو ڈھانا بھی جائز ہو جائے گا اس لئے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے بے شمار مزارات اور مساجد کو نجدیوں نے توڑا اور ڈھایا ہے...... اور مسجدوں کے اندر جوتے پہن کر چلنا، داڑھیوں کا منڈانا، اپنی عورتوں کو ننگا لباس پہنا کر انگریزی لیڈیوں کی طرح بنانا، گھر گھر ٹیلی ویژن پر سینما دیکھنا، اور مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی صفوں میں مل جل کر نماز پڑھنا یہ سب جائز ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ یہاں تک کہ نجدیوں نے مسجد حرام، مسجد نبوی اور میدان عرفات وغیرہ مقدس مقامات میں حج جیسی اہم عبادت کو تماشا بنانے کے

لئے فلم سازی کی اجازت دی اور مناسک حج ادا کرنے اور نماز پڑھنے میں حاجیوں کی تصویریں لی گئیں، اور ہر سال لی جاتی ہیں...... تو جب یہ ساری چیزیں مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ میں ہونے کے سبب جائز نہیں ہو سکتیں تو پھر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا بھی ہرگز جائز نہیں ہو سکتا، اور اگر یہ کہا جائے کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نمازوں کے لئے عام ہو چکا ہے لہٰذا اب اس فتویٰ کو لوگ نہیں مانیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکم شرع سے آگاہ کرنا ہم پر فرض تھا وہ ہم نے کر دیا۔ اب عمل کی ذمہ داری لوگوں پر ہے۔ اگر مسلمان اپنی نمازوں کو فساد سے نہیں بچائیں گے تو اس کا خمیازہ قیامت کے دن اٹھائیں گے۔

دعا ہے کہ خدا عزوجل مسلمانوں کو حق بات کے قبول کرنے کا جذبہ عطا فرمائے، اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے نماز جیسی اہم عبادت کو خراب ہونے سے بچانے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین بحرمة النبی الکریم الامین علیه وعلی اله افضل الصلوات واکمل التسلیم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۶ر صفر المظفر ۱۴۰۴ھ

مکروهات الصلاة

نماز کے مکروہات کا بیان

مسئلہ: از عبدالوہاب خاں قادری رضوی ہرکہ مولا چوک لاڑکانہ سندھ (پاکستان)

(۱) ٹوپی پر عمامہ اس طرح باندھنا کہ چاروں طرف سر کے عمامہ ہو اور ٹوپی درمیان میں سر کے اوپر رکھی رہے باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح باندھ کر نماز پڑھنی کیسی ہے؟

(۲) کلاہ پر جو عمامہ باندھتے ہیں وہ بھی کلاہ کے چاروں طرف گرداگرد عمامہ ہوتا ہے اور اوپر کلاہ کھلا رہتا ہے اس کا باندھنا اور باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مدلل جواب ارسال فرمائیں بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) اس طرح عمامہ باندھنا ناجائز اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے جیسا کہ بہار شریعت جلد سوم ص ۱۶۴ میں ہے: پگڑی اس طرح باندھنا کہ بیچ سر پر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے: وکل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها اور شامی جلد اوّل ص ۴۳۸ میں ہے: تكوير عمامة على رأسه وترك وسطه مشكوفاً كراهة تحريمة. اھ ملخصًا اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۰۰ میں ہے: ويكره الاعتجار وهوان يكور عمامته ويترك وسط رأسه مكشوفا كذا في التبيين۔ اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: يكره الاعتجار وهو شد الرأس بالمنديل وتكوير عمامته علىٰ رأسه وترك وسطها مشكوفاً۔اھ۔والله اعلم۔

(۲) کلاہ ہو یا کسی دوسری قسم کی ٹوپی ہو اعتجار بہر صورت مکروہ ہے۔ طحطاوی میں ہے: المراد انه مكشوف عن العمامة لامشكوف اصلًا لانه فعل مالايفعل. اھ۔ هٰذا ماظهرلي والعلم بالحق عندالله تعالىٰ ورسوله جل جلاله وصلى الله عليه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ر صفر المظفر ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از قدرت اللہ خاں معرفت مولانا محمد فاروق احمد خاں چھوٹی مسجد مکان نمبر ۱۱۶ گلی نمبر ۱ جونا رسالہ اندرون (ایم پی)

پینٹ و بوشرٹ پہننا کیسا ہے؟ اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ یہ لباس عام ہو چکا ہے اس لئے انھیں

پہن سکتے ہیں اوراس سے نماز بھی پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: پینٹ اور بوشرٹ پہننا مکروہ ہے اور مکروہ کپڑا پہن کر نماز پڑھنا بھی مکروہ کہ یہ اگرچہ عام ہو چکا ہے مگر اب بھی فساق وفجار کا لباس ہے فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص ۴۲۶ پر فتاویٰ قاضی خاں سے ہے: الخیاط اذا استوجر علی خیاطة شیء من ذی الفساق ویعطی له فی ذلك كثیرا جر لایستحب له ان یعمل لانه اعانة علی المعصیة اھ۔وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ر رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد امین نئی بازار بچپڑوا۔ ضلع گونڈہ۔

زید نے الٹے مصلے پر نماز پڑھائی بعدہٗ مقتدیوں میں انتشار پیدا ہوا کہ نماز نہیں ہوئی اور امام موصوف کا کہنا ہے کہ نماز ہو گئی تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: نماز ہو گئی لیکن مکروہ ہوئی۔ وهو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم بالصواب. والیه المرجع والمآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۷ر شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد حنیف رضوی سنی مسجد آگرہ روڈ کرلا بمبئی۔

حالت نماز میں اگر دائیں پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دائیں پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو کوئی حرج نہیں لیکن مقتدی کا انگوٹھا دائیں بائیں یا آگے پیچھے اتنا ہٹنا کہ جس سے صف میں کشادگی پیدا ہو یا سینہ صف سے باہر نکلے مکروہ ہے کہ احادیث کریمہ میں صف کے درمیان کشادگی رکھنے اور صف سینہ کو باہر نکالنے سے منع کیا گیا ہے اور اگر ایک مقتدی جو امام کے برابر میں تھا وہ اتنا آگے بڑھا کہ اس کے قدم کا اکثر حصہ امام کے قدم سے آگے ہوا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوئی ورنہ نہیں جیسا کہ ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۸۱ میں ہے: الامة مالم یتقدم اکثر قدم المقتدی لاتفسد صلاته كما فی المجتبیٰ'' اور اگر منفرد تنہا نماز پڑھنے والا قبلہ کی طرف ایک صف کی مقدار چلا پھر ایک رکن ادا کرنے کی مقدار ٹھہر گیا پھر اتنا ہی چلا اور اتنی ہی دیر ٹھہر گیا تو چاہے متعدد بار ہوا گر وہ مسجد میں نماز پڑھتا ہو تو جب تک مسجد سے باہر نہ ہو نماز فاسد نہ ہو گی ایسا ہی بہار شریعت حصہ سوم مطبوعہ لاہور ص ۱۵۲ میں ہے: اور درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۴۲۱ میں ہے: مشی مستقبل القبلة هل تفسد ان قدر صف ثم وقف قدر رکن ثم مشی ووقف كذلك وهكذا لاتفسد وان كثر مالم یختلف المكان' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ۹۶ میں فتاویٰ قاضی خاں سے ہے: لومشی فی صلاته مقدار صف واحد لم تفسد صلاته. وان مشی الی صف ووقف ثم الی

بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ جس فعل کی زیادتی مفسد ہے اس کا تھوڑا کرنا ضرور مکروہ ہے اور ایک رکن کی مقدار ایک دم چلنا مفسد صلاۃ ہے ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۲۲ میں ہے: ان مشی دفعۃ واحدۃ مقدار صف ...لاتہ. وھو تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد عبد العزیز قادری یار علوی او جاگر پور پوسٹ مسکنواں ضلع گونڈہ یوپی

(۱) مسجد کے بیچ والے محراب میں امام کے بالکل سامنے فرش سے تقریباً دو فٹ کی اونچائی پر مربع چار فٹ یا اس سے کم و بیش کی سائز میں جالی لگی ہے زید کہتا ہے کہ درست نہیں ہے۔ اگر جالی لگانا ہی ہے تو محراب میں سامنے کے بجائے دائیں بائیں ہٹ کر لگانی چاہئے اس لئے کہ سامنے جالی ہونے میں امام کی نگاہ مختلف اشیاء پر پڑتی رہے گی لہٰذا جالی سامنے ہونے کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) منبر لکڑی کا ہو خواہ اینٹ کا اگر اس کی جگہ بازو میں دیوار کے حصے میں بنا دیا جائے تو شرعاً کوئی قباحت ہے؟ زید کہتا ہے کہ دیوار میں نہیں بلکہ منبر مسجد میں ہونا چاہئے جہاں پہلی صف کی چٹائی بچھتی ہے۔

(۳) خصی اور دیگر حلال چوپایوں کی اوجھڑی پچونی کو زید طبعی بتاتا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: (۱) اگر جالی اتنی خوبصورت نہ ہو کہ امام کے خشوع وخضوع میں خلل پیدا کرے تو ایسی جالی کو امام کے سامنے لگانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اتنی خوبصورت ہو کہ خلل پیدا کرے تو مکروہ ہے۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۷۹ میں ہے: "دیوار قبلہ میں نقش و نگار مکروہ ہے" اور ظاہر کراہت تنزیہی ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۴۲ میں ہے"۔ اور کراہت تنزیہی ناجائز نہیں ہوتی کراہت تحریمی ناجائز ہوتی ہے۔ لہٰذا دیوار قبلہ میں جالی لگانے کے بارے میں زید کا کہنا درست نہیں ہے۔ کسی حالت میں صحیح نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم.

(۲) منبر کی جگہ دیوار کے حصے میں بنائی جائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ دیوار میں بنانا بہتر ہے کہ صف اوّل کی جگہ میں بنانے سے صف قطع ہوتی ہے اور قطع صف سے حدیث شریف میں ممانعت وارد ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۳) اوجھڑی پچونی کو طبعی کہنا صحیح نہیں کہ ان کا کھانا مکروہ تحریمی ناجائز اور گناہ ہے۔ ھکذا قال الامام لاھل السنۃ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ رشوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد حسن اشرفی مقام و پوسٹ سندھاوارد ضلع راجکوٹ (گجرات)

چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ اگر چین والی گھڑی پہن کر نماز جائز نہیں تو ڈائل اور کیس کے جواز کی کیا وجہ ہے؟ بالتفصیل جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب: چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور نا جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان احکام شریعت حصہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں: گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں ممنوع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز وا قامت مکروہ تحریمی ہیں' اور نا جائز اس لئے ہے کہ گھڑی ہاتھ پر باندھنے میں چین متبوع ہوتا ہے جو از قسم زیور ہے' اور نیلون وغیرہ کے پٹہ کے ساتھ دھات کی گھڑی کا استعمال اس لئے جائز ہے کہ گھڑی تابع ہے جیسے کہ سونے کا بٹن دھاتوں کی زنجیر کے ساتھ نا جائز ہے' اور نیلون وغیرہ کے دھاگے کے ساتھ جائز ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ ربیع النور ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از ملا محمد حسین اوجھا گنج ضلع بستی۔

زید نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس کے کرتے کا اوپر والا بٹن کھلا ہوا تھا تو اس میں کوئی شرعی قباحت ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں کرتے کا بٹن کھلا رہنے کی چند صورتیں ہیں...... یا تو کرتے کے اوپر یا نیچے کوئی دوسرا کپڑا مثلاً صدری، شیروانی یا بنیان وغیرہ پہنے ہوئے تھا ایسی صوت میں اگر اوپر یا نیچے والے دوسرے کپڑے کی وجہ سے سینہ ڈھکا ہوا تھا تو کرتے کے بٹن کا کھلنا نماز میں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا' اور اگر کرتے کے اوپر یا نیچے دوسرا کپڑا نہیں تھا جس سے سینہ ڈھکا رہے اس صورت میں یا تو صرف اوپر والا بٹن کھلا ہوا تھا یا اس کے ساتھ نیچے والا بھی...... الحاصل اگر بٹن اس طرح کھلے ہوئے تھے (خواہ ایک ہی یا زیادہ) جس سے سینہ ظاہر ہے تو نماز قطعاً مکروہ تحریمی ہوگی' اور اگر صرف اوپر کا بٹن اس طرح کھلا ہوا ہے جس سے صرف گلے کے پاس کا خفیف حصہ نظر آ رہا ہے تو کوئی حرج نہیں یہ احکام فتاویٰ رضویہ جلد ثالث ص ۴۴۷' مندرجہ ذیل عبارت سے ماخوذ ہیں: ''اور کسی کپڑے کو ایسا خلاف عادت پہننا جسے مہذب آدمی مجمع یا بازار میں نہ کر سکے اور اگر کرے تو بے ادب خفیف الحرکات سمجھا جائے یہ بھی مکرہ ہے جیسے انگرکھا پہننا اور گھنڈی یا باہر کے بند نہ لگانا یا ایسا کرتا جس کے بٹن سینے پر ہیں پہننا اور بوتام اتنے لگانا کہ سینہ یا شانہ کھلا رہے جبکہ اوپر سے انگرکھا نہ پہنے ہو یہ بھی مکروہ ہے' اور اگر اوپر سے انگرکھا ہے یا اتنے بوتام لگا لئے کہ سینہ یا شانہ ڈھک گئے اگر چہ اوپر کا بوتام نہ لگانے سے گلے کے پاس کا خفیف حصہ کھلا رہا تو حرج نہیں۔ ملخصًا۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: محمد قدرت اللہ الرضوی

۲۱ ربیع الآخر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از ضیاالحق ڈومری پوسٹ کٹرہ ضلع مظفر پور (بہار)

زید نماز جمعہ پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا بکر نے دیکھا کہ اس کے سینہ کا بٹن کھلا ہوا تھا اور سینہ صاف نظر آ رہا تھا بکر نے اعتراض کیا بٹن بند کر لو ورنہ کسی کی نماز نہ ہوگی مگر زید نے بند نہیں کیا اور نماز پڑھائی بکر اپنے گھر واپس چلا گیا۔ اب ایسی صورت میں کیا لوگوں کی نماز زید کے پیچھے درست ہوئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سیّدنا اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ ارشد خاتم الفقہا حضرت مولانا شاہ امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب بہار شریعت حصہ سوم ص ۶۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''انگرکھے کے بند نہ باندھنا اور اچکن وغیرہ کے بٹن نہ لگانا اگر اس کے نیچے کرتا وغیرہ نہیں اور سینہ کھلا رہا تو ظاہر کراہت تحریم ہے' اور نیچے کرتا وغیرہ ہے تو مکروہ تنزیہی''۔ صورت مسئولہ میں جب زید نے بٹن نہیں لگایا جس کے باعث سینہ کھلا رہا تو اس کی نماز نیز مقتدیوں کی نماز مکروہ تحریمی ہوئی اور جب کسی خرابی کے باعث نماز مکروہ تحریمی ہو جائے تو اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم

کتبہ: بدرالدین احمد صدیقی قادری رضوی،

۱۹؍ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از رمضان علی قادری رضوی علی آباد۔ ضلع بارہ بنکی

جاڑے کی وجہ سے اگر مسجد کے اندر نماز پڑھنے کی صورت میں تمام دروازوں کو بند کر کے صرف درمیانی دروازہ کھول کر نماز پڑھی جائے تو کوئی کراہت تو نہیں ہے' اور باہر صحن میں نماز پڑھی جائے تو اندر کے دروازے کھولنے کی حاجت ہے یا نہیں؟

الجواب: جب کہ ایک دروازہ کھول کر پڑھی جائے تو کراہت نہیں اس لئے کہ فقہائے کرام نے مسجد کا دروازہ بند کرنے کو جو مکروہ فرمایا اس کی علت مشابہ منع من الصلاۃ ہے' اور صورت مذکورہ منع من الصلاۃ کے مشابہ نہیں۔ ھدایہ، عنایہ، فتح القدیر، بحرالرائق اور ردالمحتار میں ہے: کرہ غلق باب المسجد لانہ یشبہ المنع من الصلاۃ۔ اھ۔ اور اس علت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ باہر صحن میں نماز پڑھنے کی صورت میں اندر کا دروازہ کھول رکھنا ضروری نہیں۔ ھٰذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مرسلہ مولانا صوفی محمد صدیق مدرسہ نورالعلوم محلّہ کٹھوتیہ بھیرہوا (نیپال)

کاندھے پر چادر اوڑھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ اس میں کوئی کراہت نہیں اور حوالہ میں فتاویٰ امجدیہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے کہ۔ ''چادر اوڑھنے میں بہتر یہ ہے کہ سر سے اوڑھے اس طرح اوڑھنا مطابق سنت ہے' اور کندھے سے اگر

اوڑھے جب بھی نماز ہو جائے گی۔ نماز میں کراہت نہیں۔ (جلد اوّل ص ۲۰۰) حالانکہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ۱۷ ۴ پر ہے: حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا کہ چادر اگر رکوع میں یا کھڑے ہونے سے گر جائے تو ہاتھ سے اشارہ کر کے سر پر رکھ لینی چاہئے اگر نہیں رکھے گا تو نماز مکروہ ہوگی' اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اس قول کا رد بھی نہیں فرمایا' تو ان دونوں اقوال میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

الجواب: چادر سر پر اوڑھ کر نماز پڑھنا سنت ہے۔ کندھے پر اوڑھ کر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے۔ فتاویٰ امجدیہ میں ''کراہت نہیں'' سے مراد کراہت تحریمی نہیں ہے' اور فتاویٰ رضویہ میں کراہت سے مراد تنزیہی ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جو حدیث نقل فرمائی ہے وہ کراہت تحریم کے اثبات کے لئے کافی نہیں کہ مکروہ تحریمی کا اثبات اس سنت کے ترک سے ہوگا جو سنت ھدی مثل اذان و جماعت کے ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ / ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد اسحٰق پھریندی۔ ضلع گونڈہ (یوپی)

چشمہ لگائے ہوئے سجدہ کرنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر چشمہ (عینک) سجدہ کرنے میں ہڈی تک ناک کے دبنے میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا ہے تو نماز بلا کراہت ہو جائے گی اور اگر رکاوٹ پیدا کرتا ہے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔ ''ناک ہڈی تک نہ دبی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۷۱) ھٰذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ / جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ سنڈیلہ۔ ضلع ہردوئی

آج کل عورتیں تانبے، پیتل اور لوہے کے زیورات پہننے لگی ہیں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنے سے کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: تانبے، پیتل اور لوہے کے زیورات پہن کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۲۲ میں ہے: اور ہر وہ نماز کہ مکروہ تحریمی ہو اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے درمختار میں ہے: کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا. ھٰذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

نفل اور تراویح کا بیان

مسئلہ: از جمیل الدین صدیقی۔ شہر برائچ۔

ظہر، مغرب اور عشاء کی سنتوں کے بعد نفل نماز پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز کا پڑھنا ضروری نہیں بلکہ بہتر ہے۔ ہاں اگر نفل نماز قصداً شروع کردے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے اور قصداً شروع کر کے توڑ دے تو اس کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے درمختار میں ہے: لزم نفل شرع فیه بتکبیرة الاحرام اوبقیام الثالثة شروعاً صحیحاً قصداً ولوعند غروب وطلوع واستواء علی الظاهر فان افسده حرم لقوله تعالٰی ولاتبطلوا اعمالکم الابعذر ووجب قضاء ہ اھ۔ ملخصًا وهو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از فتح محمد شاہ دوبولیا بازار۔ ضلع بستی۔

عشاء فرض کی جماعت چھوٹ گئی تو تراویح اور وتر کی جماعت میں شامل ہو یا نہ ہو۔

الجواب: جس نے عشاء کی جماعت تنہا پڑھی وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہو جائے تنہا نہ پڑھے ہاں وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو درمختار میں ہے: مصلیه (ای الفرض) وحده یصلیها (ای التراویح) معه (ای مع الامام) اور ردالمحتار میں ہے: اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر. وهو سبحانه وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد اسلام۔ داروخانہ بمبئی

کیا احادیث کریمہ، صحابۂ کرام اور جمہور علماء کے اقوال سے بیس رکعت تراویح کا ہونا ثابت ہے؟ اگر ہے تو کتابوں کے حوالوں کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب: بیشک احادیث کریمہ، اجماع صحابہ اور جمہور علماء کے اقوال سے ثابت ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے جیسا کہ بیہقی نے معرفہ میں حضرت سائب بن یزید اللہ علیہ سے روایت کی: قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر۔ یعنی صحابۂ کرام حضرات عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم ص ۱۷۵ میں ہے: قال النووی فی الخلاصة اسناده صحیح۔ یعنی امام نووی نے خلاصہ میں

فرمایا کہ اس روایت کی اسناد صحیح ہے' اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے روایت کی: کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعة یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تیئس رکعت پڑھتے تھے۔ (یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر)

اور مشکوٰۃ میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا یعنی تین رکعت وتر اور آٹھ رکعت تراویح' تو اس روایت کے بارے میں علامہ ابن البر نے فرمایا کہ یہ وہم ہے' اور صحیح یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابۂ کرام بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے (مرقاۃ جلد دوم ص ۱۷۴) اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: جمع بینهما بانه وقع اولًا ثم استقر الامر علی العشر بن فانه المتوارث۔ یعنی ان دو روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں لوگ پہلے تو آٹھ رکعت پڑھتے تھے پھر بیس رکعت پر قرار ہوا جیسا کہ مسلمانوں میں رائج ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم ص ۱۷۵) اور بیس رکعت تراویح پر صحابۂ کرام کا اجماع ہے جیسا کہ ملک العلماء حضرت علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: روی ان عمر رضی اللّٰه عنه جمع اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه وسلم فی شهر رمضان علیٰ ابی بن کعب فصلی بهم فی کل لیلة عشرین رکعت ولم ینکر علیه احد فیکون اجماعًا منهم علی ذلك۔ یعنی مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے رمضان کے مہینے میں صحابۂ کرام کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا تو وہ روزانہ صحابۂ کرام کو بیس رکعت پڑھاتے تھے اور ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو بیس رکعت پر صحابہ کا اجماع ہو گیا (بدائع الصنائع جلد اوّل ص ۱۷۵) اور عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم ص ۳۵۵ میں ہے: قال ابن عبدالبر وهو قول جمهور العلماء وبه قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقهاء وهو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة۔ یعنی علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ وہ (یعنی بیس رکعت تراویح) جمہور علماء کا قول ہے علمائے کوفہ، امام شافعی اور اکثر فقہا یہی فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں' اور علامہ ابن حجر نے فرمایا: اجماع الصحابه علیٰ ان التروایح عشرون رکعة۔ یعنی صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے' اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: وهی عشرون رکعة باجماع الصحابة۔ یعنی تراویح بیس رکعت ہے اس لئے کہ اس پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے' اور مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل ص ۱۷۵ میں لکھتے ہیں: ثبت اهتمام الصحابة علیٰ عشرین فی عهد عمر و عثمان وعلی فمن بعد هم اخرجه مالك وابن سعد والبیهقی وغیرهم۔ یعنی حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی صحابۂ کرام کا بیس رکعت پر اہتمام ثابت ہے۔ اس مضمون کی حدیث کو امام مالک، ابن سعد اور امام بیہقی وغیرہم نے تخریج کی ہے' اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اجمع الصحابة علی التراویح عشرون رکعة. یعنی صحابۂ

کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے (مرقاۃ جلد دوم ص ۱۷۵) بلکہ بیس رکعت جمہور کا قول ہے اور اسی پر عمل ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اکثر اهل العلم علی ماروی عن علی و عمرو غیرهما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعة وهو قال سفیان الثوری و ابن المبارك والشافعی و قال الشافعی هٰکذا ادرکت ببلد نامکة یصلون عشرین رکعة۔ یعنی کثیر علماء کا اسی پر عمل ہے جو حضرت مولا علی اور حضرت عمر فاروق اعظم اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت تراویح منقول ہے اور سفیان ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں (کہ تراویح بیس رکعت ہے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوئے پایا ہے۔ (ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان ص ۹۹)

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح نقایہ میں تحریر فرماتے ہیں: فصار اجماعاً لما روی البیهقی باسناد صحیح کانوا یقیمون علیٰ عهد عمر بعشرین رکعة وعلی عهد عثمان و علی۔ یعنی بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اس لئے کہ امام بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں صحابۂ کرام اور تابعین عظام بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۲۲۴ میں ہے: ثبت العشرون بمواظبة الخلفاء الراشدین ما عدا الصدیق رضی اللہ عنهم۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مداومت سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: وهی عشرون رکعة هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقا وغربا۔ یعنی تراویح بیس رکعت ہے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے اور مشرق ومغرب ساری دنیا کے مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے (شامی جلد اول ص ۴۷۴) اور شیخ زین الدین ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: هو قول الجمهور لما فی المؤطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعة وعلیه عمل الناس شرقا و غربا۔ یعنی بیس رکعت تراویح جمہور علماء کا قول ہے اس لئے کہ مؤطا امام مالک میں حضرت یزید ابن رومان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ کرام تیئیس (۲۳) رکعت پڑھتے تھے (یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر) اور اسی پر ساری دنیا کے مسلمانوں کا عمل ہے۔ (بحر الرائق جلد دوم ص ۱۷) اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: کان الناس یصلونها فرادیٰ الی زمن عمر رضی الله عنه فقال عمر انی اریٰ ان اجمع الناس علی امام واحد فجمعه علی ابی بن کعب فصلی بهم خمس ترویحات عشرین رکعة۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ شروع زمانۂ خلافت تک صحابۂ کرام تراویح الگ الگ پڑھتے تھے بعدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک امام پر صحابۂ کرام کو جمع کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ پھر انھوں نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ پر صحابۂ کرام کو جمع فرمایا حضرت ابی نے لوگوں کو پانچ ترویحہ بیس رکعت پڑھائی اور کفایہ میں ہے: کانت جملتها عشرین رکعة وهٰذا عندنا

وعند الشافعي۔ یعنی تراویح کا کل بیس رکعت ہے' اور یہ ہمارا مسلک ہے اور یہی مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے' اور بدائع الصنائع جلد اوّل ص ۲۸۸ میں ہے: امام قدرها فعشرون ركعة في عشر تسليمات في خمس ترويحات كل تسليمتين ترويحة وهٰذا قول عامة العلماء یعنی تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے پانچ ترویحے دس سلاموں کے ساتھ، ہر دو سلام پر ایک ترویحہ بنتا ہے' اور یہی عام علماء کا قول ہے' اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: وهي عشرون ركعة۔ یعنی تراویح بیس رکعت ہے۔ (احیاء العلوم جلد اوّل ص ۲۰۱) اور شرح وقایہ جلد اوّل ص ۱۷۵ میں ہے: سن التراويح عشرون ركعة یعنی بیس رکعت تراویح مسنون ہے' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۰۸ میں ہے: وهي خمس ترويحات كل ترويحة اربع ركعات بتسليمتين كذا في السراجيه یعنی تراویح پانچ ترویحے ہے ہر ترویحہ چار رکعت کا دو سلاموں کے ساتھ ایسا ہی سراجیہ میں ہے' اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: عدده عشرون ركعت یعنی تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۱۸)

بیس رکعت تراویح کی حکمت

اور بیس رکعت تراویح کی حکمت یہ ہے کہ رات اور دن میں کل بیس رکعت فرض و واجب ہیں۔ سترہ رکعت فرض اور تین رکعت وتر۔ لہٰذا رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح مقرر کی گئی تاکہ فرض و واجب کے مدارج اور بڑھ جائیں اور ان کی خوب تکمیل ہو جائے۔ جیسا کہ بحر الرائق جلد دوم ص ۶۷ پر ہے: ذكر العلامة الحلبي ان الحكمة في كونها عشرين ان السنن شرعت مكملات للواجبات وهي عشرون بالوتر فكان التراويح كذالك لتقع المساوات بين المكمل والمكمّل۔ یعنی علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ تراویح کے بیس رکعت ہونے میں حکمت یہ ہے کہ واجب اور فرض جو دن رات میں کل بیس رکعت ہیں۔ انھیں کی تکمیل کے لئے سنتیں مشروع ہوئی ہیں تو تراویح بھی بیس رکعت ہوئی تاکہ مکمل کرنے والی اور تراویح اور جنکی تکمیل ہو گی یعنی فرض و واجب دونوں برابر ہو جائیں' اور مراقی الفلاح کے قول: وهي عشرون ركعة کے تحت حضرت علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: الحكمة في تقديرها بهٰذا العدد مساواة المكمل وهي السنن لمكمل وهي الفرائض الاعتقادية والعملية۔ یعنی بیس رکعت تراویح مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مکمل کرنے والی سنتوں کی رکعات اور جن کی تکمیل ہوتی ہے یعنی فرض و واجب کی رکعات کی تعداد برابر ہو جائے' اور درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۴۹۵ میں ہے: وهي عشرون ركعة حكمته مساواة المكمل والمكمل۔ یعنی تراویح بیس رکعت ہے اور بیس رکعت تراویح میں حکمت یہ ہے کہ مکمِل مکمَل کے برابر ہو۔ اور درمختار کی اسی عبارت کے تحت شامی میں نہر سے منقول ہے: لايخفى ان الرواتب وان كملت ايضًا الا ان هٰذا الشهر لمزيد كما له زيد فيه هٰذا المكمل فتكمل۔ یعنی واضح ہو کہ فرائض اگرچہ پہلے سے بھی مکمل ہیں لیکن ماہ رمضان میں اس کے کمال کی زیادتی کے سبب یہ مکمل یعنی بیس رکعت تراویح

پڑھادی گئی تو وہ خوب کامل ہو گئے۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔ والیہ المرجع والمآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از محمد قابل صدیقی۔ تھانہ روڈ سلی گوڑی۔ دارجلنگ (مغربی بنگال)۔

تراویح کی نماز امام نے غلطی سے تین رکعت پڑھائی تو سجدۂ سہو کرنے سے دو رکعت نفل مانی جائے گی یا نہیں؟

الجواب: اگر دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا تھا تو سجدۂ سہو کرنے کے باوجود دو رکعت نماز نفل نہیں مانی جائے گی۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸/ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: مسئولہ مولانا عبدالقدوس صاحب کشمیری سیفی جوبلی اسٹریٹ بمبئی نمبر ۳

مومن پورہ بمبئی نمبر ۱۱ سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام حقیقۃ الفقہ ہے اس میں ہماری معتبر کتابوں کے حوالے سے تراویح کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں لکھی ہوئی ہیں۔

۱- تراویح بیس رکعت کی حدیث ضعیف ہے (درمختار، ہدایہ، شرح وقایہ)

۲- تراویح آٹھ رکعت کی حدیث صحیح ہے۔ (شرح وقایہ)

۳- تراویح صحیح حدیث سے مع وتر کے گیارہ رکعت ثابت ہیں۔ (ہدایہ، شرح وقایہ)

۴- مع وتر کے تراویح گیارہ رکعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بیس رکعت سنت خلفائے راشدین ہے۔ (ہدایہ، شرح وقایہ)

۵- حضرت عمر نے جو نعم البدعۃ فرمایا ہے اس سے مراد معنیٰ لغوی ہیں نہ کہ شرعی۔ (شرح وقایہ)

۶- تراویح آٹھ رکعت سنت ہیں اور بیس مستحب ہیں۔ (شرح وقایہ)

مذکورہ بالا باتوں کا حقیقت سے کچھ تعلق ہے یا نہیں؟ واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: لعنۃ اللہ علی الکذبین۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ مذکورہ بالا باتوں کا حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ حضرت شیخ برہان الدین ابوالحسن علی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یستحب ان یجتمع الناس فی شھر رمضان بعد العشاء فیصلی بھم امامھم خمس ترویحات۔ یعنی صاحب قدوری نے فرمایا: مستحب ہے کہ لوگ ماہ رمضان میں عشاء کے بعد جمع ہوں تو ان کا امام ان کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھائے (جلد اول ص ۱۳۰) قدوری کی اس عبارت کے تحت صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں: ذکر لفظ الاستحباب والاصح انھا سنۃ کذا روی

الحسن عن ابی حنیفه لانه واظب علیها الخلفاء الراشدون. یعنی صاحب قدوری نے مستحب کا لفظ تحریر فرمایا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ تراویح سنت ہے۔ ایسے ہی حضرت حسن نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس لئے کہ تراویح خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیشہ ادا فرمائی۔ (ہدایہ جلد اوّل ص ۱۳۱) صاحب شرح وقایہ حضرت صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: سنن التراویح عشرون رکعة بعد العشاء۔ یعنی عشاء کے بعد بیس رکعت تراویح سنت ہے۔ (شرح وقایہ جلد اوّل ص ۱۷۵) اور صاحب درمختار حضرت شیخ علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: وهی عشرون رکعة حکمته مساواة المکمل للمکمل۔ یعنی تراویح بیس رکعت ہے، اور بیس رکعت میں حکمت یہ ہے کہ مکمِل مکمَل کے برابر ہو۔ یعنی رات اور دن کے فرض و واجب جو کل بیس رکعت ہیں تراویح ان کے برابر ہو (درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۴۹۵) معلوم ہوا کہ ہدایہ، شرح وقایہ اور درمختار کے نزدیک بیس ہی رکعت والی حدیث صحیح ہے۔ اسی لئے ان کتابوں میں بیس رکعت تراویح کو سنت لکھا، اور حقیقۃ الفقہ میں جتنی باتیں ان کتابوں کے حوالے سے لکھی گئی ہیں یعنی بیس رکعت تراویح والی حدیث کا ضعیف ہونا آٹھ رکعت والی حدیث کا صحیح ہونا وغیرہ سب جھوٹ ہے۔ ان کتابوں میں اس طرح کی باتیں ہرگز نہیں لکھی ہیں۔ یہ غیر مقلدوں کا کھلا ہوا فریب ہے، اور ان کے مصنّفین پر واضح بہتان ہے۔ جھوٹوں نے اپنے جھوٹے مذہب کو پھیلانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو سچے مذہب کو قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین بحرمة النبی الکریم الامین علیه وعلیٰ آله افضل الصلوٰات واکمل التسلیم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

قضا نماز کا بیان

مسئلہ: از محمد اسلم بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

زید نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ مغرب کا وقت آ گیا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ عصر کی نماز پڑھ کر مغرب کی نماز پڑھے یا باجماعت مغرب پڑھنے کے بعد عصر پڑھے۔ اسی طرح اور نمازوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب. بعد بلوغ زید کی اگر چھ یا چھ وقت سے زیادہ نمازیں قضا ہو گئی ہیں اور ابھی ان میں سے کل یا بعض کی قضا پڑھنی باقی ہے تو کسی بھی وقت کی نماز ہو قضا پڑھنے سے پہلے جماعت میں شامل ہو جائے، اور اگر پانچ وقت یا اس سے کم کی نمازیں قضا ہوئی ہیں اور ان میں سے کل یا بعض کی قضا پڑھنی ابھی باقی ہے تو قضا پڑھنے سے پہلے نہ جماعت میں شریک ہو سکتا ہے، اور نہ تنہا وقتی نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ اسے قضا ہونا یاد ہو اور اس وقت میں گنجائش ہو۔ هٰذا خلاصة ما فی الکتب الفقهة والله تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم بالصواب. جل جلاله وصلی الله علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ / ج / ی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ

باب سجود السھو

سجدۂ سہو کا بیان

مسئلہ: از محمد ہارون رضوی پائیدھونی بمبئی نمبر ۳

امام نے نماز پڑھاتے ہوئے تلاوت قرآن میں کچھ غلطی کی مقتدی نے لقمہ دیا امام نے صحیح کر لیا۔ پھر اسی غلطی کی بنا پر آخر میں سجدۂ سہو کیا جس کی ضرورت نہ تھی دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ جو لوگ سجدۂ سہو کے بعد جماعت میں شامل ہوئے ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: جو مقتدی امام کے سجدۂ سہو کا سلام پھیرنے کے بعد جماعت میں شامل ہوئے ان کی نماز نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ جب سجدۂ سہو واجب نہ تھا تو دائیں جانب سلام پھیرتے ہی نماز ختم ہوگئی اور مسبوق کی بھی نماز فاسد ہوگئی اس لئے کہ محل انفراد میں اقتداء پائی گئی جو مفسد نماز ہے درمختار میں ہے: سلام من علیه سجود سھو یخرجه من الصلوٰۃ خروجاً موقوفاً ان سجد عاد الیھا والالا۔ ردالمحتار جلد اوّل ص ۵۲۷ میں ہے: انه اذا سجد وقع لغو افکانه لم یسجد فلم یعد الیٰ حرمة الصلوٰۃ۔ ھو الله تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم جل جلاله و صلی المولیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از محمد مظہر حسین قادری مدرسہ اہلسنت گلشن رسول قصبہ دلاسی گنج۔ فیض آباد

زید نماز عصر ادا کر رہا تھا قعدۂ اولیٰ میں اسے بیٹھنا تھا لیکن وہ بھول گیا اس کا اٹھنا اتنا تھا کہ قریب تھا کہ قیام مان لیا جاتا اتنے میں لقمہ پاتے ہی وہ قعدۂ اولیٰ کے لئے بیٹھ گیا تشہد پڑھنے کے بعد کھڑا ہوا نماز دو رکعت وہ بھی پوری کی ایسی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوئی کہ نہیں؟ جواب مدلل اور واضح عنایت فرمائیں۔

الجواب: اگر امام کھڑے ہونے کے قریب تھا یعنی بدن کے نیچے کا آدھا حصہ سیدھا ہو گیا تھا اور پیٹھ میں خم باقی تھا کہ مقتدی کے لقمہ دینے پر بیٹھ گیا اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا تو نماز پوری ہوگئی اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۵۴ میں ہے: ان عاد ھو الی القیام اقرب بان استوی النصف الاسفل مع انحناء الظھر وھو الاصح فی تفسیرہ سجدہ للسھو' اور اگر بیٹھنے کے قریب تھا یعنی ابھی جسم کے نیچے کا آدھا حصہ سیدھا نہ ہوا تھا کہ

لقمہ دینے پر بیٹھ گیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں نماز پوری ہوگئی اس کا اعادہ واجب نہیں ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۹۹ میں ہے: اذا اعاد قبل ان یستقیم قائما وکان الی العقود اقرب فانہ لاسجود علیہ فی الاصح وعلیہ الاکثر اھ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از سرفراز احمد اعظمی معرفت محمد احمد یونس سیٹھ کی چال روم نمبر ۷ نیو آگرہ روڈ کرلا۔ بمبئی نمبر ۷۰

امام عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور کھڑا ہوگیا دو تین مقتدیوں نے لقمہ دیا مگر امام کھڑا ہی رہا پھر آخر میں سجدۂ سہو کیا نماز ہوگئی یا نہیں؟ اور جن مقتدیوں نے لقمہ دیا ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

پچھلی صف میں ایک مقتدی دو رکعت پر امام کے ساتھ کھڑا نہ ہوا بلکہ بیٹھا رہا اور التحیات پڑھ کر کھڑا ہوا اس مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں امام کے کھڑا ہونے کے بعد جن مقتدیوں نے اسے لقمہ دیا ان کی نماز نہیں ہوئی۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ سوم ص ۴۰۴ میں ہے: جب امام قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر پورا کھڑا ہو جائے تو اب مقتدی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرے ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پورا کھڑا ہونے کے بعد امام کو قعدۂ اولیٰ کی طرف عود نا جائز تھا تو اس کا بتانا محض بے فائدہ رہا اور اپنے اصلی حکم کے رو سے کلام ٹھہر کر مفسد نماز ہوا' اور جیسا کہ بحر الرائق جلد دوم ص ۷ میں ہے: ولا یسبح للامام اذا قام الی الاخریین لانہ لا یجوز لہ الرجوع اذا کان الی القیام اقرب فلم یکن التسبیح مفیدا کذا فی البدائع وینبغی فساد الصلوٰۃ بہ لان القیاس فسادھا بہ عند قصدا لاعلام وانما ترک للحدیث الصحیح من نابہ شیء فی صلاتہ فلیسبح فللحاجۃ لم یعمل بالقیاس فعند عدمھا یبقی الامر علی اصل القیاس...... اور جو شخص امام کے ساتھ کھڑا نہ ہوا بلکہ بیٹھا رہا التحیات پڑھ کر کھڑا ہوا تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔ شامی جلد اوّل ص ۳۱۶ میں ہے: تجب متابعۃ للامام فی الواجبات فعلا وکذا ترکاً ان لزم من فعلہ مخالفۃ الامام فی الفعل کترکہ القنوت اوتکبیرات العید اوقعدۃ الاولٰی اوسجود السھوا والتلاوۃ فیترکہ المؤتم ایضًا۔ اھ۔ واللہ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از ابوالحسن منظری گورکھپور

عیدالاضحیٰ کی نماز میں امام کو سہو ہوا اور اس نے سجدۂ سہو ادا کیا کیا نماز ہوگئی؟ زید کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ

عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو نہیں ہے امام نے سجدہ کر کے زیادتی کی لہٰذا نماز نہیں ہوئی؟

الجواب: زید کا کہنا عید کی نماز میں سجدۂ سہو نہیں ہے غلط ہے۔ بہار شریعت حصہ چہارم ص ۵۳ میں بحوالۂ عالمگیری تحریر فرمایا ہے کہ ''جمعہ و عیدین میں سہو واقع ہوا اور جماعت کثیر ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے'' صورت مسئولہ میں نماز ہو گئی۔ امام نے صرف بہتر کے خلاف کیا ہے جبکہ مقتدیوں کی جماعت کثیر رہی ہو اور اگر مقتدیوں کی جماعت کثیر نہ رہی ہو تب تو سجدۂ سہو اس پر واجب تھا ہی۔ نماز نہ ہونے کا کیا معنی ہے۔

کتبہ: بدر الدین احمد رضوی گورکھپوری

۱۵ / ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از محمد امین الدین محلہ سگرا مپورہ۔ مولوی اسماعیل اسٹریٹ سورت

امام تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا گیا اور دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا پھر مقتدی کے لقمہ دینے پر رکوع سے واپس ہوا دعائے قنوت پڑھی پھر رکوع کیا اور آخر میں سجدۂ سہو کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: جو شخص دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں چلا جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ دعائے قنوت پڑھنے کے لئے رکوع سے پلٹے بلکہ حکم یہ ہے کہ وہ نماز پوری کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرے۔ پھر اگر خود ہی یاد آ جائے اور رکوع سے پلٹ کر دعائے قنوت پڑھے تو اصح یہ ہے کہ برا کیا گنہگار ہوا مگر نماز فاسد نہ ہوئی۔ رد المحتار میں ہے: لوسها عن القنوت فركع فانه لو عاد وقنت لاتفسد على الاصح اھ مگر صورت مستفسرہ میں جب مقتدی نے امر نا جائز کے لئے لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی پھر امام اس کے بتانے سے پلٹا اور وہ نماز سے خارج تھا تو امام کی بھی نماز فاسد ہو گئی اور اس کے سب کسی کی نماز نہیں ہوئی۔ هٰكذا في الكتب الفقهة. وهو تعالٰى ورسولهٗ الاعلى اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ / شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد فاروق القادری متعلم دار العلوم غوثیہ ذاکر نگر جمشید پور (بہار)

(۱) اگر امام بھول کر قعدۂ اولیٰ میں نہ بیٹھا بلکہ کھڑا ہو گیا یا کھڑے ہونے کے قریب ہو گیا پھر کسی مقتدی کے لقمہ دینے سے بیٹھ گیا اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہو گی یا نہیں؟

(۲) اور اگر امام نہیں بیٹھا پھر آخر میں سجدۂ سہو کر لیا تو امام و مقتدی کی نماز کا کیا حکم ہے؟

(۳) اور اگر امام بغیر لقمہ خود ہی خیال آنے سے بیٹھ گیا پھر سجدۂ سہو کیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

(۴) اگر کوئی ایسی غلطی ہوئی کہ سجدۂ سہو نہیں تھا پھر بھی کر لیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بعون الملك العزيز الوهاب

(۱) اگر امام قعدۂ اولیٰ بھول کر سیدھا کھڑا ہوگیا اس کے بعد مقتدی کے لقمہ دینے سے بیٹھ گیا اور امام کی پیروی میں سب مقتدی بھی بیٹھ گئے تو کسی کی نماز نہ ہوئی سب کی نماز باطل ہوگئی اس لئے کہ سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد بیٹھنا گناہ ہے۔ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۵۰۰ میں ہے: ان استقام قائما لايعود فلو عاد الى القعود تفسد صلاته وقيل لاتفسد لكنه يكون مسيئا وهو الاشبه كما حققه الكمال وهو الحق بحر اھ ملخصًا۔ ردالمحتار میں ہے: قوله لكنه يكون مسيئا اى ويأثم كما في الفتح۔ لہٰذا مقتدی نے امر ناجائز کے لئے لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ پھر امام اس مقتدی کے بتانے سے لوٹا جو نماز سے خارج تھا تو اس کی نماز بھی باطل ہوگئی اور مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگئی اور اگر ابھی امام سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا بلکہ کھڑے ہونے کے قریب تھا اور مقتدی کے لقمہ دینے پر بیٹھ گیا پھر آخر میں سجدۂ سہو کیا تو سب لوگوں کی نماز ہوگئی اس لئے کہ جب سیدھا کھڑا نہ ہو تو مذہب اصح میں پلٹ آنے کا حکم ہے مراقی الفلاح میں ہے: ان عاد وهو الى القيام اقرب بان استوى النصف الاسفل مع انحناء الظهر وهو الاصح في تفسيره سجد للسهو۔ طحطاوی ص ۲۵۴ میں ہے: قوله وهو الى القيام اقرب الخ ظاهره انه ان لم يستو قائما يجب عليه العود ثم يفصل في سجود السهو فان كان الى القيام اقرب سجد له وان كان الى القعود اقرب لافحكم السجود متعلق بالقرب وعدمه وحكم العود متعلق بالاستواء وعدمه، اور تنویر الابصار و درمختار میں ہے: (سها عن القعود الاول من الفراض) ولو عمليا اما النفل فيعود مالم يقيد با لسجدة (ثم تذكره عاد اليه) وتشهد ولاسهو عليه في الاصح (مالم يستقم قائما) في ظاهر المذهب وهو الاصح فتح ردالمحتار ج ا ص ۴۹۹ میں ہے: قوله ولاسهو عليه في الاصح يعني اذا عاد قبل ان يستتم قائما وكان الى القعود اقرب فانه لاسجود عليه في الاصح وعليه الاكثروا ما اذا عاد وهوا لى القيام اقرب فعليه سجود السهو كما في نور الايضاح وشرحه بلاحكاية خلاف فيه وصحح اعتبار ذالك في الفتح بما في الكافي ان استوى النصف الاسفل وظهره بعد منحن فهوا قرب الى القيام وان لم يستو فهوا قرب الى القعود، اور فتاویٰ رضویہ جلد ثالث ص ۶۳۲ میں ہے: ''اگر قیام سے قریب ہوگیا یعنی بدن کا نصف زیریں سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی ہے تو بھی مذہب اصح وارجح میں پلٹ آنے ہی کا حکم ہے مگر اب اس پر سجدۂ سہو واجب انتہیٰ بالفاظہ۔ وهو اعلم بالصواب.

(۲) اگر مقتدی نے اس وقت لقمہ دیا جب کہ امام بیٹھنے کے قریب تھا مگر وہ نہیں بیٹھا تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوئی لیکن اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے اس لئے کہ امام نے لقمہ کے بعد قصداً ترک واجب کیا جس کی تلافی سجدۂ سہو سے نہیں ہوسکتی فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۱۸ میں ہے: ان ترك ساهيا يجبر بسجدتي السهو وان ترك عامدا الاكذا في التتارخانية وظاهر كلام الجم الغفير انه لا يجب السجود في العمد وانما تجب الاعادة جبراً النقصانه

کذا فی البحر الرائق' اور اگر مقتدی نے اس وقت بتایا جب کہ امام پورا سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں پورا سیدھا ہو گیا تو سجدۂ سہو سے سب کی نماز پوری ہو گئی کہ مقتدی نے اس وقت لقمہ دیا جب کہ امام کو بیٹھنے کا حکم ہے اس لئے مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوئی اور چوں کہ امام بھول کر کھڑا ہوا اس لئے اس کا نقصان سجدۂ سہو سے پورا ہو گیا۔

(۳) اگر امام بیٹھنے کے قریب تھا اور بیٹھ گیا تو نماز ہو گئی اور اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں' اور اگر کھڑے ہونے کے قریب ہوا پھر بیٹھ گیا تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوا اگر کر لیا تو نماز پوری ہو گئی' اور اگر پورا کھڑا ہو گیا پھر بغیر لقمہ خود ہی خیال آنے سے بیٹھ گیا تو گنہگار رہا اور مذہب راجح پر نماز فاسد نہ ہوئی اور سجدۂ سہو کرنے سے پوری ہو گئی۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۳۳ میں ہے:''ہر کہ در فرض یا وتر قعدۂ اولیٰ فراموش کردہ استادہ تا بتمامہ استادہ نہ شود بسوئے قعود رجوعش باید پس اگر ہنوز بقعود اقرب بود سجدۂ سہو نیست و اگر بقیام نزدیک تر شدہ باشد سجدۂ سہو لازم آید۔ و اگر بتمامہ راست ایستاد آنگاہ نشستن روا نیست اگر بقعدۂ اولیٰ بازی گردد گنہگار شود امام راجح اذ نست کہ نماز دریں صورت ہم از دست نہ رود و سجدۂ سہو واجب شود۔ اھ ملخصًا۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

(۴) اگر کوئی ایسی غلطی ہوئی کہ سجدۂ سہو لازم نہ تھا مگر پھر بھی سجدۂ سہو کیا تو منفرد امام اور وہ مقتدی جو مدرک میں یعنی پہلی رکعت سے آخر تک امام کے ساتھ پڑھے ہیں ان سب کی نماز ہو گئی۔ لیکن جو لوگ امام کے سجدۂ سہو کرنے کے لئے سلام پھیرنے کے بعد نماز میں شریک ہوئے ان کی نماز نہ ہوئی کہ بے سبب سجدۂ سہو کرنے سے امام سلام پھیرتے ہی نماز سے الگ ہو گیا تو بعد کے مقتدیوں کو نماز کی کسی جز میں امام کی شرکت نہ ملی درمختار مع شامی ج ا ص ۵۰۳ میں ہے: سلام من علیہ سجود سھو یخرجہ من الصلوٰۃ خروجا موقوفا ان سجد عادالیھا والالا' اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۵۰۴ میں ہے: انہ اذا سجد وقع لغو افکان لم یسجد فلم یعد الیٰ حرمۃ الصلوٰۃ' اور وہ مقتدی جو مسبوق ہیں یعنی جن لوگوں کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی ہیں اگر وہ لوگ سجدہ کرنے میں امام کی اتباع کریں بعد کو معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو واجب نہ تھا تو ایسے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو گئی اس لئے کہ انھوں نے محل انفراد میں اقتداء کی طحطاوی علی مراقی ص ۲۵۳ میں ہے:''لو تابعہ المسبوق ثم تبین ان لاسھو علیہ ان علم ان لاسھو علی امامہ فسدت وان لم یعلم انہ لم یکن علیہ فلاتفسد وھو المختار کذا فی المحیط۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از ابوالکلام احمد مقام و پوسٹ کسم کھور ضلع فرخ آباد

قعدۂ اخیرہ میں امام بجائے بیٹھنے کے کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے کے قریب ہو جائے' اور امام لقمہ پر بیٹھ جائے یا اپنے خیال سے بیٹھ جائے تو سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے تو کیوں؟

الجواب: قعدۂ اخیرہ میں بھول کر سیدھا کھڑا ہو جائے یا کھڑے ہونے کے قریب ہو جائے۔ یعنی بدن کا نصف زیریں سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی رہے کہ مقتدی کے لقمہ دینے پر یا خود بیٹھ جائے تو قعدۂ اخیرہ کی ادائیگی میں تاخیر کے سبب سجدۂ سہو ضروری ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۲۱ میں ہے: ان لم یقعد علی راس الرابعة حتیٰ قام الی الخامسة ان تذکر قبل ان یقید الخامسة بالسجدة عاد الی القعدة ھٰکذا فی المحیط۔ وفی الخلاصة ویشھد ویسجد للسھو کذا فی التاتارخانیه' اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۴۴۵ میں محقق علی الاطلاق سجدۂ سہو کی علت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: لانه اخروا اجبا ای واجبا قطعیا وھو الفرض لان الکلام فی القعدة الاخیرة اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۲/ ذوقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از نور محمد مسجد قلیان سنٹرل اسٹیشن چھاؤنی کانپور

زید نے جہری نماز پڑھائی جس کی پہلی رکعت میں الم تر کیف الخ اور دوسری رکعت میں سبحان ربك رب العزة عما یصفون الخ پڑھی۔ آیا صورت مذکورہ میں نماز جائز ہوگئی یا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی یا کچھ اور؟

الجواب: قرآن مجید کو ترتیب سے پڑھنا واجبات تلاوت سے ہے واجبات نماز سے نہیں ہے اس لئے اگر کسی نے پہلی رکعت میں الم تر کیف الخ پڑھی اور دوسری رکعت میں سبحان ربك الخ پڑھی تو گنہگار ہوا توبہ کرے مگر نماز جائز ہو گئی مکروہ تحریمی واجب الاعادہ نہیں ہوئی اور نہ بھول کر پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوا۔ جیسا کہ ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۰۷ میں ہے: یجب الترتیب فی سور القرآن فلو قرأ منکوسا اثم لکن لایلزمه سجود السھو لان ذالك من واجبات القراءة لامن واجبات الصلوٰة کما ذکره فی البحر فی باب السھو اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از ظل الرحمٰن خطاط استقامت ڈائجسٹ کانپور

اگر امام بھول کر قعدۂ اخیرہ میں کھڑا ہو گیا تو مقتدی کیا کریں؟

الجواب: اگر قعدۂ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد امام بھول کر کھڑا ہو گیا تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دیں' بلکہ بیٹھے ہوئے انتظار کریں۔ اگر سجدہ کرنے سے پہلے امام لوٹ آئے تو مقتدی اس کے ساتھ سجدۂ سہو کرنے کے بعد تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دیں' اور اگر امام نہ لوٹے یہاں تک کہ سجدہ کرے تو مقتدی تنہا سلام پھیر لیں اور اگر قعدۂ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھے بغیر

امام بھول کر کھڑا ہو گیا اور لقمہ دینے پر واپس نہ ہوا یہاں تک کہ سجدہ کر لیا تو سب کی فرض نماز باطل ہو گئی، اور جس نے امام کے سجدہ کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا اس کی بھی باطل ہو گئی مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۶۹ میں ہے: لو قام بعد القعود الاخیر ساهیا لایتبعد المؤتم فیما لیس من صلاته بل یمکث فان عاد الامام قبل تقییده الزائدة بسجدة اسلم معه وان قید الامام الرکعة الزائدة سجدة سلم المقتدی وحده۔ وان قام الامام قبل القعود الاخیر ساهیاً انتظره المأموم وسبح لیتنبه امامه فان سلم المقتدی قبل ان یقید امامه الزائدة سجدة فسد فرضه لانفراده برکن القعود حال الاقتداء کما تفسد بتقیید الامام الزائدة بسجدة لترکه القعود الاخیر فی محله ملخصًا۔ وهو تعالٰی اعلم ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از غلام حسین قادری نوری مدرسہ اسلامیہ سعدی مدنپور ضلع باندو

امام نے نماز عید پڑھائی دوسری رکعت میں دو تکبیر زائد کہہ کر تیسری تکبیر میں رکوع کو چلا گیا لقمہ مقتدی نے دیا تو فوراً امام نے اعادہ کر لیا اور نماز پوری سجدۂ سہو کے ساتھ کی کچھ مقتدیوں نے سلام سہو کو آخری سلام سمجھ کر دوسری طرف سلام پھیر دیا اور سجدۂ سہو بھی کیا اس صورت میں جن لوگوں نے دونوں طرف سلام پھیر دیا ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: (۱) اگر امام تکبیر زوائد بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو حکم ہے کہ نہ لوٹے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۵۶۰ اور بحر الرائق جلد دوم ص ۱۶۱ میں ہے: لو رکع الامام قبل ان یکبر فلا یعود الی القیام لیکبر فی ظاهر الروایة اھ ملخصًا، اور بہار شریعت حصہ چہارم لاہوری ص ۱۰۸ پر عید کے بیان میں ہے کہ ”امام تکبیر کہنا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو قیام کی طرف نہ لوٹے اھ“ اور جب تکبیر کے چھوڑنے پر نہ لوٹنے کا حکم ہے تو ایک تکبیر کے چھوڑنے پر بدرجۂ اولیٰ نہ لوٹنے کا حکم ہے...... لہٰذا مقتدی نے غلط لقمہ دیا اور غلط لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فتاوٰی رضویہ جلد سوم ص ۴۲۲ میں بحر الرائق سے ہے: القیاس فسادها به وانما ترک للحاجة فعند عدمها یبقی الامر علی اصل القیاس اھ مختصرًا، اور لقمہ دینے والا جب کہ نماز سے خارج ہو گیا اور امام اس کے بتانے سے لوٹا تو امام کی نماز گئی اور اس کے سبب سے لوگوں کی نماز جاتی رہی کسی کی نہ ہوئی۔ هٰکذا فی الجزء الثالث من الفتاوٰی الرضویة۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶؍ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

باب فی سجدة التلاوة

سجدۂ تلاوۃ کا بیان

مسئلہ: از حاجی معشوق علی وعبدالحق اعظم گڑھ

(۱) اسلامی مدارس میں جو آیت سجدہ لڑکوں کو پڑھائی جاتی ہے تو طالب علم اور معلم پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

(۲) طالب علم اور معلم کا بغیر وضو کے قرآن پاک کا پڑھنا اور چھونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) طالب علم اگر آیت سجدہ پڑھ رہا ہے' اور معلم سن رہا ہے یا معلم پڑھا رہا ہے' اور طالب علم پڑھ رہا ہے' اور دونوں نابالغ ہیں تو دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا مگر کر لینا بہتر ہے' اور اگر ان میں سے ایک بالغ ہے تو صرف بالغ پر واجب ہوگا خواہ آیت سجدہ وہ خود پڑھے یا کسی سے سنے اور اگر دونوں بالغ ہیں تو پڑھنے اور سننے والوں پر سجدہ کرنا واجب ہوگا پھر اگر پڑھنے والے نے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھا اور سننے والے نے ایک ہی مجلس میں سنا تو دونوں پر ایک ہی بار سجدہ کرنا واجب ہوگا اور اگر پڑھنے والے کی مجلس ہر بار بدلتی رہی اور سننے والے کی مجلس نہ بدلی تو پڑھنے والا جتنی بار پڑھے گا اتنی ہی بار اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا اور سننے والے پر ایک ہی سجدہ کرنا واجب ہوگا' اور اگر پڑھنے والی کی مجلس نہ بدلی اور سننے والے کی مجلس ہر بار بدلتی رہی تو حکم برعکس ہوگا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولو تبدل مجلس السامع دون التالی یتکرر الوجوب علیه. ولو تبدل مجلس التالی دون السامع یتکرر الوجوب علیه لاعلیٰ السامع علی قول الاکثر المشائخ وبه نأخذ کذا فی العتابیه. یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سجدہ کی ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا اور اگر سجدہ کی چند آیتوں کو پڑھایا سنا خواہ ایک ہی مجلس میں تو جتنی آیتوں کو پڑھے گا یا سنے گا اتنی ہی بار سجدہ واجب ہوگا۔ طالب علم نے آیت سجدہ پڑھی اور معلم نے پڑھائی یا سنی اور دونوں نے سجدہ کر لیا پھر اسی مجلس میں طالب علم نے وہی آیت پڑھی اور معلم نے پڑھائی یا سنی تو وہی پہلا سجدہ کافی ہوگا' اور ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنے اور سننے کے بعد آخر میں ایک سجدہ کر لیا تب بھی ایک ہی کافی ہوگا اور تاخیر کرنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ دو ایک لقمہ کھانے، دو ایک گھونٹ پینے، کھڑے ہو جانے، مدرسہ کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے کی طرف چلے جانے سے مجلس نہ بدلے گی' اور تین لقمے کھانے، تین گھونٹ پینے، تین کلمے بولنے، تین قدم میدان میں چلنے، لیٹ کر سو جانے سے مجلس بدل جائے گی اور کسی مجلس میں دیر تک بیٹھنے، قرأت، تسبیح، تہلیل، سبق پڑھانے وعظ میں مشغول ہونے سے مجلس نہیں بدلے گی۔

(۲) طالب علم اور معلم اگر دونوں نابالغ ہوں تو بے وضو قرآن مجید چھونا بہتر نہیں مگر چھو سکتے ہیں اور اگر مدرس بالغ ہو یا طالب علم بالغ ہو تو بالغ کو بغیر وضو کے قرآن مجید یا اس کی کسی آیت کا چھونا حرام ہے بے چھوئے یا دور سے دیکھ کر زبانی پڑھے تو کوئی حرج نہیں کما صرح به فی کتب الفقه۔ وﷲ تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴/ جمادی الاولیٰ ۹ ۱۳۷ھ

مسئلہ: از محمد اسلم بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

سجدۂ سلاوت بیٹھ کر کیا جائے یا کھڑے ہو کر؟

الجواب: سجدۂ تلاوت میں بیٹھ کر سجدہ میں جانا جائز ہے، اور کھڑے ہو کر سجدے میں جانا اور سجدہ کے بعد کھڑا ہونا مستحب ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۲۸ میں ہے: والمستحب انه اذا ارادان یسجد للتلاوة یقوم ثم یسجدو اذا رفع راسه من السجود یقوم ثم یقعد کذا فی الظهیرة۔ واﷲ تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم جل جلاله وصلی المولیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ

باب صلوٰۃ المسافر

نماز مسافر کا بیان

مسئلہ: از سیّد غلام جہانیاں، گوٹھ بٹ سرائی ضلع دادو (پاکستان)

زید جو ہندوستان کا ایک سنی حنفی عالم دین ہے ۳؍ذی الحجہ کو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ حاضر ہوا جس کی نیت یہ تھی کہ حج کے بعد ایک ماہ مکہ معظمہ میں قیام کرے گا عالم مذکور نے منیٰ اور عرفات میں چار رکعت والی فرض نمازوں میں قصر کی۔ ۹؍ذی الحجہ کی رات کو جب عرفات سے مزدلفہ پہنچا تو عشا میں قصر کی اس پر بکر نے کہا کہ یہاں قصر کرنا غلط ہے عالم دین نے بکر کو سمجھانے کی کوشش کی مگر انھوں نے کہا کہ میں کئی بار حج کر چکا ہوں بڑے بڑے علماء کا ساتھ رہا ہے یہاں پر قصر ہرگز نہیں ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں عالم دین کا منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں قصر کرنا صحیح ہے یا بقول بکر ان مقامات پر قصر کرنا غلط ہے؟ کتب معتبرہ کے حوالہ سے بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں عالم دین جب کہ ۳؍ذی الحجہ کو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ حج کے لئے حاضر ہوا تو مسافر رہا مقیم نہ ہوا اس لئے کہ پندرہ دن سے قبل ہی اسے منیٰ اور عرفات کی طرف نکلنا تھا تو جب بحالت مسافرت اس نے منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کی حاضری دی تو ان مقامات پر چار رکعت والی نماز فرض میں قصر ضروری ہوا بلکہ وہ عالم دین ۳؍ذی الحجہ کو جب کہ وہ مکہ معظمہ میں داخل ہوا اگر اقامت کی نیت بھی کرتا تو وہ نیت اس کی صحیح نہ ہوتی اور قصر لازم رہتا۔ بکر کا قول صحیح نہیں لہٰذا اس نے اگر کسی بھی سال مذکورہ صورت میں قصر نہ کیا تو ترک واجب کے سبب گنہگار رہا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ ص ۱۳۱ میں ہے: ان نوی الاقامة اقل من خمسة عشر یوماً قصر هٰذا فی الهدایة اھ۔ بحر الرائق جلد ثانی ص ۱۳۲ اور فتاویٰ ہندیہ جلد اوّل مصری ص ۱۳۱ میں ہے: ذکر فی کتاب المناسك عند الحجاج اذا دخل مکة فی ایام العشر و نوی الاقامة نصف شهر لایصح لانه لابدله من الخروج الیٰ عرفات فلا یتحقق الشرط اھ۔ اور بدائع الصنائع جلد اوّل ص ۹۸ میں کتاب مذکور کے حوالہ سے ہے: ان الحاج اذا دخل مکة فی ایام العشر ونوی الاقامة خمسة عشر یوماً اودخل قبل ایام العشرلکن بقی الیٰ یوم الترویة اقل من خمسة عشر یومًا ونوی الاقامة لایصح لانه لا بدله من الخروج الیٰ عرفات فلا یتحقق نیة اقامته خمسة عشر یومًا فلا یصح اھ۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۳۰ میں ہے: القصر واجب عندنا کذا فی الخلاصة اھ۔ درمختار میں ہے: صلی الفرض

الرباعی رکعتین وجوبا لقول ابن عباس ان اللہ فرض علیٰ لسان بینکم صلاۃ المقیم اربعا والسافر رکعتین اھ۔اور بحرالرائق میں ہے:لو اتم فانہ اثم عاص اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔!

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹؍ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از قادری بکڈپو محلّہ کیلہ غازی آباد

زید اپنے آبائی وطن سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر برسرروزگار قیام پذیر ہے دوران سال ہفتہ یا پندرہ یوم کے لئے اپنے اعزا واقارب سے ملنے کی غرض سے وطن جاتا ہے۔آیا زید پر قصر واجب ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب معتبرہ جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر زید اپنے آبائی وطن سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر صرف تجارت کے لئے مقیم ہے کہ اس جگہ نہ اس کی ولادت ہوئی نہ وہاں اس نے شادی کی اور نہ اسے وطن بنایا یعنی یہ عزم نہیں کیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی بر بنائے تعلق تجارت یا نوکری ہے تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی بلکہ وطن اقامت ہے اگر چہ وہاں اپنے بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہر حال یہ قیام مستقل نہیں بلکہ ایک وجہ سے خاص ہے تو جب وہاں سفر سے آئے گا جب تک پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہ کرے گا۔

قصر ہی پڑھے گا اور جب وہاں سے اپنے آبائی وطن کے لئے سفر سے آئے گا تو وہ راستہ میں قصر کرے گا کہ ساٹھ میل کا سفر کرے گا اور جب اپنے آبائی وطن میں پہنچ جائے گا تو قصر نہ کرے گا کہ وطن اصلی ہے اور مسافر جب وطن اصلی میں پہنچ جاتا ہے تو سفر ختم ہو جاتا ہے اگر چہ اقامت کی نیت نہ ہو درمختار میں ہے:الوطن الاصلی موطن ولادتہ اوتاھلہ اوتوطنہ۔ ردالمحتار جلد اوّل ص۵۳۲ میں ہے: قولہ اوتاھلہ ای تزوجہ وقولہ او توطنہ ای عزم علی القرار فیہ وعدم الارتحال وان لم یتاھل۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص۱۳۳ میں ہے: وطن الاقامۃ یبطل بوطن الاقامۃ وبانشاء السفرو با لوطن الاصلی ھکذا فی التبیین۔ اور اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے:اذا دخل المسافر مصرہ اتم الصلوٰۃ وان لم ینوی الاقامۃ فیہ اھ وھو تعالیٰ عالم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸؍ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از ابوالکلام مقام کسم کھور ضلع فرخ آباد

زید ملازمت کے لئے وطن سے دور رہتا ہے کبھی کبھی معین جگہ سے آٹھ دس کے فاصلہ پر جانا پڑتا ہے' اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساٹھ میل کی دوری پر بھی سفر میں جانا پڑتا ہے مگر درمیان میں آٹھ دس میل کے فاصلے پر گھنٹے دو گھنٹے ایک آدھ شب کے

لئے رکنا پڑتا ہے، حالات مذکورہ میں درمیان سفر میں نماز قصر پڑھے گا یا پوری؟ اور جب معین جگہ سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر جانا پڑتا ہے تو وہاں نماز قصر کرے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ صورت مسئولہ میں جب معین جگہ سے آٹھ دس میل دور ہو جائے تو نماز قصر نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ قصر کے لئے خشکی میں مسافت سفر کم از کم ۵۷، ۲/۱ میل ہے اور جب معین جگہ سے ساٹھ میل کے سفر پر جانا پڑے اور راستے میں آٹھ دس میل کے فاصلہ پر ایک دو شب قیام کا ارادہ ہے جب بھی قصر نہیں۔ کیونکہ قصر کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ارادہ سفر متصل کا ہو۔ ہاں اگر ایک دو گھنٹے ضمناً کہیں بیچ میں رکنا ہے تو قصر کرے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: محمد الیاس خاں

الجواب صحیح: جلال الدین احمد الامجدی

بدر الدین احمد الرضوی

مسئلہ: از محمد حنیف مدرسہ اسلامیہ جلال پور سکندرہ پوسٹ مدیاپور۔ ضلع کانپور

ایک مدرس اپنے وطن سے تین دن کی راہ سے شہر میں گیا وہاں پر اس کے والدین رہتے ہیں خود بھی وہیں پر پلا بڑھا اور پڑھا اور وہیں پر امامت اور مدرسی بھی کرنے لگا کبھی دوسرے دیہات یا شہروں میں چلا گیا اور وہاں امامت یا مدرسی کرنے لگا چھ ماہ یا ایک سال کے بعد جب واپس آیا جہاں پر والدین ہیں تو وہاں پر اس کو نماز قصر پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ جب کہ اس کا ایک ہفتہ رہنے کا خیال ہو؟

الجواب: بعون الملک العزیز الوھاب۔ جہاں مدرس کے والدین رہتے ہیں وہ شہر اس کا وطن اصلی ہو گیا ہے کہ اس کے گھر کے لوگ وہاں مستقل سکونت اختیار کر چکے ہیں یعنی اس شہر میں قیام عارضی نہیں ہے تو وہاں پہنچ کر کسی صورت میں قصر نہیں کرے گا اور وہ شہر اگر وطن اقامت ہے یعنی وہاں پر قیام عارضی ہے تو پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت کی صورت میں قصر کرے گا بشرطیکہ مسافر ہو کر وہاں پہنچا ہو۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷/ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد عبد السمیع صدیقی مدرسہ رکن الاسلام مقام بڑی پوسٹ ماتور ضلع الور (راجستھان)

(۱) زید مسافر ہے بکر مقیم نے زید کی اقتداء کی زید پر سجدۂ سہو لازم ہوا زید نے سجدۂ سہو کیا بکر نے سجدۂ سہو نہیں کیا بکر کی اقتداء صحیح رہی یا غلط؟

(ب) زید مسافر عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا بکر آخری رکعت میں شامل ہوا بکر اپنی تین رکعتیں کس طرح ادا کرے تینوں رکعتوں میں کیا کیا پڑھے؟

(ج) زید مسافر کی اقتداء بکر نے کی بکر آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے یا نہیں؟ کس طرح آخری دو رکعتیں ادا کرے؟

(د) مچھلی کب سے حلال ہوئی؟ کس طرح حلال ہوئی؟ مفصل تحریر فرمائیں کتب معتبرہ سے مدلل جواب مرحمت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: (ا) مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی کے لئے سجدۂ سہو کے بارے میں وہی حکم ہے جو مسبوق کا ہے۔ یعنی امام کے ساتھ بغیر سلام کے سجدۂ سہو کرے اگر امام کے ساتھ نہ کیا تو اقتدا باطل نہ ہوئی آخر میں سجدۂ سہو کرے اگر آخر میں بھی نہ کیا تو نماز کا اعادہ کرے فتویٰ عالمگیری میں ہے: المقیم خلف المسافر حکمه حکم المسبوق فی سجدة السهو اھ۔ اور مسبوق کے متعلق ردالمحتار میں بحر وغیرہ سے ہے: لولم یتابعه فی السجود وقام الیٰ قضاء ماسبق به فانه یسجد فی آخر صلاته استحساناً لان التحریمة متحدة فجعل کانها صلوٰة واحدة اھ۔ وهو تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم

(ب، ج) بکر لاحق مسبوق ہے امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب کھڑا ہوا تو قیام میں کچھ نہ پڑھے بلکہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کی مقدار خاموش کھڑا رہے پھر رکوع وسجدہ سے فارغ ہو کر التحیات پڑھے کہ یہ اس کی دوسری رکعت ہوئی پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور ویسی ہی بلا قرأت پڑھے اور پھر التحیات کے لئے بیٹھے کہ یہ رکعت اگرچہ اس کی تیسری ہے مگر امام کے حساب سے چوتھی ہے، اور پھر کھڑا ہو کر ثناء پڑھے اگر پہلے نہیں پڑھی اور تعوذ وتسمیہ سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے پھر رکوع سجدہ اور تشہد کے بعد نماز پوری کرے درمختار و ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۹۹ میں ہے: مقیم ائتم بمسافر فهو لاحق بالنظر للآخیر تین وقد یکون مسبوقا ایضا کما اذا فاته اوّل صلاة امامه المسافر اھ۔ اور درمختار میں ہے: اللاحق یبدأ بقضاء مافاته بلاقراء ۃ ثم ماسبق به بها ان کان مسبوقا ایضا اھ تخلیصاً اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۰۰ میں ہے: صلی اللاحق ماسبق به بقراء ۃ ان کان مسبوقا ایضًا اھ۔ پھر اسی صفحہ پر ہے: فی شرح المنیه وشرح المجمع انه لو سبق برکعة من ذوات الاربع ونام فی رکعتین یصلی اولا ما نام فیه ثم ما ادرکه مع الامام ثم ماسبق به فیصلی رکعة مما نام فیه مع الامام ویقعدمتا بعة له لانها ثانیة امامه ثم یصلی الآخریٰ مما نام فیه ویقعد لانها ثانیة ثم یصلی التی انتبه فیها ویقعد متابعة لامامه لانها رابعة وکل ذالك بغیر قراء ۃ لانه مقتد ثم یصلی الرکعة التی سبق بها بقراء ۃ الفاتحة وسورۃ۔ والاصل ان اللاحق یصلی علیٰ ترتیب صلاۃ الامام والمسبوق یقضی ماسبق به بعد فراغ الامام اھ۔

(د) دارالافتاء سے احکام شرعیہ حلال و حرام بتائے جاتے ہیں حرام و حلال کی تاریخ کا تعلق دارالافتاء سے نہیں ہے والله تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۳؍صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از ابن حسن مین پوری (یو۔پی)

مکہ اور مدینہ کی نماز میں کیا فرق ہے؟ نیز یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ کی نماز ہے یا مدینہ کی۔

الجواب: بعون الملك العزيز الوهاب۔ سوال واضح نہیں کہ سائل کیا دریافت کرنا چاہتا ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ نماز کا کتنا حصہ مکی اور کتنا حصہ مدنی ہے تو واضح ہو کہ مکہ شریف میں کل گیارہ رکعتیں فرض ہوئی تھیں دو فجر دو ظہر دو عصر تین مغرب اور دو عشاء پھر مدینہ شریف میں چھ رکعتوں کا اضافہ ہوا دو ظہر میں دو عصر میں اور دو عشاء میں اس طرح دن رات میں کل سترہ رکعتیں ہوئیں۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مغرب کے علاوہ باقی وقتوں کی جو رکعتیں سورتوں سے خالی پڑھی جاتی ہیں وہ مدنی ہیں باقی مکی ہیں، اور بعض لوگ مکہ اور مدینہ کی نماز میں جو یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ رکعتیں جو بھری پڑھی جاتی ہیں وہ مکی ہیں اور جو خالی پڑھی جاتی ہیں وہ مدنی ہیں صحیح نہیں اس لئے کہ مغرب کی تینوں رکعتیں مکہ شریف میں فرض ہوئی تھیں جس میں سے ایک خالی بھی ہے هٰذا خلاصة ما قال الشاه ولی الله المحدث الدهلوی فی حجة الله البالغة والله تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم جل جلاله وصلی المولیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲؍ذو القعدہ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از محمد ابراہیم خاں چھاؤنی ضلع بستی (یو پی)

ایک مولانا صاحب سلطانپور میں رہتے ہیں اور ریاست خاں چھاؤنی میں رہتے ہیں جو فیض آباد سے پورب بستی روڈ پر واقع ہے۔ ریاست خاں نے مولانا کو اپنے لڑکی کی شادی میں شرکت کی دعوت دی اور تاکید کر دی کہ آپ صبح سویرے پہلے چھاؤنی آئیں دو پہر کا کھانا یہیں کھا کر آرام کریں پھر چھاؤنی سے فیض آباد ہوتے ہوئے علاقہ اکبر پور میں ٹانڈہ روڈ پر یعقوب پور بارات چلنا ہے۔ مولانا صاحب سلطانپور سے بوقت صبح شادی اور بارات کی شرکت کی نیت سے براہ فیض آباد چھاؤنی پہنچے دو پہر کا کھانا کھایا اور دو تین گھنٹے چھاؤنی میں رہے، اور آرام کیا۔ پھر بارات کے ساتھ فیض آباد ہوتے ہوئے یعقوب پور گئے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں مولانا صاحب شرعی مسافر ہوئے یا نہیں؟ اور وہ نماز قصر کریں گے یا نہیں؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ اگر سلطانپور سے چھاؤنی کی مسافت ۷۵،۲۰ کلومیٹر نہیں ہے اور چھاؤنی سے یعقوب پور ۹۲ کلومیٹر ہے تو اس صورت میں مولانا صاحب شرعی مسافر نہیں ہوئے قصر نہیں کریں گے اگرچہ سلطانپور

ہے چھاؤنی اور چھاؤنی سے یعقوب پور کی مجموعی مسافت ۹۲ کلومیٹر سے زیادہ ہو کہ صورت مذکورہ میں سفر دو ٹکڑے ہوگیا کہ ضمناً نہیں راستہ میں رکنے سے سفر کا ٹکڑا نہیں ہوتا اور اس صورت میں مولانا کے لئے چھاؤنی کا سفر ضمناً نہیں ہوا بلکہ استقلالاً ہوا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: اگر دو سو میل کے ارادے پر چلا مگر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یعنی بیس میل جا کر یہ کام کروں گا وہاں سے تیس میل جاؤں گا وہاں سے پچیس میل وعلیٰ ہذا القیاس مجموعہ دو سو میل تو مسافر نہ ہوا کہ ایک لخت ارادہ ۵۷،۲/۱ میل کا نہ ہوا (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۶۷) اور اگر سلطانپور سے چھاؤنی ۹۲ کلومیٹر نہیں ہے مگر چھاؤنی سے یعقوب پور مسافت قصر ہے تو اس صورت میں چھاؤنی تک مسافر نہ رہے گا لیکن چھاؤنی سے یعقوب پور کے سفر میں کئی شرعی مسافر ہو گئے نماز قصر کریں گے' اور اگر سلطانپور سے چھاؤنی ۹۲ کلومیٹر یا اس سے زیادہ ہے تو سلطانپور سے نکلتے ہی مولانا مسافر ہو گئے چھاؤنی اور یعقوب پور کے راستہ میں قصر کریں گے اور ان مقامات پر بھی چار رکعت والی فرض نماز کو دو ہی پڑھیں گے۔ ھٰذا ماظھرلی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵/ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ

مسئلہ: از محفوظ الرحمٰن ٹی۔ٹی۔ای الہ آباد

میرا مکان ایک گاؤں میں ہے جہاں سے الہ آباد قریب ۱۲ کلومیٹر ہے۔ میں اپنے گاؤں سے قریب ۶ کلومیٹر پر نینی میں کرایہ پر مکان لے کر بسلسلۂ ملازمت رہتا ہوں۔ میں ریلوے میں ملازم ہوں اور گاڑی میں ٹکٹ چیک کرنے کی ڈیوٹی ہے۔ صدر مقام الہ آباد ہے وہاں سے مغل سرائے (۱۵۳ کلومیٹر) کانپور (۱۹۳ کلومیٹر) چوپن (۳۰۱) ٹونڈلہ (۴۲۳) دہلی (۶۳۱) کو گاڑی لے کر جانا پڑتا ہے۔ واپس آ کر الہ آباد میں گاڑی چھوڑ کر پھر نینی آتا ہوں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ مجھے نینی و سفر میں دونوں جگہ نماز قصر کرنی پڑے گی کہ نینی میں آپ کا کوئی ذاتی مکان نہیں ہے' مگر میں جب بھی نینی رہتا ہوں تو قصر نہیں کرتا ہوں اور باقی سفر کے ایام میں قصر کرتا ہوں تو حوالہ کے ساتھ یہ فتویٰ دیں کہ میں جس طرح نماز پڑھ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے یا کہ نینی میں رہنے پر بھی قصر کرنا ضروری ہے؟

الجواب: جبکہ نینی کو اپنا وطن نہ بنالیا ہو یعنی یہ عزم نہ کر لیا ہو کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا رہنا صرف عارضی ہو ملازمت کے لئے تو وہ جگہ آپ کے لئے وطن اصلی نہ ہوئی اگرچہ وہاں کا رہنا اہل وعیال کے ساتھ ہو۔ لہٰذا جب ۹۲ کلومیٹر یا اس سے زیادہ مسافت کی نیت سے سفر پر نکلیں تو واپسی کے بعد نینی میں بھی قصر کریں جب تک کہ وہاں پندرہ دن قیام کی نیت نہ کریں۔ البتہ اگر کبھی درمیان میں اپنے گاؤں جائیں گے تو مقیم تو ہو جائیں گے اب نینی آنے کے بعد قصر نہ کریں گے جب تک کہ ۹۲ کلومیٹر یا اس سے زیادہ مسافت کی نیت سے سفر پر نکل کر واپس نہ ہوں گے ایسا ہی درمختار جلد اوّل ص ۵۳۲ میں ہے: اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے

ہوئے تحریر فرماتے ہیں: جبکہ وہ دوسری جگہ جہاں نہ اس کا مولد (جائے پیدائش) ہے نہ وہاں اس نے شادی کی نہ اسے اپنا وطن بنایا یعنی یہ عزم نہ کیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی بر بنائے تعلق تجارت یا نوکری ہے تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی اگر چہ وہاں بضرورت معلوم قیام زیادہ کرے اگر چہ وہاں برائے چندے یا تا حاجت اقامت بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہر حال یہ قیام ایک وجہ خاص سے ہے نہ مستقل ومستقر، تو جب وہاں سفر سے آئے گا جب تک پندرہ دن کی نیت نہ کرے گا قصر ہی پڑھے گا کہ وطن اقامت سفر کرنے سے باطل ہو جاتا ہے فی الدر المختار الوطن ولادته اوتاهله اوتوطنه ردالمحتار میں ہے: قوله اوتاهله ای تزوجه قال فی شرح المنية ولوتزوج المسافر ببلد ولم ینوا لاقامة به فقيل لايصير مقيما وقيل يصير مقيما وهو الاوجه قوله اوتوطنه ای عزم علی القرارفيه وعدم الارتحال وان لم يتاهل فلوكان له ابوان ببلد غيرمولده وهو بالغ ولم يتاهل به فليس ذلك وطناله الااذا عزم علی القرار فيه وترك الوطن الذی كان له قبله شرح المنية تنویر میں ہے: ويبطل وطن الاقامة بمثله والاصلی والسفر۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۷۰) وهو اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

باب صلٰوۃ الجمعہ

نماز جمعہ کا بیان

مسئلہ: از محمد نعیم خاں، موضع سنگھ پورا یودھیا پوسٹ برگدواہریا ضلع گورکھپور

یہاں کے لوگ دیہات ہی میں جمعہ کی نماز ادا کیا کرتے ہیں لیکن بڑی بڑی اور مستند کتابوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ دیہات میں جمعہ کی نماز نہیں ہے یہ مسئلہ کہاں تک صحیح اور کہاں تک غلط ہے حوالہ کے ساتھ نقل کریں اور نیز یہ بھی بتا دیں کہ دیہات میں عورتیں عید کی نماز گھر پر پڑھتی ہیں یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: بے شک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے ھٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی اور ہدایہ میں ہے: لاتصح الجمعۃ الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولاتجوز فی القریٰ لقولہ علیہ اللام لاجمعۃ ولاتشریق ولافطر ولااضحی الا فی مصر جامع اھ۔ اور اسی کے تحت فتح القدیر میں ہے: رفعہ المصنف وانما رواہ ابن ابی شیبہ موتوفاً علیٰ علی رضی اللہ عنہ لاجمعۃ ولاتشریق ولا صلاۃ فطر ولااضحی الا فی مصر جامع اوفی مدینۃ عظیمۃ صححہ ابن حزم اھ۔ اور عورتیں اگر عید کی نماز گھر میں مردوں کے ساتھ پڑھتی ہیں تو اختلاط مردم کے سبب ناجائز ہے اور اگر صرف عورتیں جماعت کریں تو یہ بھی ناجائز اس لئے کہ صرف عورتوں کی جماعت ناجائز و مکروہ تحریمی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد مصری ص ۸۰ میں ہے: یکرہ امامۃ المرأۃ للنساء فی الصلوات کلھا من الفرائض والنوافل الا فی صلوٰۃ الجنازۃ ھٰکذا فی النھایۃ اھ اور درمختار میں ہے: یکرہ تحریما جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلاۃ جنازۃ اھ۔ اور اگر فرداً فرداً پڑھیں تو نماز جائز نہ ہوگی اس لئے کہ عیدین کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے ہاں عورتیں اس دن اپنے اپنے گھروں میں فرداً فرداً نفل نماز پڑھیں تو باعث ثواب و برکت ہے از دیاد نعمت ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از سید محمد حسن علی الحسینی عفی عنہ ہیڈ مولوی۔ بی۔ بی۔ ہائی اسکول۔ پنسکورہ۔ ضلع مدنا پور (بنگال)

شہر کسے کہتے ہیں؟ ایسا گاؤں کہ جہاں ضرورت کی اشیاء ہروقت ملتی ہوں وہاں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: شہر وہ آبادی ہے جس میں دوامی بازار اور متعدد کوچے ہوں۔ وہ ضلع یا پرگنہ ہو اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اس میں کوئی ایسا حاکم ہو جو ظالم سے ظلم کا بدلہ لے سکے۔ هٰکذا فی الفتاویٰ الرضویة ناقلاعن الخانیة والخلاصة والدر المختار وغیرها من الکتب الفقهة الحنفیة۔ تعریف مذکور جس آبادی میں صادق آئے وہ شہر ہے ورنہ دیہات ہے' اور جمعہ یا شہر یا فنائے شہر میں جائز ہے۔ دیہات میں جمعہ جائز نہیں' اور جو بعض فقہا نے قصبہ میں جمعہ جائز بتایا ہے جیسا کہ غنیۃ کے حوالہ سے بہار شریعت میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تحصیل یا پرگنہ ہو جو مصر ہی کی ایک قسم ہے۔ واضح ہو کہ دیہات میں اگر چہ جمعہ جائز نہیں لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی سے خوف کرتے ہوئے انھیں روکا نہ جائے لیکن مسئلہ شرعیہ سے ضرور آگاہ کیا جائے کہ دیہات میں جمعہ ادا نہیں ہوتا ظہر پڑھنا ضروری ہے۔ شامی جلد اوّل ص ۵۶۰ پر جواہر سے ہے: لوصلوا فی القریٰ لزمهم اداء الظهر۔ اھ واللّٰه تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم۔ جل جلاله وصلی اللّٰه علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از صمدہ فیض آباد۔ مرسلہ محمد عمر

(۱) گوشائیں گنج ایک ایسا قصبہ ہے جہاں پر نہ کوئی عدالت ہے' اور نہ کچہری ہے' اور نہ ہی وہاں پر کوئی حاکم شرع رہتا ہے لیکن ایک بڑا بازار ہے' اور ہندو مسلم کی ایک آبادی ہے مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۴، ۵ سو ہے۔ ایسی صورت میں موضع گوشائیں گنج میں جمعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۲) جن دیہاتوں میں عرصہ دراز سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے تو وہاں جمعہ کو روکا جائے یا نہ روکا جائے؟

الجواب: (۱) صحت جمعہ کے لئے مصر یا فناء مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف مذہب معتمد مسلک مستند پر حسب ذیل ہے۔ مصر: وہ آبادی ہے جس میں متعدد کوچے اور دوامی بازار ہوں اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ هٰکذا فی الفتاویٰ الرضویة ناقلاعن الهدایة والخانیة والظهیریة والخلاصة والعنایة والدر المختار وغیرها من الکتب الفقهة الحنفیة۔ جہاں یہ تعریف صادق ہو شرعاً وہی شہر ہے وہاں جمعہ صحیح و درست ہے ورنہ نہیں۔ مقام مذکور پر مصر کی تعریف صادق نہیں لہٰذا وہاں جمعہ صحیح نہیں اور جو بعض فقہاء نے صحت جمعہ کے لئے قصبہ ہونا لکھا ہے جیسا کہ غنیۃ شرح منیہ میں ہے تو اس سے ہمارے یوپی جیسا قصبہ مراد نہیں بلکہ وہ تحصیل یا پرگنہ کے معنی میں ہے جو مصر ہی کی ایک قسم ہے لہٰذا گوشائیں گنج میں اگر مذکورہ بالا آبادی اور بازار کی بناء پر یہاں کے عرف عام کے لحاظ سے اسے قصبہ کہا جاتا ہو تو

بی مت جمعہ کے لئے کافی نہیں!

ب (۲) اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی سے خوف کرتے ہوئے مسلمانوں کو مطلقاً نماز جمعہ سے روکا نہ جائے لیکن
ے شریعہ سے ضرور آگاہ کیا جائے کہ دیہات میں جمعہ ادا نہیں ہوتا ظہر پڑھنا ضروری ہے۔ جیسا کہ شامی میں قہستانی سے ہے:
ومنوا فی القریٰ لزمھم اداء الظھر۔ یعنی مسلمانوں نے اگر دیہات میں نماز جمعہ پڑھ لی تو انھیں ظہر پڑھ لینا ضروری
و فرض ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

کتبہ: محمد نعیم الدین صدیقی رضوی

۱۴ / ربیع الاول ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: از صمدہ ضلع فیض آباد مسئولہ عبدالغفور خاں مورخہ ۱۸ / جمادی الاخری ۱۳۸۱ھ

(۱) موضع اور قصبہ میں کیا فرق ہے؟ گوشائیں گنج ایک قصبہ ہے اور اس میں متعدد محلے اور متعدد کوچے ہیں دوامی بازار
ہے جامع مسجد اور مستقل عیدگاہ ہے۔ ریلوے اسٹیشن، تھانہ، ٹاؤن ایریا، بس اسٹیشن اور دو کالج ہیں اس سے متعلق کھیل کے
میدان میں ڈاکخانہ اور اسپتال بھی ہیں تو اسے موضع کہا جائے گا کہ قصبہ میں شمار کیا جائے گا اگر کوئی شخص ایسی جگہ کو استفتاء کی
صورت میں موضع لکھ کر فتویٰ حاصل کرتا ہے تو ایسے شخص نے علمائے ملت کو دھوکا دیا یا نہیں؟ اور ایسا شخص عنداللہ وعندالرسول کیسا
ہے؟ اگر یہ قصبہ ہے تو یہاں عید و جمعہ پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھا جا سکتا ہے تو کیا احتیاطاً ظہر پڑھی جائے گی؟ (۲)
جہاں ہمارے مذہب میں جمعہ نہیں اور عوام پڑھتے ہوں وہاں اپنا طریقہ ہے کہ لوگوں کو منع نہ کیا جائے کہ آخر نام الٰہی لیتے ہیں جو
بعض ائمہ کے طور پر صحیح آتا ہے خود شریک نہ ہوں کہ ہمارے میں جائز نہیں۔ (فتاویٰ افریقہ ص ۳۴) دریافت طلب بات یہ ہے کہ
کون شخص شریک نہ ہو؟ اور "ہمارے مذہب میں جائز نہیں"، اس جملہ کا مطلب کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: قصبہ عرف عام میں ایسی آبادی کو کہتے ہیں جہاں ڈیڑھ ہزار آدمیوں سے لے کر دس بارہ ہزار تک آدمی بستے
ہوں اور وہاں کچے مکانات کے ساتھ پختہ مکانات بھی ہوں کوئی مستقل بازار بھی ہو دو چار سڑکیں بھی ہوں، اور گاؤں یا موضع
اسے کہتے ہیں جہاں یہ باتیں نہ پائی جاتی ہوں لیکن شرع میں ہر وہ آبادی کہ جس پر شہر کی تعریف صادق نہ آئے گاؤں اور موضع
ہے اور شہر وہ عمارت والی آبادی ہے جس میں متعدد کوچے ہوں دوامی بازار ہوں وہ ضلع یا پرگنہ ہو اس کے متعلق دیہات ہوں اس
میں کوئی حاکم رعایا کے مقدمات فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کے یہاں قضایا پیش ہوتے ہوں اور اس کی شوکت اور حشمت مظلوم
کا انصاف ظالم سے لینے کے قابل ہو اگرچہ کبھی نہ لیا جائے۔ شہر کی تعریف میں اگرچہ اقوال ہیں لیکن یہ تعریف ارشاد امام اعظم
ظاہر الروایہ اور اصل مذہب کے مطابق جو کتب کثیرہ میں بالفاظ عدیدہ و معانی متقاربہ مرقوم ہے ھٰکذا قال الامام احمد
رضا فی الفتاویٰ الرضویۃ۔ اور قصبہ گوشائیں گنج پر یہ تعریف صادق نہیں آتی اس لئے کہ ریلوے اسٹیشن، تھانہ، ٹاؤن ایریا،
بس اسٹیشن، کالج، ڈاکخانہ اور اسپتال فیصلۂ مقدمات کے لئے نہیں ہوتے لہٰذا گوشائیں گنج کو موضع لکھ کر فتویٰ حاصل کرنے والا

شرعاً علمائے کرام کا فریب دھندہ نہیں قرار دیا جاسکتا ہے' اور وہاں عیدین اور جمعہ کی نماز پڑھنا مذہب حنفی میں جائز نہیں لیکن پڑھتے ہوں تو منع نہ کریں گے وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لے لیں غنیمت ہے درمختار میں ہے:، کرہ تحریما مطلقا ولو نفلا مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلها لانهم یترکونها والاداء الجائز عند البعض اولیٰ من الترک وهو تعالیٰ اعلم (۲) فتاویٰ افریقہ ص ۳۴ کی عبارت مگر خود شریک نہ ہوں'' کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس مسئلے سے واقف ہوں وہ شریک نہ ہوں اور ہمارے مذہب سے مراد مذہب حنفی ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حافظ عبدالجبار کالپی بازار ٹرنگنج ضلع جالون

کسی گاؤں میں جہاں کی نماز جمعہ جائز ہونے کا شرعی جواز نہیں مگر کافی عرصہ سے اس گاؤں میں نماز جمعہ قائم ہے' اور وہاں کے لوگ نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں قریب کے لوگ شہر سے اس گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنے جائیں شہر چھوڑ کر تو ان شہر کے لوگوں کی نماز جمعہ اس گاؤں میں ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوگی تو جو نمازیں اس گاؤں میں پڑھی ہیں دہرانا پڑیں گی یا نہیں؟ جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب: گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنے سے اس دن ظہر کی نماز ساقط نہیں ہوتی لہٰذا جن لوگوں نے جتنے دنوں جمعہ کی نماز گاؤں میں پڑھی ہے اتنے دنوں کی ظہر کی نماز قضاء کرنا ان پر واجب اور لازم ہے پھر گاؤں میں کسی کام سے جاتے ہیں اور وقت ہونے پر جمعہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں یا صرف نماز جمعہ پڑھنے کی نیت سے شہر چھوڑ کر گاؤں میں چلے جاتے ہیں اگر صرف جمعہ پڑھنے کی نیت سے گاؤں میں چلے جاتے ہیں تو گنہ گار ہوتے ہیں ان پر لازم ہے کہ آئندہ نہ جائیں اور جو پہلے جانے سے گناہ ہوا اس سے توبہ کریں' اور اگر کسی ضروری کام سے جاتے ہیں تو حرج نہیں۔ لیکن اگر وہ کام دوسرے روز ہو سکتا ہے تو دوسرے روز جائیں۔ واللہ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ: مسئولہ عبدالغفور خاں صمدہ ضلع فیض آباد

(۱) گاؤں اور چھوٹے قصبوں کے رہنے والے مسلمان اگر جمعہ و عیدین کی نماز نہ پڑھیں صرف ظہر کی نماز پڑھیں تو گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ (۲) گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے نئی عیدگاہ بنانا اور اس میں مسلمانوں کا روپیہ صرف کرنا کیا ہے جب کہ اس رسم اسلامی کو جائز یا ناجائز طور پر بہر حال پہلے قریب قصبہ میں ادا کر لیا کرتے تھے؟ اور گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے نئی عیدگاہ بنانے کے بجائے اگر مدرسہ اسلامیہ اہلسنت و جماعت بنوایا جائے تو کون زیادہ افضل و اعلیٰ ثابت ہو گا؟

الجواب: جہاں جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہیں اگر وہاں کے رہنے والے عیدین کی نماز نہ پڑھیں اور جمعہ کے بجائے ظہر پڑھیں تو عندالشرع گنہگار نہ ہوں گے لیکن عوام اگر جمعہ وعیدین کی نماز پڑھتے ہوں تو منع نہ کریں گے فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۴۲ پر بحوالۂ درمختار منقول ہے: کرہ تحریماً صلاۃ مطلقا ولو نفلا مع شروق الاالعوام فلا یمنعون من فعلها لانهم یترکونها اور اسی کتاب میں ص ۲۵۲ پر ہے دیہات میں نماز جمعہ وعیدین مذہب حنفی میں جائز نہیں مگر جہاں ہوتا ہے اسے بند کرنا جاہل کا کام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی. واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے نئی عیدگاہ بنانے اور اس میں مسلمانوں کا روپیہ صرف کرنے کے بجائے مدرسہ اسلامیہ بنوانا افضل اور باعث ثواب ہے۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ

مسئلہ: از مقام مدھ نگر دھوائی ضلع گونڈہ مرسلہ گل نور میاں

دیہات میں نماز جمعہ امام کس طرح پڑھائے؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھ لینے سے ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر بالفرض ساقط نہ ہوتی ہو تو ظہر کس طرح پڑھیں؟ اگر امام ومقتدی نماز ظہر جماعت سے پڑھیں تو عندالشرع اس میں جرم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھنا مذہب حنفی میں جائز نہیں لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو منع نہ کریں گے کہ شاید اس طرح اللہ ورسول کا نام لے لینا ان کے لئے ذریعۂ نجات ہو جائے اور جب دیہات میں جمعہ ہی نہیں بلکہ شہر کے جمعہ فرض کی نقل ہے تو اس کے لئے علیحدہ کوئی طریقہ نہیں۔ دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھ لینے سے ظہر کی فرض نماز ساقط نہیں ہوتی لہٰذا دوسرے ایام کی طرح جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶؍ ذی القعدہ ۱۳۸۲ھ

مسئلہ: از حقیق اللہ دیبا پور ضلع بستی۔

(۱) دیہات میں جمعہ کی نماز ہے یا نہیں؟ (۲) جو عالم دیہات میں جمعہ نہ پڑھے اور نہ پڑھائے تو شریعت کے نزدیک گنہگار ہے یا نہیں؟ (۳) جو عالم دیہات میں جمعہ کی نماز برابر پڑھے اور پڑھائے تو عندالشرع گنہگار ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱) دیہات میں جمعہ کی نماز نہیں ہے لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انہیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ ورسول کا نام لیں غنیمت ہے ھکذا قال الامام احمد رضا البریلوی وھو تعالیٰ اعلم (۲) شرعاً گنہگار نہیں ہے

وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم (۳)اگر فتنہ کے اندیشہ سے عالم دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھے یا پڑھائے تو عندالشرع گنہگار نہیں فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو بہ نیت نفل مشارکت ممکن ہے۔ ھٰذا ما ظھرلی والعلم عند المولی تعالٰی عزوجل

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از حافظ مطیع الحق متھرہ، بستی (یو۔پی)

دیہات میں جمعہ سے پہلے اور بعد، قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی نیت سے سنتیں پڑھنا کیسا ہے؟ اور ظہر کی فرض وسنت پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہ کی تمام معتمد کتابوں میں تصریح ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں اور پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ ورسول کا نام لیں غنیمت ہے، تو جب دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں تو قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی نیت سے سنتیں پڑھنا بھی صحیح نہیں کہ شریعت کی جانب سے قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی سنتوں کے مطالبہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور جب ظہر کی نماز ساقط نہیں ہوتی تو اس کی سنتوں کا پڑھنا لازمی ہے کہ جمعہ کے دن بھی ظہر کی سنتوں کے پڑھنے کا مطالبہ بدستور باقی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دیہات میں قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی نیت سے سنتیں پڑھنا غلط ہے، اور ظہر کی فرض کو پڑھنا فرض اور اس کی سنتوں کا پڑھنا ضروری۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰؍ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از محمد عبد الشکور اوجاگر پوری ضلع گونڈہ

زید کہتا ہے کہ جمعہ کا خطبہ لکڑی کے منبر پر پڑھنا ناجائز ہے۔ واضح فرمائیں کہ کیا زید کا قول صحیح ہے؟

الجواب: بخاری شریف جلد اوّل ص ۱۲۵ میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے کر لکڑی کا منبر بنوایا اور اس پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا لہٰذا جمعہ کا خطبہ لکڑی کے منبر پر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے بلکہ سنت ہے، اور ناجائز بتلانے والا جاہل ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۱۱؍رجب المرجب ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: از شوکت علی گورکھپوری

خطبہ زبانی پڑھنا سنت ہے یا کتاب دیکھ کر؟

الجواب: فتاوی رضویہ حصہ سوم ص ۷۴۱ میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: "دیکھ کر اور زبانی دونوں نفس ادائے حکم میں یکساں ہیں مگر زبانی اوفق بالسنۃ ہے" یعنی اگر کوئی شخص کتاب دیکھ کر خطبہ پڑھے تو درست ہے اور زبانی پڑھے تو بھی درست ہے مگر زبانی پڑھنا سنت سے زیادہ موافقت رکھتا ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۵ر شوال ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از محمد ذکی موضع تونہواں پوسٹ مہداول ضلع بستی

جمعہ کے خطبہ میں اردو اشعار پڑھنا کیسا ہے پڑھنے چاہئیں کہ نہیں؟ اور اگر نہیں پڑھنے چاہئیں تو کیوں لکھا گیا اور پڑھا جائے تو کیسے پڑھا جائے؟ حدیث شریف کا حوالہ دے کر صاف تحریر کرنے کی تکلیف گوارہ کریں۔

الجواب: خطبہ میں اردو نظم یا نثر پڑھنا خلاف سنت متوارثہ اور مکروہ ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں ہزاروں عجمی شہر فتح ہوئے مگر کہیں منقول نہیں کہ صحابہ نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھا اس میں دوسری زبان کو خلط کیا ہو وکل مالو وجد مقتضیہ عینا مع المانع ثم ترکوہ دل علیٰ انھم کفوا عنہ.فکان ادناہ الکراھۃ ھکذا فی الفتاوی الرضویۃ. خطبہ کے درمیان اردو کیوں لکھی گئی؟ اس کو لکھنے والے سے پوچھئے اور اگر درمیان میں لکھنا پڑھنے کی دلیل بن جائے تو نماز میں عربی کے ساتھ اردو پڑھنا بھی جائز ہو جائے اس لئے کہ بہت سے قرآنوں میں عربی کے درمیان اردو لکھی ہے مولیٰ تعالیٰ ہٹ دھرمی سے بچائے اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) بحرمۃ سیّد المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از خواجہ معین الدین رضوی منجانب چیئرمین تنظیم رضا گارڈن پیٹھ ہبلی ضلع دھارواڑ (کرناٹک)

عرض ہے کہ ہماری مسجد میں آج کل خطیب مسجد جمعہ کے دن خطبہ منبر پر چڑھ کر دینے سے پیشتر نیچے کھڑے ہو کر اردو میں تقریر کرتے ہیں پھر منبر پر چڑھ کر دونوں خطبے عربی میں پڑھتے ہیں زید کہتا ہے کہ یہ طریقہ درست نہیں ہے منبر پر کھڑے ہو کر عربی اردو کے ترجمہ سے پڑھنا بہتر ہے؟ ازراہ کرم قرآن مجید واحادیث طیبہ کی روشنی میں مدلل حوالہ جات کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں عین نوازش وکرم ہوگا۔

الجواب: بعون الملک العزیز الوھاب. اذان خطبہ سے پہلے منبر سے نیچے یا منبر پر اردو وغیرہ میں تقریر کرنا

بلاشبہ جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں اور بعد اذان خطبہ صرف اردو میں یا عربی اردو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا سنت متواترہ کے خلاف ہے، اور مکروہ ہے اس لئے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانۂ مبارکہ سے صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانۂ مبارکہ تک اسلام بے شمار عجمی شہروں میں شائع ہوا۔ مسجدیں بنیں اور منبر نصب ہوئے مگر کبھی عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ فرمانا یا خطبہ میں دو زبانیں ملانا مروی نہ ہوا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ خطبہ میں دوسری زبان ملانا سنت متوارثہ کے مخالف اور مکروہ ہے لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ ''خطبہ عربی اردو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے'' صحیح نہیں۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: غیر عربی میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ دوسری زبان خطبہ میں خلط کرنا خلاف سنت متوارثہ ہے۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۹۸) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ''زمان برکت نشان حضور پر نور سیّد الانس والجان علیہ وعلیٰ آلہٖ وافضل الصلوٰۃ والسلام سے عہد صحابۂ کرام وتابعین عظام و ائمہ علام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور و ماثور اور باآنکہ صحابہ من بعدہم من ائمۃ الکرام کے زمانوں میں ہزارہا بلاد عجم فتح ہوئے، ہزارہا جوامع بنیں، ہزارہا منبر نصب ہوئے عامۃ حاضرین اہل عجم ہوئے اور ان حضرات میں بہت وہ تھے کہ مفتوحین کی زبان جانتے اس میں ان سے کلام فرماتے باایں ہمہ کبھی مروی نہ ہوا کہ خطبہ غیر عربی میں فرمایا یا دونوں زبانوں کو ملایا ہو کما ذکرہ الشاہ ولی اللّٰہ الدھلوی فی شرح المؤطا مطلقا سنت متواترہ کا خلاف ناپسند ہے وفی الدر المختار ان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعہم اھ۔ ای ثبت وتاکد نہ کہ ایسی سنت جہاں باوصف تحقق حاجت خلاف رخ نہ فرمایا ہو کہ اب تو اس کا خلاف ضرور مکروہ واساءت ہوگا اھ۔ (فتاوٰی رضویہ ج ۳ ص ۷۲۴) وھو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۱ رشوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از متولی وسرپنچ گارڈن پیٹ ہبلی (کرناٹک)

حضور سیّد الکریم! عرض یہ ہے کہ ہمارے محلّہ گارڈن پیٹ ہبلی کے مسجد میں عین علمائے اہلسنّت کے طریقہ کار کے مطابق سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب کے مرتب کئے ہوئے خطبات کو منبر پر خطبۂ جمعہ اوّل وثانی فقط عربی زبان میں پڑھا جا رہا ہے، اذان خطبہ سے پہلے مذکورہ بالا خطبات کی کتاب سے اردو وعظ ونصیحت منبر سے نیچے کھڑے ہو کر سنا رہے ہیں، لیکن زید کہتا ہے کہ یہ طریقہ درست نہیں'' کیونکہ مجموعہ خطبہ حرمین شریفین مع ترجمہ'' ترجمہ وتالیف کیا گیا ہے حضرت مولانا شاہ محمد عبدالحی صاحب واعظ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''لوگ جب زبان عربی نہ جانتے ہوں تو دوسری زبان میں جو سامعین سمجھتے ہوں خطبہ پڑھنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست ہے'' ہم اس سلسلے میں آپ سے فتویٰ حاصل کر کے پیش کر چکے ہیں اور دیگر بہار شریعت، درمختار، نوری کرن وغیرہ کتب کے بھی حوالے دے چکے ہیں لیکن زید بضد ہے کہ جب امام اعظم علیہ الرحمہ اس

جائز کہتے ہیں، تو خطبہ عربی اور اردو زبان کے ترجمہ کے ساتھ پڑھنے میں کیا حرج ہے؟ ازراہ کرم اس مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح طریقۂ کار کیا ہے تحریر فرماویں' اور ایسے ضد کرنے والے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہم آپ کے بہت ممنون ومشکور ہوں گے۔

الجواب: عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف مکروہ اور بدعت سیئہ ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور تابعین عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کہیں منقول نہیں کہ انھوں نے عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھا ہو اور خطبۂ اذان سے پہلے کسی دوسری زبان میں تقریر کرنا بلاشبہ درست ہے' اور صرف عربی زبان میں خطبہ پڑھنا سنت ہے، جو اسے ناجائز کہے وہ جاہل ہے' اگر فتاوٰی رضویہ، بہار شریعت اور سنیوں کے فتوے کو نہیں مانتا تو اس سے کہئے کہ کتاب تحقیق الخطبہ جو کتبہ خانہ اعزازیہ دیوبند نے چھاپا ہے' اور دیوبندیوں کے مشہور مولانا شبیر احمد عثمانی سابق مدرس دارالعلوم دیوبند نے دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰن اور دیوبند کے سابق صدر المدرسین مولوی محمود الحسن اور دیوبند کے مدرس محمد انور شاہ کی تصدیق کے ساتھ فتوٰی لکھا ہے اسے منگا کر پڑھے کہ اس کتاب کے ص ۹ پر لکھا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فارس میں تشریف لا کر خطبہ فارسی زبان میں نہیں بلکہ عربی زبان میں پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے موطا کی شرح میں تحریر فرمایا ہے، پھر اسی صفحہ ۹ پر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما قادر علی العربیۃ کی نسبت فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھے تو صحیح نہیں۔ امام صاحب اگر چہ صحیح کہتے ہیں لیکن پسندیدہ ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ عربی میں پڑھا جائے۔ دیوبندیوں کے مولوی شبیر احمد عثمانی کی اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عربی میں خطبہ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ شخص مذکور اب بھی ضد کرے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑا رہے' اور دیوبند کے مولوی شبیر احمد عثمانی کے فتوٰی کو بھی نہ مانے تو اس کی نہ سنیں بلکہ عربی میں خطبہ پڑھیں اور اذان خطبہ سے پہلے جس زبان میں چاہیں تقریر کریں۔ وھو سبحانہ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از محمد رضا منیجر دارالعلوم اسلامیہ سعدی مدنپور ضلع باندہ

صوفی جمیل الدین نظامی کا کہنا ہے کہ ملکی زبان میں خطبہ کا ترجمہ جائز ہے۔ آدمی جب عربی زبان نہ جانتے ہوں تو دوسری زبان میں جو سننے والے سمجھتے ہوں خطبہ پڑھنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست وجائز ہے۔ کیونکہ خطبہ سے مقصد یعنی مطلب احکام الٰہی دین کا سمجھنا اور اطاعت وعبادت پر رغبت دلانا اور گناہوں سے نفرت دلانا وعذاب سے ڈرانا اور جنت کی خوشخبری سنانا ہے' تو جس زبان میں سامعین سمجھتے ہوں اس کے سوا دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے سے یہ مطلب ومقصد حاصل نہیں ہوتا جبکہ خطبہ کا سننا فرض ہے۔ یہاں تک کہ خطبہ کے وقت سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا یا کسی قسم کی بات کرنا نماز پڑھنا ناجائز ہے بلکہ امام بیہقی قریب حرام تک کہتے ہیں۔ خطبہ کے وقت سلام کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ خطبہ کے سننے وسمجھنے میں خلل

نہ ہو بس اتنی تاکید و پابندی کا مطلب صرف خطبہ کے مضمون و عبارت کے سننے سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ خطبہ کا مطلب نہ سمجھے۔ یہ قول صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا ہے بلکہ اقرب الی الجواز ہے جبکہ اللہ کا فرمان ہے: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ اور خاتم الانبیاء کے حق میں فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا اس لئے ہر زبان میں خطبہ اور رسول کو بھیجا جو کافی ہے دنیا کے سب آدمیوں کے لئے کہ خوشخبری دیں اور دوزخ سے ڈرائیں۔ بس ضروری بات دینیہ اور امر شرعیہ سے جو سامعین جو زبان جانتے ہوں اسی زبان میں خطبہ کا ترجمہ پڑھنا جائز ہے اور ضروری ہے۔ اس باب میں امام اعظم کا مذہب اوفق اور انسب ہے تاکہ دین کی حجت کا مدعا مکمل ہو اور لوگوں کو لاعلمی و نا سمجھی کا عذر نہ رہے۔

الجواب: حاضرین عربی زبان جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں بہر صورت دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز اس معنی میں ہے کہ جمعہ کی شرط جو خطبہ ہے وہ پالی جائے گی اور نماز ہو جائے گی مگر ایسا کرنا سنت متوارثہ کے خلاف اور مکروہ ہے جیسے کہ امام اعظم کے نزدیک عربی تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کی بجائے فارسی وغیرہ دوسری زبان کے الفاظ سے نماز شروع کی تو نماز ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے رد المحتار جلد اوّل ص ۲۲۵ میں ہے: اما الشروع بالفارسية فالدليل فيه للامام اقوى وهو كون المطلوب في الشروع الذكر والتعظيم وذٰلك حاصل باى لفظ كان واى لسان كان نعم لفظ الله اكبر واجب للمواظبة عليه اھ۔ اور خطبہ کی اصل ذکر الٰہی ہے جیسا کہ حضرت شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: الخطبة ذكر والمحدث والجنب لايمنعان من ذكر الله یعنی خطبہ ذکر الٰہی ہے اور محدث اور جنب ذکر الٰہی سے نہیں روکے جائیں گے۔ (مبسوط جلد ثانی ص ۲۶)

اور ائمہ ثلاثہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد علیہم الرحمۃ والرضوان کسی امام کے نزدیک خطبہ کی اصل وعظ و نصیحت نہیں ہے اسی لئے اگر کسی خطیب نے صرف الحمد للہ کہا تو خطبہ ہو جائے گا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک ذکر الٰہی کم سے کم تین آیت یا تشہد کی مقدار میں ہونا ضروری ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۳۷ میں ہے: كفت تحميدة اوتهليلة اوتسبيحة كذا في المتون اور جوہرہ نیرہ جلد اوّل ص ۸۹ میں ہے: فان اقتصر على ذكر الله تعالىٰ جاز عندابی حنيفة لقوله تعالىٰ فاسعوا الىٰ ذكر الله وقال ابويوسف و محمد لابد من ذكر طويل يسمى خطبة و ادناه من قوله التحيات لله الىٰ قوله عبده ورسولهٗ اور عنایہ مع فتح القدیر جلد دوم ص ۳۰ پر ذکر طویل کی شرح میں ہے: وهو مقدار ثلث آيات عند الكرخي وقيل مقدار التشهد اور امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: فكان اجماعا منهم اما على عدم اشتراطها واما على كون الحمد لله ونحوها تسمى خطبة لغة وان لم تسم به عرفا۔ یعنی پس صحابہ کرام کا یا تو اس بات پر اجماع ہو گیا کہ ذکر طویل شرط نہیں اور یا تو اس بات پر اجماع ہو گیا کہ لفظ الحمد للہ اور اس کے مثل لغت کے اعتبار سے خطبہ ہے اگرچہ عرف کے اعتبار سے اس کا نام خطبہ نہ ہو۔ (فتح القدیر جلد دوم ص ۳۰) اور حضرت شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: والذكر يصل بقوله الحمد

لله فماز اد علیه شرط الکمال لاشرط الجواز۔ یعنی الحمدللہ سے بھی ذکر حاصل ہو جاتا ہے اس سے زائد کمال کی شرط ہے نہ کہ جواز کی۔ (مبسوط جلد دوم ص ۳۱) ان اقوال مذکورہ بالا سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اصل خطبہ مطلق ذکر ہے اور خطبہ سے مقصد حقیقی وعظ و نصیحت نہیں ہے اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانۂ مبارک میں ہزاروں عجمی شہر فتح ہوئے اور ان میں جمعے قائم ہوئے مگر حاضرین کی زبان جاننے کے باوجود ان کے سمجھنے کی رعایت کرتے ہوئے کبھی صحابۂ کرام نے ان کی زبان میں جمعہ کا خطبہ نہ فرمایا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے مسویٰ و مصفیٰ شرح موطا میں تحقیق فرمایا ہے۔ لہٰذا صحابۂ کرام، ائمہ اسلام اور فقہاء عظام جو خطبہ کی حقیقت کو ہم سے زیادہ سمجھتے تھے ان کے عمل اور قول سے صوفی صاحب کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوگیا کہ خطبہ سے مقصد احکام الٰہی کا سمجھنا ہے اور یہ بات بھی غلط ثابت ہوگئی کہ سامعین جو زبان جانتے ہوں اس زبان میں خطبہ پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ صوفی صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے کہ خطبہ کا سننا فرض ہے مگر یہ خیال غلط ہے کہ سننے کے ساتھ سمجھنا بھی ضروری ہے یہاں تک کہ خطیب کو بھی خطبہ کا سمجھنا ضروری نہیں ورنہ عربی نہ جاننے والا خطیب اگر سنت متوارثہ پر عمل کرتے ہوئے صرف عربی میں خطبہ پڑھے تو وہ قابل مواخذہ ہوگا اور یہ سراسر غلط ہے۔ جو لوگ کہ حاضرین کی رعایت سے عربی کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں وہ دن دور نہیں کہ جب یہ لوگ حاضرین کے سمجھنے کے لئے نماز میں عربی کی بجائے دوسری زبانوں میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے لئے کوششیں کریں گے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اگر ایک گجراتی مسلمان مثلاً مدراس میں پہنچ جائے جہاں کی زبان وہ نہیں جانتا ہے اور وہاں کا خطیب بقول صوفی صاحب لوگوں کو سمجھنے کے لئے مقامی زبان میں خطبہ پڑھے تو گجراتی مسلمان کو غیر مانوس زبان سے سخت وحشت ہوگی اور اگر وہ عربی میں پڑھے تو اسے کوئی وحشت نہ ہوگی اگرچہ وہ نہ سمجھے اس لئے کہ اس کا دین عربی، نبی عربی اور کتاب سب عربی ہیں۔ ہر مسلمان کو عربی زبان سے گہرا تعلق ہے۔ اے کاش! صوفی صاحب اور ان کے جیسا ذہن رکھنے والے دوسرے لوگ اس نکتہ کو سمجھ لیتے تو کبھی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے کے لئے کوشش نہ کرتے۔ پھر یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے بلکہ اہلسنّت و جماعت اور دیوبند کے مفتیوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ خطبہ عربی ہی میں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنّت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اردو میں خطبہ پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف اور بہت برا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۶۰) اور دار العلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں کہ روایات فقہیہ سے اور عمل صحابہ سے بھی ثابت ہے کہ خطبہ میں اردو و فارسی نظم و نثر مکروہ بدعت ہے اور درمیان خطبہ کے وعظ کہنا بھی ایسا ہی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد اوّل و دوم ص ۲۹۴) اور دار العلوم دیوبند کے دوسرے مشہور مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ جمعہ کے خطبہ کے ساتھ اردو میں ترجمہ خواہ نثر سے ہو یا نظم سے بدعت اور ناجائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند حصہ اوّل و دوم ص ۳۱۲) خدا تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ سنت متوارثہ کو مٹانے اور بری بات و بدعت کو رائج کرنے پر زور قلم نہ صرف کریں بلکہ سنت متوارثہ کو زندہ کرنے اور ناجائز امور کو مٹانے کے لئے کوششیں کریں۔ آمین۔

وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۵؍رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از سیّد محمد عثمان رضوی۔ مقام و پوسٹ دستو۔ ضلع بنارس کا نٹھا (گجرات)

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟ (۲) کیا فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو مکروہ و منع لکھا ہے؟ (۳) مسلمانوں کو حدیث و فقہ پر عمل کرنا چاہئے یا رسم و رواج پر۔ جو رسم و رواج کہ حدیث و فقہ کے خلاف ہوں، تو ایسی رسم و رواج پر اڑا رہنا اور حدیث و فقہ پر عمل کرنا کیسا ہے؟ اور کتابوں میں جو ہے کہ خطیب کے سامنے اذان دی جائے تو سامنے سے کیا مراد ہے مسجد کے اندر یا باہر؟ حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: (۱) سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ مبارکہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے باہر دروازہ پر ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یوذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ جب رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جمعہ کے دن منبر پر رونق افروز ہوتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسے ہی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ مبارکہ میں بھی رائج تھا۔ (ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۲) اور جیسا کہ تفسیر جمل جلد چہارم ص ۳۴۳ پر آیت کریمہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ کے تحت ہے: اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد۔ یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی۔ (۲) بیشک فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں مسجد کے اندر پڑھنے کو مکروہ و منع لکھا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان جلد اوّل مصری ص ۷۸، اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۵، اور بحر الرائق جلد اوّل ص ۲۶۸ میں ہے: لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے، اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۲۱۵ میں ہے: قالوا لا یؤذن فی المسجد۔ یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے، اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۷ میں ہے: یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم۔ یعنی مسجد میں اذان پڑھنا مکروہ ہے ایسا ہی قہستانی میں نظم سے ہے۔ (۳) مسلمانوں کو حدیث و فقہ پر عمل کرنا لازم ہے، اور جو رسم و رواج کہ حدیث و فقہ کے خلاف ہوں تو رسم و رواج کو چھوڑ کر حدیث و فقہ پر نہ عمل کرنا اور رسم و رواج پر اڑا رہنا سخت ترین جہالت ہے، اور سامنے سے مراد خطیب کے سامنے مسجد کے باہر ہے جیسا کہ وہ حدیث شریف جو سوال نمبر ۱ کے جواب میں مذکور ہوئی اس میں بین یدی کے ساتھ علی باب المسجد بھی ہے۔ وھو سبحانہ و تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از سید جاوید اشرف چشتی رضوی نظامی ایم۔اے (فائنل) پیر محمد رضوی محمد الیاس اشرفی۔ باری مسجد سلی گوڑی۔ دارجلنگ

امارت شرعیہ پھلواری شریف کے مندرجہ ذیل فتاویٰ کے بارے میں یہاں شدید اختلاف ہوگیا ہے۔

(الف) جمعہ کی اذان ثانی ابتداء سے اب تک اندرون مسجد منبر کے سامنے ہی ہوتی آرہی ہے۔ اس پر عمل رہا صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین ائمہ اربعہ و بزرگان دین کا۔ فقہانے بھی یہی لکھا ہے۔ شامی، درمختار، حلبی کبیر، بحر الرائق وغیرہ میں بھی یہی مذکور ہے۔ اس لئے جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد منبر کے سامنے ہی دینی چاہئے اس کے خلاف غلط اور بدعت سیئہ ہوگا۔

(ب) احادیث سے دونوں کا ثبوت ملتا ہے (شروع سے بھی حی علی الصلاۃ پر بھی) مگر اس زمانے میں چونکہ لوگ غافل ہیں صفوف سیدھی کرنے کا اہتمام نہیں کرتے اس لئے ابتدائے اقامت ہی میں کھڑے ہو جانا بہتر ہے۔ تاکہ ختم ہونے اور جماعت شروع ہونے تک صفیں سیدھی ہو جائیں۔

الجواب: (الف) جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہ لکھنا سراسر جھوٹ ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی ابتداء سے اب تک اندرون مسجد منبر کے سامنے ہی ہوتی آرہی ہے۔ حیرت ہے کہ ایک مفتی نے یہ کیسے لکھ دیا کہ اسی پر عمل رہا صحابۂ کرام، تابعین، ائمہ اربعہ اور بزرگان دین کا۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں جمعہ کی اذان ثانی کا خارج مسجد دروازہ پر ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علیٰ باب المسجد وابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی رائج تھا' اور حضرت علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ اذا نودی للصلوۃ کے تحت تحریر فرماتے ہیں: اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد۔ یعنی جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان پڑھی جاتی تھی۔ (تفسیر جمل جلد چہارم ص ۳۴۳) اور فقہائے کرام نے یہ ہرگز نہیں لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد دی جائے۔ یہ ان کے اوپر جھوٹا الزام ہے۔ درمختار اور شامی وغیرہ کی عبارت بین یدی الخطیب سے اندرون مسجد سمجھنا کھلی ہوئی جہالت ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف کی معتبر کتاب ابوداؤد شریف اور تفسیر جمل نے ثابت کر دیا کہ بین یدی الخطیب سے مراد یہ ہے کہ امام کے سامنے مسجد کے دروازہ پر یعنی باہر اذان دی جائے' اور مسجد کے باہر اذان دینا بدعت سیئہ نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ البتہ منبر کے پاس اندر اذان پڑھنا ضرور بدعت سیئہ ہے' اور باہر اذان پڑھنا جو حدیث

شریف سے ثابت ہے اسے بدعت سیئہ کہنا گمراہی ہے۔ (ب) امام و مقتدی جب کہ مسجد میں حاضر ہوں تو شروع اقامت سے کھڑا ہو جانا اگر حدیث شریف سے ثابت ہے تو مفتی پر لازم تھا کہ اس حدیث کو پیش کرتا۔ اس لئے کہ فقہائے کرام نے اقامت کے وقت کھڑے رہنے کو مکروہ لکھا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ ص ۵۳ میں ہے: اذا دخل الرجل عند الاقامة یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح۔ یعنی اگر کوئی شخص تکبیر کے وقت آیا تو اسے کھڑا ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے تو اس وقت کھڑا ہو۔ اسی طرح شامی جلد اوّل ص ۲۶۸ میں بھی ہے' اور مولوی عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی ص ۱۳۶ میں لکھتے ہیں: اذا دخل المسجد یکرہ له انتظار الصلوٰة قائما بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبه صرح فی جامع المضمرات۔ یعنی جو شخص مسجد کے اندر داخل ہوا سے کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو' اور حضرت علامہ سیّد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اذا دخل المؤذن فی الاقامة ودخل رجل المسجد فانه یقعد ولاینتظر قائما فانه مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون۔ یعنی جب مکبر تکبیر کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے' اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع اقامت میں کھڑا ہو جانا مکروہ ہے' اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۵۱) اسی لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ امام و مقتدی حی علی الصلوٰة کے وقت کھڑے ہوں جیسا کہ رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قال ائمتنا یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰة۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل ص ۴۱۹) لوگوں کی غفلت اور صفوف کی درستگی کے اہتمام کو بہانہ بنا کر لوگوں کو کراہت کے ارتکاب کا حکم نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ حدیث شریف سے بعد اقامت بھی صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت ہے۔ جیسا کہ امام مسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو حضور نے فرمایا کہ خدا کے بندو اپنی صفوں کو برابر کرو حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں خرج یوما فقام حتی کادان یکبر فرای رجلا بادیاصدرہ من الصف فقال عباداللہ لتسون صفوفکم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۹۷) اور حضرت عمر فاروق اعظم و حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ یہ حضرات بھی ختم اقامت کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے بلکہ جب صفوں کی درستگی کی خبر ملتی تو نماز شروع فرماتے۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں عن ابی عمر عن عمر بن الخطاب کان یامرر رجالا بتسویة الصفوف فاذا جاؤا فاخبروہ بتسویتها کبر بعد وعن مالك بن ابی عامر الانصاری عن عثمان بن عفان لایکبر حتی یاتیه رجال قدو کلهم بتسویة الصفوف

یسعد و نہ ان قد اسعوت لیکھم (مؤطا امام محمد ص ۸۸) وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳/ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از ابوالکلام احمد مقام و پوسٹ کسم کھور ضلع فرخ آباد

خطبہ کے وقت گرمی کی شدت کی وجہ سے مقتدی کو خود اپنے لئے یا امام کے لئے پنکھا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: خطبہ کے وقت مقتدی کو اپنے لئے یا امام کے لئے دستی پنکھا استعمال کرنا منع ہے۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۲۸ میں ہے: یحرم فی الخطبۃ ما یحرم فی الصلوٰۃ حتی لاینبغی ان یا کل اویشرب والامام فی الخطبۃ ھکذا فی الخلاصۃ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲/ ذوقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از مولوی قاضی محمد خلیل پٹھان قادری خطیب مسجد جامع درگاہ شریف ماہم بمبئی ۱۶

کیا خطیب کے لئے جائز ہے کہ وہ خطبۂ جمعہ منبر پر بیٹھ کر پڑھے اگر کھڑا ہونا اس کے لئے دشوار ہو؟

الجواب: حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خطبۂ جمعہ کے لئے خطیب کا کھڑا ہونا سنت ہے۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۹۷) اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: صرح فی متن اطلقی بسنۃ الطھارۃ والقیام فی کثیر من المعتبرات (ردالمحتار جلد اوّل ص ۵۴۵) لہٰذا اگر خطیب کے لئے کھڑا ہونا دشوار ہو تو وہ بیٹھ کر خطبہ جمعہ پڑھ سکتا ہے لیکن حاضرین کو اس کی معذوری کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ وہ خطیب کو متہم نہ کریں کہ وہ بلا عذر شرعی ترک سنت کا عادی ہے۔ لہٰذا ہر جمعہ کو خطبہ سے پہلے اعلان کر دیا کریں کہ خطیب معذور ہیں اس لئے وہ بیٹھ کر خطبہ پڑھیں گے تاکہ نئے حاضرین غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹/ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد انتخاب اشرفی نانپارہ ضلع بہرائچ شریف

جمعہ کے خطبہ کے وقت ڈبہ رومال میں پیسہ ہلا کر آواز پیدا کرتے ہوئے لوگوں سے چندہ مانگنا اور زبان سے کہنا کہ تعمیر مسجد کا چندہ دیجئے، تو عین خطبہ کے وقت اس طرح چندہ مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی دینی کام ہے اس لئے جائز ہے۔

الجواب: عین خطبہ کے وقت اس طرح چندہ مانگنا جائز نہیں کہ تمام حاضرین پر خطبہ سننا اور چپ رہنا فرض ہے بلکہ جو لوگ امام سے دور ہوں اور ان تک خطبہ کی آواز نہ پہنچے ان پر بھی چپ رہنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ جب امام خطبہ کے لئے نکلے اسی وقت سے ہر قسم کی نماز اور اذکار منع ہیں۔ صرف صاحب ترتیب کو قضا نماز پڑھ لینے کا حکم ہے درمختار میں ہے: یجب علیه ان یستمع ویسکت بلافرق بین قریب وبعید فی الاصح محیط اھ۔ اور اسی کتاب میں ہے: اذا خرج الامام فلاصلاة ولاکلام الیٰ تمامها خلا قضاء فائتة لم یسقط الترتیب بینها وبین الوقتیة فانها لاتکره سراج وغیره لضرورة صحة الجمعة والالا اھ۔ اور جب نماز جیسا دینی کام حالت خطبہ میں جائز نہیں تو چندہ مانگنا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے ردالمحتار جلد اوّل ص ۵۵۱ میں ہے: یکره الاشتغال بما یفوت السماع وان لم یکن کلاما وبه صرح القهستانی اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از شوکت علی کرلا بمبئی ۷۰

موضع بلئی پوسٹ اترولہ ضلع گونڈہ میں بعد نماز جمعہ چار رکعت نماز ظہر باجماعت لوگ ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہی ہے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ حکم شرع سے آگاہ فرمائیں کہ ان کا یہ طریقہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور اعلیٰ حضرت کا ایسا کوئی فتویٰ ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے والے لوگ شریعت کے نزدیک کیسے ہیں؟ ان پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: علمائے حنفیہ کے نزدیک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں جیسا کہ ہدایہ جلد اوّل ص ۱۴۸ میں ہے: لاتجوز فی القریٰ لقوله علیه السلام لاجمعة ولاتشریق ولافطر ولااضحی الا فی مصر جامع۔ لیکن دیہات میں جہاں لوگ جمعہ کی نماز پڑھتے ہوں انھیں اس سے منع نہیں کیا جائے گا کہ عوام جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے اور جب دیہات میں جمعہ جائز نہیں تو ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ دیہات میں دوسرے دنوں کی طرح جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا واجب ہے۔ لہٰذا موضع مذکور کے لوگوں کا طریقہ جائز نہیں ہے بلکہ صحیح ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۰۴ پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی کی تحریر سے ظاہر ہے اور جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۳۶ میں ہے: ومن لاتجب علیهم الجمعة من اهل القریٰ والبوادی لهم ان یصلوا الظهر بجماعة یوم الجمعة باذان واقامة اھ۔ اور بہار شریعت حصہ ۴ ص ۱۰۲ میں ہے: گاؤں میں جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز اذان و اقامت کے ساتھ پڑھیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد حنیف رضوی جونپوری خطیبؔ مسجد سنی رضوی کھاڑی کرلا۔ بمبئی نمبر ۷۰

کیا شہر میں بعد نماز جمعہ احتیاط الظہر پڑھنے کا حکم ہے؟

الجواب: ہندوستان کے عام شہروں میں صحت جمعہ کی بعض شرطوں کی تحقیق میں اختلاف واشتباہ ہے اور ایسی جگہوں پر بعد نماز جمعہ چار رکعت احتیاط الظہر فرض پڑھنے کا علماء نے حکم دیا ہے جو اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہیں کی اور جمعہ پڑھتے وقت نیت صحیح وثابت رکھے یعنی جمعہ کو صحیح سمجھ کر خاص فرض جمعہ کی نیت سے ادا کرے، مگر یہ حکم خواص کے لئے ہے۔ ایسے عوام کے لئے نہیں جو تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں۔ ان کے لئے ایک مذہب پر جمعہ کا صحیح ہو جانا کافی ہے اور یہ چار رکعتیں عدم صحت کے توہم کی صورت میں مستحب ہیں اور شک واشتباہ کی حالت میں ظاہر وجوب۔

ردالمحتار جلد اوّل ص ۵۴۲ میں ہے: نقل المقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشك فی کونه مصر اینبغی لهم ان یصلوا بعد الجمعة اربعا بنیة الظهر احتیاطا حتی انه لولم تقع الجمعه موقع یخرجون عن عهدة فرض الوقت باداء الظهر ومثله فی الکافی و فی القنیة لما ابتلی اهل مرو باقامة اجمعتین فیها مع اختلاف العلماء فی جوازهما امرائمتهم بالار بع بعد ها حتما احتیاطا۔ وقال المقدسی ذکر ابن الشحنة عن جده التصریح بالندب وبحث فیه بانه ینبغی ان یکون مجرد التوهم اما عند قیام الشك والاشتباه فی صحة الجمعة فالظاهر الوجوب ونقل عن شیخه ابن الهمام مایفیده قال المقدسی نحن لانامر بذالك امثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص ولوبالنسبة الیهم۔ اھ ملخصًا۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ابن حسن مین پوری (یو۔پی)

خلفائے راشدین کا نام خطبہ میں لیا جاتا ہے نیز خلیفۂ دوم، خلیفہ سوم، خلیفۂ چہارم کے والد کا نام لیا جاتا ہے اور خلیفہ اوّل کے والد ماجد کا نام کیوں نہیں لیا جاتا ہے؟

الجواب: بعون الملك العزیز الوهاب۔ کسی کے باپ کا نام اس لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ مخاطب کو اس شخص کی تعیین میں پریشانی نہ ہو اس لئے کہ ایک نام کے بہت سے لوگ ہوتے ہیں، ار جب کسی شخص کا لقب یا تخلص وغیرہ مشہور و معروف بین الناس ہوتا ہے تو اس کے لقب یا تخلص کے بعد والد کے ذکر کی حاجت باقی نہیں رہ جاتی۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو واضح ہو کہ عمر، عثمان اور علی نام کے بہت سے صحابہ، تابعین، تبع تابعی اور بزرگان دین ہوئے ہیں اگر خطبہ میں خلفائے ثلاثہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا ذکر نہ کیا جائے تو سامعین کو شبہ ہو سکتا ہے لیکن حضرت ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'' میں آپ کا

لقب صدیق ایسا مشہور بین السماء والارض ہے کہ اس لقب کے ذکر کر دینے کے بعد والد کے ذکر کی حاجت باقی نہیں رہ جاتی اس لئے کہ ابوبکر بہت گزرے ہیں مگر ان میں کوئی صدیق نہیں لیکن اس کے باوجود اگر کوئی خطیب ان کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ میں نام لے تو بلاشبہ جائز ہے کوئی حرج نہیں۔ واللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی المولٰی علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲/ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از دبیر الحق قادری رضوی عزیزی

ایک عالم ہے جس کے پاس عالم وفاضل کی سند بھی موجود ہے جو ایک ہاتھ سے پانی پیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں شرع ورع کچھ نہیں جانتا کہ شریعت وریعت کسے کہتے ہیں؟ یعنی شریعت کا منکر بھی ہے اور اس کے ساتھ لفظ مہمل وریعت اور ورع بھی استعمال کرتا ہے محلّہ کا زید کہتا ہے کہ ہمارے علماء ایسے عالم کو مسلمان نہیں بلکہ ک ف ر کہتے ہیں تو محمود و حامد دامنگیر ہو جاتے ہیں کہ یہ عالم ہیں نائب رسول ہیں جو کچھ کہتے ہیں سب درست ہے تو ایسے عالم کو مومن سمجھا جائے یا نہیں؟ (۲) ایک عالم نے دیہات کے اندر جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت سنت کی جگہ چار رکعت فرض احتیاط ظہر کی نماز پڑھی اور لوگوں کو بتلایا کہ دیہات کے اندر ظہر احتیاطی پڑھنا ضروری ہے تو لوگوں نے حوالہ مانگا حوالہ میں انھوں نے انوار الحدیث بتایا اور انوار الحدیث کا بتلایا ہوا حوالہ کتب عامہ بتلایا تو لوگ نہیں مانتے کہتے ہیں کہ ہم لوگ نہیں مانیں گے اس کے بارے میں فتویٰ منگایا جائے تو اس کے بارے میں قول علماء واضح فرمائیں؟ (۳) زید نے جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد چار رکعت فرض ظہر جماعت کے ساتھ پڑھائی ایک مولوی صاحب آئے انھوں نے کہا کہ جن لوگوں نے نماز ظہر جمعہ کی جماعت کے ساتھ پڑھی ہے وہ توبہ کر لیں نہیں تو قہر خداوندی نازل ہو جائے گا اور ہمارے سامنے تم لوگ توبہ کر لو اور وہ وہی مولانا تھے جن کے بارے میں مسئلہ اوّل میں لکھا گیا ہے ان کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ اور کہاں تک غلط؟ واضح فرمائیں

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) صرف بائیں ہاتھ سے پانی پینا شیطان کا کام ہے اور دونوں ہاتھوں سے پینا یا صرف دائیں ہاتھ سے پینا جائز ہے کوئی حرج نہیں مسلم شریف کی حدیث ہے: رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: لایاکلن احدکم بشمالہ ولایشربن بھا فان الشیطان یأکل بشمالہ ویشرب بھا (انوار الحدیث ص ۴۰۰) اور آج کل سند کوئی چیز نہیں کہ بہت سے جاہل عالم وفاضل کی فرضی سند لوگوں کو دکھاتے گھومتے ہیں شخص مذکور کا یہ قول کہ میں شرع ورع کچھ نہیں جانتا کلمہ کفر ہے (بہار شریعت جلد نہم ص ۱۷۲) اسے اگر احتیاطاً کافر نہ کہا جائے تو کم از کم گمراہ ضرور ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے دور رہیں اور اس کو اپنے سے دور رکھیں ایسا شخص عالم دین اور نائب رسول ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا جو لوگ اسے عالم دین اور نائب رسول مانتے ہیں سخت غلطی پر ہیں۔ ھو تعالٰی اعلم (۲) صحت جمعہ کے لئے مصر یا فنائے مصر ہونا

ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۳۵، درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۵۳۶) اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۱۶ میں ہے: دیہات میں جمعہ ناجائز ہے لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ ورسول کا نام لیں غنیمت ہے اور ہدایہ میں ہے: لاتجوز فی القرٰی یعنی دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے: لاجمعة ولاتشریق ولاصلاۃ فطر ولااضحی الافی مصر جامع اوفی مدینة عظیمة رواہ ابن ابی شیبه موقوفاعن علی رضی اللہ عنه (فتح القدیر جلد ثانی ص ۲۲) لہٰذا جب دیہات میں جمعہ صحیح نہیں ہوا تو عالم صاحب کا اس کے بعد چار رکعت فرض احتیاطاً ظہر پڑھنا غلط ہے اس لئے کہ احتیاط ظہر تو خواص کے لئے وہاں ہوتی ہے کہ جہاں جمعہ کی ادائیگی میں کچھ شبہ ہو جیسے کہ ہمارے شہروں میں اور دیہاتوں میں جمعہ نہ ہونے کا یقین ہے اس لئے وہاں احتیاط ظہر کے بجائے چار رکعت ظہر فرض پڑھنا ضروری ہے چنانچہ انوار الحدیث میں بھی دیہات میں چار رکعت ظہر فرض پڑھنے کو لکھا گیا ہے نہ کہ احتیاط ظہر۔ وھو تعالٰی اعلم

(۳) جس طرح اور دنوں میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا واجب ہے ایسے ہی دیہاتوں میں جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا ضروری ہے، اور پڑھنے والے گنہگار نہیں بلکہ جماعت سے نہ پڑھنے والے گنہگار ہیں۔ مولوی مذکور کو چاہئے کہ فتاویٰ رضویہ حصہ سوم کا مطالعہ کرے تاکہ حق اس پر واضح ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲؍ شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از شیخ علی حسین خطیب بجو علی بلڈنگ ۶۶ پہلا مالا روم ۲ نشان پاڑہ روڈ بمبئی ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسوله الکریم

جمعہ کے وقت قبل اذان ثانی خطیب کے منبر پر جانے سے قبل مؤذن کا مندرجہ ذیل آیت کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اور یامعشر المسلمین رحمکم اللہ تدروی فی الخبر عن سیّد البشر وشفیع الامة فی المحشر سیّد الاشرف ومتمم مکارم الاخلاق والاوصاف سیّد العرب والعجم محمد بن عبداللّٰہ بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبد مناف انه قال اذا صعدا لخطیب علی المنبر ثم خطب فلایتکلمن احدکم ومن تکلم فقد لغیٰ فلاجمعة له انصتوا رحکم اللہ فاستمعوا یغفراللّٰہ لنا ولکم ولوالدینا ولوالدیکم والجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات فاستغفروہ انه ھو الغفور الرحیم، اور جب خطیب منبر پر چڑھنے لگے تو مؤذن کا یہ دعا پڑھا: اللھم اعزالاسلام والمسلمین او اذل الشرك والمشرکین رب اختم لنا بالخیر برحمتك یا ارحم الراحمین٥ ان مذکورہ بالا کلمات کا مؤذن کے لئے پڑھنا کیسا ہے سنت ہے یا مستحب ہے یا بدعت ہے تک کون سی بدعت ہے؟ زید کہتا ہے کہ سنت ہے اور بکر کا کہنا ہے کہ بدعت ہے۔ جبکہ طریقۂ مذکورہ بالا پر ایک قدیم زمانہ سے عمل کیا جاتا رہا اب کچھ لوگ جو علمائے

دیو بندو پالن گجراتی کے پیروکار ہیں وہ مذکورہ بالا صدر طریقہ کو بدعت کہہ کر بند کرنا چاہتے ہیں۔ ثانیاً: یہ کہ بعد جماعت دعائے ثانی کو بدعت کہہ کر بند کرنا چاہتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں قولوں میں کس کا قول صحیح و درست ہے اور دعائے ثانی کے متعلق دلائل سے مبرہن فرمائیں۔ ثالثاً: یہ کہ بعد نماز آپس میں مصافحہ و معانقہ کرنا کیسا ہے؟ اس فعل کو بھی بدعت کہتے ہیں لہٰذا مدلل فرمائیں۔ رابعاً: یہ کہ سنت کے بند کرنے والوں پر عندالشرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا بالتحقیق والتفصیل واطلبوا من اللّٰہ الاجر الجزیل۔ حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل وعلی اللّٰہ توکلنا حسبی اللّٰہ لا الٰہ الا اللّٰہ۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) خطیب کے منبر پر جانے سے قبل مؤذن کا آیت کریمہ کی تلاوت کرنا، خطبہ کے وقت خاموش رہنے کی حدیث سنانا، مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرنا، خطیب کے منبر پر چڑھتے وقت خدا تعالیٰ سے اسلام و مسلمین کی عزت اور شرک و مشرکین کی ذلت کی دعا کرنا اور مسلمانوں کے لئے دعائے خاتمہ بالخیر کرنا بیشک جائز و مستحسن ہے اسے بند کرنا امور خیر سے روکنا اور مسلمانوں کو ثواب سے محروم کرنا ہے۔ قبل خطبہ قرآن و حدیث کے پڑھنے اور دعا کرنے کو بدعت سیئہ قرار دینا جنون و پاگل پن ہے یہ بدعت ضرور ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے: من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیء۔ وھو تعالٰی اعلم۔ (۲) خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اور یہ حکم مطلق ہے یعنی دعا کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں لہٰذا بندے کو اختیار ہے کہ جب وہ چاہے دعا کرے شرعاً کوئی ممانعت نہیں کہ اس حکم مطلق کو دعائے ثانی کے غیر کے ساتھ مقید کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں اس مسئلہ کی تفصیل حضرت علامہ مفتی محبوب علی صاحب علیہ الرحمہ کے رسالہ دعائے ثانیہ کے ثبوت میں ملاحظہ کیجئے۔ وھو تعالٰی اعلم

(۳) بعد نماز مصافحہ کرنا جائز ہے: درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء میں ہے: تجوز المصافحۃ ولو بعد العصر وقولھم انہ بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ اھ۔ ملخصًا۔ یعنی بعد نماز عصر بھی مصافحہ کرنا جائز ہے اور فقہاء نے جو اسے بدعت فرمایا ہے تو وہ بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ امام نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا ہے۔ اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: قال اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء واما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلاۃ الصبح والعصر فلا اصل لہ فی الشرع علی ھٰذا الوجہ ولکن لاباس بہ قال الشیخ ابوالحسن البکری وتقییدہ بما بعد الصبح والعصر علی عادۃ کانت فی زمنہ والافعقب الصلوات کلھا کذالک اھ۔ ملخصًا۔ یعنی امام نووی نے فرمایا: ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے اور فجر و عصر کی نماز کے بعد جو مصافحہ کا رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صبح و عصر کی قید لوگوں کی عادت کی بناء پر ہے جو امام نووی کے زمانہ میں تھی ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم

ہے یعنی جائز ہے۔ (شامی جلد پنجم ص ۲۵۲) جو لوگ مذکورہ بالا امور سے روکیں ان سے دریافت کیا جائے کہ ان باتوں سے اللہ ورسول نے روکا ہے یا تم روکتے ہو اگر اللہ ورسول نے روکا ہے تو آیت یا حدیث دکھاؤ اور اگر اللہ ورسول نے نہیں روکا ہے تو تم روکنے والے کون ہوتے ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم (۴) سنت کا بند کرنے والا سخت گنہگار، مستحق عذاب نار، دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوگا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

باب العیدین

عیدین کا بیان

مسئلہ: از محمد صدیق رائے بریلوی پوسٹ بکس ۹۴ لکھنؤ

عورتوں پر جمعہ وعیدین کی نماز واجب ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ جاسکتی ہیں یا نہیں؟ سنا ہے کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتیں عیدگاہ جایا کرتی تھیں مگر یہ بھی حدیث ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر حضور آج ہوتے تو عورتوں کو عیدگاہ جانے سے ضرور منع فرماتے۔ ہمارے یہاں کچھ اہل حدیث ہیں جو عورتوں کو عید کی نماز کے لئے عیدگاہ پر جانے پر بہت زور دیتے ہیں اس لئے ہمارے مذہب کی عورتیں بھی عیدگاہ جاتی ہیں تو اس کے بارے میں اس پرفتن زمانے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مدلل تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: عورتوں پر جمعہ وعیدین کی نماز واجب نہیں بدائع الصنائع جلد اوّل ص ۲۵۸ باب الجمعہ میں ہے: لاجمعة علیھن اور پھر ص ۲۷۵ باب العیدین میں ہے: لاتجب علی النسوان اور شامی جلد اوّل ص ۵۴۷ باب الجمعہ میں ہے: لاتجب علی المرأة اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۳۵ میں ہے: لوجوبھا شرائط فی المصلی وھی الحریة والذکورة والاقامة والصحة کذا فی الکافی حتی لاتجب الجمعة علی العبید والنسوان والمسافرین والمرضی کذا فی محیط السرخسی اور پھر ص ۱۴۱ میں ہے: ویشترط للعید ما یشترط للجمعة الاخطبة کذا فی الخلاصة اور عورتوں کو کسی نماز میں جماعت کی حاضری جائز نہیں دن کی ہو یا رات کی جمعہ کی ہو یا عیدین خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی تنویر الابصار اور درمختار میں ہے: یکرہ حضور ھن الجماعة ولولجمعة وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزًا لیلا علی المذھب المفتی به لفساد الزمان اھ۔ اور مراقی الفلاح میں ہے: ولایحضرن الجماعات لما فیه من الفتنة والمخالفة یعنی عورتیں جماعتوں میں حاضر نہ ہوں کہ اس میں فتنہ ہے اور اللہ ورسول کے حکم کی مخالفت ہے اس لئے کہ اللہ ورسول نے ان کو گھروں میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ پارہ ۲۲ رکوع اوّل میں ہے: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اور حدیث شریف میں ہے: بیوتھن خیر لھن لو کن یعلمن (طحاوی ص ۱۶۶) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں جبکہ اسلام کا ابتدائی وقت تھا احکام شرعیہ سیکھنے کے لئے عورتیں عیدگاہ میں جاتی تھیں اسی لئے جو عورتیں حیض

میں مبتلا ہوتی تھیں ان کو بھی حاضری کا حکم تھا جیسا کہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم وتعتزل الحیض عن مصلاھن۔ اھ۔ اور جب احکام شرعیہ کی ترویج واشاعت ہوگئی تو عورتوں کو عیدگاہ کی حاضری جائز نہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "برآمدن زناں درآں زماں بقصد تعلم شرائع بود واحتیاج بست بداں دریں زماں از جہت شیوع واشتہار احکام شریعت (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۶۶۲) اور مسجد وعیدگاہ میں عورتوں کا جانا چونکہ فتنہ ہے اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج خوب جانتی پہچانتی تھیں اور جن کے بارے میں حضور نے فرمایا: خذوا من ھٰذا الحمیراء ثلثی دینکم یعنی اپنے دین کا دو تہائی حصہ اس حمیرا (یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے حاصل کرو انہوں نے اپنے زمانے کی عورتوں کا حال دیکھ کر فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کا حال دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور منع فرمادیتے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی احدث النساء لمنعھن المسجد اھ۔ اور یہ زمانہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ سے کہیں زیدہ پرفتن ہے لہٰذا عورتوں کو عیدگاہ جانے سے سختی کے ساتھ روکا جائے اور ان پر لازم ہے کہ عیدگاہ ہرگز نہ جائیں اور غیر مقلد نام نہاد اہلحدیث کے ورغلانے میں نہ آئیں کہ ان کی بات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از پیر محمد ٹیلر ماسٹر پوسٹ ومقام کوٹڑی ضلع بھیلواڑہ (راجستھان)

عیدین کے دن امام کو گھوڑے پر سوار کر کے اور پیچھے سے ڈھول بجاتے ہوئے عیدگاہ تک لے جاتے ہیں زید اگر روکتا ہے تو لوگ نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ میرا پرانا رواج ہے تو آج میں تمہارے کہنے سے کیسے چھوڑ دوں لہٰذا آپ فرمائیں کہ ازروئے شرع اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بعون الملک العزیز الوھاب۔ ڈھول بجانا ناجائز ہے اور عیدگاہ جاتے ہوئے ڈھول بجانا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے اور ناجائز فعل کو رواج کی بنیاد پر نہ چھوڑنے والے سخت گنہگار ہیں ان پر لازم ہے کہ اس ناجائز فعل سے باز آویں اور عیدگاہ جاتے ہوئے شریعت کے بتائے ہوئے مستحب طریقہ کو اختیار کریں یعنی اطمینان اور وقار اور نیچی نگاہ کئے ہوئے عیدگاہ کو جائیں عید الفطر کے دن آہستہ اور عید الاضحیٰ کے دن بلند آواز سے راستہ میں تکبیر کہیں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مسئولہ محمد سمیع القادری متعلم فیض الرسول براؤں شریف۔ بستی

عورتوں کے لئے نماز عیدین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عالمگیری جلد اوّل ص ۴۷ پر ہے: لاتجب الجمعة علی العبید والنسوان والمسافرین والمرضیٰ کذا فی محیط السرخسی۔ یعنی غلاموں، عورتوں، مسافروں اور مریضوں پر نماز جمعہ واجب نہیں اور پھر اسی کتاب کے ص ۷۷ پر ہے: تجب صلوٰة العید علی کل من تجب علیه صلوٰة الجمعة کذا فی الهدایه۔ یعنی جن لوگوں پر نماز جمعہ واجب ہے انہیں لوگوں پر نماز عید بھی واجب ہے جیسا کہ ہدایہ میں۔ مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر نماز عید واجب نہیں۔ رہا جواز کا سوال تو عورتوں کے لئے عیدین کی نماز جائز بھی نہیں اس لئے کہ عیدگاہ میں اختلاط مردم ہوگا اور عورتیں جماعت کریں تو یہ بھی ناجائز اس لئے کہ صرف عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اور فرداً فرداً پڑھیں تو بھی نماز جائز نہ ہوگی اس لئے کہ عیدین کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے۔ واذا فات الشرط فات المشروط۔ وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲؍ جمادی الآخریٰ ۹۷ھ

مسئلہ: از مولوی عبدالجبار صاحب قادری بستوی ۳۰؍ اپریل ۱۹۶۰ء

زید ایک مرتبہ بروز سہ شنبہ عید کی نماز پڑھ چکا ہے اب دوسری جگہ بروز چہار شنبہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اللهم هدایة الحق والصواب۔ اگر پہلے دن عید کی نماز صحیح ادا ہو گئی تو اب پھر دوسرے روز زید کو عید کی نماز پڑھنا شرعاً جائز نہیں۔ واللّٰه تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ثناء اللہ خاں لطیفی صدر المدرسین مدرسہ یار علویہ کرونا۔ ضلع بستی۔

عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے کوئی خاص جگہ مقرر نہیں ہے برسات میں گاؤں کے باہر کہیں ایسی جگہ نہیں کہ جہاں نماز پڑھ سکیں ایسی حالت میں اگر کسی کے مکان کی وسیع چھت پر جس پر نماز پڑھ سکتے ہیں تو اس چھت پر عیدین کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر گاؤں کے لوگ عیدین کی نماز پڑھتے ہوں اور گاؤں کے باہر برسات میں نماز پڑھنے کے لائق کوئی جگہ نہیں ہے تو عیدین کی نماز مکان کی چھت پر پڑھ سکتے ہیں۔ وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹؍ شوال المکرم ۹۹ھ

مسئلہ: از شمیم احمد نرساچی ضلع دھنباد (بہار)

جس کے رمضان المبارک کے روزے قضا ہو جائیں (ایک روزہ ہو یا چند روزے ہوں) کیا ایسے شخص کے پیچھے عید کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق کیا حکم ہے، جب کہ ایسا شخص امام ہو؟ بینوا توجروا

الجواب: بعون الملك الوهاب. اگر رمضان المبارک کے روزے اس طرح قضا ہوئے کہ حلق میں مینہ کی بوند یا اولا چلا گیا یا یہ گمان کرے کہ رات کی سحری کھائی یا رات ہونے میں شک تھا اور سحری کھالی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا یہ گمان کر کے کہ آفتاب ڈوب گیا ہے افطار کر لیا حالانکہ ڈوبا نہ تھا یا اس قسم کی کسی دوسری وجہ سے روزے قضا ہو گئے تو جس کے روزے اس طرح قضا ہو گئے اس کے پیچھے عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ اگر بلاوجہ شرعی قصداً روزہ قضا کر دیا مگر اس طرح قضا کرنے کا وہ عادی نہیں ہے تو بعد توبہ اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ وهو تعالىٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ رشوال المکرّم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد قاسم علوی خطیب لال مسجد ۸۷/۱۱ کٹرا روڈ مٹیا برج کلکتہ نمبر ۲۴

عید الفطر کی امامت کے لئے کھڑا ہوا اس نے لوگوں کو نماز عید کی نیت اور ترکیبیں بھی بتائیں لیکن زید نے امامت کے لئے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیے اور ثناء پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے تکبیر کہنے کے بجائے قراءت شروع کر دی یہاں تک کہ سورۂ فاتحہ ختم کر دی اور دوسری سورۃ کی پہلی ہی آیت شروع کی تھی کہ زید کو لقمہ دیا گیا اور زید نے لقمہ لے کر تینوں تکبیریں کہیں اور اس کے بعد پھر سے قراءت شروع کر کے نماز ختم کی۔ نماز کے بعد کچھ لوگوں نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی مگر زید نے کہا کہ نماز ہو گئی۔ چونکہ جم غفیر نماز ادا کر رہا تھا اگر پہلی رکعت کی تینوں تکبیریں بعد قراءت کہی جائیں تو نماز میں بے حد انتشار کا خدشہ تھا زید نے انتشار سے بچنے کی خاطر جو نماز ادا کی کیا وہ صحیح ہوئی یا نہیں؟

(نوٹ) زید کے قول کی تصدیق بعض کتابوں سے بھی ہو رہی ہے، جس میں کبیری وغیرہ کا حوالہ درج ہے۔ جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب. بعض کتب فقہ میں ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد اور سورت پڑھنے سے پہلے اگر معلوم ہوا کہ تکبیر زوائد بھول گیا ہے تو تکبیر کہے اور قراءت کا اعادہ کرے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: ان بدأ الامام بالقرأة سهواً فتذكر بعد الفاتحة والسورة يمضي في صلاته وان لم يقرأ الا الفاتحه كبروا عادا القراءة لزوماً اھ۔ لہٰذا اس قول کے مطابق زید نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہئے مگر بہار شریعت میں جو مفتیٰ بہ قول نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے: پہلی رکعت میں امام تکبیریں بھول گیا اور قراءت شروع کر دی تو قرأت کے بعد کہہ لے یا رکوع میں، اور قرأت کا اعادہ نہ کرے اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذا نسي الامام تكبيرات العيد حتىٰ قرأ فانه يكبر بعد القرأة اوفي

سر کوع مالم یرفع راسہ کذا فی التتارخانیہ اھ" تو اس قول کی روشنی میں زید کو چاہئے تھا کہ وہ تکبیرات زوائد قرأت کے بعد کہتا یا رکوع میں اور قرأت کا اعادہ نہ کرتا لیکن اس نے ایسا نہ کیا تو برا کیا مگر نماز ہوگئی۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷ر شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد زادے پیر مکہ مسجد بارسی۔ شولا پور (مہاراشٹر)

نماز عیدین کی پہلی رکعت میں امام تکبیرات زوائد کو بھول گیا اور سورۂ فاتحہ ختم کر دی پھر تکبیرات زوائد کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھی اور حسب دستور نماز تمام کر دی، قاضی محمد فصیح الدین نے فتویٰ دیا کہ نماز ہوگئی ان کے فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں: "نماز عیدین میں اگر امام پہلی رکعت میں عیدین کی تکبیریں بھول کر قرأت شرع کر دے تو جبکہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر ختم کی ہو تو بھولی ہوئی تکبیریں کہہ کر پھر سے قرأت شروع کر کے نماز پوری کرے" الخ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز عید ہوئی یا نہیں؟ اور قاضی صاحب کا فتویٰ اہل علم کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب. عیدین کی پہلی رکعت میں اگر امام تکبیریں بھول گیا اور قرأت شروع کر دی تو حکم یہ ہے کہ الحمد شریف اور سورت پڑھنے کے بعد کہے یا رکوع میں کہے اور قرأت کا اعادہ نہ کرے۔ ھٰکذا قال صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ فی الجزء الرابع من بہار شریعت ناقلا عن الغنیۃ وغیرھا' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۱۴۲ پر ہے: واذا نسی الامام تکبیرات العید حتی قرأفانہ یکبر بعد القرأۃ او فی الرکوع مالم یرفع راسہ کذا فی التتارخانیۃ الخ یعنی جب امام تکبیرات عید کو بھول گیا اور قرأت شروع کر دی تو قرأت کے بعد تکبیر کہے یا رکوع میں کہے جب کہ سر نہ اٹھا ہو ایسے ہی تاتارخانیہ میں ہے۔ لہٰذا الحمد شریف پڑھنے کے بعد سورۃ ملانے سے پہلے ہی بھولی ہوئی تکبیریں کہنا اور دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنا دونوں باتیں غلط ہیں اور قاضی صاحب کا یہ فتویٰ دینا کہ "جب کہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر ختم کر دی تو بھولی ہوئی تکبیریں کہہ کر پھر سے قرأت شروع کر کے نماز پوری کرے" صحیح نہیں اس لئے کہ تاتارخانیہ سے فتاویٰ عالمگیری کی عبارت مذکور بالا واضح طور پر موجود ہے کہ: فانہ یکبر بعد القرأۃ اوفی الرکوع الخ پھر چونکہ امام تکبیرات عید بھول گیا اور محل غیر میں کہا اس لئے سجدۂ سہو کرنا واجب ہوا فقہ حنفی کی مشہور کتاب بہار شریعت جلد چہارم ص ۵۳ پر ہے کہ عیدین کی سب تکبیریں یا بعض بھول گیا یا زائد کہیں یا غیر محل میں کہیں ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے الخ۔ اور فتاویٰ ہندیہ جلد اول مصری ص۱۶۰ پر ہے: قال فی البدائع اذا ترکھا (ای تکبیرات العید) اونقص منھا اوزاد علیھا اواتی بھا فی غیر موضعھا فانہ یجب علیہ السجود کذا فی البحر الرائق۔ پھر امام نے ایک ہی رکعت میں سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھی حالانکہ سورت سے پہلے ایک ہی بار الحمد شریف پڑھنا واجب ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری فصل واجب الصلوٰۃ میں ہے: یجب الاختصار فی الرکعتین الاولیین علیٰ قرأۃ الفاتحۃ مرۃ

ہےة فی کل رکعة منها هٰکذا فی المنیة۔ لہٰذا سورت سے پہلے قصداً دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے واجب ترک ہوا
قصداً ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے بہار شریعت جلد چہارم ص ۴۹ پر ہے: قصداً واجب ترک کیا تو سجدۂ سہو
ہے وہ نقصان دفع نہ ہوگا بلکہ اعادہ واجب ہے‘ اور ردالمحتار المعروف بشامی جلد اوّل ص ۵۱۹ میں ہے: والعمد لایجبره
سجود السهو بل تلزم فیه الاعادة‘ اور سہواً سورۃ سے پہلے دوبارہ الحمد شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے فتاویٰ
ہندیہ جلد اوّل مصری ص ۱۱۸ میں ہے: لو کررها (ای الفاتحة) فی الاولیین یجب علیه سجود السهو بخلاف
ما لو اعادها بعد السورة او کررها فی الاخریین کذا فی التبیین۔ یعنی سورۃ سے پہلے الحمد شریف کی تکرار سے سجدۂ
سہو واجب ہوتا ہے لیکن جمعہ اور عیدین میں اگر جماعت کثیر ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے۔ هٰکذا فی الجزء الرابع
من بہار شریعت ناقلاعن رد المحتار وغیره اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۲۰ میں ہے: قالوا لایسجد
للسهو فی العیدین والجمعة لئلایقع الناس فی فتنة کذا فی المضمرات ناقلاعن المحیط۔ یعنی مشائخ کرام
نے فرمایا کہ عیدین اور جمعہ میں سجدۂ سہو نہ کرے اس لئے کہ لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے اسی طرح مضمرات میں محیط سے منقول
ہے۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر امام نے قصداً دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھی تو نماز کا اعادہ کرنا واجب اور سہوا کی صورت میں اگر
جماعت کثیر نہ تھی اور لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ تھا تو امام پر سجدۂ سہو کرنا واجب اور نہ کرنے پر نماز کا اعادہ واجب ہوا
اور اگر جماعت کثیر تھی اور لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ تھا تو سجدۂ سہو نہ کرنا بہتر تھا۔ هٰذا ماعندی والعلم بالحق
عند الله تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ جل جلاله وصلی المولیٰ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ سنڈیلہ۔ ضلع ہردوئی

ایک عیدگاہ میں ایک ہی دن عید کی نماز دو اماموں نے دو خطبوں کے ساتھ جماعت سے پڑھائی یعنی عید کی نماز ایک ہی
عیدگاہ میں دوبارہ ہوئی تو دونوں نمازیں جائز ہوئیں یا ایک ہی؟ اگر ایک ہی جائز ہوئی تو کون سی؟

الجواب: اگر دونوں اماموں کو عید کی نماز قائم کرنے کا اختیار تھا تو دونوں نمازیں جائز ہوگئیں هٰکذا قال الامام
احمد رضا البریلوی فی الجزء الثالث من الفتاویٰ الرضویة علیٰ صفحة ۸۰۳۔ وهو تعالیٰ اعلم
بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مرسلہ مولانا اختصاص الدین مدرسہ اہلسنّت اجمل العلوم سنبھل ضلع مرادآباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین مندرجہ ذیل احادیث وعبارات علماء وفقہاء کے درمیان تطبیق اور ان
تنقیح کے بارے میں کہ باب تکبیرات عیدین میں بروایت سیّدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ محدث ترمذی علیہ الرحمہ
فرماتے ہیں:

روی عن ابن مسعود انه قال فی التکبیرات فی العیدین تسع تکبیرات فی الرکعة الاولٰی خمس
تکبیرات قبل القرأة وفی الرکعة الثانیه یبدأ بالقرأة ثم یکبرا ربعا مع تکبیرة الرکوع وقدروی عن
غیروا حد من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم نحوهٰذا وهو قول اهل الکوفة وبه یقول سفیان
الثوری' اور حضرت محقق ابن ہمام فتح القدیر ج ا ص ۴۲۶ میں لکھتے ہیں: واماما عن الصحابة فاخرج عبدالرزاق
اخبرنا سفیان الثوری عن ابی اسحاق عن علقمة والاسودان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا
اربعا قبل القرأة ثم یکبر فیرکع وفی الثانیة یقرأ فاذافرغ کبرار بعاثم رکع. اخبرنا معمر عن ابی
اسحاق عن علقمة والاسود قال کان ابن مسعود جالسا وعنده حذیفة وبو موسی الاشعری فسألهم
سعید بن العاص عن التکبیر فی صلوٰة العید فقال حذیفة سل الاشعری فقال الاشعری سل عبدالله
فانه اقدمنا واعلمنا فسأله فقال ابن مسعود یکبرار بعاثم یقرأثم یکبرفیرکع ثم یقوم فی الثانیة
فقیرأثم یکبر اربعا بعد القرأة طریق آخر رواه ابن ابی شیبة. حدثنا هشیم اخبرنا مجالس عن
الشعبی عن مسروق قال کان عبدالله بن مسعود لیعلمنا التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات خمس فی
الاولٰی واربع فی الآخرة ویوالی بین القرأتین والمراد بالخمس تکبیرة الافتتاح والرکوع وثلاث زوائد و
بالاربع تکبیرة الرکوع طریق آخر رواه محمد بن الحسن. اخبرنا ابوحنیفة عن حماد بن ابی سلیمان
عن ابراهیم النخعی عن عبدالله بن مسعود وکان قاعداً فی مسجد الکوفة ومعه حذیفه الیمان وابو
موسیٰ الاشعری فخرج علیهم الولید بن العقبة بن ابی معیط وهو امیر الکوفة یومئذ فقال ان غدا
عیدکم فکیف اصنع فقال اخبره یا ابا عبدالرحمن فامره عبدالله بن مسعود ان یصلی بغیر اذان
ولااقامة وان یکبر فی الاولٰی خمسا وفی الثانیة اربعا وان یوالی بین القرأتین وان یخطب بعد الصلوٰة
علیٰ راحلته. قال الترمذی وقدروی عن ابن مسعود انه قال فی التکبیر فی العید تسع تکبیرات فی
الاولٰی خمسا قبل القرأة وفی الثانیه یبدأ بالقراة ثم یکبر اربعا مع تکبیرة الرکوع وقدروی عن غیروا
حد من الصحابة نحو هٰذا وهٰذا اثر صحیح قاله بحضرة جماعة من الصحابة. اور حضرت امام حلبی غنیۃ
المستملی شرح منیۃ المصلی کبیری ص ۵۲۷ میں فرماتے ہیں: وطریق المروی عن الصحابة هو ما اخرج عبدالرزاق
انا سفیان الثوری عن ابی اسحق عن علقمه والاسود ان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا تسعا

اربع قبل القراء ة ثم يكبر فيركع وفي الثانية يقرأ فاذا فرغ كبرار بعاثم ركع۔ انا معمر عن ابي اسحق عن علقمة والاسود قال كان ابن مسعود جالسا وعنده حذيفة وابو موسىٰ الاشعرى فسألهم سعيد بن العاص عن التكبير في يوم الفطر والاضحىٰ فقال ابوموسى الاشعرى سل عبدالله فانه اقدمنا واعلمنا فسأله فقال ابن مسعود يكبراربعا ثم يقرأثم يكبر فيركع ثم يقوم الثانية فيقرأثم يكبر اربعا بعد القراءة۔ روى ابن ابى شيبة ثنا هشيم انبأ نا مجالس عن الشعبى عن مسروق قال كان عبدالله بن مسعود ليعلمنا التكبير في العيدين تسع تكبيرات خمس في الاولىٰ واربع في الاخرىٰ ويوالى بين القراء تين۔ روى محمد بن الحسن انا ابوحنيفة عن حماد بن ابى سليمان عن ابراهيم النخعي عن عبدالله بن مسعود وكان قاعداً في مسجد الكوفة ومعه حذيفة بن اليمان و ابوموسىٰ الاشعرى فخرج عليهم الوليد بن عقبة بن ابى معيط وهو امير الكوفة يومئذ فقال ان غدا عيدكم فكيف اصنع فقال اخبره يا ابا عبدالرحمن فامره عبدالله بن مسعود ان يصلي بغير اذان ولااقامة وان يكبر في الاولىٰ خمسا و في الثانية اربعا ان يوالى بين القراء تين وان يخطب بعد الصلٰوة علىٰ راحلته۔ وقال الترمذى وقدروى عن ابن مسعود انه قال في التكبير في العيدين تسع تكبيرات في الاولىٰ خمسا قبل القراء ة وفي الثانية يبدأ بالقراء ة ثم يكبر اربعا مع تكبيرة الركوع و قد روى عن غيرواحد من الصحابة نحو هٰذا انتهىٰ وهٰذا اثر صحيح قاله بحضرة جماعة من الصحابة۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۵۳ و۲۴۵ بحوالہ ترمذی تحریر فرماتے ہیں: وروى عن عبدالله بن مسعود انه قال في التكبير في العيدين تسع تكبيرات في الركعة الاولىٰ يكبر خمسا قبل القراء ة وفي الركعة الثانيه بعد القراء ة يكبر اربعا مع تكبيرة الركوع وبه يقول اهل الكوفة وسفيان الثورى اھ كلام الترمذى على مانقله ميرك فان كان المراد باهل الكوفة ابا حنيفة واصحابه فيكون الخمس في الركعة الاولىٰ مع تكبيرة الاحرام وتكبيرة الركوع۔ ففي تعبيره خمسا قبل القراء ة نوع مسامحة ثم رأيت ابن الهمام ذكره مفصلا فقال اخرج عبدالرزاق اخبرنا سفيان الثورى عن ابى اسحق عن علقمة والا سودان ابن مسعود كان يكبر في العيدين تسعا اربعا قبل القراء ة ثم يكبر فيركع وفي الثانية يقرأ فاذا فرغ كبر اربعا ثم ذكرله طرقا اخرو قال قدروى عن غير واحد من الصحابة نحو هذا انه صحيح قاله بحضرة جماعة من الصحابة۔ شروح اربعہ ترمذی کی شرح ابی الطیب ج۱ص۵۰۰ میں ہے: قوله وروى ان ابن مسعود الخ فان كان المراد بقوله وهو قول اهل الكوفة ابا حنيفة واصحابه فيكون الخمس في الركعة الاولىٰ مع تكبيرة التحريمة وتكبيرة الركوع ففي تعبيره خمسا قبل القراء ة نوع

مسامحة وذکرہ ابن الھمام مفصلًا فقال اخرج عبدالرزاق انا سفیان الثوری عن ابی اسحٰق عن علقمة والا سود ان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا اربعا قبل القراء ة ثم یکبر فیرکع وفی الثانیة یقرأ فا ذا فرغ کبر اربعا ثم رکع ثم ذکرہ طرقا اخر وقال وقد روی عن غیروا حد من الصحابة نحو ھٰذا۔

اب سوال یہ ہے کہ محررہ بالا عبارات فقہا وعلماء کے پیش نظر حدیث ترمذی بسند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جس میں خمسا قبل القراء ة کی قید ہے تکبیرات عیدین کے بارے میں احناف کے نزدیک حجت قرار دینے کے قابل ولائق ہے یا حجت قرار دینے کے قابل ولائق نہیں ہے؟

ایک صحیح العقیدہ سنی حنفی عالم کہتے ہیں کہ جناب امام اعظم اور آپ کے پچاسوں اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز عید کی ہر دو رکعت میں تین تکبیریں کہنے کو اپنا مذہب قرار دیتے

اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کو (جس میں خمسا قبل القراءت کی قید نہیں ہے) اپنے مذہب کی دلیل بنانے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا صحیح قول امام ترمذی علیہ الرحمہ کو نہیں پہنچا بلکہ کچھ متغیر ہو کر انھیں معلوم ہوا۔ اس متغیر قول کو امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہوئے اہل کوفہ اور سفیان ثوری کا مذہب بھی بتا دیا۔ یہ امام ترمذی علیہ الرحمہ سے ذلت ہوئی۔ محدثین احناف امام ترمذی کے اس قول میں مسامحت تحریر فرماتے ہیں: چنانچہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ مرقاة شرح مشکوٰة میں رقم طراز ہیں (ففی تعبیرہ خمسا قبل القراء ة نوع مسامحة) اسی بناء پر امام ترمذی علیہ الرحمہ کے اس قول کو ذمہ داران خلیل العلوم نے اپنے اشتہار میں نہیں لکھا ہے اور نہ یہ قول ان کی نظر میں حجت قرار دینے کے لائق ہے۔ ایک دوسرے سنی صحیح العقیدہ حنفی عالم کہتے ہیں کہ ترمذی شریف کی حدیث مذکور حنفی مذہب کے لئے حاجت قرار دینے کے لائق ہے کیونکہ اجلہ فقہائے احناف نے اپنی تصانیف میں اسے حجت قرار دیا ہے اور یہ دوسرے عالم بنظر تطبیق روایات حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ترمذی میں خمسا قبل القراء ت کی قید ہے اس کے علاوہ تمام روایات میں یہ قید نہیں ہے۔ لفظ مسامحۃ کی یہ توضیح کرتے ہیں کہ یہ لفظ اصطلاحی ہے۔ علماء اس کا استعمال ایسی جگہ میں کرتے ہیں جہاں شہرت کی بناء پر لفظ سے معنی مجازی کا مراد لینا ظاہر و آسان ہوتا ہے چنانچہ دستور العلماء مطبوعہ حیدر آباد جلد اوّل ص ۲۹۱ میں ہے: التسامح فی اللغة جوانمردی نمودن و آسان گرفتن و یستعملونه فیما یکون فی العبارة تجوز اوالقرینة ظاھر الدلالة علی التجوز ومنه السامحة وقال الفاضل الچلپی فی حواشیه علی التلویح المراد بالتسامح استعمال اللفظ فی غیرہ حقیقته بلا قصد علاقة مقبولة ولانصب قرینة دلالة علیه اعتماد اعلی ظھور فھم المراد فی ذٰلك المقام حضرت مولانا الٰہی بخش صاحب فیض آبادی حاشیہ شرح تہذیب تحفۂ شاہجہانی ص ۱۳۲ میں لکھتے ہیں: قوله تسامح وھو فی اللغة مردمی کردن آسانی گرفتن و فی الاصطلاح استعال اللفظ فی غیرما وضع له حقیقته بلا قصد

مدینة مقبولة ولانصب قرينة دالة عليه اعتماد اعلى ظهور فهم المراد فى ذالك المقام لشهرته عند الخواص والعوام ۔تعریفات حضرت امام سیّد شریف جرجانی ص ۱۸۸ السامحة ترك مايجب تنزها. اسی کے ص ۵۰ میں ہے: التسامح هوان لايعلم الغرض من الكلام يحتاج فى فهمه الى تقدير لفظ آخر. استعمال اللفظ فى غير الحقيقة بلا قصد علاقة معنوية ولانصب قرينة دالة عليه اعتماد على ظهور. المغنى فى المقام ۔لغات کی مشہور کتاب ''المنجد'' ص ۲۳۰ میں ہے: مسامحة فى وبا لامرسهله فيه تركه له تسمح تسامح وتساهل مسئلہ زیر بحث میں ایسا ہی ہے کہ احناف کے نزدیک تکبیرات عیدین کے بارے میں یہ بات متعارف ومشہور تھی کہ پہلی رکعت میں کل پانچوں تکبیرات تکبیر تحریمہ تین زوائد تکبیر رکوع قبل قراءت نہیں کہی جاتی ہے بلکہ پہلی چار تکبیرات قبل قراءت اور اخیر تکبیر رکوع بعد قراءت کہی جاتی ہے لہٰذا اس شہرت مقام پر اعتماد کرتے ہوئے امام ترمذی نے اقل یعنی تکبیر رکوع کو قبلیت میں اکثر کے تابع کر کے خمسا قبل القراءة سے تعبیر فرمایا ہے اس سے نہ صرف حضرت امام ترمذی سے یہاں پر ذلت ہوئی اور نہ لغات کی کسی معتمد کتاب میں لفظ مسامحہ کے معنی ذلت لکھا ہے۔ نیز حضرت امام محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ترمذی کو حنفی حجت میں پیش کر کے هٰذا اثر صحيح الخ کا افادہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر کی خط کشیدہ عبارت سے ظاہر ہے۔ یہ جلیل القدر امام ابن ہمام کی مرتبت علمائے احناف کے سامنے پوشیدہ نہیں۔ ردالمحتار میں ان کے متعلق متعدد جگہ پر یہ تصریحات موجود ہیں۔ ان الكمال ابن الهمام بلغ رتبة الاجتهاد روایت ترمذی اگر نظر مجتہد میں حجت قرار دینے کے لائق نہ تھی تو اسے حنفی دلائل کے ساتھ تحریر فرمانا کیا معنی رکھتا ہے۔ و نیز حضرت امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غنیۃ المستملی میں روایت ترمذی کو حنفی دلائل میں تحریر کر کے: هٰذا اثر صحيح الخ کا افادہ برقرار رکھا ہے جیسا کہ منقولہ بالا خط کشیدہ عبارت سے واضح ہے۔ پھر حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور شارح ترمذی یہ دونوں بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تمام روایات کو حدیث ترمذی کی تفصیل قرار دے رہے ہیں جیسا کہ ان بزرگوں کی محررہ بالا خط کشیدہ عبارتوں سے ظاہر ہے۔ و نیز شہر سنبھل کے مشہور عالم مفتی سلطان المناظرین حضرت مولانا الحاج شاہ محمد اجمل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ تحائف حنفیہ میں حدیث ترمذی کو حنفی حجت قرار دے کر نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے جواب میں لکھتے ہیں:

جواب! احناف کے نزدیک نماز عیدین میں ۹ تکبیریں ہیں پانچ پہلی رکعت میں مع تکبیر تحریمہ کے اور چار دوسری رکعت میں مع تکبیر رکوع کے۔ ان کے دلائل احادیث سے یہ ہیں: حديث عن ابن مسعود قال فى التكبير فى العيد تسع تكبيرات فى الركعة الاولى خمس تكبيرات قبل القراءة وفى الركعة الثانية يبدأبا لقراءة ثم يكبر اربعا مع تكبير الركوع از ترمذی ص ۱۰۳۔ واضح رہے کہ حضرت شاہ صاحب موصوف ان ذمہ داران خلیل العلوم کے استاذ واستاذ الاستاذ نے بھی آج سے پیشتر ان ذمہ داران نے شاہ صاحب کا وہ رسالہ مسلمانوں میں نہایت اہتمام وخوشی کے ساتھ مفت تقسیم کیا اور کرایا ہے۔

ونیز دیوبندیوں کے ایک مشہور و مقتدا عالم مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے بھی بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد شریف جلد دوم ص ۲۰۹ میں اسی حدیث ترمذی کو مذہب احناف کی حجت و دلیل بنا کر تحریر کیا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شارح ترمذی نے حدیث ترمذی میں خمسا قبل قبل القراء ۃ کے متعلق جو مسامحہ تحریر فرمایا ہے اس کے کون سے معنی صحیح و درست ہیں۔ آیا ذلت کے معنی صحیح ہیں جو پہلے عالم صاحب نے تحریر کیا ہے یا وہ معنی صحیح ہیں جو دوسرے عالم صاحب نے بیان کیسے ہیں؟ ونیز ترمذی شریف کی حدیث مذکور دوبارہ تکبیرات عیدین احناف کے نزدیک قابل حجت ہیں یا نہیں؟ ونیز جب محدث ترمذی یہ فرماتے ہیں: وقدروی عن غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحو ھٰذا تو پہلے عالم صاحب کا یہ کہنا صحیح و درست ہے یا نہیں کہ امام ترمذی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا صحیح قول نہیں پہنچا۔ جواب تحقیق و تدقیق کے ساتھ معتبر کتابوں کے حوالے سے مرحمت فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب: بعون الملك الوهاب (۱) شارح ترمذی اور حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری نے حدیث ترمذی میں خمسا قبل القراء ۃ کے متعلق جو مسامحہ تحریر فرمایا ہے اس کے وہی معنی صحیح ہیں جو دوسرے عالم نے فرمائے جن کی تائید کے لئے دستور العلماء، حاشیہ چلپی اور تحفۂ شاہجہانی وغیرہ جیسی معتمد کتابوں کا حوالہ کافی ہے۔ مسامحہ کے معنی ذلت کسی معتمد کتاب میں نہیں۔ غیاث اللغات میں مساحت بضم میم اوّل و فتح میم دوم و حائے مہملہ باہم کار آسان گرفتن وگا ہے تجرید کردہ بمعنی آسانی کردن کار کسی و آشتی و آسانی کردن و سہل گرفتن و دلیر و چیزے را ہیچ پنداشتہ توجہ بآں نکردن۔ مشتق از سمح بالفتح کہ بمعنی جوانمردی و آسان گرفتن است از منتخب و لطائف و کشف و مداراہ۔ (۲) بیشک ترمذی شریف کی حدیث تکبیرات عیدین کے متعلق قابل حجت ہے کہ اجلۂ علمائے احناف نے اسے اپنے مسلک کا مستدل قرار دیا ہے وھو تعالیٰ اعلم (۳) جبکہ امام ترمذی یہ فرماتے ہیں کہ وقدروی عن غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحو ھٰذا' تو یہ کہنا درست نہیں کہ انھیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا صحیح قول نہیں پہنچا بلکہ صحیح قول پہنچا لیکن اعتماد علی ظھور المراد فی ذالك المقام لشھرت عند الخواص والعوام۔ انھوں نے خمسا قبل القراء ۃ فرمادیا۔ ھٰذا ماظھرلی والعام عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ربیع النور ۱۳۹۵ھ

کتاب الجنائز

کفن اور نماز جنازہ وغیرہ کا بیان

مسئلہ: از مصاحب خان ہتیر البستی۔

(۱) مرد، عورت، اور نابالغ کا کفن سنت کے مطابق کیا کیا اور کتنا ہونا چاہئے؟

(۲) کفن پہنانے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب: (۱) مرد کے لئے سنت تین کپڑے ہیں جیسا کہ عالمگیری میں ہے: کفن الرجل سنة ازار وقمیص ولفافة یعنی مرد کا کفن سنت تہبند، قمیص اور لفافہ ہے' اور عورت کے پانچ کپڑے ہیں: درع وازار و خمار ولفافة وخرقة تربط بها ثدیاها (عالمگیری) یعنی قمیص، تہبند، اوڑھنی، لفافہ اور سینہ بند' اور نابالغ اگر حد شہوت کو پہنچ گیا ہو جس کا اندازہ لڑکوں میں بارہ سال اور لڑکیوں میں نو ہے تو وہ بالغ کے حکم میں ہے یعنی بالغ کو کفن میں جتنے کپڑے دیئے جاتے ہیں اسے بھی دیئے جائیں اور اس سے چھوٹے لڑکے کو ایک کپڑا اور چھوٹی لڑکی کو دو کپڑے دے سکتے ہیں اور اگر لڑکے کو بھی دو کپڑے دیئے جائیں تو اچھا ہے' اور بہتر یہ ہے کہ دونوں کو پورا کفن دیں اگرچہ ایک دن کا ہو۔ لفافہ یعنی چادر کی مقدار یہ ہے کہ میت کے قد سے اس قدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکیں' اور تہبند چوٹی سے قدم تک ہونا چاہئے یعنی لفافہ سے اتنا چھوٹا جو بندش کے لئے زیادہ تھا چنانچہ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۵۰ اور ہدایہ جلد اوّل ص ۱۳۷ میں ہے: والازار من القرن الی القدم یعنی تہبند کی مقدار چوٹی سے قدم تک ہے' اور قمیص جس کو کفنی کہتے ہیں گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک اور یہ آگے اور پیچھے دونوں برابر ہوں اور بعض لوگ پیچھے کم رکھتے ہیں یہ غلطی ہے۔ چاک اور آستین اس میں نہ ہوں اور مرد کی کفنی مونڈھے پر چیریں اور عورت کے سینہ کی طرف' اور اوڑھنی نصف پشت سے سینہ تک ہونا چاہئے جس کا اندازہ تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز ہے' اور عرض ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اور جو لوگ زندگی طرح اوڑھنی رکھتے ہیں یہ بے جا اور خلاف سنت ہے' اور سینہ بند پستان سے ناف تک اور بہتر یہ ہے کہ ران تک ہو عالمگیری میں ہے: والاولیٰ ان تکون الخرقة من الثديين الى الفخذ كذا في الجوهرة النيرة۔ یعنی بہتر یہ ہے کہ سینہ بند پستان سے ران تک ہو جوہرہ نیرہ میں اسی طرح ہے۔

(۲) کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو غسل دینے کے بعد بدن کسی پاک کپڑے سے آہستہ پوچھ لیں تا کہ کفن تر نہ ہو اور کفن کو ایک یا تین یا پانچ یا سات بار دھونی دے لیں اس سے زیادہ نہیں پھر کفن یوں بچھائیں کہ پہلے لفافہ پھر تہبند پھر کفنی پھر

میت کو اس پر لٹائیں اور کفنی پہنائیں اور داڑھی اور تمام بدن پر خوشبو ملیں اور موضع سجود یعنی ماتھے، ناک، ہاتھ، گھٹنے اور قدم پر کافور لگائیں پھر تہبند لپیٹیں پہلے بائیں جانب سے پھر دائیں طرف سے پھر لفافہ لپیٹیں پہلے بائیں طرف سے پھر دائیں طرف سے تاکہ دایاں اوپر رہے اور سر اور پاؤں کی طرف باندھ دیں تاکہ اڑنے کا اندیشہ نہ رہے۔

عورت کو کفنی پہنانے کے بعد اس کے بالوں کے دو حصے کر کے کفنی کے اوپر سینہ پر ڈال دیں اور اوڑھنی نصف پشت کے نیچے سے بچھا کر سر پر لا کر منہ پر مثل نقاب ڈال دیں کہ سینہ پر رہے۔ پھر مرد کی طرح عورت کو بھی تہبند اور لفافہ لپیٹیں پھر سب کے اوپر سینہ بند بالائے پستان سے ران تک لاکر باندھیں۔ عالمگیری جلد اول ص ۸۲ میں ہے: ثم الخرقۃ بعد ذلک تربط فوق الاکفان فوق الثديين كذا في المحيط. یعنی پھر سینہ بند سب کپڑوں کے اوپر بالائے پستان باندھیں محیط میں اسی طرح ہے اور فتح القدیر میں ہے: في شرح الكنز فوق الاكفان یعنی شرح کنز الدقائق میں اس کی جگہ سب کپڑوں کے اوپر مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷؍رجب المرجب ۱۳۷۹ھ

مسئلہ: از ابوالکلام احمد کسم کھور۔ ضلع فرخ آباد۔

(۱) مردہ کو کپڑا کتنا دیا جائے یہ تو معلوم ہے کہ مرد کے لئے تین کپڑے ہوں اور عورتوں کے لئے پانچ مگر کون سا کتنا لمبا چوڑا ہو اور مرد کے کپڑے کی مقدار کتنے میٹر ہوں اور ایسے ہی عورتوں کے کپڑے کی مقدار میٹر سے کیا ہونی چاہئے بعض جگہ لفافہ کی جگہ لگ دوہرا کپڑا استعمال کرتے ہیں نیز یہ بھی تحریر فرمادیں کہ نہلانے کے بعد کوئی کپڑا پہلے اور کس طرح پہنایا جائے اور کرتے کی شکل کیا ہونی چاہئے نیز نماز جنازہ میں سلام پھیرتے وقت ہاتھ باندھے رکھنا چاہئے یا ہاتھ کھول دینے چاہئیں۔

(۲) مردہ کے لئے جو چنے کلمہ شریف پڑھنے میں استعمال کیے جاتے ہیں پڑھنے کے بعد ان کو کیا کیا جائے جبکہ کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو محتاج ہو بلکہ سب کھاتے پیتے ہوں اس لئے کہ مردہ کے ایصال ثواب کے لئے جو چیز پکائی جائے اس میں سے کسی مالدار کو کھانا غالباً مولانا نسیم بستوی نے اپنی تصنیف ''نظام شریعت'' میں بدعت سیئہ اور مکروہ تحریمی لکھا ہے دریں حالات چنے کیا کئے جائیں؟ مکمل و مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: (۱) لفافہ یعنی چادر میت کے قد سے اس قدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف بندھ سکے اور ازار یعنی تہبند چوٹی سے قدم تک یعنی لفافہ سے اتنی چھوٹی جو بندش کے لئے زیادہ تھا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۵۰، ہدایہ جلد اول ص ۱۳۷ اور شامی جلد اول ص ۶۰۳ میں ہے: الازار من القرن الى القدم. یعنی تہبند کی مقدار چوٹی سے قدم تک ہے اسی طرح بہار شریعت میں بھی ہے اور قمیص جس کو کفنی کہتے ہیں گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک اور آگے پیچھے برابر ہو جاہل لوگ جو پیچھے کم رکھتے ہیں یہ غلط ہے۔ چاک اور آستین اس میں نہ ہو اور مرد کی کفنی کندھے سے چیریں اور عورتوں کے لئے سینہ کی طرف عورت

اوڑھنی تین ہاتھ کی ہونی چاہئے یعنی ڈیڑھ گز لمبی اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک چوڑی اور سینہ بند پستان سے ناف تک مگر بہتر ہے کہ ران تک ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے: والاولٰی ان تکون الخرقۃ من الثدیین الی الفخذ کذا فی الجوھرۃ النیرۃ۔ چونکہ میت کا جسم موٹا پتلا اور کپڑے کی عرض کم زیادہ ہوا کرتی ہے اس لئے میٹر سے کپڑے کی مقدار ہر ایک کے لئے متعین نہیں کی جاسکتی۔

کفن پہنانے کے لئے پہلے بڑی چادر زمین پر بچھائی جائے پھر تہبند پھر کفنی یعنی مردہ کو اس پر رکھ کر پہلے کفنی پہنائیں پھر تہبند لپیٹیں پھر بڑی چادر۔ ان تمام مسائل کا تفصیلی بیان بہار شریعت حصہ چہارم میں دیکھیں۔ چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کوئی دعا پڑھے ہاتھ کھول کر سلام پھیر دے۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۵۴)

(۲) جو چنا کلمہ شریف پڑھنے میں استعمال کیا جاتا ہے اسے اغنیاء کو کھانا جائز ہے مگر نہ کھانا بہتر ہے۔ البتہ میت کا وہ کھانا جو شادی کی دعوت کی طرح کھلایا جاتا ہے ناجائز اور بدعت سیئہ ہے: لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور' اور عوام مسلمین کے چہلم، برسی اور ششماہی کا کھانا بھی اغنیاء کو مناسب نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ) وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ ربیع الاول ۹۷ھ۱۳

مسئلہ: از محمد نیاز احمد ٹانڈہ محلہ سکراول ضلع فیض آباد۔

زید کی عورت کا انتقال ہوگیا۔ اب زید چاہتا ہے کہ اپنی عورت کے جنازہ کو کندھا دے لیکن بکر نے اسے روک دیا اور کہا کہ میں نے علماء کرام سے یہ سنا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو کندھا نہیں دے سکتا۔ لہٰذا بکر نے زید کو روک دیا۔ بکر کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے؟ بکر ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ علماء کرام سے یہ بھی سنتا ہوں کہ اس لئے کندھا نہیں دے سکتا کہ عورت شوہر کے جوتی برابر ہے آج اس کے جنازہ کو کیسے کندھا دے سکتا ہے؟

بکر کے کہنے کے مطابق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۴۱ پر مذکور ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا اگر مراتب کے لحاظ سے کندھا نہیں دے سکتا تو یہاں کیا جواب ہے کہ کہاں سرکار کا مرتبہ اور صحابۂ کرام کا مرتبہ؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: بیوی کے جنازے کو کندھا دینا بلاشبہ جائز ہے اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ بکر علمائے کرام کو جھوٹا کہتا اور بدنام کرتا ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ علماء نے منع کیا ہے تو بکر سے کہئے کہ ان علماء کی تحریر لائے۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷ ذی القعدہ ۹۷ھ۱۳

مسئلہ: از محمد اسحاق انصاری ٹیلر ماسٹر قصبہ بھنان ضلع بستی۔

زید کا چچا عمرو شرابی و بدکار تھا جس کی وجہ سے زید اس سے نفرت کرتا تھا اسی نفرت و بیزاری کی حالت میں عمرو کا انتقال ہو گیا زید نے اس کی لاش مشرک تاڑی فروش کے سپرد کر دی اور کہا کہ تم جس طرح چاہو اس کا کفن دفن کر دو میں اس کی تجہیز و تکفین میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اس مشرک نے قصبہ کے مسلمانوں سے بھی کہا کہ میت لے جاؤ اور اس کے آخری رسوم ادا کر دو مگر ان لوگوں نے بھی انکار کر دیا مجبوراً مشرک نے اس کی لاش اپنی رسم کے مطابق قصبہ میں باجہ کے ساتھ گھمائی پھر دفن کر دی بعد میں قصبہ کے مسلمانوں نے لاش نکال کر نہلا دھلا کر نماز جنازہ پڑھ کر دوبارہ دفن کیا...... زید کے اس فعل پر قصبہ کے مسلمانوں نے متنفر ہو کر اس کا بائیکاٹ کر دیا اور اس کو مسجد میں آنے سے روکنے کا ارادہ بھی کر رہے ہیں۔ براہ کرم زید اور ان مسلمانوں کے لئے جو شرعی حکم ہو مطلع فرمائیں۔

الجواب: جب کوئی مسلمان مر جائے خواہ متقی و پرہیزگار ہو یا شرابی و بدکار اسلامی طریقہ پر اس کی تجہیز و تکفین کرنا اور اس کی جنازہ کی نماز پڑھنا ہر اس مسلمان پر فرض کفایہ ہے جس کو موت کی اطلاع ہو جائے یعنی اگر مطلع ہونے والوں میں سے کسی ایک نے بھی اسلامی طریقہ پر تجہیز و تکفین نہ کی اور جنازہ کی نماز نہ پڑھی تو سبھی گنہگار ہوئے۔ صورت مسئولہ میں برصدق مستفتی زید اپنے چچا عمرو کی لاش کفن و دفن کے لئے مشرک کے سپرد کر دینے کے سبب سخت گنہگار ہوا علانیہ توبہ کرے تاوقتیکہ زید علانیہ توبہ نہ کرے مسلمان اس سے قطع تعلق رکھیں مگر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے سے ہرگز نہ روکیں ورنہ روکنے والے سخت گنہگار ہوں گے۔ مشرک تاڑی فروش نے جن مسلمانوں سے کہا کہ میت لے جاؤ اور انھوں نے انکار کر دیا وہ لوگ بھی گنہگار ہوئے وہ بھی علانیہ توبہ کریں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ر من ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از محمد بشیر موضع ڈفلڈ ہوا ضلع گونڈہ۔

زید اور اس کے ساتھ کچھ مسلمانوں نے صلح کل کی نماز جنازہ وہابی امام کی اقتداء میں پڑھی، آیا ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں برصدق تحریر اگر زید اور دیگر مسلمانوں نے وہابی کے پیچھے اس کی وہابیت جانتے ہوئے مسلمان اعتقاد رکھ کر نماز جنازہ ادا کی تو کفر ہے اس پر علی الاعلان توبہ و تجدید ایمان و نکاح ضروری ہے، اور اگر وہابی امام کو مرتد و بدمذہب سمجھتے ہوئے پڑھی تو فسق ہے اس پر علانیہ توبہ لازم ہے یہی حکم وہابی یا صلح کل کی نماز جنازہ پڑھنے کا بھی ہے۔ واللہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم

کتبہ: محمد یونس نعیمی اشرفی

۱۳/ربیع النور ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از محمد علی ڈوکی

زید بچپن سے مذہب حنفی رکھتا ہے لیکن وہابی کے یہاں پڑھاتا بھی تھا اسی وجہ سے وہابی کے یہاں آتا جاتا رہا لیکن جب معلوم ہوا کہ وہابی کا عقیدہ خراب اور باطل ہے تو زید سے کہا گیا' تو زید نے توبہ کی اور جس پر علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ کافر ہیں ان کو کافر بھی کہا لیکن وہابی کے یہاں آنا جانا بند نہ کیا حالانکہ زید نے تین مرتبہ توبہ کی پھر بھی اس کا وہی اختیار رہا لیکن قریب ایک سال گزر رہا ہے کہ زید نے کہا میں اب صدق دل سے توبہ کروں گا لہٰذا زید کو پھر توبہ کرائی گئی لیکن تجدید نکاح نہیں کرایا گیا غفلت برتی گئی ہے اور زید کا انتقال ہو گیا تو زید کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ درانحالیکہ زید کہتا تھا کہ جب سے ہم نے تین مرتبہ توبہ کی ہے اس وقت سے وہابی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی نہ ان کا ذبیحہ گوشت کھایا لہٰذا اناج اور روپیہ کے لالچ میں جاتا تھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر زید واقعی سنی تھا اور اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھی، قاسم نانوتوی اور اس کے ماننے والوں کو ان کے کفریات قطعیہ کی وجہ سے کافر کہتا تھا اور اسی عمل پر اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

۲۸/ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ

مسئلہ: از واجد علی وانوار علی اہڑوا۔ بستی

میت کا ہاتھ سینہ پر رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: میت کا ہاتھ سینہ پر رکھنا غلط ہے۔ مسنون اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ میت کے پہلو میں رکھے جائیں کما صرح بہ فی نور الایضاح وتوضع یداہ بجنبیہ ولایجوز وضعھما علی صدرہ۔ یعنی ہاتھ پہلو میں رکھے جائیں اور سینے پر رکھنا جائز نہیں۔ فقہائے کرام نے سینے پر ہاتھ رکھنا اس لئے منع فرمایا کہ یہودیوں اور نصرانیوں کا طریقہ ہے: کما فی مراقی الفلاح لانہ صنع اھل الکتاب۔ یعنی اس لئے کہ سینے پر ہاتھ رکھنے کا طریقہ اہل کتاب یعنی یہودی وغیرہ کا ہے۔ وھو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: محمد یونس نعیمی،

۲۶/جمادی الاخری ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۷/جنوری ۱۹۸۸ء

مسئلہ: از منصب علی معرفت جمعدار گورکھپور ۱۹ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

نماز جمعہ اور نماز جنازہ کی نیت کے الفاظ کیا ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نیت دل کے پکے ارادے کو کہتے ہیں (بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۵۲) اور زبان سے کہہ لینا مستحب ہے ھکذا ذکر صدر الشریعۃ فی بہار شریعت ناقلا عن الدر المختار مقتدی کے لئے نماز جمعہ کی نیت کے الفاظ یہ ہیں: نیت کی میں نے دو رکعت نماز جمعہ پڑھنے کی واسطے اللہ کے اس امام کے پیچھے منہ میرا طرف کعبہ شریف کے اللہ اکبر، اور اگر امام ہو تو "پیچھے اس امام کے" نہ کہے، اور مقتدی کے لئے نماز جنازہ کی نیت کے الفاظ یہ ہیں: نیت کی میں نے نماز جنازہ کی واسطے اللہ کے دعا اس میت کے لئے پیچھے اس امام کے منہ میرا طرف کعبہ شریف کے اللہ اکبر، اور امام ہو تو "پیچھے اس امام کے" نہ کہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ضیاء الحق ساکن ڈومری پوسٹ کٹرہ ضلع مظفر پور (بہار)

زید ہمارے یہاں مسجد میں امام ہے، اور بچوں کو تعلیم بھی دیتا ہے ایک روز گاؤں میں ایک آدمی کی موت واقع ہوئی اسے غسل وغیرہ کرانے میں عصر کا وقت ہو گیا۔ کچھ لوگ نماز عصر پڑھ چکے تھے اور کچھ باقی لوگ تھے زید بھی نماز سے فارغ ہو چکا تو لوگوں نے جنازہ پڑھنے کے لئے کہا تو زید نے کہا چونکہ یہ زوال کا وقت ہے اس لئے جنازہ نہیں پڑھا جائے گا چنانچہ مغرب کے بعد جنازہ پڑھا گیا کیا یہ صحیح ہے کہ عصر و مغرب کے درمیان نماز جنازہ درست نہیں؟

الجواب: زید نے غلط کہا عصر کی نماز پڑھنے کے بعد نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے بلکہ اگر مکروہ وقت مثلاً آفتاب غروب ہونے سے دس منٹ پیشتر جنازہ لایا گیا تو اسی وقت پڑھیں گے کوئی کراہت نہیں۔ کراہت اس صورت میں ہے کہ پہلے سے جنازہ تیار موجود ہے، اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقت کراہت آ گیا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: بدر الدین احمد الصدیقی الرضوی القادری الکورکھفوری، ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از برکت اللہ ساکن پپری بزرگ ضلع بستی

ایک ایسے پاگل کا انتقال ہوا جو بالغ ہے تو اس کی نماز جنازہ میں بالغ کی دعا پڑھی جائے یا نابالغ کی؟

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ مجنون یعنی پاگل کے لئے وہی دعا پڑھی جائے جو نابالغ کے لئے پڑھی جاتی ہے ھکذا قال صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ فی الجزء الرابع من بہار شریعت ناقلا عن الجوھرۃ

ہے۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع طحطاوی ص ۳۵۵ میں ہے: لایستغفر لمجنون وصبی اذلاذنب لھما' اور بحر مع ردالمحتار جلد اوّل ص ۱۶۲ میں ہے: لایستغفر فیھا لصبی ومجنون ومعتوہ لعدم تکلیفھم مجنون سے مراد وہ مجنون ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے مجنون ہوا اور تاوقت موت مجنون رہا اور اگر بلوغ کے بعد مجنون ہوا تو اس کے لئے مغفرت کی دعا پڑھی جائے یعنی اس کے جنازہ میں وہ دعا پڑھی جائے جو بالغ کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ ربیع النور ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از محمد دادے پیر خطیب مکہ مسجد باری۔ شولا پور

نماز جنازہ کی تکبیرات میں اگر رفع یدین کیا جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب نماز ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے: لما روی دار قطنی عن ابن عباس و ابی ھریرۃ رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلیٰ علیٰ جنازۃ رفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ ثم لا یعود وکان کل تکبیرۃ قائمۃ مقام رکعۃ وغیر الرکعۃ الاولیٰ لا رفع فیھا فکذا تکبیرات الجنازۃ ھٰکذا فی طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵۴' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۵۴ میں ہے: ولایرفع یدیہ الافی التکبیرات الاولیٰ فی ظاھر الروایۃ کما فی العینی شرح الکنز اور درمختار باب صلاۃ الجنازۃ میں ہے: یرفع یدیہ فی الاولیٰ۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ ربیع النور ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از عبدالعزیز حاجی عبدالکریم پانچ بھیا ہمت نگر (گجرات)

ہمارے یہاں سالہا سال سے نماز جنازہ مسجد کے صحن میں ہوتی تھی جیسا کہ آج بھی احمد آباد وغیرہ کے ائمہ مساجد مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھتے ہیں' مگر ایک صاحب نے کہا کہ مسجد میں نماز جنازہ نہیں تو ہمارے یہاں کے امام لوگ مسجد کے باہر ہی نماز جنازہ پڑھانے لگے مگر باہر نماز جنازہ پڑھانے کی صورت میں درمیان صف سے کتا وغیرنا پاک جانوروں کے گزرنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس کے علاوہ سخت سردی تیز دھوپ اور بارش میں جنازہ پڑھنے والوں کو اور میت کو تکلیف ہوتی ہے تو ان وجوہات کی بنا پر مسجد میں جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بیشک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ناجائز اور گناہ ہے۔ ائمہ مساجد کے پڑھانے سے مسجد میں

جنازہ جائز نہ ہوگا نا جائز ہی رہے گا یہاں تک کہ پڑھنے والوں کو اس صورت میں ثواب بھی نہیں ملتا۔ حدیث شریف اور فقہ کی معتبر کتابوں سے یہی ثابت ہے جیسا کہ ہدایہ اوّلین ص ۱۶۱ میں ہے: لایصلی علی میت فی مسجد جماعة لقوله علیه السلام من صلی علی جنازة فی المسجد فلا اجر له۔ یعنی جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے اس کے لئے کوئی ثواب نہیں' اور بحر الرائق جلد دوم ص ۱۸۶ میں ہے: ولافی مسجد لحدیث ابی داؤد مرفوعاً من صلی علی میت فی المسجد فلا اجرله وفی روایة فلا شیء له۔ یعنی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث مرفوع ہے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی ثواب نہیں' اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے لئے کچھ نہیں' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۵۵ میں ہے: صلٰوة الجنازة فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة. یعنی جس مسجد میں جماعت قائم کی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ مکروہ ہے' اور عنایہ مع فتح القدیر جلد دوم ص ۹۰ میں ہے: لایصلی علی میت فی مسجد جماعة اذا کانت الجنازة فی المسجد فالصلوة علیها مکروهة باتفاق اصحابنا۔ یعنی جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جبکہ جنازہ مسجد میں ہو تو نماز مکروہ ہے' یہ ہمارے اصحاب کا متفقہ مسئلہ ہے' اور شامی جلد اوّل ص ۵۹۳ میں ہے: کما ترکه الصلاة علیها فی المسجد یکره ادخالها فیه۔ یعنی جیسا کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے جنازہ کا مسجد میں داخل کرنا بھی مکروہ ہے اسی طرح فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ صغری، فتاویٰ بزازیہ، فتح القدیر، شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ، مراقی الفلاح طحطاوی علی مراقی، اور درمختار وغیرہ تمام کتب معتبرہ میں تصریح ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ومنع ہے' اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے' اور مکروہ تحریمی کا گناہ مثل حرام کے ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: کل مکروہ ای کراهة تحریمة حرام ای کالحرام فی العقوبة بالنار۔ یعنی ہر مکروہ تحریمی استحقاق جہنم کا سبب ہونے میں حرام کے مثل ہے' بلکہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے نماز جنازہ کے مسجد میں مکروہ تحریمی ہونے کی تصریح فرمائی ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۷ میں ہے: ''جنازہ مسجد میں رکھ کر اس پر نماز مذہب حنفی میں مکروہ تحریمی ہے' اور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مکروہ تحریمی لکھا ہے جیسا کہ بہار شریعت حصۂ چہارم ص ۱۵۸ میں ہے: مسجد میں جنازہ مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔ خواہ میت مسجد کے اندر ہو یا باہر سب نمازی مسجد میں ہوں یا بعض کہ احادیث میں نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کی ممانعت آئی ہے......ان تمام کتب معتبرہ کے حوالے سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جو حرام کے مثل ہے۔ لہٰذا بغیر عذر شرعی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ہرگز جائز نہیں' اور سخت سردی اور تیز دھوپ کے سبب بھی مسجد میں جنازہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے گا کہ جس طرح سردی اور دھوپ میں لوگ اپنے کاموں کے لئے نکلتے ہیں جنازہ کے لئے بھی تھوڑی دیر سردی اور دھوپ برداشت کرسکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''نماز جنازہ بہت ہلکی اور جلد ہونے والی چیز ہے اتنی دیر دھوپ کی تکلیف ایسی نہیں کہ اس کے لئے مکروہ تحریمی کو گوارا کیا جائے اور مسجد کی بے

دینی روادار ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۷) رہی تیز بارش تو جس طرح بارش میں جنازہ گھر سے لے کر مسجد اور مسجد سے قبرستان
لے جائیں گے اسی طرح بارش میں مسجد کے باہر جنازہ بھی پڑھ سکتے ہیں، اور اگر بارش میں جنازہ لے کر نکلنا اور دفن کرنا تو ممکن
ہو مگر نماز جنازہ پڑھنا کسی طرح ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ضرور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی رخصت دے دی جائے گی
جبکہ شہر میں کہیں مدرسہ مسافر خانہ اور جماعت خانہ وغیرہ میں پڑھنا ممکن نہ ہو...... مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے عذر عموماً
لوگ دھوپ، سردی اور بارش ہی کو بیان کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے عذر کے بغیر بھی لوگ مسجدوں میں نماز جنازہ
بلاشک پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ سب بہانہ ہے وجہ صرف آرام طلبی اور سہل پسندی ہے جس کے مقابلہ میں ان کے نزدیک
حکم شرع کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ (العیاذ باللہ) اور کتا وغیرہ کے صفوں میں گھسنے کا عذر بھی عندالشرع مسموع نہیں اس لئے کہ نماز
جنازہ عیدگاہ کے احاطہ اور مدرسہ میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ سیّد العلماء حضرت علامہ سیّد احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ
تحریر فرماتے ہیں: لاتکرہ فی مسجد اعدلها وکذا فی مدرسة ومصلی عید (طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۳۲۶) اور
اگر عیدگاہ و مدرسہ نہ ہو تو میدان میں جانوروں سے حفاظت کے لئے آدمی کھڑے کئے جا سکتے ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ صرف جنازہ
کے لئے الگ سے مسجد بنالیں پھر اسی میں دھوپ، سردی اور بارش وغیرہ ہر حال میں نماز جنازہ پڑھیں اس طرح میت اور جنازہ
پڑھنے والوں کو کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی، اور ناپاک جانوروں کے صفوں میں گھسنے کا اندیشہ بھی نہ رہے گا...... وہ مسلمان جو
غیر ضروری صرف جائز و مباح کاموں کے لئے ہزاروں اور لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں اگر مسجد کی حرمت باقی رکھنے اور
ناجائز کام سے بچنے کے لئے نماز جنازہ کی مسجدوں کو نہ بنائیں گے اور بارش وغیرہ کا بہانہ بنا کر عام مسجدوں میں نماز جنازہ
پڑھیں گے تو ضرور گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ رجمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از غلام جیلانی کیر آف مولانا انصار احمد صاحب جمعہ مسجد مقام دھانوتھانہ (مہاراشٹر)

کیا مذہب حنفی میں نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: بعون الملک العزیز الوھاب۔ مذہب حنفی میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا ناجائز و گناہ ہے کہ
حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کی نماز جنازہ کا بہت اہتمام فرماتے تھے یہاں تک کہ اگر کسی وقت
اندھیری رات یا دوپہر کی گرمی وغیرہ کے سبب صحابۂ کرام حضور کو اطلاع نہ دیتے اور دفن کر دیتے تو حضور ان پر غائبانہ نماز جنازہ
نہ پڑھتے بلکہ ارشاد فرماتے: لاتفعلوا ادعونی لجنائزکم۔ یعنی ایسا نہ کیا کرو مجھے اپنے جنازہ کے لئے بلا لیا کرو (ابن ماجہ)
یہاں تک کہ صحابۂ کرام کے کئی علماء کو کفار نے فریب سے شہید کر دیا تو حضور کو اس واقعہ کا سخت رنج ہوا کہ ایک مہینہ تک ان
لوگوں پر خاص کر نماز میں لعنت فرماتے رہے مگر ان محبوبوں پر حضور کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ہرگز منقول نہیں۔ اس لئے کہ

جنازہ کا نمازی کے سامنے ہونا شرائط جنازہ میں سے ہے جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے: شرطها وضعه امام المصلی اور درمختار میں ہے: شرطها حضوره فلا تصح علیٰ غائب۔ یعنی جنازہ کا حاضر ہونا نماز کی شرط ہے لہٰذا کسی غائب پر نماز جنازہ صحیح نہیں، اور غائبانہ جنازہ پڑھنے میں عموماً نماز جنازہ کی تکرار بھی پائی جاتی ہے جس کے ناجائز و گناہ ہونے پر مذہب حنفی کا اجماع قطعی ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے: تکرارها غیر مشروع یعنی نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں، اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تو اس لئے کہ ان کا انتقال دار کفر میں ہوا تھا وہاں ان پر نماز جنازہ نہ ہوئی تھی۔ (فتاویٰ رضویہ) وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۵ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از غلام جیلانی کیر آف مولانا انصار احمد صاحب جمعہ مسجد مقام دھانو تھانہ (مہاراشٹر)

زید نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی موت پر ہمارے شہر میں اسپیکر کے ذریعہ اپنی امامت کا اعلان باقاعدہ کرایا اور ہزاروں مسلمانوں سے نماز جنازہ غائبانہ پڑھوائی۔ ایسی صورت میں زید پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعون الملك العزيز الوهاب۔ بھٹو کا رافضی بلکہ مذہب کا مخالف دہریہ ہونا مشہور ہے لہٰذا اس کی حاضر لاش پر بھی نماز جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔ زید اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے سبب کئی وجوہ سے گنہگار ہوا اس پر توبہ لازم ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۵ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از غلام احمد یار علوی مدرس مدرسہ قادریہ رضویہ بدر العلوم نند نگر چوری ضلع بستی۔

زید بیمار تھا بیماری کی وجہ سے خودکشی کر لی یعنی دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ کئی ایک روز کے بعد زید کی لاش ملی لاش خراب ہو چکی تھی اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اور اس کی روح کو ایصال ثواب کیا جائے یا نہیں؟ بغیر نماز جنازہ پڑھے ہوئے زید کی لاش کو دفن کر دیا جاوے تو ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: زید جس نے خودکشی کر لی اور لاش خراب ہو گئی تھی اس کی نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر واجب اور اس کی روح کو ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ اگر بغیر نماز دفن کر دیا گیا تو جن لوگوں کو اس کی لاش کے برآمد ہونے کا علم ہوا سب گنہگار ہوئے توبہ کریں...... فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۱۵۲ میں ہے: من قتل نفسه عمدا يصلى عليه عند ابی حنيفة ومحمد رضی الله عنهما۔ وهو الاصح كذا فی التبيين۔ هٰذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی الله عليه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ر من جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از محمد صادق موضع کوری ضلع بھوجپور (بہار)

کیا یہ طریقہ صحیح ہے کہ قبر کھودتے وقت پہلا پھاوڑا مار کر جو مٹی نکلے اسے الگ رکھ کر میت کے ساتھ یا سب سے پہلے حاشیہ پر ہی مٹی رکھی جائے اس کے بعد قبر پر کی جائے۔ اگر نہیں تو ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟ اور ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ سب سے پہلے چند کنکریوں پر سورۂ قل پڑھ کر قبر میں رکھتے ہیں اس کے بعد قبر پر کرتے ہیں تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب: پہلے پھاوڑے کی مٹی میت کے ساتھ یا سب سے پہلے حاشیہ پر رکھنا فضول اور فعل لغو ہے' اور پہلے چند کنکریوں پر سورۂ قل پڑھ کر قبر میں رکھنا جائز و مستحسن ہے کہ باعث رحمت و برکت ہے۔ **ھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد فاروق القادری متعلم دار العلوم غوثیہ نظامیہ جمشید پور (بہار)

ہمارے یہاں جمشید پور میں میت کی تدفین کے لئے جو قبر بنائی جاتی ہے اس میں نہ تو لحد یعنی بغلی بنائی جاتی ہے' اور نہ صندوقچی بلکہ صرف ایک چارکونہ لمبا گڑھا کھود کر اس میں میت لٹا کر اور زمین سے برابر اوپر کی سطح پر محض چار انگل کی کھائی بنا کر تختہ لگاتے ہیں اور پھر اسی تختے پر مٹی ڈال دیتے ہیں اور قبر بنا دیتے ہیں اور اندر پوری قبر کھوکھلی ہوتی ہے' اور چند ہی روز کے بعد تختہ سڑ جاتا ہے دیمک کھا جاتی ہے تو تختہ اور اس پر کی مٹی قبر کے اندر میت کے اوپر گر جاتی ہے' اور کبھی میت کھل بھی جاتی ہے' اور آسانی سے درندہ جانوروں کی دسترس بھی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ طریقۂ تدفین کہاں تک درست اور شرع کے مطابق ہے؟ اطلاع بخشیں' اور جواب کی تمام صورت کو حوالوں سے مزین فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ قبر کی دو قسمیں ہیں: ایک لحد یعنی قبر کھود کر اس میں قبلہ کی طرف میت کے رکھنے کے لئے جگہ کھودیں اور یہ سنت ہے جیسا کہ حضرت عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ: لحد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لحد بنائی گئی۔ (مشکوٰۃ ص ۱۴۸) اور حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ان سعد بن ابی وقاص قال فی مرضہ الذی ھلک فیہ الحدوا لی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا کما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی اس بیماری میں کہ جس میں انھوں نے وفات پائی یہ فرمایا کہ میرے دفن کے لئے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا گیا۔ (مسلم مشکوٰۃ ص ۱۴۸) اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: السنۃ فی القبر عندنا اللحد۔ یعنی ہمارے علمائے حنفیہ کے نزدیک قبر کو لحد بنانا سنت ہے' اور فتح القدیر جلد دوم ص ۹۷ میں ہے: السنۃ عندنا اللحد یعنی ہمارے نزدیک لحد بنانا سنت ہے' اور شامی جلد اوّل ص ۵۹۹ میں ہے: یلحد لانہ السنۃ یعنی قبر کو لحد بنایا جائے

اس لئے کہ وہ سنت ہے' اور شرح النقایہ جلد اوّل ص ۱۳۸ میں ہے: ویلحد القبر ای یحفر حفرۃ فی جانبہ وھو السنۃ فی الدفن اذا کانت الارض صلبۃ ویکون فی الجانب یلی القبلۃ۔ یعنی قبر کو لحد بنایا جائے اس طرح کہ اس کے اندر قبلہ کی طرف گڑھا کھودا جائے اور جب زمین سخت ہو تو یہی سنت ہے۔

اور قبر کی دوسری قسم شق یعنی صندوق ہے جو عام طور پر ہندوستان میں رائج ہے' اور یہ سنت نہیں ہے اسی لئے فقہائے کرام نے سخت زمین میں صندوق بنانے سے منع فرمایا ہے۔ نور الایضاح ومراقی الفلاح میں ہے: ولایشق حفیرۃ فی وسط القبر یوضع فیھا المیت الا فی ارض رخوۃ فلا باس بہ فیھا یعنی میت کو رکھنے کے لئے درمیان قبر میں گڑھا کھود کر صندوق نہ بنائیں مگر نرم زمین میں حرج نہیں' اور درمختار میں ہے: لایشق الا فی ارض رخوۃ۔ یعنی صندوق نہ بنائی جائے مگر نرم زمین میں اور عنایہ میں ہے: یلحد للمیت ولایشق لہ خلافا للشافعی فانہ یقول بالعکس لتوارث اھل المدینۃ الشق دون اللحد ولنا قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللحدلنا والشق لغیرنا وانما فعل اھل المدینۃ الشق لضعف آراضیھم بالبقیع۔ یعنی مت کے لئے لحد بنائی جائے اور صندوق نہ بنائی جائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صندوق بنائی جائے لحد نہ بنائی جائے اس لئے کہ مدینہ شریف والوں نے ہمیشہ صندوق بنایا ہے' اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لحد ہمارے لئے ہے صندوق دوسروں کے لئے اور مدینہ طیبہ والے صندوق اس لئے بناتے ہیں کہ ان کی قبرستان جنت البقیع کی زمین کمزور ہے' اور شرح النقاقہ میں ہے: لایشق ولاباس بہ فی الارض الرخوۃ یعنی صندوق نہ بنائی جائے اور نرم زمین میں ہو تو حرج نہیں' اور کفایہ میں ہے: یلحد لان الشق فعل الیھود والتشبہ بھم مکروہ فیما منہ بد۔ یعنی لحد بنائی جائے اس لئے کہ صندوق بنانا یہودیوں کا کام ہے' اور جب لحد بنانا ممکن ہو تو ان کی مشابہت مکروہ ہے' اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: والسنۃ ھو اللحد دون الشق کذا فی محیط السرخسی فان کانت الارض رخوۃ فلا باس بالشق کذا فی فتاویٰ قاضی خاں۔ یعنی سنت لحد ہے نہ کہ صندوق جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے' اور اگر زمین نرم ہو تو صندوق بنانے میں حرج نہیں ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے' اور بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۶۰ میں ہے: ''لحد سنت ہے اگر زمین اس قابل ہو تو یہی کریں اور نرم زمین ہو تو صندوق میں حرج نہیں''۔ لہٰذا عام طور پر جو ہندوستان میں رائج ہے کہ سخت زمین میں بھی لحد نہیں بناتے بلکہ صندوق ہی بناتے ہیں یہ غلط اور خلاف سنت ہے ہاں اگر زمین نرم ہو اور لحد بنانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں صندوق ہی مستحسن ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: لولم یمکن حفر اللحد تعین الشق اور بحر الرائق میں ہے: واستحسنوا الشق فیما اذا کانت الارض رخوۃ۔

اور قبر کو گہری کرنے کا حکم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے روز جماعت صحابہ سے فرمایا: اعمقوا یعنی قبروں کو گہری کرو۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

اور قبر کتنی گہری ہو اس کے بارے میں ائمہ کرام نے اختلاف فرمایا ہے جیسا کہ بحر الرائق جلد دوم ص ۱۹۳ میں ہے:

اختلفوا فی عمق القبر فقیل قدر نصف القامۃ وقیل الی الصدروان زادوا فحسن یعنی ائمہ کرام نے قبر کی گہرائی کے بارے میں اختلاف کیا ہے تو بعض نے فرمایا کہ آدھے قد کے برابر اور بعض نے کہا کہ سینہ تک گہری ہو اور اگر اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو بہتر ہے' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۵۵ میں ہے: ینبغی ان یکون مقدار عمق القبرا لی صدر رجل وسط القامۃ وکل زاد فھو افضل یعنی اوسط قد آدمی کے سینہ تک قبر گہری ہونی چاہئے اور جو اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو افضل ہے' اور تنویر الابصار و درمختار میں ہے: حفر قبرہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن. یعنی مردہ کی قبر آدھے قد کی مقدار گہری ہو اور اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے' اور بہار شریعت میں ہے کہ گہرائی کم سے کم نصف قد کی اور بہتر یہ ہے کہ گہرائی بھی قد برابر ہو اور متوسط درجہ یہ ہے کہ سینہ تک ہو...... اور قبر کے گہری کرنے کا حکم اس لئے ہے تا کہ رائحہ سے بچت اور درندے جانور بجو وغیرہ کی دسترس سے میت محفوظ ہو مراقی الفلاح میں ہے: یحفر القبر نصف قامۃ اوالی الصدروان یزدکان حسنا لانہ ابلغ فی الحفظ' اور طحطاوی میں فرمایا: قولہ لانہ ابلغ فی الحفظ ای حفظ المیت من السباع وحفظ الرائحۃ من الظھور۔ یعنی قبر آدھے قد کی مقدار کھودی جائے یا سینہ تک اور اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے اس لئے کہ اس میں درندے جانوروں سے میت کی حفاظت زیادہ ہے' اور اس کے رائحہ سے لوگوں کی پوری بچت ہے' اور جوہرہ نیرہ میں ہے: ینبغی ان یکون مقدار عمقہ علی صدر رجل وسط القامۃ وکل ما زاد فھوا فضل لان فیہ صیانۃ المیت عن الضباع۔ یعنی مناسب یہ ہے کہ قبر درمیانے قد کے آدمی کے سنیہ تک گہری ہو اور جتنی زیادہ ہو افضل ہے اس لئے کہ اس میں گوشت خور جانور بجو سے میت کو بچانا ہے' اور ردالمحتار میں ہے: قولہ مقدار نصف قامۃ الخ اوالی حد الصدروان زاد الی مقدار قامۃ فھوا حسن کما فی الذخیرۃ فعلم ان الادنیٰ نصف القامۃ والا علی القامۃ وما بینھما بینھما شرح المنیۃ وھٰذا حد العمق والمقصود منہ المبالغۃ فی منع الرائحۃ ونبش السباع۔ یعنی قبر کی گہرائی نصف قد کی مقدار ہو یا سینہ تک اور اگر پورے قد کے برابر گہری ہو تو بہتر ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے تو معلوم ہوا کہ ادنیٰ مقدار نصف قد ہے' اور بہتر پورا قد' اور ان دونوں کے درمیان سینہ تک متوسط درجہ ہے' اور یہ گہرائی کی مقدار ہے' اور اس کا مقصد رائحہ سے بچنا اور درندوں کے کھودنے میں زیادہ رکاوٹ پیدا کرنا ہے' اور شرح النقایہ جلد اوّل ص ۱۳۸ میں ہے: ویحفر القبر نصف القامۃ اوالی الصدروان زید کان حسنا لانہ ابلغ فی منع الرائحۃ ودفع السباع۔ یعنی قبر آدھے قد کے برابر کھودی جائے یا سینہ تک اور اگر زیادہ ہو تو مستحسن ہے اس لئے کہ رائحہ سے بچنے اور درندوں سے محفوظ رکھنے میں یہ مقدار زیادہ بہتر ہے' اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اعماق در قبر سنت ست زیرا کہ دروے صیانت میت ست از ضباع۔ یعنی قبر کو گہری کرنا سنت ہے اس لئے کہ اس میں میت کو گوشت خور جانور بجو سے بچانا ہے (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۶۹۳) اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''شریعت مطہرہ نے قبر کا گہرا ہونا اسی واسطے رکھا ہے کہ احیاء کی صحت کو ضرر نہ پہنچے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص

اور حکم یہ ہے کہ پوری قبر کھودنے کے بعد لحد یا صندوق بنائی جائے جیسا کہ عنایہ اور بحر الرائق جلد دوم ص ۱۹۳ میں ہے: صفة اللحد ان یحفر القبر بتمامه ثم یحفر فی جانب القبلة منه حفیرة یوضع فیه المیت ویجعل ذلك كالبیت المسقف۔ وصفة الشق ان یحفر حفیرة فی وسط القبر یوضع فیها المیت۔ یعنی لحد کی صورت یہ ہے کہ پوری قبر کھودی جائے پھر اس کے قبلہ کی طرف ایک گڑھا کھود کر اس میں میت رکھی جائے اور اس کو چھت والی کوٹھری کے مثل بنا دیا جائے اور صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ بر میں ایک گڑھا کھود کر اس میں میت رکھی جائے اور کفایہ اور بدائع الصنائع جلد اوّل ص ۳۱۸ اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۵۹۹ میں ہے: صفة اللحد ان یحفر القبر ثم یحفر فی جانب القبلة منه حفیرة فیوضع فیه المیت وصفة الشق ان یحفر حفیرة فی وسط القبر فیوضع فیه المیت هٰذا اللفظ للبدائع۔ یعنی لحد کی شکل یہ ہے کہ قبر کھودی جائے پھر اس کے قبلہ کی سمت میں ایک گڑھا کھودا جائے تو اس میں میت رکھی جائے اور صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں ایک گڑھا کھودا جائے پھر اس میں میت رکھی جائے' اور شرح نقایہ جلد اوّل ص ۱۳۸ میں ہے: وھو یحفر حفرة فی وسط القبر فیوضع فیها المیت۔ یعنی صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں ایک گڑھا کھودا جائے اور اس میں میت رکھی جائے' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۵۵ میں ہے: صفة اللحد ان یحفر القبر بتمامه ثم یحفر فی جانب القبلة من حفیرة فیوضع فیه المیت كذا فی المحیط وصفة الشق ان تحفر حفیرة النهر وسط القبر كذا فی معراج الدرایة یعنی لحد کی صورت یہ ہے کہ پہلے پوری قبر کھود لی جائے پھر اس کے قبلہ کی طرف گڑھا کھود کر اس میں میت رکھی جائے ایسا ہی محیط میں ہے' اور صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں نہر کی طرح ایک گڑھا کھودا جائے جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔

ائمہ کرام وفقہائے عظام کی ان تصریحات سے ظاہر یہ ہے کہ پورے قد کی مقدار یا سینہ کے برابر یا کم سے کم آدھے قد کی مقدار پہلے قبر کھود لے پھر اس کے بیچ میں نہر کے مثل کھود کر نرم زمین میں صندوق بنائے اور سخت زمین میں قبلہ کی طرف کھود کر لحد بنائے اور اس میں مردہ کو رکھے۔ لہٰذا تدفین کا وہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے فقہائے کرام کی تصریحات کے خلاف ہے کہ نہ اس میں رائحہ سے کامل بچت ہے نہ درندوں سے پوری حفاظت اور نہ وہ صورت صندوق قبر کی ہے' اور نہ لحد کی، اس لئے وہ طریقۂ تدفین غلط اور خلاف سنت ہے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم ربیع النور ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از سیّد معروف پیر قادری تارڑ پتری انت پور (آندھرا پردیش)

یہاں پر حضرت سیّد شاہ ابو بکر فضل اللہ قادری شطاری یمنی عرف یٰسین ولی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے اطراف قبرستان ہے وہاں حضرت کی اولاد ہی دفن ہوتی آئی ہے ان مشائخین نے اپنے چند معتقد ومریدوں کو دفن کرنے کی اجازت دے کر دفن کر

ہے ہیں اب ان مریدوں کی اولاد کہتے ہیں کہ اس قبرستان میں ہم کو بھی حق ہے ہمارے باپ دادا یہیں دفن ہوئے ہیں کہہ کر جبراً دفن ہونا چاہتے ہیں۔ اسلامی رو سے یہ امر صحیح ہے؟ جبراً کسی کے خاص قبرستان میں دفن ہونا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ قبرستان کی زمین اگر عام مسلمانوں کے دفن کے لئے وقف ہے تو امیر وغریب سب مسلمان اس میں دفن ہو سکتے ہیں کوئی کسی کو منع نہیں کرسکتا' اور اگر قبرستان کی زمین کسی کی ملک ہے تو مالک کی اجازت کے بغیر جبراً اس میں دفن کرنا حرام ہے۔ ھٰکذا فی الکتب الفقهة۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹/ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از لعل محمد قادری برکاتی۔ صفدر گنج ضلع بارہ بنکی

زید کے پیر طریقت علیہ الرحمہ کا وصال پیوستہ ۱۴/ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ کو ہوا لحد مبارک لکڑیوں سے بند کر کے قبر خام بنا دی گئی موصوف علیہ الرحمہ حضور سیّد العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے جو مسلک اعلیٰحضرت کے مکمل طریقہ سے پابند تھے۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مرشد برحق کی قبر پختہ کرانے کے لئے آیا مٹی ہٹائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور لحد کی لکڑیاں ہٹا کر سنگ مرمر وغیرہ سے دوبارہ از سر نو تعمیر کی جاسکتی ہے یا صرف مٹی ہٹائی جاسکتی ہے؟

الجواب: لحد کی مٹی ہٹائی جاسکتی ہے مگر وہ مٹی کہ لکڑیوں کی درازوں میں ہو اس کا ہٹانا منع ہے کہ ستر رب العالمین کے خلاف ہے' اور لحد کی لکڑیاں نہیں ہٹائی جاسکتیں کہ بلا ضرورت شرعیہ قبر کھولنا جائز نہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''لحد از دفن کشودن حلال نیست''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۱۱۶) وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴/ ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: سیّد محمد منظور عالم مسجد ورا اسٹیشن ضلع کوٹہ راجستھان۔

(۱) مردے کو دفنانے کے بعد کس کتاب سے اذان دینے کا ثبوت ہے' اور وہ کتاب مستند ہے یا نہیں؟ اور کیا زمانہ رسالت میں اذان دی جاتی تھی؟ معتبر کتابوں کے حوالے سے جواب دیں۔

(۲) بزرگوں کا عرس کرنا چادر پھول ڈالنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے مفتی صاحب نے خلاف شرع اور ناجائز بتایا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہوتا ہے یا نہیں؟ چادر پھول ڈالے جاتے ہیں نہیں؟ تحریر کریں۔

(۳) پالن حقانی گجراتی کے بارے میں علمائے اہلسنّت کا کیا فتویٰ ہے؟

الجواب: بعون الملك الوهاب۔ (۱) مردہ کو قبر میں رکھنے کے بعد اذان کے جواز کا ثبوت مستند کتابوں سے ہے بخاری و مسلم کی حدیث ہے: سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا نودی للصلٰوۃ لادبر الشیطن وله ضراط یعنی جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے' اور مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الشیطن اذا سمع النداء بالصلٰوۃ ذهب حتی یکون مکان الروحاء یعنی شیطان جب اذان سنتا ہے تو بھاگ کر مقام روحاء تک چلا جاتا ہے' اور وہ روحاء مدینہ طیبہ سے چھبیس میل یعنی تقریباً ۴۲ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے' اور میت کو قبر میں رکھنے کے بعد جب منکر نکیر کا سوال ہوتا ہے تو شیطان خلل انداز ہو کر مردہ کو بہکاتا ہے۔ اس لئے اذان دے کر اس کو بھگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس اذان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ مبارکہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" کا مطالعہ کریں...... بعض قبروں پر دفن کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تکبیر کہنا ثابت ہے' اور زمانۂ رسالت میں اس طرح کی اذان ثابت نہیں۔ بعد کی ایجاد ہے' اور جائز ہے' جیسے کہ ایمان مجمل، ایمان مفصل، پانچوں کلمے، ان کے نام، ان کی ترتیب، قرآن شریف کا تیس پارے بنانا، ان میں رکوع قائم کرنا، اس پر زبر زیر وغیرہ لگانا، حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا، اصول حدیث، اصول فقہ، فقہ، علم کلام، اور نماز میں زبان سے نیت کرنا یہ سب زمانۂ رسالت کے بعد کی ایجاد ہیں اور جائز ہیں۔ وهو تعالیٰ اعلم

(۲) بزرگوں کا عرس کرنا اور چادر پھول ڈالنا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے جاء الحق حصہ اوّل دیکھیں۔ دیوبندیوں وہابیوں نے ہمیشہ ان کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے ان کے مذہب میں ناجائز ہے مگر ہمارے مذہب میں جائز ہے جیسا کہ علمائے اہل سنت کثرہم اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اور ولادت کی تاریخ ایک ہے یعنی ۱۲؍ ربیع الاول اور اس تاریخ میں پوری دنیا کے اہل سنت و جماعت جلوس نکالتے اور جلسے منعقد کرتے ہیں اور چادر پھول حضور کی مزار پر ڈالنے کے لئے کسی کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ وهو تعالیٰ اعلم

(۳) پالن گجراتی علمائے اہل سنت کے نزدیک گمراہ و بدمذہب ہے' اور جس کے نزدیک اس کا وہابیوں کے کفریات قطعیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے اس کے نزدیک وہ کافر و مرتد ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از عبد الکریم محلّہ مرزا منڈی کالپی ضلع جالون۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اولیاء اللہ پر بھی سلام پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب کسی ولی اللہ کے مزار پر حاضر ہو کر اس طرح سلام پڑھنا جائز ہے کہ السلام علیکم یا ولی الله. السلام علیك یا اهل الله. السلام علیکم یا اولیاء الله. السلام علیکم یا اهل

بنفوذ اس طرح سلام پڑھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ جائز و مستحسن ہے۔ وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی مدار بخش کالپی محلہ دمدمہ ضلع جالون۔

کیا عورتیں بھی تنہا اپنے عزیزوں کی قبروں پر یا اولیاء اللہ کے مزار اقدس پر جا سکتی ہیں؟

الجواب: عورتوں کو اپنے عزیزوں کی قبروں پر جانا ممنوع ہے اور تنہا جانا بدرجۂ اولیٰ ممنوع کہ اس صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور اولیاء اللہ کے مزارات مقدسہ پر برکت کے لئے حاضر ہونے میں بوڑھی عورتوں کے لئے حرج نہیں اور تو جوانوں کے لئے ناجائز ہے مگر بوڑھی عورتوں کو صرف اسی صورت میں اجازت ہے جبکہ زیارت ایسے طریقہ پر ہو کہ اس میں کوئی فتنہ نہ ہو اور آج کل فتنہ عام ہے خصوصاً تنہا جانے میں اسی لئے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ "اسلم یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً (یعنی جوان ہوں یا بوڑھی سب) منع کی جائیں۔ (بہار شریعت جلد چہارم ص ۵۴۹) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۴ ر ذی القعدہ ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از محمد اسحاق وارثی، اریاواں، ضلع رائے بریلی۔

ہمارے موضع میں فتح سنگھ کی قبر پختہ افتادہ مسمار شدہ بہت پرانی رہی اس کو ایک مسلمان شخص نے مسلمانوں کی قبر کی طرح پختہ از سر نو بنوایا۔ سرہانے ۷۸۶ اور اس کے نیچے یا اللہ کندہ کیا گیا اس ہندو کی قبر پر باوجود بتلانے اور منع کرنے کے مسلمان اگر بتی سلگاتے ہیں شیرینی چڑھاتے، چادریں اوڑھاتے ہیں فاتحہ کرتے کراتے ہیں جان بوجھ کر جو لوگ ہندو کی قبر پر منت مانتے، شیرینی چڑھاتے چادر اوڑھاتے فاتحہ کرتے یا کراتے ہیں ان کے لئے حکم شرعی کیا ہے؟

ہم مسلمانان اہلسنّت کو ایسوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث شریف میں ہے: لعن اللہ من زار بلا مزار، تو جب بلا مزار زیارت کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے تو کافر کی قبر کی زیارت کرنے والے، اس پر شیرینی اور چادر چڑھانے والے بدرجۂ اولیٰ لعنت کے مستحق ہیں بلکہ کفر کا اندیشہ ہے۔ ایسے لوگوں کو صحیح حالات اور حکم شرعی سے آگاہ کیا جائے اگر وہ لوگ نہ مانیں تو پھر ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۷ ر شوال المکرم ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از سید حبیب باشاہ خانقاہ دیوان خانہ کمپل ضلع بلہاری۔ کرناٹک۔

(۱) کسی ولی یا نبی یا کسی اور کو ایصال ثواب بخشنے کے لئے ارادہ کافی ہے یا زبان سے الفاظ کا نکالنا لازم ہے؟

(۲) زید کہتا ہے کہ دل میں یہ ارادہ کیا (زبان سے نہ کہا) کہ اے اللہ! میرے پڑھے ہوئے سورۂ فاتحہ کا ثواب فلاں نبی یا ولی کو بخش دے مگر سورۂ فاتحہ پڑھی ہی نہیں تھی تو کیا زید کے ذمہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس نبی یا ولی کو بخشنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ زبان سے نہ کہا۔ کہا زید گنہگار ہوا یا نہیں؟ اور زید جھوٹا ایسا ارادہ کرنے سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب بحوالہ عنایت فرمائیں۔

(۳) زید کہتا ہے کہ میں نے دل میں ارادہ یہ کیا (زبان سے نہ کہا) اے اللہ! میں فلاں کام ہونے پر فلاں نبی کو سورۂ اخلاص پڑھ کر بخشوں گا۔ کام ہونے پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس نبی کو بخشنا واجب ہے یا مستحب؟ اگر نہ بخشا تو زید گنہگار ہوا یا نہیں؟ زبان سے نہ کہا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ کسی کو ایصال ثواب کرنے کے لئے ارادہ کافی ہے زبان سے کہنا ضروری نہیں مگر کہہ لینا بہتر ہے یعنی اگر زبان سے نہیں کہا تو اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ جو لوگوں کی نیتوں سے خوب واقف ہے اس شخص کو ثواب مرحمت فرمائے گا' کہ جس کے ایصال ثواب کی نیت سے کار خیر کیا گیا مثلاً کسی نے اپنے والدین کے ایصال ثواب کی نیت سے کسی کو حج کرایا اور غریب کو روٹی کے ٹکڑے یا چند پیسے دیئے اور زبان سے ایصال ثواب نہ کیا تو اس کے والدین کو ثواب ملے گا۔

(۲) بیشک زید کے ذمہ سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہے اگر نہیں پڑھے گا تو کسی کو ثواب نہ ملے گا جیسے کہ زید نے وہ کھانا جو اس کے سامنے رکھا ہے ابھی فقیر کو نہیں دیا مگر فقیر کو دینے کا ثواب کسی کو بخشا تو اس پر لازم ہے کہ فقیر کو دے اگر نہیں دیا تو کسی کو ثواب نہ ملے گا اور اس کا بخشنا لغو ہو جائے گا حدیث شریف میں ہے: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لئے کنواں کھدوایا اور فرمایا: ھٰذہ لام سعد یعنی یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے یعنی اس کو آس کے پانی سے فائدہ اٹھانے کا ثواب میری ماں کو ملے رواہ ابوداؤد والنسائی مشکوٰۃ ص ۱۶۹ غور کیجئے جب کنوئیں کا پانی لوگ استعمال کریں گے تب ثواب مرتب ہوگا' اور جب تک کنواں موجود رہے گا مرتب ہوتا رہے گا مگر اس کا ثواب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی اپنی ماں کو بخش دیا۔ اسی طرح جب زید سورۂ فاتحہ پڑھے گا تب اس کا ثواب مرتب ہوگا مگر اس نے پڑھنے کا ثواب پہلے ہی بخش دیا تو جائز ہے لیکن نہ پڑھنے کی صورت میں ثواب نہ ملے گا اور اگر از راہ فریب ایسا کیا تو زید ضرور گنہگار ہوا۔

(۳) یہ مسئلہ تعلق ومنت کی قسموں میں سے ہے' اور تعلق ومنت میں زبان سے کہنا ضروری ہے لہٰذا کام ہو جانے کی صورت میں بھی زید پر سورۂ اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کرنا واجب نہیں اور نہ کرنے کی صورت میں گنہگار نہیں اگر کرے تو بہتر ہے تاکہ عمل ارادہ کے مطابق ہو جائے۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از سید شاہ محمد قادری۔ رائچور (کرناٹک)

(۱) آج کل یہ فیشن ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ جو سیّد نہیں ہیں وہ اپنے آپ کو سیّد کہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں تو ان کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) سادات کرام کو قربانی کا گوشت اور میت کے تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں کی دعوت کھانا کیسا ہے؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق الصواب۔ (۱) حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد کو سیّد کہتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ) لہٰذا جو لوگ سیّد نہیں ہیں اور اپنے آپ کو سیّد کہتے اور لکھتے ہیں وہ لوگ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں۔ ان پر خدا تعالیٰ کی، سب فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے جیسا کہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے حدیث مروی ہے کہ سرکار اقدس نے فرمایا کہ جو شخص اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی، سب فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ خدا تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ) وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) سادات کرام اور ہر امیر و غریب کو قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے۔ کسی مسلمان کے لئے اس کا گوشت ناجائز نہیں (فتاویٰ عالمگیری) البتہ جو قربانی منت کی ہو اس کا گوشت نہ قربانی کرنے والا کھا سکتا ہے نہ مالک نصاب لوگ کھا سکتے ہیں اور نہ سادات کرام (بہار شریعت حوالۂ زیلعی) اور میت کے تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں وغیرہ میں شادی بیاہ کی طرح دعوت کرنا بدعت قبیحہ اور ناجائز ہے کہ دعوت تو خوشی میں ہے نہ کہ غمی میں (فتح القدیر، عالمگیری، شامی)۔ لہٰذا اہل میت جو ان موقعوں پر دوست احباب اور عام مسلمانوں کی شادی کی طرح دعوت کرتے ہیں وہ ناجائز ہے اور سادات کرام وغیرہ کو ایسی دعوتوں کا کھانا منع ہے۔ البتہ میت کے ایصال ثواب کے لئے ان موقعوں پر غرباء و مساکین کو کھلانا بہتر ہے اور ان کا کھانا بھی جائز ہے۔ وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷ر ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از منظور احمد سنگوادی مکتب فیض الرسول براؤں شریف۔ بستی

(۱) زید کے باپ کا تیجہ ہے اس میں اس نے فقراء کے علاوہ گاؤں والوں کی بھی دعوت کی۔ گاؤں والوں کا اس دعوت کو نیز اس قسم کی دیگر دعوتوں میں مثلاً دسواں، بیسواں، چالیسواں شریک ہونا کیسا ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ ہم نے فقراء و گاؤں والوں و رشتہ داروں کا کھانا الگ الگ پکوایا ہے اور گاؤں والوں کو وہ کھانا ہم نہیں دیں گے۔ جس پر میت کا فاتحہ ہوا ہے تو اس کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) تقریب تیجہ میں میلاد شریف ہوا جس میں شیرینی وغیرہ تقسیم کی گئی حاضرین مجلس کے لئے اس کا کھانا کیسا ہے؟

(۴) زید نے تیجہ کی تقریب میں گاؤں کے چند مردوں و عورتوں کو کھانا بنوانے نیز انتظام کرنے کے لئے بلوایا اس صور[ت میں]
ان لوگوں کو کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱) تیجہ کا کھانا فقراء و مساکین کے لئے ہے برادری اغنیاء اور گاؤں والوں کو شادی کی طرح دعوت د[ے کر]
کھانا کھلانا ممنوع و ناجائز ہے۔ شامی جلد اوّل ص ۶۲۹ میں ہے: **یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اھل المیت**
لانہ شرع فی السرور لافی الشرور وھی بدعة مستقبحة‘ اور پیشوائے اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل
بریلوی رضی اللہ عنہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۲۱۴ میں تحریر فرماتے ہیں: وہ طعام کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں
ناجائز و ممنوع ہے۔ **لان الدعوة انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب**
الصدور۔ اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں اھ...... اور پھر ص ۲۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں: سوم، دہم، چہلم وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا
جائے برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی ہے۔ **کما فی مجمع البرکات** موت میں دعوت ناجائز ہے فتح
القدیر وغیرہ میں ہے: **انہا بدعة مستقبحة لانہا شرعت فی السرور لا فی الشرور**۔ تین دن تک اس کا معمول ہے
لہٰذا ممنوع ہے کہ اس کے بعد بھی موت کی نیت سے اگر دعوت کرے گا ممنوع ہے۔ **انتھی بالفاظہ رضی المولیٰ عنہ**

(۲) رشتہ دار اور برادری وغیرہ کے اغنیاء کو وہ کھانا فاتحہ کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے بلکہ موت کے سلسلے میں دعوت کی وجہ
سے ممنوع ہے۔ لہٰذا اغنیاء کے لئے الگ کھانا پکانے کی صورت میں بھی ممنوع و ناجائز ہی رہے گا۔ **واللہ اعلم**

(۳) میلاد شریف کی شیرینی فقراء اور اغنیاء سب کے لئے متبرک ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ ورسولہ**
الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

(۴) انتظام کرنے والے اور پکانے والے اغنیاء کے لئے تیجہ کا کھانا جائز ہے‘ اور نہ کھانا بہتر ہے۔ اور یہ اس صورت میں
ہے جبکہ انتظام کرنے کی نیت سے انھیں جمع کیا گیا ہو‘ اور اگر دعوت کے سبب جمع کیا گیا تو ناجائز و ممنوع ہی رہے گا۔ جیسا کہ اوپر
معلوم ہوا۔ **واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر من ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ: از عبد الکریم۔ محلہ مرزا منڈی ڈاکخانہ کالپی ضلع جالون۔

تیجے اور چالیسواں میں اکثر لوگ شہر کے رشتہ داروں کو اور باہر کے بھی رشتہ داروں کو بلا کر فاتحہ میں شریک کرتے ہیں اور
ان کو کھانا بھی کھلاتے ہیں تو کیا یہ کھانا کھانے میں کوئی شرعی قباحت یا ممانعت تو نہیں ہے؟

الجواب: **اللھم ھدایة الحق والصواب۔** میت کے تیجہ اور چالیسواں وغیرہ میں میت کے ایصال ثواب کے
لئے غرباء و مساکین کو کھانا کھلانا بہتر ہے لیکن دوست و احباب اور رشتہ داروں کی شادی کی طرح دعوت کرنا بدعت قبیحہ ہے۔

بات خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غم میں فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۵۷ میں ہے: لایباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثة ایام کذا فی التتار خانیة' اور ردالمحتار جلد اوّل ص ۶۲۹ اور فتح القدیر جلد دوم ص ۱۰۲ میں ہے: یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة' اور رشتہ داروں وغیرہ کی اس موقع پر شادی کی طرح دعوت کرنا منع ہے تو ان لوگوں کو اس طرح کی دعوت کھانا بھی منع ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵: شوال ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: نظام الدین احمد متعلم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف۔ بستی

مندرجہ ذیل شقوق کی بناء پر میت کا کھانا جو عوام وخواص کو کھلایا جاتا ہے اس کا جواز ثابت ہوگا یا نہیں؟

(۱) جب دعوت دی جائے تو یہ نہ کہا جائے کہ میت کے کھانے کی دعوت ہے بلکہ صرف لفظ دعوت استعمال کیا جائے؟

(۲) ہم تعلقات کے بنا پر مجبور ہیں اور یہ تو بدلہ ہے؟

(۳) فقراء کا کھانا الگ فاتحہ کیا جائے اور بقیہ لوگوں کا کھانا الگ بغیر فاتحہ کے رکھا جائے؟

(۴) کھلانے والے کو اپنے کھانے سے زیادہ غلہ دے دیا جائے' اور عدم جواز پر اطلاع کے باوجود اس کا مرتکب کیسا ہے؟

الجواب: میت کے نام پر اہل میت کی طرف سے عوام وخواص کو دعوت دے کر کھلانا ناجائز اور بدعت سیئہ ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر جلد دوم ص ۱۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں: یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة۔ یعنی میت والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت کرنا ممنوع ہے کہ شرع نے دعوت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے۔ اسی طرح حضرت علامہ حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: تکره الضیافة من اهل المیت لانها شرعت فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۳۹) اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۵۷ میں ہے: لایباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثة ایام کذا فی التتار خانیة۔ غمی میں تیسرے دن دعوت کرنا جائز نہیں ہے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے' اور اسی طرح شامی جلد اوّل ص ۶۲۹ میں بھی ہے' اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۱۶۲ میں تحریر فرماتے ہیں: مردے کا کھانا صرف فقراء کے لئے ہو عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات اور اسی جلد چہارم ص ۱۷۷ میں تحریر فرماتے ہیں: میت کے یہاں جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان کی دعوت کی جاتی ہے اس کھانے کی تو ہر طرح ممانعت ہے' اور اسی جلد ص ۲۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں: میت کی دعوت برادری کے لئے منع ہے' اور فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۲۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں: سوم، دہم چہلم وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا جائے برادری کو تقسیم یا

برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی ہے: کمافی مجمع البرکات۔ موت میں دعوت ناجائز ہے. فتح القدیر وغیرہ میں ہے: انها بدعة مستقبحة لانها شرعت في السرور لا في الشرور۔ تین دن تک اس کا معمول ہے لہٰذا ممنوع ہے۔ اس کے بعد بھی موت کی نیت سے اگر دعوت کرے گا' ممنوع ہے' اور مصنف بہار شریعت حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: عام میت کا کھانا صرف فقرائے کو کھلائے اور اہل برادری میں کچھ لوگ محتاج ہوں تو انھیں بھی کھلائے اور اپنے رشتہ دار ایسے ہوں تو انھیں کھلانا اوروں سے بہتر ہے' اور جو محتاج نہ ہوں انھیں نہ کھلائے' بلکہ انھیں کھانا بھی نہ چاہئے (فتاوٰی امجدیہ جلد اوّل ص ۳۳۷) اور حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی تحریر فرماتے ہیں: بعض جگہ دستور ہے کہ میت کے کھانے کو برادری اپنا حق سمجھتی ہے اگر نہ کھلائیں تو عیب لگاتے ہیں یہ ضرور بدعت قبیحہ ہے۔ لیکن میت کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر مسلمانوں کو کھلائیں تو اس میں حرج نہیں یہ کھانا اگر عام مسلمین میں سے کسی کے ایصال ثواب کا ہے تو اغنیاء کو کھانا منع اور فقراء کو جائز اور اگر بزرگانِ دین کے ایصال ثواب کے لئے ہو تو غنی فقیر سب کو کھانا جائز ہے۔ (حاشیہ فتاوٰی امجدیہ ص ۳۳۷) لہٰذا جس صورت میں دعوت ناجائز ہے وہ ناجائز ہی رہے گی چاہے میت کے کھانے کی دعوت کہی جائے یا صرف لفظ دعوت استعمال کیا جائے اور تعلقات و بدلہ کی وجہ سے لوگوں کا مطالبہ ہوگا اور دعوت نہ کرنے کی صورت میں لوگ طعنہ دیں گے' اور عیب لگائیں گے تو اس سے جواز نہیں ثابت ہوگا بلکہ ممانعت میں اور شدت ہوگی' اور ممانعت کی بنیاد پر فاتحہ نہیں ہے کہ فقراء کا کھانا الگ فاتحہ کرنے اور بقیہ لوگوں کا کھانا الگ بغیر فاتحہ کے رکھنے سے خرابی دفع ہو جائے گی' اور اس بدعت کے شنیعہ ہونے کی بنیاد کھلانے والے کی زیر باری بھی نہیں ہے کہ کھانے سے زیادہ غلہ دینے سے شناخت ختم ہو جائے گی بلکہ اس کی بنیاد میت والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت ہے جس کو شرع نے خوشی میں رکھا ہے غمی میں نہیں رکھا ہے' اور دوسری وجہ نہ کھلانے کی صورت میں عیب لگانا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس غلط رواج کو ختم کریں۔ جس چیز کا ناجائز ہونا ثابت ہو اس کے باوجود اگر کوئی اس کا ارتکاب کرے گا تو وہ گنہگار ہے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱/ ذوقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد حنیف معرفت جمال وارثی پوسٹ پارہ کلاں ضلع رائے بریلی۔

جو مسلمان نمازیں نہیں پڑھتے اور نہ رمضان المبارک کا روزہ رکھتے ہیں بلکہ اپنے کو گناہوں میں ملوث رکھتے ہیں ایسے لوگوں پر کوئی دیوار گر جائے یا پیٹ میں درد ہونے یا آگ میں جل جانے یا پانی میں ڈوب جانے یا کوئی عورت بے نمازی حیض و نفاس کی حالت میں مر جائے تو شہید کا ثواب پائے گا یا نہیں؟

الجواب: بعون الملك العزيز الوهاب کسی چیز پر ثواب پانے کے لئے پابند شرع ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف مسلمان ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا جو مسلمان کہ مذکورہ صورتوں میں مر جائے وہ شہید کا ثواب پائے گا اگرچہ نماز و روزہ وغیرہ

ادانہ کرنے کے سبب گنہگار ہوگا جیسے کہ جو مسلمان اللہ کے راستے میں قتل کردیا جائے وہ شہید ہے اگرچہ وہ اپنی زندگی میں پابند شرع نہ رہا ہو۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۵ رذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: محمد صفات موضع دھسوا کلاں پوسٹ پورندر پور ضلع گورکھپور۔ (یو۔پی)۔

قبرستان کے نام سے زمین ہے اس کا کل رقبہ دو ایکڑ اٹھارہ ڈسمل ہے اسی زمین میں ایک گڑھا ہے اس کے جنوبی کنارے پر عیدگاہ ہے اور اتر اور پورب وپچھم کنارے پر قبرستان اور پچھم کنارے پر کچھ ہی قبریں ہیں باقی زمین خالی ہے یہاں کے اکثر مسلمانوں نے عیدگاہ کے قریب مدرسہ کی بنیاد ڈال دی ہے دیوار تقریباً پانچ فٹ اونچی ہوگئی ہے گاؤں کے کچھ لوگ مخالفت کررہے ہیں کہ یہ زمین قبرستان کے نام سے ہے لہٰذا ہم لوگ مدرسہ نہیں بنانے دیں گے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدرسہ بنانا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: اگر مدرسہ ایسی زمین پر بنایا جارہا ہے کہ جہاں کبھی قبریں تھیں تو بلا تاخیر اس کی دیواروں کو گرادینا مسلمانوں پر لازم ہے اگر نہیں گرائیں گے تو گنہگار ہوں گے: لان المیت یتأذی کما یتأذی منه الحی کما فی الحدیث' اور اگر کبھی وہاں قبریں نہیں تھیں تو جو زمین قبرستان کی ملکیت ہے اسے مدرسہ کی ملکیت میں لانا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ رشوال المکرم ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: مرسلہ مولانا محمد برکت اللہ نانپاروی وارد حال مورانواں ضلع اناؤ۔

قصبہ مورانواں کی عیدگاہ بہت چھوٹی ہے۔ مقامی لوگ اس کی توسیع کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے تین اطراف پرانا قبرستان ہے' اور جس طرف قبرستان نہیں ہے ادھر بڑھنا غیر ممکن ہے۔ قبرستان میں اب مردے دفن نہیں کئے جاتے ہیں اور نہ قبروں کے نشانات ہی پائے جاتے ہیں۔ مقامی لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ قبرستان کی طرف اس کی توسیع کی جائے اور اس کا فرش نیچے پائے قائم کرکے زمین کی سطح سے کچھ بلندی پر لنٹر ڈال کر بنایا جائے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں قبرستان کی توسیع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر بغیر لنٹر ڈالے توسیع کرنا چاہیں تو بھی جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر لنٹر کے پائے خارج قبرستان قائم کئے جائیں یا داخل قبرستان ایسی جگہوں پر قائم کئے جائیں کہ جہاں کبھی مردہ نہ دفن کیا گیا ہو تو جائز ہے ورنہ اذیت اموات مسلمین کے سبب حرام وناجائز ہے۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان المیت یتأذی مما یتأذی منه الحی۔ ھٰذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از عبد المصطفیٰ صدیقی گونڈوی متعلم دارالعلوم منظر اسلام بریلی۔

ایک بہت ہی پرانا اور وسیع مسلمانوں کا قبرستان ہے اور قبرستان کے بیچ میں قبروں کے اوپر زید نے مدرسہ تعمیر کیا جس میں متعدد جگہ قبر کے آثار ملے ہڈیاں بھی ملیں آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کے اوپر کیا حکم شرعی ہے؟ علاوہ ازیں اس مدرسہ میں نماز کا کیا حکم ہے مدرسہ قبرستان میں ہونے کے سبب مقابر مسلمین کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ لہٰذا حکم شرعی صادر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: قبروں کے اوپر مدرسہ تعمیر کرنا حرام، حرام، حرام ہے کہ اس میں قبور مسلمین کی توہین ہے اور ایذائے اموات مومنین بھی ہے۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان المیت یتأذی مما یتأذی منه الحی زید بہت سخت موذی اور سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔ مدرسہ مذکور میں نماز پڑھنا حرام ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: لا تصلوا علی قبر (فتاویٰ رضویہ) واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۷؍من شوال ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از ثناء اللہ خاں لطیفی صدر المدرسین مدرسہ اہلسنت یار علویہ کروتا۔ ضلع بستی۔

زید نے مدرسے اور عیدگاہ کے لئے زمین وقف کی۔ زمین ایسی ہے کہ اس کے بیچ میں دو قبریں ہیں جن کا نشان مٹ چکا ہے۔ اندازہ لگ رہا ہے کہ اسی جگہ پر قبریں تھیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مدرسہ دینیہ وعیدگاہ اس جگہ پر کس طرح تعمیر کی جائے جبکہ قبریں درمیان میں پڑی ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: قبروں کا نشان اگرچہ مٹ چکا ہے مگر جس مقام پر قبروں کے ہونے کا ظن غالب ہو اس مقام کا احترام ضروری ہے۔ بہتر ہے کہ قبروں کے چاروں طرف کم سے کم سترہ کی مقدار دیواریں اونچی کر کے قبروں کو بیچ میں کر دیں۔ یا کم سے ڈیڑھ دو فٹ چاروں طرف سے دیواریں اونچی کر کے اوپر سے چھت ڈال دیں اور مدرسہ کا فرش اونچا کر کے چھت کے برابر کر دیں یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور عیدگاہ بنانے کے بجائے زمین کے پچھمی حصے میں مدرسہ کا برآمدہ اتر دکھن خوب لمبا دیں اور چوڑا اتنا ہو کہ برآمدہ میں امام کے پیچھے ایک صف قائم ہو سکے اور برآمدہ کے سامنے جہاں تک زمین مدرسہ کی ہو اسے تین طرف سے گھیر دیں۔ پھر گاؤں کے لوگ اگر عید کی نماز پڑھتے ہوں تو مدرسہ اور اس کے صحن میں نماز عید پڑھیں۔ یہ صورت بہتر ہے اور عیدگاہ نہ بنائیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹؍شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از عبدالغفور خان محاسب مورخہ ۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ

میرے موضع میں ایک قبرستان ہے جس کے خلاف دو مقدمے ہندوؤں کے چل رہے ہیں اور قبرستان میں دو گڑھے ہیں جن کا ہموار کرنا ضروری ہے' اور مقدموں میں خرچ بھی ہو رہا ہے قبرستان مذکور میں ایک درخت سیمر کا تھا جو سوکھ گیا اور فروخت کر دیا گیا تعلقدار سابق سے یہ درخت گڑھے ہموار کرنے اور قبرستان کے دیگر اخراجات کے لئے ہم لوگوں نے مانگ لیا تھا اور انھوں نے بخوشی دے دیا تھا اب چند لوگوں کا کہنا ہے کہ اس درخت کا روپیہ عیدگاہ بنوانے کے لئے دے دیا جائے تو ایسی صورت میں ایک مد کا روپیہ دوسرے مد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا لوٹے اور فرش وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسجد میں کچھ روپیہ دینے کے بعد اس میں سے کچھ واپس لے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) تعلقدار سابق نے جبکہ درخت مذکور کو قبرستان میں صرف کرنے کے لئے دیا تھا تو اس درخت کا روپیہ اسی قبرستان کی حفاظت میں صرف کیا جائے گا عیدگاہ کی تعمیر کے لئے دینا جائز نہیں۔

(۲) ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں نیز لوٹے اور فرش وغیرہ اگر ضرورت سے زائد نہ ہوں استعمال نہ کئے جانے کے سبب سے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو دوسری مسجد میں دینا شرعاً جائز نہیں اور اگر ضرورت سے زائد ہوں اور استعمال نہ کئے جانے کے سبب سے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو دوسری مسجد میں متولی یا اہل محلہ دے سکتے ہیں۔

(۳) مسجد میں روپیہ دینا شرعاً صدقہ نافلہ ہے' اور کسی صدقہ کا دے کر واپس لینا جائز نہیں لہٰذا مسجد میں دئے ہوئے روپے میں سے بھی کچھ واپس لینا شرعاً جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از غلام غوث علوی حاکم و مدرسہ عرفان العلوم سینہ اپلیٹہ (گجرات)

ہمارے یہاں قبرستان کا گراؤنڈ کافی وسیع و عریض ہے۔ موسم برسات میں گھاس کثرت سے اگ جانے کی وجہ سے موسم گرما میں اکھاڑنے اور کاٹنے کی بجائے پورے گراؤنڈ میں آگ لگا دی جاتی ہے' اور ایسی صورت میں آگ کی لپیٹ میں آ کر سینکڑوں قبریں جل جاتی ہیں۔ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے والوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: قبروں پر لگی ہوئی گھاسوں کو جلانا ممنوع ہے لما فیہ من التفاول القبیح بالنار و ایذاء المیت۔ فتاوٰی رضویہ جلد چہارم ص ۱۰۳ میں ہے: علامہ طحطاوی و علامہ شامی نے اس مسئلہ کی دلیل جن مقابر میں پیشاب کرنا ممنوع ہے فرمایا لان المیت یتاذی بما یتاذی منہ الحی اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۷؍ربیع الاول ۷ ۱۳۹ھ

مسئلہ: از محمد اسحٰق موضع دھکدھئی پوسٹ بھیرہوا (نیپال)

قبرستان میں جہاں کہ قبریں ہیں اس جگہ پر عمارت بنوائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز اس پر کاشتکاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: مسلمانوں کے قبرستان میں قبروں کی جگہ پر عمارت بنانا یا کاشتکاری کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بہار شریعت حصہ دہم ص ۸۳ پر ہے: ''مسلمانوں کا قبرستان جس میں قبر کے نشان بھی مٹ چکے ہیں ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں جب بھی اس کو کھیت بنانا یا اس میں مکان بنانا جائز نہیں۔ اب بھی وہ قبرستان ہی ہے۔ قبرستان کے تمام آداب بجالائے جائیں انتھی بالفاظہ'' اور فتاویٰ عالمگیری جلد دوم ص ۳۶۲ میں ہے: سئل هو (ای القاضی الامام شمس الائمة محمود الاوزجندی) عن المقبرة فی القریٰ اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لاالعظم ولا غیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لاولها حکم المقبرة کذا فی المحیط۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۵؍ربیع الاول ۷ ۱۳۹ھ

مسئلہ: از محمد اسمٰعیل اطہر القادری صدر المدرسین انجمن معین الاسلام پرانی بستی۔

قبرستان کی اس زمین میں جو کسی گاؤں یا شہر کے مسلمان مردوں کو دفن کرنے کے لئے کسی شخص یا کمیٹی کی طرف سے وقف ہو اور اس میں مسلمان دفن کئے جارہے ہوں اگر کوئی شخص ان قبروں پر اپنے کسی شخص یا عوامی مفاد کے تحت کوئی کمرہ یا مکان کی تعمیر کرے یا کچھ قبروں کو کھدوا کر اس پر مکان کی بنیاد قائم کرے تو ایسا شخص شریعت کے نزدیک کیسا ہے؟ اور اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ نیز اگر وہ نماز میں مسلمانوں کی امامت کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جواب مع دلائل وحوالہ جات مرحمت فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: قبروں کو کھدوا کر ان پر مکان کی بنیاد قائم کرنے والا یا قبروں پر مکان بنانے والا ظالم جفاکار اور اموات مسلمین کو اذیت پہنچانے والا سخت گنہگار ہے اس کا یہ فعل ہرگز جائز نہیں حکم شرع معلوم ہونے کے بعد اگر وہ اپنے اس فعل سے باز نہ آئے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کہ وہ فاسق معلن ہے اگر کسی نے غلطی سے پڑھ لی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے بہار شریعت حصہ دہم ص ۸۳ میں ہے: مسلمانوں کا قبرستان ہے جس میں قبر کے نشانات بھی مٹ چکے ہیں ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں جب بھی اس کو کھیت بنانا اس میں مکان بنانا جائز نہیں اب بھی وہ قبرستان ہی ہے قبرستان کے تمام آداب بجالائے جائیں۔ انتھی بالفاظہ، اور فتاویٰ عالمگیری جلد دوم ص ۳۶۲ میں ہے: سئل هو (ای القاضی الامام شمس الائمه محمود الاوزجندی) عن المقبرة فی القریٰ اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتٰی لا العظم ولا

غیرہ هل یجوز زرعها واستغلالها قال لاولها حکم المقبرة کذا فی المحیط اھ۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از فتح محمد شاہ پوسٹ ومقام دوبولیا بازار ضلع بستی

(۱) زید نے مسلمانوں کے قبرستان میں سب مسلمانوں کی رائے سے تیرہ درخت آم کے لگائے اور پھر زید کا انتقال ہو گیا۔ اب بکر جو کہ زید کا لڑکا ہے' آدم کے درخت کو اپنے باپ کے لگانے کی بناء پر یہ کہتا ہے کہ ہمیں اس کے پھل کے استعمال کرنے کا حق ہونا چاہئے رہ گیا اس درخت کو کٹوا کر یا بیچ کر تو اسے اپنے صرف میں نہیں لائیں گے۔

مگر قوم اس میں بکر کو کہتی ہے کہ یہ درخت قبرستان کے نام رہیں گے اور بکر کا کہنا ہے کہ ان درختوں کا اندراج ہمارے نام ہونا چاہئے اس پر قوم تیار نہیں ہے تو ایسی صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ درخت کی ملکیت بکر کی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بحوالۂ کتب معتبرہ تحریر فرما دیا جائے۔

(۲) قوم کا کہنا ہے کہ درخت جتنی دوری میں ہے اتنی جگہ پھنسی ہوئی ہے اس لئے اس کا آدھا پھل ہمیں ملنا چاہئے تو ان کا کہنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) قبرستان میں درخت کی ملکیت کا حق عام مسلمانوں کو ہے یا بکر کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) صورت مسئولہ میں زید جس نے مسلمانوں کے قبرستان میں درخت لگائے وہی زید شرعاً ان درختوں اور پھلوں کا مالک ہے' اور زید کے انتقال کے بعد درختوں اور پھلوں کا مالک زید کی اولاد ہے انہی کو درختوں کے بیچنے کاٹنے اور ان کے پھلوں میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہے۔ زید کا لڑکا بکر جب کہ دوسرے کے نام درختوں کے اندراج پر راضی نہیں ہے تو بکر کے نام پر درختوں کا اندراج لازم ہے۔ درخت لگانے والے کی اولاد کے علاوہ دوسروں کے نام پر درختوں کا اندراج کرانے والا اور کرنے والا سب گنہگار مستحق عذاب نار اور حق العبد میں گرفتار ہوں گے۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قبرستان میں کسی نے درخت لگائے تو یہی شخص ان درختوں کا مالک ہے۔ (بہار شریعت حصہ دہم ص ۸۴) اور فتاویٰ عالمگیری جلد دوم مصری ص ۳۶۳ میں ہے: مقبرة علیها اشجار عظیمة فهٰذا علٰی جهین اما ان کانت الاشجار نابتة قبل اتخاذ الارض مقبرة اونبتت بعد اتخاذ الارض مقبرة ففی الوجه الاول المسئلة علی قسمین اما ان کانت الارض مملوکة لها مالك اوکانت مواتا لا مالك لها واتخذها اهل القریة مقبرة ففی القسم الاول الاشجار باصلها علیٰ ملك رب الارض یصنع بالاشجار واصلها ماشاء وفی القسم الثانی الاشجار باصلها علیٰ حالها القدیم وفی الوجه الثانی المسئلة علیٰ قسمین اما ان علم لها غارس اولم یعلم ففی القسم الاول کانت للغارس۔ وفی القسم الثانی الحکم فی ذٰلك الی القاضی ان رأی یبعها

وصرف ثمنها الی عمارة المقبرة فله ذٰلك كذا فی الواقعات الحسامية اھ۔ وهو تعالٰی اعلم بالصواب۔

(۲) قوم آدھے درختوں کے پھل کی مستحق نہیں ہے بلکہ پورے درختوں کے پھلوں کا استحقاق درخت لگانے والے کی اولاد ہی کو حاصل ہے' اور درختوں سے اگر زمین پھنسی ہے تو اس سے نہ قوم کا نقصان ہے' اور نہ مردوں کا' بلکہ فائدہ ہے کہ دفن یا فاتحہ وغیرہ کے لئے جو لوگ قبرستان میں جاتے ہیں ان کو درختوں کے سائے سے فائدہ حاصل ہوتا ہے' اور مردوں کو ان کے سایہ اور تسبیح دونوں سے فائدہ پہنچتا ہے۔ قال الله تعالٰی: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (پ ۱۵ ع ۵) اور حدیث شریف میں ہے: ان المیت یتاذی مما یتاذی من الحی اھ۔

(۳) صورت مستفسرہ میں قبرستان کے درخت بکر کی ملکیت ہیں۔ نہ کسی دوسرے کی جیسا کہ جواب اوّل کے حوالوں سے ظاہر ہے۔ وهو تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ ر ظفر المظفر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از فتح محمد شاہ دوبولیا بازار ضلع بستی۔

اگر کسی نے زمین موقوفہ میں درخت لگایا تو وہ درخت کس کا ہے؟

الجواب: درخت لگانے والا اگر زمین موقوفہ کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے مقرر رہے تو وہ درخت وقف کا ہے' اور اگر کسی ایسے شخص نے درخت لگایا جو زمین وقف کی نگرانی کے لئے مقرر نہیں تو اس کا مالک درخت لگانے والا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی مصری ص ۳۶۳ میں ہے: اذا غرس شجرا فی ارض موقوفة علی الرباط ینظر ان کان الغارس ولی تعاهد هذه الارض الموقوفة علی الرباط فالشجر للوقف وان لم یول ذٰلك فالشجرة له وله قلعها اھ۔ وهو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۵ ر ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد صفی اللہ ابوالعلائی مقام و پوسٹ جیڈی سی کوئکری ہزاری باغ بہار۔

ہمارے یہاں کا قبرستان گورنمنٹ کے اکوائر میں آگیا ہے۔ گورنمنٹ اس کے بدلے میں دوسری جگہ دے رہی ہے تو ہم لوگ اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ لیں یا کیا کریں؟

الجواب: گورنمنٹ مسلمانوں کے قبرستان کو اکوائر کرنے کے بعد روڈ یا کارخانہ وغیرہ بنوائے گی یا میدان رکھے گی اور بہر صورت اس کے استعمال میں آنے سے اموات مسلمین کو سخت اذیت پہنچے گی۔ حاکم وطبرانی کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا یا صاحب

القبر انزل من القبر لاتؤذی صاحب القبر ولا یؤذیك یعنی اے قبر والے! تو قبر سے اتر جا نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے۔ اسی لئے ہمارے فقہائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ قبر پر رہنے کا مکان بنانا اس پر بیٹھنا، سونا اس پر یا اس کے نزدیک پاخانہ پیشاب کرنا مکروہ تحریمی قریب الحرام ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے: یکرہ ان یبنی علی القبرا ویقعد اوینام اویطأ اویقضی حاجۃ الانسان من بول اوغائط اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے: لان المیت یتأذی بما یتأذی بہ الحی۔ یعنی اس لئے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردہ کو بھی اذیت ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس قبرستان کو باقی رکھنے کے لئے حتی الامکان گورنمنٹ سے لڑیں اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے۔ وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از تقریر احمد مقام گورہ چوک پوسٹ بھمن جوت ضلع گونڈہ۔ (یو۔پی)۔

ایک غیر مزروعہ زمین عرصہ دراز سے بیکار پڑی ہوئی تھی جس کے بارے میں غیر مسلموں کا یہ خیال تھا کہ وہاں کچھ ہے۔ اس علاقہ میں ایک پیر صاحب کا آنا ہوا جو بظاہر متقی پرہیز گار ہیں انھوں نے اس زمین پر مراقبہ کیا اس کے بعد کہا کہ یہاں ایک بزرگ کی قبر ہے پھر قبر کی انھوں نے نشاندہی کی مگر اس علاقہ کے بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ ہمارے علم میں یہاں کبھی کوئی قبر نہیں تھی اور اپنے بڑے بوڑھوں سے بھی وہاں قبر ہونے کے بارے میں کبھی نہیں سنا گیا۔ پیر صاحب کی بتائی ہوئی جگہ پر لوگوں نے شاندار پختہ قبر بنادی ہے عرس ہوتا ہے قوالیاں بھی ہوتی ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس قبر پر فاتحہ پڑھنا اس کے عرس میں شرکت کرنا اور کسی طرح اس کا تعاون کرنا اور علماء کا وعظ کے لئے اس عرس میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حدیث شریف میں ہے: لعن اللہ من زار بلا مزار یعنی فرضی قبر کی زیارت کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، اور جبکہ مقام مذکور قبرستان نہیں اور نہ وہاں قبر ہونے کا بڑے بوڑھوں سے کوئی ثبوت ملتا ہے تو صرف پیر صاحب کے مراقبہ سے وہاں پر قبر ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ الہام کی دو قسمیں ہیں ایک رحمانی دوسرے شیطانی تو پیر صاحب کو مراقبہ میں جو الہام ہوا ممکن ہے کہ وہ الہام شیطانی ہو۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالحسن علی بن ہیتی رضی اللہ عنہ جو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں ان کے خلیفہ حضرت ابوالحسن جوسقی رضی اللہ عنہ کے مرید کو چلے میں شب قدر نظر آئی اور ایسا معلوم ہوا شجر و حجر اور در و دیوار سب سجدے میں ہیں اور ہر طرف نور پھیلا ہوا ہے لیکن حقیقت میں وہ شیطان کا کرشمہ تھا (ملفوظ حصہ سوم مطبوعہ لاہور ص ۳۰) اور تاوقتیکہ مسلمان کی قبر کا یقین نہ ہو اس کی زیارت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ قبر نہ ہونے کی صورت میں خدا تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہوگا اور اگر حقیقت میں مسلمان کی قبر ہو تو زیارت نہ کرنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ لہٰذا قبر مذکور پر فاتحہ پڑھنا اس کے عرس میں شرکت کرنا اور کسی طرح سے اس کا تعاون کرنا

جائز نہیں کہ اندیشہ لعنت وگناہ ہے اور اس طرح کی قبروں کے عرس میں علماء کو وعظ وتذکیر کے لئے بھی جانے سے بچنا چاہئے کہ اس کے کسی پروگرام میں علماء کی شرکت عوام کے لئے جواز کا ثبوت بنے گی۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: محمد عثمان علی حبیبی سکریٹری خواجہ باغ مسجد کمیٹی بالیسر (اڑیسہ)

قبرستان میں بہت بڑے بڑے درخت ہیں جو کہ خودرو ہیں۔ انہیں کاٹ کر فروخت کر کے قبرستان کے احاطہ وغیرہ میں لگ سکتے ہیں یا نہیں؟ بحوالۂ معتبر کتب مع عبارت وصفحات جواب ارسال فرمائیں عنایت ہوگی۔ چند علم داں طبقہ ہیں جو کہ عبارت اور صفحات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو زحمت دی جا رہی ہے عبارت اور صفحہ ضرور لکھیں۔ اس کے علاوہ جب درخت کاٹا جائے تو قبر پر چڑھنا ہوگا۔ اس میں کیا صورت ہے اگر سیڑھی کے ذریعہ درخت کاٹا جائے تو قبر پر چڑھنے کی ضرورت نہیں اس میں کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قبرستان کے خودرو درخت کو قاضی کے حکم سے کاٹ کر قبرستان کی مرمت میں لگا سکتے ہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم مطبوعہ مصر ص ۳۶۳ میں ہے: ان علم لها (ای الاشجار) غارس اولم يعلم ففي القسم الاول كانت للغارس وفي القسم الثاني الحكم في ذلك الى القاضي ان رأى بيعها وصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذلك كذا في الواقعات الحسامية. جہاں قاضی شرع نہ ہو تو اس ضلع کا سب سے بڑا سنی صحیح العقیدہ عالم جو مرجع فتویٰ ہو اس کے قائم مقام ہے هكذا في الحديقة الندية' اور اگر ضلع میں ایسا عالم بھی نہ ہو تو عام مسلمانوں کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام ہے۔ هكذا قال الامام احمد رضا البريلوى رضى الله عنه ربه القوى۔ جو لوگ حقیقت میں اہل علم ہیں وہ صرف ناجائز امور کے لئے دلیل طلب کرتے ہیں جائز کاموں کے لئے حوالہ نہیں مانگتے۔ اس لئے کہ ہر قسم کے جائز امور کی تفصیل کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ مثلاً چار، چھ یا آٹھ گوشے کا کنواں اور حوض بنوانا جائز ہے مگر یہ جزیہ کتابوں میں نہیں ملے گا۔ لہٰذا آپ کے یہاں جو اہل علم ہیں وہ اپنا مزاج بدل دیں ناجائز امور کے لئے دلیل طلب کریں اور جائز کاموں کے لئے آئندہ حوالہ نہ مانگیں۔ قبر پر چڑھنا جائز نہیں کہ اس سے مردوں کو تکلیف ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے: ان الميت يتأذى مما يتأذى منه الحي۔ لہٰذا سیڑھی لگا کر کاٹیں بشرطیکہ اس کا پایہ قبر پر نہ رکھیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از سیّد اعجاز احمد قادری تاڈپتری ضلع اننت پور (آندھرا پردیش)

یہاں پر حضرت سیّد شاہ ابوبکر فضل اللہ قادری شطاری یمنی عرف یٰسین ولی کی درگاہ کے قریب ایک قبرستان ہے جس میں

صرف حضرت کی اولاد دفن ہوتی رہی درمیان میں ہمارے آباواجداد نے اپنے چند معتقدین ومریدین کو اس قبرستان میں دفن کی اجازت دے دی تھی جس کے سبب لوگ اس قبرستان میں اپنے مردوں کو زبردستی دفن کرنا چاہتے ہیں تو ان لوگوں کو اس مخصوص قبرستان میں اپنے مردوں کا دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ درگاہ وقف بورڈ آف آندھرا پردیش سے ملحق ہے اس لئے لوگ دفینہ قبرستان کہہ کر اسے عام قبرستان بنانا چاہتے ہیں لہٰذا اس کے بارے میں حکم شرع پر تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: بعون الملك الوهاب۔ جو زمین کسی شخص خاص یا خاندان کی ملک ہو اس زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو دفن کرنا جائز نہیں، اور جو زمین کہ عام مسلمانوں کے دفن کے لئے وقف ہو اس میں ہر مسلمان کو دفن ہونے کا حق ہے کسی مسلمان کو کوئی دفن کرنے سے روک نہیں سکتا۔ ہاں اگر وقف کرنے والے نے کسی خاص خاندان کے دفن کے لئے وقف کیا ہے تو اس خاندان کے علاوہ دوسرے کو اس میں دفن کرنا جائز نہیں لہٰذا صورت مستفسرہ میں زمین اگر عام مسلمانوں کے دفن کے لئے وقف ہے تو اس میں ہر مسلمان کو دفن ہونے کا حق حاصل ہے، اور اگر زمین مذکورہ حضرت سیّد شاہ ابوبکر فضل اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ملکیت میں ہے، اور وقف بورڈ نے اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا ہے تو اس صورت میں حضرت کی اولاد کے علاوہ ان کی اجازت کے بغیر دوسرے کا اس میں دفن کرنا جائز نہیں کہ غاصبانہ قبضہ سے حضرت کی اولاد کی ملکیت ختم نہ ہوگی اور اگر کسی نے خاص حضرت ہی کی اولاد کے دفن کے لئے وقف کیا ہے تو اس صورت میں بھی اس میں دوسرے کو دفن کرنا جائز نہیں کہ اشیائے موقوفہ میں واقف کی شرطوں کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ هٰكذا في الكتب الفقهية وهو تعالٰى اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد عمران انصاری نرسا چپی ضلع دھنباد (بہار)

قبرستان میں اگے ہوئے پیڑ پودوں کی شاخوں کو کاٹا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہرے پودے جو خاص قبر پر ہوں ان کی شاخوں کو کاٹنا منع ہے کہ ان کی تسبیح سے مردہ کو فائدہ پہنچتا ہے شامی جلد اوّل ص ۶۰۶ میں ہے: يكره قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس كما في البحر والدرر وشرح المنية وعلله في الامداد بانه مادام رطبا يسبح الله تعالٰى فيونس الميت وتنزل بذكره الرحمة اھ ونحوه في الخانية۔ لیکن اگر پودے کی جڑ سے قبر یا مردہ کو نقصان پہنچے تو کاٹ دیئے جائیں، اور قبرستان کے درخت اگر دوسرے کی ملک میں ہیں تو مالک جو چاہے کرے خواہ کاٹے یا باقی رکھے کوئی اسے روک نہیں سکتا، اور اگر درخت قبرستان کی ملک ہوں تو نہ کاٹنا بہتر ہے کہ زائرین کے لئے سایہ رہے گا اور کسی ضرورت سے کاٹیں تو حرج نہیں۔ وهو تعالٰى اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کا بیان

مسئلہ: از عبدالغفور خاں موضع صمدہ فیض آباد

(۱) ایک شخص مالک نصاب ہے مثلاً ایک ہزار روپیہ بینک میں اور ایک ہزار روپیہ ڈاکخانہ میں اور کچھ روپیہ زمین میں گاڑے ہوئے ہے' اور سونے، چاندی کے زیورات بھی ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان تمام روپیوں اور زیورات پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ ثبوت تحریر فرمائیں۔

(۲) مالک نصاب ہو کر زکوٰۃ نہ دینے والے پر قرآن و حدیث میں کیا وعیدیں آئی ہیں؟

الجواب: شخص مذکور کے بینک، ڈاکخانہ اور زمین میں گاڑے ہوئے روپے پر نیز زیورات سب پر زکوٰۃ فرض ہے لانہ مالك لهٰذا الروابى والحلى وهى فاضلة عن النصاب الموجب للزكوٰة فتجب عليه الزكوٰة هٰكذا فى الكتب الفقهية (۲) مالک نصاب ہو کر زکوٰۃ نہ دینے والے پر قرآن و حدیث میں بہت سی وعیدیں آئی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (پ۴ ع۹) یعنی جو لوگ بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا' وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لئے برا ہے جس چیز کے ساتھ انھوں نے بخل کیا قیامت کے دن اس چیز کا ان کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا' اور فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (پ۱۰ ع۱۱) یعنی جو لوگ سونا، چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو جس دن جہنم کی آگ میں وہ تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں، کروٹیں اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہ ہے جو تم نے اپنے نفس کے لئے جمع کیا تھا تو اب اس جمع کرنے کا مزہ چکھو' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من اتاه الله مالا فلم يود زكوٰته مثل له ماله يوم القيمة شجاعا اقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيمة ثم ياخذ بلهزمتيه يعنى شدقيه ثم يقول انا مالك انا كنزك (بخاری شریف) یعنی جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو

قیامت کے دن وہ مال گنجے سانپ کی شکل میں کر دیا جائے گا جس کے سر پر دو چتیاں ہوں گی وہ سانپ ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا پھر اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں' اور ارشاد فرمایا یکزن کنز احدکم یوم القیمة شجاعاً اقرع یفرمنه صاحبه ویطلبه حتی یلقمه اصابعه (احمد) یعنی جس مال کی زکوٰۃ نہ دی گئی قیامت کے دن وہ مال گنجا سانپ ہو کر مالک کو دوڑائے گا وہ بھاگے گا یہاں تک کہ (وہ زکوٰۃ نہ دینے والا مجبور ہو کر) اپنی انگلیاں اس کے منہ میں ڈال دے گا۔ العیاذ باللّٰہ تعالیٰ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از سیّد اعجاز احمد قادری یمنی تاڈپتری (آندھرا پردیش)

حضرت علامہ مفتی صاحب قبلہ دامت برکاتکم ۔ السلام علیکم

خدمت اقدس میں عرض یہ ہے کہ بہار شریعت مطبوعہ کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی حصہ پنجم ص ۲۷ پر ہے: ''پیسے جب رائج ہوں اور دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے اگر تجارت کے لئے نہ ہوں'' پھر ایک سطر کے بعد ہے کہ ''نوٹ پیسوں کے حکم میں ہے۔'' اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ نوٹ جب رائج ہوں اور دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے' اور اگر نوٹ و پیسے تجارت کے لئے ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہم نے اس عبارت سے یہی سمجھا تو شبہہ ہوا کہ ہوسکتا ہے غلط چھپ گیا ہو اس لئے کہ آپ نے کئی رسالوں میں اعلان فرمایا ہے کہ کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی کی چھاپی ہوئی بہار شریعت میں بیشمار غلطیاں ہیں اور وہ قابل اعتماد نہیں ہے تو ہم نے بہار شریعت مطبوعہ رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی دیکھی تو اس میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ پھر ہم نے شیخ غلام علی کشمیری بازار لاہور کی چھاپی ہوئی بہار شریعت دیکھی تو اس میں بھی اسی طرح چھپا ہوا ہے جب ہر ایک نسخے میں اسی طرح عبارت ملی تو اب مجھے اپنی سمجھ پر شبہہ پیدا ہوا کہ شاید میں نے غلط سمجھا۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں رجوع کر رہا ہوں کہ میری سمجھ کا قصور ہے یا بہار شریعت میں مسئلہ غلط چھپ گیا ہے۔ جواب تحریر فرما کر میرے خلجان کو دور فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: محبی و مخلصی زید اخلاصکم ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بیشک بہار شریعت کی اس عبارت کا یہی مطلب ہے کہ نوٹ اور پیسے دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں اور تجارت کے لئے نہ ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے' اور اگر نوٹ تجارت کے لئے ہوں تو خواہ وہ لاکھوں درم چاندی اور ہزاروں مثقال سونے کی قیمت کے ہوں مگر ان پر زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ نوٹ اور پیسے اگر دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ تجارت کے لئے ہوں یا نہ ہوں کہ ان میں وجوب زکوٰۃ کے لئے تجارت یا عدم نیت تجارت شرط نہیں۔ اس لئے کہ نوٹ اور پیسے ثمن اصطلاحی ہیں جب تک وہ رائج ہیں ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ کفل الفقیہ الفاھم میں ہے: ان الفتویٰ علی ان

الثمن المصطلح تجب فیہ الزکوٰۃ مادام رائجاً۔ لہٰذا آپ نے ان نسخوں میں چھپی ہوئی عبارت کا مطلب صحیح سمجھا ہے۔ آپ کی سمجھ کا قصور نہیں ہے بلکہ قصور بہار شریعت کے چھاپنے والوں کا ہے۔ کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی، رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی اور شیخ غلام علی کشمیری بازار لاہور سب کے سب بہار شریعت کو غلط چھاپ کر مسلمانوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں اور اپنے خزانے بھر رہے ہیں۔ جس میں سب سے زیادہ غلطیاں دہلی کی چھپی ہوئی بہار شریعت میں ہیں کہ مجھ کو صرف پہلے تین حصوں میں چھوٹی بڑی چھ سو چھبیس غلطیاں ملی ہیں۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ بہار شریعت جو فقہ حنفی کی ایسی عظیم کتاب ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں مگر افسوس کہ وہ ناشرین کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہے۔ اگر بہار شریعت چھاپنے والوں کی غفلت ولاپرواہی کا یہی حال رہا تو وہ دن دور نہیں جبکہ بہار شریعت کا کوئی بھی مسئلہ قابل اعتبار نہیں رہ جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ بہار شریعت کی جو عبارت آپ نے پیش کی ہے وہ غلط چھپی ہوئی ہے صحیح عبارت یہ ہے: ”پیسے جب رائج ہوں اور دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے اگرچہ تجارت کے لئے نہ ہوں“ یعنی روپے اور پیسے خواہ تجارت کے لئے ہوں یا نہ ہوں لیکن جب رائج ہوں اور دو سو چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از عبدالرؤف قصبہ بانسی بستی

زید کے پاس مال تجارت ایک سو پچاس روپیہ، چھ اچھٹ روپیہ آٹھ آنہ کی قیمت کا سونا، ایک سو پینسٹھ روپیہ کی قیمت کی چاندی کے زیورات اور نقد رقم تینتیس روپے جملہ رقوم تین سو انہتر روپیہ آٹھ آنے ہیں اس رقم میں زید کو کتنی زکوٰۃ دینی ہوگی جب کہ سونے چاندی کے زیورات زید کی بیوی استعمال کرتی ہے۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید پر نو روپیہ پونے چوبیس نیا پیسہ (۹/۲۳/۳/۴) زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم

کتبہ: بدرالدین احمد الرضوی

۱۷؍ ربیع الآخر ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از محمد عمران انصاری معرفت عبدالرؤف شوشاپ گاندھی بازار نرسا چٹی۔ دھنباد

دینار کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور دینار کی قیمت مروجہ سکوں کے اعتبار سے کیا ہوگی۔

الجواب: دینار عرفی کی بہت سی قسمیں ہیں جو مختلف الوزن اور مختلف القیمۃ ہیں جیسا کہ خاتم المحققین حضرت علامہ

ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ان الدراهم والدنانیر المثقال بها فی هذه الزمان انواع کثیرة مختلفة الوزن والقیمة (ردالمحتار جلد دوم ص ۳۰) البتہ دینار شرعی ایک مثقال کے برابر ہوتا ہے اور مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے جیسا کہ غیاث اللغات میں ہے کہ "مقدار ایک مثقال چار ونصف ماشہ است" لہٰذا دینار شرعی ساڑھے چار ماشے کا ہوا جس کی قیمت کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۲۹ میں ہے: الدینار عشرون قیراطا. ردالمحتار میں ہے: قوله الدینار ای الذی هو المثقال کما فی الزیلعی وغیره قال فی الفتح والظاهر ان المثقال اسم للمقدار المقدار به والدینار اسم للمقدر به بقید ذهبیته اھ۔ اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص ۲۲۹ میں ہے: قوله مثقالا هو لغة مایوزن وشرعاً اسم للمقدار المعین الذی یقدر به الذهب ونحوه وهو والدینار واحد الان الدینار اسم للقطعة والمضروبه المقدرة بالمثقال اھ۔ هٰذا ما عندی وهو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ رذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از صابر سنبھلی محلہ سیف خاں سرائے سنبھل ضلع مراد آباد (یو۔پی)

عمرو کے پاس ایک تولہ چاندی ہے اور ایک تولہ سونا اگر مروجہ قیمت پر سونے کو چاندی مان لیا جائے تو عمرو صاحب نصاب ہو جائے گا، مگر چاندی کو سونا مانا جائے تو وہ حد نصاب سے بہت پیچھے رہ جائے گا ایسی حالت میں اس پر زکوٰۃ کے لئے شرع مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) بکر کے پاس ۶۰ ر تولے چاندی ہیں۔ اس نے تین سال تک زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ تین سال کے بعد جب ادا کی تو اس طرح کہ پہلے سال کی زکوٰۃ ۶۰ ر تولے چاندی پر قیمت کا حساب لگا کر نوٹوں میں ادا کی۔ دوسرے سال کی زکوٰۃ بھی اسی طرح ساڑھے اٹھاون تولے چاندی کی نقد ادا کی۔ تیسرے سال کی زکوٰۃ بھی نقدی میں ہی ستاون تولے ساڑھے تین رتی پر ادا کی۔ اب وہ اگلے سال کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں کہ اب اس کو چھپن تولے چاندی پر زکوٰۃ ادا کرنی ہے جو نصاب اور اس کے دسویں حصے سے کم ہونے کے سبب معافی میں ہے۔ دوسری طرف اس نے زکوٰۃ نقدی ادا کی ہے۔ وہ اب بھی ۶۰ ر تولے چاندی کا مالک ہے اس کی ایک رتی رقم بھی کم نہیں ہوئی۔ اس لحاظ سے وہ صاحب نصاب ہے یا نہیں؟ کیا اس مال پر اس کو عمر بھر زکوٰۃ دینا نہ ہوگی۔

(۳) ایک شخص نے ایک فقیر سے طے کیا کہ وہ اس کو زکوٰۃ دے گا مگر بعد تملیک کے وہ اس کو واپس کر دے ایسا کرنے پر اس کو اس کے عوض میں کچھ رقم دی جائے گی۔ اگر فقیر اس شرط پر زکوٰۃ لینے اور واپس کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا ہے تو دوسرے فقراء اس کے لئے رضامند ہیں۔ مجبوراً وہ بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مندرجہ بالا سوالات کے شافی

جوابات مرحمت فرمائیں حوالوں کی ضرورت نہیں ہے آپ کی تحریر ہی ہمارے لئے حوالہ ہے مگر جوابات مبہم نہ ہوں۔

الجواب: (۱) عمرو کے پاس جب کہ سونا اور چاندی دونوں ہیں اور موجودہ زمانہ میں ایک تولہ سونا چاندی اگر چاندی میں ملائی جائے تو چاندی کا نصاب پورا ہو جائے تو اس صورت میں از روئے شرع عمرو پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۲) بکر کے پاس ۶۰ر تولہ چاندی کے ساتھ مال تجارت یا روپیہ پیسہ اتنا نہیں تھا کہ ان سے ساڑھے باون تولہ چاندی کے اوپر ساڑھے دس تولہ چاندی پوری ہو جاتی تو اس صورت میں اس پر صرف ساڑھے باون تولہ چاندی ہی کی زکوٰۃ فرض ہوئی اس لئے کہ جو چاندی نصاب کے پانچویں حصہ سے کم ہو اس کی زکوٰۃ معاف ہے' اور اگر اس کے مال تجارت کی قیمت یا روپیہ سے نصاب کا پانچواں حصہ یا اس سے زیادہ چاندی ہو جاتی تو اس صورت میں ساڑھے باون تولہ کے اوپر ہر ساڑھے دس تولے چاندی کی بھی زکوٰۃ واجب ہوئی' اور اخیر میں جو ساڑھے دس تولہ چاندی سے کم بچے اس کی زکوٰۃ معاف رہے گی۔ یہی حکم ہر سال کا ہے' اور عمر بھر اگر اس کے پاس کم سے کم ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنے کا سامان تجارت یا روپیہ حاجت اصلیہ سے فاضل اور دین سے فارغ رہے گا تو وہ عمر بھر مالک نصاب رہے گا' اور ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب رہے گی۔ (۳) زکوٰۃ ادا ہو جائے گی' اور فقیر سے زکوٰۃ دینے والے کا یہ شرط کرنا لغو ہے کہ وہ بعد تملیک واپس کر دے گا۔ زکوٰۃ کے مال کا فقیر مالک ہو جاتا ہے اسے اختیار ہے چاہے واپس کرے یا نہ کرے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: محمد عثمان مکان نمبر ۳۵ حضرت گنج دریا آباد۔ الٰہ آباد۔

صوبائی حکومت یا مرکزی حکومت کے ملازم اپنی تنخواہوں سے ۸را حصہ بعد مجبوری جمع کرتے ہیں جسے عرف عام میں جنرل پروی ڈنڈ فنڈ کہتے ہیں، جس فنڈ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملازم ریٹائرڈ کے وقت اس جمع شدہ روپیہ مزید اس پر نفع حکومت وقت کے قانون کے مطابق جو کچھ ملے گا اس کا وہ حقدار ہوتا ہے اس جمع شدہ روپیہ میں سے ہر ایک ملازم کو مندرجہ ذیل سہولتیں بھی میسر ہیں۔ مثلاً اس فنڈ کے بغیر سود کے قرض لے سکتے ہیں اور اپنی سہولت کے مطابق زیادہ سے زیادہ چالیس مہینہ میں اس قرض کو ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بیس سال ملازمت ہونے کے بعد اس روپیہ سے قرض لے کر اسے پھر نہ لوٹانے کی بھی سہولت حاصل ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جنرل پروی ڈنڈ فنڈ کے جمع شدہ روپیہ پر کب سے زکوٰۃ واجب ہوگی؟ آیا یہ کہ جب سے روپیہ جمع ہونا شروع ہوا ہے یا جب کل روپیہ وہ ملازم ریٹائرمنٹ کے بعد وصول کرے گا۔ مثلاً پانچ ہزار وصول کرے گا اس دن سے ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا شروع ہی سے یعنی جب سے اس ملازم نے ملازمت کی اور روپیہ جمع کرنا شروع کیا۔ (۲) حکومت ہند کے ڈاکخانہ کے قانون کے مطابق فکس ڈپوزٹ جس کی مدت چھ سال ہے جس میں ایک ہزار روپیہ چھ سال کے لئے جمع کرنے سے دوگنا سے بھی کچھ زائد ہوتا ہے۔ اس میں جمع کنندگان کے لئے یہ سہولت اور رعایت

ماہل ہے کہ پچھتر فیصدی جمع رقم میں سے بطور قرض کے لے سکتے ہیں جن کو سود کے ساتھ لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ اس فکس ڈپوزٹ روپیہ پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہے یا جب کل روپیہ وصول کرے گا اس وقت گزشتہ چھ سال کی زکوٰۃ دے گا یا کل روپیہ ملنے کے بعد سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب: ملازم اگر مالک نصاب ہے تو دیگر زکاتی مالوں کے ساتھ فنڈ مذکور میں جب سے رقم جمع ہونا شروع ہوئی ہے اسی وقت سے اس رقم کی بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوگی اور اگر مالک نصاب نہیں ہے تو جب فنڈ کی رقم زکوٰۃ کے دوسرے مالوں کے ساتھ جوڑنے سے ۵۲ ۲/۱ تولہ چاندی کی مقدار کو پہنچ جائے اور حوائج اصلیہ سے بچ کر اس پر سال گزر جائے اس وقت فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور پھر سال بسال واجب ہوتی رہے گی۔ (۲) اس مسئلہ کا جواب بھی مسئلہ اوّل کے مثل ہے کہ ڈاکخانہ میں فکس ڈپازٹ کرنے والا اگر مالک نصاب ہے تو اس رقم پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ جب مالک نصاب ہوگا تب واجب ہوگی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از حاجی محمد یونس جلال پوری شہزاد پور ضلع فیض آباد

زید ایک ہیڈلوم فیکٹری کا مالک ہے مال ادھار نہ دے تو کھپت نہیں ہو سکے گی کئی برسوں تک رقم وصول نہیں ہو پاتی ہے کبھی ادھار رقم ڈوب بھی جاتی ہے ایسی صورت میں وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

الجواب: جو مال کی ادھار دیا جاتا ہے سال تمام پر اس کی زکوٰۃ بھی واجب ہوتی ہے مگر ادائیگی واجب نہیں ہوتی جب نصاب کا پانچواں حصہ یعنی ساڑھے دس تولہ چاندی کی قیمت وصول ہو جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے اور جب کئی سال کے بعد رقم وصول ہو تو اس صورت میں گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے اور جو رقم وصول نہ ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔ ھٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی علیه الرحمة والرضوان فی الجزء الرابع من الفتاویٰ الرضویة۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر شوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از حافظ کمال الدین ظہوری پرسا میر ضلع گورکھپور

(۱) زید کہتا ہے کہ جہاں اسلامی حکومت ہے وہیں پر وجوب زکوٰۃ ہے اس لئے کہ مال وہاں بیت المال میں جمع کیا جائے گا اور مسلمانوں کے جان و مال کا تحفظ بادشاہ اسلام کرے گا اس صورت میں ہم زکوٰۃ کی رقم کہاں دیں جب کہ یہاں کافر کی حکومت ہے۔ (۲) زید ایک عالم دین ہوتے ہوئے کہتا ہے کہ مسلمان دھان اور گیہوں کی فصل میں چالیسواں ادا کریں تو بہتر

ہے۔اس کے برعکس بکر کہتا ہے کہ دھان کی فصل میں دسواں اور گیہوں کی فصل میں بیسواں دینا ضروری ہے۔اس کے خلاف کرنے والا گنہگار ہوگا۔لہٰذا اگر ہم گیہوں اور دھان دونوں میں چالیسواں دیں تو عندالشرع ہم بری الذمہ ہوں گے یا نہیں؟

الجواب: جہاں پر اسلامی حکومت ہے وہیں پر وجوب زکوٰۃ ہے زید کا یہ قول باطل ہے اس لئے کہ اسلامی حکومت ہو یا نہ ہو بہرصورت مالدار عاقل بالغ مسلمان پر زکوٰۃ واجب ہے کہ وجوب زکوٰۃ کے لئے اسلامی حکومت ہونا شرط نہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دارالحرب میں مسلمان ہونے کے بعد برسوں تک وہیں مقیم رہا پھر دارالاسلام میں آیا اور وہ جانتا تھا کہ مالدار مسلمان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس صورت میں دارالحرب کے زمانۂ قیام کی زکوٰۃ بھی اس مسلمان پر واجب ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۶۱ میں ہے: اذا اسلم الكافر فی دار الحرب واقام سنین هناك ثم خرج الینا ان کان علم بالوجوب وجبت علیه ویفتی بالدفع اھ ملخصًا' اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے بیت المال ہونا ضروری نہیں ہے اس کے مصارف فقراء اور مساکین وغیرہ ہیں۔لہٰذا زکوٰۃ انھیں کو دی جائے پ ۱۰ رکوع ۱۴ میں ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ الخ۔زید پر لازم ہے کہ اپنے گمراہ کن قول سے رجوع کرے اور توبہ واستغفار کرے۔اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں قال اللّٰه تعالٰی: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ (پ ۷، رکوع ۱۴) (۲) زید کا قول باطل ہے اس لئے کہ مسلمانوں کو زمین کی پیداوار دھان اور گیہوں کی فصل میں دسواں بیسواں دینا فرض ہے' اور چالیسواں دینا بہتر نہیں بلکہ غلط ہے۔لہٰذا اگر کسی نے زمین کی پیداوار میں چالیسواں حصہ دیا تو وہ گنہگار ہوگا بری الذمہ نہ ہوگا ایسا ہی فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۷۴ میں ہے: وهو تعالٰی اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ رمحرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از سیّد خوشتر ربانی متعلم دارالعلوم ربانیہ علی گنج (باندہ)

زید نے جو کہ صاحب نصاب ہے پانچ ہزار روپیہ فکس ڈیپازٹ (بینک یا ڈاکخانہ میں) کیا جو سات سال بعد دونی رقم ہو کر اس کو ملے گی تو زید اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

الجواب: مقامی پوسٹ ماسٹر سے معلوم ہوا کہ فکس ڈیپازٹ کرنے والا ہر سال ایک متعین نفع کا مالک ہوتا ہے جسے وہ ہر سال نکال بھی سکتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو فکس ڈیپازٹ کرنے والے پر ہر سال اصل رقم اور نفع کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ کما هو الظاهر۔ وهو تعالٰی ورسوله الاعلٰی اعلم .

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از کرم سراجی جامعہ عربیہ ضیاء العلوم کچی باغ (بنارس)

چاندی کا نصاب ۲/۱/۵۲ تولہ ہے اگر کسی کے پاس چاندی کسی شکل میں نہیں (اور سونا بھی کسی شکل میں نہیں) مگر نوٹ ہیں تو کتنے روپے کے نوٹ ہونے پر وہ صاحب نصاب مانا جائے گا؟ یعنی ۲/۱/۵۲ تولہ چاندی کے نوٹ ہونے پر جس کی قیمت آج بہت ہے وہ صاحب نصاب قرار پائے گا یا کوئی اور بات ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: اگر کسی کے پاس سونا چاندی نہیں ہیں اور نہ مال تجارت ہے مگر اتنے نوٹ ہیں کہ بازار میں ۲/۱/۵۲ تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت کے نوٹ ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی لہٰذا اگر سونا چاندی اس قدر گراں ہو جائیں کہ لاکھ روپے کا بھی ۲/۱/۵۲ تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا بازار میں نہ مل سکے تو زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر اس قدر سستے ہو جائیں کہ ایک روپیہ کے نوٹ سے سونے یا چاندی کی مقدار کو بازار میں مل سکے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ کفل الفقهیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم میں ہے: فی فتاویٰ قاری الهدایه الفتویٰ علیٰ وجوب الزکوٰة فی الفلوس اذا تعومل بها اذا بلغت ماتساوی مائتی درهم من الفضة اوعشرین مثقالا من الذهب اھ۔ والنوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الیٰ نصاب من جنسه اومن احد النقدین باعتبار القیمة کاموال التجارة اھ۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبدالشکور مدرسہ مصباح المدارس کولدہ گورکھپور ۱۹/ ربیع الآخر ۱۳۸۰ھ

زمین عشری کون سی ہے؟ اور خراجی کسے کہتے ہیں؟ سادہ، صاف اور مختصر لفظوں میں بتایا جائے، اور موجودہ کانگریسی دور حکومت میں ہندوستان کی زمین خصوصاً اطراف گورکھپور کی زمین کی پیداوار کا دسواں نکالنا واجب ہے یا بیسواں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: خراج وہ ٹیکس ہے جو بادشاہ اسلام نے کافر پر مقرر فرمایا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ خراج مقاسمہ: کہ پیداوار کا کوئی حصہ آدھا یا تہائی یا چوتھائی وغیرہا مقرر ہو جیسے حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود پر مقرر فرمایا تھا اور خراج موظف: کہ ایک مقدار لازم کردی جائے خواہ ایک روپے سالانہ دو روپے بیگہ یا کچھ اور، اور خراجی وہ زمین ہے جس پر بادشاہ اسلام نے کچھ خراج مقرر کیا ہو اس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً فتح کرکے وہیں کے لوگوں کو احسان کے طور پر دی یا دوسرے کافروں کو دے دی یا وہ ملک صلح کے طور پر فتح کیا گیا یا ذمی نے بادشاہ اسلام کے حکم سے بنجر کو آباد کیا یا بنجر زمین ذمی کو دے دی گئی یا اسے مسلمان نے آباد کیا اور وہ خراجی زمین کے پاس تھی یا اسے خراجی پانی سے سیراب کیا (تفصیل کے لئے بہار شریعت حصہ پنجم دیکھئے) اور زمین خراجی نہ ہو تو وہ عشری ہوگی یا لاعشری لاخراجی اور دونوں کی پیداوار میں عشر دینا واجب ہے۔ هٰکذا ذکر الامام احمد رضا رضی الله عنه وارضاه عنا فی رسالته افصح البیان۔ لہٰذا گورکھپور ضلع میں زمین کی پیداوار کا عشر دینا کانگریسی دور حکومت میں بھی واجب ہے۔ پھر جب کھیت کی آبپاشی چرسے یا ڈول وغیرہ سے ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے ورنہ دسواں هٰکذا ذکر صدر الشریعة رحمة الله علیه فی الجزء الخامس

من بهار شریعة ناقلا عن ردالمحتار. وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از صمرہ پوسٹ گوشائیں گنج ضلع فیض آباد مرسلہ عبدالغفور خزانچی

کیا غلہ میں دسواں، بیسواں حصہ عشر کا نکالنا مثل زکوٰۃ کے فرض ہے؟ اگر نہ نکالے تو عندالشرع مجرم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: غلہ کی پیداوار کا عشر نکالنا مثل زکوٰۃ کے فرض ہے؟ اگر نہ نکالے تو یقیناً گنہگار ہوگا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ر من ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: از محمد یعقوب خاں ساکن سونی برگدوا پوسٹ مہراجگنج ضلع کپلوستو (نیپال)

کسی ایسی جگہ مزروعہ زمین کی لگان اکیاون روپیہ فی بیگہ حکومت وقت لیتی ہے۔ نیز اپنی مقررہ کردہ قیمت فی بیگہ ساٹھ کلو دھان ہی یا اس کی قیمت لیتی ہے۔ ہر اس زمین کا کہ جس میں دھان پیدا ہوتا ہو یا کُودَوْ۔ ایسی صورت میں اگر اپنا کھیت بٹائی پر دیتا ہے تو آدھا بونے والا لے لیتا ہے' اور نصف باقی میں کھیت والے کو لگان ادا کرنی پڑتی ہے' اور مقررہ قیمت کا دھان بھی حکومت کو بطور لگان دینا پڑتا ہے۔ اس صورت میں کھیت والے کے پاس قلیل مقدار میں غلہ بچتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مقدار مذکور سے عشر کی ادائیگی ضروری ہے یا پورے غلہ کا عشر صاحب زمین کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا عشر کے ادا کرنے کا جو صحیح طریقہ ہے۔ حدیث وفقہ کی روشنی میں بیان فرمائیں۔ نیز اس مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں وہ یہ کہ جو لوگ خود کاشت نہیں کرتے بلکہ مزدوروں سے کام لیتے ہیں ان کی پیداوار کا اکثر حصہ مزدوروں کی اخراجات اور لگان کی ادائیگی پر صرف ہو جاتا ہے؟ بینواتوجروا

الجواب: مزارعت بالمناصفہ کی صورت میں پوری پیداوار کا عشر مالک زمین پر واجب نہیں بلکہ صرف نصف میں عشر واجب ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۴۵۴ میں ہے: اگر بٹائی پر دی جائے۔ یعنی مزارع سے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف یا ثلث غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر صرف بقدر حصہ کا عشر آئے گا مثلاً مزارعت بالمناصفہ کی صورت میں سو من غلہ پیدا ہو تو مالک زمین پانچ من عشر دے۔ انتھٰی بالفاظہ' اور دوسرے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ مزدوری کی اجرت نکال کر باقی کا عشر یا نصف عشر نہیں دیا جائے گا' بلکہ کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر دینا واجب ہی ہوگا۔ ھٰکذا فی بهار الشریعة عن الدر المختار و ردالمحتار. واللّٰه تعالیٰ ورسولہُ الاعلیٰ اعلم جل جلاله وصلی اللّٰه علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ر من ذی القعدہ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ: از ثناء اللہ خاں موضع بھگوت پور۔ ضلع بستی

کیا غلہ کی پیداوار میں زکوٰۃ نکالنا واجب ہے اگر واجب ہے تو دسواں حصہ نکالا جائے یا بیسواں۔ نیز کٹائی وغیرہ کی مزدوری نکال کر باقی غلہ کی زکوٰۃ نکالی جائے یا کل پیداوار کی؟

الجواب: بیشک غلہ کی پیداوار میں زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ قرآن مجید پارہ ۸ رکوع ۴ میں ہے: وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔ یعنی کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر اس شی میں کہ جسے زمین نے پیدا کیا عشر یا نصف عشر یعنی دسواں یا بیسواں ہے۔ جو کھیت بارش یا نہر نالے کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے' اور جس کی آب پاشی مشین' چر یا ڈول سے ہو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں واجب ہے' اور پانی خرید کر آبپاشی کی ہو جب بھی نصف عشر واجب ہے۔ ھٰکذا فی الدر المختار وردالمحتار۔ جس چیز میں عشر یا نصف عشر واجب ہو اس میں کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر دیا جائے گا۔ مصارف زراعت ہل، بیل، حفاظت کرنے والے اور کاٹنے والوں کی اجرت بیج وغیرہ نکال کر باقی کا عشر یا نصف عشر دینے سے پوری زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ھٰکذا فی الدر المختار وردالمحتار۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از قاضی محمد اطیع الحق عثمانی قادری رضوی علاء الدین پور سعد اللہ نگر۔ گونڈہ

(۱) عشر و نصف عشر بغیر حیلۂ شرعی دینی مدارس و مساجد و عیدگاہ اور ہر دینی امور میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا اس کی ادائیگی کے لئے بھی تملیک فقیر شرط ہے؟ (۲) زید نے بکر کو اپنا کھیت بٹائی پر دے رکھا ہے نصف غلہ اور پوال وغیرہ لے لیا جاتا ہے تو عشر و نصف عشر زید و بکر دونوں پر واجب ہیں یا صرف زید پر؟

الجواب: (۱) عشر صدقات واجبہ میں سے ہے' اور صدقۂ واجبہ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے۔ بغیر حیلۂ شرعی مدارس، مساجد اور عیدگاہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم (۲) عشر و نصف عشر زید و بکر دونوں پر واجب ہے درمختار مع شامی جلد دوم ص ۵۵ پر ہے: فی الزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة' اور ردالمحتار جلد دوم ص ۵۶ پر ہے: ماذکره الشارح هو قولهما اقتصر علیه لما علمت من ان الفتویٰ علیٰ قولهما بصحة المزارعة۔ هٰذا ما عندی وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از محمد بشیر قادری چشتی ذفل ڈیہہ ضلع گونڈہ

زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور چرم قربانی، اپنی حقیقی بہن، حقیقی پھوپھی اور تکیہ دار کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اپنی حقیقی بہن اور حقیقی پھوپھی اور تکیہ دار اگر صاحب نصاب ہو تو علاوہ چرم قربانی کے زکوٰۃ اور صدقۂ فطر دینا جائز نہیں اور اگر صاحب نصاب نہ ہوں تو دے سکتے ہیں لیکن تکیہ دار کو جس سے سال بھر بلا اجرت دیئے ہوئے کام لیتے ہیں پھر انہیں کاموں کے لحاظ اور دباؤ سے زکوٰۃ اور صدقۂ فطر نیز چرم قربانی دیتے ہیں کہ جس میں تکیہ دار اس زکوٰۃ و صدقۂ فطر کو اپنے لئے اجرت ہی سمجھتا ہے تو یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: بدرالدین احمد الرضوی

۲۶/ جولائی ۵۷ھ

مسئلہ: از محمد حسن ساکن مجھونا پوسٹ ہرپور بدھٹ ضلع گورکھپور

بکر نے اپنی اراضی خالد کو زراعت کے لئے دی اور یہ طے کیا کہ جس قدر غلہ پیدا ہوگا نصف تم لینا اور نصف میں لوں گا خالد اپنی پیداوار کا عشر نہیں نکالتا ہے تو ایسی صورت میں بکر صرف اپنے حصے کا عشر ادا کرے یا خالد کے حصے کا بھی؟

الجواب: بکر پر صرف اپنے نصف حصے کا عشر دینا واجب ہوگا اور نصف آخر کے عشر کی ادائیگی بکر پر واجب نہ ہوگی بلکہ خالد ہی پر واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲/ ربیع الآخر ۱۳۷۹ھ

مسئلہ: از یار محمد مقام و پوسٹ بھنگا بازار بہرائچ شریف

(۱) کیا صدقات و خیرات اور زکوٰۃ کے صحیح مصارف وہی مدارس ہیں جو یتیم خانہ سے موسوم ہیں؟ خواہ محض نام ہی کے یتیم خانہ ہوں؟ یا دیگر مدارس دینیہ بھی؟ (۲) اگر کوئی شخص کہے کہ یتیم خانہ کے علاوہ دوسرے دینی مدارس میں کسی بھی قسم کا پیسہ لگانا ناجائز و حرام ہے اور جو لوگ ان عربی مدارس کے لئے پیسہ وصول کرتے اور کراتے ہیں وہ سب دوزخی اور بد اعمال ہیں اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) صدقات واجبہ اور زکوٰۃ کے صحیح مصارف فقراء و مساکین وغیرہ ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الخ اور غرباء و مساکین جو علم دین حاصل کرتے ہیں ان کو دینے میں ایک کے بدلے کم سے کم سات سو کا ثواب ہے۔ ھکذا فی الجزء الرابع من الفتاویٰ الرضویہ ص ۵۰۰۔ لہٰذا ایسے طلبہ کو دینے کے لئے تمام مدارس دینیہ میں زکوٰۃ وغیرہ بھیجنا جائز بلکہ افضل ہے خواہ وہ مدارس یتیم خانہ سے موسوم ہوں یا نہ ہوں بلکہ جن مدارس میں غریب طلبہ نہ پڑھتے ہوں ان میں بھی حیلۂ شرعی کے بعد زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے ھکذا فی الجزء الثانی من

ردالمحتار (۲) جو شخص کہ یتیم خانہ کے علاوہ دوسرے دینی مدارس میں کسی بھی قسم کا پیسہ لگانے کو نا جائز و حرام بتاتا ہے اور ایسے مدارس کے لئے پیسہ وصول کرنے والوں کو دوزخی اور بداعمال کہتا ہے وہ گمراہ نہیں تو جاہل ہے اور جاہل نہیں تو گمراہ ہے کہ خدا و رسول جل مجدہ و صلی اللہ علیہ وسلم نے مصارف زکوٰۃ میں یتیم کا ذکر ہی نہیں فرمایا اسی لئے ہر یتیم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور شخص مذکور اتنا بڑا جری ہے کہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف یتیم خانہ ہی کو زکوٰۃ وغیرہ کا مصرف بتاتا ہے اور دوسرے دینی مدارس میں کسی بھی پیسے کے صرف کرنے کو حرام کہتا ہے تو وہ خود جہنمی ہے۔ مسلمانوں کو ایسے شخص سے دور رہنا لازم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ (پ۷، ع۱۴) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹؍محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از آفاق احمد لکھنؤ نمبر ۴

زکوٰۃ کا پیسہ کسی صورت سے مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ کا پیسہ کسی ایسے شخص کو دے دیا جائے جسے زکوٰۃ لینا جائز ہو۔ پھر وہ شخص اپنی طرف سے مسجد میں صرف کرے یا کسی شخص کو صرف کرنے کے لئے دے دے تو اس طرح سے زکوٰۃ کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: زکوٰۃ کا روپیہ مردہ کی تجہیز و تکفین یا مسجد کی تعمیر میں نہیں صرف کر سکتے کہ تملیک فقیر نہیں پائی گئی اور ان امور میں صرف کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو مالک کر دیں اور وہ صرف کرے تو ثواب دونوں کو ہوگا (بہار شریعت حصہ پنجم ص۲۴) اور درمختار مع شامی جلد دوم ص۱۲ میں ہے: حیلۃ التکفن بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹؍ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد جعفر قادری پوسٹ و مقام کھیتاسرائے ضلع جونپور۔

اس قصبہ میں ایک مدرسہ اسکول کی شکل میں آج عرصۂ دراز سے چلتا ہے جس میں حافظہ اور مولویانہ اور پرائمری اردو میڈیم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پرائمری شعبہ میں قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم لازمی دی جاتی ہے۔ شعبۂ پرائمری کو گورنمنٹ سے معمولی ایڈ بھی ملتی ہے اور معمولی فیس بھی بچوں سے لی جاتی ہے اور کچھ معمولی طور پر امدادی چندہ بھی آ جاتا ہے مگر اس مذکورہ رقم سے مدرسین کی تنخواہ پوری نہیں ہو پاتی ہے۔ جس کی بناء پر صدقۂ فطر اور چرم قربانی و زکوٰۃ صدقہ کی رقم وصول کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ رقم مدرسین و حافظ مولوی صاحبان کی تنخواہ میں دی جا سکتی ہے تو پھر اس کے صرف کرنے کا کیا طریقہ ہے برائے کرم فقہ و

حدیث کی روشنی میں جواب ارشاد فرما کر مطمئن فرمائیں؟

الجواب: چرم قربانی مدرسہ میں وصول کرنے کے بعد مدرسین کی تنخواہ اور دارالاقامہ کی تعمیر پر صرف کیا جاسکتا ہے کہ اس کے لئے تملیک شرط نہیں لیکن زکوٰۃ وصدقۂ فطر کو ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۷۶ میں ہے: لایجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل مالاتملیك فیه ولاتجوز ان یکفن بها میت ولایقضی بها دین المیت کذا فی التبیین ملخصًا۔ اگر مال زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور دیگر صدقات واجبہ مدرسین کی تنخواہ اور دارالاقامہ وغیرہ کی تعمیر پر صرف کرنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب آدمی کو دے دیں پھر وہ صرف کرے تو ثواب دونوں کو ملے گا۔ هٰکذا فی ردالمحتار وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۵/ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از سلمان احمد زاہدی باسنی ضلع ناگور (راجستھان)

ہمارے یہاں سنی تبلیغی جماعت کے امام سے ایک جماعت وجود میں آئی جنھوں نے ماہ رمضان المبارک میں چندہ کیا جس میں زکوٰۃ وغیرہ کا پیسہ بھی شامل ہے اسی خرچ سے دیہاتوں میں ٹیکسیوں پر جانا اور وہ غریب امام جو برسوں سے مع اہل و عیال وہاں امامت کرتے ہوں اگر وہ لوگ ان کی سرپرستی کو قبول نہ کریں تو عوام کو ورغلا کر کے وہاں سے امام کو ہٹوا دینا جب کہ مذکورا امام سنی صحیح العقیدہ ہوں ان کو کہا گیا کہ تم اس طرح نہ کرو تو کہتے ہیں کہ جو ہماری سرپرستی قبول نہ کرے گا ہم اس کو ہٹوادیں گے تو بڑے بڑے سنی اداروں کے چندہ کا کیا حال ہوگا جب کہ سنیت کی بقاء ان سے وابستہ ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کے پیسے کو تبلیغ کے لئے ٹیکسی وغیرہ پر خرچ کرنا جائز نہیں کہ اس صورت میں تملیک نہیں پائی جاتی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۷۶ میں ہے: لایجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل مالاتملیك فیه ولایجوز ان یکفن میت ولایقضی بها دین المیت کذا فی التبیین ملخصًا۔ جو امام کہ سنی صحیح العقیدہ ہو اگر کسی سبب سے وہ سنی تبلیغی جماعت کی سرپرستی نہ قبول کر سکے تو صرف اس بنیاد پر اسے امامت سے ہٹوا دینا جائز نہیں۔ وهو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبدالرحمٰن عبدالمجیب صدر جماعت مسلم جونگ گڑھ (گجرات)

جماعت کی طرف سے جماعت کے غریب اشخاص کو زکوٰۃ اور خیرات دی جاتی ہے' اور جماعت نے ایک شخص کو قرض دیا ہے' اور وہ شخص زکوٰۃ کا بھی مستحق ہے تو کیا زکوٰۃ کا پیسہ اس کو دیئے بغیر اور اسے اس کا مالک بنائے بغیر قرض میں وصول کرنے

ہیں، اور کیا اس طرح کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب: جماعت کی طرف سے جماعت کے غریب اشخاص کو زکوٰۃ اور خیرات دی جاتی ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کو جماعت میں دے کر قوم کی ملکیت ٹھہراتے ہیں تو یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کی ادائیگی میں تملیک یعنی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے۔ بہار شریعت جلد پنجم ص ۵۸ پر ہے: بغیر تملیک زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی اور جیسا کہ درمختار کتاب الزکوٰۃ میں ہے: یشترط ان یکون الصرف تملیکاً' اور اگر یہ مطلب ہے کہ جماعت کے صدور وغیرہ مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم کرنے کے لئے وکیل بنائے جاتے ہیں تو یہ جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں جماعت کے صدر وغیرہ کا کسی کو قرض دینا جائز نہیں۔ اوّل اس لئے کہ وہ زکوٰۃ کی تقسیم کا وکیل ہے نہ کہ قرض دینے کا' دوسرے اس لئے کہ مستحق زکوٰۃ کو دینے کے بجائے قرض میں رقم پھنسانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی جو ناجائز و گناہ ہے۔ بہار شریعت جلد پنجم ص ۱۰ میں ہے: زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا گنہگار مردود الشہادۃ ہے' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۶۰ میں ہے: تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یاثم بتاخیرہ من غیر عذر۔ اور اسی طرح درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۳ پر ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کا فقیر کو مالک بنا دیں اس طرح کہ وہ قبضہ بھی کرلے پھر فقیر اپنی خوشی سے جماعت میں اس نیت سے دے دے کہ ہماری یہ رقم غریبوں پر صرف کی جائے' اور حسب استطاعت غریب مسلمانوں کو تجارت وغیرہ کے لئے قرض دی جائے۔ اب وہ رقم فقراء و مساکین پر بھی تقسیم کی جاسکتی ہے' اور غریب لوگوں کو تجارت وغیرہ کے لئے بطور قرض بھی دی جاسکتی ہے۔

صورت مسئولہ میں مستحق زکوٰۃ کو قرض دینا پھر زکوٰۃ کی رقم اسے دیئے بغیر قرض میں مجرا کرنا یہ جائز نہیں ہے۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ اسے زکوٰۃ کا مال دے جب وہ مال پر قبضہ کرلے تو اس سے اپنا قرض وصول کرے اگر وہ دینے سے انکار کرے تو ہاتھ پکڑ کر چھین بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۳ پر ہے: حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا۔ ھٰذا ما عندی والعلم عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی جل جلالہ وصلّی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از عبدالواحد انصاری مدرسہ اسلامیہ مکتب برڈپور ضلع بستی

کیا زکوٰۃ کی رقم مدرسین کی تنخواہ' مدرسہ کے ٹاٹ و چٹائی اور غریب بچوں کی کتاب و کاپی پر خرچ کی جاسکتی ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کی رقم مدرسین کی تنخواہ مدرسہ کے ٹاٹ و چٹائی یہاں تک کہ بعض صورتوں میں غریب بچوں کی کتاب و کاپی میں بھی خرچ کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر زکوٰۃ کی رقم کسی ایسے شخص کو دے دیں جو مالک نصاب نہ ہو پھر وہ شخص مدرسہ میں دے دے تو اب وہ رقم مدرسہ کی ہر ضرورت پر خرچ ہو سکتی ہے۔ ھٰکذا فی کتب الفقہ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ ؍ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از حاجی ریاض الحق صاحب جلال پور۔ ضلع فیض آباد

(۱) مدارس اسلامیہ میں جو رقم زکوٰۃ کی جاتی ہے اس کو تنخواہ مدرسین میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا رقوم زکوٰۃ حیلۂ شرعی کے بعد ضروریات مدرسہ یعنی تعمیر مدرسہ یا اور دیگر کاموں میں صرف کی جا سکتی ہے یا نہیں اور حیلۂ شرعی کی کیا صورت ہے ایسی حالت میں زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ (۳) ہمارے یہاں حیلۂ شرعی اس طرح کیا جاتا ہے کہ چند طلباء کو بلا کر عہد دیا گیا کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ ہے اس کو تم مدرسہ میں دے دو پہلے سے ان کو بتا دیا جاتا ہے وہ لڑکا کہتا ہے کہ میری طرف سے اس کو مدرسہ میں داخل کر دو اور وہ داخل کر لیا گیا۔ کیا حیلۂ شرعی کی یہی صورت ہے یا کچھ اور؟ زکوٰۃ کی اس رقم پر تملیک شرط ہے یا نہیں؟ (۴) بعض جگہ یہ قاعدہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم وصول کر لی گئی مگر مدرسہ میں کوئی طلبہ کے خورد و نوش کا انتظام نہیں ہے وہ زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں تنخواہ اور دیگر کاموں میں صرف کی جاتی ہے ایسے مدرس میں زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور دینے والے پر تاوان پڑے گا یا نہیں اور دینے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بعون الملك الوهاب (۱) زکوٰۃ کی رقم بغیر حیلۂ شرعی مدرسین کی تنخواہ میں ہرگز نہیں صرف کی جا سکتی بہار شریعت حصہ پنجم ص ۵۸ میں ہے: بہت سے لوگ مال زکوٰۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہئے کہ متولی مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلباء پر صرف کرے کسی کام کی اجرت میں نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی انتهٰى بالفاظه والله تعالىٰ ورسولهٗ الاعلىٰ اعلم جل جلاله وصلى المولىٰ تعالىٰ عليه وسلم (۲) مالِ زکوٰۃ حیلہ شرعی کے بعد تعمیر مدرسہ وغیرہ ہر کام میں صرف کیا جا سکتا ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ حیلۂ شرعی کی ایک صورت یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کا فقیر کو مالک بنا دیں اس طرح کہ زکوٰۃ کی رقم اس کے ہاتھ میں رکھ دیں۔ اب وہ اپنی طرف سے ناظم مدرسہ کو صرف کرنے کا وکیل بنا دے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی والله تعالىٰ ورسولهٗ الاعلىٰ اعلم (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے لہٰذا طلبہ سے یہ کہنا کہ یہ مال زکوٰۃ ہے اسے مدرسہ میں دے دو اور انھوں نے دے دیا صحیح نہیں بلکہ نادار بالغ طلبہ کو مال زکوٰۃ دے دیا جائے اور وہ لوگ اس پر قبضہ کر لیں پھر بخوشی مدرسہ میں دے دیں۔ اگر طلبہ نابالغ ہوں تو ان کا مدرسہ میں دینا شرعاً صحیح نہیں اگر دیں گے تو اس مال کا مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۷۸ میں ہے: اذا دفع الزكوٰة الى الفقير لايتم الدفع مالم يقبضها اھ۔ اور درمختار مع شامی جلد چہارم ص ۵۳۱ میں ہے: لاتصح هبة صغير اھ۔ هٰكذا ماعندى والعلم بالحق عندالله تعالىٰ ورسولهٗ جل جلاله وصلى المولىٰ عليه وسلم (۴) جن مدارس میں مال زکوٰۃ طلبہ پر نہیں صرف کیا جاتا اور اراکین مدرسہ بغیر حیلۂ شرعی کے دیگر کاموں میں صرف کرتے ہیں اور زکوٰۃ دینے والے کو اس بات کا علم ہے تو ایسے مدارس میں زکوٰۃ

دینا جائز نہیں اگر دی تو تاوان دینا پڑے گا اگر تاوان نہیں دے گا تو گنہگار ہوگا هٰذا خلاصة ما فی الكتب الفقهية. والله تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم جل جلاله و صلی المولیٰ علیه وسلم

کتبه: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از حاجی مدار بخش عبد الکریم محمد امین مرزا منڈی کالپی (ضلع جالون)

سوتیلی ماں کو زکوٰۃ کا روپیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد ثانی ص ۶۳ میں تاتارخانیہ سے ہے: يجوز دفعها لزوجة ابيه اه۔ وهو تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم بالصواب۔

کتبه: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد شفیع خاں موضع پپری پوسٹ بنکسری۔ ضلع گونڈہ

ایک دینی مدرسہ قائم کیا گیا ہے جس میں امیر و غریب سبھی طلبہ ناظرہ قرآن کریم، اردو اور ہندی وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ غریب طلبہ کے لیے مدرسہ کی طرف سے کاپی اور کتاب وغیرہ کا انتظام بھی کیا جاتا ہے تو اس مدرسہ میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور عشر کا غلہ یا اس کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور عشر کی ادائیگی کے لئے تملیک یعنی مسکین وغیرہ کو مالک بنا دینا شرط ہے بغیر تملیک یہ ادا نہیں ہو سکتے لہٰذا مدرسہ تعمیر کرنے، مدرسین کی تنخواہ دینے یا کتاب وغیرہ خرید کر مدرسہ پر وقف کر دینے کے لئے مدرسہ کے منیجر کو زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور عشر دینا جائز نہیں۔ البتہ جو لوگ مالک نصاب نہ ہوں ان کے نابالغ بچوں کو کتاب وغیرہ دینے کے لئے منیجر مذکور کو اس قسم کی رقم دینا جائز ہے، اور بالغ بچے جو مالک نصاب نہ ہوں ان کے لئے بھی جائز ہے اگر مدرسہ بنوانے، مدرسین و ملازمین کو تنخواہ دینے، جو لوگ مالک نصاب ہوں ان کے نابالغ بچوں کو کتاب وغیرہ دینے یا بالغ مالک نصاب بچوں پر خرچ کرنے کے لئے دیا تو زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور عشر ادا نہ ہوئے۔

حضرت صدر الشریعہ تحریر فرماتے ہیں: ''بہت سے لوگ مال زکوٰۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہئے کہ متولی مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صرف کرے کسی کام کی اجرت میں نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (بہار شریعت حصہ پنجم مطبوعہ لاہور ص ۵۸) وهو تعالٰی اعلم

کتبه: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ / ذی القعدہ ۱۳۹۹ھ

مسئله: از پیر محمد ٹیلر ماسٹر پوسٹ ومقام کوٹڑی ضلع بھیلواڑہ (راجستھان)
زکوٰۃ اور صدقۂ فطر مسجد کی کسی ضرورت میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ان رقموں سے امام کا مشاہرہ ادا کرنا چاہیں تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعون الملک الوهاب زکوٰۃ اور صدقۂ فطر مسجد کی ضروریات میں صرف نہیں کر سکتے اور نہ ان رقموں سے امام کا مشاہرہ ادا کر سکتے ہیں اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے' اور ان صورتوں میں تملیک نہیں پائی جاتی۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۷۶ میں ہے: لایجوز ان یبنیٰ بالزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل مالاتملیك فیه۔ اگر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا چاہیں تو اس کی یہ صورت ہے کہ کسی غریب آدمی کو زکوٰۃ اور صدقۂ فطر دے دیں پھر وہ اپنی طرف سے مسجد میں دے دے۔ اب وہ رقم مسجد کی ہر ضرورت اور امام کے مشاہرہ وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں کوئی حرج نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئله: از حیدر علی متعلم دار العلوم منظر اسلام التفات گنج۔ ضلع فیض آباد۔
ہندہ یتیم ہے بکر مالک نصاب ہے' اور وہ ہندہ کا سرپرست ہے تو کیا بکر ہندہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ اور اس سے حیلۂ شرعی کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بکر جو مالک نصاب ہے وہ ہندہ یتیمہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ یتیمہ نہ مالک نصاف ہو نہ سیّدہ ہو اور نہ ہاشمیہ اور نہ بکر کی اولاد کی اولاد ہو' مگر اس سے حیلۂ شرعی کرنا صحیح نہیں کہ مال زکوٰۃ پر قبضہ کرنے کے بعد جب وہ بکر کو دے گی تو ہبہ ہوگا اور نابالغ کا ہبہ صحیح نہیں۔ جیسا کہ درمختار مع شامی جلد چہارم ص ۵۳۱ میں ہے: لاتصح هبة صغیر اھ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئله: از علی احمد مدرس مدرسہ فیض العلوم بیٹھی راوت ضلع گورکھپور
زکوٰۃ وفطرہ کی رقم براہ راست مدرسہ کی تعمیر ومدرسہ کے مدرسین کی تنخواہ میں صرف کیا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ اگر صرف کیا جا سکتا ہے تو کیوں اگر نہ صرف کیا جا سکتا ہو تو کیوں؟ اس کا جواب مدلل ومفصل قرآن وحدیث کی روشنی میں چاہئے۔

الجواب: زکوٰۃ وفطرہ کی رقم کو براہ راست مدرسہ کی تعمیر یا مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرنا جائز نہیں اس لئے کہ زکوٰۃ و فطرہ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے' اور ان صورتوں میں تملیک نہیں پائی جاتی۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۷۶ میں ہے: لایجوز ان یبنیٰ الزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل مالا تملیك فیه کذا فی التبیین ملخصًا' اور بہار شریعت

حصہ پنجم ص ۵۸ میں درمختار وغیرہ سے ہے کہ بغیر تملیک زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی پھر تحریر فرمایا کہ بہت سے لوگ مال زکوٰۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہئے کہ متولی مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صرف کرے کسی کام کی اجرت میں نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی' اور اسی بہار شریعت حصہ پنجم ص ۲۴ میں ردالمحتار سے ہے۔ زکوٰۃ کا روپیہ مردہ کی تجہیز و تکفین یا مسجد کی تعمیر میں نہیں صرف کر سکتے کہ تملیک فقیر نہیں پائی گئی اور ان امور میں صرف کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو مالک کریں اور وہ صرف کرے ثواب دونوں کو ہوگا۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷/ ذی القعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد حسین خاں موضع نگرہ پوسٹ رام پور۔ ضلع بستی (یو۔ پی)

ایک دینی مدرسہ ہے جس میں غریب طلباء کے کھانے کا انتظام نہیں ہے اس کے باوجود چندہ سے اس کا خرچ پورا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر اس میں چرم قربانی، زکوٰۃ، غلہ کا عشر اور صدقۂ فطر خرچ کرنا چاہیں تو اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب: چرم قربانی بغیر حیلۂ شرعی کے مدرسہ میں دے سکتے ہیں اس لئے کہ چرم قربانی میں تملیک شرط نہیں' اور زکوٰۃ، غلہ کا عشر و صدقہ فطر سے اگر اس کی مدد کرنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس قسم کی رقمیں کسی ایسے شخص کو دے دیں جو مالک نصاب نہ ہو اور نہ بنی ہاشم سے ہو۔ وہ شخص ان رقموں پر قبضہ کرے پھر اپنی طرف سے وہ مدرسہ میں دے دے اس طرح ثواب دونوں کو ملے گا اور مدرسہ کا کام بھی چل جائے گا الاشباہ والنظائر ص ۴۰۷ میں ہے: والحیلة فی التکفین بها التصدق علیٰ فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المساجد اھ، وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از نعمان احمد زاہدی چشتی القادری مکان نمبر ۷۹۳ ہریجن داس کا ناکہ سوداگر پول کے قریب۔ جمال پور

بیت المال کی رقم تبلیغ دین پر خرچ کی جا سکتی ہے؟ جب کہ مبلغین حضرات خود صاحب نصاب ہوں تو پھر بھی اپنی جیب سے ایک پائی بھی خرچ نہ کرنا اور رمضان شریف میں جیپ گاڑی خصوصاً لے کر ادھر ادھر گھومتے پھرنا اور یہ کہنا ہم تو صرف کلمہ اور نماز کی تبلیغ کرتے ہیں اور بے تحاشہ بیت المال کی رقم کو خرچ کرتے ہیں۔

الجواب: اگر بیت المال کی رقم میں زکوٰۃ و فطر بھی شامل ہے تو اس کو مبلغین کی تبلیغ پر خرچ کرنا جائز نہیں کہ زکوٰۃ و فطر میں تملیک شرط ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۷۶ میں ہے: لایجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا الحج وکل مالا تملیك فیه' اور اگر بیت المال کی رقم میں زکوٰۃ و فطرہ شامل نہیں تو عطیات کی رقم جو دینی ضرورتوں کے لئے جمع ہے اس میں سے بقدر ضرورت مبلغین پر خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ گمراہ و بدمذہب نہ ہوں ورنہ کوئی رقم ان پر خرچ

کرنا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از سیّد نصر اللہ قادری مدرسہ اشاعت الاسلام محمد ڈیہہ پوسٹ رہرا بازار ضلع گونڈہ۔

جس مدرسہ میں زکوٰۃ، فطرہ اور عشر کا غلہ جمع ہوتا ہے اس مدرسہ کے مطبخ سے مدرسین کو کھانا کھلانا اور زکوٰۃ وغیرہ کی رقم سے ان کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مدرسین کا کھانا اور تنخواہ ان کے کام کی اجرت ہے، اور زکوٰۃ وغیرہ کے پیسے و غلے کو اجرت میں دینا لینا جائز نہیں لہٰذا زکوٰۃ، فطرہ اور عشر کی رقم کو اگر منتظمین مدرسہ نے بلا حیلۂ شرعی مدرسین کی تنخواہ اور کھانے پر خرچ کیا تو وہ گنہگار ہوئے اور مدرسین نے جان بوجھ کر لیا اور کھایا تو وہ بھی گنہگار ہوئے اور اس طرح زکوٰۃ وغیرہ بھی ادا نہیں ہوئی بہار شریعت حصہ پنجم مطبوعہ لاہور ص ۸۵ پر ہے: بہت سے لوگ مال زکوٰۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہئے کہ متولی مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صرف کرے کسی کام کی اجرت میں نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اھ۔ لہٰذا جس مدرسہ میں زکوٰۃ، فطرہ اور عشر جمع ہو اس کے منتظمین پر لازم ہے کہ پہلے حیلۂ شرعی کریں یعنی اس قسم کی سب رقم کسی غریب کو دے دیں وہ ان پر قبضہ کرے پھر مدرسہ کو دے دے اب وہ رقم تنخواہ وغیرہ مدرسہ کی جس ضروریات پر چاہیں صرف کر سکتے ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از مولوی حکیم قاضی محمد خلیل پٹھان قادری رحمانی خطیب مسجد جامع درگاہ شریف ماہم بمبئی نمبر ۱۶

کیا زکوٰۃ کی رقم سے یتیم خانہ کے بچوں کو کپڑے بنوا کر دے سکتے ہیں؟

الجواب: زکوٰۃ کی رقم سے کپڑے بنوا کر یتیم خانہ کے بچوں کو مالک بنا دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ وہ بچے مالک نصاب نہ ہوں، نہ سیّد ہوں، نہ ہاشمی ہوں نہ زکوٰۃ دینے والے کی اولاد کی اولاد ہوں اور نہ کسی مالک نصاب کی نابالغ اولاد ہوں کہ یتیم خانوں میں یتیم کے نام پر بعض غیر یتیم بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۸؍ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از مولانا محمد میاں بمقام ہمت نگر ضلع سابر کانٹھا (گجرات)

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم حضرت قبلہ وکعبہ کونین سرپرست اسلام بزرگ و برتر پیشوائے دین وملت امام اہلسنت والجماعت حضور مفتی دارالعلوم فیض الرسول بعد آداب وسلام کے خدمت اقدس میں عرض حال یہ ہے کہ مندرجہ ذیل سوال کے جواب سے ممنون ومشکور فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بہترین جزائے کاملہ عطا فرمائے (آمین) ہمارے قریب کے ایک گاؤں کھیڑ (چاندونی) میں مدرسہ بنانے کے لئے کچھ رقم جمع کی ہے یعنی چندہ وصول کیا ہے لیکن اس چندے کی رقم میں زکوٰۃ والی رقم اور للہ والی رقم کتنی ہے معلوم نہیں اور اسی حالت میں عمارت کا کام شروع کردیا ہے اور اس میں تقریباً ۳۹۷۱-۴۴ خرچ ہوگیا ہے اور تقریباً......۴۹۳۲ روپئے کا مال سامان بھی یعنی سیمنٹ، لوہا، پتھر اور اینٹ وغیرہ خریدا ہوا تیار ہے لیکن انھیں بعد میں معلوم ہوا کہ جو رقم ہمارے پاس آئی ہے اس میں زکوٰۃ یا للہ کی رقم کتنی ہے اور بغیر حیلہ کے اسے خرچ نہیں کرسکتے لیکن جو عمارت بنانی شروع کی ہے اسے اب بنانا بند کردیا ہے اس لئے کہ اب تک جو سامان عمارت کے بنانے میں خرچ کردیا ہے اور جو سامان باقی ہے اس کے حیلہ کا اب کیا طریقہ کیا جائے؟ اور کس طریقہ سے حیلہ کیا جائے؟ کیا جو سامان موجود ہے اور جو عمارت بنائی اسے کسی مسلم کے ہاتھ فروخت کرکے اس رقم کو پھر حیلہ کریں اور حیلہ کرنے کے بعد پھر اس مال، سامان کو اور جو عمارت بنائی ہے اسے پھر سے خرید لیں کیا اس طریقہ سے حیلہ ہوجائے گا یا نہیں؟ برائے کرم حیلہ کا صحیح اور آسان طریقہ ارشاد فرماکر ممنون ومشکور فرمائیں۔ فقط والسلام

الجواب: صورت مستفسرہ میں حیلۂ شرعی کی آسان صورت یہ ہے کہ زیر تعمیر عمارت اور کل تعمیری سامان کسی ایسے مسلمان کو دے دیا جائے جو مالک نصاب نہ ہو اور سیّد بھی نہ ہو۔ وہ مسلمان ان چیزوں پر قبضہ کرلے پھر مدرسہ کے ناظم کو تعمیری سامان اور عمارت مدرسہ بنانے کے لئے دے دے یا کچھ روپے کے بدلے زیر تعمیر عمارت اور کل سامان اس سے خرید لیں اس طرح حیلۂ شرعی ہوجائے گا۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد ضیاء اللہ منیجر مدرسہ عربیہ اہلسنت فیض العلوم غازی پور۔ گونڈہ

صدقہ وغیرہ کی رقموں سے دینی کتابیں خریدنا کیسا ہے؟ نیز زید ایام حصول علم میں صدقہ وغیرہ کی رقمیں اپنے مصرف میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صدقۂ نافلہ کو ہر جائز کام میں صرف کرنا جائز ہے، اور صدقۂ واجبہ مثلاً صدقۂ فطر، زکوٰۃ اور عشر کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے، لہٰذا اگر صدقۂ واجبہ سے کتابیں خریدی گئیں تو اسے کسی غریب کی ملکیت میں دینا ضروری ہے اور طالب علم دین اگر بالغ اور مالک نصاب ہے یا نابالغ ہے اور اس کا باپ مالک نصاب ہے تو صدقۂ واجبہ کو اپنے مصرف میں نہیں لاسکتا اور اگر بالغ ہے اور مالک نصاب نہیں ہے تو صدقۂ واجبہ کو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم

کتبہ: محمد عیسیٰ رضوی

۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از سیکرٹری نظام الدین مدرسہ تعلیم القرآن بڑی مسجد جونا رسالہ۔ اندور (ایم پی)

بیت المال میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ اور چرم قربانی کی رقم بھی جمع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس رقم کا استعمال مستحقین کے علاوہ ایسے مسلمان حاجت منداں کو جو تجارت وغیرہ میں اچھی اہلیت رکھنے کے باوجود کمئی سرمایہ کے باعث ترقی کرنے سے مجبور ہیں۔ ان ضرورت منداں کی بیت المال کی رقم سے بطور قرض امداد کی جائے تو شرعاً کن شرائط پر جائز ہے؟ اور بعد ہونے خود کفیل کے رقم واپس جمع کرادی جائے، اس طرح بہت سے مسلمان کاروبار میں کافی ترقی کرنے کے آرزومند ہیں کاش کوئی صورت جواز جو عین مطابق شرع شریف کے ہو آگاہ فرمانے کی زحمت فرمائیں۔ فقط والسلام

الجواب: بعون الملك الوهاب. زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کو بیت المال میں دے کر قوم کی ملکیت ٹھہرانا جائز نہیں اس لئے کہ ان کی ادائیگی میں تملیک یعنی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے جیسا کہ درمختار کتاب الزکوٰۃ میں ہے: کہ "یشترط ان یکون الصرف تملیکاً۔ ہاں ناظم بیت المال کو مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے لیکن اس صورت میں ناظم بیت المال کا دوسرے کو قرض دینا جائز نہیں اوّل اس لئے وہ زکوٰۃ کی تقسیم کا وکیل ہے نہ کہ قرض دینے کا دوسرے اس لئے کہ مستحقین زکوٰۃ کو دینے کے بجائے قرض میں پھنسانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی جو ناجائز گناہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۶۰ میں ہے: تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یاثم بتاخیرہ من غیر عذر' اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۳ پر ہے: افتراضها عمری ای علی التراخی وصححه الباقانی وغیرہ وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیه الفتویٰ کما فی شرح الوهبانیه فیاثم بتاخیر بلا عذر وترد شهادته۔ لہٰذا زکوٰۃ کا مال بذریعہ بیت المال اگر قرض دینا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ کا فقیر کو مالک بنا دیں اس طرح کہ وہ قبضہ بھی کرلے پھر فقیر اپنی خوشی سے بیت المال میں اس نیت سے دے دے کہ ہماری یہ رقم غریبوں پر صرف کی جائے اور حسب استطاعت نادار مسلمانوں کو تجارت وغیرہ کے لئے قرض دی جائے اب وہ رقم فقراء ومساکین پر بھی تقسیم کی جاسکتی ہے' اور نادار لوگوں کو تجارت وغیرہ کے لئے بطور قرض بھی دی جاسکتی ہے هٰذا خلاصة ماقال فی بهار شریعت والدر المختار وردالمحتار۔ واللّٰه تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم جلا جلاله وصلی اللّٰه علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸؍ ربیع الآخر ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از محمد عثمان رضوی علی منزل ماڑی پور مظفر پور (بہار)

(۱) زکوٰۃ کی رقم کو کسی مردے کے کفن پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہاں تو اس کے خرچ کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ زید کے مکان کے سامنے ایک ایسے آدمی کا انتقال ہو گیا کہ اس کی میت کا کوئی وارث نہیں۔ صاحب مکان کے پاس (جس شخص کے مکان کے سامنے اس کا انتقال ہوا ہے) زکوٰۃ کی مد کی رقم ہے، میت ننگا ہے اس کے کفن کے لئے کوئی کپڑا نہیں ہے۔ نہ زید کے پاس علاوہ زکوٰۃ کی رقم کے کوئی روپیہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ میت کو بلا کفن دفن کر دیا جائے یا زکوٰۃ کی رقم سے اس کے لئے کفن کا انتظام کیا جائے۔ اسی طرح ایک قبرستان ہے جس کے گرداگرد مشرکین آباد ہیں، وہ صبح وشام قبروں کی بے حرمتی کرتے ہیں، اس قبرستان کا احاطہ زکوٰۃ کی رقم سے بنوایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ہاں تو پھر اس کے بنوانے اور خرچ کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟
(۲) زید کا کہنا ہے کہ طالب علم نادار پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا کیوں کر جائز ہو گیا اور اگر جائز بھی ہوا تو اس حد تک سمجھ میں بات آتی ہے کہ مسائل ضروریہ سے واقف ہو لیکن عالم وفاضل کی سند حاصل کرنے تک زکوٰۃ کی رقم کو اس پر خرچ کرنا کس صورت سے جائز ہو سکتا ہے؟ جواب مدلل ومفصل تحریر فرمایا جائے۔

الجواب: (۱) مردہ کی تجہیز وتکفین یا قبرستان کی چہار دیواری میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس لئے کہ تملیک نہیں پائی جاتی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۷۶ میں ہے: لایجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل مالا تملیك فیه ولا یجوز ان یکفن بها میت ولایقضی بها دین المیت کذا فی التبیین ملخصًا۔ لہٰذا کفن اور قبرستان کے احاطہ کے لئے مسلمان سے چندہ کر لیا جائے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو زکوٰۃ کی رقم کسی ایسے شخص کو دے دیں جو صاحب نصاب نہ ہو پھر وہ اپنی طرف سے ان چیزوں میں صرف کرے ثواب دونوں کو لے گا۔ هٰکذا فی ردالمحتار و بهار شریعت. واللّٰہ تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم (۲) زکوٰۃ کے مصارف فقراء ومساکین وغیرہ ہیں جیسا کہ قرآن کریم پارہ دہم رکوع چہاردہم میں ہے: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ تو طالب علم اگر نادار ہے خواہ مبتدی ہو یا منتہی قرآن کریم کی آیت کریمہ کے مطابق زکوٰۃ کی رقم اس پر صرف کرنا جائز ہے بلکہ عالم دین اگر نادار وغریب ہے تو وہ جاہل کو دینے سے اعلم کو دینا افضل ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۷۵ میں ہے: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاهل کذا فی الزاهدی' اور زید جو کہتا ہے کہ طالب علم نادار پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا کیوں کر جائز ہو گیا تو اس کلام کا تیور بتا رہا ہے کہ پہلے جائز نہیں تھا بعد میں جائز ہو گیا حالانکہ قرآن جو کہ ازلی اور ابدی ہے اس میں فقیر مسکین یعنی نادار پر زکوٰۃ صرف کرنے کو واضح طور پر بتایا گیا ہے۔ خواہ نادار طالب علم ہو یا غیر طالب علم' اور پھر زید کو اس طرح دریافت کرنا چاہئے کہ نادار طالب علم پر عالم وفاضل کی سند حاصل کرنے تک زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔ مگر اس طرح دریافت کرنے کے بجائے یوں کہتا ہے: زکوٰۃ کی رقم اس پر خرچ کرنا کس صورت سے جائز ہو سکتا ہے؟ تو زید کا یہ انداز کلام کسی پوشیدہ امر کی خبر دے رہا ہے زید پر لازم ہے کہ اس قسم کے کلام سے احتراز کرے ورنہ گمراہی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ هٰذا ما عندی العلم عند اللّٰہ تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی جل جلاله وصلی اللّٰہ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ
۲۹؍ من شوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از ڈاکٹر الٰہی بخش محلہ گیوال بیگہ گیا۔

(۱) فطرہ کا پیسہ کن کن مدوں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ (۲) صدقہ کا پیسہ کن کن مدوں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ (۳) چرم قربانی کا روپیہ کن کن مدوں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ (۴) زکوٰۃ کا روپیہ کن کن مدوں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: بعون الملک الوھاب (۱، ۴) زکوٰۃ اور صدقہ فطر جن لوگوں پر صرف کیا جاسکتا ہے ان میں سے چند یہ ہیں: نمبر۱: فقیر یعنی وہ شخص کہ جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن نصاب بھر نہ ہو۔ نمبر۲: مسکین یعنی وہ شخص کہ جس کے پاس کھانے کے لئے غلہ اور بدن چھپانے کے کپڑا بھی نہ ہو۔ (۳) قرضدار یعنی وہ شخص کہ جس کے ذمہ قرض ہو اور اس کے پاس قرض سے فاضل کوئی مال بقدر نصاب نہ ہو۔ نمبر۴: مسافر کہ اس کے پاس سفر کی حالت میں مال نہ رہا اس پر بقدر ضرورت صرف کیا جاسکتا ہے، اور جن لوگوں پر زکوٰۃ وصدقۂ فطر صرف نہیں کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہیں۔ نمبر۱ مالدار یعنی وہ شخص جو مالک نصاب ہو نمبر۲ سادات کرام۔ نمبر۳ بنی ہاشم یعنی حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس وحارث بن عبدالمطلب کی اولاد پر زکوٰۃ وصدقۂ فطر نہیں صرف کیا جاسکتا۔ نمبر۴ اپنی اصل اور اپنی فرع یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہم اور بیٹا بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا نواسی پر نہیں صرف کیا جاسکتا۔ نمبر۵: عورت اپنے شوہر پر اور شوہر اپنی عورت پر اگرچہ مطلقہ ہو تا وقتیکہ عدت میں ہو زکوٰۃ وصدقۂ فطر نہیں صرف کیا جاسکتا ہے۔ نمبر۷: کافر وہابی یا کسی دوسرے مرتد اور بدمذہب پر نہیں صرف کیا جاسکتا، نیز زکوٰۃ وصدقۂ فطر کا مال مردہ کی تجہیز وتکفین یا مسجد ومدرسہ کی تعمیر میں نہیں لگایا جاسکتا جیسا کہ ہماری کتاب "انوار الحدیث" ص ۱۹۲، اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۷۶ میں ہے: لاتجوز ان یبنیٰ بالزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل مالاتملیک فیہ ولاتجوز ان یکفن بھا میت ولا یقضیٰ بھا دین المیت کذا فی التبیین۔ ہاں اگر زکوٰۃ وصدقۂ فطر کا مال مسجد ومدرسہ وغیرہ کی تعمیر میں صرف کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو دے دیں جو مالک نصاب نہ ہو پھر وہ صرف کرے تو ثواب دونوں کو ملے گا۔ (ردالمحتار، بہار شریعت) (۲) صدقہ کی دو قسمیں ہیں۔ صدقۂ واجبہ اور صدقۂ نافلہ۔ صدقۂ واجبہ مثلاً کسی نے نذر مانی کہ میرا لڑکا تندرست ہوگیا تو میں اتنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا تو اس مال کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ وصدقۂ فطر کے مصارف ہیں، اور صدقۂ نافلہ: اسے مردہ کی تجہیز وتکفین اور مدرسہ ومسجد کی تعمیر میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (۳) قربانی کرنے والا چرم قربانی کو بیچنے سے پہلے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، اور امیر وغریب کسی کو بھی دے سکتا ہے، لیکن اگر بیچ ڈالا تو اس کی نیت دیکھی جائے گی۔ اگر صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا ہے تو امیر وغریب اور مسجد ومدرسہ وغیرہ کی تعمیر پر بھی صرف کرسکتا ہے، اور اگر پیسہ کو اپنی ضرورت میں صرف کرنے کے لئے بیچا ہے تو اس صورت میں وہ پیسہ صرف انھیں لوگوں پر صرف کیا جاسکتا ہے کہ جن پر زکوٰۃ وصدقۂ فطر صرف کیا جاتا ہے۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عند

الہادی ورسولہ الہادی جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۱۸ رشوال ۱۳۹۴ھ

مسئلہ: از سید صدر عالم جھونسی الہ آباد

زید کچھ کتابیں مثلاً بہار شریعت وغیرہ عوام کے فائدہ اور ایمان کی حفاظت کے لئے فطرہ و قیمت چرم قربانی وزکوٰۃ کے روپیے سے منگانا چاہتا ہے، منگا سکتا ہے یا نہیں شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں؟ بینوا توجروا۔ و جزاکم اللہ خیراً۔

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ فطرہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک یعنی کسی غریب کو مالک بنادینا شرط ہے لہٰذا اگر زکوٰۃ وفطرہ کی رقم سے کتاب منگائی گئی تو کتاب کسی غریب کو دے دی جائے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لایجوز ان یبنیٰ بالزکوٰۃ المسجد والحج وکل مالا تملیک فیہ۔ رہی چرم قربانی کی رقم تو اگر چرم قربانی صدقہ کرنے کی نیت سے فروخت کیا تو اس رقم کی تملیک واجب نہیں یعنی اس رقم کی کتاب لوگوں کے پڑھنے کے لئے منگائی جا سکتی ہے اور اگر چرم قربانی کو اس نیت سے فروخت کیا کہ اس کی رقم اپنی ضروریات میں صرف کرے گا تو اس رقم کا صدقہ کرنا واجب اور اس میں تملیک ضروری ہے لہٰذا اس قسم کی رقم اور زکوٰۃ وفطرہ کی رقم سے کتاب منگانے کا شرعی حیلہ یہ ہے کہ رقم کسی ایسے شخص کو دے دی جائے جو مالک نصاب نہ ہو اور نہ بنی ہاشم ہو پھر وہ اپنی طرف سے کتاب منگا کر عوام کے لئے وقف کر دے اس طرح دونوں کو ثواب ملے گا ایسا ہی شامی اور بہار شریعت وغیرہ میں ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۱۰ رصفر المظفر ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از عبد القدوس صدیقی رضوی مقام وپوسٹ بادم ضلع ہزاری باغ (بہار)

ہندوستان کے کفار حربی ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور صدقۂ نافلہ ان کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ہندوستان کے کفار حربی ہیں۔ اس لئے کہ کفار کی تین قسمیں ہیں۔ ذمی، مستامن اور حربی۔ ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جس کے جان و مال کی حفاظت کا بادشاہ اسلام نے جزیہ کے بدلے ذمہ لیا ہو، اور مستامن اس کافر کو کہتے ہیں جسے بادشاہ اسلام نے امان دی ہو، اور ہندوستان کے کافروں کے لئے نہ بادشاہ اسلام کا ذمہ ہے اور نہ امان۔ اس لئے وہ حربی ہیں جیسا کہ رئیس الفقہاء حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عالمگیر شہنشاہ اورنگزیب علیہ الرحمہ کے زمانہ کے کافروں کے بارے میں لکھا: ان ھم الاحربی وما یعقلھا الا العالمون (تفسیرات احمدیہ ص ۳۰۰) اور جب زمانۂ عالمگیر کے کفار حربی ہیں تو اس زمانے کے کفار بدرجۂ اولیٰ حربی ہیں انھیں زکوٰۃ، صدقۂ فطر، اور کسی قسم کا صدقۂ واجبہ دینا جائز نہیں اور نہ صدقۂ نافلہ

ذمی کافر کو نہ زکوٰۃ دے سکتے ہیں نہ کوئی صدقہ واجبہ جیسے نذر و کفارہ و صدقۂ فطر جیسا کہ بہار شریعت حصہ پنجم ص ۶۳ میں ہے: اور کافر حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں نہ واجبہ نہ نفل اگر چہ وہ دارالاسلام میں بادشاہ اسلام سے امان لے کر آیا ہو۔ اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۶۷ پر ہے: اما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لاتجوز له اتفاقاً بحر عن الغایۃ وغیرھا. وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۶؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از عابد علی پوسٹ و مقام لہرن ضلع بستی

زید بزنس کے واسطے باہر گیا ہا تھا اس کی عدم موجودگی میں گھر چوری ہوگئی اطلاع پا کر گھر روا پس آیا اور اپنی زبان سے بے ساختہ کہا۔ کہ اللہ...... اس کی کتاب...... اللہ نے...... کیا رسول...... اور کہا کہ میں نے عالموں سے سنا تھا کہ زکوٰۃ کے مال میں چوری نہیں ہوتی اسی وقت بکر نے زید سے کہا کہ تم توبہ کر ڈالو یہ کلمہ کفر ہے زید نے اسی وقت توبہ کی زید کے گاؤں میں ایک عالم ہیں انھوں نے یہ کلمات سن کر کہا کہ زید کافر ہو گیا اسلام سے خارج ہے اگر بقول عالم صاحب زید اسلام سے خارج ہو گیا تو اسلام میں آنے کا طریقہ تحریر فرمائیں؟

الجواب: بیشک بیشک مولیٰ تعالیٰ جل جلالہ سب سچوں سے بڑھ کر سچا، اس کا کلام پاک سچا، اس کے پیارے حبیب سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچے، پیارے رسول کا پیارا کلام سچا، بیشک جس حلال مال کی زکوٰۃ شریعت کے مطابق ادا کر دی جائے وہ مال محفوظ ہے، رہا وہ مال جو خلاف شرع طریقہ یا ناجائز تجارت سے حاصل ہو اس کی اگر چہ زکوٰۃ دے دی جائے لیکن وہ محفوظ نہیں۔ یوں ہی وہ حلال مال بھی محفوظ نہیں جس کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں خامی ہو...... سوال میں زید کے گستاخانہ کلمات نقل کئے گئے ان کو استعمال کرنے کے باعث زید کافر و مرتد ہو گیا اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، زید پر توبہ و تاسیس ایمان و اعادہ نکاح فرض ہے، زید اس طرح توبہ کرے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں ایمان لایا اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا معبود ہے وہی سارے جہان کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ سچا ہے، اس کی کتاب سچی ہے، اس کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ پیارے رسول کا کلام سچا ہے، میں دین اسلام کے تمام حکموں پر ایمان لایا اور ان تمام حکموں کو دل سے مانتا ہوں، یا اللہ! یا رحمٰن! یا رحیم! چوری ہو جانے کی وجہ سے گستاخی کے جو الفاظ میں بولا ہوں وہ کفر کے الفاظ ہیں میں ان الفاظ سے بیزار ہوں میں نادم ہوں، میں توبہ کرتا ہوں میں دین اسلام کے خلاف ہر بولی سے ہمیشہ ہمیشہ پرہیز کروں گا یا اللہ! اپنی مہربانی سے میری توبہ قبول فرما لے (آمین) اللھم صلی علیٰ سیّدنا محمد وعلیٰ ال سیّدنا محمد وبارك وسلم۔ یا رسول اللہ! میں حضور کا گنہگار غلام ہوں حضور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری معافی کے لئے شفاعت فرما دیں۔ توبہ کر لینے کے بعد زید اپنی عورت سے نئے مہر پر نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: بدرالدین احمد الرضوی

۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ

نوٹ: سوال پڑھنے کے بعد کلمات کفریہ مٹادیئے گئے کہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ۱۲

مسئلہ: از اختر حسین قادری مقام و پوسٹ چاکسو ضلع جے پور (راجستھان)

ایک صاحب مالک نصاب ہیں ان پر زکوٰۃ فرض ہے' اور وہ اپنی زکوٰۃ کی رقم نکالنا چاہتے ہیں لیکن ابھی تک اس مال پر پورا سال نہیں گزرا ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی زکوٰۃ قبول نہیں کیوں کہ ابھی مال پر ایک سال نہیں گزرا ہے۔ جو شریعت مطہرہ کا حکم ہو تحریر فرمائیں؟

الجواب: شخص مذکور اگر سال گزشتہ مالک نصاب تھا جس پر سال پورا ہو چکا اب نئے سال کے درمیان اسی جنس کا کچھ اور مال حاصل ہوا تو اس نئے مال کا سال جدا نہیں ہوگا بلکہ پہلے مال کا ختم سال اس کے لئے بھی سال تمام ہے اگر چہ سال تمام سے ایک ہی منٹ پہلے حال ہوا ہو' اور اگر سال گزشتہ مالک نصاب نہیں تھا امسال ہوا تو تا ل پر سال گزرنے کے بعد ادائیگی واجب ہوگی' اور مالک نصاب پر پرانا ہو یا نیا بہر صورت سال تمام سے پہلے پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۶۴ میں ہے: من كان له نصاب فاستفاد فى اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الى ماله وزكاة هكذا فى الجوهرة النيرة' اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: اولیت چاہے تو سال تمام ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرے اس کے لئے بہتر ماہ مبارک رمضان ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر فرضوں کے برابر (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۴۳۹) وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم وعلمه اتم واحكم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶؍ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از نذر حیات قادری دارالعلوم غوثیہ رضویہ کورہی ضلع باندہ

غلہ کے عشر کے لئے نصاب کی کوئی شرط ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کم از کم کتنے غلہ پر عشر واجب ہوتا ہے؟ بينوا توجروا

الجواب: غلہ کے عشر کے لئے نصاب کی شرط نہیں۔ کم سے کم ایک صاع بھی پیدا ہو تو عشر واجب ہو جائے گا در مختار میں ہے: تجبب بلاشرط نصاب' اور ردالمحتار جلد دوم ص ۴۹ میں ہے: يجب فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعاً. وهو تعالىٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷؍رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از سمیع اللہ موضع جلالہ ضلع فتح پور

سبزیوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حساب سے نکالنی چاہئے؟

الجواب: سبزیوں میں اور تمام ترکاریوں میں زکوٰۃ واجب ہے جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۷۴ میں ہے: یجب العشر عند ابی حنیفة رحمة اللّٰہ علیہ فی کل ماتخرجہ الارض من الحنطة والشعیر والدخن والارز واصاف الحبوب والبقول قل اوکثر ھٰکذا فی فتاوٰی قاضی خان اھ ملخصًا۔ یعنی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک گیہوں، جو، باجرا، دھان اور ہر قسم کے غلے اور ہر طرح کی سبزیوں میں عشر واجب ہے تھوڑا پیدا ہو یا زیادہ۔ ایسا ہی فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔ پھر جو سبزیاں کہ زمین کی نمی یا بارش کے پانی سے پیدا ہوں ان میں کل پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ زکوٰۃ نکالنا واجب ہے اور جو ڈول، چرسے یا مشین وغیرہ سے سیراب کر کے پیدا کی جائیں ان میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے۔ ھٰکذا فی الفتاوٰی الھندیة۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از راحت حسین موضع پر ادائی پوسٹ بھمن جوت۔ ضلع گونڈہ

مٹھی کا چاول جو کہ عموماً مسلمانوں میں رائج ہے مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز صدقۂ فطر وغیرہ مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مٹھی نکالنے والوں نے اگر کسی خاص کار خیر میں صرف کرنے کی نیت سے مٹھی نکالی تو صرف اسی کار خیر میں صرف کرنا جائز ہوگا۔ مٹھی نکالنے والوں کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کام میں صرف کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اور اگر مٹھی نکالنے والوں نے اس نیت سے مٹھی نکالی کہ کسی بھی کار خیر میں صرف کیا جائے تو اس صورت میں تعمیر مسجد وغیرہ کسی بھی کار خیر میں صرف کر سکتے ہیں، اور صدقۂ فطر نیز ہر قسم کا صدقۂ واجبہ زکوٰۃ وغیرہ مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند المولٰی ورسولہٗ الاعلٰی۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹؍ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ

مسئلہ: از محمد صدیق سابق سیکریٹری انجمن پرانی بستی

ادارہ انجم معین الاسلام کے پیسے سے جو کہ صدقہ وفطر وزکوٰۃ وغیرہ کی مد سے آتا ہے آیا وہ پیسہ محرم کے تعزیہ و باجہ نیز روشنی میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟ از روئے شرع برائے کرام جواب سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: اللھم ھدایة الحق والصواب۔ مروجہ تعزیہ داری چونکہ ڈھول، تاشہ باجا وغیرہ بہت سے خرافات

امور پر مشتمل ہے اس لئے اس میں ذاتی اور نجی پیسہ خرچ کرنا یا کسی طرح اس میں شریک ہونا سخت ناجائز ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً ناجائز و حرام ہے انتہی بالفاظہٖ اور جبکہ مروجہ تعزیہ داری کے لئے ذاتی پیسہ خرچ کرنا حرام ہے تو انجمن مذکور میں زکوٰۃ و فطرہ کی جمع شدہ رقم کو تعزیہ داری پر خرچ کرنا حرام سخت حرام ہے اگر خرچ کرے گا تو سخت گنہگار لائق عذاب قہار ہوگا اور اسے توبۂ شرعی کرنے کے ساتھ تاوان بھی دینا پڑے گا۔ هٰذا ما عندی والعلم بالحق عندالله تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی جل جلاله و صلی المولٰی علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از محمد مسعود رضا مدرسہ اسلامیہ حنفیہ ہنوان گڑھ ٹاؤن۔ ضلع گنگانگر

بھیک مانگنا کیسا ہے؟ اور بھیک مانگنے والوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بھیک نانگنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مالدار جیسے بہت سے قوم کے فقیر، جوگی اور سادھو۔ انھیں بھیک مانگنا حرام اور انھیں دینا بھی حرام۔ ایسے لوگوں کو دینے سے زکوٰۃ نہیں ادا ہو سکتی۔ دوسرے وہ جو حقیقت میں فقیر ہیں یعنی نصاب کے مالک نہیں ہیں مگر مضبوط و تندرست ہیں، کمانے کی قوت رکھتے ہیں اور بھیک مانگنا کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ مزدوری وغیرہ کوئی کام نہیں کرنا چاہتے مفت کھانا کھانے کی عادت پڑی ہے جس کے سبب بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بھیک مانگنا حرام ہے' اور جو انھیں مانگنے سے ملے وہ ان کے لئے خبیث ہے حدیث شریف میں ہے: لاتحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی۔ یعنی نہ کسی مالدار کے لئے صدقہ حلال ہے' اور نہ کسی توانا تندرست کے لئے۔ ایسے لوگوں کو بھیک دینا منع ہے کہ گناہ پر مدد کرنا ہے۔ لوگ اگر نہیں دیں گے تو وہ محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوں گے۔ قال الله تعالٰی: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ یعنی گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو (پ ۶ ع ۵) مگر ایسے لوگوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جبکہ اور کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ مالک نصاب نہیں ہیں' اور بھیک مانگنے والوں کی تیسری قسم وہ ہے کہ جو نہ مال رکھتے ہیں اور نہ کمانے کی طاقت رکھتے ہیں یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کو اپنی حاجت پوری کرنے بھر کی بھیک مانگنا جائز ہے' اور مانگنے سے جو کچھ ملے وہ ان کے لئے حلال وطیب ہے' اور یہ لوگ زکوٰۃ کے بہترین مصرف ہیں۔ انھیں دینا بہت بڑا ثواب ہے' اور یہی وہ لوگ ہیں جنھیں جھڑکنا حرام ہے۔ هٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی رضی الله عنه ربه القوی فی الجزء الرابع من الفتاوٰی الرضویة۔ وهو سبحانه تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

باب صدقة الفطر

صدقۂ فطر کا بیان

مسئلہ: از عبدالوارث اشرفی الیکٹرک دوکان مدینہ مسجد ریتی روڈ۔ گورکھپور

(۱) صدقۂ فطر کس شخص پر واجب ہوتا ہے؟ (۲) زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کے نصاب میں کیا فرق ہے؟

الجواب: صدقۂ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہوتا ہے جو مالک نصاب ہو خواہ وہ روزہ رکھے یا نہ رکھے اور چاہے وہ مرد ہو یا عورت، پاگل ہو یا نابالغ، درمختار میں ہے: تجب علیٰ کل مسلم ولو صغیرا مجنونا ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلية وان لم ينم اھ تلخیصًا. وھو تعالیٰ اعلم (۲) زکوٰۃ کے نصاب میں مال کا نامی ہونا شرط ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا، ساڑھے باون تولہ چاندی یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا سامان تجارت یا روپیہ کا حاجت اصلیہ سے زائد ہونا ضروری ہے، اور وجوب زکوٰۃ کے لئے صاحب نصاب کا عاقل و بالغ ہونا بھی شرط ہے، اور صدقۂ فطر کے نصاب میں مال کا نامی ہونا شرط نہیں یعنی اگر کسی کے پاس سونے، چاندی کا نصاب نہ ہو اور نہ ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا سامان تجارت و روپیہ ہو مگر حاجت اصلیہ سے زائد سامان غیر تجارت ہو تو صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا مثلاً کسی کے پاس تانبے پیتل کے برتن ہوں مگر تجارت کے لئے نہ ہوں اور حاجت اصلیہ سے زائد ہوں اور ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو ان برتنوں کے سبب صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا مگر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور صدقۂ فطر میں صاحب نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط نہیں جیسا کہ جواب نمبر ا میں درمختار کی منقولہ عبارت سے ظاہر ہے۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عندالله تعالیٰ ورسولهٗ جل جلاله وصلی الله علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دارالعلوم امجدیہ سنڈیلہ۔ ضلع ہردوئی

عید کی چاند رات کو بچہ پیدا ہو تو اس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: عید کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، لہٰذا اگر بچہ اس وقت سے پہلے پیدا ہوا تو اس کی جانب سے صدقۂ فطر کا نکالنا واجب ہے، اور اگر صبح صادق کے بعد پیدا ہوا تو نہیں فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر باب صدقۃ الفطر میں ہے: وقت الوجوب بعد طلوع الفجر الثانی من یوم الفطر فمن مات قبل ذالك لم

تجب علیہ الصدقۃ ومن ولد او اسلم بعدہ لم تجب کذا فی محیط السرخسی۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از جمیل احمد سائیکل مستری مہراج گنج۔ ضلع بستی۔

جو شخص روزہ نہ رکھے اس پر صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں لہٰذا جو شخص کہ مالک نصاب ہو اگر کسی عذر مثلاً سفر، مرض، بڑھاپے کی وجہ سے یا معاذ اللہ بلا عذر روزہ نہ رکھے جب بھی اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ ردالمحتار جلد دوم ص ۷۶ میں ہے: تجب الفطرۃ وان افطرعا مدًا۔ پھر دو سطر کے بعد ہے: من فطر لکبر او مرض او سفر یلزمہ صدقۃ الفطر۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: محمد شفاعت اللہ ۹۷/۲۵۴ مسجد محمد حسین ٹھیکیدار طلاق محل کانپور

(۱) زید قصبہ کے ایک مکتب میں کلام اللہ، ناظرہ و اردو کی تعلیم بچوں کو دیتا ہے اور امامت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے گزشتہ رمضان المبارک میں یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج ضلع گونڈہ کے اشتہار و دیگر کتب میں صدقۂ فطر پونے دو سیر لکھا دیکھ کر نماز عیدالفطر کے موقع پر مسجد کے ایک رکن نے پونے دو سیر فطرہ ادا کرنے کا اعلان زید کی موجودگی میں کر دیا، تو کیا اعلان کرنے والا اور زید دونوں فاسق ہو گئے؟ (۲) کیا فطرہ غلط بتانے و دلوانے والا فاسق ہو جاتا ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اسے دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت پڑے گی اور تجدید ایمان لازم ہے اور کہا زید کی اقتداء میں نماز نہ ہو گی؟ (۳) صدقۂ فطر کا وزن کتنا ہے فی آدمی کو کتنا دینا چاہئے؟

الجواب: (۱) صدقۂ فطر کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے اعلیٰ تحقیق اور احتیاط یہ ہے کہ تین سو اکیاون روپیہ بھر یعنی انگریزی سیر سے چار سیر چھ چھٹانک ایک روپیہ بھر ادا کرے اور گیہوں ایک سو ساڑھے پچہتر روپئے بھر یعنی دو سیر تین چھٹانک اٹھنی بھر دے اور سو روپیہ کا سیر جو بریلی شریف اور مراد آباد وغیرہ کے علاقہ میں رائج ہے اس سے پونے دو سیر اٹھنی بھر۔ تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم یا ہماری کتاب انوار الحدیث کا مطالعہ کریں عام پوسٹروں پر عمل نہ کریں۔ شخص مذکور نے اگر پونے دو سیر سے سو کا سیر مراد لیا ہے تو اس کا اعلان احتیاط پر مبنی ہے اور اگر انگریزی سیر مراد لیا ہے تو اعلیٰ تحقیق اور احتیاط کے خلاف ہے مگر اس اعلان سے وہ فاسق نہ ہوا۔ (۲) کسی معتبر عالم کے لکھے ہوئے فطرہ کو بتانا غلط نہیں نہ بتانے والا فاسق ہو گا اور نہ اس کا نکاح ٹوٹے گا اور نہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہو گا بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو (۳) صدقۂ فطر کے وزن کی تفصیل جواب نمبر ا میں مذکور ہوئی۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از سید سیف الحق مکان نمبر بی ۲/۴۵۲/۲ ۵ پوسٹ آفس دھروا۔ رانچی نمبر ۴
بعض لوگ نصف صاع گیہوں کا مطلب ۲ کلو ۴۵ گرام بتاتے ہیں اور بعض لوگ صرف ایک سیر ۱۳ چھٹانک تو صاع کا صحیح وزن کیا ہے؟

الجواب: صاع کے وزن میں اختلاف ہے، اور اعلیٰ تحقیق یہ ہے کہ صاع کا وزن ۳۵۱ روپیہ بھر ہے یعنی انگریزی سیر سے چار سیر چھ چھٹانک ایک روپیہ بھر، اور نصف صاع ۱/۲، ۱۷۵ روپیہ بھر ہے یعنی دو سیر تین چھٹانک آٹھ آنہ بھر۔ اس لئے کہ صاع وہ پیانہ ہے جس میں آٹھ رطل اناج آئے شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی ۲۳۹ میں ہے: صاع کیل یسع فیہ ثمانیة ارطال اور ایک رطل نصف من ہے: شامی جلد دوم مطبوعہ ہند ۷۶ میں ہے: الرطل نصف من تو صاع وہ پیانہ ہوا کہ جس میں چار من اناج آئے اور من کو مد بھی کہتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار جلد دوم مطبوعہ ہند ۷۶ میں ہے: المدوا لمن سوء کل منہما ربع صاع، اور من جس کو مد بھی کہتے ہیں چالیس استار کا ہوتا ہے، اور ہر استار ۱/۲، ۴ مثقال تو ہر من ایک سو اسی مثقال ہوا۔ شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی ۲۴۰ میں ہے: ان المن اربعون استار اوالاستار اربعة مثا قیل و نصف مثقال فالمن مائة وثمانون مثقالا، تو صاع وہ پیانہ ہوا کہ جس میں (۴ من × ۱۸۰ مثقال = ۷۲۰ مثقال) سات سو بیس مثقال اناج آئے۔ پھر اناج ہلکے بھاری ہر طرح کے ہوتے ہیں صاع کی تقدیر میں کس اناج کا اعتبار ہے؟ تو بعض ائمہ نے ماش وعدس یعنی مسور اور ارد کا اعتبار کیا ہے، اور حضرت صدر الشریعہ صاحب شرح وقایہ نے فرمایا کہ ماش وعدس گیہوں سے بھاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ پیانہ جس میں آٹھ رطل یعنی ۷۲۰ مثقال ماش وعدس آئے گا چھوٹا ہوگا اور وہ پیمائش میں ۷۲۰ مثقال گیہوں آئے گا بڑا ہو گا۔ لہٰذا زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ گیہوں کا اعتبار کیا جائے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت یہ ہے: الماش اثقل من الحنطة والحنطة من الشعیر فالمکیال الذی یملأ بثمانیة ارطال من المج یملأ باقل من ثمانیة ارطال من الحنطة الجیدة المکتنزة فالاط فیہ ان یقدر الصاع بثمانیة ارطال من الحنطة الجیدة (شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی ۲۳۹) اور چونکہ گیہوں جو سے بھاری ہوتا ہے لہٰذا وہ پیمانہ کہ جس میں آٹھ رطل یعنی ۷۲۰ مثقال جو آئے بڑا ہوگا اسی لئے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب شرح وقایہ کی اس احتیاط کو ذکر کر کے فرمایا کہ سب سے زیادہ احتیاط یہ ہے کہ جو کا اعتبار کیا جائے بلکہ یہ بھی تحریر فرمایا کہ بعض علماء نے حاشیہ زیلعی سے نقل کیا ہے کہ حرم شریف مکہ معظمہ کے مشائخ موجودین وسابقین کا عمل اور فتویٰ اسی پر ہے کہ صاع کی تقدیر میں جو کا اعتبار کیا جائے جیسا کہ ردالمحتار جلد دوم مطبوعہ ہند ص ۷۷ پر ہے: ولکن علیٰ ھٰذا الاحوط تقدیرہ بالشعیر ولھٰذا نقل بعض المحشین عن حاشیة الزیلعی السید محمد امین میر غنی ان الذی علیہ مشایخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلھم من مشایخھم وبہ

کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر ولعل ذٰلک لیحطاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاخذ بالا حتیاط فی باب العبادات واجب اھ۔فاذا قدر بذالک فھو یسع ثمانیۃ ارطال من العدس ومن الحنطۃ ویزید علیھا البتۃ بخلاف العکس فلذا کان تقدیر الصاع بالشعیر احوط اھ۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ صاع وہ پیمانہ ہے کہ جس میں ۲۷۰ مثقال جو آئیں اسی میں سب سے زیادہ احتیاط ہے اور یہی حرم شریف مکہ معظمہ کے مشائخ کا معمول ومفتی بہ ہے اور مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں (۲۷۰ مثقال×۲/۱،۴ ماشہ=۱/۴،۱۲۱۵ ماشے=۲۸۸ روپیہ بھر) بتیس سو چالیس ماشے یعنی دو سو اٹھاسی روپیہ بھر جو آئیں اور نصف صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں ایک سو چوالیس روپیہ بھر جو آئیں۔پھر چونکہ گیہوں جو سے بھاری ہوتا ہے تو جس پیمانہ میں ایک سو چوالیس روپیہ بھر جو آئے گا اس پیمانہ میں گیہوں ایک سو چوالیس روپیہ بھر سے زیادہ آئے گا۔اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کا تجربہ کیا تو وہ پیمانہ جس میں ایک سو چوالیس روپیہ بھر جو آئے اسی پیمانہ میں ایک سو پچھتر روپیہ اٹھنی بھر گیہوں آئے۔فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص ۱۴۵ میں ہے: فقیر نے ۲۷ رمضان المبارک ۲۷ ھ کو نیم صاع شعیری کا تجربہ کیا جو ٹھیک چار رطل جو کا پیمانہ تھا اس میں گیہوں برابر ہموار سطح بھر کر تولے تو ایک سو چوالیس روپیہ بھر جو کی جگہ ایک سو پچھتر روپیہ آٹھ آنہ گیہوں آئے،تو نصف صاع گیہوں صدقۂ فطر کا وزن ایک سو پچھتر روپیہ آٹھ آنہ بھر ہوا جو انگریزی سیر سے دو سیر تین چھٹانک آٹھ آنہ بھر ہے اس لئے کہ انگریزی سیر اسی روپیہ بھر ہے یعنی پورے پچھتر تولے کا،اور نئے پیمانے سے نصف صاع گیہوں کا وزن ۲ کلو گرام ۱۶۰/۳۲/۲ ۱۳ اخ ۴۲ گرام یعنی دو کلو اور تقریباً ۴۷ گرام ہوگا اس لئے کہ اسی روپیہ بھر کا سیر ۹۳۳ گرام ہوتا ہے۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۱۵ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد ابراہیم خاں چھاؤنی ضلع بستی۔

اگر کسی نے عید کے دن صدقۂ فطر نہیں ادا کیا اور زیادہ دن گزر گئے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: صدقۂ فطر عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا سنت ہے لیکن اگر اس وقت نہیں ادا کیا تو اب ادا کر دے۔عید کے دن نماز سے پہلے ادا نہ کرنے پر ساقط نہ ہوگا،اور جب بھی ادا کرے ادا ہی ہے قضا نہیں ہے درمختار مع شامی جلد دوم ص ۷۸ پر ہے: صح اداء ھا اذا قدمہ علی یوم الفطرا واخرہ اھ۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از محمد حسن محلہ باغیچہ التفات گنج ضلع فیض آباد۔

عید کا دن آنے سے پہلے اگر صدقۂ فطر ادا کر دیا تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عید کا دن آنے سے پہلے ماہ رمضان میں بلکہ ماہ رمضان سے پہلے بھی صدقۂ فطر ادا کر دیا تو جائز ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۷۹ میں ہے: ان قدموها یوم الفطر جاز ولا تفصیل بین مدة ومدة وهو الصحیح

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از فیضان رضا......اترولہ۔ ضلع گونڈہ

اگر کسی کے پاس گیہوں نہ ہو اور وہ اس کی جگہ پر دھان یا چاول دینا چاہے......تو صدقۂ فطر میں کتنا دھان یا چاول دینے سے بری الذمہ ہوگا؟

الجواب: گیہوں، جو، کھجور اور منقیٰ کے علاوہ دھان، چاول یا جوار و باجرہ وغیرہ کوئی دوسرا غلہ صدقۂ فطر میں دینا چاہے تو ان چاروں میں سے کسی ایک کی قیمت کا دوسرا غلہ دینے سے بری الذمہ ہوگا درمختار مع شامی جلد دوم ص ۷۶ میں ہے: مالم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة اھ۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از محمد قابل صدیقی تھانہ روڈ سلی گوڑی۔ دارجلنگ (مغربی بنگال)

اہلسنّت و جماعت کے علاوہ دوسرے لوگوں کو چندہ دینا کیسا ہے؟

الجواب: اہلسنّت و جماعت کے علاوہ دوسرے تمام لوگ یا تو کافر ہیں یا مرتد ہیں اور یا تو گمراہ و بدمذہب اور ان میں سے کسی کو چندہ دینا جائز نہیں۔ هٰکذا قال العلماء لاهل السنة کثرهم الله تعالٰی۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸/ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد حنیف رضوی خطیب سنی رضوی مسجد کھاڑی کرلا۔ بمبئی نمبر ۷۰

زید بمبئی میں ہے اور اس کے بچے وطن میں ہیں تو ان کے صدقۂ فطر کے گیہوں کی قیمت وطن کے بھاؤ سے ادا کرے یا بمبئی کے بھاؤ سے؟ اور زیورات جن کا وہ مالک ہے وہ وطن میں ہیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں کہاں کا اعتبار کرے؟

الجواب: بچے اور زیوارت جب کہ وطن میں ہیں تو صدقۂ فطر کے گیہوں میں بمبئی کی قیمت کا اعتبار کرنا ہوگا اور زیورات میں وطن کی قیمت کا: لانه یعتبر فی صدقة الفطر مکان المؤدی وفی الزکوٰة مکان المال. هٰکذا قال صاحب الهدایة فی کتاب الاضحیة. هٰذا ما عندی وهو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

کتاب الصوم

روزہ کا بیان

مسئلہ: از منیجر محی الدین احمد محلہ باغیچہ التفات گنج۔ ضلع فیض آباد

کیا روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری ہے؟ اگر کسی نے دس بجے دن تک کچھ کھایا پیا نہیں اور اس وقت روزہ کی نیت کر لی تو اس کا روزہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ادائے رمضان کا روزہ اور نذر معین و نفلی روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری نہیں اگر ضحوۂ کبریٰ یعنی دو پہر سے پہلے نیت کر لی تب بھی یہ روزے ہو جائیں گے' اور ان تین روزوں کے علاوہ قضائے رمضان، نذر غیر معین اور نفل کی قضا وغیرہ کے روزوں کی نیت عین اجالا شروع ہونے کے وقت یا رات میں کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے کسی روزہ کی نیت اگر دس بجے دن میں کی تو وہ روزہ نہ ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۳۸ میں ہے: جاز صوم رمضان والنذر المعین والنفل بنیة ذالك الیوم اوبنیة مطلق الصوم اوبنیة النفل من اللیل الیٰ ما قبل نصف النهار وهو المذکور فی الجامع الصغیر۔ وشرط القضاء والکفارات ان یبیت ویعین کذا فی النقایة وکذا النذر المطلق هٰکذا فی السراج الوهاج' اور درمختار میں ہے: یصح اداء صوم رمضان والنذر المعین والنفل بنیة من اللیل الی الضحوة الکبریٰ۔ والشرط للباقی من الصیام قران النیة للفجر ولو حکما وهو تبییت النیة اه تلخیصًا۔ هٰذا ما عندی وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ الیه المرجع والمآب۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از عبد الرشید جام محلہ بھساول ضلع جلگاؤں (مہاراشٹر)

بغیر سحری کے روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: بغیر سحری کے روزہ رکھنا جائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری) مگر مستحب یہ ہے کہ سحری کھا کر روزہ رکھے کہ حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلتیں آئی ہیں طبرانی اوسط اور ابن حبان صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیجتے ہیں' اور امام احمد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحری کل کی کل برکت ہے اسے نہ چھوڑنا

اگر چہ ایک گھونٹ پانی ہی پی لے اس لئے کہ سحری کھانے والوں پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد بشیر الدین قادری مسجد بانسرا کولیری پوسٹ رانی گنج ضلع بردوان

رمضان کے مہینہ میں جب اذان شروع ہو تو روزہ افطار کریں یا اذان کے بعد؟

الجواب: سورج ڈوبنے کے بعد بلا تاخیر فوراً افطار کریں اذان کا انتظار نہ کریں اور جو لوگ اذان سے غروب آفتاب پر مطلع ہوتے ہیں انھیں چاہئے کہ اذان ہوتے ہی فوراً افطار کریں ختم اذان تک افطار کو مؤخر نہ کریں حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان احبی عبادی الی اعجلھم فطراً۔ یعنی مجھے اپنے بندوں میں وہ شخص زیادہ پیارا ہے جو ان میں سب سے جلد افطار کرتا ہے۔ (احمد- ترمذی) اس لئے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ سورج ڈوبنے سے پہلے کسی صحابی کو حکم فرماتے کہ وہ بلندی پر جا کر سورج کو دیکھتا رہے۔ صحابی سورج کو دیکھتے رہتے اور حضور ان کی خبر کے منتظر رہتے جیسے ہی صحابی عرض کرتے کہ سورج ڈوب گیا حضور فوراً خرما تناول فرماتے (حاکم- طبرانی) رہا سوال اذان کے جواب دینے کا تو اس کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال مختلف ہیں بعض نے وجوب کو مطلق بیان کیا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۳ میں ہے: یجب علی السامعین عند الاذان الاجابۃ۔ اور بعض نے فرمایا کہ اجابت باللسان مستحب ہے اور اجابت بالقدم واجب ہے درمختار میں ہے: یجب وجوبا وقال الحلوانی ندوبا والواجب الاجابۃ بالقدم اور بحرالرائق جلد اوّل ص ۲۵۹ میں ہے: فتاویٰ قاضی خاں سے ہے: اجابۃ المؤذن فضیلۃ وان ترکھا لا یاثم واما قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من لم یجب الاذان فلا صلاۃ لہ فمعناہ الاجابۃ بالقدم لاباللسان۔ فقط۔ اور پھر بحرالرائق کے اسی صفحہ پر چند سطر کے بعد ہے: الظاھر ان الاجابۃ باللسان واجبۃ۔ اور طحطاوی علی مراقی ص ۱۰۹ میں ہے: اختلف التصحیح فی وجوب الاجابۃ باللسان والاظھر عدمہ۔ غالباً اسی اختلاف کے سبب حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دینے کو نہ واجب فرمایا نہ مستحب بلکہ مطلق رکھا جیسا کہ بہار شریعت حصہ سوم میں ہے: جب اذان سنے تو جواب دینے کا حکم ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اذان ہونے سے پہلے افطار کرے پھر جب اذان شروع ہو جائے تو کھانا پینا بند کر دے اور اگر اذان شروع ہونے پر افطار کرے تو تھوڑا کھا پی کر ٹھہر جائے اذان کا جواب دے پھر اس کے بعد جو چاہے کھائے پئے اس لئے کہ اذان کے وقت جواب کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول ہونا منع ہے جیسا کہ بحرالرائق جلد اوّل ص ۲۵۹ میں ہے: ولایقرأ السامع ولایسلم ولایرد السلام ولا یشتغل بشیء سوی الاجابۃ ولو کان السامع یقرأ یقطع القرأۃ ویجیب اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۵۴ میں ہے: لاینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامۃ

ولا یشتغل بقرأة القرآن ولا بشیء من الاعمال سوی الاجابة۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از غفران احمد نئی سڑک کانپور

ماہ رمضان کے روزہ کی راتوں میں بیوی سے ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید پارۂ دوم رکوع ۷ میں ہے: اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآءِکُمْ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی

ماہ رمضان کی رات میں ہمبستری کی اور میاں بیوی دونوں ناپاکی کی حالت میں روزہ دار رہے تو وہ گنہگار ہوئے یا نہیں اور ان کا روزہ ہوا یا نہیں؟

الجواب: حالت ناپاکی میں بھی میاں بیوی دونوں کا روزہ ہو گیا البتہ نماز نہ پڑھنے کے سبب دونوں سخت گنہگار ہوئے بحر الرائق جلد دوم ص ۲۷۳ میں ہے: لو اصبح جنبا لایضرہ کذا فی المحیط' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۱۸۷ میں ہے: من اصبح جنبا اواحتلم فی النھار لم یضرہ کذا فی محیط السرخسی۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از محمد احمد قادری بھوڑہری پوسٹ امسینہی گھاٹ ضلع بارہ بنکی

ماہ رمضان میں بہت سے لوگ کھلم کھلا کھاتے گھومتے رہتے ہیں اور روزہ کا کوئی لحاظ نہیں کرتے ان کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسے لوگ جو کہ ماہ رمضان کے دنوں میں علانیہ قصداً بلاعذر کھاتے ہیں ظالم، جفاکار، سخت گنہگار، مستحق عذاب نار ہیں بادشاہ اسلام کو حکم ہے کہ ایسے لوگوں کو قتل کردے درمختار میں ہے: لو اکل عمداً شھرة بلا عذر یقتل۔ اسی کے تحت شامی جلد دوم ص ۱۱۰ میں ہے: قال الشر نبلالی لانہ مستھزیٔ بالدین اومنکر لما ثبت منہ بالضرورة ولا خلاف فی حل قتلہ والامر بہ۔ اور جہاں بادشاہ اسلام نہ ہو تو مسلمان پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں پر سختی کریں اور ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ

اَلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ٥ (پ۷، رکوع ۱۴) وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از حافظ محمد نعیم موضع کلیبیاں پوسٹ کرہیا ضلع بستی

زید کہتا ہے کہ دو دو دفعہ کا روزہ رکھو اور گاؤں کے لوگوں کو تاکید بھی کر رہا ہے، اور کہتا ہے جو روزہ رکھے وہ گاؤں کے کسی آدمی کے یہاں نہ تو سحری کھائے اور نہ افطار کرے بلکہ دوسرے گاؤں سے کھانا منگوا کر سحری کھائے اور افطار کرے، تو شریعت مطہرہ میں دو دو دفعہ کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟ اور جو اس طرح کا روزہ رکھنے کے لئے کہتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسا روزہ کہ جس میں دوسرے گاؤں سے کھانا منگوا کر سحری اور افطار کرنے کی شرط ہو جہالت ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اور جو اس طرح کا روزہ رکھنے کے لئے کہتا ہے وہ جاہل ہے۔ ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از عطاء اللہ سہنیاں کلاں گونڈہ۔

۲۹ر شعبان کو عصر کے وقت اگر چاند دکھائی دیا تو دوسرے دن رمضان شریف کی پہلی تاریخ مان کر روزہ رکھنا حرام ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۲۹ر شعبان کو عصر کے وقت اگر چاند دکھائی دیا تو دوسرے دن رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہے اور روزہ رکھنا فرض ہے اگر نہ رکھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: بدر الدین احمد القادری الرضوی

۲۸ر محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

مسئلہ: از مہدی حسن خاں ساکن مروٹیا پوسٹ روضہ درگاہ ضلع گورکھپور۔

روزہ افطار کرنے کی دعا (اللھم لک صمت الخ) افطار کرنے سے پہلے پڑھنی چاہئے یا بعد میں؟ زید کہتا ہے افطار سے پہلے پڑھی جائے اور بکر کہتا ہے کہ بعد میں پڑھے تو کس کا قول صحیح ہے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: روزہ افطار کرنے کی دعا افطار کرنے کے بعد پڑھی جائے بکر کا قول صحیح ہے حدیث شریف میں ہے: عن معاذ بن زھرۃ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افطر قال اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۵) حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے تحریر

فرماتے ہیں: (کان اذا فطر قال) ای دعا وقال ابن الملك ای قرأ بعد الافطار. هٰذا ما عندی وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۳؍شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از عرفان احمد اوجھا گنج ضلع بستی

کیا فرماتے ہیں: مفتیانِ دین اس مسئلہ میں کہ حالت روزہ میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

لك الحمد یا اللّٰه. والصلٰوة والسلام علیك یا رسول اللّٰه

الجواب: بعون الملك الوهاب تحقیق یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے رگ میں لگایا جائے چاہے گوشت میں۔ کیونکہ اس کے بارے میں ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ جماع اور اس کے ملحقات کے علاوہ روزہ کو توڑنے والی صرف وہ دوا اور غذا ہے جو مسامات اور رگوں کے علاوہ کسی منفذ سے صرف دماغ یا پیٹ میں پہنچے، درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۰۸ میں ہے: الضابط وصول مافیه صلاح بدنه لجوفه. ردالمحتار میں ہے: الذی ذکرہ المحققون ان معنی المفطر وصول مافیه صلاح البدن الی الجوف اعلم من کونه غذاء اودواء اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۹۱ میں ہے: اکثر المشایخ علیٰ ان العبرة للوصول الی الجوف والدماغ۔ ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غذا اور دوا اسی وقت روزہ توڑے گی جب دماغ یا پیٹ تک کسی منفذ سے پہنچے بلکہ بعض حضرات نے صرف منفذ تک پہنچنے پر اکتفا فرمایا ہے اس لئے کہ ان کی تحقیق پر دماغ سے پیٹ تک براہ راست تعلق ہے۔ شامی جلد دوم ص ۱۰۳ میں بحر سے ہے: التحقیق ان بین جوف الراس وجوف المعدة منفذًا اصلیًا فما وصل الیٰ جوف الراس یصل الیٰ جوف البدن۔ مسامات اور رگوں کی وساطت کے بغیر پہنچنے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ عامہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر دماغ یا پیٹ کے زخم میں دوا ڈالی تو روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب کہ دوا کے درحقیقت دماغ اور پیٹ میں پہنچ جانے کا ظن غالب ہو درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۰۲ میں ہے: لو قطر فی اذنه دهنا اوداویٰ جائفة اوامة فوصل الدواء حقیقة الیٰ جوفه ودماغه۔ لفظ حقیقتا کا یہی فائدہ ہے کہ دوا اگر زخم کے شگاف سے دماغ یا پیٹ میں پہنچی تو روزہ ٹوٹ گیا اور رگوں یا مسامات کے ذریعہ ضرور دماغ تک پہنچی۔ اگر عروق ومسامات کے ذریعہ دوا کا پہنچنا روزہ کو توڑ دیتا تو یہ قید بیکار تھی بناء علی یہ تصریح ہے کہ اگر آنکھ میں دوا ڈالی یا سرمہ لگایا تو روزہ نہیں ٹوٹا اگرچہ دوا کا قطرہ حلق میں محسوس ہو کر سرمہ تھوک یا رینٹھ کے ساتھ نکلے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۹۰ میں ہے: لو اقطر شیئا من الدواء فی عینه لایفسد صومه عندنا وان وجد طعمه فی حلقه واذا بزق

فرأی اثر الکحل ولونه فی بزاقه عامة المشایخ علیٰ انه لایفسد صومه کذا فی الذخیرة۔ وهوا الاصح هٰکذا فی التبیین اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۹۸ میں ہے: اوادهن اواکتحل وان وجد طعمه فی حلقه اس کے تحت شامی میں ہے: ای طعم الکحل اوالدهن کما فی السراج وکذا لوبزق فوجد لونه فی الاصح بحر۔ قال فی النهر لان الموجود فی حلقه اثر داخل المسام الذی هو خلل البدن والفطرا نما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لایفطر۔ دیکھئے صاحب نہر نے تصریح کردی کہ حلق میں جو محسوس ہو تھوک میں جو آیا وہ چونکہ مسام کے ذریعہ آیا لہٰذا روزہ توڑنے والا نہیں، روزہ توڑنے والا وہ ہے جو منفذ سے دماغ یا پیٹ تک پہنچے۔ اسی طرح یہ جزیہ ہے کسی نے اپنے سوراخ ذکر میں تیل ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگرچہ تیل مثانہ تک پہنچ جائے اور علت یہ بیان فرمائی کہ سوارخ ذکر اور پیٹ کے درمیان منفذ نہیں ہدایہ جلد اوّل ص ۲۰۰ میں ہے: لواقطر فی احلیله لم یفطر عند ابی حنیفة وقال ابویوسف یفطر وقول محمد مضطرب فیه فکانه وقع عند ابی یوسف ان بینه وبین الجوف منفذ اولهٰذا یخرج منه البول ووقع عند ابی حنیفة ان المثانة بینهما حائل والبول یترشح منه۔ اور ردالمحتار جلد دوم ص ۱۰۰ میں ہے: ای قول ابی حنیفة و محمد معه فی الاظهر وقال ابویوسف یفطر والاختلاف مبنی علیٰ انه هل بین المثانة والجوف منفذ اولا وهو لیس باختلاف علی التحقیق والا ظهر انه لامنفذ له وانما یجتمع البول فیها بالترشح کذا یقول الاطباء زیلعی وافادانه لوبقی فی قصبة الذکر لایفسد اتفاقاً ولاشك فی ذالك۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کا اختلاف اس پر مبنی ہے کہ سوراخ ذکر اور پیٹ کے درمیان منفذ ہے یا نہیں، مسامات کے وجود سے کسی کو انکار نہیں۔ اگر مسامات کے ذریعہ پہنچنا روزہ توڑتا تو سوراخ ذکر میں تیل ڈالنا بالاتفاق روزہ توڑ دیتا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۱۹۰ میں صاف تصریح ہے: ومایدخل من مسام البدن من الدهن لایفطر هٰکذا فی شرح المجمع۔ ثابت ہو گیا کہ اندرون جسم کسی جگہ دوا یا غذا کا مسام کے ذریعہ پہنچنا روزہ نہیں توڑتا۔ جب یہ ذہن نشین ہو گیا کہ روزہ توڑنے والی وہ دوا اور غذا ہے جو مسامات کے علاوہ کسی منفذ سے دماغ اور پیٹ تک پہنچے تو اب انجکشن کی حقیقت پر غور کیجئے، جو انجکشن گوشت میں لگتا ہے اس کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ وہ پورے جسم میں مسامات ہی کے ذریعہ پہنچتا ہے لہٰذا اس سے روزہ کا نہ ٹوٹنا ظاہر ہے۔ رہ گیا رگ کا انجکشن تو اس کے جسم میں پہنچنے کی کیفیت یہ ہے کہ دوا خون کے ساتھ جسم میں پھیلتی ہے۔ ماہرین علم تشریح جانتے ہیں کہ خون رگوں سے دل میں جاتا ہے اور وہاں سے پھر واپس رگوں میں آتا ہے دل سے دماغ اور پیٹ تک کوئی منفذ نہیں اس لئے رگوں کے انجکشن سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از اسرائیل رضوی مدرسہ حشمت العلوم گائے ڈیہہ ضلع گونڈہ

بہار شریعت حصہ پنجم ص ۸۱ میں روزہ کے متعلق ہے کہ بھیگی انگلی پاخانہ کے مقام میں اس جگہ رکھی جہاں عمل دیتے وقت حقنہ کا سرا رکھتے ہیں تو روزہ جاتا رہا' تو یہاں عمل سے کیا مراد ہے؟ اور حقنہ کے کیا معنی ہیں؟

الجواب: یہاں عمل سے مراد دوا ہے' اور حقنہ سے مراد پچکاری ہے یعنی جہاں دوا پہنچاتے وقت پچکاری کا سرا رکھتے ہیں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ر شوال ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از الحاج خواجہ عبدالسمیع کاٹھمنڈو (نیپال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرح متین دریں مسئلہ کہ نیپال کا شہر کاٹھمنڈو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اکثر و بیشتر آسمان ابر آلود رہتا ہے جس کے باعث پورے سال میں چند ہی مہینہ کا چاند نظر آتا ہے' اور نہ کوئی یہاں ہلال کمیٹی ہے تو کیا پاکستان، ہندستان، بنگلہ دیش کی رؤیت ہلال کمیٹیوں کے اعلانات پر جو بذریعہ ریڈیو یا تار کئے جاتے ہیں بڑے بڑے مفتی اور عالم کے حوالہ سے کرتے ہیں بڑی ذمہ داری سے اطلاع دیتے ہیں ہم کاٹھمنڈو کے مسلمان عید، بقرعید، شب برات، محرم، معراج کے مراسم ادا کریں یا نہیں۔ فی الحال ایک فتویٰ مولوی عون احمد پھلواری کا آیا ہے جسے کتابچہ کی شکل میں شائع کیا ہے جس میں موصوف نے لکھا ہے کہ ریڈیو کا اعلان مانا جائے گا اس اعلان پر عمل کیا جائے گا اس کے لئے انھوں نے دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ عالمگیری کی یہ عبارت ہے: خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان اوفاسقا کذا فی الجواهر الاخلاطی (فتاویٰ عالمگیری) دوسری عبارت ردالمحتار شامی کی ہے: قلت والظاهر انه یلزم اهل القریٰ الصوم بسماع المدافع اورؤیة القنادیل عن المصر لانه علامة ظاهرة تفید غلبة الظن حجة موجبة للعمل کما صرحوا۔ شامی ص ۹۶ ج ۲۔ اس عبارت کے نقل کے بعد رقمطراز ہیں جزیہ مذکورہ کا منشا یہ ہے کہ رمضان کے چاند کا اعلان کسی شہر سے ڈھول کے ذریعہ کیا جائے یا روشنی جلا کر یا فائر کر کے تو دیہات اور دور دراز کے جن لوگوں نے چاند نہ دیکھا ہے ان پر اس اطلاع سے روزہ لازم ہو جائے گا تو اگر اس وقت جدید طریقے سے مثلاً ریڈیو کے ذریعہ کہا جائے تو روزہ واجب ہو جائے گا کیوں کہ چاند کے اعلان کے لئے ریڈیو کا پہلے سے متعین کیا جانا علامت ظاہرہ ہے' اور علامت ظاہرہ سے غلبہ ظن ہوتا ہے جو حجت شرعی ہے پھر اپنے فتوے کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں: لیکن اس فیصلہ کا اہل کاٹھمنڈو کے عوام نہیں ہوں گے کہ وہ جب چاہیں ہندوستان کے ریڈیو کا اعلان سن کر عمل شروع کر دیں یہ صحیح نہ ہوگا' بلکہ وہاں ایک کمیٹی بنا دی جائے جس میں تین یا پانچ ارکان ہوں اس میں دو عالم دین ہوں بقیہ اہل نظر اہل صالح دین دار مسلمان جب ہندوستان کے ریڈیو سے اعلان ہو اور کاٹھمنڈو میں رؤیت نہیں ہوئی ہو تو اسی وقت اس کمیٹی کا جلسہ طلب کیا جائے اور ارکان کمیٹی اعلان رؤیت کے طور پر تحقیق کر کے اس سے اطمینان کر لیں

پھر فیصلہ کریں اور اس کا اعلان وہاں کے عوام کے سامنے کر دیں۔ عون احمد پھلواری نے یہ بھی لکھا ہے کہ ریڈیو کے اس اعلان، شہر کے توابع اور متحد المطالع مقامات میں روزہ رکھنا لازم ہوگا اور اگر عید کے چاند کا اعلان ہو تو ایک ریڈیو اسٹیشن کا یہ نشریہ ثبوت کے لئے کافی نہ ہوگا ہاں اگر متعدد (تین سے کم نہ ہوں) تو عید منانا درست ہوگا، اور متحد المطالع کے متعلق لکھتے ہیں ایسے مقامات جن کے درمیان ایک دن فرق نہیں ہوتا وہ متحد المطلع ہیں اس عبارت سے نیپال کا ٹھمنڈ و ہندوستان کا متحد المطلع ہوا کیوں کہ طلوع وغروب میں کل ۱۲ ؍ منٹ یا ۱۴ ؍ منٹ کا فرق بتایا جاتا ہے دوسرا فتویٰ مفتی جمعیۃ علمائے ہند دہلی کا ہے جو مذکورہ بالا مولوی عون احمد صاحب کے فتویٰ کے مطابق ہے لکھا ہے ریڈیو کی اطلاع خبر ہے شہادت نہیں ہاں اگر اعلان کیا جائے کہ چاند ہوگیا یا شہادت سے ثابت ہوگیا ہے، اور فلاں ذمہ دار اعلان ثبوت رؤیت کرتا ہے تو اس خبر کو کمیٹی رؤیت ہلال صحیح سمجھے تو اس کا فیصلہ بمنزلہ حکم قاضی ہوگا۔ مفصل بیان فرما کر کرم فرمائیں۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب. شریعت مطہرہ نے دربارۂ ثبوت ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شرعیات میں شہادت شرعیہ یا استفاضۂ شرعیہ پر معلق فرمایا ہے درمختار ص ۹۹ جلد ۲ میں ہے: فیلزم اھل المشرق برویۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رویۃ اولئک بطریق موجب کما مر۔ اھ علامہ حلبی اور علامہ طحطاوی اور علامہ شامی فرماتے ہیں کان یتحمل اثنان الشھادۃ او یشھدا علی حکم القاضی اویستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبر ان اھل بلدۃ کذا أوہ لانہ حکایۃ۔ دوسرے شہر سے کچھ لوگوں کا آ کر یہ کہنا بلکہ شہادت دینا کہ فلاں جگہ پر چاند ہوا بلکہ اس طرح بھی شہادت دیں کہ فلاں شہر میں لوگوں نے چاند دیکھا ہے، اور قاضی شہر نے وہاں کے لوگوں سے روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم کیا ہے یہ سب طریقہ ثبوت کے لئے شرعاً ناکافی ہیں درمختار ہی میں ہے: لالو شھد وابرویۃ غیرھم لانہ حکایۃ اھ قال الشامی (قولہ لانہ حکایۃ) فانہ لم یشھد وبالراویۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوارویۃ غیرھم کذا فی فتح القدیر قلت وکذا لوشھد وابرویۃ غیرھم وان قاضی تلک المصر امر الناس بصوم رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضاً ولیس بحجۃ اھ۔ فتح القدیر وفتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۲ میں ہے: ثم انما یلزم الصوم علی متاخری الرؤیۃ اذا ثبت عند ھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب حتی لوشھد جماعۃ ان اھل بلدۃ قدر أ وھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھٰذا الیوم ثلاثون بحسابھم ولم یرھولاء الھلال لایباح فطر غدو لایترک التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علیٰ شھادۃ غیرھم وانما حکوا ارؤیۃ غیرھم۔ ان عبارات فقہاء سے ظاہر ہوا کہ دربارۂ ثبوت دوسرے شہر سے ریڈیو، تار، ٹیلیفون واخبار کی خبریں بے کار و بے اعتبار ہیں۔ اگر شریعت مطہرہ میں گنجائش ہوتی تو ان آنے والے عادل پرہیزگار لوگوں کی خبر اور شہادت کا اعتبار ضرور فرماتے۔ پھر ٹیلی فون وریڈیو کی بے اعتباری تو اس سے زیادہ ہے یہی فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ آڑ سے جو آواز سنی جائے اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہو سکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے تو ریڈیو اور ٹیلیفون وغیرہ کی خبروں میں نہ صرف آڑ بلکہ

کوس کا فاصلہ ہے وہ کب معتبر ہوگی تبیین اور پھر عالمگیری میں ہے: لوسمع من وراء الحجاب لایسعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیرہ اذا النغمة یشبه النغمة اھ۔ ریڈیو ٹیلیفون جن کی ایجاد ہے وہ بھی دربارۂ شہادت اسے ناکافی جانتے ہیں تو شرع شریف میں کب اعتبار ہوگا اور فتاویٰ عالمگیری و ردالمحتار کی ان عبارتوں کو جو سوال میں درج ہیں دلیل بنانا غلط و باطل ہے اسے اس مقام سے تعلق نہیں وہ تو اپنے شہر کے اعلان کے لئے ہے شہر یا حوالی شہر کے دیہات والوں کے لئے ثبوت ہلال کے واسطے دلیل ہے نہ کہ دوسرے شہر والوں کے لئے جیسا کہ ان عبارتوں میں تصریح ہے آخر یہی علماء دربارۂ ثبوت ہلال دوسرے شہر کے واسطے وہ فرماتے ہیں جو اوپر مذکور ہوا تو ان کے صریح ارشادات کو چھوڑ کر مقام سے بیگانہ عبارت کو دلیل بنانا کس قدر باطل ہے پھر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اسلامی شہر میں حاکم شرع معتمد کے حکم سے توپوں کے فائر ہوں یا روشنی کی جائے اور ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو کہ بادشاہ اسلام یا قاضی شہر کی طرف سے ایسا ہوتا ہے' اور آج کل جو خود ساختہ قاضی یا مفتی ریڈیو سے اعلان کرتے ہیں وہ نہ شرعی قاضی نہ مفتی نہ ان کا اعلان حجت۔ متحد المطلع کی تخصیص بھی فضول ہے ہمارے ائمہ کا مذہب معتمد یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے درمختار کے متن تنویر الابصار میں ہے: واختلاف المطالع غیر معتبر علی المذهب اور علامہ شامی کا فرمان وہ ان کی اپنی رائے ہے' اور حدیث شریف: صوموا الرویته وافطروا الرؤیته نص ہے مسلمان اس پر عمل کرے جو اللہ ورسول (جل وعلیٰ وصلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے' اور کسی شخص کا ایسا حکم جو اللہ ورسول کے ارشاد کے خلاف ہو قطعاً غیر معتبر ہے ہرگز قابل عمل نہیں ہے۔ کاٹھمنڈو والوں پر یہی ہے کہ جب چاند دیکھیں تو روزہ رکھیں عید کریں ورنہ تیس کی گنتی پوری کریں اور دوسری جگہ سے شہادت شرعیہ آجائے تو اس کے مطابق عمل کریں۔ ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ محدثات کی خبروں کو دین کے معاملہ میں بناء کار نہ بنائیں۔ والمولیٰ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: محمد عیسیٰ قادری

۲۴ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: ازصدر مسجد چوک، بھدراوتی۔ ضلع شیموگہ (کرناٹک)

بروز سنیچر ۲۹ رمضان المبارک کی شام یہاں پر اور اطراف واکناف میں دور دور تک ابر وبارش کی وجہ سے عید الفطر کا چاند نظر نہیں آیا مگر دیگر بیرونی مقامات سے بذریعہ ٹیلی فون وہاں عید الفطر بروز یکشنبہ منائی جانے کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ وہاں اور دیگر مقامات میں عید الفطر بروز یکشنبہ ہی منائی جانے کی اطلاعات بذریعہ ریڈیو نشر ہوئیں ہماری ریاست کرناٹک کے شہر بنگلور میں ریاستی سطح پر رؤیت ہلال کے لئے ایک ہلال کمیٹی قائم کی گئی ہے کمیٹی نے بروز یکشنبہ عید الفطر منائے جانے کا فیصلہ دیا جس کی اطلاع ریڈیو ٹیلیفون سے ہمیں موصول ہوئیں ہمارے شہر بھدراوتی اور شہر شیموگہ کی مساجد میں بفضلہ تعالیٰ اہلسنت والجماعت کے علماء کرام امامت کے منصب پر فائز ہیں ان علمائے اہلسنت میں سے چند نے بروز یکشنبہ عید ماننے کا فیصلہ کیا ہمارے شہر بھدراوتی میں ایک قومی ادارہ اصلاح المسلمین کے نام سے موجود ہے اس ادارے کی جانب سے بروز یکشنبہ عید

منانے کا فیصلہ کیا ان تمام حالات کے باوجود ہمارے مسجد کے امام صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ ریڈیو، ٹیلیفون اور تار سے جو اطلاعات ملی ہیں وہ شرعی اعتبار سے عینی شہادت میں شمار نہیں کی جا سکتی لہٰذا ۲۹؍روزے ہوئے ہیں شریعت کے تحت ۳۰؍روزے پورے کرے ہیں' نیز میں روزہ سے رہوں گا اس لئے میں عید کی نماز نہیں پڑھا سکتا جب کہ شہر میں عید منائی گئی۔ امام صاحب اور مقتدیوں میں اس بناء پر جو اختلافات شرعی پیدا ہو گئے ہیں اس شرعی اختلافات پر مندرجہ ذیل مسائل رونما ہوئے ہیں جن پر شریعت کی روشنی میں فتوے درکار ہیں۔

(۱) مندرجہ بالا حالات کے تحت امام اور مقتدیوں میں جو شرعی مسئلہ پر اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان دلوں میں کراہت اور رنجش پیدا ہوئی ہے ایسی حالت میں امام صاحب کی امامت میں مقتدیوں کی نماز ہو گی یا نہیں۔ (۲) انھیں حالات کے تحت اسی شہر کے جن دیگر علمائے کرام بروز یکشنبہ عید منائی ان علمائے کرام کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاتصوموا حتی تروا لهلال ولاتفطروا حتی تروه فان غم علیکم فاقدر واله وفی روایة قال الشهر تسع وعشرون لیلة فلا تصوموا حتی تروه فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلثین۔ یعنی جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ چھوڑو اور اگر ابر غبار ہونے کی وجہ سے چاند نظر آئے تو تیس دن کی مقدار پوری کر لو اور ایک روایت میں ہے کہ مہینہ کبھی ۲۹؍دن کا ہوتا ہے پس تم جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور اگر تمہارے سامنے ابر یا غبار ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو۔ (مشکوۃ ص ۱۷۴) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا: صوموا لرؤیته وافطروا لرویته فان غم علیکم فاکملوا عدة شعبان ثلثین۔ یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھنا شروع کرو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو اور اگر ابر ہو تو شعبان کی گنتی تیس پوری کر لو۔ (بخاری مسلم مشکوۃ ص ۱۷۴) لہٰذا اگر ۲۹؍رمضان کو چاند نظر نہ آئے تو حدیث شریف کے مطابق مسلمانوں پر تیس کی گنتی پوری کرنا لازم ہے' اور اگر ایک شہر میں چاند کا ثبوت شرعی ہو جائے تو دوسرے شہر میں ریڈیو کی خبر پر روزہ چھوڑنا اور عید کرنا جائز نہیں ہاں اگر دوسرے شہر میں بھی ثبوت شرعی ہو جائے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شریعت کے مطابق وہاں سے آ کر چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا حکم قاضی پر شہادت دیں یا خبر مستفیض یا خبر متواتر سے چاند ہونے کا علم ہو جائے تو اس دوسرے شہر میں بھی عید منانا جائز بلکہ ضروری ہے لیکن ریڈیو کی خبر خبر مستفیض نہیں اور نہ چاند دیکھنے کی شہادت ہے نہ حکم قاضی پر شہادت ہے لہٰذا ٹیلیفون اور ریڈیو کی خبر عید کے چاند کے لئے شرعاً معتبر نہیں کہ یہ نئے آلات خبر پہنچانے میں تو کام آ سکتے ہیں لیکن شہادتوں میں معتبر نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیلیفون اور ریڈیو کی خبروں پر کچہریوں کے مقدموں کا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ گواہوں کو حاضر ہو کر گواہی دینی پڑتی ہے' اور جب دنیوی معاملات میں موجودہ کچہری کا قانون ٹیلیفون اور ریڈیو کے ذریعہ گواہی ماننے کو تیار نہیں تو پھر دینی معاملات میں شریعت کا قانون ان کے

ذریعہ خبر یا گواہی کو کیوں کر مان سکتا ہے؟ رہا ہلال کمیٹی کا اعلان تو آج کل بہت سے مقامات پر ہلال کمیٹیاں قائم ہیں جن کے ممبران عموماً مسائل شرعیہ سے ناواقف ہیں اسی لئے ریڈیو کی خبر پر عید منانے کا اعلان کر دیتے ہیں اور بہت سے جاہل عالموں کا لباس پہن کر علمائے اہلسنّت کہلاتے ہیں جو مسلمانوں کو گمراہی کے راستے پر ڈالتے ہیں ان کا اعلان عند الشرع ہرگز معتبر نہیں اور نہ اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ لہٰذا صورت مذکورہ میں صرف ریڈیو کے اعلان پر جس امام نے یکشنبہ کو عید منانے کی مخالفت کی وہ حق پر ہے اور مقتدی غلطی پر ہیں اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بلاشبہ جائز اور حکم شرعی پر عمل کرنے کے سبب امام سے رنجش رکھنا گناہ ہے (۲) صورت مسئولہ میں جن لوگوں نے ریڈیو کے اعلان پر یکشنبہ کو عید منانے کا فیصلہ کیا وہ خطا کار و گنہگار ہیں ان پر توبہ لازم ہے کہ ان کا فیصلہ شریعت کے فیصلے کے مخالف ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۶ رذو القعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از حاجی مدار بخش محلہ دمدمہ کالپی ضلع جالون

کالپی سے ایک مسلمان کانپور مفتی صاحب کے پاس عید کے چاند کی سند لینے گیا بدھ کے سویرے قریب ساڑھے چھ بجے صبح چاند کی تصدیق ہوگئی کہ آج عید ہے لہٰذا مفتی صاحب نے خود روزہ توڑ دیا اور اعلان کرا دیا سب مسلمانوں نے بھی روزہ توڑ دیا پھر مفتی صاحب نے جو آدمی کالپی سے سند لینے گیا تھا اس کو سند لکھ دی اور مہر بھی لگا دی پھر وہ شخص کالپی سند لے کر آیا لہٰذا مفتی صاحب کی تحریر اور مہر دیکھ کر امام صاحب اور سب مسلمانوں نے روزے توڑ دیئے صرف دو چار یا چند مسلمانوں نے نہیں توڑے تو کیا وہ چار یا چند مسلمانوں نے جنھوں نے روزے نہیں توڑے ان کے اوپر کوئی شرعی حکم عائد ہوتا ہے یا جنھوں نے روزے توڑ دیئے ان کے اوپر کوئی شرعی قانون و حکم لاگو ہوتا ہے؟

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: "کتاب القاضی الی القاضی" یعنی قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے (اور قاضی شرع نہ ہونے کی صورت میں شہر کے سب سے بڑے سنی صحیح العقیدہ مرجع فتویٰ عالم کے سامنے) شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس نے اپنا اور مکتوب الیہ کا نام و نشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہوا اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط فلاں قاضی شہر کے نام ہے وہ بہ احتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کرے کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو عمل کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۵۱) لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کانپور شہر کے سنی مرجع فتویٰ عالم نے تحریر لکھی اور یہ بھی مان لیا جائے کہ کالپی کے سب سے بڑے عالم کے نام اس نے تحریر لکھی اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ تحریر اس نے عادل یعنی متقی پرہیزگار جماعت سے نماز پڑھنے کے

پابند اور داڑھی باشرع رکھنے والے مسلمان کے سپرد کی تو بھی اس تحریر پر روزہ توڑنا جائز نہیں اس لئے کہ مفتی کو تحریر کا دو گواہان عادل کے سپرد کرنا ضروری ہے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۵۲ درر اور غرر سے ہے: لایقبله ایضًا الابشهادة رجلین او رجل وامرأتین لانه الکتابة قدیزور اذا الخط یشبه الخط والخاتم یشبه الخاتم فلا یثبت الاحجة تامة اور صورت مسئولہ میں کانپور کے مفتی نے دو عادل گواہوں کو تحریر سپرد کرنے کی بجائے ایک کے سپرد کی اس لئے وہ تحریر قابل اعتبار نہیں لہٰذا جن لوگوں نے اس تحریر پر زور توڑ دیا ان پر توبہ واستغفار لازم ہے مگر ان پر روزہ کی قضا فرض نہیں کہ بعد میں منگل کی شام کا چاند ثابت ہو گیا۔ هٰذا ما عندی والعلم عند المولیٰ تعالیٰ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد مطیع الرحمٰن مدرسہ احیاء العلوم تھتیاں بلور ضلع مظفر پور

میرا کام ان دنوں بسلسلۂ درس وتدریس مدرسہ احیاء العلوم موضع تھتیاں مظفر پور میں ہے: یہاں نہ میں نے اور نہ کسی بھی مسلمان نے ۲۹/رجب کو چاند دیکھا میں نے مقامی مسلمانوں کو بتایا کہ رجب کے تیس دن پورے کرنے کے بعد شب برأت منگل کو کرو پھر شعبان کی ۲۹/کو بھی تھتیاں میں نہ چاند دیکھا گیا اور نہ کوئی شہادت شرعی پہنچی میں نے لوگوں کو بتایا کہ شعبان بھی تیس دن پورے کرو۔ اس طرح سے یہاں کے لوگوں نے رمضان کا روزہ جمعہ کے دن سے شروع کیا۔ رمضان میں جب میں کلکتہ پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ کلکتہ میں شعبان ورمضان کی رؤیت بالترتیب ۲۹/رجب وشعبان کو ہوئی میں نے اہل تھتیاں کو دو روزوں کی قضا کا حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل کیا کیونکہ اس سال رمضان میں روزے ۳۰/رہوئے میرے اس طرز پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہے ان کا کہنا ہے کہ مولانا کے مسئلہ بتانے کی وجہ سے تھتیاں میں رمضان کے ۲۸/روزے ہو گئے لہٰذا ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ بالا میں کیا عندالشرع مجرم ہوں؟ مفصل ومدد جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ صورت مذکورہ میں آپ نے عین شریعت کے مطابق کیا۔ بخاری ومسلم کی حدیث ہے: سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صوموا لرؤیته وافطروا لرویته فان غم علیکم فاکملوا عدة شعبان ثلثین. یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھنا شروع کرو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر چاند نظر نہ آئے تو شعبان کی گنتی ۳۰/پوری کرو لہٰذا آپ ہرگز مجرم نہیں بلکہ جو لوگ آپ کو مجرم ٹھہرانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ خود ہی بہت بڑی غلطی پر ہیں خداتعالیٰ مسلمانوں کو شریعت کی باتوں کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از الحاج عبدالسمیع اندر چوک۔ کاٹھمنڈو۔ (نیپال)

(۱) کاٹھمنڈو راج نیپال کی راجدھانی ایک ایسی جگہ پر واقع ہے کہ جہاں پر ابر و باد کی وجہ سے اکثر ۲۹؍ کا چاند نظر نہیں آتا تو اگر تار، ٹیلیفون سے چاند کی خبر آئے تو اس کو مان کر روزہ رکھنا یا عید الفطر یا عید قربانی کرنا کیسا ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص ریڈیو پاکستان کے اعتبار سے دس ذی الحجہ کو اور رویت یا شہادت شرعی ۹؍ ذی الحجہ کو قربانی کرلے تو اس کی قربانی ہوگی یا نہیں؟ یعنی ریڈیو کے اعتبار سے ۱۰؍ تاریخ ہوتی ہے اور دیکھنے یا گواہی کے اعتبار سے ۹؍ ذی الحجہ کا ثبوت ہوتا ہے تو ایسی صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بعون الملك الوهاب (۱) سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلثين۔ یعنی کبھی مہینہ ۲۹؍ دن کا ہوتا ہے پس تم جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور اگر تمہارے سامنے ابر و غبار ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔ (بخاری، مسلم) لہٰذا اگر ۲۹؍ کا چاند نظر نہ آئے تو حضور کے ارشاد کے مطابق ۳۰؍ کی گنتی پوری کرنا ضروری ہے تار، ٹیلیفون کی خبر پر ۲۹؍ کا چاند ماننا ہرگز ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ یہ نئے آلات خبر پہنچانے میں تو کام آسکتے ہیں لیکن شہادتوں میں نہیں معتبر ہو سکتے یہی وجہ ہے کہ خط، تار، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی خبروں پر موجودہ کچہریوں کے مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ گواہوں کو حاضر ہو کر گواہی دینی پڑتی ہے، اور جب دنیوی جھگڑوں میں موجودہ کچہری کا قانون ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ گواہی ماننے کو تیار نہیں تو پھر دینی امور میں شریعت کا قانون ان کے ذریعہ گواہی کیوں کر مان سکتا ہے۔ (۲) پاکستان ہو یا عرب کسی ریڈیو کی خبر پر بلا ثبوت شرعی ۹؍ ذی الحجہ کو ۱۰؍ ذی الحجہ قرار دے کر قربانی کی تو قربانی نہ ہوئی۔ افسوس کہ بعض دنیادار اپنی ناقص عقل کو حکم شرعی میں دخیل ٹھہرا کر اپنی عبادتوں کو برباد کرتے ہیں اور مستحق عذاب نار ہوتے ہیں خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو سمجھ عطا فرمائے کہ عبادت کو شریعت کے مطابق ادا کریں اور شرعی معاملہ میں اپنی ناقص عقل کو دخیل نہ بنائیں۔ هٰذا ما ظهرلي والعلم بالحق عندالله تعالىٰ ورسولهٗ الاعلىٰ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از محمد عبد اللہ علیمی، علی منزل پی ڈبلیو ڈی چوک ماڑی پور مظفر پور (بہار)

(۱) ریڈیو، ٹیلی ویژن، خط، تار، ٹیلی گرام، ٹیلی فون کے ذریعہ اگر رویت ہلال کی اطلاع ملے تو عند الشرع معتبر ہے یا نہیں؟ (۲) زید کا کہنا ہے کہ ان ایجادات نو سے دور حاضر میں فائدہ نہ حاصل کرنا قدامت پسندی اور خلاف عقل ہے کیا زید کا قول مانا جاسکتا ہے، اور رویت ہلال کے سلسلے میں سوال نمبر ۱ میں درج اشیاء کے ذریعہ ملنے والی اطلاع کو صحیح اور معتبر سمجھ کر رمضان کا روزہ رکھنا یا عید کی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ (۳) جس مقامات پر رویت ہلال نہ ہوئی وہاں کے لوگوں نے ریڈیو یا ٹیلیفون یا اسی طرح کے دوسرے ذریعے کی خبروں پر اعتماد کر کے نماز عید ادا کرلی اور تیس کا روزہ پورا نہ کیا۔ کیا ان لوگوں پر روزہ کی قضا لازم

ہے' اور عید کی نماز دوسری تاریخ پر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (۴) بعض مقامات کے لوگوں نے خط و تار وغیرہ کا اعتبار معاملہ رؤیت ہلال میں نہ کیا اور تیس روزے پورے کر کے یکم شوال کو عید پڑھی بعد میں دوسرے مقامات سے شہادت شرعیہ ملی سوال یہ ہے کہ تیس روزے پورے کرنے والے ماہ شوال کی تاریخ کس حساب سے مانیں آیا ۲۹ر کے اعتبار سے یا ۳۰ر کے اعتبار سے؟

بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

الجواب: (۱) خط کے ذریعہ اگر رؤیت ہلال کی اطلاع ملے تو عند الشرع معتبر نہیں اس لئے کہ ایک تحریر دوسری تحریر سے مل جاتی ہے لہٰذا اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ خط کے ذریعہ کچہری میں گواہی نہیں لی جاتی۔ درمختار میں ہے: لایعمل بالخط اور ہدایہ میں ہے: الخط یشبه الخط فلا یعتبر. رہے تار اور ٹیلیفون تو یہ بے اعتباری میں خط سے بڑھ کر ہیں اس لئے کہ خط میں کم از کم کاتب کے ہاتھ کی علامت ہوتی ہے تار و ٹیلی فون میں وہ بھی مفقود۔ نیز گواہ جب پردے کے پیچھے ہوتا ہے تو گواہی معتبر نہیں ہوتی اس لئے کہ ایک آواز دوسری آواز سے مل جاتی ہے تو تار ٹیلیفون کے ذریعہ گواہی کیسے معتبر ہوسکتی ہے فتاویٰ عالمگیری جلد سوم ص ۳۵۷ میں ہے: لو سمع من وراء الحجاب لایسعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیره اذا النغمة تشبه النغمة' اور ریڈیو و ٹیلی ویژن میں تار و ٹیلی فون سے زیادہ دشواریاں ہیں اس لئے کہ تار و ٹیلیفون پر سوال و جواب بھی کر سکتے ہیں مگر ریڈیو ٹیلی ویژن پر کچھ نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ نئے آلات خبر پہنچانے میں کام آسکتے ہیں لیکن شہادتوں میں معتبر نہیں ہو سکتے۔ (۲) اپنے آپ کو ترقی پسند کہنے والے دنیا دار بلکہ ان مذکورہ بالا اشیاء کو ایجاد کرنے والے اور بنانے والے بھی ان خبروں پر مقدمے فیصلے نہیں کرتے بلکہ گواہوں کو حاضر ہو کر گواہی دینی پڑتی ہے تو جب دنیوی جھگڑوں میں موجودہ کچہری کا قانون ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعہ گواہی ماننے کو تیار نہیں تو پھر دینی امور میں شریعت کا قانون ان کے ذریعہ گواہی کیوں کر مان سکتا ہے۔ خبر و شہادت کے درمیان فرق نہ کرنے کے سبب زید کو غلط فہمی ہوگئی ہے خدا تعالیٰ سے ان کے درمیان فرق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) (۳) جن لوگوں نے ریڈیو اور ٹیلی فون وغیرہ کی خبروں پر عید کر لی اور تیس روزے پورے نہ کئے ان پر توبہ واستغفار اور روزہ کی قضا لازم ہے' اور عید کی نماز دوسرے روز پڑھنا واجب ہے ہاں اگر بعد میں شہادت شرعیہ سے ۲۹ر کی رؤیت ہلال ثابت ہو جائے تو روزہ کی قضا لازم نہیں مگر توبہ واستغفار بہر صورت ضروری ہے۔ (۴) اگر بود شہادت شرعیہ ۲۹ر کی رؤیت ثابت ہو جائے تو ماہ شوال کی تاریخ ۲۹ر کے حساب سے مانی جائے گی۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند الله تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ جل جلاله وصلی الله علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ر شوال المکرم ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از غلام محی الدین صدیقی خطیب مسجد شاہجہانی درگاہ خواجہ اجمیر شریف (راجستھان)

زید مولوی ہے وہ کہتا ہے کہ داڑھی صرف انبیاء علیہ السلام کی سنیت ہے لہٰذا داڑھی منڈوانے والوں کی شہادت رؤیت

ہلال کے ثبوت کے لئے کافی ہے قابل تسلیم ہے تو کیا واقعی داڑھی کی حیثیت اس سے زائد نہیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور داڑھی منڈوانے والوں کی شہادت پر رؤیت ہلال کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ (۲) اختلاف مطالع احناف کے نزدیک معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو کتنی دور تک کی شہادت قابل تسلیم ہے اگر معتبر نہیں ہے تو کیا ایک شخص سیکڑوں میل سے اگر شہادت دیتا ہے تو اس کی شہادت سے رؤیت ہلال کا ثبوت یہاں کے لئے ہوسکتا ہے؟ (۳) اکثر مقامات پر شاہی امام عبداللہ بخاری صاحب کے اعلان پر عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ لوگ منا لیتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کے یہاں کوئی شرعی ثبوت رؤیت ہلال کا نہیں ہوتا کیا اس طرح اعلان پر عید کر لینا جائز ہے؟ کیا کسی بھی طرح ان کے ریڈیو کے اعلان سے رؤیت کا شرعی ثبوت ہوسکتا ہے؟

الجواب: (۱) داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اسے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے لہٰذا جو شخص داڑھی منڈانے کا عادی ہو وہ علانیہ ارتکاب حرام کے سبب فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کی شہادت سے رؤیت ہلال کا ثبوت نہیں ہوسکتا اور داڑھی کو جو انبیاء کرام کی سنت کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ داڑھی واجب نہیں ہے بلکہ سنت لغویہ ہے یعنی داڑھی بڑھانا انبیاء کرام کا طریقہ ہے مگر واجب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے بارے میں ارشاد فرمایا: سُنَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ۔ یعنی قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے حالانکہ قربانی واجب ہے بہار شریعت حصہ شانزدہم ص ۱۹۷ میں ہے: داڑھی بڑھانا سنن انبیاء سابقین سے ہے۔ منڈانا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔ اور درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۲۶۱ میں ہے: یحرم علی الرجل قطع لحیته یعنی مرد کو اپنی داڑھی کاٹنا حرام ہے اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: حق کردن لحیہ حرام ست وروش افرنج وہنود وجوالقیان ست کہ ایشان راقلندریہ گویند وگزاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست وآں کہ راسنت گویند بہ معنی طریقۂ سلوک در دین ست یا بجہت آں کہ ثبوت آں بسنت ست چنانچہ نماز عید راسنت گفتہ اند''۔ یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے اور انگریزوں ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اور جو لوگ کہ ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت کہتے ہیں (تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یا) تو یہاں سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے اور یا تو اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے)۔ (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۲۱۲) اور درمختار مع ردالمحتار جلد دوم ص ۱۱۶، شامی جلد دوم ص ۱۱۷، بحرالرائق جلد دوم ص ۲۸۰، فتح القدیر جلد دوم ص ۲۷۰ اور طحطاوی علی مراقی ص ۴۱۱ میں ہے: واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیة وھو دون ذالك (ای قدر المسنون وھو القبضة) كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم يبحه احد واخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم۔ یعنی داڑھی جبکہ ایک مشت سے کم ہو تو اس کو کاٹنا جس طرح بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک حلال نہیں، اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے۔ (۲) احناف کے نزدیک اختلاف مطالع ہرگز معتبر نہیں یہی ظاہر الروایت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص

۹۶ میں ہے: اختلاف المطالع غیر معتبر علیٰ ظاهر المذهب وعلیه اکثر المشایخ وعلیه الفتویٰ بحر عن الخلاصة فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رویة اولئك بطریق موجب کما مر۔ لہٰذا دو عادل ثقہ اگر سیکڑوں بلکہ ہزاروں میل کی دوری سے آکر کسی شہر میں گواہی دیں تو ان کی شہادت سے اس شہر والوں کے لئے رؤیت ثابت ہو جائے گی، لیکن اگر وہ ریڈیو یا ٹیلیفون وغیرہ پر دور سے گواہی دیں تو ایسی شہادت سے دوسرے شہر والوں کے لئے رؤیت ہرگز ثابت نہ ہوگی۔

(۳) ریڈیو پر اعلان کوئی بخاری کرے یا سمرقندی دوسرے شہر والوں کے لئے اس طرح چاند کی رؤیت ہرگز ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ گواہ جب پردہ کے پیچھے ہو تو اس کی شہادت عند الشرع معتبر نہیں ریڈیو کا اعلان کیسے معتبر ہو سکتا ہے فتاویٰ عالمگیری جلد سوم مطبوعہ مصر ص ۳۵۷ میں ہے: لو سمع من وراء الحجاب لایسعه ان یشهد۔ لہٰذا دوسرے شہر کے لوگ جو ریڈیو کے اعلان پر عید الفطر وغیرہ کر لیتے ہیں وہ سخت گنہگار ہوتے ہیں۔ وهو سبحانه اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد حدیث القادری مدرسہ قادریہ مصباح العلوم جھر کے ضلع گریڈیہہ

۲۹ر شعبان کو آسمان پر ابر ہو اور چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کا ۳۰ر دن پورا کیا جائے گا یا نہیں؟ ریڈیو، تار، اخبار، ٹیلی ویژن اور جنتری وغیرہ کی خبر پر رمضان المبارک کا روزہ رکھا جائے گا یا نہیں؟ عید منائی جائے گی یا نہیں؟ یہ سب خبریں مذہب اسلام میں معتبر ہیں یا نہیں؟ اگر ریڈیو وغیرہ کی خبر پر رمضان المبارک کے روزہ کی نیت کر کے رکھے تو روزہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ۲۹ر تاریخ کو کسی بھی سبب سے چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ر دن پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ان غم علیکم فاکملوا العدة ثلثین۔ یعنی اگر تمہارے سامنے ابر یا غبار ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو (بخاری۔ مسلم) اور ریڈیو، تار، اخبار، ٹیلی ویژن اور جنتری وغیرہ کی خبروں پر نہ رمضان المبارک کا روزہ رکھا جائے گا اور نہ عید منائی جائے گی کہ ان کے ذریعہ ملی ہوئی خبریں چاند کے بارے میں شرعاً معتبر نہیں ریڈیو کی خبر پر اگر کسی نے رمضان المبارک کی نیت سے روزہ رکھا تو اگر بعد میں شرعی طور پر ۲۹ر کی رؤیت ثابت ہوگئی تو وہ روزہ ماہ رمضان کا ہوگا اور نہ نفل، اور روزہ رکھنے والا بہر صورت گنہگار ہوگا تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم یا ہماری کتاب انوار الحدیث کا مطالعہ کریں۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ر شوال ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از حاجی مدار بخش کالپی محلہ دمدمہ ضلع جالون

ایک حافظ قرآن امام صاحب نے ریڈیو کی خبر لوگوں سے سنی اور مقتدیوں نے امام صاحب سے کہا کہ آپ عید کی نماز پڑھا

رہیے حافظ صاحب نے لوگوں کے کہنے پر نماز عید پڑھادی ایسی صورت میں حکم شرع سے آگاہ فرمانے کی زحمت فرمائیں۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب. جب ۲۹ رمضان المبارک کو چاند ہونے کا ثبوت شرعی حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں ۳۰ ر تاریخ کو نماز عید ہرگز نہیں ہو سکتی اور اگر کسی شخص نے ریڈیو وغیرہ کی خبر پر لوگوں کے کہنے سے شہادت شرعی نہ گزرنے کے باوجود نماز عید پڑھادی تو وہ شخص گنہگار ہوا اس پر توبہ فرض ہے۔

کتبہ: محمد الیاس خاں سالک

۲۰ ر صفر ۱۳۹۴ھ

مسئلہ: از حافظ عبد الجبار کالپی بازار ٹرنگنج ضلع جالون (یو۔ پی)

ہمارے شہر میں گزشتہ عید الفطر کی نماز دو روز پڑھی گئی تھی ایک گروہ نے قرب و جوار میں بہت جگہ ۲۹ ر کی رؤیت ہلال مانتے ہوئے نماز پڑھی اسی سند پر ایک گروہ نے پہلے روز نماز پڑھ لی دوسرے گروہ نے ۳۰ ر کا چاند دیکھ کر نماز پڑھی جس امام نے یا جن لوگوں نے پہلے روز نماز پڑھی کیا اب ان کے پیچھے نماز جائز ہے اگر ایسا ہے تو صوبہ بلکہ سارے ملک ہندوستان پاکستان میں بھی پہلے روز یعنی ۲۹ ر کے حساب سے نماز پڑھی گئی کیا سب لوگ اس قابل نہیں رہے کہ اب ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے؟ جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب: اگر ۲۹ ر رمضان کو رؤیت نہ ہوئی تو جن لوگوں نے بغیر ثبوت شرعی عید کی نماز پڑھ لی ان پر ایک روزہ کی قضاء اور توبہ لازم ہے۔ ہاں اگر بعد میں ۲۹ ر رمضان کی رؤیت ثبوت شرعی سے ثابت ہوگئی تو روزہ کی قضا نہیں مگر توبہ بہر صورت ہے لہٰذا ایسے لوگ اگر علانیہ توبہ نہ کریں تو ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں: جو لوگ غیر ثبوت شرعی کو ثبوت مان کر عید کر لیں تو ان پر ایک روزہ کی قضا لازم ہے اگرچہ واقع میں وہ دن عید ہی کا ہو مگر یہ کہ بعد کو ثبوت شرعی سے اس دن عید ثابت ہو جائے تو اس روزہ کی قضا نہ ہوگی صرف بے ثبوت شرعی عید کر لینے کا گناہ رہے گا جس سے توبہ کریں۔ (فتاوٰی افریقہ ص ۱۵۳)

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ ر ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ: از غلام مرتضیٰ حشمتی مسجد گلشن بغداد آزاد نگر۔ گھاٹ کوپر بمبئی نمبر ۸۹

لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ۲۹ ر کا چاند دکھا رہی تھیں اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے فرمایا: اے فاطمہ کیا کر رہی ہو؟ فرمایا کہ بچوں کو چاند دکھا رہی ہوں حضور نے فرمایا آج ۲۹ ر ہے چاند کیسے دکھائی دے گا، تو حضرت فاطمہ نے عرض کیا: کیا میرے بچے بغیر چاند دیکھے واپس چلے جائیں۔ کہتے ہیں معاً

چاند دکھائی دیا اور اسی وقت سے ۲۹ر کا بھی مہینہ ہونے لگا تو یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: واقعۂ مذکور بالکل بے اصل ہے جو کسی جاہل نے وضع کیا ہے اس لئے کہ جب سے نظام فلکی قائم ہوا اسی وقت سے چاند کبھی تیس اور کبھی ۲۹ر کا ہوتا چلا آیا ہے جیسا کہ علم ہیئت سے ظاہر ہے نہ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بچپن سے۔ ھٰذا ما عندی وھو اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ر محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از حضور احمد منظری سک راول پچھم ٹانڈہ۔ ضلع فیض آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ فقہائے کرام نے ثبوت چاند کے سلسلے میں مندرجہ ذیل صورتیں وضع کی ہیں نمبر ۱ شہادت، نمبر ۲ شہادۃ علی الشہادۃ، نمبر ۳ شہادۃ علی القضا، نمبر ۴ کتاب القاضی الی القاضی، نمبر ۵ استفاضہ، نمبر ۶ اکمال مدت، نمبر ۷ توپوں کا سننا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے توپوں کے سننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے لئے دلائل ثبوت ہلال سے شمار کیا ہے جب کہ رؤیت کے مواقع پر کسی کے خیر مقدم کے لئے یا کسی اور بناء پر توپوں کے داغنے کا احتمال نہ ہو۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے کسی میں ریڈیو یا اخبار کی خبروں پر اعتبار واعتماد کرنے کی نہ تو وضاحت ہے، اور نہ ہی کوئی اشارہ جب کہ موجودہ دور میں یہی آلات خبروں کے ذرائع ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) رؤیت کے سلسلے میں خبر معتبر ہے یا نہیں؟ (۲) اگر کوئی عالم ریڈیو یا اخبار سے رؤیت کا اعلان کرے اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے کوئی شخص یہ کہے کہ پورے ملک کے لئے رؤیت ثابت ہوگئی تو کیا وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے؟ (۳) اعلان رؤیت کے حدود کیا ہیں؟ یعنی رؤیت کے اعلان پر کہاں تک کے لوگ عمل کر سکتے ہیں جب کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ کی عبارت کا مفہوم شہر اور مضافات شہر ہیں؟ (۴) ریڈیو کی خبر پر اعتماد کر کے اگر لوگ روزہ رکھ لیں یا عید منالیں تو ان کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ (۵) ایسا شہر جہاں خود دار الافتاء اور علماء پر مشتمل ہلال کمیٹی ہو تو وہاں کے لوگ ریڈیو کی خبر پر عمل کریں یا اپنے شہر کے دار الافتاء کے فتوے یا ہلال کمیٹی کے فیصلے پر عمل کریں؟ بینوا توجروا

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) رمضان المبارک کے چاند کی رؤیت کے بارے میں ایک مسلمان مرد یا عورت عادل یا مستور الحال کی خبر معتبر ہے جب کہ ۲۹ر شعبان کو مطلع صاف نہ ہو حدیث شریف میں ہے: عن ابن عباس قال جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی رأیت الھلال یعنی ھلال رمضان فقال اتشھد ان لا الٰہ الا اللہ قال نعم قال اتشھد ان محمدًا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قال نعم قال یا بلال اذن فی الناس ان یصوموا غدًا۔ رواہ ابوداؤد، والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی (مشکوٰۃ ص ۱۷۴) حضرت ع

عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''دریں حدیث دلیل است برآنکہ یک مرد مستور الحال یعنی آنکہ فسق او معلوم نہ باشد مقبول ست خبر وے در ماہ رمضان وشرط نیست لفظ شہادت۔ (اشعۃ اللمعات جلد دوم ص ۷۹) اور درمختار مع ردالمحتار جلد دوم ص ۹۳ میں ہے: قبل للصوم مع علة کغیم وغبار خبر عدل اومستور لافاسق اتفاقا اھ ملخصًا' اور اسلامی شہر جہاں مفتی اسلام مرجع عوام ومتبع الاحکام ہو کہ روزہ اور عیدین کے احکام اسی کے فتوے سے نافذ ہوتے ہیں اگر وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب بیک زبان خبر دیں کہ وہاں فلاں دن چاند دیکھ کر روزہ ہوا یا عید کی گئی اس طرح بھی رؤیت کے سلسلے میں خبر معتبر ہے جسے استفاضہ کہتے ہیں جیسا کہ شامی جلد دوم ص ۹۷ میں ہے: قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن تلك البلدة انهم صاموا عن رویة۔ لیکن ریڈیو وغیرہ کی خبر رمضان المبارک کے چاند کی رؤیت کے بارے میں بھی بچند وجوہ مقبول نہیں۔ اوّل: اس کی بہت سی خبریں جھوٹی ہوتی ہیں۔ دوم: خبر دینے والے عمومًا کافر وفاسق ہوتے ہیں۔ سوم: اپنا دیکھنا نہیں بیان کرتے بلکہ دوسروں کے دیکھنے کی حکایت کرتے ہیں اور اگر بالفرض اپنے دیکھنے کی خبر دیں تب بھی مقبول نہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: آڑ سے جو آواز مسموع ہو اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہوسکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۲۷) چہارم: کبھی نااہل مفتی کے فیصلہ کی خبر دیتے ہیں۔ پنجم: کبھی بازار میں اڑی ہوئی افواہ کا اعلان کردیتے ہیں۔ شامی جلد دوم ص ۹۷ میں ہے: قد تشیع اخبار یتحدث بها سائر اهل البلدة ولا یعلم من اشاعها کما وردان فی آخر الزمان یجلس الشیطان بین الجماعة فیتکلم الکلمة فیتحدثون بها ویقولون لاندری من قالها فمثل هٰذا لاینبغی ان یسمع فضلا ان یثبت به حکم. هٰذا ما عندی وهو تعالٰی اعلم بالصواب. (۲) عالم ریڈیو اخبار سے رؤیت کا اعلان کرے تو اس سے پورے ملک کے لئے رؤیت کو ثابت ماننے والا حق بجانب نہیں بلکہ کھلی ہوئی غلطی پر ہے۔ (۳) اعلان رؤیت کے حدود شہر اور حوالی شہر ہیں۔ لہٰذا جو لوگ کہ شہر اور اس کے مضافات میں رہتے ہیں اعلان رؤیت کے مطابق ان کو عمل کرنا ضروری ہے علامہ شامی علیہ الرحمہ والرضوان ردالمحتار میں اور امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ نے منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں اسی طرح افادہ فرمایا ہے۔ (۴) ریڈیو کی خبر پر شہر اور اس کے مضافات کے علاوہ دوسرے لوگوں کا روزہ رکھنا اور عیدین کرنا جائز نہیں۔ (۵) ریڈیو کی خبر پر عمل نہ کریں بلکہ ہلال کمیٹی کا فیصلہ جس کو دارالافتاء کی تصدیق حاصل ہو اس پر عمل کریں۔ هٰذا ما ظهرلی والعلم بالحق عندالله تعالٰی ورسوله جل جلاله و صلی الله علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۷ رظفر المظفر ۱۴۰۳ھ

باب الاعتکاف

اعتکاف کا بیان

مسئلہ: از محمد اسحاق خاں وارثی خطیب جامع مسجد اریاوان ضلع رائے بریلی

زید کے محلہ میں اس دروازے پر مسجد ہے جس میں نماز پنجگانہ و نماز جمعہ ہوتی ہے زید نماز پنجگانہ تو اسی مسجد میں پڑھاتا ہے لیکن نماز جمعہ دوسرے محلے کی مسجد میں بحیثیت امام ادا کرتا ہے زید اعتکاف اپنے دروازے والی ہی مسجد میں بیٹھنا چاہتا ہے تو امر دریافت طلب یہ ہے کہ وہ نماز جمعہ کس مسجد میں ادا کرے گا جس میں معتکف ہوا ہے وہیں نماز جمعہ ادا کرے یا جس غیر محلہ کے مسجد کا امام ہے وہاں پر جائے اور نماز جمعہ پڑھا کر کے فوراً ہی اپنی جائے اعتکاف پر واپس آجائے؟

الجواب: جمعہ اسی مسجد میں ادا کرے گا جس میں معتکف ہوا اگر جمعہ پڑھانے کے لئے دوسری مسجد میں گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا بلکہ اگر ڈوبنے یا جلنے والے کو بچانے کے لئے مسجد سے باہر گیا یا گواہی دینے کے لئے گیا یا جہاد میں سب لوگوں کا بلاوا ہوا اور یہ بھی نکلا یا مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے گیا اگرچہ کوئی دوسرا پڑھانے والا نہ ہو تو ان سب صورتوں میں اعتکاف فاسد ہو جائے گا ھٰکذا فی بھار شریعت اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے: ولو خرج لجنازة یفسد اعتکافه وکذا الصلاتها ولو تعینت علیه اولا نجاء الغریق اوالحریق اوالجهاد اذا کان النفیر عاما اولاداء الشهادة هٰکذا فی التبیین۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ رشوال المکرم ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از نصیر خاں مسٹر فراش واڑہ۔ ڈونگر پور (راجستھان)

معتکف اگر بیڑی، سگریٹ، حقہ پینے کا عادی ہو تو کیا کرے اگر بیڑی، سگریٹ، حقہ وغیرہ استعمال کرے یعنی پینے کی غرض سے مسجد سے باہر آئے جائے ایسی صورت میں اعتکاف باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ دلائل کے ساتھ بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب: معتکف بیڑی، سگریٹ یا حقہ پینے کے لئے فنائے مسجد میں نکل سکتا ہے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: فنائے مسجد جو جگہ مسجد سے باہر اس سے ملحق ضروریات مسجد کے لئے ہے مثلاً جوتا

اتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ ان میں جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ (فتاویٰ امجدیہ ج ۱ ص ۳۹۹) لیکن خوب منہ صاف کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہو اس لئے کہ بیڑی اور سگریٹ وغیرہ کی بو جب تک کہ باقی ہو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ وھو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷/ ذوقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از ملا محمد حسین اوجھا گنج ضلع بستی

اعتکاف کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب: اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: اوّل واجب: کہ اعتکاف کی منت مانی مثلاً یوں کہا کہ میرا بچہ تندرست ہو گیا تو میں تین دن اعتکاف کروں گا تو بچہ کے تندرست ہونے پر تین دن کا اعتکاف واجب ہوگا۔ دوم سنت مؤکدہ: کہ بیسویں رمضان کو سورج ڈوبتے وقت اعتکاف کی نیت سے مسجد میں ہو اور تیسویں رمضان کو غروب کے بعد یا انتیس کو چاند ہونے کے بعد نکلے۔ یہ اعتکاف سنت کفایہ ہے۔ یعنی اگر سب لوگ ترک کریں تو سب سے مطالبہ ہوگا اور شہر میں ایک نے کر لیا تو سب بری الذمہ ہو گئے۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۹۷ و بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۴۸) ان دونوں اعتکافوں کے لئے روزہ شرط ہے (ردالمحتار جلد دوم ص ۱۴۰) اور اعتکاف کی تیسری قسم مستحب ہے جس کے لئے نہ روزہ شرط ہے اور نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہونا چاہے تو دروازہ پر دخول مسجد کی نیت کے ساتھ اعتکاف کی بھی نیت کر لے۔ جب تک مسجد میں رہے گا اسے اعتکاف کا بھی ثواب ملے گا۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

کتاب الحج

حج کا بیان

مسئلہ: از مولوی امیر حسین مہار مدنی۔ ب ۴۷/۷/۱۴۷/۷ مدینہ منورہ (سعودی عرب)

وہ مسلمان جو کہ ظالم کفار حکومت کے تحت اپنی زندگی گزارتے ہیں اور وہ مسلمان حج بیت اللہ شریف کے لئے چوری چھپے پڑوس والی دوسری حکومت میں داخل ہو کر اسی حکومت کے کہلاتے ہیں اور اس حکومت سے پاسپورٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت بھی دیتے ہیں پھر بعد میں اسی حکومت کے ذریعہ حج بیت اللہ کے لئے آتے ہیں اور حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد پھر اسی راستے سے چوری چھپے اپنے اصلی وطن چلے جاتے ہیں۔ لیکن راستے میں آنے اور جانے کے درمیان حکومت کے قانون کے مطابق عقوبات کے مستحق ہوتے ہیں تو ان مسلمانوں پر اس طرح حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ بالا صورت میں جن حضرات نے حج ادا کیا اس کا کیا حکم ہے۔ اس کا جواب مدلل ومفصل تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: وجوب حج کی شرطوں میں سے ایک شرط امن طریق بھی ہے یعنی اگر سلامتی کا غالب گمان ہو تو جانا واجب ہے اور اگر ہلاکت کا غالب گمان ہو تو جانا واجب نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں تبیین سے ہے: قال ابو اللیث ان کان الغالب فی الطریق السلامة یجب وان کان خلاف ذالك لا یجب و علیه الاعتماد۔ اسی قول پر علامہ ابن نجیم مصری نے بحر الرائق میں اور علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں بھی اعتماد فرمایا ہے اور ملا علی قاری نے شرح النقایہ میں فرمایا یہ قول مفتی بہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ غلبۂ سلامتی کے ساتھ خوف کے غالب نہ ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا: والذی ظهر ان یعتبر مع غلبة السلامة عدم غلبة الخوف۔ پھر اسی قول کو بحر الرائق اور ردالمحتار میں نقل کرنے کے بعد برقرار رکھا۔ لہٰذا وہ لوگ جو کسی ظالم حکومت میں رہتے ہیں اگر ان کو حج کی ادائیگی میں خوف کا غلبہ ہو تو ان لوگوں پر حج واجب نہیں ورنہ واجب ہے اور حج کرنے میں اگر بعض لوگوں کو قید و بند کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں یا بعض حجاج قتل کر دیئے جائیں تو یہ مانع وجوب حج نہیں۔ اس لئے کہ پانی کی قلت، گرم ہوا کی تکلیف اور بعض حجاز مقدسہ کا سفر زمانہ سابق میں اکثر محفوظ نہ تھا اس کے باوجود حج فرض رہا۔ ہاں اگر حج کرنے کے سبب ظالم حکومت اکثر حجاج کو قتل کر دے تو اس صورت میں حج فرض نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے: غلبة السلامة لیس المراد بها لکل احد بل للمجموع وهی لاتنتفی الا بقتل الاکثر اوالکثیر۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں فرمایا: والمختار عدم السقوط لان البادیة والطریق

مامنہم عن آلة ومانع مادانیٰ یوجد رضا اللہ تعالیٰ وزیارۃ الاماکن الشریفة بلامخاطرۃ' اور حج کرنے کے لئے کچھ رشوت دینا پڑے جب بھی جانا واجب ہے' اور چونکہ مسلمان اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے مجبور ہیں اس لئے دینے والوں پر مواخذہ نہیں۔ درمختار میں ہے: امن الطریق بغلبة السلامة ولوبا لرشوۃ علی ماحققه الکمال اور فتح القدیر و بحر الرائق میں ہے: وعلی تقدیر اخذ هم الرشوۃ فالاثم فی مثله علی الآخذ لا المعطی علی ماعرف من تقسیم الرشوۃ فی کتاب القضاء ولا یترك الفرض لمعصیة عاص' اور مذکورہ بالا حالات میں جن لوگوں نے حج کرلیا اوران کا حج فرض ادا ہوگیا۔ هٰذا ما ظهرلی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ جل جلاله وصلی المولیٰ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از جان محمد عرف بتو چوڑی فروش ہریا بازار بستی۔

حج میں بیوی کو ساتھ لے جانا ضروری ہے؟ ساتھ نہ لے جانے میں کیا حج کے ثواب میں کمی رہ جاتی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: حج میں بیوی کو ساتھ لے جانا ضروری نہیں ساتھ نہ لے جانے سے حج کے ثواب میں کوئی کمی نہیں۔ وهو تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: بدر الدین احمد رضوی

۵ جمادی الاخریٰ ۷۷ھ

مسئلہ: از کلو کمہر یا پوسٹ گورا بازار بستی

مساۃ رؤفہ اپنے شوہر کے پھوپھا ملک رفیق صاحب کے ہمراہ حج کو جانا چاہتی ہیں شرعاً ان کا جانا جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں مساۃ رؤفہ کا سفر ملک محمد رفیق کے ہمراہ حرام ہے انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ ص ۳ میں ہے: عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم بالغ قابل اطمینان نہ ہو جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے سفر حرام ہے اگر کرے گی حج ہو جائے گا مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔ وسبحانه وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: بدر الدین احمد رضوی

۲۳ رجب ۷۸ھ

مسئلہ: از صدرہ پوسٹ گوشائیں گنج ضلع فیض آباد مرسلہ عبد الغفور خزانچی۔

جس روپے میں سے زکوٰۃ نہ نکالی گئی ہو اور اس روپیہ سے کسی نے حج بیت اللہ شریف ادا کیا تو حج ہوگا یا نہیں؟ اور اس روپے کی زکوٰۃ ادا کرنا اب بھی فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: جن روپیوں کی زکوٰۃ نہ ادا کی گئی ہو ان روپیوں سے اگر کسی نے حج کیا تو حج ہو جائے گا لیکن ان روپیوں کی زکوٰۃ ادا کرنا اب بھی فرض ہے اگر نہیں ادا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۳؍ من ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از عبدالکریم رحمانی محلہ مرزا منڈی کالپی ضلع جالون۔

نیشنل انجمن کمیٹی چالیس ممبران کے ساتھ ایک عرصۂ دراز سے پچھڑے ہوئے بلکہ خصوصاً غرباء و مساکین کی رقومات کے ذریعہ دینی خدمات انجام دے رہی ہے بفضل خدا یہ سب صاحب وسعت ہیں اور گرانی کی وجہ سے ان چالیس ممبران نے یہ طے کیا کہ ہر ممبر دو ہزار سالانہ دے ایک سال میں اسی ہزار ہو جائیں گے قرعہ اندازی کے ذریعہ آٹھ ممبران سالانہ روانہ کرکے پانچ سال میں چالیس ممبران زیارت حج بیت اللہ سے سرفراز ہو سکتے ہیں، تو کیا ان چالیس ممبران کا اس طرح حج بیت اللہ کرنا از روئے شرع جائز ہے؟

الجواب: صورت مذکورہ کے ساتھ لوگوں کا حج بیت اللہ کے لئے جانا جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ ھذا ما ظھرلی والعلم عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲؍ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد زمان قادری کلیان پور برگدوا۔ ضلع گونڈہ

زید کی بیوی کا نام زیب النساء ہے عرصہ پچپن سال کا گزرا زید نے اپنی بیوی زیب النساء کو بوجہ بے اولاد ہونے کے اپنی جائداد سے حصہ دے کر الگ کر کے دوسری شادی کر لی اور زیب النساء سے تعلقات منقطع کر لئے لیکن طلاق نہیں دی آج تک زیب النساء بذات خود اپنی جائداد کا انتظام کر رہی ہے، اور گزر اوقات کر رہی ہے اب زیب النساء اپنی جائداد کی بچت کی رقم سے حج بیت اللہ شریف کو جانا چاہتی ہے لیکن زید اسے اجازت نہیں دیتا اور ساتھ جانے کو تیار بھی نہیں حالانکہ زیب النساء زید کو نصف خرچہ بھی دینے کو تیار ہے ایسی صورت میں زیب النساء کے ادائیگی حج بیت اللہ شریف کی کیا صورت ہے؟ جبکہ زیب النساء نے مغل لائن میں روپیہ بھی داخل کر دیا ہے؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ عورت کو بغیر شوہر یا محرم کے حج کے لئے جانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) صورت مسئولہ میں اگر عورت پر حج فرض ہے، اور شوہر عورت کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہے تو کسی ایسے محرم کے ساتھ جو

عاقل بالغ غیر فاسق ہو شوہر کی اجازت کے بغیر چلی جائے بہار شریعت جلد ششم ص ۱۴ پر ہے: ''جب محرم ہے تو حج فرض کے لئے محرم کے ساتھ جائے اگرچہ شوہر اجازت نہ دیتا ہو نفل اور سنت کا حج ہو تو شوہر کو منع کرنے کا اختیار ہے۔ انتھی بالفاظہٖ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: محمد حنیف رضوی سنی رضوی مسجد، آگرہ روڈ کرلا، بمبئی

زید حج کے لئے جارہا ہے اس کے نام سے گھر پر قربانی ہوگی تو زید پر حج کی قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: زید نے اگر حج افراد کیا تو اس پر حج کی قربانی واجب نہ ہوگی بلکہ اس صورت میں مستحب ہوگی حج تمتع یا قران کیا تو بہر حال اس پر حج کے شکرانہ کی قربانی واجب ہوگی البتہ اگر محتاج محض ہو جائے یعنی اس کے پاس اتنا نقد نہ رہ جائے کہ جانور خرید سکے اور نہ ایسا سامان رہے کہ اسے بیچ کر لا سکے تو اس صورت میں قران یا تمتع کرنے والے پر قربانی کے بدلے دس روزے واجب ہوں گے تین تو حج کے مہینے میں یعنی یکم شوال سے نویں ذی الحجہ تک حج کا احرام باندھنے کے بعد چاہے رکھے اور باقی سات روزے تیرہویں ذی الحجہ کے بعد بہتر یہ ہے کہ گھر پہنچ کر رکھے قال اللہ تعالیٰ: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ (پ۲ع۸) اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۹۲ میں ہے: وذبح للقران وھو دم شکر بعد رمی یوم النحر وان عجز صام ثلثۃ ایام ولو متفرقۃ آخرھا یوم عرفۃ وسبعۃ بعد تمام ایام حج اھ ملخصًا۔ پھر اگر ایام نحر میں قارن اور متمتع شرعاً مقیم رہے یعنی مکہ شریف میں کم سے کم پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت سے اس وقت حاضر ہوئے کہ منیٰ کی طرف حج کے لئے نکلنے میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ باقی رہے' اور اس درمیان میں تین دن کی مسافت کا سفر نہ کرے اور مالک نصاب رہے تو اس پر عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے چاہے حرم میں کرے یا گھر پر اور اکثر شرعاً مسافر رہے' اور وطن میں اپنے نام قربانی کا انتظام کرے تو وہ قربانی اس کی جانب سے نفلی ہوگی۔ کسی صورت میں گھر کی قربانی حج کے شکرانہ کی قربانی کا بدل نہیں بن سکتی اس کے لئے منیٰ اور حدود حرم خاص ہیں جیسا کہ ردالمحتار جلد دوم ص ۱۹۳ پر حج کے شکرانہ کی قربانی کے بارے میں یختص بالمکان وھو الحرام اھ۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ر ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از حاجی محمد رفیق خاں ساکن اہٹری ضلع بستی

اگر کسی شخص پر حج فرض ہو لیکن وہ حج کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ اپنی جانب سے حج بدل کرا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس صورت

میں حج مفروض سے بری الذمہ ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی پر حج فرض ہوا اور اس نے ادا نہ کیا یہاں تک کہ اب اس کے ادا کرنے پر قادر نہ رہ گیا مثلاً اپاہج یا مفلوج ہوگیا یا عورت تھی اب اس کا محرم نہیں رہ گیا تو اس پر وہ حج فرض باقی ہے خود نہ کر سکے تو حج بدل کرائے فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ۲۰۴ میں ہے: ولو ملك الزاد والراحلة وهو صحيح البدن ولم يحج حتى صار زمنا او مفلوجاً لزمه الاحجاج بالمال بلا خلاف كذا فى المحيط. یعنی اگر کوئی حالت تندرستی میں زاد و راحلہ کا مالک ہو اور اس نے حج نہ ادا کیا یہاں تک کہ اپاہج یا مفلوج ہوگیا تو اس پر حج بدل کرانا بلا اختلاف واجب و لازم ہے اسی طرح محیط میں ہے اور اس طرح کرنے سے وہ حج مفروض سے بری الذمہ ہوجائے گا جیسا کہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الحج ص ۲۲۱ میں ہے: عن ابن عباس رضى الله عنه قال اتى رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال ان اختى قدرت ان تحج وانها ماتت فقال النبى صلى الله عليه وسلم لو كان عليها دين اكنت قاضيه قال نعم قال فاقض دين الله فهوا حق بالقضاء متفق عليه. یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی اور حج کرنے سے پہلے وہ مرگئی آپ نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا کرتا اس نے عرض کیا: ہاں آپ نے فرمایا: پھر خدا تعالیٰ کا قرض بھی ادا کرو اور اس کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ (بخاری و مسلم) واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ر شعبان المکرم ۱۳۸۲ھ

مسئلہ: از (مولانا) محمد حفیظ اللہ نعیمی دار العلوم فاروقیہ مدھ نگر دھوائی ضلع گونڈہ۔

متمتع محرم بدون الہدی قبل احرام حج ایام اقامت میں نفلی عمرے کرسکتا ہے یا نہیں؟ پاکستان کراچی سے ''فتویٰ برائے ادائے عمرہ'' نام کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔ جس میں جواز کی طرف روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے برخلاف بہار شریعت کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام اقامت میں عمرہ ممنوع ہے حجاج کو صرف طواف کرنا چاہئے بہار شریعت کی عبارت درج ذیل ہے (۳۰) اب یہ سب حجاج (قارن متمتع مفرد کوئی ہو) منیٰ جانے کے لئے مکہ معظمہ میں آٹھویں تاریخ کا انتظار کر رہے ہیں ایام اقامت میں جس قدر ہوسکے نرا طواف بغیر اضطباع و رمل و سعی کرتے ہیں کہ باہر والوں کے لئے یہ سب سے بہتر ہے۔ بہار شریعت حصہ ششم ''طواف و سعی صفا مروہ و عمرہ کا بیان'' اس سلسلہ میں شرعی کیا ہے؟ آپ اپنی تحقیقات سے فیض یاب فرمائیں۔

الجواب: بعون الملك العزيز الوهاب. متمتع غیر السائق للہدی مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد قبل احرام حج مزید عمرے کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور راجح قول یہی ہے کہ کرسکتا ہے اس لئے کہ عمرے کا کوئی وقت مقرر نہیں صرف پانچ دن یعنی ۹ر ذی الحجہ سے ۱۳ر ذی الحجہ تک ناجائز ہے۔ ان ایام کے علاوہ پورے سال

میں جب چاہے کر سکتا ہے اور قارن کو ان دنوں میں بھی عمرہ کرنا جائز ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۲۱ اور فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الھندیہ جلد اوّل ص ۲۷۵ میں ہے: وقتها جميع السنة الاخمسة ايام تكره فيها العمرة لغير القارن وهي يوم عرفة ويوم النحر و ايام التشريق اور درمختار میں ہے: جاز في كل السنة وندبت في رمضان وكرهت تحريما يوم عرفة واربعة بعدها۔ اور علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے صاف لفظوں میں جواز کی صراحت بیان فرمائی ہے جیسا کہ منحة الخالق حاشیہ بحر الرائق جلد دوم ص ۳۶۶ میں ہے: وقد ذكر في الباب ان التمتع لايعتمر قبل الحج قال شارحه هٰذا ابناء على ان المكي ممنوع من العمرة الفردة ايضا وقد سبق انه غير صحيح بل انه ممنوع من التمتع والقران وهٰذا التمتع آفاقي غير ممنع من العمرة مجازله تكرارها لانها عبادة مستقلة ايضاً كا لطواف اھ۔ اور ردالمحتار باب التمتع جلد دوم ص ۱۹۵ میں ہے: درمختار کے قول راقام مكة حلالا کے تحت تنبیہ فرمایا ہے: افادانه يفعل مايفعله الحلال فيطوف بالبيت مابدأله ويعتمر قبل الحج اور چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے بھی فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۶۷۰ پر اس مسئلہ کے اختلاف کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے لاختلاف العلماء في نفس جواز العمرة في اشهر الحج، اور اہل حرم کے عمل سے عدم جواز ظاہر ہے غالباً اس لئے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ کے بیان سے سکوت فرمایا۔ وهو تعالىٰ ورسولهٗ الاعلىٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از احسان علی سبحانی موضع پرساڈاکخانہ کوٹ خاص ضلع گونڈہ

حجر اسود کیا چیز ہے؟ وہ کہاں سے آیا ہے؟

الجواب: حجر اسود اس کالے پتھر کو کہتے ہیں جو کعبہ شریف کی دیوار کے ایک کونے میں زمین سے تقریباً چار فٹ اوپر نصب ہے یہ پتھر جنت سے آیا ہے، اور اس کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نزل الحجر الاسود من الجنة۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حجر اسود جنت سے آیا ہے۔ (احمد، ترمذی، مشکوٰۃ ص ۲۲۷) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ان الركن والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة۔ یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۲۲۷) والله تعالىٰ ورسولهٗ اعلم بالصواب۔

جلال الدین احمد الامجدی

۴ر ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از جمیل احمد خاں موضع بسنت پور (مدرہوا) پوسٹ پچپڑوا، منکاپور۔ ضلع گونڈہ

زید کہتا ہے کہ بیت اللہ شریف حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اسی جگہ کی مٹی لیا تھا جس کی جگہ بیت اللہ شریف بنا ہے تو کیا واقعی بیت اللہ شریف حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے اگر نہیں ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ بیت اللہ شریف کو حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بتانا اور دلیل میں یہ پیش کرنا کہ "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اسی جگہ کی مٹی لیا تھا" غلط ہے اس لئے کہ حدیث اور تفسیر کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کرنے کے لئے پوری روئے زمین سے مٹی لی گئی تھی جس میں سیاہ، سفید، سرخ اور کھاری وغیرہ ہر قسم کی مٹی تھی اس لئے ان کی اولاد کا مزاج ہر قسم کا ہے جیسا کہ حدیث کی مشہور کتاب احمد، ترمذی اور ابوداؤد میں ہے: عن ابی موسیٰ قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الله خلق آدم من قبضة قبضها من جمیع الارض فجاء بنو آدم علیٰ قدر الارض بهم الاحمر والابیض والاسود بین ذلك والسهل والحزن والخبیث والطیب۔ یعنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا کیا ہے جو پوری زمین سے لی گئی تھی تو آدم علیہ السلام کی اولاد کا مزاج زمین کے مطابق ہے کہ بعض ان میں سے سرخ ہیں، بعض سفید، بعض کالے ہیں اور بعض ان کے درمیان اور بعض نرم مزاج ہیں اور بعض سخت مزاج اور کچھ پاک طبیعت کے ہیں اور کچھ ناپاک طبیعت کے (مشکوٰۃ شریف ص۲۲) اور تفسیر جلالین ص ۷ پر ہے: خلق تعالیٰ آدم من ادیم الارض ای وجهها بان قبض منها قبضة من جمیع الوانها۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے روئے زمین سے ہر رنگ کی ایک ایک مٹھی لے کر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور تفسیر صاوی جلد اوّل ص ۱۹ میں ہے: هو ماخوذ من ادیم الارض لخلقه من جمیع اجزائها وكانت ستین جزا ولذالك كانت طباع بنیه ستین طبعاً۔ یعنی لفظ آدم ادیم الارض سے ماخوذ ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین کے تمام اجزاء سے ہوئی ہے جو ساٹھ جز ہیں اسی لئے ان کی اولاد کی طبیعتیں ساٹھ قسم کی ہیں اور تفسیر جمل جلد ثانی ص۴۳ میں ہے: انه كان تراباً متفرق الاجزاء۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مختلف حصوں کی مٹی سے تیار ہوا تھا اور تفسیر ابوالسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد اول ص ۲۶۴ میں ہے: انه تعالیٰ قبض قبضة من جمیع الارض یعنی خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے لئے پوری زمین سے ایک مٹھی مٹی لی اور تفسیر خازن جلد اوّل ص ۴۶ میں ہے: قبض منها قبضة من جمیع بقاعها من عذبها ومالحها وحلوها ومرها وطیبها وخبیثها۔ یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کرنے کے لئے زمین کے ہر حصے سے ایک مٹھی مٹی جس میں خوشگوار، نمکین، میٹھی، کڑوی، اچھی اور خراب ہر قسم کی مٹی تھی، اور تفسیر روح البیان جلد اوّل ص ۹۹ میں ہے: قبض قبضة من

وجه الارض مقدار اربعین ذرعًا من زوایا ها الارض فلذالك یاتی بنوه اخیافًا ای مختلفین علیٰ حسب اختلاف الوان الارض واوصا فها فمنهم الابیض والاسود والاحمر واللین والغلیظ۔ یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کرنے کے لئے زمین کے ہر حصے سے چالیس ہاتھ مٹی لی اس لئے زمین کے رنگ اور اس کی حالتوں کے مختلف ہونے کے لحاظ سے ان کی اولاد بھی مختلف ہے کہ ان میں سے بعض سفید، بعض کالے، بعض سرخ، بعض نرم اور بعض سخت ہیں۔ حدیث شریف اور معتبر تفسیروں کے ان تمام حوالہ جات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام پوری روئے زمین کی ہر قسم کی مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ جہاں بیت اللہ شریف ہے صرف وہاں کی مٹی سے بنائے گئے ہیں، اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ بیت اللہ شریف حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے اس لئے کہ ان کی قبر منیٰ میں مسجد خیف کے پاس ہے اسی طرح تفسیر عزیزی وغیرہ میں حضرت مجاہد سے روایت ہے (تفسیر نعیمی جلد اوّل ص ۲۰۴) وھو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از صفی اللہ خاں موضع یکڈنگوا پوسٹ کلہوئی بازار۔ ضلع گورکھپور

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کا ہاتھ سے بوسہ لینا اور اس کا طواف کرنا اور منہ سے چومنا اور اتنا جھکنا کہ دیکھنے والے کو معلوم ہو کہ حالت رکوع میں ہے یہ کرنا عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ جواب باصواب مرحمت فرمائیں!

الجواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کا ہاتھ سے بوسہ لینے یا اس کو منہ سے چومنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کسی انسان کی حضور کی قبر مبارک تک رسائی ہی نہیں ہوتی البتہ روضۂ مبارکہ کی جالی شریف جو باہر ہے اس کا بوسہ لینا اور ہاتھ سے چھونا منع ہے جیسا کہ پیشوائے اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے قریب نہ جاؤ۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ۷۲۴) اور روضۂ مبارک کا طواف کرنا یا اس کے سامنے بحد رکوع جھکنا منع ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: روضۂ انور کا طواف نہ کرو نہ سجدہ نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم آپ کی اطاعت میں ہے (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۷۲۴) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از فیض اللہ متعلم مدرسہ اہلسنت فیضان الرسول شیو ہروا۔ ضلع بستی

کیا حج کرنے سے سبھی گناہ کبیرہ و صغیرہ اور وہ فرائض جن کی قضا ہے، اور وہ جن کی قضا نہیں ہے سب معاف ہو جاتے

ہیں؟ یا اس میں تخصیص ہے؟ بحوالہ کتب جواب سے ممنون فرمایا جائے۔

الجواب: حج سے گناہوں کی معافی کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رسالۂ مبارکہ ''عجب الامداد'' میں تحریر فرماتے ہیں: جس نے پاک مال، پاک کمائی، پاک نیت سے حج کیا اور اس میں لڑائی، جھگڑا نیز ہر قسم کے گناہوں اور نافرمانی سے بچا پھر حج کے بعد فوراً اتنی مہلت نہ ملی کہ جو حقوق اللہ یا حقوق العباد اس کے ذمہ تھے انہیں ادا کرتا یا ادا کرنے کی فکر کرتا تو حج قبول ہونے کی صورت میں امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام حقوق معاف کردے اور حقوق العباد کو اپنے ذمۂ کرم پر لے کر حق والوں کو قیامت کے دن راضی کرے اور خصومت سے نجات بخشے' اور اگر حج کے بعد زندہ رہا اور حتی الامکان حقوق کا تدارک کرلیا یعنی سالہائے گزشتہ کی باقی زکوٰۃ ادا کردی، چھوٹی ہوئی نمازوں اور روزوں کی قضا کی، جس کا حق مارلیا تھا اس کو یا د آنے کے بعد اس کے وارثین کو دے دیا، جسے تکلیف پہنچائی تھی معاف کرالیا، جو صاحب حق نہ رہا اس کی طرف سے صدقہ کردیا۔ اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے ادا کرتے کرتے کچھ رہ گیا تو موت کے وقت اپنے مال میں سے ان کی ادائیگی کی وصیت کرگیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے چھٹکارے کی ہر ممکن کوشش کی تو اس کے لئے بخشش کی اور زیادہ امید ہے۔ ہاں اگر حج کے بعد قدرت ہونے کے باوجود ان امور سے غفلت برتی انہیں ادا نہ کیا تو یہ سب گناہ از سر نو اس کے ذمہ ہوں گے اس لئے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد تو باقی ہی تھے ان کی ادائیگی میں تاخیر کرنا پھر تازہ گناہ ہوا جس کے ازالہ کے لئے وہ حج کافی نہ ہوگا اس لئے کہ حج گزرے ہوئے گناہوں یعنی وقت پر نماز و روزہ وغیرہ ادا نہ کرنے کی تقصیر کو دھوتا ہے۔ حج سے قضا شدہ نماز اور روزہ ہرگز نہیں معاف ہوتے اور نہ آئندہ کے لئے پروانۂ آزادی ملتا ہے انتہی کلامہ ملخصًا' اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ان الھجرۃ والحج یکفران المظالم ولا یقطع فیھا بمحو الکبائر وانما یکفران الصغائر۔ وقال الترمذی ھو مخصوص بالمعاصی المتعلقۃ بحق اللہ تعالیٰ لاالعباد ولایسقط الحق نفسہ بل من علیہ صلاۃ یسقط عنہ اثم تاخیرھا لانفسھا فلوا خرھا بعدہ تجدداثم اخر۔ ونحوہ فی البحر و حقق ذالک البرھان اللقانی فی شرح الکبیر علی جوھرۃ التوحید بان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من ذنوبہ لایتناول حقوق اللہ تعالیٰ و حقوق عبادہ لانھا فی الذمۃ لیست ذنبا و انما الذنب المطل فیھا فالذی یسقط اثم مخالفۃ اللہ تعالیٰ فقط اھ۔ والحاصل ان تاخیر الدین وغیرہ وتاخیر نحوا لصلوٰۃ والزکوٰۃ من حقوقہ تعالیٰ فیسقط اثم التاخیر فقط عما مضی دون الاصل ودون التاخیر المستقبل قال فی البحر فلیس معنی التکفیر کما یتوھمہ کثیر من الناس ان الدین یسقط عنہ وکذا قضاء الصلوٰۃ والصوم والزکوٰۃ لم یقل احد بذالک اھ۔ قلت قدیقال بسقوط نفس الحق اذا مات قبل القدرۃ علی ادائۃ سواء کان حق اللہ تعالیٰ اوحق عبادہ اولیس فی ترکتہ مایفی بہ لانہ اذا سقط اثم التاخیر ولم یتحقق منہ اثم بعدہ فلا مانع من

منوط نفس الحق اما حق اللہ تعالٰی فظاهر واما حق العبد فاللہ تعالٰی یرضی خصمه عنه والحاصل کما فی البحران المسئلة ظنية فلا يقطع بتكفير الحج الكبائر من حقوقه تعالٰی فضلا عن حقوق العبادا ھ تلخیصًا (ردالمحتار جلد ثانی ص۲۵۵) واللہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم جل جلاله وصلى المولٰى عليه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۵ / رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از غلام نبی خاں پوسٹ ومقام پچپوکھری۔ ضلع بستی

زید تیس سال سے ایک مدرسہ میں تعلیم دے رہا ہے خدا تعالٰی نے ان کو حج بیت اللہ سے سرفراز فرمایا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان کو ایام حج کی تنخواہ کا مطالبہ کرنا اور کمیٹی کا ان کے مطالبہ کو منظور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حج کی ادائیگی میں جو ایام صرف ہوئے ان ایام کی تنخواہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں اور ایسے مطالبہ کا منظور کرنا بھی جائز نہیں اس لئے کہ مدرس ان ایام کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہے جیسا کہ شامی جلد سوم مطبوعہ ہند ص ۴۰۸ میں ہے: ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض اوحج بحيث لايمكنه المباشرة لايستحق المعلوم لانه اراد الحكم فی المعلوم علٰی نفس المباشرة فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وهٰذا هو الفقه اھ۔ هٰذا ما ظهرلی والعلم عنداللہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلاله وصلى اللہ عليه وسلم۔

جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

کتاب النکاح

نکاح کا بیان

مسئلہ: از مختار احمد پوسٹ و مقام لوہرسن محلہ اتر ضلع بستی

نکاح کرنا حدیث میں سنت ہے اور قرآن میں فرض۔ اب اگر ہم قرآن پر عمل کر رہے ہیں تو حدیث چھوٹ رہی ہے اور اگر ہم حدیث پر عمل کر رہے ہیں تو قرآن چھوٹ رہا ہے اب ہم کس پر عمل کریں؟ مدلل اور مفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: جو شخص مہر و نفقہ کی قدرت رکھتا ہو اور اسے یقین ہو کہ بحالت تجرد زنا کی معصیت میں مبتلا ہو جائے گا تو نکاح کرنا فرض ہے اور اگر زنا کا یقین نہیں ہے بلکہ صرف اندیشہ ہے تو نکاح کرنا واجب ہے اور اگر شہوت کا بہت زیادہ غلبہ ہو تو نکاح کرنا سنت موکدہ ہے اور اگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ نکاح کرے گا تو نان و نفقہ نہ دے سکے گا یا نکاح کے بعد جو فرائض متعلقہ ہیں انھیں پورا نہ کر سکے گا تو نکاح کرنا مکروہ ہے اور اگر ان باتوں کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو تو نکاح کرنا حرام ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، بہار شریعت) خلاصہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں نکاح کرنا سنت ہے اور بعض صورتوں میں فرض ہے نہ ہر صورت میں نکاح کرنا سنت ہے اور نہ ہر صورت میں فرض ہے اور قرآن کی کسی آیت میں نکاح کے فرض ہونے کی تنصیص نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم

جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از ممتاز احمد مقام کولدہ پوسٹ پورند پور ضلع گورکھپور

زید کے لڑکی کی شادی عمر کے لڑکے کے ساتھ کرنے کی بات چیت ہوگئی بعدہ بکر (جو عالم دین ہے) نے عمر کو جہیز کثیر کا لالچ دلا کر اپنی لڑکی سے شادی کرنے کو طے کر لیا تو کیا یہ عمر کا فعل عند الشرع درست ہے؟

الجواب: اگر واقعی زید کی لڑکی کی شادی عمر کے لڑکے کے ساتھ طے ہوگئی تھی پھر بکر نے عمر کو لالچ دے کر اپنی لڑکی کی شادی طے کر لی تو عمر اور بکر دونوں کا یہ فعل شرعاً مذموم بے جا اور قابل مواخذہ ہے۔ قال اللہ تعالٰی: اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (پ۱۵ ع۴) وقد صح ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی عن السوم علٰی سوم اخیہ الخطبۃ علی

خطبة اخيه. وهو تعالٰی اعلم.

جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ر ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از مطلوب حسین صدیقی فرخ آبادی مدرسہ زینت الاسلام قصبہ مرودھا کانپور

کیا نکاح سے پہلے دولہا کو کلمہ پڑھانا ضروری ہے؟ زید نے نکاح سے پہلے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور نکاح خواں سے کہا کہ آپ نکاح پڑھانے آئے ہیں یا مجھے مسلمان بنانے۔ کلمہ شرائط نکاح میں سے نہیں ہے آپ نکاح پڑھائیے ویسے مجھے کلمہ پڑھنے سے انکار نہیں ہے مگر اس طرح پڑھانا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس موقع پر زید کا کلمہ پڑھنے سے انکار کرنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: نکاح سے پہلے دولھا کو کلمہ پڑھانا ضروری نہیں ہے مگر دولھا یا دولھن کو اس کے پڑھنے سے انکار کرنا غلط ہے کہ اس کا پڑھنا پڑھانا باعث برکت اور نزول رحمت کا سبب بھی ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے: لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللّٰہ۔ یعنی اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی تلقین کرو۔ اور خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قد روی عنه علیه السلام انه امر بالتلقین بعد الدفن۔ یعنی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث شریف مروی ہے کہ آپ نے دفن کے بعد کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی تلقین کا حکم فرمایا۔ (ردالمحتار جلد اوّل ص ۵۷۱) حالانکہ بعد موت ایمان لانا بے کار ہے معلوم ہوا کہ کلمہ کا پڑھنا پڑھانا صرف مسلمان ہی بنانے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ زید نے سمجھا بلکہ اس کے دیگر فوائد بھی ہیں، اور بوقت نکاح بہت سے فوائد کے ساتھ کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مومن و کافر کا نکاح نہیں ہوتا ہے تو اگر لاعلمی میں دولھا دولھن کسی سے کفر سرزد ہوا ہوگا تو نکاح ہی نہیں ہوگا اور زندگی بھر حرام کاری ہوتی رہے گی اس لئے علمائے محتاطین نے دولھا دولھن کو نکاح سے پہلے کلمہ پڑھانا جاری فرمایا جیسا کہ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نکاح سے پہلے کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھانے کے بارے میں جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "از روئے شریعت درمیان مومن و کافر نکاح منعقد نمی گردد و ظاہر ست کہ از ایشاں در حالت لاعلمی یا از روئے سہوا اکثر کلمۂ کفر صادر می گردد کہ ایشاں براں متنبہ نمی شوند دریں صورت اکثر نکاح متناکحین منعقد نمی گرد لہٰذا متاخرین از علمائے محتاطین احتیاطاً صفت ایمان مجمل و ایمان مفصل را بحضور متناکحین می گویند و می گویانند تا انعقاد نکاح بحالت اسلام واقع شود۔ فی الحقیقت کہ علمائے متاخرین ایں احتیاط و عقد نکاح افزودہ اند خالی از برکت اسلامی نیست کسانیکہ از اسلام بہرہ ندارند بلطف آں کے می رسند۔" یعنی شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق مومن اور کافر کے درمیان نکاح منعقد نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ دولھا دولھن سے لاعلمی کی حالت میں یا بھول سے اکثر کلمۂ کفر صادر ہو جاتا ہے جس سے وہ لوگ آگاہ نہیں ہوتے اس صورت میں اکثر ان کا نکاح منعقد نہیں ہوتا اس لئے متاخرین علمائے محتاطین احتیاطاً

ایمان مجمل و مفصل کے مضمون کو دولہا دولن کے سامنے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں تا کہ نکاح حالت اسلام میں منعقد ہو جائے۔ حقیقت میں علمائے متاخرین نے اس احتیاط کو جو عقد نکاح میں بڑھایا ہے وہ اسلام کی برکت سے خالی نہیں ہے مگر جو لوگ کہ اسلام سے خاص حصہ نہیں رکھتے وہ اس باریکی کو نہیں پہنچ سکتے۔ (فتاویٰ عزیزیہ جلد اول ص ۲۸) ثابت ہوا کہ اپنی ناسمجھی سے زید نے بوقت نکاح جو کلمہ پڑھنے سے انکار کیا غلط ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از امین الدین سراج الدین قادری سگرامپورہ مولوی اسماعیل اسٹریٹ سورت (گجرات)

کیا فرماتے ہیں حضرت مفتی صاحب قبلہ اس مسئلہ میں ہمارے یہاں سورت میں پرانے رواج کے مطابق قاضی شہر کے نائب نکاح پڑھاتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔ اولاً: وکیل صاحب قاضی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے لڑکی کی اجازت لی؟ جواب ملتا ہے ہاں بعدہ دونوں گواہوں سے مخاطب ہو کر کہا جاتا ہے کہ تم دونوں نے سنا؟ جواب ملتا ہے ہاں اس کے بعد قاضی صاحب وکیل صاحب سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ نکاح پڑھا دوں؟ جواب ملتا ہے ہاں۔ دوم: نوشہ کو کلمہ شہادت اور ایمان مفصل پڑھاتے ہیں۔ سوم: خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ چہارم: وکیل صاحب سے مخاطب ہو کر کہا جاتا ہے کہ سنئے آپ نے اپنی موکلہ، عاقلہ، بالغہ مسماۃ نام بنت ولد بن دادا کو اس کی خود کی اصالتاً سے اور آپ کی وکالت سے ان دونوں شاہدین کی شہادت سے اور مجمع حاضرین مجلس کے سامنے ذات اس شخص نام بن ولد بن دادا کے ساتھ بعوض روپیہ سکۂ رائج الوقت مہر موجل کے نام بنت والد بن دادا کا نکاح نام بن والد بن دادا کے ساتھ کر دیا؟ ہاں! اس کو ان کے نکاح میں دی؟ ہاں! پنجم: نوشہ سے مخاطب ہو کر کہا جاتا ہے کہ سنئے جناب نام صاحب عاقلہ، بالغہ، مسماۃ نام بنت والد بن دادا کو اس کی خود کی اصالتاً سے اور جناب (وکیل) نام بن والد کی وکالت سے ان دونوں شاہدین کی شہادت سے اور جمیع حاضرین مجلس کے سامنے بعوض روپیہ عدد سکۂ رائج الوقت مہر موجل کے صحیح شرعاً اصالتاً وکالتاً نام بنت والد کو آپ کے اپنے نکاح میں قبول کی؟ آپ نے اپنی زوجیت میں لی؟ ہاں۔ وھو فقبلتها وتزوجتها ونكحتها۔ ششم: دعا پڑھی جاتی ہے کیا مذکورہ بالا تفصیل سے پڑھا گیا نکاح درست ہے؟ زید کہتا ہے یہ نکاح فضولی ہے۔ اگر لڑکی نے بعد میں انکار کر دیا تو نکاح فسخ (ٹوٹ) ہو جائے گا تو یہ اس کا کہنا ٹھیک ہے؟ اگر نہیں ہے تو صحیح طریقہ سے آگاہ فرمائیں؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب. صورت مسئولہ میں اگر لڑکی نے اجازت طلب کرنے والے کو نکاح کا وکیل بنایا مگر وکیل نے خود نکاح پڑھانے کے بجائے دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دی تو اس صورت میں بیشک نکاح فضولی ہوا اس لئے کہ وکیل کو اختیار نہیں کہ اس کام کے لئے وہ دوسرے کو وکیل بنائے ردالمحتار میں ہے: الوكيل ليس له التوكيل بالنكاح اھ۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''وکیل بالنکاح کو

نہ ہوگا اتنا اختیار ہے کہ خود نکاح پڑھائے نہ کہ دوسرے کو پڑھانے کی اجازت دے جب تک کہ ماذون مطلق یا صراحتاً دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہ ہو بغیر اس کے اگر اس نے دوسرے سے نکاح پڑھوایا تو صحیح مذہب پر نکاح بلا اذن ہوگا اگرچہ عقد اس (وکیل) کے سامنے ہی واقع ہو۔ فی ردالمحتار عن العلامۃ الرحمتی الحموی عن کلام الامام محمد فی الاصل ان مباشرۃ وکیل الوکیل بحضرۃ الوکیل فی النکاح لاتکون کمباشرۃ الوکیل بنفسہ بخلافہ فی البیع" (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۱۳) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یہ جو تمام ہندوستان میں رائج ہے کہ عورت سے ایک شخص اذن لے کر آتا ہے جسے وکیل کہتے ہیں وہ نکاح پڑھانے والے سے کہہ دیتا ہے کہ میں فلاں کا وکیل ہوں آپ کی اجازت دیتا ہوں کہ نکاح پڑھا دیجئے یہ طریقہ محض غلط ہے وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ اس کام کے لئے وہ دوسرے کو وکیل بنا دے اگر ایسا کیا گیا تو نکاح فضولی ہوا اجازت پر موقوف ہے اجازت سے پہلے مرد و عورت ہر ایک کو توڑنے کا اختیار ہے بلکہ یوں چاہئے کہ جو نکاح پڑھائے وہ عورت یا اس کے ولی کا وکیل بنے خواہ یہ خود اس کے پاس جا کر وکالت حاصل کرے یا دوسرا اس کی وکالت کے لئے اذن لائے کہ فلاں ابن فلاں کو تو نے وکیل کیا وہ تیرا نکاح فلاں بن فلاں سے کر دے عورت کہے ہاں! (بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۱۳، ۱۴) مگر جب کہ اس علاقہ میں یہ بات مشہور و معروف ہو کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا بلکہ دوسرے سے پڑھوائے گا تو اذن کے ضمن میں دوسرے کو بھی اذن دینے کا عرفاً اذن مل گیا: فان المعروف کالمشروط کما ھو من القواعد المقررۃ الفقھیۃ۔ اور وکیل کو جب اذن توکیل ہو تو بیشک اسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے۔ فی الاشباہ لایوکل الوکیل الاباذن اوتعیم اھ۔ اس تقدیر پر نکاح فضولی نہ ہوا بلکہ نافذ اور لازم واقع ہوا۔ مگر یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ اس طریقۂ نکاح کی شہرت ایسی عام ہو کہ کنواری لڑکیاں بھی اس سے واقف ہوں اور جانتی ہوں کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائے گا۔ والا لم یکن معروفاً عندھن فلایجعل کالمشروط فی حقھن۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ وکیل اصلی نے نکاح کے بعد کوئی ایسا کلمہ نہ کہا جس سے اس نکاح کی اجازت ٹھہرے ورنہ خود اسی کے جائز کر دینے سے جائز ہو جائے گا اگرچہ اسے اذن توکیل نہ ہو۔ فی الاشباہ: الوکیل اذا وکل بغیر اذن وتعمیم واجازما فعلہ وکیلہ نفذ الاالطلاق والعتاق اھ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔ والیہ المرجع والمآب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳؍شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از عابد علی محلہ بہترین قصبہ مہنداول ضلع بستی

ہمارے یہاں رواج ہے کہ بالغہ لڑکی کے والدین لڑکی کی نسبت اس سے اجازت لئے بغیر کر لیتے ہیں اور لڑکی اس نسبت کی مخالفت بھی نہیں کرتی ہے کچھ دنوں کے بعد نکاح کا وقت آتا ہے تو دو وکیل دولہا کی طرف سے اور دو وکیل دولھن کی طرف سے دولھن کے باپ کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کا نکاح تمہاری فلاں لڑکی کے ساتھ کتنے مہر پر کر دیا جائے؟ تو

باپ بغیر لڑکی سے اجازت لئے ہوئے مہر بتا دیتا ہے' اور نکاح پڑھانے کی اجازت دے دیتا ہے وکیل آ کر نکاح خواں سے کہتے ہیں کہ فلاں بنت فلاں کا نکاح اتنے مہر میں فلاں بن فلاں کے ساتھ پڑھ دیا جائے تو نکاح خواں دولھا سے تین مرتبہ کہتا ہے کہ فلانہ بنت فلاں کو اتنے مہر کے عوض اپنے نکاح میں قبول کرتے ہو کہ نہیں تو دولھا ہر مرتبہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا اب نکاح خواں خطبۂ نکاح پڑھتا ہے لڑکی راضی رہتی ہے' اور بخوشی اپنے شوہر کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طرح کے نکاح شرعاً جائز ہوتے ہیں یا نہیں اگر نہیں تو شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب: جو رواج صورت مسئولہ میں درج ہے اس میں بعض صورتیں ایسی ہیں کہ نکاح ہو جائے گا اور کچھ صورتیں ایسی بھی نکلیں گی کہ نکاح نہ ہوگا لہٰذا لوگوں کو نکاح کے بارے میں رواجی طریقے سے پرہیز کرنا ضروری ہے کیونکہ جواز عدم جواز کے قوانین کی یادداشت عوام کے لئے دشوار ہے بہر حال سوال میں رواجی نکاح کا جو خاکہ پیش کیا گیا وہ نکاح فضولی ہے' اور فضولی نکاح اجازت پر موقوف رہتا ہے پھر اس صورت میں بالغہ لڑکی کا بخوشی اپنے شوہر کے ساتھ رخصت ہو کر جانا اجازت ہے لہٰذا اب نکاح صحیح ہو جائے گا۔ نکاح کا آسان اور شرعی طریقہ یہ ہے کہ زید مثلاً کسی بالغہ عورت خواہ اپنی بیٹی یا غیر کا نکاح پڑھانا چاہتا ہے تو وہ خود عورت کے پاس جائے اور اسے کہے کہ تو نے فلاں بن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر نکاح پڑھانے کے لئے مجھے وکیل بنایا؟ اگر عورت ہاں کہہ دے تو زید مجلس نکاح میں آ کر خطبۂ نکاح پڑھے اور دولھا سے ایجاب کر کے اس سے قبول کرائے اور اگر دولھا نابالغ ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے قبول کرے ایجاب و قبول میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ ماضی کے الفاظ ہوں یعنی دولھا سے یوں کہے کہ میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح اتنے مہر پر تمہارے ساتھ کیا اس پر دولہا یوں کہے کہ میں نے قبول کیا۔

کتبہ: بدر الدین احمد رضوی

مسئلہ: از منصب گورکھپور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط خاتون بیگم کے شوہر کے مرجانے کے بعد اس کے لڑکے پیدا ہوا اور لڑکا کے بارے میں پوچھا گیا کہ کس کا ہے؟ جواب ملا کہ مسلمان کا۔ لڑکا بالغ ہو گیا ہے اس کا نکاح کیسے ہو؟ اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دیں شوہر کے مرجانے کے ۵ رسال بعد لڑکا پیدا ہوا۔

الجواب: نکاح میں باپ کی جگہ اس کی ماں کا نام لیا جائے گا اور باقی باتوں میں جیسے سب مسلمانوں کا نکاح ہوتا ہے ویسے ہی اس کا بھی ہوگا۔ وسبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از محمد صدیق بڑہرا ضلع بستی

زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی دونوں صحیح العقیدہ ہیں لیکن نکاح خواں غیر مقلد وہابی ہے تو ایسی حالت میں نکاح ہوا کہ نہیں؟

الجواب: جو لوگ غیر مقلد وہابی کو نکاح پڑھانے کے لئے لائے وہ گنہگار ہوئے توبہ کریں کہ اس میں وہابی کی ایک طرح تعظیم ہے اور اس کی تعظیم ناجائز و گناہ ہے مگر اس نے جو نکاح پڑھایا وہ منعقد ہو گیا کہ نکاح خواں حقیقت میں وکیل ہوتا ہے اور صحت وکالت کے لئے اسلام شرط نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد سوم ص ۴۳۹ میں ہے: تجوز وكالة المرتد بان وكل مسلم مرتد او كذا لو كان مسلمًا وقت التوكيل ثم ارتد فهو على وكالته الا ان يلحق بدار الحرب فتبطل وكالته كذا في البدائع۔ وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ر ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از نظام اللہ بگولہوا قاضی پوسٹ شہر گڑھ ضلع بستی

محمود نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دی۔ ہندہ کے محمود سے ایک لڑکا زید بھی تھا پھر ہندہ نے بکر سے نکاح کر لیا تو جب زید کا نکاح ہوا تو زید بن محمود کے بجائے زید بن بکر کہا گیا صورت مذکورہ بالا میں نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بوقت اذن جب کہ زید بن محمود کے بجائے زید بن بکر کہا گیا اور دولھن نے یا اس کے نابالغہ ہونے کی صورت میں اس کے ولی نے یہ جان کر اذن دیا کہ نکاح اس زید کے ساتھ ہوگا جو محمود کا لڑکا ہے لیکن بکر کے نکاح میں اس کی ماں ہونے کے سبب زید بن بکر کہہ دیا گیا ہے یعنی اذن دینے والے کے نزدیک زید متمیز ہو گیا تھا تو نکاح درست ہوا ورنہ نہیں۔ وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ر محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد ذکی موضع تہونہواں ڈاکخانہ مہنداول ضلع بستی

ایک مولوی صاحب نے نکاح پڑھاتے وقت یہ کلمہ زبان سے کہا: زید کی لڑکی اصغر النساء مسماۃ۔ ضروری امر یہ ہے کہ مولوی صاحب نے نہ تو لڑکے کا نام لیا اور نہ لڑکے کے والد کا نام لیا بلکہ لڑکی کے نام کے بعد مسماۃ کا لفظ کہا تو یہ کہنا کیسا ہوا؟ صحیح یا غلط نکاح ہوا یا نہیں؟ بينوا توجروا

الجواب: اگر لڑکے سے قبول کرایا جا رہا ہے تو لڑکے اور اس کے باپ کا نام لینے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ لڑکا خود سامنے موجود ہے لہٰذا نکاح ہو جائے گا۔ ہاں لڑکی سے نکاح پڑھانے کی اجازت طلب کرنے کے وقت البتہ لڑکے کا نام بتاتے

ہوئے اس کی تعیین ضروری ہے۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی جل جلالہ وصلی المولٰی علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸؍رمضان جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: ازمحمد عبدالعزیز قادری یارعلوی بیدی پور ضلع بستی

زید نے بکر و ہندہ کا عقد پڑھا اور دولھا کے مہر وغیرہ قبول کرنے کے بعد زید نے دولھا سے تین مرتبہ یہ لفظ کہلوایا کہ ہم نے قبول کیا اور میرا اللہ ورسول قبول فرمائے (۳؍بار) اب خالد کہتا ہے کہ میرا اللہ ورسول قبول فرمائے اتنا لفظ کہلوانا درست نہیں ہے اور خالد دلیل یہ دیتا ہے کہ کیا نکاح اللہ ورسول کے ساتھ ہورہا ہے جو تم کہلوار ہے ہو کہ میرا اللہ ورسول قبول فرمائے؟ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے جیسا قبول کروایا ہے وہ درست ہے یا نہیں یا خالد ہی کہنا صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ میرا اللہ ورسول قبول فرمائے اس جملہ کا مطلب اگر یہ ہے کہ میرے قبول کئے ہوئے نکاح کو اللہ ورسول بابرکت بنائیں تو یہ جملہ صحیح ہے لیکن میں نے قبول کیا کے ساتھ میرا اللہ ورسول قبول فرمائے، یہ جملہ بے محل ہے۔ ھٰذا ماظھرلی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی جل جلالہ و صلی المولٰی علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲؍جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ

مسئلہ: ازعبدالوکیل المصباحی انجمن مڈل اسکول گلمنڈی بھیلواڑہ (راجستھان)

حضور مفتی صاحب قبلہ السلام علیکم! عرض یہ ہے کہ ایک شخص نے نکاح کے بعد کی دعا پڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھی: اللھم الف بینھما کما الفت بین یوسف وزلیخاء۔ تو زید نے کہا کہ حضرت یوسف اور زلیخا کی صحبت کا ثبوت تفاسیر سے نہیں ہے یہ دعا سراسر غلط ہے تفسیر ابن کثیر نے اس کو بے بنیاد کہا ہے۔ لہٰذا حضور والا سے مؤدبانہ بصد اخلاص واحترام گزارش ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام وزلیخا کی صحبت صحیح ہے تو کون سی کتاب میں اس کا ذکر ہے؟ زیادہ سے زیادہ معتبر حوالوں کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: مولانا المحترم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللھم الف بینھما کما الفت بین یوسف و زلیخاء بیشک صحیح ہے اس دعا کو غلط بتانا سراسر غلط ہے کہ حضرت یوسف علٰی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں حضرت زلیخا کا آنا اور ان کے بچوں کا پیدا ہونا اتنی معتبر تفسیروں سے ثابت ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں۔ آیت کریمہ: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ کے تحت تفسیر کبیر جلد خامس ص ۱۴۶ میں ہے: عزل الملک قطفیر زوج المرأۃ

المعلومۃ ومات بعد ذالک وزوجہ الملک امرأتہ فلما دخل علیھا قال الیس ھٰذا اخیر مما طلبت فوجدھا عذراء فولدت لہ والدین افرایم ومیشا۔ یعنی بادشاہ نے زلیخا کے شوہر قطفیر کو معزول کر دیا پھر جب وہ مر گیا تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی اس کی عورت سے کر دی جب حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا: کیا یہ اس سے بہتر نہیں جو تو چاہتی تھی۔ آپ نے حضرت زلیخا کو باکرہ پایا جن سے دولڑکے پیدا ہوئے افرایم اور میشا' اور: قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ کے تحت تفسیر روح البیان جلد رابع ص ۲۸۲ میں ہے: فحملت من یوسف وولدت ابنین فی بطن احدھما افرایم والآخر میشا وکانا کالشمس والقمر فی الحسن یعنی حضرت زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں تو ایک بطن سے دو بچے پیدا ہوئے ایک افرایم اور دوسرے میشا جو حسن میں چاند و سورج کی طرح چمکتے تھے۔ پھر اسی تفسیر روح البیان جلد رابع ص ۳۲۳ پر آیت کریمہ: اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ کے تحت ہے: وولد یوسف من راعیل ای زلیخاء افرایم ومیشا ورحمۃ امرأۃ ایوب علیہ السلام۔ یعنی راعیل عرف زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے افرایم اور میشا' اور ایک صاحبزادی رحمت پیدا ہوئیں جو حضرت ایوب علیہ السلام کے نکاح میں آئیں' اور آیت کریمہ: قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ کے تحت تفسیر ابوالسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد سادس ص ۱۴۲ میں ہے: زوجہ راعیل فوجدھا عذراء وولدت لہ افرایم ومیشا یعنی بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح حضرت زلیخا سے کر دیا تو آپ نے ان کو کنواری پایا جن سے دو بچے افرائیم اور میشا پیدا ہوئے' اور تفسیر مدارک جلد ثانی ص ۲۲۸ پر آیت کریمہ: وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ کے تحت ہے: فوض الملک الیہ امرہ وعزل قطفیر ثم مات بعد فزوجہ الملک امرأتہ فلما دخل علیھا قال الیس ھٰذا اخیر مما طلبت فوجدھا عذراء فولدت لہ ولدین افرایم و میشا۔ یعنی بادشاہ نے اپنا معاملہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیا اور عزیز مصر قطفیر کو معزول کر دیا پھر جب وہ مر گیا تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا عقد اس کی بیوی زلیخا سے کر دیا جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا: کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے جو تم نے چاہا تھا تو آپ نے حضرت زلیخا کو باکرہ پایا جن سے دو بچے افرائیم اور میشا پیدا ہوئے' اور آیت کریمہ: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ کے تحت تفسیر خازن جلد ثالث ص ۲۹۲ میں ہے: زوج الملک یوسف امرأۃ العزیز بعد ھلاکہ یعنی عزیز مصر کی موت کے بعد بادشاہ نے اس کی بیوی زلیخا کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کر دیا' اور تفسیر معالم التنزیل مع خازن جلد ثالث ص ۲۹۲ پر آیت کریمہ: قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ کے تحت ہے: زوج الملک لیوسف راعیل امراۃ قطفیر۔ یعنی بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی قطفیر عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے کی' اور آیت کریمہ: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ کے تحت تفسیر جلالین ص ۱۹۴ میں ہے: ان الملک توجہ وختمہ وولاہ مکان

العزیز وعزله ومات بعد فزوجه امرأته زلیخاء فوجدها عذراء وللت له وللین یعنی بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تاج دیا انگوٹھی دی اور عزیز مصر کو معزول کر کے اس کی جگہ پر آپ کو حاکم بنایا پھر جب وہ مرگیا تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی اس کی بیوی زلیخا سے کر دی جن کو آپ نے باکرہ پایا اور ان سے دولڑکے پیدا ہوئے' اور اسی کے تحت تفسیر صاوی جلد ثانی ص ۲۱۰ میں ہے: فزوج الملك يوسف امرأة العزيز بعد هلاكه فوللت له وللين ذكرين افرائيم وميشا وبنتا واسمها رحمة زوجة ايوب عليه السلام۔ یعنی عزیز مصر کی موت کے بعد اس کی بیوی سے بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی کر دی تو ان سے دولڑکے افرائیم اور میشا پیدا ہوئے اور ایک لڑکی رحمت پیدا ہوئیں جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہوئیں' اور اسی کے تحت تفسیر جمل جلد ثالث ص ۴۶۳ میں ہے: زوج الملك يوسف امرأة العزيز بعد هلاكه فوللت له وللين ذكرين افرائيم وميشا وهما ابنا يوسف۔ یعنی بادشاہ نے عزیز مصر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی کر دی تو حضرت زلیخا کی دو نرینہ اولادیں ہوئیں جو یوسف علیہ السلام کے صاحبزادے تھے اور تفسیر جامع البیان میں آیت کریمہ: قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ کے تحت ہے: ان العزيز توفي اوعزل فجعل الملك يوسف مكانه فزوجه امرأته زليخاء فوجدها عذراء وولد منها ابنان۔ یعنی عزیز مصر مرگیا یا معزول کرنے کے بعد اس کی جگہ پر بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مقرر کر دیا پھر اس کی بیوی زلیخا سے آپ کی شادی کر دی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو باکرہ پایا جس سے دو بچے پیدا ہوئے' اور: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ کے تحت تفسیر خزائن العرفان میں ہے: ''بادشاہ نے اس (عزیز مصر) کے انتقال کے بعد زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو باکرہ پایا اور اس سے آپ کے دو فرزند ہوئے افرائیم اور میشا'' اور اسی آیت کریمہ کے تحت تفسیر نور العرفان میں ہے: ''ایک سال کے بعد بادشاہ نے آپ کو بادشاہ بنا دیا اور عزیز مصر کے مرنے کے بعد زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کر دیا' اور اسی تفسیر نور العرفان میں آیت کریمہ: اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ کے تحت ہے: ''زلیخا کے شکم سے یوسف علیہ السلام کے دو فرزند افرائیم اور ریشا اور ایک دختر پیدا ہوئیں جو ایوب علیہ السلام کے نکاح میں آئیں۔'' یہاں تک کہ دیوبندیوں کے مولانا اشرف علی تھانوی نے آیت کریمہ: رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ الخ کے تحت لکھا ہے کہ ''حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے نکاح کیا: جن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اسی طرح اکثر مفسرین نے حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں حضرت زلیخا کا آنا بیان کیا ہے بلکہ ان سے اولاد ہونے کو بھی لکھا ہے لہٰذا ابن کثیر نے اگر عام مفسرین کے خلاف لکھا ہو تو وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ وهو تعالى ورسوله الاعلى اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ / ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از (مولانا) عبدالمبین نعمانی ذاکر نگر جمشید پور

مجلس نکاح میں قاضی نے ایجاب وقبول کرایا اور گواہ حاضر تو تھے مگر ایجاب وقبول کے الفاظ کو نہیں سنا تو نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب: گواہوں نے اگر ایجاب وقبول کے الفاظ کو نہیں سنا تو نکاح درست نہ ہوا' بلکہ اگر پہلی بار ایک گواہ نے سنا اور دوسرے نے نہیں سنا پھر جب نکاح کے لفظ کو دہرایا تو اب دوسرے نے سنا پہلے نے نہیں سنا یا' دونوں نے ایک ساتھ ایجاب سنا مگر قبول نہ سنا۔ یا قبول سنا ایجاب نہ سنا' یا ایک نے ایجاب سنا دوسرے نے قبول سنا تو سب صورتوں میں نکاح درست نہ ہوا اس لئے کہ دو گواہوں کا ایجاب وقبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سننا نکاح میں شرط ہے درمختار میں ہے: شرط حضور شاهدین حرین اوحروحر تین مکلفین سامعین قولهما معا علی الاصح اھ۔ فتح القدیر میں ہے: اشتراط السماع لانه المقصود من الحضور اھ۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ان سمع احد الشاهدین کلامهما ولم یسمع الشاهد الاخر لایجوز فان اعادلفظة النکاح فسمع الذی لم یسمع العقد الاول ولم یسمع الاول العقد الثانی لایجوز اھ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لوسمعا کلام احدهما دون الآخر اوسمع احد هما کلام احدهما والآخر کلام الاخر لایجوز النکاح هٰکذا فی البدائع اھ۔ وهو تعالٰی اعلم۔

کتبه: جلال الدین احمد الامجدی
یکم شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از صغیر احمد پوسٹ ومقام بہار پور ضلع بستی

ایک شخص نے نکاح کے لئے فاسقوں کو گواہ ٹھہرایا تو فاسقوں کی گواہی سے نکاح ہوا یا نہیں؟ اور فاسقوں کو گواہ ٹھہرانے والا گنہگار ہوا یا نہیں؟

الجواب: ایجاب وقبول کا نام نکاح ہے' اور جس کی موجودگی میں کوئی کام ہو وہ گواہ ہے لہٰذا جب بہت سے لوگوں کی موجودگی میں نکاح ہو تو مجلس نکاح میں جو لوگ ایجاب وقبول کے الفاظ کو سنیں حقیقت میں وہ سب نکاح کے گواہ ہیں خواہ انھیں گواہ نامزد کیا گیا ہو یا نہ کیا ہو' اور جو لوگ لڑکی یا اس کے ولی سے اجازت لینے کے لئے عام طور پر وکیل کے ساتھ جانے کے لئے نامزد کئے جاتے ہیں وہ خاص طور پر اس بات کے گواہ ہوتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو وکیل بنایا اگرچہ عوام انھیں نکاح کا گواہ سمجھتے ہیں ہاں اگر وہی نامزد گواہ مجلس نکاح میں ایجاب وقبول کے الفاظ کو بھی سنیں تو وہ لوگ وکالت کے گواہ ہونے کے ساتھ نکاح کے بھی گواہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ نکاح کے گواہ صرف نامزد کردہ گواہ نہیں بلکہ مجلس نکاح کا ہر وہ شخص گواہ ہے جس نے ایجاب وقبول کے الفاظ کو سنا' اور اگر صرف دو فاسقوں نے ایجاب وقبول کو سنا تو بھی نکاح صحیح ہو گیا فتاویٰ قاضی خاں مع ہندیہ ج اول ص ۳۰۴' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۵۰ میں ہے: یصح بشهادة الفاسقین والاعمیین۔ یعنی دو فاسقوں یا صرف دو

اندھوں کی گواہی سے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے' اور شرح وقایہ جلد ۲ ص ۹ میں ہے: صح عند فاسقین یعنی دو فاسقوں کی موجودگی میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے' اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ صفحۂ مذکور میں ہے: ان حضر فاسقان عند النکاح انعقد النکاح یعنی اگر نکاح کے وقت صرف دو فاسق موجود ہوں تو بھی نکاح ہو جائے گا اور ہدایہ جلد اول ص ۲۸۶ میں ہے: لانه صلح مقلداً فیصلح مقلداً او کذا شاهداً۔ یعنی جب کہ فاسق بادشاہ اسلام بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو قاضی شرع اور گواہ بننے کی بھی وہ صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا نکاح مذکور فاسقوں کی گواہی سے ہو گیا اور فاسقوں کو گواہ کرنے والا گنہگار نہ ہوا البتہ اگر عرف میں گواہ ہونا ایک قسم کی تعظیم ہے تو فاسقوں کو گواہ مقرر کرنا جائز نہیں اس لئے کہ تعظیم و توہین کا مدار عرف پر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۳ ص ۲۷۴) اور فاسقوں کی تعظیم ناجائز ہے' اور فاسقوں کی گواہی سے اگر چہ نکاح ہو جاتا ہے مگر ان کی گواہی سے نکاح نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ اس صورت میں اگر عاقدین میں سے کسی نے نکاح کا انکار کر دیا تو فاسقوں کی گواہیوں سے نکاح ثابت نہ ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا (پ۱۸ع۷) یعنی ان فاسقوں کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور بہار شریعت ج ۷ ص ۱۲ میں ہے: نکاح کے گواہ فاسق ہوں یا اندھے ان پر تہمت کی حد لگائی گئی ہو تو ان کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جائے گا مگر عاقدین میں سے اگر کوئی انکار کر بیٹھے تو ان کی شہادت سے نکاح ثابت نہ ہوگا۔ یعنی نکاح کے دو حکم ہیں ایک حکم انعقاد اور دوسرے حکم اظہار تو فاسقوں کی گواہیوں سے نکاح کے انعقاد کا حکم تو ثابت ہو جائے گا مگر اظہار کا حکم ثابت نہ ہوگا جیسا کہ شامی جلد ۲ ص ۲۷۲ میں ہے: النکاح له حکمان حکم الانعقاد وحکم الاظهار فالاول ماذکره (الماتن) والثانی انما تکون عند التجاحد فلا یقبل فی الاظهار الاشهادة من تقبل شهادة فی سائر الاحکام کما فی شرح الطحاوی۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از عبد السلام ٹیچر۔ عابدہ ہائی اسکول۔ مظفر پور (بہار)

استقامت شمارہ فروری و مارچ ۱۹۸۲ء میں آپ نے لکھا ہے کہ نکاح غائبانہ درست ہے جب کہ عورت نے اجازت دی ہو تو اگر کوئی شخص کسی عورت یا بالغ لڑکی سے نکاح کرنا چاہے' اور اس عورت یا لڑکی سے مہر وغیرہ کے معاملات طے کر کے غائبانہ نکاح پڑھوا لے اور اس عورت یا لڑکی کو خبر کرے کہ میں نے تمہارے ساتھ ان شرائط کے ساتھ نکاح کیا اور وہ عورت یا بالغ لڑکی اسے منظور کر لے تو کیا شرعی اعتبار سے نکاح درست ہو جائے گا؟

الجواب: آج کل نکاح غائبانہ ہی ہوتا ہے کہ عورت مجلس نکاح میں حاضر نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ کسی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنا دیتی ہے وہ مجلس نکاح میں جا کر ایجاب و قبول کرا دیتا ہے لہٰذا اگر کوئی عورت مشرق میں ہو اور وہ کسی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنا دے کہ تم میرا نکاح اتنے مہر کے ساتھ فلاں شخص سے کر دو جو مغرب میں ہے وکیل نے وہاں پہنچ کر دو گواہوں کے

سامنے ایجاب وقبول کرادیا تو نکاح ہوگیا' اوراگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو مہر وغیرہ کے معاملات طے کئے بغیر بھی اگر دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے نکاح کرلے اس طرح کہ کوئی شخص اسی مجلس میں قبول کرے تو اگر چہ وہ قبول کرنے کا وکیل نہ ہو اس صورت میں بھی نکاح ہوجائے گا مگر نکاح فضولی ہوگا یعنی عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ جائز کردے تو صحیح ہوجائے گا ورنہ لغو ہوجائے گا۔ فتویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۸۰ میں ہے: رجل قال اشهد وا انی تزوجت فلانة فبلغها الخبر فاجازت فهو باطل وكذا لوقالت المرأة بين يدى الشهود اشهد وا انى زوجت نفسى من فلان الغائب فبلغه الخبر فاجاز لايجوز ولوقبل فضولى عن الغائب فى الفصلين يتوقف على اجازة الغائب فى قول اصحابنا كذا فى شرح الجامع الصغير لقاضى خان. وهو سبحانه وتعالٰى اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷؍ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از شیر محمد کیئر آف عبدالمنان صاحب کریانہ مرچنٹ سرائے گیٹ بلرام پور گونڈہ

مسمّیٰ سہراب علی کے نابالغ لڑکے کا نکاح ایک نابالغہ لڑکی سے ہوا مگر ایجاب وقبول اسی نابالغ دولھا سے کرایا گیا۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ نابالغ کے والد کو اپنے نابالغ لڑکے کی طرف سے قبول کرنا چاہئے مگر لوگوں نے یہ غلط سمجھا اور اسی نابالغ ہی سے قبول کرایا کیا یہ نکاح صحیح ہوا یا غلط؟ اور مولوی صاحب صحیح کہہ رہے تھے یا غلط؟

الجواب: اگر نابالغ بچہ ناسمجھ ہے تو نکاح منعقد نہ ہوا اور اگر سمجھ والا ہے تو نکاح منعقد ہوجائے گا مگر ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۵۰ میں ہے: لاينعقد نكاح الصبى الذى لايعقل ونكاح الصبى العاقل يتوقف نفاذه على اجازة وليه هٰكذا فى البدائع ملخصًا. وهو تعالٰى اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از محبوب خاں عرفانی ٹرسٹی جامع مسجد منچر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

ٹیلی فون کے ذریعہ نکاح پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: فتاویٰ عالمگیری میں ہے: من شروطه سماع الشاهدين كلامهما معا۔ یعنی نکاح کے لئے دو گواہوں کا ساتھ میں ایجاب وقبول کے الفاظ کا سننا شرط ہے' اور یہ ٹیلی فون پر کسی طرح ممکن ہے لیکن جب گواہ پردہ کے پیچھے ہوں تو معتبر نہیں اس لئے کہ ایک آواز دوسری آواز سے مل جاتی ہے' اور ٹیلی فون پر بولنے والے کی تعیین میں عموماً اشتباہ ہوتا ہے تو اس کے ذریعہ سننے والا گواہ نہیں بن سکتا اس لئے ٹیلی فون کے ذریعہ نکاح پڑھنا ہرگز صحیح نہیں فتاویٰ عالمگیری کتاب الشہادۃ میں ہے: لو سمع من وراء الحجاب لايسعه ان يشهد لاحتمال ان يكون غيره اذا النغمة تشبه النغمة اھ۔ وهو

تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۹/ ذوالقعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از شمس الحسن کمپاونڈر رجنا چکتسالیہ ریتی چوک گورکھپور

ایک لڑکا جس کا نام عبدالقادر ہے اور اس کے والد کا نام جعفر علی صاحب ہے اس لڑکے عبدالقادر کو بچپن ہی میں جب اس کی عمر ۲/۱،۲ سال کی تھی تو جناب جھمن نے گود لے لیا تھا۔ جعفر علی صاحب اور جھمن علی صاحب آپس میں سگے بھائی ہیں اور ان کی بیویاں بھی آپس میں بہنیں تھیں۔ جھمن صاحب جعفر علی کے بڑے بھائی ہیں ۵/ اپریل ۱۹۸۲ء کو اس لڑکے عبدالقادر کی شادی ہوگئی دولھن گھر آئی اور ساری رسم پوری ہوگئی ہے۔ ایجاب وقبول کرنے کے وقت یہ کہا گیا کہ (عبدالقادر ولد جھمن) اس بات کو لڑکے نے بھی تسلیم کرلیا۔ نکاح کے وقت کچھ لوگوں نے اس بات پر اعتراض کیا، تو اس پر لڑکی والوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوا جھمن صاحب نے جعفر علی صاحب سے کہا کہ آپ ولی بن جائیے اور اس کی ساری ذمہ داری آپ پر رہے گی تو جعفر علی صاحب نے کہا کہ میں نے عبدالقادر کو بچپن ہی میں آپ کی دیکھ ریکھ میں سونپ دیا تھا اس لئے میں کچھ نہیں جانتا اور مجھ سے کوئی مطلب نہیں جھمن صاحب ہی نے اس لڑکے کو بچپن سے پالا پوسا ہے کسی طرح کی کوئی شکایت نہیں آنے دی۔ یا اس کے علاوہ جھمن صاحب کی کوئی سگی اولاد نہیں ہے نکاح پڑھتے وقت عبدالقادر کے ساتھ ولدیت میں کس کا نام لینا چاہئے تھا جعفر علی صاحب کا یا جھمن صاحب کا؟ کیا یہ صحیح ہے اگر یہ غلط ہوگیا تو اب کیا کیا جائے جب کہ شادی کی پوری رسم ادا ہو چکی؟ جواب فوراً ارسال کریں۔ میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

الجواب: نکاح کے سلسلے میں عبدالقادر ولد جعفر علی کہنا چاہئے تھا لیکن اگر نکاح پڑھانے والے نے یوں کہا کہ اے عبدالقادر ولد جھمن ہم نے تمہارے ساتھ فلانہ بنت فلاں کا نکاح اتنے مہر کے بدلے میں کیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں نکاح ہوگیا۔ اس لئے کہ جب نکاح پڑھانے والے کا مخاطب لڑکا ہو تو اس صورت میں قبول کرانے کے لئے لڑکے کا نام لینے کی حاجت ہی نہیں صرف تم یا آپ کہنا کافی ہے۔ البتہ لڑکی سے اذن لیتے وقت اور اگر لڑکی نابالغہ ہو تو اس کے ولی سے اذن لیتے وقت لڑکے کا نام لینے کی حاجت ہوتی ہے تو اگر لڑکی سے اذن لیتے وقت عبدالقادر ولد جھمن کہا گیا اور لڑکی نے یہ جان کر اذن دیا کہ میں اس عبدالقادر کے ساتھ نکاح کی اجازت دیتی ہوں جو جعفر علی کا لڑکا ہے، اور جھمن کی پرورش کے سبب ولد جھمن کہہ دیا گیا ہے تو اس صورت میں بھی نکاح ہوگیا کہ نکاح ہونے کے لئے جس کے ساتھ نکاح کیا جائے اس کا صرف متمیز ہونا ضروری ہے ھٰکذا فی الجزء الخامس من الفتاویٰ الرضویہ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۴/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد اکرام محلہ نکری گنج مکان نمبر ۷۷ اعظم گڑھ۔

ہم محمد اکرام و محمد عاشق کے سامنے عبدالستار خاں کے فرزند عین الحق صاحب نے ایک لڑکی بالغہ سے کہا تو میری ہو جا اس نے جواب میں کہا ہو گئی میں نے اپنے آپ کو اس کی زوجیت میں دیا۔ کیا یہ نکاح شریعت اسلامیہ کے مطابق صحیح ہو گیا؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر محمد اکرام و محمد عاشق نے عین الحق اور لڑکی کے کلمات مذکورہ کو سنا تو نکاح منعقد ہو گیا اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۵۳ میں ہے: لوقال تزوجینی نفسك فقبلت انعقد اھ۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ

مسئلہ: از محمد بشیر ڈفل ڈھوا۔ ضلع گونڈہ

ماہ صفر میں ۱۳ تاریخ تک اور ربیع الاول شریف میں ۱۲ تاریخ تک عوام شادی بیاہ کرنے سے منع کرتے ہیں تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: یکم صفر سے ۱۳ صفر تک اور یکم ربیع الاول سے ۱۲ ربیع الاوّل تک شادی بیاہ کرنا بلاشبہ جائز ہے شرعاً کوئی حرج نہیں۔ ان تاریخوں میں شادی بیاہ کرنے کو منع کرنا جہالت و نادانی ہے۔ واللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ صفر المظفر ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از جمیل الدین صدیقی شہر بہرائچ

ماہ محرم میں شادی بیاہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد شریف مدرسہ ندائے حق اشرافیہ پرانا گولہ۔ بڑہل گنج گورکھپور۔

ہندہ شادی شدہ شوہر والی غیر مطلقہ ہے اور یہ بات زید کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہندہ شادی شدہ شوہر والی غیر مطلقہ ہے پھر بھی اس کا نکاح بکر کے ساتھ زید نے پڑھ دیا کیا اس کا نکاح صحیح ہے؟ نیز یہ بھی مدلل تحریر فرمائیں کہ زید کی بیوی اس کے نکاح سے باہر ہو گئی یا نکل گئی؟

الجواب: جب عورت کسی کے نکاح میں ہو جان بوجھ کر اس کا نکاح دوسرے سے پڑھنا ہرگز جائز نہیں لہٰذا ہندہ اگر شوہر والی ہے اور یہ جانتے ہوئے زید نے اس کا نکاح بکر کے ساتھ پڑھ دیا تو وہ نکاح حرام ہے ہندہ اور بکر پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور علانیہ توبہ واستغفار کریں اور زید سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے وہ توبہ واستغفار کرنے کے ساتھ ساتھ اس نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ واپس کرے اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں قال اللہ تعالیٰ: وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥ (پ ۷ ع ۱۴) شوہر والی عورت کا نکاح جان بوجھ کر دوسرے سے پڑھنا حرام ہے اور فعل حرام کے سبب عورت نکاح سے نہیں نکلتی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۲ ر ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از منشی محمد سلیمان نونا واں درگاہ ضلع گونڈہ

جو عورت کسی کے نکاح میں ہو تو اس کا نکاح دوسرے کے ساتھ پڑھنے والے قاضی پر شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: جو عورت کسی کے نکاح میں ہو تو پھر اس کا دوسرے سے نکاح پڑھنا حرام و زنا کاری کا دروازہ کھولنا ہے جو سخت ناجائز اور اشد حرام ہے۔ قاضی پر لازم ہے کہ علانیہ توبہ واستغفار کرے اور اس نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از محی الدین موضع کنو ضلع سلطان پور ۲۸ ر ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

زید نے لاعلمی میں ایک منکوحہ عورت زینب کا نکاح بکر سے پڑھ دیا تو زید کی بیوی اس کے نکاح سے نکلی یا نہیں؟ نیز ایسے شخص کو امام یا مؤذن بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زینب منکوحہ تھی اور زید کو اس کا علم تھا مگر اس کے باوجود اس نے زینب کا نکاح بکر سے پڑھ دیا تاوقتیکہ زید علانیہ توبہ نہ کرے اور نکاح مذکور کے غلط اور باطل ہونے کا اعلان عام نہ کرے زید کو امام مؤذن بنانا جائز نہیں اس لئے کہ ایسا شخص فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امامت اور اذان کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں۔ ھٰکذا فی کتب الفقہ اور اگر زید یقیناً نہیں جانتا تھا اور اس نے نکاح پڑھ دیا تو گنہگار نہیں ہوا اور اس کی بیوی دونوں صورتوں میں اس کے نکاح سے نہیں نکلے گی لیکن اس صورت میں بھی زید پر فرض ہے کہ اپنے پڑھے ہوئے نکاح کے غلط اور ناجائز ہونے کا اعلان عام کر دے اور آئندہ تحقیقات کے بعد نکاح پڑھا کرے اور بکر و زینب پر فرض ہے کہ آپس میں ازدواجی تعلقات ہرگز ہرگز قائم نہ

ہیں ورنہ دونوں سخت حرام کار، نہایت بدکار، لائق عذاب قہار اور دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوں گے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد ادریس اٹکنیا پوسٹ چترا شیخ ضلع بستی

رحم اللہ شادی شدہ ہے اس کی بیوی موجود ہے اس کے پاس دو بچے بھی ہیں اس کے بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا عدت گزرنے کے بعد رحم اللہ نے اپنی بھاوج کے ساتھ نکاح کرنا چاہا تو محمد صدیق صاحب نے رحم اللہ کی بیوی سے اجازت لئے بغیر رحم اللہ کا نکاح اس کی بھاوج کے ساتھ پڑھ دیا تو اجازت نہ لینے کے سبب محمد صدیق گنہگار ہوئے یا نہیں؟

الجواب: بعون الملک العزیز الوھاب۔ دوسرا نکاح کرنے کے لئے پہلی بیوی سے نکاح خواں کا اجازت لینا ضروری نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں پہلی عورت سے اجازت نہ لینے کے سبب محمد صدیق گنہگار نہیں ہوئے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال احمد خاں الرضوی

یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از حاجی مدار بخش کالپی محلہ دمدمہ ضلع جالون

اگر قاضی بغیر کسی عورت کی طلاق ہوئے کسی دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح پڑھادے تو قاضی کے اوپر کیا جرم ہوتا ہے؟

الجواب: اگر قاضی نے کسی منکوحہ عورت کا نکاح دوسرے کے ساتھ پڑھا دیا تو قاضی پر لازم ہے کہ علانیہ توبہ و استغفار کرے، نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب لوگ اس کا اسلامی بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ ذی القعدہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از عبد الرؤف میمن رضوی عثمانیہ مسجد دھوراجی شوراسٹر۔

ہندہ زید کی بیوی ہے عرصہ ۶ ماہ کا گزر چکا ہندہ کے باپ نے ہندہ کو میکے روک رکھا ہے زید نے روکنے کا سبب معلوم کیا تو ہندہ کا باپ کوئی معقول وجہ نہیں بتاتا ہے زید سے بار بار طلاق کا مطالبہ کرتا ہے ہندہ اور زید کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ زید یورپین فیشن و سینما سے خود بچتا ہے اور شرعی زندگی گزارنے کا عادی ہے اسی طرح وہ اپنی منکوحہ کو بھی دیکھنا اور رکھنا چاہتا ہے عام عورتوں کی طرح بازار میں ہندہ کو گھومنے سے منع کرتا ہے ہندہ اپنے باپ سے شوہر اور بیوی کے مابین پیار و محبت کے

چھپے ہوئے راز کو بتاتی ہے ہندہ کا باپ اس کے شوہر کو اپنی بیوی سے ملاقات کرنے سے روکتا ہے اور شوہر کی ہر خوشی کرنے سے منع کرتا ہے اور عورت کے لئے وہ کہتا ہے کہ عورت صرف گھر کی زینت ہے اسے دیکھا جاسکتا ہے استعمال کو پیر صاحب نے منع کیا ہے اور شریعت میں منع ہے ایسی صورت میں استدعا ہے کہ میاں بیوی کو ۶ / ماہ سے جدا رکھنا بلاوجہ گھر خراب کرنے والا گنہگار ہے کہ نہیں؟ اور اس پر کیا حکم اسلامی ہے میاں بیوی کی شرعی حد کیا ہے۔ کیا ایسا ہی ہے جیسا ہندہ کا باپ کرتا ہے۔

الجواب: اللھم ہدایۃ الحق والصواب مسلم شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کردے تو وہ ذات جو آسمان پر ہے یعنی خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے جب تک کہ شوہر اس سے راضی نہ ہو (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۱) اور ترمذی شریف کی حدیث ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب شوہر اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو عورت کو اس کا حکم ماننا چاہئے اگر چہ وہ تنور پر کھانا پکانے میں مشغول ہو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۱) لہٰذا ہندہ کو اس کے شوہر کے پاس آنے سے روکنا یا اس کا خود رکنا سخت گناہ اور خدائے ذوالجلال کی ناراضگی کا سبب ہے اور بلا کسی وجہ معقول کے طلاق طلب کرنے والے پر جنت کی بو حرام ہے جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جو عورت بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق چاہے اس پر جنت کی بو حرام ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳) اور ابوداؤد شریف کی دوسری حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حلال چیزوں میں خدا کے نزدیک سب سے بری چیز طلاق ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳) اور دار قطنی شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سب سے زیادہ مبغوض وناپسندیدہ طلاق ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۴) اور زید جو یورپین فیشن سے بچتا ہے اور شرعی زندگی گزارتا ہے تو یہ عیب نہیں بلکہ ہر مسلمان پر وہی واجب ہے جو زید کرتا ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام سخت حرام اشد حرام۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۲۲) اور بے شک زید پر لازم ہے کہ وہ عام عورتوں کی طرح اپنی بیوی ہندہ کو بازار وغیرہ میں گھومنے سے منع کرے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو مرد کی نگاہ میں بہت بہتر صورت میں دکھاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹) اور ہندہ اپنے شوہر کے راز کو بتانے کے سبب سخت گنہگار ہوتی ہے کہ یہ ایک قسم کی امانت ہے جس میں وہ خیانت کرتی ہے اگر وہ اپنی اس عادت سے باز آ کر توبہ نہ کرے گی تو اس کی دنیا اور دین دونوں برباد ہو جائیں گے اور وہ دونوں جہان میں خائب وخاسر ہوگی اور شوہر کو اس کی بیوی کی ملاقات سے روکنا گناہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی حاجت ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے: ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (پ ۲ ع ۷) اور عورت صرف گھر کی زینت نہیں ہے اور نہ شریعت نے اس کے استعمال سے منع کیا ہے بلکہ وہ انسان کی کھیتی بھی ہے جس کے استعمال کا خدا تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ (پ ۲ ع ۱۲) اور بیشک اس بیوی کو ایک دوسرے سے جدا

رکھنے والا اور بلاوجہ شرعی دوسرے کے گھر کو خراب کرنے والا گنہگار اور مستحق عذاب نار ہے اور میاں بیوی کی شرعی حد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔ لہٰذا جو شخص ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے روکے گا وہ لائق عذاب قہار ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ ہندہ کے باپ نے اگر بغیر کسی وجہ معقول کے اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے یہاں جانے سے روکا تو گنہگار مستحق ملامت ہوا۔ اس پر لازم ہے کہ اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے یہاں بھیجے یا عذر معقول بیان کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳/ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

چند اصول فقہ

۱- الضرورات تبیح المحظورات ۱- شرعی ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔

۲- الیقین لایزول بالشك ۲- یقین شک سے زائل نہیں ہوگا۔

۳- ماثبت بیقین لایرتفع الابالیقین ۳- جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین ہی سے مرتفع ہوگی۔

۴- ماحرم فعله حرم طلبه ۴- جس کام کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے۔

۵- التابع یسقط بسقوط المتبوع ۵- متبوع کے سقوط سے تابع بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

۶- یسقط الفرع اذا سقط الاصل ۶- جب اصل ساقط ہو جائے تو فرع بھی ساقط ہو جائے گی۔

۷- مجرد الخبر لایصلح حجة ۷- خبر محض حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

۸- المعلق بالشرط یثبت بوجود الشرط ۸- کسی شرط پر معلق چیز اسی وقت ثابت ہوگی جبکہ شرط پائی جائے۔

۹- خیر الامور اوسطها ۹- ہر چیز میں بہتر وہی ہے جو درمیانی ہو۔

۱۰- السکران فی الحکم کالصاحی ۱۰- نشہ والا حکم میں ہوش والے کی طرح ہے۔

۱۱- لایجوز ترك الواجب للاستحباب ۱۱- مستحب کی وجہ سے واجب کا ترک جائز نہیں۔

(الاشباہ والنظائر- شرح السیر الکبیر)

فصل فی المحرمات

محرمات کا بیان

مسئلہ: از برکت علی خاں پوسٹ ومقام چھپیا۔ ضلع گورکھپور

زید کی بیوی ہندہ سے زید کے پاس ایک لڑکا ہے اب زید کی بیوی مرگئی اس کے بعد زید نے دوسری شادی کی اور دوسری بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کی اسے طلاق دے دی۔ اب زید کا لڑکا اپنی اس سوتیلی ماں سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: سوتیلی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ باپ نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو قرآن کریم پارہ چہارم رکوع تیرہ (۱۳) میں ہے: وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاءُ كُمْ مِّنَ النِّسَآءِ' اور ردالمحتار جلد دوم ص ۲۷۹ میں ہے: تحرم زوجة الاصل الفرع بمجرد العقد دخل بها اولا.اھ۔ وهو تعالٰى اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از برخوردار امسن خورد ضلع فیض آباد

زید نے اپنی سگی بہو کے ساتھ اپنے لڑکے کے انتقال کے بعد نکاح کرلیا جب کہ زید کی برادری نے اس پر بہت دباؤ ڈالا لیکن اس کے باوجود وہ اس حرکت قبیحہ سے باز نہ آیا اور اس کے نکاح کے بعد بہو کے دو بچے بھی پیدا ہوئے اور جب اس کی بہو بچوں کی ماں بن گئی تو نہ معلوم کس بنا پر اس نے بہو کو گھر سے نکال دیا۔ ایسی صورت میں ارشاد فرمائیں کہ زید اور اس کی بہو کا کیا حکم ہے؟ اور عام مسلمانوں کو اب کیا کرنا چاہئے؟

الجواب، زید اور اس کی بہو کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں؟ سوال واضح نہیں۔ بہو کے ساتھ نکاح کرنا قطعی حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ پارۂ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں ہے: وَحَلَآئِلُ اَبْنَاءِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ۔ یعنی تمہارے نسبی بیٹوں کی بیویاں تمہارے لئے حرام ہیں۔ لہٰذا زید اور اس کی بہو کو ایک دوسرے سے الگ ہو جانا ضروری تھا۔ بہتر ہوا کہ اس نے خود ہی بہو کو الگ کردیا اب ہرگز ہرگز ایک دوسرے کو اکٹھا نہ ہونے دیا جائے بلکہ بہو تو بہ کرانے کے بعد اس کا کسی دوسرے سے عقد کردیا جائے اور زید حرام کار کا مکمل سخت بائیکاٹ کیا جائے اگر مسلمان ایسا نہیں کریں گے تو وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ وهو تعالٰى اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ: از سیّد اعجاز احمد قادری ۲۷۲/۱ متصل پوسٹ آفس تاڈ پتری ضلع اننت پور۔ (اے پی)

زید کی دو بیویاں ہیں پہلی بیوی کی خاص نواسی ہندہ کے ساتھ دوسری بیوی کے لڑکے بکر کے ساتھ نکاح کیا گیا ہے۔ ہندہ کی ماں اور بکر دونوں زید ہی کے نطفہ سے ہوئے ہیں یہاں کے علماء و مشائخین کے منع کرنے پر بھی زید نے خون بدلنے سے درست ہے کہہ کر نکاح کیا ہے۔ (الف) زید کو خدا کا حکم حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ...... بَنٰتُ الْاُخْتِ سنانے پر بھی اس نے نکاح کیا۔ کیا خدا کے حکم کو ٹھکرانے والے پر کفر لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ (ب) ایسے کے ساتھ ترک تعلق کرنا مسلمانوں کو ضروری ہے یا نہیں؟ (ج) زید اور ہندہ بکر کو اب اسلامی اصول سے کیا کرنا ضروری ہے؟

(س) ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست ہے یا نہیں؟ (ص) ایسے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (ط) ایک صاحب کہتے ہیں کہ ایسے نکاح میں جا کر نکاح سنے ہوئے لوگوں کا بھی نکاح فاسد ہو جاتا ہے یہ کہنا صحیح ہے؟ اگر ان کا قول صحیح رہا تو نکاح میں شریک ہوئے لوگوں کو اب کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بہن خواہ عینی ہو یا علاتی یا اخیافی اس کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے قال اللہ تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ الیٰ ان قال وَبَنٰتُ الْاُخْتِ اور فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۵۶ میں ہے: اما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت لام و کذابنات الاخ والاخت وان سفل. اھ۔ (الف) زید نے اگر اس بنیاد پر نکاح کر دیا کہ علماء و مشائخ نے قرآن کی آیت کریمہ کا مطلب نہیں سمجھا ہے اس لئے نکاح کی مذکورہ صورت کو نا جائز بتاتے ہیں یا اس نے نکاح مذکورہ کو حرام مانتے ہوئے نکاح کر دیا جیسے کہ شرابی نے شراب کو حرام مانتے ہوئے پیا تو وہ فاسق، گنہگار، ظالم، جفا کار مستحق عذاب نار ہے' اور اگر جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے نکاح کی مذکورہ صورت کو حرام فرمایا ہے مگر اپنی سرکشی سے اس کی حرمت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ کافر و مرتد ہے (ب) بہر حال زید کا اسلامی بائیکاٹ کرنا مسلمان پر ضروری ہے ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (پ۷ ع ۱۴) (ج) زید پر اس نکاح کے باطل ہونے کا اعلان عام کرنا اور علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے ہندہ و بکر نے اگر آپس میں میاں بیوی کا تعلق قائم کیا ہو تو اس سے توبہ و استغفار کرنا اور آئندہ ایک دوسرے سے آپس میں اس قسم کا تعلق قائم نہ کرنا دونوں پر واجب ہے (س) جو لوگ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے نکاح کی اس صورت کو حرام فرمایا ہے اس کے باوجود وہ اس کی حرمت کو نہیں تسلیم کرتے ان لوگوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست نہیں۔ (ص) ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں، (ط) بے شک ایسے نکاح میں شرکت کرنے والے نکاح خواں اور گواہ وغیرہ کا نکاح فاسد نہیں ہوا البتہ ان سب پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے' اور نکاح خواں پر نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از قاضی محمد امام الحق پوسٹ دیوار بازار روایا تتری بازار ضلع بستی

بکر کے حقیقی لڑکے زید نے ہندہ سے نکاح کیا کچھ عرصہ تک ہندہ زید کی زوجیت میں رہی یہاں تک کہ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ ماحصل یہ کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دیا۔ بکر جو ہندہ کا خسر رشتہ میں ہوتا تھا اب اپنی بہو یعنی ہندہ کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے۔ حضرت سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر اپنی بہو سے بعد طلاق وانقضائے عدت نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ عندالشرع جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: بکر کا اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے بعد طلاق وانقضائے عدت بھی نکاح کرنا حرام ہے ہرگز جائز نہیں جیسا کہ پارۂ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں ہے: وَحَلَائِلُ اَبْنَاۗئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یعنی تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں' اور شامی جلد دوم ص ۲۷۹ میں ہے: تحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بها اولا۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبداللہ سبحانی عرف بندھو پردھان پھلواپور بستی

زید کے نکاح میں ہندہ ہے۔ اب زید اپنے بیٹے بکر جو اس کی پہلی بیوی زبیدہ سے ہے اس کا نکاح ہندہ کی باپ شریکی بہن سے کرنا چاہتا ہے تو یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کا اپنی بیوی کی باپ شریکی بہن سے اپنی پہلی بیوی کے ساتھ لڑکے کا نکاح کرنا جائز ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاۗءَ ذٰلِكُمْ (پ۵ ع۱)۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹؍ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از رمضان علی محلہ قاضی پورہ متصل مسجد نمدہ ساز اں شہر بہرائچ شریف

زید کی پہلی بیوی سے ایک پوتا یعنی لڑکے کا لڑکا موجود ہے' اور اس کے بعد زید نے دوسری عورت سے نکاح کیا پانچ چھ ماہ آنا جانا رہا پھر اس کو طلاق دے دیا اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی پھر اس مطلقہ نے دوسرے مرد سے نکاح کرلیا۔ اس دوسرے مرد سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی مطلقہ عورت سے جو لڑکی دوسرے مرد سے پیدا ہوئی اس کا نکاح زید کی پہلی بیوی کے پوتے سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں مذکورہ لڑکی کا نکاح زید کے پوتے سے کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع شرع

نہ ہو۔ لانه لم يثبت فی الشرع حرمة كذالك. والله تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ / ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از حسن رضا ساکن شیوہرواپوسٹ اٹوا ضلع بستی

زید کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے کچھ دنوں کے بعد زید نے ہندہ سے نکاح کیا تو ہندہ اپنے ساتھ ایک لڑکی لائی جو شوہر اوّل سے ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید ہندہ کی اس لڑکی سے اپنے لڑکے کا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید کے لڑکے کا نکاح ہندہ کی اس لڑکی سے کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو۔ لانه لم يثبت فی الشرع حرمة كذالك. والله تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ / شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: مسئولہ غلام رسول ساکن بچھیاپوسٹ میاں بازار ضلع گورکھپور

زید کے حقیقی ماموں کا انتقال ہو گیا۔ عدت گزر جانے کے بعد زید نے ممانی سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ زید کے دوسرے ماموں کی لڑکی زید کے چھوٹے بھائی کے عقد میں ہے؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں ماموں کے انتقال ہو جانے اور عدت گزر جانے کے بعد زید کا اپنی حقیقی ممانی سے نکاح کرلینا شرعاً جائز ہے کوئی قباحت نہیں اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو زید کے دوسرے ماموں کی لڑکی کا زید کے چھوٹے بھائی کے عقد میں ہونا نکاح کے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ / جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ

مسئلہ: از ہمت علی خاں ندی محلہ للت پور (یو۔پی)

عمرو نے فہمیدہ سے نکاح کیا دو چار سال فہمیدہ عمرو کے ساتھ رہی مگر اس سے عمرو کی کوئی اولاد نہیں ہوئی جس کی وجہ سے عمرو نے اسے طلاق دے دی۔ بعد ازاں عمرو نے دوسرا نکاح رشیدہ سے کیا جس سے اولادیں ہوئیں اور فہمیدہ جو عمرو کی سابق بیوی رہ چکی ہے اس کا بھی نکاح خالد سے کر دیا گیا بفضل خدا خالد کے وہاں اس سے اولادیں ہوئیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا خالد کی لڑکیوں اور عمرو کے لڑکوں یا عمرو کی لڑکیوں اور خالد کے لڑکوں سے نکاح کر دینا بحکم شرع جائز ہے؟ بیان فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا

الجواب: خالد کے لڑکوں اور عمرو کی لڑکیوں یا عمرو کے لڑکوں اور خالد کی لڑکیوں کا ایک دوسرے سے نکاح کرنا

عندالشرع جائز ہے بشرطیکہ رضاعت وغیرہ کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو اس لئے کہ مدخولہ بیوی کی اولاد جو دوسرے شوہر سے ہو ان سے اپنی اولاد کے نکاح کرنے میں شرعاً کوئی خرابی نہیں جیسا کہ فتاوی عالمگیری اوّل مصری ص ۳۲۱ کی اس عبارت سے ظاہر ہے: الاخ لاب اذا کانت له اخت من امه یحل لاخیه من ابیه ان یتزوجها کذا فی الکافی. ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: مرسلہ مولوی عبدالرزاق چھاؤنی ضلع بستی

زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا اور ہندہ کے پاس پہلے شوہر سے ایک لڑکا خالد ہے اب ہندہ کا دوسرا شوہر خالد کی بیوی سے عقد کرسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید ہندہ کے لڑکے خالد کی بیوی سے طلاق یا خالد کی موت کے بعد عدت گزرنے پر نکاح کرسکتا ہے اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ لانه لم یثبت فی الشرع حرمة کذالك. واللّٰه تعالٰی ورسوله الاعلٰی اعلم جل جلاله و صلی اللّٰه علیه وسلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ ر رجب المرجب ۱۳۷۹ھ

مسئلہ: از محمد نصیر موضع دفالی کا پوروہ۔ ضلع گونڈہ

زید کے دو بیٹے ہیں عمر اور فاروق۔ پھر عمر کا ایک لڑکا ہاشم ہے اور فاروق کا لڑکا جعفر۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ جعفر کی لڑکی فاطمہ کا نکاح ہاشم کے ساتھ کرنا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: اگر کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ ہو تو صورت مسئولہ میں جعفر کی لڑکی فاطمہ کا نکاح ہاشم کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ ر شوال ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: از فاروق احمد ساکن سرسیا چودھری۔ ضلع بستی

زید اپنے باپ کی چچازاد بہن سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اپنے باپ کی چچازاد بہن سے نکاح کرسکتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو

قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ. ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲؍رجب المرجب ۷۷ھ

مسئلہ: مرسلہ مولوی محمد عبدالحکیم برہ پور ضلع بستی

حمیدہ بانو نے یکے بعد دیگرے دوشوہروں سے عقد کیا۔ اوّل سے سعید ہے اور دوسرے سے رافع ہے چند دنوں بعد سعید کی منکوحہ مرگئی بعد ازاں رافع کا انتقال ہوگیا۔ سوال یہ ہے کہ رافع کی منکوحہ سے سعید کا عقد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: رافع کی منکوحہ سے سعید کا نکاح عدت پوری ہونے کے بعد جائز ہے بشرطیکہ کوئی دوسرا مانع جواز نکاح نہ ہو۔ قال اللہ تعالیٰ: اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ. وھو تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

مسئلہ: مرسلہ مولانا علاء الدین صابراوجھا گنج۔ ضلع بستی

زید کی بہن ہندہ جس کا لڑکا عمرو ہے اور عمرو کا لڑکا خالد ہے۔ زید اپنی لڑکی عابدہ کی شادی خالد کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب: صورت مسئولہ میں عابدہ کی شادی خالد کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ رضاعت وغیرہ کوئی دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو۔ اس لئے کہ عمرو عابدہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے اور پھوپھی زاد بھائی سے عقد جائز ہے تو اس کے لڑکے سے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ. وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹؍جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از سلیمان پچھیا کیمپ گورکھپور

رمضان وعبدالرحمٰن دونوں حقیقی بھائی ہیں اور ان دونوں کے بھانجے غلام رسول ومحمد رفیق ہیں۔ رمضان کی لڑکی کا عقد محمد رفیق کے ساتھ ہوا تو عبدالرحمٰن کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سے غلام رسول کا عقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں غلام رسول کا عبدالرحمٰن کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ. ھٰذا ما عندی وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸؍صفر المظفر ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از شہزاد علی متعلم مدرسہ عربیہ اہلسنت غوث العلوم بھولا پور شنکر پور ہلور ضلع بستی
خالدہ کا عقد اوّل زید کے سگے چچا عمرو کے ساتھ ہوا تھا خالدہ کو عمرو نے بغیر رخصتی کرائے اور بغیر خلوت صحیحہ کے طلاق دے دی پھر خالدہ کی دوسری شادی بکر کے ساتھ ہوئی بکر کے یہاں خالدہ کچھ ہی دنوں رہی بکر نے بھی خالدہ کو طلاق دے دیا پھر خالدہ نے اپنا عقد ثالث خالد کے ساتھ کیا خالد نے بھی کچھ دنوں رکھنے کے بعد خالدہ کو طلاق دے دیا اور اب زید جو کہ عمرو کا سگا بھتیجا ہے خالدہ کو اپنے عقد میں لانا چاہتا ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید خالدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ خالدہ زید کی سگی چچی تھی اور اگر نکاح زید کے ساتھ جائز ہے تو کب نکاح کرے؟

الجواب: انقضائے عدت زید خالدہ سے نکاح کر سکتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ یعنی حرام عورتوں کو شمار کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ان کے سوا سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں' اور حرام عورتوں میں چچی کو شمار نہ فرمایا نہ حدیث و فقہ میں کہیں چچی کی حرمت بیان ہوئی لہٰذا وہ ضرور حلال عورتوں میں سے ہے۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۸؍ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: خواجہ غلام محمد قادری سرنکوٹ۔ پونچھ (جموں و کشمیر)
عبدالغنی نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں۔ زوجۂ اوّل مسماۃ سعیدہ بیگم۔ زوجۂ ثانی مسماۃ ساجدہ بیگم۔ زوجۂ اوّل سے ایک لڑکی بھی ہوئی بعدہ عبدالغنی نے زوجۂ اوّل کو طلاق دے دی۔ اب مسماۃ مذکورہ مطلقہ کا عقد غلام احمد سے ہوا' اور غلام احمد کا مسماۃ مذکورہ مطلقہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام خلیل احمد ہے۔ اب عبدالغنی کی زوجۂ ثانیہ مسماۃ ساجدہ بیگم کے بطن سے عائشہ بیگم پیدا ہوئی۔ اب عائشہ بیگم کی دختر مجیدہ بیگم ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ خلیل احمد کا عقد مجیدہ بیگم سے درست ہے یا نہیں جب کہ مجیدہ بیگم کے نانا حقیقی سعیدہ بیگم خلیل احمد کی والدہ مدخولہ مطلقہ ہے؟

شجرۂ نسب

عبدالغنی

زوجۂ اوّل سعیدہ بیگم مطلقہ	زوجۂ ثانی ساجدہ بیگم
غلام احمد مطلقہ کا زوج ثانی	عائشہ بیگم
خلیل احمد	مجیدہ بیگم

یک دوسرے سے ان دونوں کا عقد درست ہے یا نہیں؟

الجواب: خلیل احمد صاحب کہ دوسرے شوہر کا لڑکا ہے تو اگر چہ وہ عبدالغنی کی مدخولہ مطلقہ کے بطن سے ہے اس کا

نکاح عبدالغنی کی نواسی سے جائز ہے بشرطیکہ رشتۂ رضاعت وغیرہ کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو اس لئے کہ مدخولہ بیوی کی اولاد کا نکاح جو دوسرے شوہر سے ہوں ان سے اپنی اولاد یا اپنی اولاد کی اولاد کے نکاح میں شرعاً کوئی حرج نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۲۱ کی اس عبارت سے ظاہر ہے: الاخ لاب اذا كانت له لحت من امه يحل لاخيه من ابيه ان يتزوجها كذا في الكافي- وهو تعالٰى اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ر شوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از مجیب اللہ جونیر ہائی اسکول بہدری بازار گورکھپور

زید کے پاس دو بیویاں ہیں اور دونوں سے ایک ایک لڑکی پیدا ہوئی ایک لڑکی کی شادی بکر کے ساتھ کردی اور دوسری لڑکی کی شادی بکر کی پہلی بیوی سے جو لڑکا ہے اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہے تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو لانه لم يثبت في الشرع حرمة كذالك كما قال الله تعالٰى: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ. هٰذا ماعندی والعلم بالحق عندالله تعالٰى ورسولهٗ الاعلٰى وهو تعالٰى اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ر ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از میاں عباس علی کٹھوتیہ۔ بھیرہوا (نیپال)

ایک شخص کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی ہے، اور اسی شخص نے اپنی بیوی کی بہن کو بلا نکاح رکھ لیا ہے جس سے ایک لڑکا بھی ہے جس عورت کو اس نے بلا نکاح رکھا ہے وہ بیوہ ہوگئی ہے اب سوال یہ ہے کہ پہلی بیوی جو نکاح میں ہے: اس کی لڑکی سے اس لڑکے کا نکاح کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر نکاح درست بھی ہے تو ایسے شخص کے وہاں کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: لڑکا مذکور اگر پہلے شوہر سے ہے تو شخص مذکور کی لڑکی سے اس کا عقد کرنا جائز ہے، اور اور وہ لڑکا اسی شخص کی حرام کاری سے پیدا ہے تو اس لڑکے کا نکاح شخص مذکور کی لڑکی سے کرنا جائز نہیں نکاح کرنا جائز ہو یا ناجائز بہرصورت شخص مذکور سے تاوقتیکہ حرام کاری سے الگ ہو کر توبہ و استغفار نہ کرے تمام مسلمان اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور سلام و کلام ہر قسم کے اسلامی تعلقات ختم کردیں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ هٰذا ماعندی والعلم بالحق عندالله تعالٰى ورسولهٗ جل جلاله وصلى الله عليه وسلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲ / ذو القعدہ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از تعلقدار ساکن بھولا پور۔ ڈومریا ضلع بستی
زید نے اپنی حقیقی لڑکی شاہدہ کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا ہے اور اب وہ اپنی دوسری حقیقی لڑکی زینب کا نکاح عمرو کے حقیقی بھتیجے احمد کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر اور کوئی وجہ شرعی مانع جواز نکاح نہ ہو تو جائز ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: محمد حسن
۹ / جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از محمد رئیس القادری متعلم مدرسہ مدینۃ العلوم بلبھر یا دھانے پور گونڈہ
زید اپنے لڑکے کا عقد اپنی سگی پھوپھی کی لڑکی نواسی کے ساتھ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اپنی سگی پھوپھی کی لڑکی نواسی کے ساتھ اپنے لڑکے کا عقد کر سکتا ہے بشرطیکہ رضاعت وغیرہ کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ ہو قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ۔ وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۳ / صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از رمضان علی محلّہ قاضی پورہ شہر بہرائچ
زید کی پہلی بیوی سے اس کا ایک پوتا یعنی لڑکے کا لڑکا موجود ہے اس کے بعد زید نے دوسری عورت سے نکاح کر لیا پانچ، چھ ماہ آتا جاتا رہا پھر اس کو طلاق دے دی اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی پھر اس مطلقہ نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اس دوسرے مرد سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کی مطلقہ عورت سے جو لڑکی دوسرے مرد سے ہے اس کا نکاح زید کی پہلی بیوی سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مذکورہ لڑکی کا نکاح زید کے پوتے سے کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ (پ۵ ع اول) ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از غلام رسول گورکھپور

خالد کے حقیقی ماموں کا انتقال ہوگیا عدت گزر جانے کے بعد خالد نے اپنی ممانی سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ خالد کے دوسرے ماموں کی لڑکی خالد کے چھوٹے بھائی کے عقد میں ہے؟

الجواب: ماموں کے انتقال کر جانے اور عدت گزر جانے کے بعد خالد کا اپنی سگی ممانی سے نکاح کرلینا شرعاً جائز ہے کوئی قباحت نہیں اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو اور خالد کے دوسرے ماموں کی لڑکی کا خالد کے چھوٹے بھائی کے عقد میں ہونا اس نکاح کے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ قال اللّٰہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد نذیر کماٹی پورہ۔ بمبئی نمبر ۸

سوتیلی ماں کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: جائز ہے قال اللّٰہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ. ھٰذا ما ظھرلی والعلم بالحق عند اللّٰہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از اختر جمال صدیقی چرکھوا۔ ضلع بستی۔

زید و بکر دونوں بھائی ہیں تو زید کی نواسی فاطمہ کا نکاح بکر کے لڑکے خالد کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید خالد کا چچا ہوا تو خالد کا نکاح زید کی لڑکی سے جائز ہے تو اس کی نواسی فاطمہ سے بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ لانہ لم یثبت فی الشرع حرمۃ کذالک۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد نصیر متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف

زید کے دو بیٹے ہیں عمر اور فاروق۔ پھر عمر کا ایک لڑکا ہاشم ہے اور فاروق کا لڑکا جعفر دریافت طلب یہ امر ہے کہ جعفر کی لڑکی فاطمہ کا نکاح ہاشم کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے ساتھ کیا لانہ قال اللّٰہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ. واللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از ابوالکلام احمد کسم کھور ضلع فرخ آباد۔
خالد کے نکاح اوّل سے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد بیوی کا انتقال ہو گیا تو اس نے نکاح ثانی کیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زوجۂ ثانی کی حقیقی بہن سے خالد کے نکاح اوّل سے جو لڑکا ہے اس سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح ہو سکتا ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ رضاعت وغیرہ مانع نکاح نہ ہو۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ. ھٰذا مَاظھرلی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از علی امام مویشی خانہ ہاٹا ضلع دیوریا۔
(۱) ایک عورت جو چچی لگتی ہے مگر خاص چچی نہیں ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) بڑا بھائی مر گیا ہے تو اس کی بیوی سے چھوٹے بھائی کا نکاح کرنا کیسا ہے؟

الجواب: (۱) مذکورہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اگر رضاعت وغیرہ کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ. وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (۲) بھائی کی موت کے بعد اگر اس کی بیوی کی عدت ختم ہو گئی ہے تو چھوٹے بھائی سے اس کا نکاح کرنا جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از شوکت علی ساکن پر ینہ پوسٹ دیوا کلپور ضلع بستی
زید و بکر دو حقیقی بھائی ہیں زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح اپنے بھانجے کے ساتھ کر دیا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے بھانجے کے لڑکے کے ساتھ بکر کی لڑکی کا عقد درست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مرحمت فرما کر آخرت میں ماجور ہوں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں برصدق مستفتی بکر کی لڑکی کا زید کے بھانجے کے لڑکے کے ساتھ عقد کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو۔ لانہ لم یثبت فی الشرع حرمۃ کذالك. ھٰذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴؍ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از حسن علی ساکن ہردیا پوسٹ ہریا ضلع بستی۔ (یو۔پی)

دین محمد اور بقرعیدی ایک باپ کے لڑکے ہیں آج کئی مہینے ہوگئے بقرعیدی کا انتقال ہوگیا۔ دین محمد کے لڑکے محمد سلیمان کے ساتھ لوگ بقرعیدی کی بیوہ کا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے' اور دوسرا کہتا ہے کہ جائز ہے؟ دریافت طلب یہ امر ہے کہ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے کہ ارشاد فرمائیں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں بعد عدت محمد سلیمان بقرعیدی مذکور کی بیوی سے نکاح کرسکتا ہے اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ ھٰذا ما ظھرلی والعلم بالحق عند الرحمٰن۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ ر ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ

مسئلہ: از عبد الرؤف انصاری نرسہ چٹی۔ دھنباد (بہار)

زید کی بیوی ہندہ کے ساتھ بکر زنا کا مرتکب ہوا اور اس سے ایک ناجائز اولاد بھی ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ اپنے شوہر زید کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر زید اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ جب کہ ہندہ زید کی ممیری خالہ اور چچیری مامی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ارتکاب زنا کے سبب ہندہ زید کی زوجیت سے نہیں نکلی وہ اب بھی بدستور اپنے شوہر زید کے لئے حلال ہے البتہ ہندہ اور بکر پر علانیہ توبہ واستغفار کرنا لازم اور ضروری ہے۔ اگر زید اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دے تو اگرچہ وہ بکر کی ممیری خالہ اور چچیری مامی ہے بعد عدت بکر سے اس کا نکاح کرنا جائز ہے قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمۡ (الآیۃ) وھو تعالیٰ ورسولہٗ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ ر ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد سمیع اللہ۔ اسٹیشن ماسٹر کوارٹر نمبر ٹی ۲۔ اے گورکھپور کینٹ۔ ضلع گورکھپور

شوکت علی کی دو لڑکیاں ہیں (زینب اور خاتون) ایک لڑکی یعنی (زینب) سے ایک لڑکی (خالدہ بیگم) پیدا ہوئی اور دوسری لڑکی خاتون سے ایک لڑکی سروری بیگم پیدا ہوئی اور اس سے ایک لڑکا آفتاب عالم پیدا ہوا تو کیا خالدہ بیگم کے ساتھ آفتاب عالم کا عقد ہوسکتا ہے؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں آفتاب عالم کا نکاح خالدہ بیگم سے جائز ہے بشرطیکہ رضاعت وغیرہ کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو اس لئے کہ خالدہ بیگم سروری بیگم کی خالہ زاد بہن ہے' اور خالہ زاد بہن سے نکاح کرنا جائز ہے تو ماں کی خالہ زاد بہن سے نکاح کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے کہ یہ اور دور کا رشتہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمۡ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از شوکت علی پورنیوی۔ ممبر مدرسہ فیض المصطفیٰ قصبہ ہریاباز ار بستی

زید کی مدخولہ بیوی ہندہ کو حمل رہ گیا جب کہ اس کا شوہر پردیس میں تھا لوگوں کو شک ہوا یہاں تک کہ تحقیق پر ہندہ نے بیان دیا کہ یہ حمل میرے خسر کا ہے انھوں نے مجھ سے غلط کام کیا۔ اب ایسی صورت میں لوگ خسر کے درپے ہوئے کہ وہ بتائے کہ اس سے غلط کام ہوا کہ نہیں۔ ہندہ کے خسر نے بیان دیا کہ مجھ سے غلط کام ہو گیا ہے' اور ہندہ برابر بیان دیتی رہی کہ یہ حمل میرے خسر ہی کا ہے' اور لوگوں نے دو ماہ بیشتر ہندہ کو رات کی تاریکی میں چار پائی پر پیر خسر کا داب تے ہوئے بھی دیکھا قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں کہ ہندہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اور خسر پر اور ہندہ پر کیا عائد ہو رہا ہے' اور پوری برادری کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر شوہر کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ہوا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی وہ طلاق دے کر اس کو آزاد کردے کہ بعد عدت وہ جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر شوہر تصدیق نہ کرے تو عورت اور اس کے خسر کے بیان سے حرمت مصاہرت نہیں ثابت ہوگی جیسا کہ بحر الرائق جلد سوم ص ۱۰۱ میں فتح القدیر سے ہے: ثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان يصدقها ويقع في اكبر رايه صدقها وعلىٰ هٰذاينبغي ان يقال في مسه ايا هالا تحرم علىٰ ابيه وابنه الا ان يصدقها اويغلب علىٰ ظنه صدقها ثم رأيت عن ابي يوسف ما يفيد ذالك اھ۔ اور فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۱۷۵ میں ہے: اگر پدر شوہر بھی اقرار کرے جب بھی شوہر پر حجت نہیں۔ لانه يريد ازالته ملك ثابت بشهادة واحد لاسيما وهي علىٰ نفسه وشهادة المرء علىٰ فعل نفسه لاتقبل كما نصوا عليه قاطبة اھ۔ ہاں اگر دو عادل گواہوں سے ثابت ہو جائے اگر چہ صرف اسی قدر کہ باپ نے بہو کو شہوت کے ساتھ چھوا یا بوسہ لیا تو اس صورت میں شوہر کی تصدیق کے بغیر حرمت ثابت ہو جائے گی جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے: تقبل الشهادة على اللمس والتقبيل عن شهوة في المختار۔ عورت اور خسر کو اگر زنا کا اقرار ہے تو وہ دونوں سخت گنہگار سخت مستحق عذاب نار ہیں دونوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے۔ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے اور میلاد شریف وقرآن خوانی کرنے، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ اعمال صالحہ قبول توبہ میں معاون ہوتے ہیں۔ قال الله تعالىٰ: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○ (پ۱۹ع۴) وهو تعالىٰ وسبحانه اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ذو القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد شفیع موضع سگانگر۔ ضلع گونڈہ

زید کی بیوی ہندہ نے زید کے باپ یعنی اپنے خسر کے ساتھ زنا کیا جب کہ زید کو معلوم ہوا تو اس نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق مغلظہ دے دی تحریر لکھ دی اور کہا: اب بجائے عورت کے میری ماں ہوگئی۔ ہندہ نے تین سال تک اپنے میکے میں گزر کیا تین سال کے بعد ہندہ پھر زید کے یہاں چلی آئی زید نے حلالہ کر کے پھر اپنے نکاح میں لے لیا تو یہ نکاح منعقد ہوا کہ نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: جب کہ زید کے باپ نے زید کی بیوی ہندہ سے زنا کیا اور زید نے اس کی تصدیق کی تو اس کی بیوی ہندہ زید کے لئے محرمات ابدیہ میں سے ہوگئی کہ زید کبھی اس کے ساتھ نکاح کر ہی نہیں سکتا اس لئے بعد حلالہ بھی ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ جائز نہ ہوا زید و ہندہ پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں علانیہ توبہ و استغفار کریں اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ۶۲۵ میں فتح القدیر میں ہے: تحرم المزنی بها علی آباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا. اھ ملخصًا۔ واللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبد القدوس موضع پڑولی پوسٹ جھنگٹی ضلع گورکھپور۔

عمرو باہر تھا اس کی بیوی ہندہ مکان پر تھی عمرو کے باپ نے اس کی بیوی ہندہ سے زنا کیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب ہندہ عمرو کے لائق رہ گئی یا نہیں؟ عمرو اب بھی ہندہ کے ساتھ میاں بیوی جیسا تعلق رکھتا ہے تو کیا اس کے یہاں کچھ کھانا پینا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: برصدق مستفتی صورت مستفسرہ میں عمرو پر ہندہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی عمرو اور ہندہ دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے فوراً الگ ہو جائیں اور آپس میں زن و شوہر کے تعلقات ہرگز ہرگز نہ رکھیں عمرو اگر ہندہ کو الگ نہ کر دے تو مسلمان اس کے یہاں کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات بند کر دیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸؍ شعبان ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از علی احمد موضع سہری۔ بڑھنی بازار۔ ضلع گونڈہ

زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی ہندہ کی ماں شاکرہ ہے شاکرہ بیوہ ہے زید کے شاکرہ سے تعلقات ہوئے اور زید نے اپنی خوشدامن شاکرہ کے ساتھ زنا کیا ایسی صورت میں زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ زید نے اپنی خوشدامن شاکرہ سے زنا کیا (معاذ اللہ رب العلمین) تو زید پر اس

کی لڑکی ہندہ حرام ہوگئی فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۵۶ میں ہے: من زنی بامرأة حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت کذا فی فتح القدیر' اور اپنی خوشدامن شاکرہ سے بھی نکاح نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ بیوی کی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے جیسا کہ قرآن کریم پارۂ چہارم آیت محرمات میں ہے: وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ۔ زید پر علانیہ توبہ و استغفار لازم ہے' اور واجب ہے کہ ماں اور بیٹی دونوں کو اپنے گھر سے الگ کردے۔ اگر دونوں میں کسی ایک کو رکھے یا علانیہ توبہ واستغفار نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کردیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ر شوال ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از محمد اسلام خاں قادری رضوی پھلکول میگھول مٹھیا ضلع چمپارن (بہار)

زید کہتا ہے کہ جو شخص اپنی ساس سے زنا کرے یا غلط نگاہ سے اس کو دیکھے یا بری نیت سے اس کا بوسہ لے تو اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور طلاق پڑ جائے گی تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آئندہ کبھی کارڈ پر فتویٰ نہ طلب کریں ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ جو شخص کہ اپنی ساس سے زنا کرے یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لے تو اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوجائے گی' اور اگر منہ سے بوسہ لے اور یہ کہے کہ شہوت نہ تھی تب بھی یہی حکم ہے لیکن بوسہ میں یہ شرط ہے کہ انزال نہ ہو مگر بیوی بہرحال نکاح سے نہیں نکلے گی اور نہ طلاق پڑے گی بلکہ شوہر پر فرض ہوگا کہ اس کی لڑکی کو چھوڑ دے۔ جب تک کہ وہ نہیں چھوڑے گا یا حکم شرع سے تفریق نہیں کردے گا نکاح باقی رہے گا۔ ھٰکذا فی الجزء الخامس من الفتاویٰ الرضویۃ' اور ساس کو غلط نگاہ سے دیکھنا اگرچہ بڑا گناہ ہے لیکن ایسا کرنے سے بیوی حرام بھی نہیں ہوتی۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از بقرعیدی موضع جمعی پوروہ پوسٹ نانپارہ ضلع بہرائچ شریف

ایک عورت کی ایک جگہ شادی ہوئی اور اس کے بطن سے ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی پھر اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا عورت نے دوسری جگہ محمد بخش کے ساتھ عقد کرلیا اور اپنے لڑکی کا دوسرے مقام پر احمد کے ساتھ عقد کردیا پھر اس عورت کا انتقال ہوگیا اور اس لڑکی کے شوہر احمد نے بھی اسے طلاق دے دی تب محمد بخش نے اس لڑکی کو اپنے عقد میں لے لیا جس کے نطفے سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح مذکور حق ہے کہ باطل اور ایسے شخص کے ساتھ ہم سب کو کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ بحکم شریعت مطہرہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: محمد بخش اگر اپنی بیوی سے ہمبستری کرچکا تھا تو اب اس لڑکی سے نکاح کرنا حرام اور سخت حرام ہے قرآن

پ پارۂ چہارم کی آخری آیت میں ہے: وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد کو اپنی بیوی مدخولہ کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے حدیث شریف میں ہے: ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ایما رجل نکح امرأة فدخل بها فلایحل له نکاح ابنتها (رواہ الترمذی) یعنی بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے پھر اس کے ساتھ ہمبستر ہو تو اس کے لئے اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (ترمذی شریف) فتاویٰ عالمگیری میں ہے: بنات الزوج وبنات اولادها وان سفلن بشرط الدخول بالام کذا فی الحاوی للقدسی سواء کانت الابنة فی حجره اولم تکن کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں۔ یعنی مرد اگر اپنی بیوی سے ہمبستری کر چکا ہے تو اس پر اپنی اس مدخولہ بیوی کی لڑکیاں اور اس کے اولاد کی لڑکیاں پوتیاں اور نواسیاں حرام ہیں حاوی قدسی میں اسی طرح ہے خواہ وہ لڑکی مرد کی پرورش میں ہو یا نہ ہو جیسا کہ قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں ہے: لہٰذا محمد بخش پر لازم ہے کہ اسے فوراً الگ کر کے صدق دل سے علانیہ توبہ کرے اور محمد بخش ایسا نہ کرے تو مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق کرنا واجب ہے۔ واللّٰه تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم جل جلاله وصلی المولٰی علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ر جمادی الاولیٰ ۹۷ھ

مسئلہ: از جاوید اختر کرلا۔ بمبئی نمبر 70۔

زید کے داد محمود نے زینب سے زنا کیا اب زید اپنے لڑکے خالد کی شادی زینب کی لڑکی فاطمہ سے کرنا چاہتا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ خالد و فاطمہ کے مابین نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں خالد و فاطمہ کے مابین نکاح جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو جیسا کہ بحرالرائق جلد دوم ص ۱۰۱ اور ردالمحتار جلد دوم ص ۲۷۹ میں ہے: یحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها اھ۔ وهو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد اسلام محلہ بیگم گنج مقبرہ فیض آباد۔

ہندہ کا شوہر پردیس ہے۔ ہندہ کا بیان ہے کہ اس کا حقیقی خسر بری نیت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کوٹھری میں زبردستی لے گیا اور حلال کرنا چاہی مگر میں راضی نہ ہوئی اور برائی نہ ہوئی تو اس کے بارے میں شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب: ہندہ کے شوہر کو مطلع کیا جائے کہ تمہارے باپ کے بارے میں تمہاری بیوی کا ایسا بیان ہے۔ اگر شوہر تسلیم

کرے کہ ہاں ایسا ہوا تو ہندہ اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔ اب اس صورت میں شوہر پر فرض ہے کہ ہندہ سے متارکہ کرے مثلاً کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑا۔ اس کے بعد ہندہ عدت گزار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے' اور اگر شوہر ہندہ کی تصدیق نہ کرے تو اس کا بیان شرعاً کوئی چیز نہیں۔ (درمختار، فتاویٰ رضویہ) **وھو تعالٰی اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مولانا حافظ ریاض الدین صاحب دریاپور مالدہ (بنگال)

(۱) باپ نے اپنے بیٹے زید کی بیوی سے زنا کیا تو کیا حکم ہے؟ (۲) اور اگر زنا نہ کیا بلکہ صرف شہوت سے بوسہ لیا یا چھوا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) اگر ہندہ نو برس یا اس سے زیادہ عمر کی ہو اور اس کے خسر نے اس کے ساتھ زنا کیا تو ہندہ زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی (۲) اور اگر ہندۂ مذکورہ کے خسر (زید کے باپ) نے اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا بوسہ لیا تو اس صورت میں بھی ہندہ زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی حرمت کی ان دونوں صورتوں کو حرمت مصاہرت کہتے ہیں یا شہوت سے مراد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انتشار آلہ ہو جائے اور اگر پہلے سے انتشار موجود تھا تو اب زیادہ ہو جائے' اور یہ صورت جوان کے لئے ہے بوڑھے اور عورت کے لئے شہوت یہ ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہو اور پہلے سے ہو تو زیادہ ہو جائے۔ واضح ہو کہ ہندہ جب اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی تو زید پر فرض ہے کہ اس سے شوہری تعلقات ختم کر دے اور اس کو طلاق دے دے۔ **واللہ ورسولہٗ اعلم جل جلالہ وعلیہ الصلٰوۃ والسلام۔**

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

۲۱؍ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ

مسئلہ: از عبدالرشید کپتان گنج ضلع بستی (یو۔ پی)

(۱) ہندہ زید کو جو کہ زید کی بیوی ہے اپنے لڑکے عمرو کی بیوی خالدہ کے ساتھ زنا کا الزام لگا چکی ہے تو اس معاملہ میں زید کی بیوی پر کیا حکم شرعی ہے؟ (۲) سوال مذکورہ نمبر ۱ کو جیسا کہ ہندہ نے بیان کیا ہے ہندہ کے لڑکے عمرو کو صحیح غالب گمان ہو خواہ یہ قول صدق ہو یا کذب عمرو کی بیوی عمرو کے لئے حرام ابدیہ ہو جائے گی یا کیا صورت ہوگی؟ (۳) اگر زید نے اپنے لڑکے کی بیوی کے ساتھ معاذ اللہ زنا کر لیا تو مزنیہ عورت زید کے لڑکے کے لئے جائز رہے گی یا نہیں؟ اور زید کو مزنیہ عورت سے عدت گزارنے کے بعد نکاح کرنا پڑے گا یا کوئی اور صورت ہوگی؟ بیان فرمائیں۔

الجواب: ہندہ نے اگر اپنے شوہر زید پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے اس پر توبہ واستغفار لازم ہے (۲) اگر شوہر تسلیم کرلے کہ ہماری ماں کا بیان صحیح ہے تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی اور اگر شوہر تصدیق

نہ کرے تو اس کی ماں کا بیان بلکہ خود اس کی عورت کا بیان بھی کوئی چیز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔ (۳) اگر واقعہ مذکور کو شوہر تسلیم کرلے تو اس پر فرض ہے کہ اپنی بیوی سے متارکہ کرے مثلاً کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑا۔ پھر وہ عدت گزار کر کسی دوسرے سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کر سکتی ہے۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ ؍ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از ماسٹر نذیر احمد مقام مہندیوا۔ پوسٹ ہرپور تیواری۔ ضلع گورکھپور

ہندہ کی رخصتی ہوئی (یعنی گونا) اور وہ اپنے میکے سے اپنے گھر گئی چند روز گزرنے کے بعد اس کے سسر خالد نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کرنا چاہا لیکن ہندہ ایک شریف لڑکی جو اپنی عصمت کو بچاتے ہوئے اپنے میکے چلی آئی تو چند روز گزرنے کے بعد گاؤں والوں نے ہندہ کے بھائی بکر کو بھیجا کہ کیا واقعی اس نے ایسا کرنے پر ہندہ کو مجبور کیا تھا تو زید اور زید کا باپ دونوں مل کر بکر کو گالی وغیرہ دینے لگے بعد میں یہی پتہ چلا کہ زنا کا روہ پہلے ہی سے ہے تو اب ہندہ کہتی ہے کہ میں کس طرح اس کے گھر جاؤں جبکہ عزت پر حملہ کیا جارہا ہے تو طلاق لینے کے لئے گاؤں والوں نے کوشش کی تو اس نے کہا یعنی زید اور اس کے باپ نے کہ ہم نہ طلاق دیں گے اور نہ رکھیں گے تو ہندہ کو اب کیا کرنا چاہئے از روئے شرع کیا ہندہ یوں ہی بیٹھی رہے یا دوسری شادی کرے؟

الجواب: ہوسکتا ہے کہ ہندہ اپنے اس بیان میں صحیح ہو کہ اس کے خسر نے اس کے ساتھ زنا کرنا چاہا۔ لیکن جب تک کہ اس کا شوہر اس بات کی تصدیق نہ کرے عندالشرع عورت کا بیان کوئی چیز نہیں۔ اگر شوہر کم سے کم اتنا ہی تسلیم کرلے کہ میرے باپ نے میری بیوی کا ہاتھ شہوت سے پکڑا ہے تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی مگر نکاح نہیں زائل ہوا لہٰذا اس صوت میں شوہر پر فرض ہے کہ ہندہ سے متارکہ کرے مثلاً کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑا اس کے بعد ہندہ عدت گزار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے' اور اگر شوہر اتنی بات کی تصدیق نہ کرے تو ہندہ بدستور اس کی بیوی ہے اگر شوہر اوّل کے ساتھ رہنے میں اس کو اپنی عصمت کا خطرہ ہے تو اس صورت میں بھی وہ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ گاؤں کی پنچایت اور حکام وغیرہ کے دباؤ سے جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کرے پھر بعد عدت اگر چاہے تو کسی دوسرے سے نکاح کرلے۔ ھٰکذا فی الکتب الفقھة وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ ؍ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شان اللہ موضع دہرا پوسٹ بشیشر گنج ضلع سلطان پور۔

زید ایک شادی شدہ عورت کو بھگا لایا اس کے شوہر نے اسے طلاق نہیں دی تھی زید نے کچھ دنوں تک اس عورت کو اپنے

پاس رکھا پھر زید کا انتقال ہو گیا تو اس کا بیٹا بکر جو پہلی بیوی سے ہے نے طلاق حاصل کرنے کے بعد اس عورت کو رکھ لیا تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جب کہ عورت مذکور کو زید نے رکھا تو وہ اس کے لڑکے پر حرام ہو گئی۔ طلاق کے بعد بھی زید کے لڑکے بکر کا نکاح اس عورت کے ساتھ حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۵۶ میں ہے: "تحرم المزنی بها علیٰ آباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا کذا فی فتح القدیر" لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کریں اور دونوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرائیں اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ر ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از سعید احمد وارثی موضع گجادھر پور۔ پوسٹ انیٹیا تھوک۔ گونڈہ

ایک شخص نے اپنی سالی سے زنا کیا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی یا نہیں؟

الجواب: سالی سے زنا کرنے کے سبب شخص مذکور کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوئی جیسا کہ درمختار مع ردالمحتار جلد دوم ص ۲۸۱ میں ہے: فی الخلاصة وطی اخت امرأته لاتحرم علیه امرأته۔ البتہ شخص مذکور اور اس کی سالی پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ ہاں اگر سالی کے ساتھ دیدہ و دانستہ زنا نہ کیا بلکہ بیوی سمجھ کر دھوکے میں ہمبستری کر لی تو اس صورت میں سالی پر وطی بالشبہہ کی عدت لازم ہے اور تاوقتیکہ سالی کی عدت نہ گزر جائے شخص مذکور پر اس کی بیوی حرام ہے۔ شامی جلد دوم ص ۲۸۱ پر بحر سے ہے: لو وطی اخت امرأته بشبهة تحرم امرأته مالم تنقض عدة ذات الشبهة۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ر شوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد انتخاب اشرفی نانپارہ ضلع بہرائچ

زید نے اپنے بیٹے بکر کی بیوی سے زنا کیا تو بکر اپنی اس بیوی کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: ثبوت زنا کے لئے از روئے شرع زانی کا اقرار یا چار عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر زید اپنی بہو سے زنا کرنے یا شہوت سے چھونے کا اقرار کرے یا اس کی بیوی اقرار کرے تو بکر اقرار کی تصدیق کرے یا شہادت شرعیہ سے زنا یا دو شاہدین عادل سے بشہوت چھونا ثابت ہو تو بکر کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی بکر پر لازم ہے کہ اسے طلاق دے کر اپنے سے الگ کر دے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ بحر الرائق

جلد ثالث ص ۱۰۰ میں ہے: فی فتح القدیر وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان یصدقها ویقع فی اکبر رأیه صدقها وعلی هٰذا اینبغی ان یقال فی مسه ایاها الاتحرم علی ابیه و ابنه الا ان یصدقها اویغلب علیٰ ظنه صدقها ثم رأیت عن ابی یوسف مایفید ذالک اھ۔ وقال اللّٰه تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ (پ۷ع۱۴) اورزید کا زنا اگر واقعی ثابت ہوتو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وھو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از رضوان علی موضع جھامٹ پوسٹ پورندر پور ضلع گورکھپور (یو۔پی)

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی نابالغی کی حالت میں اور زید نے ہندہ کی ماں سے محبت کی اور اس سے زنا بھی کیا اور اسے حمل بھی رہ گیا اب زید نے ہندہ کو طلاق دے دی اور اس کی ماں سے شادی کرنا چاہتا ہے کرسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: جب کہ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تو ہندہ کی ماں زید پر حرام ہوگئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پارۂ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں فرمایا: وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ۔ یعنی تمہاری عورتوں کی مائیں تمہارے لئے حرام ہیں۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: بیویوں کی مائیں صرف عقد نکاح سے حرام ہو جاتی ہیں خواہ وہ بیویاں مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ یعنی ان سے صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۲۷۸ میں ہے: نکاح البنات یحرم الامهات۔ لہٰذا زید کا نکاح ہندہ کی ماں سے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوسکتا۔ اس پر لازم ہے کہ اس عورت سے قطع تعلق کرے اور علانیہ توبہ واستغفار کرے، نماز کی پابندی کرے، اور قرآن خوانی ومیلاد شریف کرے اور غرباء ومساکین کو کھانا کھلائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی۔ اگر زید ہندہ کی ماں سے قطع تعلق نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں قال اللّٰه تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ (پ۷ع۱۴) اور اگر زید نے ہندہ کی ماں سے واقعی زنا کیا تو ہندہ بھی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی اب زید ہندہ سے کبھی نکاح نہیں کرسکتا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۵۶ میں ہے: من زنی بامرأة حرمت علیه امها وان علت وابنتها وان سفلت کذا فی فتح القدیر۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد وارث متعلم مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا۔ ضلع بستی

(الف) زید نے اپنے حقیقی لڑکے بکر کی بیوی ہندہ کے ساتھ جماع کیا یا شہوت کے ساتھ اس کے ہاتھ کو پکڑا تو ہندہ بکر

کے لئے حلال رہ گئی یا نہیں؟ (ب) اگر ہندہ بکر کے لئے حرام ہوگئی تو کسی مدت معینہ تک یا ہمیشہ کے لئے؟ کیا حلال ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ (ج) مذکورہ بالا فعل شنیعہ کے مرتکب زید پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کے حوالہ سے جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب: بعون الملك الوهاب۔ (الف) اگر زید نے ہندہ کے ساتھ جماع کیا یا شہوت کے ساتھ اس کے ہاتھ کو پکڑا۔ بہرصورت ہندہ بکر پر حرام ہوگئی فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۵۶ میں ہے: تحرم المزنی بها علی اباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا كذا فی فتح القدير اور اسی میں ہے: كما تثبت هذه الحرمة بالوطی تثبت باللمس والتقبيل والنظر الى الفرج بشهوة كذا فی الذخيرة. واعلم ان اللمس بشهوة انما يوجب حرمة المصاهرة اذالم يكن بينهما ثوب صفيق هٰكذا قال العلماء الاهل السنة والله تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم جل جلاله وصلی الله عليه وسلم (ب) ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی اب بکر پر حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں هٰكذا فی الكتب الفقهية لہٰذا بکر کو طلاق دے کر اپنے سے فوراً الگ کردے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ والله تعالٰی ورسولهٗ الاعلٰی اعلم جل جلاله و صلی المولٰی عليه وسلم (ج) اگر زید سے یہ فعل سرزد ہوا تو وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے علانیہ توبہ واستغفار کرے اور آئندہ اس قسم کے گناہ کے قریب نہ جانے کا عہد کرے۔ نیز اسے نیک کام کرنے مثلاً پابندی نماز باجماعت قرآن خوانی اور میلاد شریف کرنے کی تلقین کریں کہ یہ چیزیں مقبولیت توبہ میں معاون ومددگار ہوں گی۔ قال الله تعالٰی: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئٰتِ. هٰذا ما ظهرلی والعلم بالحق عندالله تعالٰی ورسولهٗ جل جلاله وصلی الله عليه وسلم۔

کتبه: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ر جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از محمد عبدالعزیز قادری مدرسہ اہلسنّت صدیقیہ اشاعت العلوم بھنان ضلع بستی

(۱) بکر نے اپنے بیٹے زید کی بیوی یعنی اپنی بہو بنام خالدہ کے ساتھ بدفعلی کا ارادہ کیا اور اپنی خواہش کا اظہار بھی خالدہ سے کیا تو اس صورت میں خالدہ زید کے نکاح میں رہی یا نکل گئی؟ (۲) مسئلہ نمبر ا میں جو بات درج ہے اس کا اظہار خالدہ کی زبانی ہورہا ہے تو کیا یہ معتبر ہے یا بکر کے اقرار کرنے پر اعتماد کیا جائے گا؟

الجواب: (۱) بکر نے اگر واقعی اپنے بیٹے کی بیوی کو شہوت کے ساتھ چھوا اور انزال نہ ہوا تو زید کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی اس صورت میں زید پر فرض ہے کہ اپنی بیوی سے متارکہ کرے مثلاً کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑا۔ اس کے بعد خالدہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے درمختار میں ہے: بحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح حتى لايحل لها التزوج بآخر الابعد المتاركة وانقضاء العدة. وهو تعالٰی اعلم۔ (۲) خالدہ کا بیان یا بکر کا اقرار عندالشرع کوئی چیز

نہیں جب تک کہ شوہر تصدیق نہ کرے لہٰذا اگر خالدہ کا شوہر یقین کرے کہ میرے باپ نے میری بیوی کو شہوت کے ساتھ چھوا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔ ورنہ نہیں ھٰکذا فی الجزء الخامس من الفتاویٰ الرضویة۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد ادریس خاں پارک سائٹ وکرولی بمبئی نمبر ۷۹

زید کی منکوحہ ہندہ مکان پر تھی اور خود زید روزی کی تلاش میں نکل گیا۔ دوان سفر ایک سال کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کی بیوی ہندہ حمل سے ہے۔ یہ خبر سن کر وہ مکان میں آیا اور اپنی بیوی سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ یہ حمل تمہارے چھوٹے بھائی کا ہے جب اس پر اور سختی کی گئی تو اس نے کہا کہ یہ تمہارے باپ کا ہے' اور جب اس سے یہ کہا گیا کہ چھوٹے بھائی کا کیوں کہا تھا؟ تو اس نے کہا اصلیت کو چھپانے کے لئے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ یہ حمل تمہارے باپ کا ہے۔ باپ سے دریافت کرنے پر باپ لڑکے کو مارنے دوڑتا ہے' اور قسم کھانے کو تیار ہے مگر سارے ثبوت اس کے خلاف ہیں یہاں تک کہ گاؤں والے بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حمل اس کے باپ ہی کا ہے۔ اس کے بارے میں شریعت کا جو حکم ہو آگاہ فرمائیں۔

الجواب: اگر زید کو قرائن وعلامات سے ظن غالب ہو کہ اس کی بیوی ہندہ سچ کہتی ہے کہ شوہر کے باپ نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی یعنی زید پر وہ عورت حرام ہوگئی۔ اس صورت میں شوہر پر واجب ہے کہ عورت کو طلاق دے کر اپنے سے الگ کردے پھر وہ عورت عدت گزرنے کے بعد جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے نکاح کرسکتی ہے فتح القدیر جلد سوم ص ۱۳۰ میں ہے: ثبوت الحرمة بمسها مشروط بان یصدقها اویقع فی اکبر رایه صدقها وعلیٰ ھٰذا ینبغی ان یقال فی مسه ایاھا لاتحرم علی ابیه وابنه الا ان یصدقاہ اویغلب علیٰ ظنهما صدقه ثم رأیت عن ابی یوسف انه ذکر فی الاعالی مایفید ذالك قال امرأة قبلت ابن زوجها وقالت کان عن شهوة ان کذبها الزوج لایفرق بینهما ولوصدقها وقعت الفرقة۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸؍ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از حکیم بدیع الزماں التفات گنج ضلع فیض آباد

ہندہ کی دولڑکیاں ہیں زید ہندہ اور اس کی ایک لڑکی سے زنا کرتا ہے' اور بعد میں دوسری لڑکی سے عقد کرلیا تو کیا زید کا ہندہ کی دوسری لڑکی سے عقد کرنا جائز ہے؟ ہندہ کی اس دوسری لڑکی سے عقد کرنے کے بعد بھی زید ہندہ سے برابر زنا کررہا ہے لہٰذا زید اور ہندہ کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر واقعی زید نے ہندہ سے زنا کیا العیاذ باللہ تعالیٰ تو اس کی سب لڑکیاں زید پر حرام ہوگئیں۔ ہندہ کی کسی لڑکی سے اس کا نکاح کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اس کی لڑکی سے جو زید نے نکاح کیا وہ ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۵۶ میں فتح القدیر سے ہے: من زنیٰ بامرأۃ حرمت الیہ وان علت ابنتھا وان سفلت اھ۔ زید پر فرض ہے کہ ہندہ کی لڑکی کو اپنے سے الگ کردے میاں بیوی کا تعلق اس سے ہرگز ہرگز قائم نہ کرے اور ہندہ اور اس کی دوسری لڑکی سے ناجائز تعلق ختم کرے اور علانیہ توبہ واستغفار کرے اگر زید ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا سلام وکلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات ختم کردیں اگر مسلمان ایسا نہ کریں تو وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ (پ۷ ع۱۴) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: ۸۸/ ۱۹۸۷ از الحاج حفیظ اللہ انصاری منزل پوسٹ ومقام شہرت گڑھ ضلع بستی

زید کی شادی محمود کی لڑکی فاطمہ سے ہوئی تھی محمود کی اوّل زوجہ سے بکر پیدا ہوا زوجۂ اوّل کے انتقال کے بعد محمود نے نکاح ثانی کیا دوسری بیوی سے فاطمہ پیدا ہوئی زید کی بیوی فاطمہ کا انتقال ہوگیا محمود کی اوّل زوجہ کے لڑکے بکر کی لڑکی زینب جو کہ بیوہ ہے تو زینب بیوہ سے زید کا نکاح درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں فاطمہ زینب کی پھوپھی ہوئی اور جب کہ فاطمہ کا انتقال ہوگیا تو زینب کا اپنے پھوپھا سے نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ رضاعت وغیرہ کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ ہو اس لئے کہ عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور یہ صورت جمع کی نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۵۹ میں ہے: لایجوز الجمع بین امرأۃ وعمتھا نسبا اورضاعاً اھ۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از شوکت علی پورینہ پوسٹ دیواکل پور۔ ضلع بستی

زید کے لڑکے بکر کی بیوی ہندہ نے اپنے حمل کے متعلق بیان دیا کہ یہ حمل زید کا ہے۔ زید انکار کرتا رہا لیکن ہندہ نے پھر بیان دیا تو زید نے خاموشی اختیار کرلی۔ البتہ لوگوں کے زیادہ اصرار پر زید نے محض اتنی بات کا اقرار کیا کہ ہم نے ہندہ کے ساتھ برائی نہیں کی ہے صرف ہاتھ، پیر، سر کی خدمت لی ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ کے بیان سے زید پر شرعاً زنا کا حکم ہوتا ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اوّل ہندہ بکر کے نکاح میں رہ گئی یا الگ ہوگئی؟ اور بکر ہندہ کو شرعاً اپنی بیوی تصور کرے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ہندہ کا حمل شرعاً اس کے شوہر بکر کا ہے حدیث شریف میں ہے: الولد للفراش اور صرف ہندہ کے بیان

ہے اس کے خسر زید کو زانی نہیں قرار دیا جاسکتا کما فی الکتب الفقهیة اور اگر شوہر کو ظن غالب ہو کہ میرے باپ نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی شوہر کہے کہ میں نے اپنی بیوی ہندہ کو چھوڑ دیا اور عملاً بھی اس سے متارکہ کرے تو ہندہ عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ بحر الرائق جلد سوم ص ۱۰۰ میں ہے: فی فتح القدیر وثبوت الحرمة بلسها مشروط بان یصدقها ویقع فی اکبر رایه صدقها وعلٰی هٰذا ینبغی ان یقال فی مسه ایاها لاتحرم علٰی ابیه وابنه الا ان یصدقها اویغلب علٰی ظنه صدقها ثم رأیت عن ابی یوسف مایفید ذالك اھ۔ اور فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۱۸۵ میں ہے: عورت کا بیان کوئی چیز نہیں جب تک کہ شوہر اس کی تصدیق نہ کرے اھ۔ اور درمختار میں ہے: بحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج بآخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة اھ۔ وهو تعالٰی ورسوله الاعلٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از حقیق اللہ یار علوی دیپا پور ضلع بستی

ہندہ بکر کی لڑکی ہے، اور زید ہندہ سے شادی کرنا چاہتا ہے جب کہ زید نے ہندہ کی ماں سے زنا کر لیا تھا آیا زید ہندہ کو اپنے نکاح میں لاسکتا ہے؟

الجواب: جب کہ زید نے ہندہ کی والدہ سے زنا کیا ہے العیاذ باللہ تعالٰی تو ہندہ زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی زید ہندہ کو اپنے نکاح میں ہرگز نہیں لاسکتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: من زنٰی بامرأة حرمت علیه امها وان علت وابنتها وان سفلت۔ اھ۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد لطیف اسٹینڈ رواج سروس مہنداول بستی

ہندہ جو تقریباً چودہ سال سے اپنے شوہر زید کے ساتھ رہتی ہے، اور اس کی عمر لگ بھگ تیس (۳۰) سال ہے مگر اس کے کوئی ولاد نہیں ہوئی اب اس کا شوہر زید ہندہ کی حقیقی بہن زبیدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے کہ ہندہ کو تاحیات اپنے گھر ہی میں رکھوں اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایک مرد کا دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے کما قال اللہ تعالٰی: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ (پ۴ رکوع ۸) اور حدیث شریف میں ہے: عن الضحاك بن فیروز الدیلمی عن ابیه قال قلت یارسول الله انی اسلمت تحتی اختان قال اختر ایتهما شئت یعنی حضرت ضحاک بن فیروز دیلمی رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

کہ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ حضور نے فرمایا دونوں میں سے ایک کا انتخاب کر لے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۲۷۴) یہاں تک کہ اگر ایک بہن کو طلاق دے دی تو جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے دوسری بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ چاہے طلاق رجعی دی ہو یا بائن یا مغلظہ۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۱ میں ہے: لایجوز ان یتزوج اخت متعدۃ سواء کانت العدۃ عن طلاق رجعي اوبائن اوثلاث ھٰکذا فی الکافي اھ ملخصًا۔ لہٰذا اگر زید اپنی بیوی ہندہ کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو ہندہ کو طلاق دے پھر جب اس کی عدت گزر جائے تو اس کی بہن زبیدہ سے نکاح کرے۔ اس سے پہلے زبیدہ سے نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، اور ہندہ کی عدت صورت مسئولہ میں تین حیض ہوگی جب تک کہ وہ پچپن سالہ نہ ہو جائے۔ خواہ تین حیض تین ماہ تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (پ ۲ ر ۱۲) اور طلاق کے بعد جب ہندہ کی عدت گزر جائے تو اسے اپنے گھر میں نہ رہنے دے اگرچہ اس سے میاں بیوی جیسا تعلق نہ رکھے۔ اس لئے کہ طلاق وعدت کے بعد ہندہ کو اپنے گھر میں رکھے گا تو وہ متہم ومطعون ہوگا اور اس کی غیبت کا دروازہ کھلے گا جس سے مسلمان فتنہ میں پڑیں گے اور مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالنا حرام ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: جس بات میں آدمی متہم ومطعون ہو انگشت نما ہو شرعاً منع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر فلا یقف مواقف التھم۔ جو بات مسلمانوں پر فتح باب غیبت کرے انھیں فتنے میں ڈالے گی اور انھیں فتنے میں ڈالنا حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۲۲۷) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ ؍ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبدالرحمٰن مدرس منظر اسلام التفات گنج ضلع فیض آباد۔

دو سگی بہنیں دو سگے بھائیوں کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا اور چھوٹا بھائی دونوں عورتوں کو رکھے ہوئے ہے اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: ایک مرد کا دو سگی بہنوں کو بیک وقت رکھنا سخت ناجائز وحرام ہے آیت محرمات میں ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔ لہٰذا چھوٹے بھائی پر واجب ہے کہ فوراً بڑے بھائی کی بیوہ عورت کو اپنے سے الگ کر دے اور علانیہ توبہ واستغفار کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سلام وکلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات کو ختم کر دیں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ ھٰذا ماعندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱/ ذو القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از اسرار احمد اعظمی سکینہ بی طیب عطار بنگڑی والا کمپاؤنڈ قریش نگر کرلا۔ بمبئی نمبر ۰۷

میری بیوی کی بہن بیوہ ہوگئی ہے میری بیوی کہتی ہے کہ میری بہن سے بھی نکاح کر لیجئے تو اس صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا بیوی کی بہن سے بھی نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بیوی کی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے جیسا کہ پارۂ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ یعنی دو بہنوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے، اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یجمعن ماء ہ فی رحم اختین یہاں تک کہ اگر بیوی کو طلاق دے دے تو جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا جیسا کہ شرح وقایہ جلد ثانی ص ۱۲ میں ہے: کون المرأۃ فی نکاح رجل اوفی عدتہ ولو من طلاق بائن یحرم نکاح امرأۃ ایتھا فرضت ذکرًا لم تحل لہ الاخریٰ. ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از منشی رضا ٹیلر مقام و پوسٹ گوراڈانٹر ضلع پرتاب گڑھ۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جس کے چار بچے ہیں۔ پھر اس نے بیوی کی چھوٹی بہن سے نکاح کر لیا اور پہلی بیوی جس کو طلاق دی ہے اس کو کھانا خرچہ دیتا ہے، اور اپنے مکان کے برابر مکان بنوا کر رکھنا چاہتا ہے جس بیوی کو طلاق دی ہے وہ اپنے میکے میں رہتی ہے، اور اس شخص کا اس کے میکہ بھی آنا جانا رہتا ہے دونوں سے بات چیت بھی رہتی ہے دونوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ اس کی نسبت علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: مطلقہ بیوی کی عدت گزرنے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۱ میں ہے: لایجوز ان یتزوج اخت معتدۃ سواء کانت العدۃ عن طلاق رجعی اوبائن اوثلاث اوعن نکاح فاسد اومن شبھۃ۔ لہٰذا اگر شخص مذکور نے بیوی کی عدت گزرنے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کیا تو وہ سخت گنہگار ہوا اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور اس سے الگ رہے پھر پہلی بیوی کی عدت گزرنے کے بعد اگر اس کی بہن کو رکھنا چاہے تو دوبارہ نکاح کرے اور اگر عدت گزرنے کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا تو شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن طلاق دینے کے باوجود اگر وہ پہلی بیوی سے کسی قسم کا ناجائز تعلق رکھتا ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللّٰہ تعالٰی: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ

اَلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ○ (پ۷ع۱۴) وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ر محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: خالد کی دو عورتیں ہیں ان دونوں سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں خالد نے دونوں لڑکیوں کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ پھر ان میں سے کوئی عورت زید کے لئے جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآن مجید میں آیت محرمات میں ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ ط یعنی ایک وقت میں دو بہنوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ سخت در سخت گناہ ہے' اور اخت کا لفظ عینی، علاتی، اخیافی، تینوں قسم کی بہنوں کو شامل ہے چنانچہ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۵۶ میں ہے: اما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت لام ء اور صورت مسئولہ میں زید کی دونوں بیویاں آپس میں علاتی بہنیں ہیں لہٰذا جس عورت سے پہلے نکاح کیا وہ صحیح اور درست ہے' اور دوسری سے نکاح فاسد اور ناجائز ہے اس لئے زید کے حق میں پہلی بیوی حلال ہے' اور دوسری بیوی حرام ہے' اور اگر غلطی سے دونوں سے ہمبستری کر لی ہے تو دونوں حرام ہو گئیں لہٰذا جس سے پہلے نکاح کیا تھا اگر اسے نکاح میں رکھنا چاہتا ہے تو دوسری بیوی کی عدت گزر جانے سے قبل پہلی بیوی سے تعلقات ناجائز و گناہ ہے بعد تمام عدت اسے بیوی بنا سکتا ہے' اور اگر دوسری کو نکاح میں لانا چاہتا ہے تو پہلی بیوی کو طلاق دے کر عدت پوری کرنے کے بعد نکاح میں لا سکتا ہے، غرض دونوں کو بیوی بنانا کسی طرح جائز نہیں ایسا کرنے والا فاسق و بدکار سخت حرام کا مرتکب ہے ایسے شخص سے میل جول رکھنا سخت گناہ ہے لہٰذا زید بالا علان توبہ کر کے صحیح طریقے سے مطابق شرع بیوی بنائے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: محمد نعیم الدین احمد صدیقی رضوی

مسئلہ: از عبد السلام نعمانی شہر بنارس

اپنی بیوی کی بہن کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بیوی اور اس کی بہن کی لڑکی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے لیکن اگر بیوی فوت ہو چکی ہو یا اسے طلاق دے دی ہو اور عدت گزر گئی ہو تو اب اس کی بہن کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے: لایجمع بین المرأة وعمتها ولابین المرأة وخالتها۔ متفق علیه۔ وفی الدرالمختار حرم الجمع بین المحارم نکاحاً وعدة ولومن طلاق بائن بین امرأتین ایتهما فرضت ذکرًا لم تحل للاخریٰ۔ ردالمحتار میں ہے: کالجمع بین المرأة وعمتها اوخالتها۔ واللّٰه تعالٰی ورسوله الاعلٰی اعلم جل جلاله و صلی المولیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از دین محمد متوطن پالی نیپال۔

زینب اور ہندہ دو بہنیں ہیں زینب زید کے نکاح میں ہے، اور ہندہ کا نکاح بھی ایک مولوی صاحب نے زید سے کر دیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے تو کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید کا ہندہ سے نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ وہ جمع بین الاختین ہے، جس کا حرام ہونا قرآن شریف، حدیث شریف اور فقہ سے ثابت ہے پارۂ چہارم کی آخری آیت محرمات میں ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ۔ یعنی دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، اور حدیث شریف میں ہے: من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یجمعن ماء ہ فی رحم اختین یعنی جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے نطفہ کو ہرگز دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے یعنی دو بہنوں سے عقد نہ کرے، اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۳۵۹ میں ہے: لایجمع بین اختین بنکاح یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع نہ کرے ھٰذا فی السراج الوھاج۔ خواہ وہ بہنیں عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نکاح مذکور حرام ہے زید و ہندہ پر آپس میں ہرگز ہرگز میاں بیوی کے تعلقات قائم نہ کریں ورنہ دونوں سخت حرام کار نہایت بدکار، لائق عذاب قہار، دین و دنیا میں روسیاہ، اور شرمسار ہوں گے نکاح خواں مولوی پر علانیہ توبہ کرنا اور نکاح مذکور کے بطلان کا اعلان کرنا واجب و لازم ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ ر من رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ

مسئلہ: از مستان علی۔ پر سونا پوسٹ شہرت گڑھ ضلع بستی۔

زید نے ہندہ سے نکاح کیا زید کے نطفہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نکاح بکر سے کر دیا گیا پھر بعد وفات زید ہندہ نے عمر سے شادی کی اور چند دن کے بعد عمر کے نطفہ سے بھی بشکم ہندہ لڑکی پیدا ہوئی عمر نے اپنی لڑکی کی شادی ریاض سے کر دی۔ کچھ دنوں بعد بکر جو کہ ہندہ کی دختر اوّل کا شوہر اوّل ہے انتقال کر گیا۔ اب ہندہ کی پہلی لڑکی چاہتی ہے کہ میں ریاض سے جو کہ ہندہ کی دوسری لڑکی کا شوہر ہے نکاح کر لوں دراں حالیکہ اس کی ماں شریکی بہن ابھی ریاض کے عقد میں موجود ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ریاض ماں شریکی دو بہنوں کو رکھ سکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر ریاض چاہے کہ زوجہ اوّل کے خورد و نوش کا دوسری جگہ انتظام کر دے یا طلاق دے دے تو ان صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب: جب کہ ہندہ کی ایک لڑکی ریاض کے نکاح میں ہے تو ہندہ کی دوسری لڑکی کا نکاح ریاض کے ساتھ کسی طرح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوگا۔ ہاں اگر پہلی بیوی مر جائے یا اس کو طلاق دے دے اور عدت گزر جائے تو اس کی دوسری بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔ عدت گزرنے سے پہلے دوسری بہن سے نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ قرآن مجید پارۂ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۱ میں ہے: لایجوز ان یتزوج

اخت معتدۃ سواء کانت العدۃ من طلاق رجعی او بائن او ثلاث اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از فتح محمد شاہ پوسٹ ومقام دوبولیا بازار ضلع بستی

زید کا لڑکا خالد ہے۔ زید کی موت کے بعد خالد کی ماں زینب نے بکر سے نکاح کرلیا کچھ دن کے بعد خالد کی بیوی سے بھی نکاح کرلیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر خالد فوت ہوگیا یا اس نے طلاق دی پھر عدت گزرنے کے بعد بکر نے اس کی بیوی سے بھی نکاح کرلیا تو جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اس کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں کہ ان میں سے جس ایک کو مرد فرض کریں دوسری اس کے لئے حرام ہو جیسے دو بہنیں کہ ایک کو مرد فرض کریں تو بھائی بہن کا رشتہ ہوا۔ یا پھوپھی بھتیجی کہ پھوپھی کو مرد فرض کریں تو چچا بھتیجی کا رشتہ ہوا اور بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو پھوپھی بھتیجے کا رشتہ ہوا۔ یا خالہ بھانجی کہ خالہ کو مرد فرض کیا جائے تو ماموں بھانجی کا رشتہ ہوا اور بھانجی کو مرد فرض کیا جائے تو بھانجے خالہ کا رشتہ ہوا تو ایسی عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر ایک کو مرد فرض کریں دوسری اس کے لئے حرام ہو اور دوسری کو مرد فرض کریں تو پہلی اس پر حرام نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے جیسے کہ صورت مسئولہ کہ اگر زینب کو مرد فرض کیا جائے تو خالد کی بیوی اس پر حرام ہو کہ اس کی بہو ہے اور خالد کی بیوی کو مرد فرض کریں تو زینب سے کوئی رشتہ پیدا نہ ہوگا لہٰذا ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۲۵۹ میں ہے: والاصل ان کل امرأتین لوصورنا احداھما من ای جانب ذکرًا لم یجز النکاح بینھما برضاع او نسب لم یجز الجمع بینھما ھٰکذا فی المحیط فلایجوز الجمع بین امرأۃ وعمتھا نسباً اورضاعاً وخالتھا کذالک ونحوھا ویجوز بین المرأۃ وبنت زوجھا فان المرأۃ لوفرضت ذکرًا حلت لہ تلک البنت بخلاف العکس اھ۔ درمختار میں ہے: جاز الجمع بین امرأۃ وبنت زوجھا اوامرأۃ ابنھا اھ۔ ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد شفیع چیتیوا ضلع بستی۔

زید کی دو بیویاں ہیں "ہندہ اور زینب" ہندہ سے ایک لڑکی اور زینب سے ایک لڑکی اب دونوں لڑکیوں کو بکر اپنے نکاح میں لاسکتا ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بکر ان دونوں لڑکیوں کو اپنے نکاح میں ہرگز نہیں لاسکتا اس لئے کہ وہ جمع بین الاختین ہے جس کا حرام ہونا قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ سے ثابت ہے پارۂ چہارم کی آخری آیت محرمات میں ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ

الْاُخْتَیْنِ یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے' اور حدیث شریف میں آیا ہے من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر فلا یجمعن ماء ہ فی رحم اختین۔ یعنی جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے نطفہ کو ہرگز دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو بہنوں سے عقد نہ کرے اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۵۹ میں ہے:

لایجمع بین الاختین بنکاح یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع نہ کرے ھٰکذا فی السراج الوھاج خواہ دونوں بہنیں عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی لہٰذا بکر ایسی شادی ہرگز ہرگز نہ کرے ورنہ سخت حرام کار، نہایت بدکار، لائق عذاب قہار اور دین و دنیا میں روسیاہ و سرمشار ہوگا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم ورسولہٗ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از سدھا خاں اموڑھا ڈاک خانہ چھاؤنی ضلع بستی۔

ایک مسلمان نے اپنی بیوی کی ہمشیرہ سے حرام کا سرانجام دیا اور اس کے حمل حرام رہ گیا اور بچہ پیدا ہوا اب اس کے لئے کیا حکم ہے' اور مسلمان کی بیوی موجود ہے تو دونوں سگی بہنیں ہیں تو دوسری کے ساتھ بھی اس مسلمان کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فیصلہ صادر فرمایا جاوے اور اس مسلمان مرد اور اس عورت کے لئے کیا حکم ہے اس مسلمان کو مسلمانوں نے ترک کر دیا ہے' وہ کس طرح مسلمانوں میں شریک ہوسکتا ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اس مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے اس حرام فعل سے توبہ کرے اور اپنی بیوی کی ہمشیرہ سے اپنے تعلقات کو ختم کر دے یوں ہی وہ عورت بھی اپنے فعل بد سے توبہ کرے اور اس مرد سے پردہ اختیار کرے۔ بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی ہمشیرہ سے نکاح حرام ہے بقولہ تعالٰی: اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ پھر اگر وہ بیوی کی ہمشیرہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اپنی بیوی کو طلاق دے بیوی کی عدت گزر جانے کے بعد اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر سکتا ہے جب وہ مسلمان توبہ کر کے صحیح راستہ پر آ جائے تو اب دوسرے مسلمان حضرات اس سے تعلقات وابستہ کرلیں قال اللّٰہ تعالٰی: مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَّكَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (پ۱۹ ع۴)

کتبہ: عبدہ العاصی جمیل احمد الیار علوی غفرلہ الباری

مسئلہ: از نصیب دار احمد قادری سگانگر ضلع گونڈہ

زینب کی حقیقی پھوپھی ہندہ کا نکاح زید سے ہوا پھر چند سال کے بعد ہندہ کا انتقال ہوگیا اب زینب اپنے پھوپھا زید سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا زینب کا نکاح زید کے ساتھ صحیح ہو جائے گا۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر زینب کی پھوپھی کا انتقال ہوگیا تو زینب اپنے پھوپھا سے نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ یعنی رضاعت وغیرہ مانع نکاح نہ ہو۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی جل جلالہ و صلی اللّٰہ

علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ / ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از صابر حسین نوری بارہ امام مسجد ۹۳۳ شکروار پیٹھ پونہ نمبر ۲

زید کی پہلی بیوی سے پانچ بچے ہیں تین لڑکے اور دو لڑکیاں اور دونوں لڑکیاں شادی کے لائق ہیں اسی سال زید حج کو گیا اور اثنائے حج میں بذریعہ خط پہلی بیوی کو طلاق دے دیا اور مع پانچ بچوں کو گھر سے نکال دیا واقعہ یوں ہے کہ پانچویں بچے کے زچگی کے وقت پہلی بیوی کی بہن یعنی زید کی سگی سالی زید کے گھر آئی تو پہلی بیوی کی موجودگی میں اس نے سالی سے نکاح کرلیا لوگوں نے منع کیا تو کہنے لگا کہ اگر تم سالی سے نکاح کرتے ہو تو میں دونوں کو نبھاؤں گا نہیں تو پہلی کو بھی چھوڑ دوں گا اس خوف سے سالی کے ماں باپ نے مجبور ہو کر نکاح کی اجازت دی' اور کسی اناڑی یعنی کم پڑھے لکھے نے نکاح پڑھا دیا۔ آٹھ سال تک دونوں کو نبھایا اس سال جب حج کو گیا تو وہاں پہنچ کر خط کے ذریعہ پہلی بیوی کو طلاق دے دیا بیوی اپنے پانچ بچوں کے ساتھ علیحدہ رہتی ہے' اور تقاضا کرتی ہے کہ میرا کچھ بندوست کیا جائے' تو ارشاد فرمائیں کہ طلاق پڑی یا نہیں؟ اور نکاح ہوا کہ نہیں؟ اور پہلی بیوی کے لئے کیا راستہ نکل سکتا ہے؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

الجواب: بعون الملك الوهاب. ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح حرام ہے جیسا کہ پارۂ چہارم کی آخری آیت محرمات میں ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ لہٰذا نکاح کرنے والا زید، لڑکی کے ماں باپ، نکاح خواں، گواہ اور ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی ہوا سب پر علانیہ توبہ واستغفار واجب ہے' اور زید پر یہ بھی لازم ہے کہ دوسری بہن کو اپنے سے الگ رکھے ہرگز ہرگز اس سے میاں بیوی کے تعلقات نہ قائم رکھے پھر اگر واقعی اس نے طلاق دے دی ہے تو جب پہلی بیوی کی عدت گزر جائے تو اس کے بعد دوسری سے نکاح کرسکتا ہے۔ اگر یہ تا انقضائے عدت دوسری بہن کو اپنے سے الگ نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللّٰه تعالٰی: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ○ (پ ۷، رکوع ۱۴) اور تحریر سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے کہ تحریر مثل کلام کے ہے جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ہے: الكتاب كالخطاب۔ اگر عورت کو غالب گمان ہو کہ یہ تحریر اس کے شوہر کی ہے تو اس پر طلاق واقع ہوگئی۔ عورت اپنے بندوبست کا تقاضا کرتی ہے تو وقوع طلاق کی صورت میں اگر تاہنوز مہر باقی ہے تو شوہر سے پورا مہر وصول کرے اور عدت گزارنے کے لئے مکان اور عدت کے پورے اخراجات بھی وصول کرے اور بچوں کی پرورش کا حق طلاق وعدت کے بعد بھی ماں کے لئے ہے۔ تاوقتیکہ وہ بچوں کے غیر محرم سے نکاح نہ کرے اور ہر لڑکا ماں کے پاس سات سال برس کی عمر تک رہے گا اور ہر لڑکی نو سال کی عمر تک۔ لہٰذا ہر لڑکے کا کھانا، خرچ کپڑا، تیل صابن اور رہنے کا مکان وغیرہ جب تک کہ اس کے پاس رہیں عورت زید سے وصول کرتی رہے' اور چھوٹے بچہ

کی دو برس عمر ہونے تک دودھ پلانے کی اجرت عدت گزرنے کے بعد سے وصول کرے اور اگر طلاق بائن یا مغلظہ دی ہو تو عدت کے زمانہ میں بھی دودھ پلانے کی اجرت وصول کرے بلکہ پرورش کا معاوضہ اور بچہ کا نفقہ یہاں تک کہ مکان نہ ہو تو رہنے کے لئے مکان بھی وصول کر سکتی ہے ایسا ہی بہار شریعت حصہ ہشتم بچہ کی پرورش اور نفقہ کے بیان میں درمختار کے حوالہ سے ہے اور جیسا کہ پارہ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے: فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ عورت کے حقوق اور لڑکوں کا نفقہ وغیرہ اس کے شوہر سے دلوانے کی حتی الامکان کوشش کریں جس طرح بھی ہو سکے دباؤ ڈال کر اس سے وصول کریں۔ اگر وہ نہ دے تو سب مسلمان اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سلام وکلام وغیرہ سب بند کر دیں۔ جو لوگ ایسا نہ کریں گے اور ظالم شوہر کا ساتھ دیں گے تو اس کے ساتھ وہ لوگ بھی گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے یہاں تک کہ بیہقی شریف کی حدیث ہے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من مشٰی ظالم لیقویہ وھو یعلم انہ ظلم فقد خرج من الاسلام** یعنی جو شخص ظالم کو تقویت دینے کے لئے اس کا ساتھ دے یہ جانتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے تو وہ (کمال) اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۶) **وھو تعالٰی اعلم۔**

الانتباہ: شوہر نے بچہ پیدا ہونے کے بعد طلاق دی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے چاہے تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں تاوقتیکہ تین حیض نہ آئیں اس کی عدت ختم نہ ہوگی اور اگر حالت حمل میں طلاق دی ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور عوام میں جو مشہور ہے کہ طلاق والی عورت کی عدت تین مہینہ تیرہ دن ہے تو یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں پارۂ دوم رکوع ۱۲ میں ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ **وھو تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از عبد العزیز انصاری متعلم مدرسہ منظر اسلام التفات گنج ضلع فیض آباد

زید کی ایک لڑکی ہندہ خالدہ کے بطن سے ہے اور دوسری لڑکی زینب فاطمہ کے بطن سے ہے ہندہ کی شادی بکر کے ساتھ ہوئی جب ہندہ سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو بکر نے ہندہ کو طلاق دے دی اور عدت گزرنے سے پہلے ہندہ کی بہن زینب سے نکاح کر لیا پھر ہندہ اور زینب بکر کے ساتھ رہ رہی ہیں تو دریافت طلب یہ امور ہیں کہ ہندہ کی عدت گزرنے سے پہلے زینب کے ساتھ بکر کا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو زینب، بکر، نکاح خواں اور گواہ کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز ہندہ کا بکر کے ساتھ رہنا کیسا ہے؟

الجواب: **اللھم ھدایۃ الحق والصواب** صورت مستفسرہ میں ہندہ کی عدت گزرنے سے پہلے زینب کے ساتھ بکر کا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا۔ زینب و بکر پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور نکاح خواں اور گواہ پر

لازم ہے کہ نکاح مذکور کے جائز ہونے کا اعلان عام کریں۔ نیز زینب وبکر اور نکاح خواں وگواہ سب علانیہ توبہ واستغفار کریں۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ بکر نے اگر ہندہ کو طلاق رجعی دی تھی اور قبل انقضائے عدت بکر نے رجعت کر لی تو ہندہ بکر کی بدستور بیوی ہے اس کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات قائم کر سکتی ہے اور اگر طلاق بائن دی تھی تو عدت گزرنے سے پہلے یا بعد بکر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے رہ سکتی ہے، اور اگر طلاق مغلظہ دی تھی تو ہندہ کا بکر کی زوجیت میں رہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تاوقتیکہ حلالہ کے بعد بکر کے ساتھ دوبارہ نکاح نہ کرے۔ ھٰذا ما ظھرلی والعلم بالحق عنداللہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از محمد شمیم موضع بڑھیا پوسٹ کھنڈسری بازار۔ ضلع بستی

زید نے اپنی سسرال والوں کو مطمئن کرنے کے لئے ۹ر نومبر ۱۹۸۰ء کو یہ تحریر لکھ دی کہ مجھ سے متعدد بار شدید غلطیاں ہوئیں جس سے میری بیوی ہندہ کے والدین اور بھائیوں کی شدید دل آزاری ہوئی جس کی میں معذرت چاہتا ہوں۔ آئندہ اگر مجھ سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوئی جس سے کہ دل آزاری ہو تو میری بیوی ہندہ کو اختیار ہے وہ جب چاہے طلاق اپنے اوپر واقع کر لے...... زید نے اس تحریری معاہدہ کے بعد اپنی سابقہ عادات کے مطابق اپنے قول وعمل ایسے سرزد کئے جس سے ہندہ کے ماں باپ کو شدید دکھ پہنچا تو ہندہ نے ۲۴ر ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مطابق ۲ر مارچ ۱۹۸۱ء کو دو آدمیوں کی موجودگی میں اپنے اوپر طلاق واقع کر لی۔ اس سلسلہ میں دارالافتاء فیض الرسول براؤں شریف، دارالافتاء اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ اور دارالافتاء منظر اسلام بریلی شریف کے مفتیان کرام کی خدمت میں استفتاء بھیجا گیا کہ ہندہ نے اس بنیاد پر کہ اس کے شوہر نے اپنے تحریری معاہدہ کی خلاف ورزی کی اپنا حق تفویض استعمال کرتے ہوئے اپنی ذات پر طلاق واقع کر لی ہے، تو ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ تو مفتیان کرام نے بالاتفاق فتویٰ دیا کہ ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی۔ پھر عرصہ ہوا کہ ہندہ عدت کے ایام گزار چکی ہے۔ حضرات علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر ہندہ اپنا نکاح کسی دوسری جگہ کرے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جبکہ ہندہ طلاق واقع کرنے کے بعد ایام عدت بھی گزار چکی ہے تو اب اگر وہ اپنا نکاح کسی دوسرے صحیح العقیدہ سے کرے تو جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم عزشانہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از عین اللہ خاں سہنیاں کلاں ضلع گونڈہ

زینب کی شادی دیوبندی سے ہوئی اور زینب یہ چاہتی ہے کہ میں ایک سنی سے شادی کروں اور دیوبندی شوہر نے اسے طلاق نہیں دی۔ ایسی صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا طلاق کی ضرورت پڑے گی یا نہیں؟

الجواب: زینب کی شادی اگر ایسے شخص سے ہوئی جو مولوی اشرف علی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھی کے کفریات پر مطلع ہوتے ہوئے انہیں کافر و مرتد نہیں کہتا تو وہ شرعاً کافر و مرتد ہے کما فی الفتاویٰ حسام الحرمین اور مرتد کا نکاح کسی سے شرعاً منعقد ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ کتب فقیہہ میں مذکور ہے لایجوز نکاح المرتد مسلمة ولا مرتدة ولا کافرة (قدوری ص۱۸۹) یعنی مرتد کا نکاح نہ کسی مسلمان عورت سے نہ مرتد عورت سے اور نہ کسی کافر عورت سے ہوسکتا ہے لہٰذا زینب بغیر اس سے طلاق لئے ہوئے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ اعلم

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

۱۹/ ذوالحجہ ۷۷ھ

مسئلہ: از صدرالدین گورکھپوری متعلم دارالعلوم ھٰذا

وہابیوں، دیوبندیوں، تبلیغی جماعت والوں، مودودی جماعت والوں اور رافضیوں سے نکاح بیاہ کرنا۔ ان سے میل جول رکھنا اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ بالا جماعتیں اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے بحکم شرع بدمذہب گمراہ ہیں اور بدمذہبوں کے بارے میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلاتشھدوھم وان لقیتموھم فلاتسلموا علیھم ولاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم...... یعنی بدمذہب اگر بیمار پڑیں تو پوچھنے مت جاؤ اور اگر وہ مر جائیں تو جنازے پر حاضر نہ ہو اور جب ان سے ملو تو سلام نہ کرو اور ان کے پاس نہ بیٹھو اور ان کے ساتھ پانی نہ پیو نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان سے شادی بیاہ کرو ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو اور ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرة وابو داؤد عن ابن عمر و ابن ماجة عن جابر وللعقیلی وابن حبان عن انس رضی اللہ عنھم۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں: روی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف ان الصلٰوة خلف اھل الھواء لایجوز. یعنی امام محمد رضی اللہ عنہ نے حضرات شیخین سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ وسیّدنا قاضی امام ابویوسف رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ بدمذہبوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ لہٰذا حدیث شریف اور فقہ کے ارشاد سے واضح ہوگیا کہ وہابیوں اور دیوبندیوں، مودودی جماعت والوں، تبلیغی جماعت والوں اور رافضیوں سے شادی بیاہ کرنا ان سے میل جول رکھنا ناجائز وحرام ہے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ر محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از غلام محی الدین سبحانی مدرسہ مخدومیہ علاء الدین پور گلر ہوا پوسٹ دولت پور گرنٹ ضلع گونڈہ

دیوبندی مولوی نے سرکار اعلیٰ حضرت کی کتاب الملفوظ پر اعتراض کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت سے کسی نے پوچھا کہ حضور وہابی کا پڑھایا نکاح ہو جاتا ہے جواب دیا نکاح تو ہو ہی جائے گا اگرچہ برہمن پڑھائے عرض یہ ہے کہ کیا یہ مسئلہ صحیح ہے اثبات کی صورت میں کیا کوئی دلیل ہے کہ برہمن کا پڑھایا نکاح ہو جائے گا؟

الجواب: بیشک نکاح ہو جائے گا اگرچہ برہمن پڑھائے۔ اس لئے کہ ایجاب و قبول کا نام نکاح ہے' اور نکاح پڑھانے والا وکیل ہوتا ہے' اور وکیل کا مسلمان ہونا شرط نہیں بلکہ کافر بھی نکاح کا وکیل ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ مرتد جو واجب القتل ہوتا ہے وہ بھی مسلمان کا وکیل ہو سکتا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثالث ص ۴۳۹ میں ہے: تجوز وکالة المرتد بان وکل مسلم مرتد اوکذا لو کان مسلماً وقت التوکیل ثم ارتد فهو علیٰ وکالته الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالته' اور بدائع النصائع جلد سادس ص ۲۰ میں ہے: ردة الوکیل لاتمنع صحة الوکالة۔ لہٰذا دیوبندی مولوی کا الملفوظ کی اس عبارت پر اعتراض کرنا اس کی نری جہالت ہے۔ اگر اس کے نزدیک کافر کو وکیل بنانا غلط ہے تو وہ دلائل سے مبرھن کرے اور قیامت تک وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ر رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از حافظ محمد ہاشم رضا ساحل مدرسہ فیض القرآن نیو سوسائٹی چونا بھٹی شانتا کروز بمبئی نمبر ۵۴

ایک سنی صحیح العقیدہ لڑکی کی شادی اس کے بھائی نے واقفیت کی بناء پر شیعہ کے ساتھ کر دی کافی عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شیعہ مذہب رکھتا ہے اس اثناء میں اولادیں بھی ہوئیں اور نکاح سنی صحیح العقیدہ مولوی نے پڑھایا تھا' تو اس دریافت طلب یہ امر ہے کہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ کیا اس سے علیحدگی کی صورت میں طلاق کی ضرورت پڑے گی؟ نیز جو اولادیں ہوئیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: تبرائی رافضی کافر و مرتد ہیں فتاویٰ ہندیہ میں ہے: الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ بالله فهو کافر اور مرتد کے ساتھ نکاح باطل محض ہے عالمگیری میں ہے: ومنها ماهو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلایجوز له ان یتزوج امرأة مسلمة ولامرتدة ولاذمیة۔ لہٰذا اس صورت میں بغیر طلاق لئے دوسرے نکاح کر سکتی ہے...... اور اگر تفضیلی رافضی ہے تو مبتدع اور گمراہ ہے فتاویٰ ہندیہ میں ہے: وان کان یفضل علیا کرم الله تعالیٰ وجهه علیٰ ابی بکر رضی الله عنه لایکون کافراً الاانه مبتدع اس صورت میں نکاح درست ہو گیا مگر

عورت کا اس گمراہ شوہر کے ساتھ رہنا اور شوہری تعلقات قائم کرنا سخت حرام ہے لہٰذا جس طرح ممکن ہو اس سے طلاق حاصل کر لے مرد کے تبرائی رافضی ہونے کی صورت میں جو اولادیں ہوئیں شرعاً سب والد الزنا (حرامی) ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ربیع الآخر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از عبد الجبار چوکھوی متعلم دار العلوم ھٰذا

زید سنی ہے اور زینب وہابیہ ہے اور ان دونوں کی شادی ہوئی اور نکاح پڑھنے والا بھی وہابی ہے رخصتی ہونے کے بعد زینب کو بچہ پیدا ہوا اور وہ پھر بھی حمل سے ہے بوقت حمل زید نے زینب کو تین طلاقیں دیں طلاق دینے کے بعد بھی زینب زید ہی کے پاس رہنا چاہتی ہے اور زید زینب کو اس شرط پر رکھنے کے لئے تیار ہے کہ اگر حلالہ کی صورت ہوگی تو نہیں رکھوں گا اور اگر بغیر حلالہ کئے صرف نکاح کر لینے سے جائز ہو جائے تو میں رکھ سکتا ہوں اب اس صورت میں زید کے رکھنے کے لئے جو راہ ہو تحریر فرمائیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کا نکاح زینب وہابیہ سے منعقد ہی نہیں ہوا عالمگیری جلد اوّل ص ۲۶۳ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا کافرة اصلیة وکذالك لایجوز نکاح المرتدة مع احد کذا فی المبسوط۔ یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ اور مسلمہ کافرہ اصلیہ سے جائز نہیں اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح مرتد اور مسلم و کافر اصلی سے جائز نہیں ایسے ہی مبسوط میں مرقوم ہے اور وہابیت خالص ارتداد ہے لہٰذا اگر زینب واقعی وہابیہ تھی کہ اشرف علی تھانوی اور رشید احمد گنگوہی وغیرہما دیوبندی وہابی مولویان کو مسلمان جانتی تھی یا انھیں کافر سمجھنے والوں کو مشرک سمجھتی تھی جیسے اس زمانہ کا ہر وہابی کم از کم ہر سنیوں کو مشرک اعتقاد کرتا ہے تو اس کا نکاح نکاح نہیں اور اس مسموعی نکاح کے تحت جو کچھ بھی تعلقات زوجیت قائم رہے یہاں تک کہ زینب حاملہ بھی ہوئی یہ سب حرام اور ناجائز ہوا اور اس کی طلاق شرعاً ہی نہیں کہ اس سے حلالہ کی ضرورت پڑے بلکہ اس کو سنیہ صحیحۃ العقیدۃ بنالینا نکاح جائز ہونے کے لئے کافی ہے لیکن اگر زینب کا وہابیہ ہونا ثابت نہ ہو بلکہ صرف اس کے والدین کے وہابیہ ہونے کی باعث اس کو وہابیہ سمجھا گیا تو وہ نکاح صحیح تھا اور بغیر حلالہ کئے ہرگز زید کے لئے جائز نہ ہوگی۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: محمد نعیم الدین احمد صدیقی رضوی،

۲۳ جمادی الاول ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: از محمد حنیف۔ کٹھیلا۔ بستی

ھندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ زید وہابی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح باقی

ہے یا ختم ہو گیا تو ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں برصدق بیان مستفتی اگر زید وہابیوں دیوبندیوں کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے بعد بھی ان کو مسلمان اور اپنا پیشوا مانتا ہے تو وہ یقیناً مرتد کافر ہے اور مرتد سے کسی مسلمان سنیہ کا سرے سے نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا لہٰذا ہندہ زید سے بغیر طلاق حاصل کئے دوسرے مسلمان سنی سے جب چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ عدت گزرانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ عدت نکاح کی ہوتی ہے اور یہاں جب نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تو عدت کس طرح ہوگی فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۶۳ میں ہے: ولایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدة ولا مسلمة ولاکافرة اصلیة وکذالك لایجوز نکاح المرتدة مع احد کذا فی المبسوط اگر زید نکاح کے وقت سنی مسلمان رہا اور بعد میں مرتد ہو گیا تو نکاح باطل ہو گیا۔ لہٰذا ہندہ عدت گزرانے کے بعد دوسرے سنی مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے واللّٰہ ورسولہٗ اعلم

کتبہ: محمد صابر القادری نسیم بستوی

۲۰ رفروری ۱۳۵۹ھ

مسئلہ: از محمد سمیع اللہ مہنداول ضلع بستی۔

زید نے اپنی لڑکی کا نکاح بکر سے کیا بوقت نکاح اس کو علم نہیں تھا کہ بکر غیر مقلد ہے بلکہ وہ سمجھ رہا تھا اور یقین کئے ہوئے تھا کہ بکر سنی صحیح العقیدہ ہے۔ لڑکی دو تین مرتبہ بکر کے یہاں جا چکی ہے تب معلوم ہوا کہ وہ غیر مقلد ہے۔ اب زید اپنی لڑکی کا نکاح ایک سنی لڑکے سے کرنا چاہتا ہے۔ زید کو شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ آیا نکاح اوّل کا انعقاد ہوا یا نہیں؟ زید اپنی لڑکی کا دوسرا نکاح بغیر طلاق کے کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز لڑکی وہاں جانے کے لئے راضی نہیں ہے۔ احکام قطعیہ سے آگاہ فرمایا جائے۔

الجواب: نکاح کے وقت اگر بکر غیر مقلد تھا تو نکاح منعقد ہی نہ ہوا اور اگر بعد نکاح وہابی ہوا تو اب نکاح باطل ہو گیا۔ لہٰذا زید اپنی لڑکی کا نکاح بلاحصول طلاق دوسرے سے کر سکتا ہے۔ وہابیت غیر مقلدیت ارتداد ہے اس لئے کہ کوئی وہابی اس زمانے میں ایسا نہیں ملے گا جو خود کو موحد اور سنیوں کو مشرک اعتقاد نہ کرتا ہو۔ جامع الفصولین میں ہے: والمختار للفتویٰ هذه المسائل ان قائل هذه المقالات لو ارادالشتم ولایعتقد کافرًا لایکفرو ان اعتقده کافرًا کفرو المولٰی تعالیٰ سبحانه ورسولهٗ اعلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں کہ (۱) کافرہ عورت کو مسلمان کر کے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) کافرہ کو مسلمان کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب: (۱) کافرہ عورت کو مسلمان کر کے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ (۲) کافرہ کو کفر سے توبہ کرا کر فوراً کلمہ طیبہ

پڑھایا جاوے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

۸؍جولائی ۵۹ء

مسئلہ: از کمال احمد مدرس مکتب اسلامیہ مئو پوسٹ کرہی ضلع بستی

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ زید جو حاجی ہے اس نے اپنی پوتی کی شادی وہابی لڑکے سے طے کی اور نکاح پڑھانے کے لئے ایک سنی مولوی لڑکے کے گھر لے گئے مولوی صاحب کو پہلے سے نہیں معلوم تھا کہ لڑکا وہابی ہے۔ بعد میں پتہ چلا تو اس صورت میں مولوی صاحب کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: جب کہ وہابیت عام ہو رہی ہے مولوی صاحب مذکور پر تحقیق لازم تھی۔ بلا تحقیق نکاح پڑھ دینے کے سبب جبکہ بعد میں لڑکے کا وہابی ہونا ان پر ظاہر ہوا تو مولوی صاحب توبہ و استغفار کریں اور بالغ لڑکا وہابی بمعنی مرتد ہو یا نابالغ ہو مگر اس کا ولی وہابی ہو تو ان صورتوں میں نکاح کے باطل ہونے کا اعلان عام کریں اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲؍رجب المرجب ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد اسرائیل مقام بڑھیا پوسٹ مڑلا ضلع بستی

زید کی لڑکی ہندہ سنی صحیح العقیدہ ہے اس کی شادی زید نے ایک وہابی غیر مقلد کے ساتھ کر دی تھی اب ہندہ اپنے گھر سے چلی آئی ہے اور اس کے گھر بھیجنا بھی نہیں چاہتا بلکہ اس ہندہ مدخولہ کی شادی ایک سنی صحیح العقیدہ کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اب ایسی صورت میں ہندہ کو طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کیا بغیر طلاق لئے اس کا نکاح کر دیا جائے؟

الجواب: زید نے اپنی لڑکی سنی صحیح العقیدہ کا نکاح اگر جان بوجھ کر وہابی غیر مقلد کے ساتھ کیا تو زید کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے، بیوی والا ہو تو اس کا نکاح پھر سے پڑھایا جائے کسی سے مرید تھا تو تجدید بیعت کرائی جائے، پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے، اور قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے، غربا و مساکین کو کھانا کھلانے، اور مسجد میں لوٹا چٹائی رکھنے کو کہا جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (پ۱۹ع۴) جب یہ کام سب ہو جائے پھر اس کے بعد زید کی لڑکی کے بارے میں پوچھا جائے کہ بغیر طلاق اس کا دوسرا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تب جواب دیا جائے گا۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد صابر القادری جامعہ اہلسنّت انوار العلوم رہرا بازار ضلع گونڈہ

زید سنی صحیح العقیدہ ہے زید نے سنی صحیح العقیدہ لڑکی اور اس کے خاندان کے لوگ سب سنی ہیں اس کا نکاح انجانے میں دیوبندی لڑکے سے پڑھ دیا۔ نکاح پڑھنے کے بعد کچھ ایسی گفتگو ہوئی جس سے صاف ظاہر ہوا کہ دولھا اور براتی سب دیوبندی عقائد کے ہیں۔ ایسی صورت میں نکاح خواں زید سنی رہ گیا یا مرتد ہو گیا؟ اور اس کی بیوی اس کی نکاح میں رہی یا خارج ہو گئی؟ اور وکیل اور گواہان کے بارے میں جو نکاح میں شامل تھے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ مگر زید نے دولھا کو سنی سمجھ کر نکاح پڑھا ہے حکم شرع کیا ہے؟

الجواب: جب کہ دیوبندیت عام ہو رہی ہے اور سنی عوام مذہب کی تحقیق کئے بغیر رشتہ طے کر دیتے ہیں تو نکاح خواں پر لازم ہے قبل از عقد کلمہ وغیرہ پڑھانے کے بعد وہابیوں دیوبندیوں سے دور رہنے کا دولھا سے عہد لے کر یا کسی دوسرے مناسب طریقہ سے اس کا عقیدہ معلوم کرے۔ اگر زید نے ایسا نہیں کیا اور دیوبندی کو سنی سمجھ کر نکاح پڑھ دیا تو وہ مرتد نہیں ہوا نہ اس کے نکاح سے اس کی بیوی نکلی مگر زید علانیہ توبہ و استغفار کرے نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان کرے اور نکاحانہ پیسے بھی واپس کرے اور وکیل و گواہان بھی توبہ کریں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں اور لڑکی والے اگر رشتہ کو باقی رکھیں تو ان کا بھی بائیکاٹ کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۱۶؍رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از شہادت علی سکندر پور

زید کا باپ کٹر وہابی دیوبندی ہے بلکہ حضرت شیر بیشۂ اہلسنّت رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر جب بھدرسہ کے دیوبندیوں نے مقدمہ فیض آباد میں دائر کیا تھا تو زید کے والد نے دیوبندی کی بڑی مدد کی تھی بلکہ مقدمہ کے لئے چندہ جمع کر کے دیوبندیوں کو دیا تھا زید جاہل ہے بکر اپنی لڑکی زید سے بیاہنا چاہتا ہے۔ زید اپنے والد کے ہمراہ رہتا ہے زید خود کو سنی بتاتا ہے۔ آیا بکر اپنی لڑکی زید کے ساتھ کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ دین و ایمان اسلام و سنیت کی حفاظت ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ زید جبکہ اپنے متعصب دیوبندی باپ کے ساتھ رہتا ہے اور جاہل بھی ہے تو ایسی صورت میں اس کی سنیت خطرے میں ہے تو بیچاری لڑکی کی سنیت کے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی۔ لہٰذا بکر کو از روئے شرع اسلامی سخت ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنی سنی لڑکی کا نکاح زید کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ کرے۔ ایسے گھرانے میں اپنی لڑکی کو بیاہنا جس کا اگوا دیوبندی ہو شرعاً درست نہیں۔ بکر اپنی لڑکی کا نکاح اس گھرانے میں کرے جہاں سنت کی سلامتی اور حفاظت پر اطمینان ہو۔ وفقط۔ واللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی المولٰی علیہ وسلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد الرضوی

۱۶/ذی القعدہ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از واحد علی صدیقی موضع پر اتال بھرت کنڈ ضلع فیض آباد۔

زید نے دیدہ دانستہ اپنی لڑکی شاہدہ کا عقد ایک دیوبندی کے ساتھ کر دیا آبادی کے لوگ عقائد دیوبندیت سے باخبر ہونے پر سخت نالاں ہوئے' اور رشتہ قائم کرنے کے سلسلے میں اظہار ناپسندیدگی کرتے رہے' مگر زید بدطینت نے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ عقد کر ہی دیا اور حال میں ابھی رخصت بھی کر دیا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ عقد شرعاً ہوا یا نہیں؟ زید سے آبادی کے لوگ نشست و برخاست سلام وکلام میل جول قائم رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ وضاحت سے بیان فرمائیں۔ دیوبندیوں وہابیوں پر حکم شرع کیا ہے؟ بالتفصیل تحریر کریں' اور اجر جزیل کے مستحق بنیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں زید سخت فاسق و فاجر ہو گیا۔ آبادی کے لوگوں پر بحکم شریعت اسلامیہ فرض ہے کہ زید جب تک راہ راست پر نہ آجائے اس وقت تک اس کا بالکل بائیکاٹ رکھیں اس کے ساتھ اٹھنا' بیٹھنا' سلام وکلام' کھانا' پینا بند کر دیں جس دیوبندی مرد کے ساتھ شاہدہ کا عقد کیا گیا وہ اگر پیشوایان وہابیہ مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ کے عقائد باطلہ کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ و براہین قاطعہ ص ۵۱ وتحذیر الناس ص ۳، ۱۴ پر اطلاع رکھتے ہوئے ان کو کافر و مرتد نہیں مانتا بلکہ مسلمان سمجھتا ہے تو وہ خود بھی شرعاً کافر و مرتد ہے جیسا کہ فتاویٰ حسام الحرمین میں ہے: ومن شك في كفره و عذابه فقد كفر. اور شاہدہ مذکورہ کا عقد اس کے ساتھ شرعاً منعقد ہوا ہی نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۶۳ میں ہے: لايجوز للمرتد ان يتزوج مرتدة ولامسلمة ولا كافرة اصلية وكذلك نكاح المرتدة مع احد۔ یعنی مرتد مرد کا نکاح، مرتدہ عورت یا مسلمہ عورت یا کافرہ اصلیہ عورت سے جائز نہیں اور یونہی مرتدہ عورت کا نکاح کسی سے جائز نہیں۔ پھر ایسی صورت میں اس دیوبندی کے ساتھ شاہدہ کی قربت زنائے خالص ہوگی۔ لہٰذا زید پر فرض ہے کہ وہ علی الاعلان گاؤں والوں کے سامنے توبہ واستغفار کرے اور اس دیوبندی سے طلاق حاصل کئے بغیر اپنی بیٹی شاہدہ کا نکاح کسی صحیح العقیدہ سنی مرد کے ساتھ کر دے' اور اگر وہ دیوبندی اس معنی میں دیوبندی کہا جاتا ہو کہ نیاز و فاتحہ، میلاد شریف، قیام تعظیمی کو جائز مانتا ہے' اور اہل سنت کے دیگر معمولات کو بدعت سمجھتا ہے' اور وہابی ملاؤں مثلاً مولوی تھانوی، مولوی گنگوہی وغیرہ کو سنی عالموں کی طرح اپنا دینی عالم سمجھتا ہے لیکن ان وہابی ملاؤں کے عقائد کفریہ کی اسے مطلق خبر نہیں تب وہ گمراہ اور بدمذہب ہے چونکہ اس صورت میں بھی شاہدہ کا اس کے یہاں رخصت ہو کر جانا حرام سخت حرام اور سنیت کے لئے زہر قاتل ہے اس لئے زید پر فرض ہے کہ وہ علی الاعلان لوگوں کے سامنے توبہ واستغفار بجالائے۔ اور امکانی کوشش کر کے اس دیوبندی سے طلاق حاصل کرے اور شاہدہ کی عدت پوری ہونے کے بعد اس کا کسی سنی صحیح العقیدہ مرد کے ساتھ نکاح کر دے۔ حاصل یہ کہ وہ دیوبندی جس کے ساتھ شاہدہ کا نکاح پڑھا گیا چاہے وہ دیوبندی بمعنی مرتد ہو یا دیوبندی بمعنی گمراہ بدمذہب ہو ہر صورت

میں شاہدہ کا اس کے یہاں جانا حرام ہے۔ اس سے میاں بیوی جیسے تعلقات رکھنا حرام' اس کی طرف محبت سے دیکھنا حرام' اور شاہدہ کا باپ فاسق ظالم جفا کار مستحق عذاب نار ہے اس پر توبہ استغفار فرض ہے اسے اپنی بیٹی کو جہنم کے عذاب سے بچانا فرض ہے۔ گاؤں کے لوگ پنچایت کر کے زید کو اس شرعی فتویٰ پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں۔ ورنہ وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پکڑے جائیں گے۔ والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ۔ ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ رب العٰلمین ثم عند رسولہ رحمۃ للعٰلمین جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

الجواب: صحیح، بدرالدین احمد

کتبہ: غلام غوث قادری

۱۵ر صفر المظفر ۱۳۹۳ھ

مسئلہ: از الٰہی بخش ساکن دیوکھال پوسٹ روپ گڑھ ضلع بستی

زید جس گاؤں کا رہنے والا ہے وہاں کے لوگوں کا وہابی ہونا عرصۂ دراز سے ظاہر ہے جن کے بارے میں ان لوگوں کا قول اور عمل گواہ ہے خود زید بھی انھیں لوگوں میں سے ہے۔ زید کی لڑکی سے ایک دوسری آبادی کے سنی آدمی بکر نے اپنے لڑکے کے ساتھ رشتہ طے کر لیا حالانکہ بکر بھی جانتا ہے کہ زید وہابی ہے بکر کے اس طریقہ کار پر برادریوں نے وہابی کے گھر رشتہ قائم کرنے سے بکر کو روکا مگر بکر نے جواب دیا کہ ہم اگر وہاں رشتہ نہ کریں تو پانچ گاؤں کے سنیوں میں سے کون ہمارے لڑکے کا اپنے گھر بیاہ کرے گا برادریوں کے منع کرنے کے باوجود بکر نے رشتہ کر دیا۔ عین نکاح کے دن بکر کے گھر زید آیا۔ برادریوں نے زید سے سوال کیا کہ تمہارا کیا مذہب ہے۔ اس پر زید نے جواب دیا کہ تمہارے پانچ گاؤں کے لوگ جو جو کام کرتے ہیں وہ کیا ہمارے گھر نہیں ہوتا؟ دریافت طلب یہ بات ہے کہ زید وہابی کے اس بیان دینے سے زید کو سنی تسلیم کیا جائے یا وہابی مانا جائے' اور جن برادریوں نے اس نکاح میں شرکت کی ان برادریوں پر شرعاً کیا حکم ہے' اور بکر پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ نکاح ہو جانے کے بعد کچھ دنوں کے بعد زید نے یہ کہا کہ ہم نے رشتہ طے ہونے سے پہلے ہی بکر سے کہہ دیا تھا کہ ہم وہابی ہیں شادی کرو یا نہ کرو؟

الجواب: جب زید کو اپنے وہابی ہونے کا اقرار ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو بحکم شریعت مطہرہ زید وہابی ہے حدیث شریف میں ہے: المرأ یوخذ باقرارہ۔ اھ۔ پھر اگر مولوی اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور قاسم نانوتوی کی عبارات کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸' براہین قاطعہ ص ۵۱' اور تحذیر الناس ۳، ۱۴، ۲۸ پر اطلاع پاکر انھیں مسلمان سمجھتا ہے کافر نہیں کہتا ہے تو بمطابق فتویٰ حسام الحرمین زید کافر و مرتد ہے' اور اگر ان کفری عبارتوں پر اسے اطلاع نہیں اور اس کا طریقہ مرتد وہابیوں جیسا ہے تو زید گمراہ ہے' اور دونوں صورتوں میں اس سے رشتہ کرنا جائز نہیں۔ برادریوں نے اگر زید کو وہابی جانتے ہوئے نکاح مذکورہ میں شرکت کی ہے تو سب علانیہ توبہ کریں' اور بکر پر بھی لازم ہے کہ علانیہ توبہ و استغفار کرے اور زید کی لڑکی پر مذہب حق اہل سنت و جماعت پیش کرے۔ اگر وہ قبول نہ کرے تو بہ اور تجدید نکاح کے بعد اپنے گھر رکھے' میکہ

ہرگز نہ جانے دے، خود بکر اور اس کے گھر والے زید کے یہاں ہرگز آمد ورفت نہ رکھیں، اور اگر لڑکی مذہب اہل سنت و جماعت نہ قبول کرے تو اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷/رجب المرجب ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از شبیر احمد انصاری موضع رسوا شالی پوسٹ بنکھسری تھانہ چھپر واگونڈہ۔

زید سنی کا لڑکا ہے لیکن باپ کے انتقال کے بعد اس کی ماں ایک وہابی کے گھر چلی گئی ساتھ میں لڑکا بھی گیا۔ زید کی پرورش وہابی کے گھر ہوئی اب یہ کہ زید کا عقد ایک سنی لڑکی سے ہوا نکاح پڑھانے والا وہابی تھا اب دریافت یہ کرنا ہے کہ جس کی لڑکی ہے وہ سنی ہے لڑکی کا نام زینب اور اس کے والد کا نام عبداللہ ہے عبداللہ کا کہنا ہے کہ اگر نہ معلوم ہونے کی وجہ سے نکاح کر دیا ہے تو نکاح ہوا یا نہیں۔ اور اس کے گھر بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ اگر زید وہابی ہے اس طرح کہ وہ اپنے بڑوں قاسم نانوتوی، رشید گنگوہی، خلیل امیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کے کفریات قطعیہ یقینیہ (جو تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان میں مذکور ہیں) پر آگاہ ہوتے ہوئے ان کو کافر ومرتد نہ سمجھے یا ان کے کفر میں شک کرے تو وہ کافر ومرتد ہے۔ سنی کا بیٹا ہونا اسے کچھ نفع نہ دے گا، اور حسب تصریح فقہائے کرام مرتد کا نکاح کسی سے اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ شریف جلد پنجم ص ۱۲۳ (مطبوعہ پاکستان) میں فرمایا کہ: ولا نکاح لمرتد مع احد ولو مرتدۃ مثلہ کما فی الدر المختار والفتاوی العالمگیری وغیرھما، اور اس کے حاشیہ پر ص ۱۲۴ میں فرمایا کہ ''مرتد اور مرتدہ کا نکاح عالم میں کسی سے نہیں ہوسکتا نہ آپس میں نہ کافر یا کافرہ سے۔ تو جب ان کا آپس میں بھی نکاح نہیں ہوسکتا تو ثابت ہوا کہ کافر ومرتد کا نکاح مومنہ سے منعقد ہی نہیں ہوتا بلکہ باطل محض ہے، اور ایسی صورت میں اس کے گھر بھیجنا شدید ترین گناہ اور حرام ہے۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم عنداللہ ورسولہٗ

کتبہ: محمد قدرت اللہ رضوی غفرلہ القوی

۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از شمس الحق نیار عرف بھوتھوا۔ بستی

ایک شخص نے قیم النساء کو لاکر ایک وہابی کے بدست بیچ دیا اور قیمت پانچ سو روپے وصول بھی کر لی وہابی نے اس کے ساتھ نکاح کیا پھر تین دن کے بعد اس نے طلاق دے کر آٹھ سو روپے میں جمن کے بدست فروخت کر دیا۔ جمن نے پندرہ روز

کے بعد اپنے لڑکے جیش محمد کے ساتھ قیم النساء کا نکاح کر دیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ نکاح مذکور ہوا کہ نہیں نیز نکاح خواں اور گواہان کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں وہابی سے پہلے اگر قیم النساء کسی اور کے نکاح میں یا عدت میں نہ تھی تو جیش محمد کے ساتھ نکاح منعقد ہو گیا اور اگر پہلے کسی کے نکاح یا عدت میں تھی تو جیش محمد کے ساتھ نکاح منعقد نہ ہوا اس صورت میں نکاح خواں اور گواہان پر توبہ واستغفار لازم اور نکاح نہ ہونے کا اعلان واجب ہے۔

رہا وہابی عقیدہ رکھنے والے کے ساتھ نکاح تو چونکہ بمطابق فتویٰ حسام الحرمین وہابی عقیدہ والا مرتد ہے اور مرتد کا نکاح کسی سے منعقد ہی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے لہٰذا قیم النساء کا نکاح وہابی کے ساتھ منعقد نہ ہوا تھا اور جب وہابی کے ساتھ نکاح ہی نہ ہوا تھا تو طلاق اور عدت کی ضرورت نہیں کہ زنا کے لئے عدت نہیں۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: لاعدۃ علی الزانیۃ۔ وھو سبحانہ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵؍ رجب ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از جواد علی دھنکھر پوری پوکھر بھٹواپوسٹ بسکوہر بازار ضلع بستی

ایک لڑکی کا عقد ایک وہابی کے ساتھ ہوا کچھ دنوں کے بعد اس نے طلاق دے دی۔ بعد عدت اس کا نکاح کچھ لوگوں نے دباؤ ڈال کر دوسرے وہابی کے ساتھ کر دیا جس کے ساتھ لڑکی رہنا نہیں چاہتی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا لڑکی بغیر طلاق حاصل کئے دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ بنیوا توجروا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ جو شخص مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی کی عبارات کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸، تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸، اور براہین قاطعہ ص ۵۱ پر یقینی اطلاع پاتے ہوئے مذکورہ بالا مولویوں کے کافر ہونے کا قائل نہیں ہے یا مسلمان اہلسنت کو کافر سمجھتا ہے تو وہ بمطابق فتویٰ حسام الحرمین وہابی مرتد ہے، اور جسے ان کتابوں کو کفری عبارتوں پر یقینی اطلاع نہیں ہے، اور نہ مسلمانان اہلسنت کو کافر سمجھتا ہے لیکن وہابیوں کے طور وطریقے پر چلتا ہے تو وہ وہابی گمراہ ہے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کر دیا تو مرتد وہابی کے ساتھ نکاح منعقد ہی نہ ہوا۔ اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہے، اور اگر وہابی گمراہ کے ساتھ نکاح ہوا تو منعقد ہو گیا لیکن عورت کا اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات رکھنا حرام ہے۔

اس صورت میں جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں۔ ھٰذا ماظھر لی والعلم عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

https://ataunnabi.blogspot.com/

کتبہ: خلق اللہ خلیق فیضی

۱۱ ربیع الآخر ۱۳۹۶ھ، دار العلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف بستی

مسئلہ: از نظام الدین موضع بوراہی پوسٹ دھانے پور گونڈہ۔

زید نے اپنی دختر کا نکاح دانستہ طور پر ایک دیو بندی کے ساتھ کر دیا وہ لڑکا تبلیغی جماعت کا حامی اکثر تبلیغی دورے پر رہتا ہے آیا یہ نکاح منعقد ہوا کہ نہیں؟ اور بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے اس لڑکی کا نکاح دوسرے سنی صحیح العقیدہ شخص سے ہو سکتا ہے کہ نہیں؟

۲-زید نے اپنی زوجہ منکوحہ کو کہہ دیا کہ میں تجھے نہیں لاؤں گا کیا ایسا کہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب: لڑکا مذکور جو تبلیغی جماعت کا حامل ہے دیابنہ کے کفریات قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸، اور براہین قاطعہ ص ۵۱ کی بناء پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ نیز ہندوستان، پاکستان، برما اور بنگال وغیرہ کے سیکڑوں مفتیان کرام وعلماء عظام نے جو مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی کو کافر مرتد قرار دیا گیا ہے جس کی تفصیل حسام الحرمین اور الصوارم الھندیہ میں ہے اسے یہ فتویٰ تسلیم ہے یا نہیں؟ یعنی وہ مولویان مذکور کو کافر و مرتد کہتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کہتا یا ان کے کافر مرتد ہونے میں شک کرتا ہے تو بمطابق فتویٰ حسام الحرمین کافر و مرتد ہے اور مرتد کا نکاح کسی سے منعقد نہیں ہو سکتا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذالک المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ مسلمہ اور کافرہ اصلیہ کسی سے نہیں ہو سکتا اور ایسا ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا ایسا ہی مبسوط میں ہے لہٰذا اس صورت میں لڑکی مذکور طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کسی سنی صحیح العقیدہ سے کر سکتی ہے اور اگر لڑکا مذکور کو دیابنہ کے کفریات قطعیہ پر یقینی اطلاع نہیں ہے مگر اس کا طریقہ کار وہابیوں جیسا ہے تو وہ گمراہ بدمذہب ہے اس صورت میں لڑکی مذکور کا نکاح منعقد ہو گیا لیکن لڑکی کو اس سے میاں بیوی کے تعلقات قائم کرنا جائز نہیں بلکہ جس طرح بھی ہو سکے اس سے طلاق حاصل کرے۔ خلاصہ یہ کہ پہلی صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور دوسری صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور گمراہ شوہر کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات بھی نہیں قائم کر سکتی۔ ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ جل جلالہ و صلی المولیٰ علیہ وسلم۔

۲-نہیں واقع ہوگی۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ر صفر المظفر ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از محمد عرفان رضا اپلیٹہ (گجرات)

ایک شہر میں چند افراد وہابی، تبلیغی خیالات کے ہیں اور اکثریت سنی حضرات کی ہے ان لوگوں کا سنی حضرات سے لین دین ہوتا ہے لیکن ان لڑکوں اور لڑکیوں کے خیالات نامعلوم کیسے ہوتے ہیں بلکہ اکثر قائل بسنیت ہوتے ہیں تو ان حالات میں کسی امام کا ان کے عقد میں شریک ہونا اور پڑھانا از روئے شرع کیسا ہے؟ نیز ایسے امام کی اقتداء صحیح ہے یا نہیں۔ بلا تحقیق کسی کو وہابی، دیوبندی بنا دینے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: چند افراد جو وہابی تبلیغی خیالات کے ہیں اگر وہ لوگ مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی کی عبارات کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸، تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸، اور براہین قاطعہ ص ۵۱ پر یقینی اطلاع کے باوجود مولویان مذکور کو کافر و مرتد نہیں کہتے تو وہ فتاویٰ حسام الحرمین کے مطابق کافر و مرتد ہیں ان سے رشتہ کرنا حرام و ناجائز ہے کہ مرتد کا نکاح کسی سے منعقد نہیں ہو سکتا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۳ میں ہے: لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذا لا یجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط۔ یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ، مسلمہ اور کافرہ اصلیہ سے جائز نہیں، اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے، اور مرتد والدین کے لڑکے اور لڑکیاں اگر ان کے ساتھ رہتے سہتے ہیں اور قطع تعلق ان سے نہیں کئے ہیں تو اگرچہ ان کے خیالات نامعلوم جیسے ہوں ان سے رشتۂ نکاح پیدا کرنا جائز نہیں کہ اگر وہ مرتد نہیں تو کم از کم گمراہ ضرور ہیں اور گمراہ سے بھی مناکحت جائز نہیں، اور پھر ان کے خیالات نامعلوم کیسے ہوتے ہیں؟ لڑکی لڑکا دینے والے پہلے ان کا عقیدہ کیوں نہیں معلوم کرتے، خلاصہ یہ کہ جن کے والدین مرتد یا گمراہ ہوں اور ان کا والدین سے قطع تعلق نہ ہو تو ان کے عقد میں شریک ہونا اور ان کا نکاح پڑھانا جائز نہیں، اور جو امام کہ پیسے کی لالچ میں جائز ناجائز نہ دیکھے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کہ ایسا امام بے غسل و وضو بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ کسی کو بلا تحقیق وہابی، دیوبندی بنانے والے سخت گنہگار ہیں۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ رصفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از ریاست علی خاں چھاؤنی ضلع بستی۔

زید نے بذریعہ سول میرج کوٹ میں ایک عیسائی عورت سے شادی کی ہے زید کہتا ہے کہ میں اپنے مذہب اسلام پر قائم ہوں اور وہ اپنے مذہب عیسائیت پر قائم ہے تو ایسی عورت سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز زید سے اس کے گھر والوں کے اسلامی تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اسلامی قانون یہ ہے کہ جو کتابیہ عورت نیچری لامذہب نہ ہو بلکہ اپنے مذہب عیسائیت یا مذہب یہودیت پر قائم ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح ہو سکتا ہے لیکن مسلمانوں کو اس قسم کے نکاح سے قطعی پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اس میں بہت

ہے مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے عالمگیری جلد ثانی ص ۸ میں ہے: ویجوز للمسلمہ نکاح الکتابیۃ الحربیۃ والذمۃ حرۃ کانت اوامۃ صورت مسئولہ میں جس عیسائی عورت کا ذکر ہے اگر وہ نیچری اور لامذہب نہ ہو بلکہ اپنے دین عیسائیت پر قائم ہو اور زید نے اس کے ساتھ اسلامی قانون کے مطابق یعنی دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کے ساتھ نکاح کیا ہے تو یہ نکاح ہو گیا لہٰذا اگر زید کا سول میرج نکاح کی شکل میں ہوا ہے تو زید سے اور اس کے گھر والوں سے اسلامی تعلقات رکھنا جائز ہے واللہ ورسولہٗ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ: بدرالدین احمد الرضوی

مسئلہ: از مقبول احمد سوئٹر والے کالپی شریف ضلع جالون

عیسائیوں کی عورتوں سے مسلمان بغیر کلمہ پڑھائے ہوئے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: عیسائی عورت کو مسلمان کئے بغیر اس سے نکاح کرنا جائز ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۲۶۳ میں ہے: یجوز للمسلمہ نکاح الکتابیۃ الحربیۃ والذمیۃ حرۃ کانت اوامۃ کذا فی محیط السرخسی۔ لیکن عیسائی عورت سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے کہ اس میں بہت سے مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے فتاویٰ عالمگیری کے اسی صفحۂ مذکور پر ہے والاولی ان لایفعل ولاتوکل ذبیحتھم الاللضرورۃ کذا فی فتح القدیر' اور عیسائی عورت سے نکاح اسی وقت جائز ہے جبکہ اپنے اسی مذہب عیسائیت پر ہو اور اگر صرف نام کی عیسائی ہو اور حقیقت میں نیچری اور دہریہ ہو جیسے کہ آج کل کے عام عیسائیوں کا حال ہے تو ان سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ھٰذا ماعندی وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از حکیم عبدالغفور مکان نمبر ۲۰۳/۱۲ ۱۱ اعظم منزل تاڑپتری اننت پور

۱- زید کا تعلق ایک غیر مسلم عورت سے ہوا جو شادی شدہ اور ایک لڑکے کی ماں تھی زید نے اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے چند ذمہ دار مسلمانوں کے سامنے اسلام قبول کیا تو اس مجلس میں زید نے اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا جس سے اب تک سات بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ نکاح مذکور شرعاً صحیح ہوا یا نہیں؟

۲- جو لڑکا غیر مسلم کہ نطفہ سے ہے اپنی ماں کے ساتھ اسلامی طور وطریقہ سے رہتا ہے' اور مسلمان ہے اس کا نکاح کسی مسلمان لڑکی سے جائز ہے یا نہیں۔

۳- عورت مذکورہ کو بعد موت کے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) اگر شوہر والی کافرہ عورت مسلمان ہو جائے تو حکم ہے کہ اس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اسلام لے آئے تو عورت بدستور اس کی بیوی ہے اور اگر شوہر اسلام سے انکار کرے تو تین حیض کے بعد عورت دوسرے سے

نکاح کرسکتی ہے اس سے پہلے نکاح کرنا صحیح نہیں امام ابن ہمام فتح القدیر جلد سوم ص ۲۸۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ولید ابن مغیرہ کی صاحبزادی صفوان بن امیہ کے عقد میں تھیں جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئیں مگر ان کا شوہر صفوان بھاگ گیا مسلمان نہ ہوا تو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کی یہاں تک کہ صفوان بھی مسلمان ہو گئے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ کے مسلمان ہونے پر اس وقت تفریق کی جبکہ اس کے شوہر نے اسلام لانے سے انکار کر دیا جیسا کہ فتح القدیر کی اسی جلد اور اسی صفحہ پر ہے' اور بہار شریعت حصہ ہفتم بیان حرمت بالشرک صفحہ ۲۷ پر ہے: اگر عورت پہلے مسلمان ہوئی تو مرد پر اسلام پیش کریں اگر تین حیض آنے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو نکاح باقی ہے ورنہ بعد کو عورت جس سے چاہے نکاح کرے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کافر عورت مسلمان ہوئی تو اس وقت سے اسے تین حیض آنے سے پہلے اگر اس کا شوہر مسلمان ہو گیا تو وہ بدستور اس کی بیوی ہے۔ طلاق یا اس کی موت کے بغیر اس کی بیوی سے نکاح کرنا صحیح نہیں' اور اگر وہ مسلمان نہ ہوا تو تین حیض آنے کے بعد وہ کسی مسلمان سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کرسکتی ہے اگر تین حیض آنے سے پہلے نکاح کیا تو صحیح نہ ہوا مدت مذکور کے بعد دوبارہ نکاح کریں' اور نکاح صحیح نہ ہونے کے سبب جو گناہ ہوئے اس سے دونوں علانیہ توبہ واستغفار کریں۔

وھو اعلم

۲- وہ لڑکا جو غیر مسلم کے نطفہ سے ہے' اور مسلمان ہے اس کا نکاح مسلمان لڑکی سے جائز ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

۳- عورت مذکورہ جبکہ مسلمان ہو چکی ہے تو بعد موت اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے اگر اسے کافرہ کے طریقہ پر دفن کریں گے یا پھونکیں گے تو مسلمان سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ر شوال ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از مولوی شیر محمد معرفت عبد المنان۔ بلرام پور ضلع گونڈہ

مسمّٰی محمد حلیم انصاری نے ایک مشرکہ عورت کو مسلمان کر کے نکاح کر لیا برادری والوں نے عبد الحلیم سے سزا کے طور پر جرمانہ وصول کیا اور اسے توبہ کرائی تقریباً دو مہینے کے بعد معلوم ہوا کہ عبد الحلیم کی نومسلمہ منکوحہ کو نکاح سے قبل کا حمل ہے۔ برادری والوں نے قطع برادری کر دیا۔ صورت مسئولہ میں یہ نکاح صحیح ہوا کہ نہیں؟ اور عبد الحلیم کے یہاں کھانا اور اسے اپنے یہاں کھلانا حلال ہے یا حرام۔ نیز یہ کہ انھیں برادری سے علیحدہ کرنا چاہئے کہ نہیں؟

الجواب: کسی گنہگار کو صدقہ کرنے کی تلقین کرنا تو ضرور بہتر ہے لیکن سزا کے طور پر جرمانہ وصول کرنا حرام وناجائز ہے لان التعزیر بالمال منسوخ والعمل علی المنسوخ حرام۔ لہٰذا برادری والوں پر جرمانہ کی رقم واپس کرنا لازم ہے اگر نہیں واپس کریں گے تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے۔ اگر مشرکہ عورت شوہر والی تھی اور مسلمان ہو گئی تو حکم یہ ہے کہ اس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اگر تین حیض آنے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی ہے ورنہ بعد کو جس سے چاہے

نکاح کرے۔ ھٰکذا فی الجزء السابع من بھار شریعت علی ص ۲۷ اور درمختار میں ہے: لو اسلم احدھما لم تبن حتی تحیض ثلاثا اوتمضی ثلاثة اشھر قبل اسلام الاخر اھ۔ ملخصًا۔ اگر شوہر والی نہیں تو بعد اسلام فوراً نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ رہا حالت حمل میں نکاح تو ظاہر الروایۃ میں اگر حمل کا فر شوہر کا ہے تو نکاح جائز نہ ہوا عمدۃ الرعایہ میں ہے: لایجوز لھا النکاح وقبل وضع الحمل وذٰلك لان حملھا ثابت النسب فیومر فی منع النکاح احتیاطاً وھو ظاھر الروایة۔ اور اگر زنا کا حمل ہے تو نکاح منعقد ہو گیا۔ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم مطبوعہ پاکستان ص ۱۶۷ میں ہے: جو عورت معاذ اللہ زنا سے حاملہ ہو اس سے نکاح صحیح ہے خواہ اس زانی سے ہو یا اس کے غیر سے فرق اتنا ہے کہ زانی جس کا حمل ہے۔ وہ اس سے قربت کر سکتا ہے اور غیر زانی اگر نکاح کرے تو وضع حمل تک قربت ہی نہیں کر سکتا۔ لئلا یسقی ماء ہ زرع غیرہ وھٰکذا فی الجزء السابع من بھار شریعت علیٰ ص ۱۹ اگر محمد حلیم عورت مذکورہ کو جائز صورت کے ساتھ رکھے ہوئے ہے تو اس کے ساتھ کھانے پینے کے تعلقات رکھنا بلاشبہ جائز ہے اور برادری سے علیحدہ کرنا جائز نہیں اور اگر ناجائز صورت کے ساتھ رکھے ہوئے ہے تو اس کا بائیکاٹ کرنا لازم ہے۔ وھو تعالٰی بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

مسئولہ: از قاسم علی ساکن بنہرا پوسٹ کپتان گنج ضلع بستی

سوال: زید نے ایک مشرکہ کو رکھ لیا اب معلوم نہیں کہ اس کو مسلمان کر کے عقد کیا یا یونہی بغیر عقد کے رکھا کچھ دنوں کے بعد اس عورت کے شکم سے چار اولادیں تولد ہوئیں جن میں دو مذکر ہیں اور دو مؤنث ہیں۔ ان دونوں لڑکیوں کی شادی مسلمان کے گھر ہوئی۔ اب دونوں لڑکیوں سے جو نسل چل رہی ہے کیا ان سے شادی بیاہ کرنا جائز ہے یا نہیں کہ جب ان لڑکیوں سے جو نسل چلی ہے مسلمان کے نطفہ سے ہے ہمارے برادری کے لوگوں نے ہم کو برادری سے الگ کر دیا ہے کہتے ہیں تم نے مشرکہ (چمائن) کی لڑکی سے رشتہ جوڑ لیا (نتنی) اس لئے ہم لوگ تمہارے یہاں نہیں کھائیں گے۔ صورت مستفسرہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی مسلمان کے نطفہ سے ہے ہاں اس کے دوسری پشت میں اس کی جدۂ فاسدہ (نانی) ضرور چمائن تھی جس کے لئے معلوم نہیں کہ اسلام لائی تھی یا نہیں؟ اب جبکہ ہم نے رشتہ کر لیا ہے تو کیا شرعاً ہم پر کچھ سزا واقع ہوتی ہے؟ اگر شرعاً کوئی جرم واقع ہوتا ہو تو مطلع فرمائیں گے یا اگر کوئی سزا کے مستحق نہ ہوں تو ان لوگوں کے لئے اسلام کے اندر کیا قانون ہے۔ جن لوگوں نے ہم کو برادری سے الگ کر دیا ہے جیسا حکم شرع ہو مطلع فرما کر عند اللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

جواب: صورت مستفسرہ میں جبکہ لڑکی مسلمان ہے تو اس کی نانی کا چمائن ہونا مضر نہیں اس سے نکاح کرنا بلاشبہ جائز ہے نکاح کرنے والوں پر کوئی جرم نہیں۔ اس بنیاد پر جن لوگوں نے بائیکاٹ کیا ہے وہ غلطی پر ہیں ان پر لازم ہے کہ حکم شرع معلوم ہونے کے بعد بائیکاٹ ختم کر دیں ورنہ سخت گنہگار، مستحق عذاب نار ہوں گے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۰؍رجب المرجب ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از محمد صدیق ماسٹر محلہ دیو پور گلی نمبر ۵ دھولیا (مہاراشٹر)
یہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی جو قریب البلوغ ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں ان دونوں سے زنا کاری کا فعل سرزد ہو گیا ہے اور بات مشتہر ہو گئی۔ واقعہ کے فیصلہ کے لئے محلہ کے لوگوں کی پنچایت بیٹھی۔ فیصلہ یہی ہوا کہ ان دونوں کا آپس میں نکاح کر دیا جائے۔ لڑکے کے سرپرستوں نے اس کو منظور نہیں کیا۔ دوسری نشست میں بھی اس فیصلہ کو منظور نہیں کیا۔ تیسری نشست میں لڑکے کے سرپرستوں کو جماعت سے نکال دیا گیا مطلب یہ ہے کہ برادری سے قطع کر دیا یہ واقعہ محرم ۱۳۹۹ھ کے دوسرے نصف کا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔
(۱) زانی اور زانیہ کا آپس میں نکاح ہونا ہی ضروری ہے شرعی احکام سے نوازیں (اگرچہ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ ایسی گنہگار لڑکی یا عورت کی شادی دوسری جگہ ہونے میں مشکل پیش آتی ہے) پھر بھی شرعی حکم معلوم ہو جائے تو بہتر ہے۔
(۲) جماعت سے نکال دینے کی ذلت آمیز سزا کی کوئی میعاد بھی ہونی چاہئے یا نہیں یا غیر معینہ مدت تک ایسا کیا جا سکتا ہے؟
(۳) یا ایسی سزا غیر مختتم میعاد کی ہوتی ہے؟
عرض یہ ہے کہ واقعہ سے متعلق سوالات کے جوابات کی زحمت فرمائیں نیز جو گوشے میری نگاہ سے اوجھل ہیں ان سے بھی آگاہی فرمائیں بے حد ممنون ہوں گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب خدا تعالیٰ نے زانی اور زانیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یعنی جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ (پ ۱۸ ر کوع ۷) اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: البکر بالبکر جلد مائۃ (رواہ مسلم)۔ یعنی کنواری عورت کے کنوارے مرد سے زنا کرنے کی سزا سو درے ہیں۔ (مسلم مشکوٰۃ ص ۳۰۹) اسی حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ الباری تحریر فرماتے ہیں: ای ضرب مائۃ جلدۃ لکل واحد منھما یعنی کنواری عورت اور کنوارے مرد دونوں کو سو سو کوڑے مارے جائیں (مرقاۃ جلد چہارم ص ۶۳) مگر قرآن و حدیث کا یہ حکم بادشاہ اسلام کے ساتھ خاص ہے۔ اگر بادشاہ اسلام نہ ہو تو دوسرے لوگوں کو شرعی حد قائم کرنے کا اختیار نہیں۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر جلد ششم ص ۲۵۶ میں فرماتے ہیں: اذا

نقد الامام فلیس لاحاد الناس اقامة هذه الحدود بل الاولیٰ ان یعینوا واحدا من الصالحین لیقوم به۔ یعنی بادشاہ اسلام نہ ہوتو حدود شرعیہ قائم کرنا لوگوں کو جائز نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی نیک آدمی کو مقرر کریں جو حدود شرعیہ کو قائم کرے۔ لہٰذا اگر ممکن ہوتو اس طرح دونوں پر شرعی حد قائم کی جائے' اور اگر اس طرح بھی شرعی حد قائم کرنا ممکن نہ ہوتو کم از کم زانی اور زانیہ اور ان کے ہر حمایتی کا بائیکاٹ کیا جائے قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ○ (پ ۷، رکوع ۱۴) اس آیت کریمہ کے تحت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ان القوم الظلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلهم ممتنع اھ۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۲۵۵) لہٰذا پنچایت پر لازم ہے کہ زنا جیسے گناہ عظیم میں مبتلا ہونے والوں کا بائیکاٹ کریں خصوصاً عورت کا۔ اس لئے کہ اس گناہ کبیرہ کی زیادہ ذمہ دار عورت ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے زنا کی حد بیان کرنے میں پہلا الزانیۃ اور بعد میں الزانی فرمایا حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ میں لفظ الزانیۃ کے مقدم ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: فی باب الزناء المرأة کاملة لانها لولم تمکن الرجل علیها لم یتمکن علیها هٰکذا فی المدارك (تفسیرات احمدیہ ص ۲۴۴) اور اسی تفسیر کے صفحہ ۳۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں: المرأة الیق فی الزنا اذهی المادة التی لولم تطمع الرجال لما مکنهم ذٰلك اھ اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: المرأة هی المادة فی الزنا (تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۲۶۰) اسی طرح دیگر مفسرین کرام وفقہائے عظام نے زنا کی زیادہ ذمہ دار عورت ہی کو ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا پنچایت اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے یعنی زنا کی ذمہ دار زیادہ عورت کو ٹھہرائے اور اس گناہ عظیم کے سبب دونوں کا بائیکاٹ کرے کیونکہ عورت کے سرپرستوں نے اسے آزاد رکھا، بے پردہ باہر نکلنے سے نہ روکا اور غیر محرم کی مخالفت سے منع نہ کیا تو وہ بھی سخت گنہگار ہیں ان سب کا بائیکاٹ کیا جائے' اور مرد کے سرپرستوں کو اس کی غلط روی کا علم نہ تھا یا علم تھا مگر اسے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تو وہ بری الذمہ ہیں قال اللّٰہ تعالیٰ: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتی (پ ۲۷ سورۃ النجم) اور اگر علم ہوتے ہوئے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش نہ کی تو وہ بھی سخت گنہگار مستحق سزا ہیں قال اللّٰہ تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا یعنی اے ایمان والو اپنے آپ کو اپنے اہل کو جہنم سے بچاؤ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۹)۔ وهو تعالیٰ اعلم والیه المرجع والمآب۔

(۱) زانی اور زانیہ کا آپس میں نکاح ہونا از روئے شرع ضروری نہیں لیکن صورت مستفسرہ میں زانی اگر زانیہ کے ساتھ نکاح کرلے تو بہتر ہے بشرطیکہ ان میں سے کوئی گمراہ و بدمذہب نہ ہو کہ ان سے مناکحت جائز نہیں۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

(۲،۳) جماعت سے نکال دینے کی ذلت آمیز سزا کی میعاد یہ ہے کہ جس گناہ کے سبب بائیکاٹ کیا گیا ہو اگر وہ گناہ مشتہر ہو گیا تو جب تک کہ اس سے علانیہ توبہ واستغفار نہ کرے اور اپنے گناہ پر نادم و شرمندہ نہ ہو اس کا بائیکاٹ کیا جائے جیسے کہ صورت مسئولہ میں تاوقتیکہ زانی، زانیہ اور ہر وہ شخص جو اس گناہ میں ماخوذ ہے علانیہ توبہ و استغفار نہ کرے اس کا بائیکاٹ رکھا جائے۔

هٰذا ما ظهرلی والعلم عند الباری

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳؍ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد عمر صدیقی مقام پھلواپور ضلع بستی

خالد کی لڑکی ھندہ سے زنا کا بچہ پیدا ہوا چار چھ ماہ گزرنے کے بعد گاؤں والوں نے ھندہ پر سختی کی تو اس نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور توبہ کی کہ ہم سے غلطی ہوئی اب میں ایسا نہیں کروں گی۔ کل دن میں خلوت میں زانی وزانیہ کو بات کرنے کی وجہ سے گاؤں والوں نے اسے (ھندہ) کافی مارا پیٹا۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس پر سو درے لگائے جاتے اس وجہ سے مار پیٹ کر چھوڑ دیا۔ مارنے پیٹنے کے بعد جب اس کی حالت ٹھیک ہوئی تو اس نے اپنے باپ خالد سے کہا کہ میرا نکاح دوسرے شخص سے کردو اب اس کا باپ خالد بکر کے پاس آیا (بکر ایک عالم دین اور گاؤں کا امام ہے) اور کہا کہ میری لڑکی کو توبہ کرا کے نکاح پڑھ دیجئے بکر کو ایک عالم اور امام کی وجہ سے گاؤں والے کھانا بھی کھلا رہے ہیں امام ھندہ کے یہاں پہلے کھانا کھا رہا تھا لیکن بچہ پیدا ہونے کے سال بھر کے پہلے سے اسے کھانا پینا بند کئے ہوا ہے۔ جب نکاح کے لئے اس کے باپ نے کہا تو امام نے قبول توبہ کے لئے میلاد شریف سننے اور فقیر کو کھانا کھلانے کی تلقین کی تو اس نے میلاد شریف سنا فقیروں کو کھانا کھلایا اس کے بعد بکر جو امام ہے اس نے ہندہ کو توبہ کرا کے نکاح پڑھ دیا...... تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ کفارہ کے بغیر ہندہ کا دوسرا نکاح پڑھنا کیسا ہے؟ اور امام صاحب پر شرعاً کوئی جرم عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں کفارہ کے بغیر ھندہ کا دوسرا نکاح پڑھنا جائز ہے امام پر شرعاً کوئی جرم نہیں اس لئے کہ زانی اور زانیہ کے لئے شرع نے کوئی کفارہ نہیں مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو زانی اور زانیہ کو یا تو سنگسار کیا جاتا یا سو کوڑے مارے جاتے موجودہ صورت حال میں وہی حکم ہے جو امام نے کیا یعنی اس کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے اور انھیں نماز وغیرہ احکام شرعیہ پر عمل کی تاکید کی جائے نیز فقیروں کو کھانا کھلانے اور میلاد شریف وغیرہ کرنے کی تلقین کی جائے کہ نیک اعمال قبول توبہ میں معاون ہوتے ہیں۔ قرآن مجید پارہ ۱۹؍رکوع ۴؍میں ہے: مَنْ تَابَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ. اھ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵؍ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از ماسٹر عباس علی مہتمم مدرسہ برکاتیہ سراج العلوم ساکن مغلہا ضلع گورکھپور

ہندہ غیر مسلمہ مسلمان ہو کر بکر کے ساتھ عقد میں آئی ھندہ اور بکر نے قریب دو سال تک عیش کی زندگی گزارے ہندہ بکر سے بدظن ہو کر زید کے ساتھ نامعلوم جگہ پر بھاگ گئی قریب قریب پانچ سال تک ہندہ زید کے ساتھ رہی زید سے ایک بچہ بھی ہوا جو تقریباً تین سال کا ہو گا کچھ ہی مدت ہوئی زید کا انتقال ہو گیا اور ہندہ اپنے اصلی شوہر بکر کے گھر واپس آ گئی لیکن بکر کی

برادری والے ہندہ کو بکر کے پاس رہنے سے روکتے ہیں لہٰذا اب مسئلہ دریافت طلب ہے کہ بکر ہندہ کو اپنے ساتھ رکھے تو ہندہ یا بکر پر کفارہ کیا لازم ہے؟

الجواب: اس کے بارے میں شرع نے کوئی کفارہ نہیں مقرر کیا ہے ہاں اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ہندہ کو زید کے ساتھ چار پانچ سال رہنے کے سبب سخت سزا دی جاتی موجودہ صورت حال میں ہندہ کو بکر کے ساتھ رہنے سے روکنا غلط ہے کہ وہ اب بھی بکر کی بیوی ہے اس کو بکر کے ساتھ رہنے دیا جائے اور اس سے علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے اور قرآن خوانی کرنے، میلاد شریف سننے اور غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے کی تلقین کی جائے کہ اس قسم کی چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: مَنْ تَابَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ر شوال المکرم ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از شمشیر احمد باربر پوسٹ ومقام مسکنواں بازار ضلع گونڈہ۔

ایک بیوہ عورت تھی اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا کافی عرصہ ہو گیا اس عورت کا کوئی سہارا نہیں تھا مزدوری کرتی تھی پھر بھی پریشان تھی اس نے اپنی زندگی گزارنے کے لئے ایک شخص سے محبت کر لی اور نکاح کر لیا نکاح سے پہلے عورت سے غلط کام اسی مرد سے ہو گیا تھا جس سے نکاح کر لیا ہے نکاح کے بعد حمل ظاہر ہوا تو اس پر کیا کرنا چاہئے آپ جیسا جواب میں لکھ کر ہمارے پاس بھیجیں گے ویسا کروں گا نکاح جائز ہے کہ نہیں یا پھر سے کرنا چاہئے؟ دو ماہ بعد حمل اپنے آپ گر گیا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر واقعی عدت گزرانے کے بعد حمل ہوا اور حالت حمل میں نکاح ہوا تو صحیح ہو گیا نکاح کی دوبارہ ضرورت نہیں البتہ نکاح سے پہلے اس عورت اور جس مرد کے درمیان غلط کام ہوا وہ دونوں سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے ان دونوں کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور دونوں کو پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے اور قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے غربا ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی ان لوگوں کو تلقین کی جائے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از رحمت اللہ سبزی فروش پوسٹ ومقام چوکھڑا ضلع بستی

زید نے ایک چار سالہ بیوہ سے نکاح کر لیا بعد نکاح تقریباً دس روز پر یہ معلوم ہوا کہ منکوحہ کو تقریباً چار ماہ کا حمل ہے تو اس صورت میں زید کا نکاح درست ہوا کہ نہیں؟ اگر نکاح درست ہے تو شریعت مطہرہ میں منکوحہ کے لئے کیا حکم ہے؟ زید اس ایام

حمل میں طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟ زید پر عدت کا خرچہ اور مہر دین واجب ہے یا نہیں؟ اگر زید کا نکاح نہیں ہوا تو جو لوگ اسے جائز قرار دیتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر عقد کے وقت حاملہ عورت کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں تھی تو زید کے ساتھ نکاح صحیح ہو گیا پھر اگر ناجائز حمل زید ہی سے ہے تو زید کا اس سے ہمبستری کرنا حالت حمل میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ زید ایام حمل میں طلاق دے سکتا ہے اور ایسی عورت کو اگر خلوت صحیحہ یا ہمبستری کے بعد طلاق دی تو پورے مہر کے ساتھ عدت کے زمانہ کا نان ونفقہ بھی واجب ہوگا، اور اگر خلوت صحیحہ وہمبستری سے پہلے طلاق دی تو صرف مقررہ مہر کا نصف واجب ہوگا فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل میں ہے: فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأة قدزنی هو بها وظهربها حبل فالنكاح جائز عند الكل وله ان يطأها عند الكل كذا في الذخيرة' اور پارہ دوم رکوع ۱۵ میں ہے: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ' اور عورت مذکور اپنے گناہ سے علانیہ توبہ واستغفار کرے۔ هٰذا ما عندی. وهو تعالٰی اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ رذوالقعدہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از سلامت علی جملا پور۔ ضلع گونڈہ (یو۔پی)

ہندہ نے خالد کے ساتھ نکاح کیا خالد نے اسے طلاق دے دی اس کے بعد زید سے نکاح کیا زید مر گیا بعدہ بغیر نکاح کئے ہندہ بکر کے ساتھ رہنے لگی اور اس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا۔ اب ہندہ بکر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی ہے بلکہ بکر سے اس نے قطع تعلق کر لیا ہے، اور دوسرا شوہر تلاش کر رہی ہے۔ آیا ہندہ دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے؟ نیز ہندہ کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ پہلے شوہر نے طلاق دے دی اور دوسرا شوہر مر گیا اور اب وہ کسی کے نکاح میں نہیں ہے تو بکر کے ساتھ بغیر نکاح رہنے سے گناہ ہوا ہندہ کو اس سے علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے، نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے، میلاد شریف اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے، غربا ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے، اور اسے تیسرا نکاح کرنے سے روکا نہ جائے کہ جب اس نے بکر کے ساتھ نکاح نہیں کیا ہے تو وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، اور اگر ثابت ہو کہ بکر سے نکاح کر چکی ہے تو اس سے طلاق حاصل کرنے اور عدت گزارنے سے پہلے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ هو تعالٰی اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ رصفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از حافظ محمد حنیف پکروہ ضلع بستی۔

زانیہ عورت جبکہ حاملہ ہو تو اس کا نکاح کسی مرد سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: زانیہ حاملہ اگر کسی کے نکاح اور عدت میں نہ ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ پھر اگر کسی شخص نے نکاح کیا کہ جس کا وہ حمل ہے تو بعد نکاح حالت حمل میں وہ مرد اس سے ہمبستری بھی کرسکتا ہے ورنہ نہیں درمختار فصل فی المحرمات میں ہے: صح نکاح حبلی من زنا لاحبلی من غیر الزنا لثبوت نسبه وان حرم وطؤها حتی تضعها ولو نکح الزانی حل له وطؤها اتفاقا اھ ملخصًا اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۶۲ میں ہے: قال ابوحنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا ولایطأها حتی تضع وقال ابویوسف رحمه الله تعالیٰ لایصح والفتویٰ علیٰ قولهما کذا فی المحیط وکما لایباح وطأها لاتباح دواعیه کذا فی فتح القدیر۔ وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قدزنی هو بها وظهر بها حبل فالنکاح جائز عند الکل وله ان یطأها عند الکل وتستحق النفقة عند الکل کذا فی الذخیرۃ۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: زید نے ھندہ سے نکاح کیا ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس درمیان میں زید کے بڑے بھائی نے وفات پائی زید نے عدت گزرنے کے بعد اپنی بھاوج سے نکاح کیا پھر زید کی پہلی بیوی ھندہ کی رخصتی ہوئی۔ لیکن دونوں عورتوں میں جھگڑا رہنے کے باعث زید نے اپنی بھاوج کو طلاق دے دی بعدہٗ ھندہ کا انتقال ہوگیا عرصہ چار سال کا ہو رہا ہے پھر زید نے اپنی بھاوج سے تعلق پیدا کرلیا ہے جس سے بھاوج کو حمل ٹھہر گیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زمانہ حمل میں زید کا دوبارہ نکاح اس کی بھاوج سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر زید نے اپنی بھاوج کو طلاق مغلظہ یعنی تین طلاقیں دی ہیں تو اس زید کا نکاح اپنی مذکورہ بھاوج سے بغیر حلالہ درست نہیں اور اگر زید نے اپنی بھاوج کو ایک طلاق یا دو طلاق دی ہے تو اس کا نکاح اپنی بھاوج سے زمانہ حمل میں بھی درست ہے' اور بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی درست ہے لیکن جب زمانہ حمل میں نکاح ہو تو اگر وہ حمل زید ہی کا ہو تب تو زید اپنی بھاوج سے ہمبستری کرسکتا ہے' اور اگر وہ حمل کسی دوسرے کا ہے تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنی بھاوج سے ہمبستری نہیں کرسکتا اور اگر پتہ نہ چلے کہ حمل کس کا ہے تو اس صورت میں بھی تا پیدائش حمل ہمبستری سے پرہیز کرنا پڑے گا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: رحیم الدین احمد رضوی

مسئلہ: از محمد اسلام الدین مدرسہ عربیہ انوار العلوم اُسکا بازار۔ ضلع بستی

ایک لڑکی کا نکاح ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نکاح حالت حمل میں ہوا تو ایسی صورت میں وہ نکاح شرعاً ہوا یا نہیں؟ نیز نکاح

خواں پر کیا حکم عائد ہوگا؟

الجواب: جس لڑکی کا نکاح ہونا حالت حمل میں بتایا جاتا ہے اگر وہ لڑکی بوقت نکاح کسی کے نکاح یا عدت میں تھی تو اس کا نکاح جائز نہ ہوا۔ اس صورت میں نکاح خواں اس عقد کے جائز ہونے کا اعلان کرے اور جان بوجھ کر ایسا نکاح پڑھایا تو علانیہ توبہ واستغفار کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے' اور اگر لڑکی بوقت نکاح کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں تھی تو اگرچہ لڑکی حاملہ تھی اس کا نکاح ہوگیا' مگر اس صورت میں جس کے ساتھ نکاح ہوا اگر اسی کا حمل ہے تو وضع حمل سے پہلے اس سے وطی بھی کر سکتا ہے' اور اگر دوسرے کا حمل ہے تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے شوہر کا اس سے ہمبستری کرنا جائز نہیں۔ هٰکذا فی الکتب الفقهة۔ وهو تعالیٰ ورسولهٗ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از کلو مقام اُسکا بازار ضلع بستی۔

تجمل حسین نے اپنی بیوی عزیز النساء کو حالت حمل میں طلاق دے دی تو عزیز النساء کچھ دنوں میکہ میں رہ کر ایک دوسرے شخص کے پاس چلی گئی۔ وہیں اس کو بچہ پیدا ہوا۔ پھر جب دوسرا حمل ہوا تو اسی شخص مذکور کے ساتھ عزیز النساء نے نکاح کر لیا۔ اب عزیز النساء پھر تجمل حسین کے پاس رہنا چاہتی ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا بالدلیل۔

الجواب: تجمل حسین نے جو حالت حمل میں عزیز النساء کو طلاق دی وہ واقع ہوگئی اور بچہ پیدا ہونے پر اس کی عدت بھی ختم ہوگئی۔ کما قال اللّٰه تعالیٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۷) لہٰذا ناجائز حمل ہونے کی صورت میں اس نے جو دوسرے شخص سے نکاح کیا وہ صحیح ہوگیا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۲۶۲ میں ہے: فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأة قد زنیٰ هو بها وظهر بها حمل فالنکاح جائز عندالکل وله ان یطأها عند الکل کذا فی الذخیرة۔ لہٰذا اب عزیز النساء دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر شوہر اوّل کے پاس ہرگز نہیں رہ سکتی۔ اگر شوہر ثانی سے طلاق حاصل کئے بغیر تجمل حسین عزیز النساء کو رکھے تو سب مسلمان ان دونوں کا بائیکاٹ کریں۔ قال اللّٰه تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ○ (پارہ ہفتم ع ۱۴) هٰذا ما ظهرلی والعلم عنداللّٰه تعالیٰ ورسولهٗ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حافظ عبدالوحید سبحانی مدرسہ سبحانیہ فرنیدہ بزرگ۔ سیتارام پور گرنٹ۔ ضلع گونڈہ

ہندہ کی شادی ہوئی رخصتی سے پہلے ہندہ کو شوہر نے طلاق دے دی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔ ہندہ اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں رہنے لگی۔ چار پانچ ماہ کے بعد ہندہ کا تعلق ایک غیر آدمی سے ہوگیا اور ہندہ حاملہ ہوگئی۔ جب گاؤں والوں نے یہ معاملہ

دیکھا تو ہندہ سے پوچھا کہ یہ حمل کس کا ہے۔ ہندہ نے پورے گاؤں والوں کے سامنے ایک مولوی صاحب کو بتایا کہ انھیں کا ہے۔ پھر گاؤں والوں نے مولوی صاحب سے پوچھا تو انھوں نے اقرار کرلیا۔ تب گاؤں والوں نے کہا کہ آپ اسی وقت نکاح پڑھوالیں اور یہاں سے اسے لے جائیں۔ فوراً ایک مولوی صاحب نے نکاح پڑھ دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو پڑھنے اور پڑھوانے والوں کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایسی حاملہ عورت کہ جو کسی کے نکاح اور عدت میں نہ ہو اس سے نکاح کرنا جائز ہے پھر اگر حمل اسی شخص کا ہو کہ جس سے نکاح ہوا تو وہ بعد نکاح اس سے ہمبستری بھی کرسکتا ہے ورنہ نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۲ میں ہے: فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأة قدزنیٰ هوبها وظهر بها حبل فالنكاح جائز عندالكل وله ان يطأها عند الكل كذا فی الذخيرة' اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۲۹۱ میں ہے: صح النكاح حبلیٰ من زنا لا من غيره وان حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع ولونكح الزانی حل له وطؤها اتفاقا اھ ملخصًا۔ لہٰذا اگر ہندہ بوقت حمل کسی کے نکاح اور عدت میں نہ تھی تو حالت حمل میں مولوی کا اس سے نکاح کرنا جائز ہے' اور جبکہ حمل مذکور مولوی کا بتاتی ہے' اور مولوی کو اس کا اقرار بھی ہے تو وہ بعد نکاح اس سے ہمبستری بھی کرسکتا ہے۔ هٰذا ماعندی وهو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۶ ر ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از زیارت علی موضع چتیوا۔ ضلع بستی۔

ایک بیوہ عورت کو عدت گزرنے کے کئی ماہ بعد ناجائز حمل ہوگیا تو اس حاملہ عورت کا حالت حمل میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت مذکور کا حالت حمل میں نکاح کرنا جائز ہے لیکن جس مرد کا جائز حمل ہے اگر اسی کے ساتھ نکاح کیا تو وہ حالت حمل میں ہمبستری بھی کرسکتا ہے' اور اگر دوسرے کے ساتھ نکاح کیا تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے عورت مذکور کے ساتھ ہمبستری کرنا جائز نہیں۔ هٰكذا فی الكتب الفقهة۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲۴ ر ربیع الآخری ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از مجید اللہ ساکن رمواپور پوسٹ کپتان گنج۔ ضلع بستی

زید کی بیوی ہندہ کو بکر سے ناجائز تعلق ہوگیا پھر کچھ دنوں کے بعد ہندہ کو حمل ظاہر ہوا تو زید نے ہندہ کو طلاق دے دی اور

حالت حمل میں خالد نے بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح پڑھ دیا' تو ہندہ پر حالت حمل میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی تو اس کی عدت کیا ہے؟ اور بکر کے ساتھ حالت حمل میں کیا ہوا نکاح منعقد ہوا کہ نہیں؟ اگر نہیں تو نکاح خواں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: ہندہ پر حالت حمل میں طلاق واقع ہوگئی۔ اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ پارہ ۲۸ر سورۂ طلاق میں ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور بکر کے ساتھ حالت حمل میں کیا ہوا نکاح ہرگز جائز نہ ہوا۔ نکاح خواں پر علانیہ واستغفار کرنا اور نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان کرنا لازم ہے۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ر جمادی الاولٰی ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از حسان علی سبحانی ڈاکخانہ کوٹ خاص وایا بھنان ضلع بستی

(۱) زید کی بیوی کا جس وقت نکاح ہوا اس وقت اس کے پیٹ میں بچہ تھا اور جس سے نکاح ہوا اسی کا تھا تو نکاح ہوا یا نہیں؟ اور شوہر کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) ایک عورت دو مرد رکھ سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی عورت ایسا کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) زید کی بیوی سے اس کے بھائی نے ہمبستری کی تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) عورت مذکورہ کا جس وقت نکاح ہوا اگر اس وقت وہ کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں تھی تو اس کا نکاح ہو گیا اگرچہ اس کے پیٹ میں بچہ تھا پھر اگر نکاح اسی شخص سے ہوا کہ جس کا حمل تھا تو وہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے اس عورت سے ہمبستری کر سکتا ہے ورنہ نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۲ میں ہے: قال ابو حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالٰی یجوز ان یتزوج امرأة حاملًا من الزنا ولایطأها حتی تضع وقال ابویوسف رحمة الله تعالٰی لایصح الفتوی علٰی قولهما کذا فی المحیط و فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأة قدزنی هو بها وظهربها حبل فالنکاح جائز عندالکل وله ان یطأها عند الکل کذا فی الذخیرة۔ اھ۔ ملخصًا۔ عورت اور مرد دونوں اپنے گناہوں کے سبب علانیہ توبہ واستغفار کریں۔ وھو تعالٰی اعلم

(۲) ایک عورت کا دو مرد رکھنا حرام حرام اشد حرام ہے۔ اگر کوئی عورت ایسا کرے تو سب مسلمان اس عورت اور ان دو مردوں کا بائیکاٹ کریں۔ قال الله تعالٰی: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ٥ (پ۷ع۱۴)۔ وھو تعالٰی اعلم

(۳) زید کی بیوی سے اگر واقعی اس کے بھائی نے ہمبستری کی ہے تو حکومت اسلامیہ ہونے کی صورت میں انھیں سخت سزا دی جاتی۔ موجودہ حال میں یہ حکم ہے کہ ان دونوں کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور نماز کو پابندی کے ساتھ پڑھنے کی تاکید کی

جائے اور قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے اور غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ○ (پ۱۹ع۴). وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸؍ذی القعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد حوصل خاں موضع برگدوا رام سہائے پوسٹ پورندر پور ضلع گورکھپور

زید کی بیوی کے دو بچے تھے زید نے ہندہ کو بغیر طلاق دیئے اس کے میکے میں پانچ سال تک چھوڑ دیا اور کہا کہ ہم ایک بار اٹھارہ سو روپیہ لیں گے تو طلاق دیں گے اب ہندہ رقم مذکور کے ادا کرنے پر قادر نہیں تھی تو بغیر شوہر اوّل سے طلاق حاصل کئے اس نے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرلیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا عقد شوہر ثانی سے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر شوہر ثانی سے اس کا عقد درست نہیں تو اس کا گزراوقات کیسے ہو؟

الجواب: شوہر اوّل سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے شخص سے نکاح ہرگز جائز نہ ہوا۔ جس نے نکاح پڑھا ہے اس پر لازم ہے کہ اس نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے، علانیہ توبہ واستغفار کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور اگر ان دونوں نے آپس میں میاں بیوی جیسا تعلق رکھا تو وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے۔ ان دونوں پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور علانیہ توبہ واستغفار کریں اگر وہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○ (پ۷ع۱۴) جس طرح بھی ہو سکے ہندہ شوہر اوّل سے طلاق حاصل کرے اس کے بعد عدت گزار کر کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو گاؤں کی پنچایت اور مقامی حکام کے دباؤ سے جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کرے۔ اگر بغیر روپیہ کے طلاق نہ دے اور عورت روپیہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو جو شخص اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہے وہ روپیہ ادا کرے۔ بہرحال شوہر ثانی سے اس وقت تک نکاح نہیں ہوسکتا جب تک کہ شوہر اوّل طلاق نہ دے یا مر نہ جائے۔ رہا سوال اس عورت کے گزراوقات کا تو اگر اس کا شوہر لنج ہو جاتا یا کسی دوسرے مرض میں ایسا گرفتار ہو جاتا کہ عورت کا نان ونفقہ وغیرہ نہ ادا کر پاتا تو اس صورت میں عورت جو کرتی وہی طلاق نہ دینے کی صورت میں بدرجۂ مجبوری کرے محنت ومزدوری کر کے گزراوقات کرے اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈرے اور حرام کاری سے باز آئے۔ وھو تعالیٰ ورسولہٗ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از حافظ شہاب الدین صاحب موضع پٹھانہ جوت پوسٹ مہراج گنج۔ گونڈہ

زید نے ہندہ منکوحہ کا نکاح بغیر طلاق کے خالد کے ساتھ کر دیا اور نکاح مذکور پر اکتفا کرلیا۔ حالانکہ ہندہ کے شوہر اوّل نے

اسے ابھی تک طلاق نہیں دی ہے۔ ایسی صورت میں زید قاضی اور ہندہ کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟

الجواب: ہندہ منکوحہ کا عقد جو خالد کے ساتھ بغیر طلاق کیا گیا وہ حرام حرام اشد حرام ہے۔ قال اللّٰہ تعالٰی: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ یعنی شوہر والی عورتیں حرام ہیں۔ (پ۵ ع۱) لہٰذا ھندہ اور خالد پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں، اور زید قاضی نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور یہ سب علانیہ توبہ و استغفار کریں۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللّٰہ تعالٰی: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ (پ۷ ع۱۴) وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔......

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۸؍ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد حنیف۔ لہرا بازار گورکھپور۔

بکر کی بیوی سلمہ عرصہ تین سال سے میکے میں بیٹھی ہے۔ بکر سلمہ کو اپنے یہاں لے جانا نہیں چاہتا ہے، اور طلاق بھی نہیں دے رہا ہے۔ والدین سلمہ کے نان و نفقہ کے کفیل نہیں بن سکتے۔ لہٰذا ایسی صورت میں سلمہ دوسرا عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟ شریعت کے رو سے آگاہ فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب: بکر اگر سلمہ کو پریشان کرنا چاہتا ہے نہ اسے طلاق دیتا ہے، اور نہ لے جاتا ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اسے طلاق دینے یا لے جانے پر مجبور کریں۔ اگر وہ نہ مانے اور کوئی وجہ معقول بھی نہ بیان کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں، اور سلمہ بہرصورت طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۷؍ جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از شعبان علی گورڈیہہ بازار ضلع بستی۔

ہندہ کا عقد بکر سے ہوا اور ایک عرصہ تک ہندہ بکر کے ساتھ رہی اس کے بعد بکر نے ہندہ کو طلاق دے دی۔ بکر کے طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے سے پہلے ہندہ سے زید نے نکاح کر لیا چند ماہ ہندہ زید کے پاس رہی۔ پھر ہندہ بغیر زید کے طلاق دیئے ہوئے ایک کافر غیر مسلم کے یہاں جا کر رہنے لگی تقریباً ۱۵ یوم اس کافر کے ساتھ رہنے کے بعد اب ایک مسلمان کے یہاں آ گئی ہے، اور ہندہ نے اس کافر کے یہاں کوئی کفری کام نہیں کیا ہے، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح اس مسلمان سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر زید نے یہ جانتے ہوئے کہ ہندہ ابھی عدت میں ہے اس سے نکاح کیا تو وہ عقد باطل ہے لہٰذا اس

صورت میں بکر کے طلاق دینے کے بعد سے اگر ہندہ کو تین حیض آگئے یا حمل تھا اور بچہ پیدا ہو گیا تو اب مسلمان مذکور سے اس کا نکاح جائز ہے' اور اگر لاعلمی میں زید نے عدت گزرنے سے پہلے ہندہ سے نکاح کیا تو عقد فاسد ہوا۔ اس صورت میں اگر زید نے عقد کے بعد اس سے ہمبستری کی تو جس روز وہ زید سے الگ ہوئی اس وقت سے عدت گزرنے کے بعد مسلمان مذکور سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے کہ نکاح فاسد کے لئے بھی تفریق یا متارکہ کے بعد عدت لازم ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۳۸۱ پر نکاح فاسد کے احکام میں ہے: تجب العدة بعد الوطئى لاالخلوة من وقت التفريق اومتاركة الزوج اھ ملخصًا' اور ہندہ سخت گنہگار ہے اس کو بہر حال علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے۔ پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے' اور قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے' غربا ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے۔ قال الله تعالیٰ: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا٥ (پ ۱۹ ع ۴) وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد سلیم موضع بکسر پوسٹ نگر بازار ضلع بستی

زید نے ہندہ کو بغیر نکاح کے بیوی بنا کر رکھ لیا ہے جس کو تقریباً تیس (۳۰) سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ ہندہ کا شوہر بکر زمانہ تک بمبئی غائب رہا عرصہ کے بعد گھر آیا تو زید نے بکر سے کہا کہ تم مجھ سے روپیہ پیسہ لے کر ہندہ کو طلاق دے دو تا کہ عدت گزر جانے کے بعد میں اس سے نکاح کر لوں۔ ویسے میں نے بڑا پاپ کیا بہت جرم کیا۔ سات اولادیں ہوئیں مگر اب خدا معاف کرے وہ عورت ہندہ جب تمہارے لائق نہیں ہے تو تم اس کو آزاد کر دو۔ مجھے اور اسے دونوں کو گناہ سے بچا لو جو روپیہ کہو میں دے دوں برادری نے مجھے آج تیس سال سے آزاد کر رکھا ہے میرے بچوں کی شادیاں نہیں ہو پا رہی ہیں سارے پیغامات جو آتے ہیں یہ سن کر فوری واپس ہو جاتے ہیں کہ زید برادری سے خارج ہے۔ بکر نے ۸۰۰ر روپیہ طلب کیا زید نے فوراً پیش کر دیا بکر نے روپیہ صبح لینے کا اور طلاق دینے کا وعدہ کیا' اور بغیر طلاق دیئے ہوئے پھر بمبئی بھاگ گیا۔ اب بکر کا پتہ نہیں۔ ایسی صورت میں زید کہتا ہے کہ ہم کسی بھی طرح طلاق حاصل کریں گے جب بھی بکر مل جائے گا مگر بوقت میرے بچوں کی شادیاں درپیش ہیں۔ وقتی طور پر پنچایت یعنی برادری کے لوگ میرے بچوں کی شادیوں میں شریک ہو جائیں۔ آگے پیچھے جب بھی بکر آ گیا کسی بھی طرح ہم طلاق لیں گے اور عدت گزر جانے کے بعد نکاح صحیح کریں گے۔ اگر مجرم ہوں تو میں ہوں مرے بچے بے قصور ہیں۔ برادری نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے کہ تمہارے بچے بے قصور ہیں اگر ہم لوگ شریک ہوں اور تمہارا کام نکلوا دیں۔ تم بعد میں اس معاملہ کو حل کر لینا' مگر ہم پر کوئی جرم عائد نہ ہو ہم گنہگار نہ ہوں تو تمہارے بچوں کے کام میں شریک ہو جائیں گے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ سرکار کوئی ایسا راستہ نکال دیں کہ بے قصور بچوں کی شادیاں ہو جائیں جب تک برادری کے لوگ

شامل نہ ہوں گے اس وقت تک شادیاں نہ ہوں گی۔ لہٰذا برادری کی شرکت کا کوئی راستہ نکل جاتا اور بغیر جرم کے برادری شرکت کرکے زید کے بچوں کی شادیاں کرادے۔

الجواب: نہ عورت اس کی بیوی ہے نہ لڑکے اس کی اولاد۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ لہٰذا شخص مذکور ان سب کو اپنے گھر سے نکال دے ان سے کوئی تعلق نہ رکھے اور بمبئی جاکر اس کے شوہر سے ملاقات کرے۔ اگر وہ اپنی بیوی کو نہ رکھنا چاہے تو اس سے سفارش، دھمکی، پیسہ وغیرہ دے کر یا زبردستی جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کرے پھر بعد عدت اس سے نکاح کرے اور برسہا برس جو حرام کاریاں کی ہیں۔ العیاذ باللہ ان سے علانیہ توبہ و استغفار کرے۔ نماز کی پابندی کا عہد کرے اور میلاد شریف وقرآن خوانی کرے، غربا و مساکین کو کھانا کھلائے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○ (پ۱۹ ع۴) عورت کو گھر سے نکالنے اور توبہ کرنے کے بعد مسلمان اس کے ساتھ کھانا پینا جاری رکھیں۔ اگر وہ شخص شرعی طور پر نکاح کے بغیر اس عورت کو رکھے تو سب مسلمان اس سے دور رہیں اس کے کسی کام میں شریک نہ ہوں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (پ۷ ع۱۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵/ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبدالغنی موضع ہتھیوا ضلع گورکھپور

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی اور ہندہ اپنے شوہر زید کے گھر گئی یہاں تک کہ ہندہ اپنے شوہر زید کے ساتھ تقریباً تین یا چار ماہ تک رہی بعد اس کے ہندہ اپنے شوہر زید سے ناراض ہوکر اپنے میکے میں چلی گئی اور اپنے میکے میں تقریباً ایک سال تک رہی بعد اس کے ہندہ کے باپ یعنی خالد نے اپنی بیٹی ہندہ کا بغیر طلاق لئے ہوئے ہندہ کو دوسرے لڑکے یعنی بکر کے سپرد کردیا اور خالد نے بکر سے یہ بھی کہہ دیا کہ اب میں ہندہ کو زید کے گھر کبھی نہیں بھیجوں گا۔ ہندہ اب تمہاری ہے اور اب تم زید سے ھندہ کی طلاق لے لو۔ لہٰذا بکر نے ہندہ کی طلاق زید سے لے لی اور بکر نے زید کو کچھ روپیہ وغیرہ بھی دیئے۔ بعد طلاق کے ہندہ بکر ہی کے گھر اسی کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی اور رہتی ہے۔ اب ہندہ کو طلاق لئے ہوئے تقریباً چار ماہ سے زائد ہوگیا اور یہ بھی تصدیق ہے کہ ہندہ کو چار حیض بھی آچکا۔ اب بکر کہتا ہے حامد سے کہ اے حامد! تم ہمارا نکاح ہندہ کے ساتھ پڑھا دو اور ہندہ بھی کہتی ہے کہ ہاں ہمارا نکاح بکر سے پڑھا دو اور ابھی تک ہندہ بکر ہی کے ساتھ ہے جب سے طلاق حاصل کی گئی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں حضرت مفتی صاحب قبلہ واضح فرمادیں کہ کیا ہندہ کا نکاح بکر سے فی الوقت صحیح ہوگا کہ اس کا نکاح بکر کے ساتھ پڑھا دیا جائے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: زید نے اگر واقعی ہندہ کو طلاق دی ہے اور بعد طلاق اسے چار حیض بھی آ گئے ہیں تو اس صورت میں ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ پڑھنا جائز ہے قال اللہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (پ۲ ع۱۲) اور خالد نے جو اپنی لڑکی ہندہ کو بکر ساتھ بغیر طلاق کے کر دی اور بکر نے بغیر نکاح ہندہ کو اپنے ساتھ رکھا تو یہ سب سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے۔ ان تینوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے۔ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے اور قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے، غربا و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹/ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: مرسلہ مولوی پیر محمد مدرسہ مسعود العلوم روضہ شریف ضلع گونڈہ

زید نے ہندہ کو بغیر نکاح کے اپنی بیوی بنا لیا عرصہ ڈھائی سال ہو گیا' زید اور ہندہ کے ناجائز تعلق سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ اب زید ہندہ کو بمبئی سے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے آیا ہے۔ زید اور ہندہ دونوں اپنے فعل قبیح پر نادم ہیں، توبہ و استغفار کر رہے ہیں، دونوں ناجائز تعلق ختم کر کے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اب اس کی کیا صورت ہو گی؟

الجواب: زید کے ساتھ رہنے سے پہلے اگر ہندہ کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ ہوا تھا اور ابھی تک یہ اس کے نکاح میں ہے تو اس صورت میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہو سکتا ورنہ ہو سکتا ہے' مگر اس سلسلے میں زید و ہندہ کا بیان ہرگز معتبر نہ ہوگا اس لئے کہ جو اتنے جری ہیں کہ بغیر نکاح کئی سال سے میاں بیوی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں یہاں تک کہ بچہ بھی پیدا ہو گیا تو ایسے عورت و مرد بڑا سے بڑا جھوٹ بھی بول سکتے ہیں' اور ڈھائی سال تک بلا نکاح بمبئی میں رہنے سے ظاہر یہی ہے کہ وہ کسی کے نکاح میں ہے ورنہ کیا وجہ کہ اتنے زمانہ تک بمبئی میں رہنے کے باوجود وہاں نکاح کرنے کے بجائے یہاں لاکر کرنا چاہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسی عورت کے بارے میں تاوقتیکہ تحقیق نہ ہو جائے کہ وہ کسی کے نکاح میں نہیں ہے زید کے ساتھ اس کے نکاح کے جواز کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ هٰذا ما ظهر لي والعلم بالحق عند اللّٰه تعالىٰ ورسوله جل جلاله وصلى اللّٰه عليه وسلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷/ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد یعقوب خاں پڑولی ضلع گورکھپور

ایک شخص نے اپنی شادی شدہ لڑکی کو بغیر طلاق حاصل کئے دوسرے کے ساتھ کر دیا۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب. معاذ اللّٰه رب العٰلمين شادی شدہ لڑکی کو طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے کے ساتھ کرنا لڑکی کو حرام کاری کے لئے دینا ہے جو حرام سخت حرام ہے۔ شخص مذکور پر واجب ہے کہ اس لڑکی کو واپس

لائے اور علانیہ توبہ واستغفار کرے۔ پھر اگر چاہے تو اس کے شوہر سے طلاق حاصل کرے اور عدت گزر جانے کے بعد جہاں چاہے شادی کر دے اور یا تو لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ کر دے۔ شخص مذکور اگر اپنی لڑکی کو غیر مرد کے یہاں سے واپس نہ لائے اور توبہ نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از آس محمد مقام وپوسٹ شنکر پور۔ ضلع بستی

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی تھی۔ زید کا انتقال ہو گیا۔ ہندہ نے دوسری شادی کر لی۔ پھر ہندہ نے بغیر طلاق لئے ہوئے تیسری شادی کر لی کسی نے اس کا نکاح پڑھ دیا ایسی صورت میں اس کا نکاح ہوا یا نہیں؟ نکاح خواں کے لئے کیا حکم ہے؟ اور ہندہ نے جس کے ساتھ شادی کی ہے اس کے گھر کھانا پینا اس سے میل جول اور رسم وراہ اختیار کرنا کیسا ہے؟

الجواب: ہندہ نے اگر دوسرے شوہر کی موت یا طلاق کے بغیر تیسری شادی کی ہے تو وہ نکاح صحیح نہ ہوا۔ نکاح خواں پر لازم ہے کہ اس عقد کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے۔ علانیہ توبہ واستغفار کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں، اور ہندہ نے جس کے ساتھ تیسری شادی کی ہے تاوقتیکہ وہ ہندہ کو اپنے گھر سے نکال کر لوگوں کے سامنے توبہ واستغفار نہ کرے اس کے گھر کھانا پینا اور اس سے میل جول رکھنا جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ٥ (پ۷ع۱۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد ابراہیم ۱۰۲/۷۵ چوڑی محلہ کرنیل گنج کانپور

زید پاکستانی باشندہ ہے اس نے ہندوستان میں آکر ہندہ سے عقد کیا۔ بعد عقد جب وہ پاکستان جانے لگا تو اس نے ہندہ کے گھر والوں سے وعدہ کیا کہ ایک سال کے بعد ہندہ کو اپنے ہمراہ لے جائے گا۔ لیکن عرصہ تقریباً چار سال ہوا زید اپنی بیوی ہندہ کو رخصت کرانے نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ زید نے پاکستان پہنچنے کے چار ماہ بعد دوسرا عقد کر لیا اور ہندہ سے پہلے بھی تین عورتوں سے عقد کر چکا تھا اور ان عورتوں کو طلاق بھی دیتا رہا۔ اس وقت ہندہ کی عمر ۲۲ سال ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا ہندہ اپنا عقد فسخ کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ اور اگر ہندہ کو عقد فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے تو پھر اس کے دوسرا عقد کرنے کی کیا صورت ہے؟ غیر ملک میں قانونی چارہ جوئی بھی نہیں ہو سکتی۔ جواب عطا فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: ہندہ کو غیر ملکی کے ساتھ عقد نہیں کرنا چاہئے تھا، اور اگر کیا تھا تو اس سے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار لینا چاہئے تھا۔ یا جب وہ پاکستان جانے لگا تھا تو اس سے دو معتبر گواہوں کے ساتھ اس قسم کی تحریر لے لینی چاہئے تھی کہ اگر میں

ڈیڑھ سال کے اندر اپنی بیوی ہندہ کو لینے کے لئے نہ آؤں تو اسے طلاق۔ اس طرح معاملہ آسان ہو جاتا۔ بصورت مسئولہ میں ہندہ کو اپنے عقد کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے قال اللہ تعالیٰ: بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (پ۲ ع۱۵) اور حدیث شریف میں ہے: الطلاق لمن اخذ بالساق۔ ہندہ کسی طرح پاکستان اپنے شوہر کے پاس چلی جائے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ہندہ کے گھر والے پاکستان جا کر خط کے ذریعہ اس سے طلاق حاصل کریں کہ اس کے بغیر شوہر کی موت سے پہلے ہندہ کا دوسرا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم عزاسمہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ / ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از منگرے میاں ساکن پکھر بھنڈا عرف بند ہوا پوسٹ آفس جار اضلع گورکھپور

زید کی بیوی ہندہ رخصت ہو کر میکے سے سسرال آئی زید کے یہاں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا زید نے اپنی بیوی ہندہ کو اپنے مکان سے نکال دیا وہ میکہ میں آئی تقریباً سال بھر رہی اس ایک سال کے عرصہ میں ہندہ اپنے شوہر زید کے یہاں بار بار گئی مگر زید نے اپنے مکان سے نکال ہی دیا اس کو رکھنے پر راضی نہ ہوا۔ ہندہ کے میکہ میں ذریعہ معاش کا کوئی انتظام نہ رہا ہندہ محنت مزدوری کر کے اپنی زندگی کا گزارہ کرنے لگی کچھ دنوں کے بعد وہ ناجائز تعلق کر کے بکر کے یہاں چلی گئی تقریباً نو سال اس کے ہاں رہی اس عرصہ میں دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ حسن اتفاق کچھ لوگ بکر کے یہاں گئے اور بکر سے کہا کہ تم ناجائز کر رہے ہو اس لئے تمھارے ساتھ کھانا پینا کوئی نہیں کھائے گا۔ اس کے بعد ہندہ کو لوگوں نے سمجھایا کہ جب تک اپنے شوہر زید سے تم طلاق نہیں لوگی اس وقت تک تم بکر کے یہاں نہیں رہ سکتی ہو۔ ایسی صورت میں ہندہ وہاں سے اپنے میکہ میں آئی میکہ والوں نے اسے اپنے گھر سے نکال دیا ہندہ کیا کرے اندیشہ ہے کہ وہ پھر ناجائز کام کر نہ بیٹھے۔ لکھنے کا ماحصل یہ ہے کہ زید نہ تو طلاق دے رہا ہے نہ تو رکھنے پر راضی ہے اور کہتا ہے کہ زندگی بھر نہ طلاق دوں گا ایسی صورت میں ہندہ کیا کرے۔ دو بچے جو ناجائز پیدا ہوئے وہ بھی ہندہ کے ساتھ میں ہیں اپنی زندگی گزارے کہ بچوں کی اس کا وارث کوئی نہیں ہو رہا ہے۔ از راہِ لطف و کرم شرع میں اس کا کیا حکم ہے ایسی حالت میں ہندہ اپنی دوسری شادی یعنی عقد کر سکتی ہے کہ نہیں؟ جواب جلد عنایت فرما کر اس جھگڑے کو دور فرمائیں۔

الجواب: گاؤں کی پنچایت یا حکام وغیرہ کے دباؤ سے جس طرح بھی ہو سکے ہندہ زید سے طلاق حاصل کرے بغیر طلاق دوسرے سے نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوگا اور زید پر لازم ہے کہ وہ ہندہ کو رکھے یا اسے طلاق دے۔ ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ / ربیع الاول ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از محمد ضمیراوراں تال۔ ضلع بستی۔

زید نے ہندہ سے نکاح کیا یہاں تک کہ اس کے ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ بعدہ بکر نے اسے رکھ لیا حال یہ ہے کہ بکر کے یہاں اس کے تین بچے پیدا ہوئے اور زید نے ابھی طلاق نہیں دی تو بکر کے یہاں جو بچے پیدا ہوئے ان سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بکر کے یہاں جو بچے پیدا ہوئے ان سے نکاح کرنا جائز ہے۔ البتہ بکر و ہندہ پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور تاوقتیکہ زید سے طلاق حاصل کر کے یا اس کی موت کے بعد عدت گزار کر جائز طریقہ سے نکاح نہ کرلیں آپس میں میاں بیوی کا تعلق ہرگز نہ قائم کریں۔ اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴؍ ذوالقعدہ ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: از محمد اسحاق گورکھپور

ہندہ اپنے شوہر کے یہاں سے بکر کے ساتھ چلی گئی اور اس کے یہاں چار یا چھ مہینہ رہی پھر زید کے یہاں واپس آئی۔ پھر بھاگ گئی بعدہ پھر آنا چاہتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اسے رکھنے سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: زید اپنی بیوی ہندہ کو توبہ کرانے کے بعد اگر پھر رکھ لے تو اس پر شرعاً کوئی گناہ نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳؍ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

مسئلہ: از احسان علی سبحانی موضع پرساڈاکخانہ کوٹ خاص ضلع گونڈہ

زید نے ایک عورت خریدی وہ عورت بدیسی ہے۔ یعنی دوسرے ملک کی ہے اس کے ساتھ ایک بچہ بھی ہے، اور وہ کہتی ہے کہ میرا شوہر مرگیا اور میں مسلمان ہوں اس نے اپنا نکاح کرنا چاہا تو نکاح خواں کے دریافت پر اس نے کہا کہ میں قسم کھاتی ہوں اپنے بچے کی اور اللہ ورسول کی کہ میرا شوہر مرگیا لہٰذا اس قسم کھانے پر نکاح خواں نے نکاح پڑھ دیا، تو وہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور پڑھانے والے پر کیا حکم ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: آج کل بہت سی عورتوں کو لوگ دوسرے صوبوں اور ملکوں سے لاتے ہیں، اور روپیہ لے کر کسی شخص کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ بغیر نکاح یا نکاح کے ساتھ اس عورت کو اپنی بیوی بنالیتا ہے۔ پھر اس قسم کی عورتیں عموماً بھاگ کر کسی دوسرے شخص کے گھر پہنچ جاتی ہیں پھر وہ شخص عورت کے جھوٹ، سچ بیان کے مطابق یا تو اسے اپنی بیوی بنالیتا ہے یا پیسہ لے کر دوسرے

کے سپرد کر دیتا ہے۔ پھر وہاں سے بھی اس قسم کی عورتیں فرار ہو جاتی ہیں، اور ایسے ہی متعدد مقامات پر نکاح کرتی اور بھاگتی رہتی ہے۔ لہٰذا تاوقتیکہ یقینی طور پر نہ معلوم ہو جائے کہ عورت کسی کے نکاح اور عدت میں نہیں ہے۔ صرف عورت کے بیان اور اس کی قسم پر اس طرح عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ نکاح خواں پر لازم ہے کہ نکاح مذکور کے غلط ہونے کا اعلان عام کرے اور اس کا نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے، اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں، اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، اور جس نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے فوراً اس کو اپنے سے الگ کر دے اور ہرگز ہرگز اس کے ساتھ میاں بیوی جیسا تعلق نہ قائم کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بھی بائیکاٹ کریں۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از حاجی ولی محمد خاں شنکر پور ضلع بستی

زید بمبئی چلا گیا اس کی بیوی ہندہ اس کے گھر کچھ دن رہی جب زید نے خرچہ وغیرہ نہیں بھیجا تو ہندہ بکر کے گھر چلی گئی جو غیر محرم تھا لیکن جب زید بمبئی سے آیا تو ہندہ اپنے شوہر یعنی زید کے پاس چلی آئی تو وہ دونوں رہنے لگے لیکن پھر جب زید بمبئی چلا گیا تو ہندہ پھر بکر کے پاس چلی گئی ایسے تین مرتبہ ہوا یعنی جب زید بمبئی سے آتا تو وہ زید کے پاس آجاتی۔ تیسری یا چوتھی بار بکر نے ہندہ سے نکاح پڑھا لیا تو اس کے بعد بمبئی سے طلاق ایک خط میں آیا کئی دن گزر جانے کے بعد تو گاؤں والے اور اس کے گھر والے ان دونوں پر بڑی سختی کرتے ہیں اور نکاح خواں وگواہان پر سختیاں کرنے کو کہتے ہیں تو دریافت طلب یہ امور ہیں۔

۱- ہندہ جو دونوں شوہروں پر رہتی تھی اس کے لئے کیا حکم ہے؟

۲- ہندہ کا نکاح قبل طلاق ہوا کہ نہیں؟

۳- وہ طلاق جو نکاح کے بعد خط کے ذریعہ آئی وہ معتبر ہوگی یا نہیں؟

۴- گاؤں والوں اور گھر والوں کو بکر، ہندہ، نکاح خواں اور گواہان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟

۵- اب بکر کا ہندہ کے ساتھ نکاح پڑھانے کی کیا صورت ہوگی؟

بالتفصیل جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر کیا جائے تاکہ صحیح طور پر شریعت پر چلنے کا راستہ معلوم ہو جائے۔

الجواب: (۱) بکر غیر محرم کے ساتھ رہنے کے سبب اور ہندہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲) ہندہ کا نکاح جو قبل طلاق بکر کے ساتھ کیا گیا وہ ہرگز ہرگز منعقد نہ ہوا۔

(۳) اگر واقعی وہ خط ھندہ کے شوہر زید نے لکھ کر بھیجا ہے یا دوسرے سے لکھا کر روانہ کیا ہے تو اس کی بیوی ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۴) گاؤں والوں پرلازم ہے کہ ھندہ کوفوراً بکر سے الگ کر دیں اور ہرگز ہرگز ان دونوں کوآپس میں میاں بیوی کاتعلق نہ قائم کرنے دیں اور دونوں کوعلانیہ توبہ واستغفار کرائیں تاوقتیکہ وہ دونوں ایسا نہ کریں مسلمان ان کا بائیکاٹ جاری رکھیں، اور جان بوجھ کرنکاح پڑھانے والے نیز گواہان پراعلانیہ توبہ واستغفار کرنا لازم ہے اور نکاح خواں کو چاہئے کہ وہ نکاحانہ پیسہ بھی واپس کردے اور نکاح مذکور کے باطل ہونے کا اعلان عام کرے اگر وہ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بھی بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

(۵) ہندہ بکر سے الگ ہوکر عدت گزارے۔ اگر طلاق کے وقت وہ حاملہ تھی تو بچہ پیدا ہونے پر عدت ختم ہوگی جیسا کہ پارہ ۲۸ رسورۂ طلاق میں ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور اگر بوقت طلاق وہ حاملہ نہ تھی تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ تین حیض تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں جیسا کہ پارۂ دوم میں ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ اور اگر بعد طلاق تین حیض آنے سے پہلے اسے حمل ظاہر ہوا تو اس صورت میں بھی اس کی عدت وضع حمل ہے۔ عدت گزارنے کے بعد بکر یا جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ رر جب المرجب ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از منشی رضا موضع گوراڈانٹر۔ ضلع پرتاب گڑھ۔

زید اپنی بیوی کو عمرو کے یہاں نکاح کیا تھا کچھ دن اپنے گھر آئی گئی بعد میں کچھ دن زید اپنی لڑکی کو دوسری جگہ یعنی اختر کے یہاں بلا طلاق کے بھیج دیا اب وہیں اختر کے یہاں موجود ہے لہٰذا ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: زید پرلازم ہے کہ اختر کے یہاں سے اپنی لڑکی واپس لائے اور زید، اس کی لڑکی نیز اختر اور ہر وہ شخص جو ناجائز طریقے سے لڑکی بھیجنے پر راضی تھا سب علانیہ توبہ واستغفار کریں اگر یہ سب ایسا نہ کریں تو مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ زید کو چاہئے کہ اپنی لڑکی عمرو کے یہاں بھیجے اور اگر کسی معقول وجہ سے عمرو کے یہاں نہ بھیجنا چاہے تو کسی طرح سے طلاق حاصل کرلے پھر بعد عدت اختر یا کسی دوسرے سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کرے۔ بغیر طلاق دوسرے کے یہاں بھیجنا لڑکی کو (معاذ اللہ) زنا کرانے کے لئے سپرد کرنا ہے جو حرام، حرام، سخت حرام ہے۔ زید اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈرے، حرام کاری کو بند کرے، دل سے توبہ کرے اور آئندہ ہرگز ہرگز حرام کا اقدام نہ کرے۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ رر جب المرجب ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از محمد صابر کواپریٹیو سپروائزر کالپی محلہ ٹرنگنج ضلع جالون۔

ایک شخص نے ایک ایسی عورت کو اپنے گھر رکھ لیا جس کا شوہر موجود ہے' اور اس نے اس کو طلاق بھی نہیں دی ہے شخص مذکور نے اس عورت کو بطور بیوی رکھا اور کلی طور سے بیوی کے حقوق دے دیئے اور عرصہ قریب آٹھ سال ہو گئے اور اس کے اولاد بھی پیدا ہوئیں اور اس کا شوہر اوّل اب بھی موجود ہے اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے۔ تفصیل کے واسطے نمبروار سوال تحریر ہیں امید کہ آپ اپنا قیمتی وقت صرف کر کے مفصل جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں نمبروار عنایت فرمائیے تاکہ برادری کی کشمکش دور کی جاسکے۔

۱- کیا ایسے مرد و عورت سے سلام کلام کرنا اور ملنا جلنا جائز ہے؟

۲- کیا ان لوگوں کو برادری سے خارج نہ کیا جائے اور ان سے ترک موالات نہ کیا جاوے؟

۳- ایسے لوگوں کو اپنے یہاں تقاریب کے موقعوں پر بلانا اور خود ان کی تقاریب میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۴- جو لوگ ایسے لوگوں سے خلع ملع رکھیں اور ملیں اور ان سے نہ کوئی اجتناب کریں اور نہ ان کی غلطی کو شرع کے خلاف سمجھیں ان کے متعلق کیا شرعی حکم ہے؟

۵- اگر یہ لوگ برادری کے غریب طبقہ کو اپنے اثر اور تمول سے اپنا ہم خیال بنائیں ایسے لوگوں کی مدد اعانت کریں تو ان کی ہاں میں ہاں ملانا کیسا ہے' اور ایسے لوگوں کے لئے برادری کا کیا فرض ہے؟

۶- مزید برآں لڑکی کے باپ نے اس بات پر پردہ ڈالنے کے لئے کہ میری لڑکی کی طلاق نہیں ہوئی ہے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر دیا لہٰذا باپ لڑکی کا کس سزا کا مستحق ہے' اور اس کے ازالہ کی کیا صورت ہے جبکہ لڑکی کا شوہر اوّل زندہ ہے' اور بغیر طلاق دوسرے شخص سے لڑکی کا نکاح کر دیا۔

الجواب: نمبر ۱ تا نمبر ۴ شخص مذکور غیر منکوحہ عورت کو بطور بیوی رکھنے والا سخت گنہگار لائق عذاب قہار دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہو گا اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ایسے بدبخت کو سزا دی جاتی۔ موجودہ صورت میں یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس سے سلام و کلام نہ کرے نہ اس کے یہاں کھائے نہ اسے اپنے یہاں کھلائے یعنی برادری سے خارج قرار دے کر مکمل بائیکاٹ کیا جائے جو مسلمان اس سے قطع تعلق نہیں کرے گا اس کی تائید میں ہو گا اور اس سے میل جول رکھے گا وہ بھی بمصداق آیت کریمہ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہو گا۔ وھو تعالٰی اعلم۔

۵- اگر شخص مذکور اور اس کے ہمنوا غریب طبقہ کو پیسہ وغیرہ کی لالچ دے کر اپنا ہم خیال بنانا چاہیں تو غریب طبقہ پر لازم ہے کہ ہرگز کسی بھی قیمت پر ان کے ساتھی نہ بنیں ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔

۶- منکوحہ لڑکی کا طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح کرنا حرام ہے، باپ، نکاح خواں، گواہان اور ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی رہا سب پر علانیہ توبہ و استغفار لازم ہے' اور نکاح خواں پر یہ بھی لازم ہے کہ نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو مسلمان اس کا بھی بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۴؍ جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از عبدالستار موضع بڑولی پوسٹ جھنگٹی ضلع گورکھپور

(۱) ہندہ کا نکاح زید سے ہوا تھا کچھ دن کے بعد ہندہ مدخول بہا بغیر طلاق لئے بکر کے گھر چلی گئی بلا نکاح دو سال سے زائد گزر گئے ناجائز بچے بھی جنم لے لئے تو کیا ہندہ اور بکر کا بائیکاٹ کر دیا جائے بائیکاٹ کرنے کی حالت میں اگر کسی نے اس کے گھر کھا پی لیا اس مصلحت سے کہ سنیت میں کچھ مدد ملے گی کیا اس کا کھا پی لینا بکر کے گھر بالکل حرام ہے اور گنہگار ہوگا' اور بائیکاٹ کیوں کیا جائے گا کیا مصلحت ہے؟

(۲) کیا ہندہ کا نکاح بغیر طلاق حاصل کئے بکر کے ساتھ ہو سکتا ہے دو چار سال کے بعد اور کچھ لوگ جو کہ مسئلہ کی تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ بغیر شوہر اوّل کے طلاق کے بکر سے نکاح نہیں ہو سکتا ناجائز ہے کیا یہ لوگ صحیح راستے پر ہیں؟ اور کچھ لوگ جن کو مسئلہ کی بالکل جانکاری نہیں شریعت طاہرہ سے کوسوں دور ہیں صرف دعا تعویذ کرتے ہیں اردو کی کتابوں کو بھی پڑھ لیتے ہیں لیکن کچھ سمجھ نہیں پاتے ہیں ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہندہ کا نکاح بکر سے بغیر شوہر اوّل کے طلاق کے ہو جائے گا دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اب اگر شوہر کے سامنے اس قسم کی بات چیت کی تو وہ کہے گا کہ اب ہم کو اس سے کوئی ضرورت اور واسطہ نہیں حالانکہ یہ دلیل صرف خالی ہے کسی نے اس شوہر سے بات چیت نہیں کی۔ ان لوگوں کے حق میں کیا کیا وعیدیں ہیں؟ کیا ایسے لوگ قوم کے پیشوا بن سکتے ہیں ان کے باتوں پر عمل کیا جا سکتا ہے؟ ہر ہر گوشہ کا مفصل اور مدلل جواب مطلوب ہے عین کرم ہوگا۔

(۳) بہشتی زیور جو وہابی مولانا اشرف علی تھانوی کی تصنیف کردہ ہے کیا مسئلہ شرعیہ اس کتاب سے اخذ کیا جا سکتا ہے اس کتاب کو معتبر ماننا کیسا ہے؟ مانا جائے یا نہیں معتبر مان کر عمل کیا جائے تو کیوں؟ اور اگر غیر معتبر مان کر نہ عمل کیا جائے تو کیوں؟ کیا کیا خرابیاں اور غلطیاں ہیں کچھ لوگ اس کتاب کو مردود کہہ دیتے ہیں کوئی برا کہے جاتے ہیں واضح جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: ہندہ اور بکر سخت گنہگار، لائق عذاب قہار' مستحق عذاب نار ہیں۔ بیشک ان کا بائیکاٹ کرنا مسلمانوں پر لازم ہے ان کے ساتھ اسلامی تعلقات رکھنا گناہ ہے سنیت میں کچھ مدد ملنے کا بہانہ کر اس کے گھر کھانے والے گنہگار ہیں توبہ کریں اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ہندہ اور بکر کو زنا کاری کی صورت میں سو کوڑے مارے جاتے یا سنگسار کئے جاتے موجودہ صورت حال میں زجر و توبیخ کے لئے ان کا بائیکاٹ کرنا مسلمانوں پر لازم ہے اگر مسلمان ایسا نہ کریں تو وہ بھی سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے۔

(۲) طلاق حاصل کرنے اور عدت گزارنے سے پہلے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہرگز ہرگز جائز نہیں ہو سکتا جو لوگ طلاق

عدت سے پہلے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ جائز بتاتے ہیں سخت غلطی پر ہیں توبہ کریں۔
(۳) بہشتی زیور معتبر کتب نہیں ہے اس میں بے شمار غلطیاں ہیں ان غلطیوں کو جاننے کے لئے اصلاح بہشتی زیور کے تینوں حصوں کا مطالعہ کریں۔ ھٰذا ماعندی. وھو تعالٰی اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ر صفر المظفر ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از شریف محمد پوسٹ ومقام شاہ پور ضلع بستی
زید ایک عورت کو کہیں سے لے آیا اس کے بارے میں یہ نہیں معلوم کہ وہ عورت بلا نکاحی ہے یا نکاح شدہ ہے اس کی طلاق ہوئی ہے یا نہیں ہوئی ہے اس کی شہادت یا ثبوت کہیں سے نہیں مل رہا ہے صرف اسی عورت کا کہنا ہے کہ ابھی میرا نکاح کہیں نہیں ہوا تھا تو کیا اس کا کہنا معتبر ہے؟ اور شرعی اصول سے اس کا نکاح زید پڑھا سکتا ہے؟ شرعاً جیسا ہو ویسا جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: سائل نے ظاہر کیا کہ عورت مذکورہ بمبئی سے لائی گئی ہے اور لاوارث ہے تو آج کل بمبئی کی لاوارث عورتیں چونکہ بغیر طلاق کئی کئی نکاح اکثر کیا کرتی ہیں اس لئے تاوقتیکہ یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے کہ عورت مذکور کسی کے نکاح میں نہیں ہے اس سے نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا اور اس سلسلے میں اس قسم کی عورت کا بیان معتبر نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ر ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از عبد اللطیف مقام کسم کھور۔ ضلع فرخ آباد۔
ہندہ کی شادی خالد کے ساتھ ہوئی تھی جس کو عرصہ ہو گیا آپس کے تعلقات خراب ہونے کی وجہ سے ہندہ کے گھر والوں نے بلا طلاق کے اس کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا۔ عرصہ ڈیڑھ دو سال ہوئے بکر کا انتقال ہو گیا۔ اب ہندہ پریشان ہے اور خطرہ ہے کہ گناہ میں آلودہ نہ ہو جائے خالد سے طلاق حاصل کرنے کی کوششیں کی گئیں مگر وہ کسی طرح طلاق دینے پر رضامند نہیں ہے حالانکہ ہندہ کو اس کے پاس جانے سے انکار ہے۔ ہندہ کا کوئی سہارا بھی نہیں ہے حالات مذکورہ میں ہندہ کے لئے کیا صورت ہو سکتی ہے جس سے کہ وہ گناہ سے بھی بچ جائے اور زندگی گزارنے کے لئے کسی کے ساتھ نکاح کرے۔ ایک صاحب نے یہ کہا کہ اب اس کے لئے یک صورت یہ ہے کہ وہ کلمہ کفر کہہ دے پھر اس کے بعد توبہ کر کے ازسرنو کلمہ پڑھ کر پھر نکاح کسی کے ساتھ کر لے کیا یہ صورت ہو سکتی ہے؟ اگر یہ ہو سکتا ہے تو کیا اس سے یہ الفاظ کہلوا دیا جائے تاکہ نکاح کے جواز کی صورت پیدا ہو سکے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: خالد سے طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا نکاح اس کے گھر والوں نے بکر کے ساتھ کر دیا تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس نکاح کا پڑھانے والا، گواہان نیز ہندہ اور ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی ہوا سب لوگ علانیہ توبہ واستغفار کریں اور جبکہ خالد طلاق نہیں دیتا تو اب ہندہ کے لئے گناہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ خالد کے ساتھ زندگی گزارے اور خدا ذوالجلال کے قہر وجلال سے ڈرے اور بغیر طلاق دوسرا نکاح ہرگز نہ کرے اور جس نے ہندہ کو کافر ہونے کا مشورہ دیا وہ اور آپ دونوں توبہ وتجدید ایمان کریں اور بیوی والے ہوں تو پھر سے نکاح کریں اس لئے کہ اس نے کافر ہونے کا مشورہ دیا اور آپ کافر بنانے پر راضی ہو کر مجھ سے اس کا طریقہ پوچھتے ہیں اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں فقہ کا مشہور مسئلہ ہے: الرضا بالکفر کفر یعنی کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے اور مسلمہ عورت اگر کافر ہو جائے تو کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی اور اگر پھر مسلمہ ہو جائے تو پہلے شوہر کو چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ ھٰکذا فی الکتب الفقھة وھو تعالیٰ سبحانہ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از بڈن حجام موضع کڑ جھنا۔ ردھولی ضلع بستی

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی ہندہ رخصت ہو کر زید کے وہاں گئی کچھ دنوں کے بعد زید نے اپنی بیوی ھندہ سے منہ موڑ لیا اور اس کے کھانے کپڑے اور دیگر ضروریات زندگی کی خبر نہیں لیتا اور نہ طلاق دیتا ہے۔ اس کے بعد ہندہ اپنے میکے چلی آئی اور تین سال یہیں رہ گئی اس درمیان میں بھی زید نے ہندہ کی کچھ خبر گیری نہیں کی اور وہ پردیس چلا گیا ادھر ہندہ کے والدین کی رضا سے بکر ہندہ کی اپنے یہاں رخصتی کرا لیا اور پانچ مہینہ سے ویسی ہی رکھے ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ غیر مطلقہ کو بکر جور کھے ہوئے ہے اس پر شریعت کا کیا حکم نافذ ہوگا؟ اور ان دونوں کے لئے کیا صورت ہے کہ از روئے شرع صحیح طور پر زندگی گزار سکیں نیز ہندہ زید سے طلاق نہ لے سکے یا زید طلاق نہ دے تو ہندہ اپنی زندگی کس طرح گزارے؟

الجواب: اللھم ھدایة الحق والصواب۔ ہندہ اور بکر پر واجب ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور اپنے گناہوں سے علانیہ توبہ واستغفار کریں اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان کے ساتھ کھانا۔ پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سلام وکلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات نہ رکھیں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

ہندہ کو چاہئے کہ جس طرح بھی ہو سکے اپنے شوہر زید سے طلاق حاصل کرے پھر عدت گزار کر جس کے ساتھ چاہے نکاح کر سکتی ہے اگر زید طلاق نہ دے تو ہندہ صبر کرے اور نفس کشی کے لئے اکثر روزہ رکھے۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از حقیق اللہ موضع دسیاپوسٹ چپیا ضلع بستی

زید کا زینب سے نکاح ہوا کچھ دنوں کے بعد زید نے زینب کے ساتھ ہمبستری و تنہائی ہونے سے پہلے زینب کو ان الفاظ سے طلاق دی۔ میں زینب کو طلاق دیتا ہوں، میں زینب کو طلاق دیتا ہوں، میں زینب کو طلاق دیتا ہوں۔ اس طلاق کے بعد زینب نے دوسرے شخص سے نکاح کیا دوسرے شوہر نے بھی ہمبستری و تنہائی سے پہلے طلاق دے دی۔ پھر زینب نے پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ بغیر حلالہ نکاح نہیں ہوگا' تو زینب نے تیسرے آدمی سے نکاح کیا اور ایک رات گزارنے کے بعد اس نے بھی طلاق دے دی' تو اب عورت مذکور پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: شوہر اول نے واقعی دخول سے پہلے مذکورہ الفاظ کے ساتھ زینب کو طلاق دی تھی تو اب پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔ لیکن تیسرے شوہر نے اگر ہمبستری یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی ہو تو عدت گزرنے کے بعد نکاح کرسکتی ہے' اور اگر تیسرے شوہر نے ہمبستری یا خلوت صحیحہ نہیں کی تھی اور طلاق دے دی تو اس صورت میں چونکہ عدت نہیں اس لئے شوہر سے فوراً نکاح کرسکتی ہے' اگر کوئی اور وجہ مانع جواز نہ ہو۔ هٰذا ما ظهرلي والعلم عندالله تعالٰى ورسوله جل جلاله وصلى المولىٰ عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از سبحان علی محلہ مہدیپور بنگلہ نمبر ۱۱ گورکھپور

رستم علی کا نکاح قمر النساء کے ساتھ ہوا رستم علی نے ابھی قمر النساء سے ہمبستری نہیں کی تھی اور نہ دونوں میں تنہائی ہوئی تھی کہ قمر النساء ایک دوسرے شخص کے ساتھ فرار ہوگئی تو رستم علی نے دوسرا نکاح کرلیا۔ اب سوال یہ ہے کہ قمر النساء اگر دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی۔ رستم علی اسے نہ تو رکھنا چاہتا ہے' اور نہ طلاق دیتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں قمر النساء رستم علی سے طلاق حاصل کرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح ہرگز نہیں کرسکتی پھر اگر رستم علی نے طلاق دے دی اور طلاق کے وقت قمر النساء حاملہ نہیں تو بعد طلاق فوراً نکاح کرسکتی ہے کہ اس صورت میں عدت نہیں اور اگر بوقت طلاق حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے کے بعد نکاح کرسکتی ہے۔ رستم علی پر لازم ہے کہ یا تو قمر النساء کا نان و نفقہ وغیرہ ادا کرے یا اسے طلاق دے دے' اور اگر رستم علی اسے رکھنا نہیں چاہتا اور نہ طلاق دیتا ہے تو مسلمان اس پر ہر طرح کا دباؤ ڈال کر دونوں باتوں میں سے ایک بات کرنے پر مجبور کریں' اور قمر النساء جو دوسرے کے ساتھ فرار ہوگئی تھی تو یہ گناہ عظیم ہے قمر النساء اپنے اس گناہ سے علانیہ توبہ و استغفار کرے اور نماز کی پابندی کرے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عاشق علی شاہ روضہ شریف پوسٹ انچپور ضلع گونڈہ

خالد نے ہندہ کے ساتھ شادی کی اس کے بعد لڑکے کا فعل خراب یعنی جواری اور شرابی ہوگیا جس وقت شادی ہوئی لڑکی بالغ تھی۔ شادی ہوئے عرصہ ایک سال ہوگیا خالد گونا نہیں لے گیا ابھی تک اور نہ لے جانے کا ارادہ ہے، اور نہ طلاق دیتا ہے.....لڑکی ہندہ کی شادی دوسری جگہ نہیں کی جاتی تو لڑکی خودکشی کرنے پر آمادہ ہے اب ایسی صورت میں ہندہ کے گھر والے کیا کریں؟

الجواب: گاؤں کی پنچایت یا حکام کی دباؤ سے یا پیسہ دے کر جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرنا حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اگر لڑکی خودکشی کرے گی تو اس کا کچھ نہیں بگاڑے گی حرام موت مرے گی جہنم کا ایندھن بنے گی اور اپنی دنیا و دین برباد کرے گی۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد صدیق پرتا بگڑھی کمرہ نمبر ۱۰ ابمبئی سخت چال اے سائز گراؤنڈ فلور۔ بھائی کھلہ اسٹیشن روڈ بمبئی نمبر ۱۱

زید نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی اور اس کے رشتہ داروں کے یہاں پہنچا دیا۔ زید نے اور اس کے احباب نے طلاق کی وجہ اور طلاق کی تاریخ اس کے یعنی ہندہ کے رشتہ داروں کو بتائی مگر ہندہ کے رشتہ داروں نے ہندہ کی عدت پوری ہونے سے قبل ہی ہندہ کا نکاح ایک شخص سے کردیا۔ نکاح کے وقت بھی کچھ لوگوں نے عدت کے متعلق توجہ دلائی مگر وہ لوگ نہ مانے اور نکاح کردیا۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ کیا شریعت مطہرہ کی رو سے وہ نکاح قابل قبول ہے؟ برائے کرم حضور والا قرآن و احادیث مبارکہ کی روشنی میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں شکریہ کا موقع مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ طلاق والی عورت اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ پارہ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، اور طلاق والی مدخولہ عورت اگر آئسہ یعنی پچپن سالہ یا نابالغہ ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے جیسا کہ پارہ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے: وَاللّٰئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَائِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّاللّٰئِیْ لَمْ يَحِضْنَ، اور طلاق والی مدخولہ عورت اگر حاملہ نابالغہ یا پچپن سالہ نہ ہو یعنی حیض والی ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ یہ تین حیض تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں کما قال اللہ تعالٰی: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (پارہ ۲ ؍ رکوع ۱۲ ؍) اور طلاق والی غیر مدخولہ عورت کے لئے کوئی عدت نہیں جیسا کہ (پارہ ۲۲ ؍ رکوع ۳ ؍ میں ہے) اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ ط لہٰذا عوام میں جو مشہور ہے کہ طلاق والی عورت کی عدت تین مہینہ تیرہ دن ہے تو یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ صورت مستفسرہ میں اگر عورت مدخولہ تھی اور قبل انقضائے عدت نکاح کیا گیا تو شرعاً وہ نکاح ناجائز

ہے ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں۔ عورت اور مرد نیز نکاح کرانے والے عورت کے رشتہ دار، نکاح خواں، گواہ، حاضرین مجلس نکاح اور ہر وہ آدمی جو اس نکاح سے راضی تھا سب کے سب گنہگار لائق عذاب قہار ہوئے۔ سب پر علانیہ توبہ واستغفار کرنا اور نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان کرنا اور عورت و مرد کو ایک دوسرے سے الگ ہو جانا واجب ہے۔ اگر وہ لوگ ایسا نہ کریں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ هٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالٰی ورسولهُ الاعلٰی جل جلاله وصلی المولیٰ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ر جمادی الاخری ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: مرسلہ مولوی محمد الیاس مہرونا بھاٹ پار رانی بازار۔ ضلع دیوریا۔

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم اما بعد!

دریں مسئلہ علمائے دین ومفتیانِ شرع متین چہ می فرمایند کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک بار طلاق دی پھر تین سال کے بعد زید نے ہندہ کو راضی کر کے نکاح کیا اور پھر دوسرا نکاح کیا۔ پھر تقریباً پانچ (۵) سال کے بعد زید نے ہندہ سے نکاح کیا پھر تیسری طلاق دینے کے بعد ہی بغیر حلالہ کے زید نے ہندہ سے نکاح کر لیا آیا یہ سب نکاح درست ہوئے یا ناجائز ہوئے اور زید کے لئے ہندہ حرام ہے یا حلال؟

الجواب: اللھم ھدایة الحق والصواب. صورت مسئولہ میں زید نے اگر پہلی اور دوسری مرتبہ ایک ایک طلاق دی تھی تو طلاق کے بعد پہلا اور دوسرا نکاح شرعاً درست ہو گیا تھا پھر تیسری طلاق کے بعد ہندہ زید پر ایسی حرام ہو گئی کہ بغیر حلالہ زید سے نکاح ہرگز ہرگز منعقد نہ ہوا۔ زید و ہندہ پر واجب ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور علانیہ توبہ کریں نیز آپس میں میاں بیوی کے تعلقات ہرگز ہرگز قائم نہ رکھیں اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے اور اگر شوہر اوّل کی پہلی یا دوسری طلاق کے بعد ہندہ نے کسی دوسرے سے نکاح کیا ہو اور شوہر ثانی نے ہمبستری کے بعد طلاق دی ہو اور بعد عدت شوہر اوّل سے نکاح کیا ہو تو تیسرا نکاح بھی شرعاً منعقد ہو گیا۔ هٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللہ تعالٰی ورسولهُ جل جلاله وصلی المولیٰ علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸ر ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از محمد سعید ساغر صدیقی مقام تتری پوسٹ بھروٹیا ضلع بستی

زید کی بیوی بکر لے آیا بغیر طلاق کے اسے اپنی بیوی کی طرح رکھتا ہے۔ عرصہ تین ماہ کے بعد زید نے طلاق دی اور بکر نے صرف بارہ تیرہ دن کے بعد اس سے عقد کر لیا عمرو نے نکاح پڑھا شریعت کی نظر میں کہاں تک یہ مسئلہ جائز ہے اور عمرو پر بھی کوئی

خمیازہ ہوتا ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی صاف صاف جواب سے نوازیں کیا نکاح واقع ہوا یا نہیں؟ اور اگر پھر دوبارہ نکاح کرے تو کتنے دونوں کی عدت پر؟ بینوا توجروا

الجواب: مطلقہ اگر نابالغہ یا آئسہ یعنی (پچپن سالہ) ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور اگر نابالغہ حاملہ اور آئسہ نہ ہو یعنی حیض والی ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ تین حیض تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں۔ ھٰذا خلاصۃ ما فی ال کتب الفقھۃ۔ صورت مستفسرہ میں اگر وہ عورت زید کی مدخولہ نہیں تھی تو بکر کے ساتھ نکاح منعقد ہو گیا اور اگر مدخولہ تھی اور قبل انقضائے عدت بکر نے نکاح کیا تو وہ نکاح منعقد ہوا اس صورت میں عورت مرد کا ایک دوسرے سے الگ ہو جانا اور دونوں کا علانیہ توبہ و استغفار کرنا واجب ہے اگر وہ ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے اور نکاح خواں عمرو کو اگر اس بات کا علم تھا کہ ابھی عدت نہیں ختم ہوئی ہے اس کے باوجود اس نے بکر کے ساتھ نکاح پڑھا تو عمرو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے عمرو پر بھی علانیہ توبہ و استغفار کرنا اور نکاح مذکور کے باطل ہونے کا اعلان کرنا واجب ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بھی بائیکاٹ کریں بکر بعد ختم عدت دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از سیّد محمد قادری جامع مسجد دبھوئی۔ ضلع بڑودہ (گجرات)

۱- زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاقیں مع مہر کے تحریر لکھ کر دیں اور جانے کی اجازت دے دی چونکہ ہندہ کا والد وغیرہ نہیں ہے اس لئے ہندہ کسی اپنے رشتہ دار کے گھر رہنے چلی گئی ابھی صرف نو دن یا پندرہ دن طلاق کو گزرے تھے کہ کچھ لوگوں نے مل کر ہندہ کی مرضی کے مطابق اس کا دوسرا نکاح کر دیا چونکہ نکاح عدت میں ہوا ہے اس لئے دریافت طلب یہ امر ہے کہ وکیل گواہ و قاضی و دیگر جو لوگ اس شادی میں شریک ہوئے ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے چونکہ قاضی ایک مسجد کا امام ہے ایسے کے پیچھے نماز درست ہے کہ نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

۲- ایک گاؤں کا امام نس بندی کرا چکا ہے آج عرصہ دو سال کا ہوا اور امامت کرتا ہے اور نکاح وغیرہ بھی پڑھتا ہے لہٰذا از روئے شرع ایسے کے پیچھے نماز درست ہے کہ نہیں؟ اور آج تک جو نماز پڑھی گئی اس کے پیچھے اور نکاح پڑھایا جائز ہے کہ نہیں؟ پڑھی گئی نماز و نکاح کا دوبارہ لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر طلاق کے بعد عورت کو بچہ نہ پیدا ہو تو نو دن میں عدت ختم ہو جانے کی کوئی صورت نہیں لہٰذا اگر جان بوجھ کر عورت مذکورہ کا نکاح عدت کے اندر دوسرے سے ہوا تو وہ نکاح باطل ہے ہرگز ہرگز منعقد نہ ہوا قال اللہ تعالٰی: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (پ۲ ع۱۲) عورت مرد میاں بیوی بننے والے، گواہ، وکیل، نکاح خواں اور ہر وہ شخص کہ جس کی رائے سے عدت میں نکاح ہوا یا شادی میں شریک ہوا سب لوگ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے ان سب پر

علانیہ توبہ واستغفار کرنا واجب ہے' اور میاں بیوی بننے والوں پر لازم ہے کہ حرام کاری نہ کریں فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور قاضی جس نے زنا کاری وحرام کاری کا دروازہ کھولا ہے وہ لوگوں کے سامنے علانیہ توبہ واستغفار کرنے کے ساتھ نکاح مذکور کے باطل ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اگر یہ سب لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں اور قاضی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھیں قال اللہ تعالیٰ: وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ٥ (پ ۷ ع ۱۴)۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۲- امام مذکور نے اگر نس بندی کے بعد توبہ کر لی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے' اور پڑھی ہوئی نمازوں کا کفارہ نہیں اور نہ ہے' اور نکاح کا دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں خواہ توبہ کے بعد پڑھایا ہو یا پہلے اس لئے کہ کافر بھی نکاح پڑھائے تو ہو جاتا ہے اگرچہ اس سے پڑھوانا گناہ ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از عبد الحق کل ہنگوا پوسٹ مہدیا ضلع گونڈہ۔

زید کا ہندہ سے عقد ہوا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ زید کو نو سال گزر گئے بغیر طلاق دیئے ہوئے بمبئی چلا گیا نہ ہندہ کو لے جاتا ہے' اور نہ طلاق دیتا ہے' اور ہندہ اپنے میکہ میں رہتی ہے۔ اب ہندہ بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے دوسرا عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟ بکر کا کہنا ہے کہ زید کے والدین اگر زید کی بیوی ہندہ کو دوسرا عقد کرنے کی اجازت دے دیں تو وہ کر سکتی ہے؟

الجواب: ہندہ سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی۔ بکر کا قول باطل ہے اس لئے کہ شریعت نے طلاق دینے کا اختیار شوہر کو دیا ہے' نہ کہ شوہر کے والدین کو قرآن مجید پارۂ دوم میں ہے: بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱؍ رجب المرجب ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: از رئیس الزماں ساکن بیبیاپور پوسٹ پیڑھی ضلع رائے بریلی

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور تقریباً پانچ سال تک زید کے ساتھ گزارے اس کے بعد کسی شناسا کے ساتھ زید کے گھر بہت سے زیورات لے کر فرار ہوگئی' اور اس نے زید کے متعلق غنیمت کا الزام لگایا لیکن ایک سال کے بعد زید نے دوسری شادی کی اور اس سے اولاد بھی ہوگئی۔ زید کی شادی ہو جانے کے بعد اس کے بھائی زید سے طلاق لینے کے لئے آئے اس پر زید نے کہا کہ میں طلاق دینے کو تیار ہوں جب کہ آپ لوگ ہمارے زیورات واپس کر دیں' اور ہم سے مہر کی رقم لے جائیں لیکن وہ لوگ زیورات دینے پر راضی نہ ہوئے اور اس ہندہ کی لڑکی کی شادی دوسری جگہ کر دی جب برادری نے ان کا بائیکاٹ کیا تو

انھوں نے ایک عذر لنگ پیش کیا کہ چونکہ زید وہابی شخص ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ کبھی نکاح صحیح ہی نہیں ہوا تھا' تو کیا ایسی صورت میں ان کی یہ دلیل صحیح ہے؟ اور ہندہ کا نکاح ثانی صحیح ہے' اور زید کے زیورات کا ناجائز ہڑپ کر جانا کیسا ہے؟ جب کہ ہندہ کو پورا پورا مہر دینے پر تیار ہے؟ برائے مہربانی جواب مفصل تحریر فرمائیں؟

الجواب: زید اگر واقعی بوقت نکاح وہابی مرتد تھا تو نکاح نہ ہوا' اور اگر بعد نکاح مرتد ہوا تو نکاح جاتا رہا' اور اگر مرتد نہیں تھا بلکہ وہابی گمراہ تھا اور ہندہ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی غیر سے حالت نابالغی میں گمراہ وہابی کے ساتھ کر دیا تھا۔ یا باپ دادا نے ہی حالت نابالغی میں ہندہ کا دوسرا نکاح گمراہ وہابی کے ساتھ کیا تھا' اور ان کا سوء اختیار معلوم تھا تو ان صورتوں میں نکاح نہ ہوا۔ طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن اگر زید وہابی نہیں تھا اور سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑکی والوں کی طرف سے یہ غلط الزام ہے' تو دوسرا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا۔ ہندہ اور اس کے بھائی وغیرہ اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈریں' اور زناکاری وحرام کاری کا دروازہ بند کریں یعنی ہندہ نئے شوہر سے میاں بیوی جیسا تعلق نہ پیدا کرے اس سے دور رہے طلاق حاصل کرنے اور عدت گزارنے کے بعد اگر چاہے تو اس سے نکاح کرے۔ سب مسلمان ہندہ اور اس کے بھائی کو ایسا کرنے پر مجبور کریں۔ اگر وہ نہ مانیں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ (پ۷ ع۱۴) اور زید کے زیوات کو ہندہ اور اس کے بھائی پر لازم ہے کہ اس کے سپرد کریں اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو حق العبد میں گرفتار، سخت گنہگار اور مستحق عذاب نار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا۔ (سورۂ مائدہ رکوع اول) وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از شمشاد احمد مدرس مدرسہ احسان العلوم کھر ہوا پوسٹ کولھوی ضلع گورکھپور

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی بعدہ زید بمبئی چلا گیا اور دو سال تک وہیں رہا ہندہ کے گھر والوں کو معلوم ہے کہ زید بمبئی میں ہے اس کے باوجود ان لوگوں نے ہندہ کی شادی بکر کے ساتھ کر دی پھر زید دو سال بعد بمبئی سے آیا تو بکر نے کوشش کر کے زید سے طلاق حاصل کی اور اب بھی ہندہ کو بکر بغیر دوسرے نکاح کے رکھے ہوئے ہے زید کے طلاق دینے سے پہلے جو نکاح کیا تھا اسی پر اعتماد کئے ہوئے ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا دوسرا نکاح جو بکر کے ساتھ ہوا وہ منعقد ہوا یا نہیں اور بغیر زید سے طلاق حاصل کئے ہوئے جو ہندہ کے گھر والوں نے اس کی شادی بکر کے ساتھ کر دی ان پر از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب: ہندہ کا نکاح جبکہ زید کے ساتھ ہوا تھا تو زید سے طلاق حاصل کرنے سے پہلے جو نکاح بکر کے ساتھ ہوا وہ ہرگز جائز نہ ہوا۔ ہندہ' بکر اور ان دونوں کے گھر والوں کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے او ن سب سے پابندی کے ساتھ نماز

پڑھنے کا عہد لیا جائے نیز میلاد شریف وقرآن خوانی کرنے، غربا ومساکین کو کھانا کھلانے، اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے بلکہ وہ ہر شخص جو اس غلط نکاح سے راضی ہوا یا ایسے لوگوں کے ساتھ کھاتا پیتا رہا ان سب کو توبہ کرائی جائے، اور اس غلط نکاح کے گواہ ونکاح خواں کو بھی علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے، اور نکاح پڑھنے والے پر لازم ہے کہ وہ نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور ہندہ وبکر پر واجب ہے کہ ایک دوسرے سے الگ رہیں پھر ہندہ بعد عدت جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے نکاح کرے ہندہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے پر ختم ہوگی قال اللہ تعالیٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (پ ۲۸ سورۂ طلاق) اور اگر حمل والی نہیں ہے بلکہ حیض والی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ تین حیض تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں اور عوام میں جو مشہور ہے طلاق والی عورت کی عدت تین مہینہ تیرہ دن ہے تو یہ بالکل غلط ہے بے بنیاد ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ ہندہ وبکر اگر نکاح صحیح سے پہلے میاں بیوی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہیں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ (پ ۷ ع ۱۴)۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: مشتاق احمد ساکن کرنیا ڈاکخانہ شنکر پور رسیا بازار ضلع بہرائچ شریف

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی۔ ہندہ کے والد نے بغیر طلاق دوسرے سے ہندہ کا نکاح کر دیا از روئے شرع نکاح خواں و شرکاء نکاح اور ان کے یہاں کھانا پینا کھلانا پلانا کیسا ہے؟ مفصل جواب بحوالہ کتب معتبرہ نوازیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ، اس کا بننے والا شوہر اور باپ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں ہندہ پر لازم ہے کہ نئے بننے والے شوہر سے فوراً الگ ہو جائے اور اس کے باپ کو چاہئے کہ اپنی لڑکی کو واپس لا کر یا تو زید شوہر اوّل کے پاس بھیجے اور یا تو باقاعدہ طلاق لے کر شرعی طریقہ سے دوسری جگہ اس کی شادی کرے اور تینوں علانیہ توبہ واستغفار کریں۔ اگر یہ سب ایسا نہ کریں تو مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں، اور نکاح خواں وغیرہ جتنے لوگ بھی جان بوجھ کر اس ناجائز نکاح میں شریک ہوئے سب توبہ واستغفار کریں، اور نکاح خواں وگواہ نکاح کا پیسہ بھی واپس کریں اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا اور سلام وکلام بند کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ (پ ۷ ع ۱۴)۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ر ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از گورکھپور

ایک عورت ہے جو کہ لاوارث ہے' اور وہ کہتی ہے کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ وہ حلف بھی اٹھانے کو تیار ہے لہٰذا کس صورت میں اس کا نکاح درست ہے؟ اور وہ مسلمان ہے بہت پریشان ہے جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: آج کل بہت سے لوگ دوسرے علاقوں سے عورتیں لے آتے ہیں اور پیسہ لے کر کسی کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ شخص اسے اپنی بیوی بنالیتا ہے۔ پھر اس قسم کی عورتیں عموماً ایک جگہ سے دوسری اور تیسری جگہ بھاگتی رہتی ہیں' اور غلط بیان وجھوٹی قسم کھا کر نکاح بیاہ کرتی رہتی ہیں لہٰذا تاوقتیکہ یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے کہ یہ عورت کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں ہے۔ اس وقت تک صرف عورت کے بیان پر اس کے ساتھ نکاح کے جواز کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ وھو تعالٰی وسبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ ر ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد یوسف۔ موضع الٰہ باش پوسٹ مہدی بازار گورکھپور

ہندہ کی شادی نابالغی کی حالت میں ہوئی' اور بالغ ہونے کے بعد ایک بار رخصتی ہوئی پھر اس کی خالہ اس کو بھگا کر کلکتہ لے گئی اور اپنے لڑکے کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ کئی سال کے بعد ہندہ اپنے میکہ آئی' تو اس کے پہلے شوہر نے اسے طلاق دی۔ طلاق کے بعد تین سال وہ بیٹھی رہی۔ پھر اس نے اپنی شادی کرنی چاہی' تو اس کی خالہ نے مخالفت کی' مگر حافظ صاحب نے نکاح پڑھ دیا' تو اس کی خالہ کی حمایت کرنے والے حافظ صاحب کو مجرم ٹھہراتے ہیں' تو حافظ صاحب کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر شوہر اوّل کے طلاق دینے سے پہلے ہندہ کی خالہ نے اس کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کیا تو وہ نکاح ہرگز نہ ہوا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کے لڑکے سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں' اور پھر نیا نکاح اگر پہلے شوہر نے طلاق دینے کے بعد ہوا اور عدت گزر گئی تھی' تو نکاح جائز ہو گیا' اور اس صورت میں نکاح پڑھنے والے پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا ہے۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ ر صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از غلام دستگیر موضع مٹھنیاں پوسٹ ہریا ضلع بستی۔

۱- زید ہندہ کو اپنی بیوی بنانے کے لئے ایک غیر معروف مقام سے لایا تو لوگوں نے اس سے طلاق نامہ مانگا' تو ہندہ نے یہ بیان دیا کہ میرا شوہر مر گیا ہے اسی بات پر ہندہ کا نکاح زید سے کر دیا گیا۔ پھر ہندہ کے دو بھائی آئے تو ان لوگوں نے بتایا کہ اس کا شوہر زندہ ہے لیکن اس نے طلاق دے دی تھی۔ ایسی صورت میں ہندہ کا جو نکاح زید کے ساتھ پڑھا گیا اس کا کیا حکم ہے؟

اور ہندہ پر جھوٹ بولنے کے سبب کیا جرم عائد ہوتا ہے؟

۲۔ نکاح کے موقع پر ایک آدمی نے ولی بن کر گواہی دی تھی کہ ہندہ کا شوہر مر گیا ہے اس کے اوپر شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آج کل عام طور پر لوگوں کو اللہ ورسول جل مجدہ وصلی اللہ علیہ وسلم کا خوف نہیں رہ گیا ہے' اور بلا کھٹک جھوٹ بولے جا رہے ہیں' لہٰذا صرف عورت کے بیان پر زید کے ساتھ جو اس کا نکاح کر دیا گیا۔ یا بعد میں ہندہ کے بھائیوں کے بیان پر کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے اس نکاح کے صحیح ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا۔ لہٰذا نکاح خواں پر لازم ہے کہ وہ نکاحانہ پیسہ واپس کرے کیونکہ پیسہ ہی کے لئے لوگ بلا تحقیق نکاح پڑھا دیا کرتے ہیں' اور جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے وہ عورت سے میاں بیوی کے تعلقات نہ قائم کرے' اور دو عادل شخص جا کر اس کے شوہر سے بیان لیں۔ اگر واقعی اس نے طلاق دی ہے' اور بعد عدت نکاح ہوا ہے تو اس کے صحیح ہونے کا حکم دیا جائے گا' اور اگر طلاق نہیں دی ہے یا دی ہے مگر عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح ہوا ہے تو نکاح صحیح نہ ہوا۔ طلاق نہ دینے کی صورت میں شوہر کے پاس عورت کو واپس کرے' اور عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح ہوا تو بعد عدت دوبارہ نکاح کرے۔ **وھو تعالٰی اعلم بالصواب.**

۲۔ جس شخص نے گواہی دی تھی کہ ہندہ کا شوہر مر گیا ہے' اگر اس کی گواہی بعد تحقیق جھوٹی ثابت ہوئی تو اس پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے۔ **وھو سبحانہ اعلم بالصواب.**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ ر ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: ہمکہ رئیس النساء دختر حیدر خاں موضع گائے گھاٹ تھانہ کلواری تحصیل ضلع بستی کی ہوں میرے باپ حیدر خاں کا انتقال ہو گیا میری ماں جان ہے عدت پوری کرنے کے بعد اس نے دوسرا نکاح اپنا کر لیا اور اس کے گھر چلی گئیں مجھے میرے چچا وغیرہ نے اپنے گھر میں رکھا سال بھر کے بعد جب میں بالغ ہو گئی تو میری شادی نعیم الدین ولد معید موضع گنیش پور سے کر دی اور رخصت کر دیا میں اپنے گھر سسرال میں رہنے لگی سال بھر خیریت سے بسر ہوا اس کے بعد میرے شوہر اور جیٹھ میرے ساتھ ظلم و ستم کرنے لگے مارنے پیٹنے لگے ایک ایک ہفتہ مجھے کھانا نہیں دیا جب بھوک سے نہیں رہ جاتا تھا تو گھاس کھا کر پانی پی لیتی تھی تین سال اس طرح بسر ہو گیا جب اور ظلم کرنے لگے تو میں اپنی جان دینے پر تیار ہوئی میرے چچا وغیرہ نے میری خبر نہیں لی میری پھوپھی پہنچ گئیں مجھے اپنے گھر لائیں اور سال بھر اپنے گھر رکھا اس کے بعد اپنے گاؤں میں عظیم الدین کے ساتھ میرا نکاح کر دیا طلاق ہم کو ہوئی نہیں ہے اس گاؤں گوبندا پور میں ایک مولوی صاحب مکتب پڑھانے آئے ہیں کہتے ہیں کہ تمہارا نکاح درست نہیں ہے تو میں نے طلاق لینے کے لئے دو آدمی اور عظیم الدین کو گنیش پور بھیجا تو نعیم الدین کے بڑے بھائی نے منع کر دیا کہ طلاق نہ دو تو طلاق نعیم الدین نے نہیں دی تو آپ علماء دین سے استدعا ہے کہ مجھ کم نصیب گنہگار کو خلع لینے کا راستہ طریقہ لکھئے کہ میں خلع لے کر اپنا نکاح کروں توبہ کروں اس لفافہ کے اندر لفافہ رکھتی ہوں کہ آپ لوگ جلد خبر دو اور نعیم الدین نے اپنی

دوسری شادی کر لی ہے اس وقت بمبئی میں ہے نعیم الدین سے خلع کیسے ہو اور لی جائے میں گنہگار پھنسی ہوں مصیبت میں۔

الجواب: بیشک مولوی صاحب نے صحیح کہا کہ پہلے شوہر نعیم الدین سے طلاق حاصل کئے بغیر عظیم الدین کے ساتھ نکاح ہرگز نہ ہوا رئیس النساء اور عظیم الدین پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور علانیہ توبہ واستغفار کریں اور نکاح پڑھانے والا قاضی، گواہ اور ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی رہا سب توبہ کریں اور قاضی پر بھی لازم ہے کہ اس نکاح کے باطل ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسے بھی واپس کرے اگر رئیس النساء و عظیم الدین ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے شوہر کو روپیہ دے کر طلاق حاصل کرنے کو خلع کہتے ہیں عظیم الدین کو چاہئے کہ نعیم الدین سے بمبئی میں ملے روپیہ پیسہ دے کر یا ڈرا دھمکا کر جس طرح بھی ہو سکے اس سے طلاق حاصل کرے پھر بعد عدت رئیس النساء سے نکاح کرے اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈرے رئیس النساء کے ساتھ حرام کاری نہ کرے۔ وھو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد ادریس قصبہ ایچولی ضلع بارہ بنکی (یو۔ پی)

زید کی بیوی ہندہ غیر مطلقہ اپنے میکے میں عرصہ سے رہ رہی تھی زید کئی بار لینے گیا لیکن ہندہ کے والدین بھیجنے کے لئے رضامند نہ ہوئے۔ اسی اثناء میں ہندہ کے والدین نے یہ کہہ کر کہ ہم نے طلاق کا فتویٰ لے لیا اور اس کا نکاح دوسرے کے ساتھ کر دی جبکہ زید نے اسے طلاق نہیں دی ہے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ نکاح درست ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں تو اس میں دیدہ و دانستہ شرکت کرنے والوں اور ناکح جس نے جان بوجھ کر یہ نکاح پڑھایا ان سب کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز ناکح کی امامت کیسی ہے؟ اور جتنی نمازیں اب تک اس کے پیچھے پڑھی گئی ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث شریف میں ہے: الطلاق لمن اخذ بالساق لہٰذا اگر شوہر نے طلاق نہیں دی ہے تو کسی کے فتویٰ لکھ دینے سے طلاق نہیں واقع ہوئی طلاق شوہر سے حاصل کئے بغیر جو نکاح کیا گیا وہ ہرگز ہرگز درست نہ ہوا۔ جس نے دیدہ و دانستہ نکاح مذکور پڑھا اور جو لوگ جان بوجھ کر اس نکاح میں شریک ہوئے وہ سب کے سب زنا کا دروازہ کھولنے والے سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں' ان سب پر علانیہ توبہ واستغفار لازم ہے' اور نکاح خواں پر لازم ہے کہ نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اس کی امامت ناجائز ہے قبل توبہ جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان سب کا اعادہ لازم ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد رفیق روضہ ضلع گونڈہ

ہندہ کی شادی زید سے ہوئی تھی عرصہ قریب ۱۵ رسال ہوا زید کا انتقال ہو گیا۔ ہندہ کا ناجائز تعلق بکر سے ہو گیا' اور اسی سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جو قریب ۱۲ رسال کا ہے۔ کیا ہندہ کا نکاح بکر سے کیا جا سکتا ہے؟

الجواب: جبکہ ہندہ کسی کے نکاح اور عدت میں نہیں ہے' اور بکر سے اس کا ناجائز تعلق بھی ہے' تو فوراً اس کا نکاح بکر سے کر دیا جائے تاکہ دونوں حرام کاری سے بچ جائیں' اور بغیر نکاح جو ہندہ اور بکر کے درمیان ناجائز تعلق رہے تو دونوں سخت گنہگار ہوئے۔ ان کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے۔ پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے' اور میلاد شریف وقرآن خوانی وغربا ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کیونکہ اعمال صالحہ قبول توبہ میں معاون ہوتے ہیں قال اللہ تعالٰی: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ (پ ۱۹ ع ۴) وهو سبحانه اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ رصفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از منشی رضا۔ مدرسہ اہلسنّت نور الاسلام کندھئی بڑہرا پوسٹ پورندر پور۔ گورکھپور

ایک عورت چھپرا سے آئی ہے' اور اس نے آنے کے ساتھ ساتھ یہاں یہ خبر دی کہ میرا شوہر زندہ ہے' اور چونکہ یہاں پھر سے دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے اپنے قول کی تاویل میں یہ کہتی ہے کہ جب میں نے یہ کہا تھا کہ میرا شوہر زندہ ہے' تو اس وقت میرا دماغ صحیح نہیں تھا اور حق یہ ہے کہ میرے شوہر کو انتقال ہوئے تین سال ہو گئے اور کچھ لوگ غیر معلوم طور پر اس کے مرنے کی شہادت دینے کو تیار ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کے اس تاویل پر اور غلط شہادت کی وجہ سے ہندہ کا دوسرا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ظاہر یہ ہے کہ عورت مکر وفریب سے کام لے رہی ہے۔ اس لئے تاوقتیکہ یقینی طور پر اس کے شوہر کے مرنے اور عدت گزرنے کا علم نہ ہو جائے۔ صرف اس عورت کے بیان پر اسے دوسرے نکاح کی اجازت نہیں دی جا سکتی' اور جو لوگ غیر معلوم طور پر اس کے مرنے کی شہادت دینے کو تیار ہیں ان کی شہادت لغو ہوگی۔ وهو تعالٰی اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ رربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از شان اللہ دہڑہ پوسٹ بشیر گنج ضلع سلطانپور

زید نے اپنی بیوی کو بمبئی سے طلاق لکھ کر بھیجی۔ طلاق کے تین چار ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا۔ زید ایک سال کے بعد گھر آیا۔ بیوی اس کے گھر میں ہے: زید کہتا ہے کہ میں اب اپنی عورت سے راضی ہوں' تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا

توجہ دوا۔

الجواب: طلاق کے تین چار ماہ بعد جبکہ لڑکا پیدا ہوا تو عورت کی عدت ختم ہوگئی۔اب اگر زید اس عورت سے راضی ہے اور تین طلاقیں نہیں دی تھیں تو عورت کی مرضی سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں، اور اگر تین طلاقیں دی تھیں تو بغیر حلالہ اس سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا۔اس صورت میں اگر زید بغیر حلالہ اس کو دوبارہ رکھے تو سب مسلمان سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار رہوں گے۔وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱/ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از نظام الدین موضع بھٹیوا پوسٹ نیوتنواں بازار ضلع گورکھپور

خالد نے اپنی بیوی جعدہ کو تین سال تک رکھا اس کے بعد جعدہ کو طلاق دے دی پھر خالد شادی شدہ لڑکی دوسری جگہ سے بھگا کر لایا جس کا نام ہندہ ہے اس کو سال بھر رکھا جب ہندہ حاملہ ہوچکی تو اس کو اپنے گھر سے نکال دیا پھر خالد نے تیسری لڑکی شادی شدہ دوسری جگہ سے بھگا کر لایا جس کا نام ساجدہ ہے اس کو تین سال تک رکھا اس سے بھی تین سال تک حرامکاری کرتا رہا ساجدہ کے شوہر کا نام عمرو ہے اس نے بھی اسے طلاق نہیں دی تھی تین سال کے بعد خالد طلاق لینے کے لئے عمرو کے پاس گیا تو عمرو نے کہا کہ مجھے چار سو روپیہ اور ایک عدد جو میرا زیور الے کرگئی ہے مجھے دے دو میں طلاق دے دوں گا جب خالد نے اس بات کو سنا تو وہاں سے اپنے گھر چلا آیا تو یہ بات مشہور کردی اپنے گاؤں میں کہ وہ دیوبندی ہے اس پر خالد نے فتویٰ منگایا اور جب فتویٰ آیا تو حامد نے سب حرکتوں کو جانتے ہوئے خالد کا نکاح پڑھ دیا اور خالد مسجد کا امام بھی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ایسی صورت میں از روئے شرع خالد پر کیا حکم ہے؟ اور حامد پر جس نے نکاح پڑھ دیا اور جو اس نکاح کے گواہ ہوئے ان پر کیا حکم ہے؟ نیز کتب معتبرہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں مع حوالہ جات تحریر فرمائیں۔

الجواب: خالد سخت گنہگار، ظالم جفا کار اور مستحق عذاب نار ہے اس پر علانیہ توبہ واستغفار کرنا لازم ہے پھر ساجدہ کا شوہر عمرو اگر واقعی وہابی ہے یعنی مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی اور خلیل احمد انبیٹھی کی عبارات کفریہ قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ تحذیر الناس ص ۳، ۱۴، ۲۸، اور براہین قاطعہ ص ۵۱ پر یقینی اطلاع پاتے ہوئے مولویان مذکور کو کافر و مرتد نہیں کہتا یا مسلمانان اہلسنت کو کافر و مرتد جانتا ہے تو بمطابق فتویٰ حسام الحرمین وہ وہابی مرتد ہے اس صورت میں خالد کا نکاح ساجدہ کے ساتھ ہوگیا کسی پر کوئی گناہ نہیں کہ مرتد ہونے کی وجہ سے ساجدہ کا نکاح عمرو کے ساتھ ہوا ہی نہیں تھا فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط اور اگر ساجدہ کے شوہر عمرو کو وہابیوں کے کفریات قطعیہ کی خبر نہیں صرف اس کا طریقہ کار وہابیوں جیسا ہے تو وہ وہابی گمراہ ہے اس صورت میں ساجدہ کا نکاح خالد کے ساتھ نہیں جائز ہوا اور اگر عمرو سنی ہے تو اس صورت میں بھی نکاح نہیں

ہوا۔ لہٰذا ان دونوں صورتوں میں خالد پر لازم ہے کہ فوراً ساجدہ کو اپنے سے الگ کردے اور علانیہ توبہ واستغفار کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں نہ اس کے پاس بیٹھیں اور نہ اس کو اپنے پاس بیٹھنے دیں قرآن مجید پارۂ ہفتم رکوع ۱۴ میں ہے: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور ان دونوں صورتوں میں مسجد کے امام حامد پر لازم ہے کہ نکاح کے جائز نہ ہونے کا اعلان عام کرے بالاعلان توبہ واستغفار کرے اور نکاحانہ بھی واپس کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بھی مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور جو لوگ اس نکاح کے گواہ بنے بلکہ ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی رہا سب بالاعلان توبہ واستغفار کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ ربیع النور ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از عبد القادر مقام سکھا بارہ۔ ڈاکخانہ گادی بھرکٹہ ضلع گریڈیہہ (بہار)

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو اس وقت طلاق دی جبکہ وہ چار ماہ کی حاملہ تھی۔ بکر نے ہندہ سے عقد کرلیا۔ پانچ ماہ کے بعد جب ہندہ کی لڑکی پیدا ہوئی تو بکر نے اسے گھر سے نکال دیا' اور بکر اسے نہ کھانا وغیرہ دیتا ہے' اور نہ طلاق دیتا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کو بکر سے طلاق حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ ہندہ کا نکاح مجھ سے حالت حمل میں ہوا اس لئے وہ ازروئے شرع ہماری بیوی نہیں ہوئی۔ طلاق دینے کی ضرورت نہیں؟

الجواب: جبکہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو حالت حمل میں طلاق دی تو اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ پارہ ۲۸ رسورۂ طلاق میں ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ پھر بکر نے اگر یہ جانتے ہوئے کہ عورت عدت میں ہے اس سے نکاح کیا تو وہ نکاح ہی نہ ہوا۔ اس صورت میں نہ طلاق کی ضرورت ہے نہ عدت کی۔ عورت فوراً دوسرا کرسکتی ہے' اور اگر بکر یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ عورت عدت میں ہے اس طرح اس سے نکاح ہوا تو نکاح فاسد ہوا۔ اس صورت میں بھی طلاق کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر بکر نے بعد نکاح فاسد اس سے وطی کی ہے تو جس دن بکر نے ہندہ کو گھر سے نکالا اس دن سے عورت پر عدت واجب ہوئی۔ عدت گزارے بغیر وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی مگر نکاح فاسد کی عدت میں شوہر پر نفقہ واجب نہیں جیسا کہ جوہرہ نیرہ جلد دوم ص ۱۴۶ کتاب النفقات میں ہے: انما تجب فی النکاح الصحیح وعدته اما الفاسد وعدته فلا نفقة لها فیه' اور بکر نے اگر اسے بچہ پیدا ہونے کے بعد نکالا تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ خواہ تین حیض تین ماہ، تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ اور ایسی عورت مطلقہ کے حکم میں ہے: ھٰذا ما ظھرلی والعلم بالحق عنداللہ تعالٰی ورسوله جل جلاله وصلی اللہ علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ رذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئله: از عبدالغنی ساکن چتیوا ضلع بستی۔

سبل حسن عرف غریب اللہ ساکن چتیوا ضلع بستی کا نکاح ستلی بنت برساتی ساکنہ مدھوا پور ضلع بستی کے ساتھ ہوا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد غریب اللہ کے گھر والوں نے لڑکی والوں سے رخصتی کا مطالبہ کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ لڑکی ابھی بچی ہے چھ برس کے بعد گونا دیا جائے گا۔ اس پر غریب اللہ گھر سے باہر چلے گئے پھر لڑکی والوں نے غریب اللہ سے طلاق حاصل کئے بغیر ستلی مذکورکا نکاح مقام سہنیاں میں ایک دوسرے شخص سے کر دیا۔ پھر غریب اللہ چھ برس کے بعد گھر واپس ہوئے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ستلی کا نکاح جو دوسرے شخص سے ہوا وہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور ستلی کا شوہر شرعی نقطۂ نگاہ سے کون ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں ستلی مذکورہ کا جو نکاح دوسرے شخص سے کر دیا گیا وہ ناجائز اور باطل ہے لقولہ تعالیٰ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ جس طرح اس باطل نکاح سے پہلے ستلی کا شوہر غریب اللہ تھا ویسے ہی اب بھی غریب اللہ ہی ستلی کا شوہر ہے۔ واللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ اعلم جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

مسئلہ: از محمد صفت بارک پار ضلع بستی

ایک عورت جس کا نکاح ایک شخص کے ساتھ ہوا تھا وہ عورت اپنے اس شوہر کے پاس نہیں گئی اور نہ طلاق ہوئی مگر اس عورت نے دوسرا شوہر کر لیا۔ پھر اس کو ناپسند کر کے تیسرا شوہر دوسری جگہ کر لیا۔ پھر اس کو ناپسند کر دیا۔ چوتھی دفعہ ایک اور شخص کے یہاں آئی وہ اسے اپنے لڑکے کے ساتھ منسوب کرنا چاہتا ہے ایک نکاح پڑھنے والے صاحب جو کہ اس موضع کے امام ہیں اس شخص سے جو کہ اس عورت کو اپنی بہو بنانا چاہتا ہے کہا کہ ہمیں شبہ ہے کہ یہ عورت بلا طلاقی ہے۔ اس کا نکاح پڑھنا ناجائز ہے وہ شخص عورت کے تیسرے شوہر کے پاس گیا اور کچھ رقم خرچ کر کے دو آدمیوں کے سامنے طلاق نامہ لکھوالیا۔ اب اس نے اسی نکاح پڑھنے والے صاحب سے کہا کہ ہم طلاق نامہ لکھوالائے ہیں اب آپ نکاح پڑھ دیجئے۔ ان نکاح پڑھنے والے امام نے کہا کہ بھائی عدت گزر جانے دو اس کی عدت تین ماہ ہے بعد عدت نکاح ہوگا' حالانکہ وہ صاحب اس واقعہ سے بخوبی واقف ہیں دیدہ و دانستہ صاف جواب نہیں دیتے ہیں۔ وہ عورت اسی نئے شوہر کے پاس ہے تو کیا یہ نکاح جائز ہے؟ اور جو نکاح پڑھنے والے صاحب نے ایسا ہی جواب دیا اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اس عورت کا شوہر اوّل کے بغیر طلاق یا موت دوسرے سے نکاح کر لینا قطعاً ناجائز حرام ہوا۔ چہ جائیکہ تیسرا اور چوتھا نکاح۔ لہٰذا تیسرا شوہر اگر ہزار بار طلاق دے تو کچھ نہیں جب تک کہ پہلے شوہر سے طلاق یا اس کی موت پر اس کی عدت نہ گزر جائے دوسرا اور تیسرا اور چوتھا کوئی بھی نکاح درست نہیں ہوا اور اسی فرضی نکاح کے ذریعہ جو کچھ بھی زن و شوہری تعلقات قائم ہوئے سب حرام سخت حرام ہوئے۔ اگر ہمبستری بھی ہوئی تو خالص زنا ہوا عورت اور مرد دونوں سخت حرام کار' عذاب نار' باعث عقاب جبار و قہار ہیں۔ دونوں پر فرض ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات ختم کر کے فوراً الگ

ہو جائیں اور ان پر نکاح پڑھانے والے اور واقعہ سے باخبر ہو کر شریک نکاح ہونے والوں پر توبہ فرض ہے کہ جب تک یہ لوگ توبہ و بیزاری ظاہر نہ کر دیں دوسرے مسلمانوں کا ان سب سے قطع تعلق کرنا واجب ہے' اور جن امام صاحب نے واقعہ کو جان کر مسئلہ گول مول کر رکھا ہے ان پر بھی توبہ لازم ہے توبہ اور اس ناجائز عمل پر بیزاری ظاہر کر دینے پر بشرائط امامت نماز پڑھا سکتے ہیں ورنہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں اور مدت عدت مطلقاً تین ماہ سمجھنا غلط ہے ایسے سمجھنے والے اور سمجھانے والے توبہ کریں مسئلہ شرعا یوں ہے کہ اگر مطلقہ آئسہ ہو چکی ہے یعنی پچپن سالہ میں جا کر حیض سے بالکل ناامید ہو چکی ہے تو اس کی عدت صرف تین ماہ ہے' اور اگر نابالغہ ہے یعنی ابھی اسے حیض شروع ہی نہیں ہوا تو بھی یہی تین ماہ اور مطلقہ اگر حاملہ ہو تو وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہو جانا اس کی عدت ہے' اور ان کے علاوہ مطلقہ عورت مکمل تین حیض سے عدت پوری کرے۔ وہ چاہے ساٹھ دن میں ہو یا چھ برس میں یا اس سے زیادہ لگ جائے قال اللہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ یعنی طلاق شدہ عورتیں مکمل تین حیض تک انتظار کریں ہاں جس کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ ھٰکذا فی الکتب والسنة واللہ ورسولہٗ الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ: العبد نعیم الدین احمد عفی عنہ صدیقی
رضوی گورکھپوری، ۱۵ ررجب المرجب ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: مرسلہ حبیب جمعدار ریلوے اسپتال گورکھپور

زید نے اپنی بیوی محمودہ کو طلاق دے دی عدت کے اکیسویں دن باہر سے مولوی بلا کر لوگوں نے محمودہ کا نکاح بکر سے کر دیا۔ جب پنچایت نے یہ کہا کہ محمودہ کا نکاح ناجائز ہے تو لوگوں نے کہا کہ اس مرتبہ ہم نے اس نکاح کو جائز قرار دے دیا ہے اب ناجائز نہیں قرار دیں گے اور آیندہ ایسا نہ کریں گے' تو شرعی حکم کیا ہے؟ مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: اگر زید نے خلوت صحیحہ اور ہمبستری سے پہلے طلاق دی ہے تو محمودہ پر عدت نہیں اور بکر سے نکاح کرنا صحیح ہے۔ لیکن اگر زید نے خلوت صحیحہ یا ہمبستری کے بعد طلاق دی ہے تو عدت گزارنے سے پہلے شرعاً محمودہ سے بکر کا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ خواہ کوئی مولوی نکاح پڑھے یا مفتی۔ لہٰذا اگر اس مولوی نے اور گواہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ محمودہ کی عدت ختم نہیں ہوئی اور نکاح پڑھ دیا تو وہ مولوی اور گواہ سب علانیہ توبہ کریں اور نکاح مذکور کے غلط ہونے کا اعلان عام کریں' اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس مرتبہ ہم نے اس نکاح کو جائز قرار دے دیا ہے اب ناجائز نہیں قرار دیں گے۔ یہ لوگ سخت گنہگار لائق عذاب قہار اور دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوں گے۔ ان لوگوں پر علانیہ توبہ کرنا اور محمودہ کو بکر سے علیحدہ کر دینا واجب اور لازم ہے تاکہ وہ دونوں میں بیوی کے تعلقات قائم نہ رکھیں' اور شرعی حکم معلوم ہو جانے کے بعد اگر ان دونوں نے آپس میں ازدواجی تعلقات کو قائم رکھا تو وہ دونوں سخت حرام کار، زناکار اور نہایت بدکار ہیں۔ مسلمانوں پر ایسے لوگوں سے قطع تعلق کرنا واجب ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹؍ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: از جمعراتی ساکن خلیل آباد ضلع بستی

زینب کا نکاح ہوا کچھ دنوں بعد اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا عدت گزرنے کے بعد زینب نے دوسرا نکاح کیا کچھ دن اس دوسرے شوہر کے ساتھ رہی پھر بغیر طلاق لئے صوبئ چودھری اور نبی بخش نے اس کا نکاح تیسرے شخص کے ساتھ کر دیا حالانکہ ان دونوں کو معلوم تھا کہ اس کے دوسرے شوہر نے اسے طلاق نہیں دی ہے۔ اب زینب، صوبئ اور چودھری کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زینب کا نکاح تیسرے مرد کے ساتھ ہرگز جائز نہیں ہوا صوبئ چودھری اور نبی بخش علانیہ توبہ کریں اور زینب کو اس تیسرے مرد سے جدا کرائیں۔ اگر صوبئ چودھری اور نبی بخش علانیہ توبہ نہ کریں اور زینب کو اس تیسرے مرد سے جدا کرنے میں حتی الامکان زور نہ لگائیں تو تمام مسلمان ان کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سلام وکلام کرنا ہر قسم کے اسلامی تعلقات ختم کر دیں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ نکاح خواں، گواہ اور دیگر حاضرین مجلس نکاح جو اس نکاح سے راضی رہے سب توبہ کریں۔ زیب پر بھی واجب ہے کہ فوراً ہی تیسرے مرد سے الگ ہو کر علانیہ توبہ کرے اور شوہری تعلقات ہرگز قائم نہ رکھے ورنہ سخت گنہ گار، لائق عذاب قہار، اور دین و دنیا میں روسیاہ وشرمسار ہوگی اور توبہ نہ کرنے اور اپنے تیسرے مرد سے جدا نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ زینب کا بھی بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ

مسئلہ: از عبد الرشید متعلم مدرسہ علیمیہ انوار العلوم ملحقہ خانقاہ آباد انیہ سرکانہی شریف مظفر پور

(۱) زید نے اپنی لڑکی ھندہ کا عقد بکر سے کر دیا (درحالت صحت دماغ بکر) کچھ دنوں کے بعد بکر کا دماغی توازن بگڑ گیا جنونی کیفیت طاری ہوگئی زید نے بہت دنوں بکر کا علاج کرایا لیکن اس کا دماغی توازن درست نہ ہو سکا بعد ازیں زید نے بکر کے گاؤں والوں سے ہندہ کے لئے کسی دوسرے سے نکاح کر دینے کی تحریری اجازت حاصل کر لی اور ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بکر کے دماغی خلل کی وجہ سے اس کی بیوی کا نکاح بلا اس کے طلاق دیئے ہوئے خالد سے صحیح ہو سکتا ہے؟

(۲) بعد درستگی دماغ بکر گاؤں کے چند اشخاص کے ساتھ ہندہ کے گھر آیا اور کہا کہ میرا دماغی توازن ٹھیک ہو گیا ہے لہٰذا اپنی لڑکی ہندہ کو میرے گھر جانے دو تو زید نے کہا کہ جن لوگوں نے ہمیں ھندہ کا عقد ثانی کرنے کی تحریری اجازت دی ہے

وہی لوگ میرے یہاں آ کر تحریری اجازت دے دیں تو میں لڑکی کو تمھارے یہاں جانے دونگا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا زید کا عذر صحیح ہے؟

الجواب: (۱) صورت مسئولہ میں ھندہ شرعاً بکر کی بیوی ہے ہرگز ہرگز کسی دوسرے سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ بکر مر نہ جائے یا جنون سے صحت یاب ہو کر ھندہ کو طلاق نہ دے دے محض گاؤں والوں کی اجازت پر خالد سے نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا اس لئے کہ انھیں یہ حق حاصل نہیں حتیٰ کہ بکر کا ولی بھی دوسرے سے نکاح کی اجازت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ھندہ کے لئے کسی دوسرے سے نکاح کر دینے کی اجازت حاصل کرنے والے، اجازت دینے والے، ھندہ کا خالد سے نکاح پڑھنے والے، گواہ، جملہ حاضرین مجلس نکاح اور جو لوگ بھی اس نئے نکاح سے راضی رہے سب علانیہ توبہ کریں۔

(۲) زید پر اپنی لڑکی ھندہ کو بکر کے گھر بھیج دینا واجب اور لازم ہے' اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ رصفر المظفر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از رمضان علی مقام راج منڈل خرد عرف برگدہی پوسٹ پورندر پور ضلع گورکھپور

ھندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہوا بکر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی بکر کی ماں اور اس کی بیوی کا برابر جھگڑا ہوتا رہا بکر کی ماں نے بکر سے کہا اگر تمھاری بیوی رہے گی تو میں نہیں رہوں گی بنا بریں بکر نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا کہ میں تم کو نہیں رکھوں گا۔ ھندہ نے مسلمانوں کی پنچایت میں معاملہ پیش کیا بکر سے پنچایت نے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو گھر سے کیوں نکال دیا اس نے جواب دیا کہ اگر یہ رہے گی تو میری ماں نہیں رہے گی اس صورت میں یہ رہے یا نہ رہے مگر میں اپنی ماں کو نہیں چھوڑوں گا بکر نہ تو ھندہ کو صاف صاف طلاق دیتا ہے' اور نہ ہی رکھتا ہے' اور لڑکی اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے ھندہ نے دو سال تک انتظار کیا اس کے بعد ھندہ نے بغیر طلاق لئے زید سے نکاح کر لیا اس سے تین بچے پیدا ہوئے گاؤں والے ان کے ہاں کھانا وغیرہ نہیں کھاتے زید بکر سے بار بار تقاضا کرتا ہے کہ تم طلاق دے دو مگر بکر طلاق نہیں دیتا ہے ہاں اس بات پر طلاق دینے کو تیار ہے کہ اگر ہماری لڑکی مل جائے تو میں طلاق دے دوں گا لیکن لڑکی کا ماموں لڑکی دینے کو تیار نہیں ہے...... زید بکر کو روپیہ بھی دیتا ہے کہ جو کچھ روپیہ دے دیں مگر طلاق دے دو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ھندہ کیا کرے؟ اور از روئے شرع بکر پر کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ ھندہ نے بکر سے طلاق حاصل کئے بغیر زید سے نکاح کیا اس لئے یہ نکاح جائز نہ ہوا لہٰذا ھندہ فوراً زید سے الگ ہو جائے اور ھندہ کا نکاح زید کے ساتھ پڑھنے والے، گواہان، جملہ حاضرین مجلس نکاح اور زید و ھندہ علانیہ توبہ کریں...... چونکہ ھندہ کے مبتلائے فسق کے بعد بکر کی لڑکی کی پرورش کا حق لڑکی کی نانی کو ہے لہٰذا اگر نانی کی پرورش میں ہے' اور لڑکی کی عمر نو سال سے کم ہے' اور ماموں لڑکی کو بکر کے سپرد کرنے سے انکار کرتا ہے' اور بکر اس بنیاد پر طلاق نہیں دیتا

ہے تو بکر سخت گنہگار ہے اس صورت میں تاوقتیکہ بکر طلاق نہ دے تمام مسلمان بکر کا بائیکاٹ کریں اور اگر لڑکی کی نانی نہیں ہے اور لڑکی اپنے ماموں کی پرورش میں ہے یا لڑکی اپنی نانی کی پرورش میں ہے لیکن اس کی عمر نو سال ہو چکی ہے تو ایسی صورت میں ماموں پر ضروری ہے کہ لڑکی بکر کے سپرد کردے ان دونوں صورتوں میں اگر لڑکی بکر کے سپرد نہ کرنے کے سبب بکر طلاق نہ دے گا تو ماموں گنہگار ہوگا خلاصہ یہ کہ جس طرح بھی ہو سکے بکر سے طلاق حاصل کی جائے طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کسی سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتی لہٰذا زید و ہندہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں ورنہ تمام مسلمان ان دونوں کا بائیکاٹ کریں یعنی ان کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سلام و کلام کرنا اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات بند کر دیں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ر شوال ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از کلو مقام گورا پوسٹ اس کا بازار ضلع بستی

تجمل حسین نے اپنی بیوی عزیز النساء کو حالت حمل میں طلاق دے دی تو عزیز النساء کچھ دنوں میکہ میں رہ کر ایک دوسرے شخص کے پاس چلی گئی وہیں اس کو بچہ پیدا ہوا پھر جب دوسرا حمل ہوا تو اسی شخص مذکور کے ساتھ نکاح کر لیا اب عزیز النساء تجمل حسین کے پاس رہنا چاہتی ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: تجمل حسین نے جو حالت حمل میں عزیز النساء کو طلاق دی تو وہ طلاق واقع ہو گئی اور بچہ پیدا ہونے پر اس کی عدت بھی ختم ہو گئی لہٰذا ناجائز حمل ہونے کی صورت میں اس نے جو دوسرے شخص سے نکاح کیا وہ صحیح ہو گیا اب دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر شوہر اوّل کے پاس وہ ہرگز ہرگز نہیں رہ سکتی...... اگر شوہر ثانی سے طلاق حاصل کئے بغیر تجمل حسین عزیز النساء کو رکھے تو تمام مسلمان تجمل حسین کا بائیکاٹ کر دیں یعنی اس کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سلام و کلام ہر قسم کے اسلامی تعلقات بند کر دیں۔ واللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ر رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از محمد علی جیتی پور۔ ضلع بستی

ایک غریب لڑکی دو سال سے میکہ میں بیٹھی ہے شوہر نہ اس کو لے جاتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے تو کیا اس صورت میں دوسرے سے اس کا نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کی جائے یا شوہر کو رخصت کرانے پر مجبور کیا جائے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از محمد حسین ڈھوا بڑھنی بازار ضلع بستی۔

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کئی سال رکھا اور اس سے ایک لڑکی بھی ہے قریب تین دفعہ ہوا کہ زید نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا پنچایت کرنے پر لوگوں نے بھیجنے پر مجبور کیا اور میں نے بھیج دیا اس کے بعد پھر نکال دیا اور مسلسل تین سال ہو گئے نہ تو لے جا رہا ہے اور نہ کھانا کپڑا دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے آپ سے گزارش ہے کہ اسلام کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید کو اپنی بیوی ہندہ کا نان ونفقہ دینے پر مجبور کیا جائے یا گاؤں کی پنچایت وغیرہ کا دباؤ ڈال کر کسی طرح اس سے طلاق حاصل کی جائے۔ هٰذا ما ظهر لي والعلم عند الله تعالیٰ ورسولہ جل جلاله صلى الله عليه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵؍ ربیع الآخر ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از اقبال احمد، محمد حسین ہریا چندرسی ہنگھسری ضلع گونڈہ۔

ہندہ شادی شدہ ہے کسی خانگی کشیدگی کی بناء پر زید بمبئی چلا گیا۔ ہندہ میکے ہی میں ہے عرصہ چار سال ہونے کو ہوا زید گھر نہیں آیا البتہ خطوط کے ذریعہ ہندہ کو بلایا کہ تم بمبئی چلی آؤ۔ ہندہ مذکورہ نے بمبئی جانے سے انکار کیا ہندہ منکوحہ کے والدین نے بوجہ مجبوری علمائے فرنگی محل کے نام استفتاء بھیجا علمائے فرنگی محل نے فتویٰ دیا کہ ہندہ دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے......صورت مذکورہ میں کیا یہ فرنگی محل کا فتویٰ درست ہے؟ اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اور ہندہ کا نیا شوہر سنی صحیح العقیدہ بریلوی بھی ہے یہ بھی علمائے حق اہلسنّت سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ دور کے علمائے فرنگی محل دیوبند سے کم نہیں ہیں۔ اب قاضی اور گواہان نکاح پر کیا شرعی کوئی حکم عائد تو نہیں ہے؟ اگر کوئی جرم عائد ہوتا ہے تو اس کی سزا کیا ہے؟ قاضی، گواہان اور ہندہ، نیز اس کا نیا شوہر اور بکر کیسے صاف ستھرے ہوں گے؟ علمائے حق زحمت کر کے صحیح فتویٰ دے کر ہم لوگوں پر احسان عظیم کر کے جزائے خیر کے مستحق ہوں۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ صورت مسئولہ میں اگر علمائے فرنگی محل نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے تو وہ فتویٰ سراسر غلط ہے ہرگز قابل عمل نہیں۔ ہندہ اب بھی اپنے شوہر کی بدستور سابق بیوی ہے۔ دوسرا نکاح ہرگز جائز نہیں ہوا۔ نکاح خواں اور گواہوں پر علانیہ توبہ واستغفار واجب ہے اور قاضی دوسرے نکاح کے باطل ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور ہندہ و بکر فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور یہ دونوں بھی علانیہ توبہ

استغفار کریں اور آپس میں ہرگز میاں بیوی کے تعلقات قائم نہ کریں کہ حرام اشد حرام ہے۔ اگر ہندہ کو بکر اپنے سے الگ نہ کرے اور میاں بیوی جیسا تعلق اس کے ساتھ باقی رکھے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ پارہ ۷ رکوع ۱۴ میں ہے: وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد امین موضع کنو پوسٹ سنگرام پور ضلع سلطانپور

زید نے اپنے بھائی کے انتقال کے عرصہ پانچ ماہ بعد اس کی بیوی کو بالاعلان اپنی زوجہ بنا کر بغیر نکاح کئے اپنے پاس رکھ لیا۔ شرعاً زید پر کیا حکم ہے۔ نیز زید اگر اس سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید فاسق معلن ہے اس پر بالاعلان توبہ کرنا اور اس بیوہ عورت سے فوراً علیحدہ ہو جانا تاوقتیکہ نکاح نہ ہو جائے فرض ہے۔ بیوہ عورت اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت ۴ ماہ ۱۰ دن ہے اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اگر اس بیوہ عورت کی عدت ختم ہو چکی ہو تو زید اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: رحیم الدین احمد القادری الرضوی

۲۵ر ذی القعدہ ۱۳۸۵ھ

ارشاد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ

علم دین فقہ و حدیث ہے۔ منطق و فلسفہ کے جاننے والے علماء نہیں۔ یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں، تو جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالم دین ہے اگر چہ دوسرا حدیث و تفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہو۔

(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۷۲)

باب الولی والکفو

ولی اور کفو کا بیان

مسئلہ: شوکت علی موضع پلیا ٹیک دھرڈا کخانہ ادے راج گنج ضلع بستی۔

زید نے اپنی پہلی لڑکی کا نکاح حالت نابالغی میں ایک نابالغ لڑکے کے ساتھ کئی سال پہلے کر دیا تھا لڑکا ابھی تک نابالغ ہی ہے' اور لڑکی بالغ ہوگئی ہے جو اپنے شوہر کے پاس جانے کو تیار نہیں ہے۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ زید اس کا دوسرا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حالت نابالغی میں باپ یا دادا کا کیا ہوا نکاح اس طرح لازم ہو جاتا ہے کہ لڑکی کسی طرح اسے فسخ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی کا دوسرا نکاح کرنا حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اگر اس کا شوہر مر جائے یا بالغ ہونے کے بعد اس طلاق دے تو وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۷ میں ہے: ان زوجهما الاب اوالجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما' اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۳۰۸ میں ہے: لزم النكاح ولوبغبن فاحش اوبغير كفوأان كأن الولى ابا اوجدالم يعرف منهما سوء الاختيار' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۳۰ میں ہے: لايقع طلاق الصبی وان كان يعقل هٰكذا فی فتح القدير. وهو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد ادریس ساکن دھوبہی پوسٹ کھنڈسری بازار ضلع بستی۔

ہندہ بالغہ کی شادی اس کے باپ نے بغیر اجازت بکر کے ساتھ اپنے گھر پر ۱۰ بجے رات میں کی۔ جب سویرا ہوا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ بکر کو ٹی۔ بی کی بیماری ہے۔ یہ خبر جس وقت ہندہ کو معلوم ہوئی کہ بکر کو ٹی۔ بی کی بیماری ہے۔ اس پر اپنی ناپسندی کا اظہار کرتے ہوئے ہندہ نے کہا: جس وقت میری شادی کی گئی تھی تو کیا مجھ سے پوچھا گیا تھا۔ میں نے کسی سے کہا کہ میری شادی بکر سے کردو۔؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہوا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بکر کے مبتلائے ٹی۔ بی کی خبر سے پہلے ہندہ کو نکاح کی خبر پہنچی یا نہیں؟ اگر پہنچی تو کس نے پہنچائی؟ پھر خبر

پہنچنے پر اس نے سکوت اختیار کیا یا کچھ کہا یا نہیں یا روئی ؟ اور عقد کے وقت ہندہ کنواری تھی یا ثیبہ۔
اگر ہندہ کو بکر کے بتلائے ٹی۔ بی ہونے کے ساتھ نکاح کی خبر ملی اور اس نے مذکورہ بالا جملے کہے تو نکاح باطل ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لایجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب اوسلطان بغیر اذنها بکر اکانت اوثیباً فان فعل ذلك فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جازوان ردته بطل. کذا فی السراج الوهاج' اور اگر بیماری کی خبر سے پہلے ہندہ کو بکر کے ساتھ نکاح کی خبر دی گئی اور خبر دینے والا خود باپ یا اس کا قاصد یا کوئی فضولی عادل تھا اور وہ کنواری تھی پھر اس نے سکوت اختیار کیا یا ہنسی (جبکہ استہزاءً نہ ہو) یا مسکرائی یا بغیر آواز کے روئی' تو ان سب صورتوں میں اذن سمجھا جائے گا یعنی عقد ہو گیا' اور اگر عقد ہونے کے وقت ہندہ کنواری نہیں تھی بلکہ ثیبہ تھی اور اس نے سکوت اختیار کیا تو نکاح نہ ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لو استاذن الثیب فلابد من رضاها بالقول وکذا اذا بلغها الخبر هٰکذا فی الکافی۔ هٰذا ماعندی والعلم عندالله تعالٰی ورسولهٗ جل جلاله وصلی الله علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از شان اللہ مقام ڈہرہ ضلع سلطان پور۔
ہندہ دو بچوں والی ہے ہندہ کے والد نے اپنی مرضی سے اس کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا زید کے گھر جانے پر ہندہ کو معلوم ہوا کہ وہ نشہ باز ہے اس لئے ہندہ نے ہمبستری سے انکار کر دیا اور تیسرے دن زید سے طلاق لے لی۔ پھر ایک ماہ بعد بکر سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اور اس نکاح میں شریک ہونے والے گواہوں اور قاضی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ہندہ اگر کسی کے نکاح یا عدت میں نہ تھی تو اس کے والد کا اپنی مرضی سے کیا ہوا نکاح فضولی ہوا کہ ہندہ کی اجازت پر موقوف تھا۔ پھر وہ بلا جبر و اکراہ شوہر کے یہاں رخصت ہو کر گئی تو اجازت فعلی پائی گئی نکاح صحیح ہو گیا اب اگر زید نے وطی نہیں کی مگر خلوت صحیحہ (عورت و مرد کی ایسی تنہائی کہ جوئی چیز مانع ہمبستری نہ ہوگی) پائی گئی اور اس کے بعد زید نے طلاق دی تو ہندہ پر عدت گزارنا واجب ہے قبل انقضاء عدت بکر سے نکاح جائز نہ ہوا فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۴۷۱ میں ہے: رجل تزوج امرأة نکاحا جائزا فطلقها بعد الدخول اوبعد الخلوة الصحیحة کان علیها العدة کذا فی فتاویٰ قاضی خاں۔ لہٰذا ایسی صورت میں ہندہ و بکر ایک دوسرے سے الگ رہیں اور میاں بیوی کے تعلقات آپس میں ہرگز نہ قائم کریں ورنہ دونوں سخت گنہگار و حرام کام ہوں گے اور اس نکاح سے راضی رہنے والے، شریک ہونے والے، گواہ اور نکاح خواں سب علانیہ توبہ کریں اور نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کریں' اور اگر خلوت صحیحہ نہیں پائی گئی تو عدت واجب نہیں۔ اس صورت میں بکر کے ساتھ نکاح صحیح ہو گیا اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو۔ هٰذ ماعندی. وهو تعالٰی اعلم

بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از جلال الدین خاں موضع بنڈریا مرزاپورا ترولہ۔ گونڈہ

بکر نے اپنی بیٹی ہندہ کا عقد بغیر اس کی رضامندی کے زید کے ساتھ کر دیا تھا دران حالیکہ ہندہ بالغہ تھی اس واقعہ کو بھی تقریباً آٹھ سال گزر گئے اور ہندہ ابھی تک نہ اپنے سسرال گئی اور نہ ہی خلوت ہوئی ایسی صورت میں عقد مذکور ہوا کہ نہیں' اور لڑکی اپنا دوسرا عقد کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب: عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے نہیں ہوسکتا اور اگر کسی نے کر دیا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۹ میں ہے: لایجوز نکاح احد علیٰ بالغۃ صحیحۃ العقل من اب اوسلطان بغیرا ذنھا بکراً کانت اوثیباً فان فعل ذٰلك فالنکاح موقوف علیٰ اجازتھا فان اجازتہ جازوان ردتہ بطل کذا فی السراج الوھاج۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر باپ کے کئے ہوئے نکاح کو ہندہ نے رد کر دیا تھا تو اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے' اور اگر پہلے رضامند نہ تھی مگر باپ کے کئے ہوئے نکاح کو اس نے جائز کر دیا تھا تو اس صورت میں بغیر طلاق دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ رصفر المظفر ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از عبدالرشید خان موضع سنگاؤں فتح پور۔

ماموں نے اپنی نابالغ بھانجی کا نکاح اپنی اجازت سے کر دیا حالانکہ اس وقت باپ و بھائی بھی موجود تھے جس وقت لڑکی بالغ ہوئی تو اس وقت لڑکی نے کہا کہ میں اس شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور لڑکی نے عدالت منصفی میں ایک دعویٰ بھی دائر کیا جس میں لڑکی نے یہ دکھلایا کہ میرا نکاح نابالغی میں ہوا تھا اور اب میں بالغ ہوگئی ہوں اور مجھے اختیار ہے کہ میں اپنا نکاح فسخ کر دوں اور عدالت منصفی نے لڑکی کا نکاح فسخ کر دیا اس صورت میں لڑکی اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں نابالغ بھانجی کا نکاح باپ کی اجازت کے بغیر اگر ماموں نے غیر کفوٗ سے کیا یا مہر میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تو نکاح باطل ہوا درمختار مع شامی جلد اوّل ص ۳۰۵ میں ہے: ان کان الزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لایصح النکاح من غیر کفؤا وبغبن فاحش اصلا۔ اور اگر باپ کی اجازت کے بغیر صرف ماموں نے کفوٗ کے ساتھ مہر مثل کے بدلے کیا تو نکاح فضولی ہوا اس صورت میں باپ کی اجازت پر موقوف تھا اگر اس نے نکاح کی خبر سن کر رد کر دیا

مثلاً کہا کہ میں اس نکاح کو جائز نہیں ٹھہراتا یا رد کرتا ہوں یا میں راضی نہیں ہوں یا ان کے مثل اور کوئی لفظ کہا تو رد ہوگیا اس صورت میں لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور اگر باپ نے اس نکاح کی اجازت پہلے دے دی تھی یا ماموں نے کفوٗ سے مہر مثل کے ساتھ نکاح کیا تو باپ نے بعد میں صراحۃً اجازت دے دی مثلاً کہا کہ بہتر ہوا یا میں نے پسند کیا یا مجھے منظور ہے یا ان کے مثل اور کوئی کلمہ کہا۔ یا بعد نکاح باپ نے دلالۃً اجازت دے دی مثلاً اس نے شوہر کی جانب سے لڑکی کے لئے عیدی کپڑا وغیرہ قبول کیا یا باپ نے اسی قسم کا اور کوئی کام کیا کہ جس سے رضامندی سمجھی جائے تو نکاح لازم ہوگیا درمختار میں ہے: لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ ان تمام صورتوں میں لڑکی شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کرسکتی کہ کفوٗ سے مہر مثل کے ساتھ کیا ہوا ماموں کا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا جس نے اس کو نافذ کر دیا لازم ہوگیا بشرطیکہ باپ معروف بسوء اختیار نہ ہو۔ لہٰذا اس صورت میں لڑکی کو بعد بلوغ اختیار فسخ نہ رہا اور جب اختیار فسخ نہ رہا تو بالغ ہوتے ہی لڑکی کا یہ کہنا کہ میں اس شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ فضول ہے اور موجودہ زمانہ کی نام نہاد عدالت منصفی سے نکاح فسخ کرانا بہرصورت بے کار ہے کہ یہ دارالقضاء شرعی نہیں اور نہ یہ حکم شرع لہٰذا ان کے فسخ کرنے سے نکاح ہرگز فسخ نہ ہوگا۔ ھٰکذا فی الجزء الخامس من الفتاوٰی الرضویۃ۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ ررجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: محمد بشیر احمد رضوی پوسٹ ومقام گودھنا ضلع گونڈہ۔

(۱) زید نے اپنے باپ کو اجازت دی کہ اس کی نابالغہ لڑکی رقیہ کا نکاح بکر سے کردے مگر لڑکی کے دادا نے بکر سے خود نکاح نہیں پڑھایا بلکہ دوسرے کو نکاح کرنے کا وکیل بنایا جب رقیہ بالغ ہوئی تو باپ نے اسے بکر کے یہاں رخصت کیا پھر لڑکی باپ کے گھر واپس آئی اور اب جانے سے انکار کررہی ہے تو تحصیل سے طلاق حاصل کی گئی اب دریافت طلب یہ ہے کہ نکاح مذکور فضولی ہوا یا نہیں اور تحصیل سے طلاق حاصل کرنے کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایک نابالغہ لڑکی کے باپ کا انتقال ہوگیا تو اس کے نانا نے ایک غیر کفو نا چنے والے سے اس کا نکاح کردیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اور لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) بیشک صورت مستفسرہ میں نکاح فضولی ہوا جو حالت نابالغی میں رقیہ سے باپ کی اجازت پر موقوف تھا اگر اس نے جائز کردیا تو نافذ ہوگیا اور بالغ ہونے کے بعد رقیہ کا رخصت کرنا فضولی کے جائز ٹھہرانے کی کھلی ہوئی دلیل ہے لہٰذا اب رقیہ شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کرسکتی اور تحصیل سے طلاق حاصل کرنا فضول ہے کہ شوہر کے علاوہ دوسرے کو طلاق دینے کا اختیار نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: الطلاق لمن اخذ بالساق شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر اگر رقیہ کے گھر والے اس کا دوسرا نکاح کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں و، وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ

تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥ (پ۷ ع۱۴) وهو اعلم بالصواب۔

(۲) صورت مسئولہ میں اگر باپ کے انتقال کے بعد دادا موجود تھا اور اس کی اجازت سے نانا نے نکاح کیا یا نانا کے نکاح کے بعد دادا نے جائز کر دیا تو نکاح صحیح ہو گیا اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر لڑکی کا دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا ہاں اگر دادا کا سوء اختیار معلوم ہو چکا ہے مثلاً اس سے پہلے وہ اپنی لڑکی یا پوتی کا نکاح غیر کفوٗ سے کر چکا ہے پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفوٗ سے جائز ٹھہرایا یا دادا بھی نکاح سے پہلے انتقال کر چکا تھا اور نانا نے غیر کفوٗ سے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوا ان دونوں صورتوں میں لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے درمختار میں ہے: لزم النكاح ولو بغبن فاحش او بغير كفو كان لولى المزوج بنفسه ابا اوجدا لم يعرف منهما سوء الاختيار وان عرف لايصح النكاح اتفاقا وان كان المزوج غيرهما اى غير الاب وابيه لايصح النكاح من غير كفؤ اصلًا اه ملخصًا۔ وهو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶؍رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از کرامت علی پرتاب گڑھ۔

بکر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اس کی گود میں تین ماہ کی لڑکی بھی تھی اس کی بیوی اپنے میکہ میں گزر کر رہی ہے۔ لڑکی تقریباً سات سال کی ہو گئی، تو کیا اس لڑکی کا نکاح کرنے میں بکر سے اجازت ضرورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب تک لڑکی نابالغ ہے اس کا نکاح کرنے کے لئے بکر کی اجازت ضروری ہے، اور بالغ ہونے کے بعد کفوٗ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے بکر کی اجازت ضرورت نہیں۔ وهو تعالىٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از زین العابدین اوجھا گنج ضلع بستی۔

زید کی بیوی ہندہ نے زید کی بیٹی کی شادی بغیر زید کی اجازت کے خالد کے ساتھ کر دی اور نکاح کرنے کے بعد ہندہ نے زید کو بذریعہ خط اطلاع کی کہ زید نے اس عقد کا خط کے ذریعہ انکار کر دیا۔ زید کی بیٹی نکاح کے وقت نابالغ تھی جس کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی۔ کیا ایسی صورت میں عقد ہوا کہ نہیں؟

زید اپنی لڑکی کا عقد خالد سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر زید نے اپنی بیوی کو نابالغہ لڑکی کے نکاح کا اختیار نہیں دیا تھا اور بیوی نے بغیر اس کی اجازت کے نکاح کر دیا پھر اطلاع پانے پر باپ نے مسترد کر دیا تو وہ نکاح باطل ہو گیا۔ ایسی صورت میں خالد سے طلاق لئے بغیر لڑکی کا دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہے۔ وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰؍ ذوالقعدہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از محمد قدیر بیڑی دوکان گلمنڈی بازار بھیلواڑہ (راجستھان)

زید کی شادی ہندہ سے ۵؍ سال کی عمر میں ہوئی اب ہندہ بالغہ ہے اور اپنے شوہر کے پاس ابھی تک نہ گئی اور نہ جانا چاہتی ہے تو اس کے بارے میں شرعی احکام سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کا عقد پانچ سال کی عمر میں اگر اس کے باپ یا دادا نے کیا تھا یا ان میں سے کسی کی اجازت سے دوسرے نے کیا تھا یا دوسرے نے بغیر اجازت کر دیا تھا مگر بعد میں باپ یا دادا نے اسے جائز کر دیا تھا تو ان تمام صورتوں میں نکاح لازم ہو گیا۔ ہندہ کا انکار فضول ہے زید اس کا شوہر ہے اس سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۷ میں ہے: ان زوجهما الاب اوالجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما كذا في الهداية۔ یہاں تک کہ باپ یا دادا نے اگر مہر میں بہت زیادہ کمی کے ساتھ یا غیر کفوٴ کے ساتھ عقد کیا تو بھی نکاح لازم ہو گیا۔ ہاں اگر ہندہ کے نکاح سے پہلے اس کا باپ یا دادا اور دوسری لڑکی کا نکاح کسی غیر کفوٴ کے ساتھ کر چکا تھا پھر ہندہ کا نکاح غیر کفوٴ سے کیا تو جائز نہ ہوا درمختار میں ہے: لزم النكاح بغير كفؤان كان الولي ابا اوجد لم يعرف منهما سوء الاختيار وان عرف لايصح النكاح اتفاقا اھ ملخصًا، اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے ہندہ کا نکاح حالت نابالغی میں غیر کفوٴ یا مہر مثل میں بہت زیادہ کمی کے ساتھ کیا تھا تو اس صورت میں بھی نکاح جائز نہ ہوا درمختار میں ہے: ان كان المزوج غيرهما اى غير الاب وابيه لايصح النكاح من غير كفو اصلًا۔ اور اگر باپ دادا کے غیر نے کفوٴ سے مہر مثل کے ساتھ کیا تو نکاح جائز ہو گیا مگر اس صورت میں بالغ ہوتے ہی ہندہ فوراً فسخ نکاح کر سکتی تھی اور اگر کچھ بھی وقفہ ہوا تو اختیار فسخ جاتا رہا یہاں تک کہ آخری مجلس تک اختیار نہیں اور اس مسئلہ کو نہ جاننے کا عذر عند الشرع مسموع نہیں درمختار جلد دوم ص ۳۱۰ میں ہے: اذا بلغت وهي عالمة بالنكاح اوعلمت به بعد بلوغهما فلا بدمن الفسخ في حال البلوغ ا والعلم فلوسكتت ولو قيلا بطل خيار ها ولو قبل تبدل المجلس۔ وهو تعالىٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶؍ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: نواز علی کولدہ پورندر پور گورکھپور۔ (یو۔پی)

زید کی بیوی ہندہ ہے اس کا شوہر انتقال کر گیا زید کی دو لڑکیاں نابالغ موجود ہیں عدت ختم ہونے پر زید کی بیوی اسی گھر میں اپنے سسر کے چھوٹے بھائی کے چھوٹے لڑکے سے دوسرا عقد کر لیتی ہے کچھ دنوں بعد ہندہ کے پہلے شوہر کی زمین ہندہ مل گئی اور

کاغذات میں ہندہ کا نام درج ہوگیا نصف کھیت ہندہ کے نام سے ہوگیا ابھی زید کی لڑکیاں نابالغ ہیں اوران کی ماں ہندہ ان نابالغ لڑکیوں کا عقد کرنا چاہتی ہے جبراً ساس، سسر اور شوہر کی رائے نہیں ہے جو ہندہ کا دوسرا شوہر ہے۔ ہندہ کہتی ہے میری لڑکیاں ہیں اوران لڑکیوں کا اصلی باپ مرگیا ہے ان لڑکیوں کا ولی میں ہوں جہاں میری طبیعت چاہے گی وہاں میں کروں گی اس معاملے میں کسی کا کوئی روکنے کا حق نہیں ہے نہ میں شوہر کا نہ سسر کا نہ ساس کا کہنا مانوں گی لڑکیوں کا وارث اور ولی میں ہوں مسئلہ ہذا میں حضور والا سے یہ دریافت کرنا ہے کہ شریعت میں ان دونوں لڑکیوں کا ولی اقرب ماں ہوگی یا دوسرا باپ اگر نابالغ لڑکیوں کی ماں اذن دے کر عقد کردے ان لوگوں کو چھوڑ کر تو عقد صحیح ہوگا یا باطل' جبکہ اس کا نیا شوہر زندہ ہے' اور لڑکیاں ابھی نابالغ ہیں اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ لڑکیوں کو پکڑ کر جبراً ہندہ اور ہندہ کی ماں باپ ہندہ کے میکے عقد کے لئے لے گئے ہیں میکے ہی میں اذن دے کر عقد کرنا چاہتی ہے ایسی صورت میں از روئے شرع مطلع فرمائیں ان لڑکیوں کا ولی اقرب کون ہے؟ اگر ماں ہے تو تحریر فرمائیں یا دوسرا شوہر جو زندہ ہے اگر ماں نکاح کردے تو نکاح منعقد ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں جبکہ باپ مرگیا ہے تو نابالغ لڑکیوں کا ولی ان کا دادا ہے پھر پردادا وغیرہ اصول اگرچہ کئی پشت اوپر کا ہو۔ پھر حقیقی بھائی' پھر سوتیلا بھائی' پھر حقیقی بہن کا بیٹا' پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا' پھر حقیقی چچا' پھر سوتیلا چچا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس خاندان میں سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار جو مرد ہو وہ ولی ہے جبکہ لڑکیوں کے خاندان میں کوئی نہ ہوگا تو ان کی ماں کے ولی ہونے کا درجہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۵ میں ہے: اقرب الاولیاء الی المرأۃ الابن ثم ابن الابن وان سفل ثم الاب ثم الجد ابوالاب وان علا کذا فی المحیط۔ ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم ابن الاخ لاب وام ثم ابن الاخ لاب وان سفلوا ثم العم لاب وام ثم العم لاب الخ وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیر من ذوی الارحام یملك تزویجھما فی ظاھر الروایۃ۔ لہٰذا اگر دادا پردادا وغیرہ اصول میں کوئی زندہ ہے تو ان کی اجازت کے بغیر نکاح نہ ہوگا' اور اگر دادا وغیرہ نہیں ہیں کوئی بھائی بالغ ہے تو ان کی اجازت کے بغیر ماں کا کیا ہوا نکاح جائز نہ ہوگا' اور اگر بھائی یا بھائی کا بیٹا نہیں ہے تو چچا کی اجازت کے بغیر ماں کا کیا ہوا نکاح ہوگا جب لڑکیوں کے خاندان میں کوئی مرد نہ ہو تو البتہ ماں کا کیا ہوا نکاح ہوجائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از علی احمد عرف بتن چوڑی فروش ساکن زہریا پوسٹ پھررانی بستی۔

زید اور خالد نے اپنے لڑکے اور لڑکی کی شادی طے کی جب لڑکی سے اجازت لینے گئے تو لڑکی نے اپنا دین مہر ایک سو پینتیس روپے ساڑھے دس آنہ بتایا۔ جب لڑکے سے ایجاب وقبول کرایا گیا تو لڑکے نے انکار کردیا اس کے بعد زید اور خالد نے آپس میں طے کرکے مبلغ پینتیس روپے ساڑھے دس آنہ دین مہر پر نکاح پڑھوایا لڑکی کو اس کی کوئی خبر نہیں وہ تو یہی سمجھ رہی

تھی۔ کہ ایک سو پینتیس روپیہ ساڑھے دس آنہ ہی پر نکاح پڑھایا گیا ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہیں' تو شرع کے مطابق نکاح ہوا کہ نہیں جیسا کہ حکم ہو صادر فرمایا جاوے۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں نکاح فضولی ہوا یعنی جس وقت لڑکی کو (۳۵)۱۰مہر پر نکاح ہونے کا علم ہوا اس وقت اگر لڑکی نے اس نکاح کو نامنظور کر دیا تو نکاح باطل ہو گیا' اور اگر منظور کر لیا تو ہو گیا۔ ھٰذا ماظھرلی والعلم عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ر من محرم الحرام ۱۳۹۳ھ

مسئلہ: از محمد ابراہیم ساکن مینھواں تحصیل ڈومریا گنج ضلع بستی۔

جھنکوسا کن ٹیپوا ں خالصہ نے اپنی نابالغ لڑکی مہر النساء کا نکاح اپنے بھانجے محمد صابر کے ساتھ کر دیا۔ مہر النساء اب بالغ ہو چکی ہے وہ اپنے نکاح کو فسخ کرنا چاہتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرع محمدی کے رو سے کیا مہر النساء اپنے باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ کر سکتی ہے؟ اور اگر مہر النساء اپنا یہ نکاح فسخ کر کے دوسرا نکاح کرے تو یہ دوسرا نکاح حلال ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۲۶۷ میں ہے: فان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما بعد بلوغھما وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ۔ یعنی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے کر دیا تو بالغ ہونے کے بعد ان دونوں کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں' اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے نکاح کیا ہے تو بالغ ہونے کے بعد لڑکے اور لڑکی کو اس بات کا اختیار ہے کہ چاہیں نکاح باقی رکھیں اور اگر چاہیں تو نکاح فسخ کر دیں۔ صورت مسئولہ میں چونکہ مہر النساء کا نکاح اس کے باپ نے کیا ہے اس لئے مہر النساء بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی اور اگر مہر النساء اپنے باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے تو یہ نکاح باطل اور حرام ہو گا۔ واللّٰہ ورسولہٗ اعلم جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: رحیم الدین احمد القادری الرضوی

لسبعۃ عشر من ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از عاشق علی موضع بوھیا ڈاکخانہ مڑلا ضلع بستی۔

ہندہ کے گھر والے سنی ہیں اس کے باپ دادا فوت ہو گئے ایک نابالغ بھائی اور چچا تھے تو ہندہ کی ماں نے حالت نابالغی میں ہندہ کا نکاح ایک وہابی سے کر دیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ ہندہ بالغ ہونے کے بعد تین چار بار اپنے شوہر کے یہاں آئی گئی۔

پھر بھاگ کر شفیع محمد کے یہاں چلی گئی۔ شخص مذکور ہندہ کو بیوی کی طرح رکھے ہوئے ہے' اور اب اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: قطع نظر اس سے کہ آج کل عام وہابی ضروریات دین کے منکر اور دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہیں جن سے کسی کا نکاح ہرگز منعقد نہیں ہوسکتا۔ بالفرض جس کے ساتھ ہندہ کی ماں نے اس کا نکاح کیا اگر وہ اس درجہ کا نہ بھی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ سنی کی لڑکی کا وہابی کفو نہیں ہوسکتا۔ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۳۲۰ میں ہے: **و تعتبر ای الکفاءة فی العرب والعجم دیانة ای تقویٰ فلیس فاسق کفو الصالحة۔** اور علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ ص ۴۷۹ میں تحریر فرماتے ہیں: **المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانه فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئا علی خلاف ما یعتقده اهل السنة والجماعة'** اور باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۳۰۵ میں ہے: **ان کان المزوج غیرهما ای غیر الاب وابیه لایصح النکاح من غیر کفؤ اصلاه ملخصًا۔** لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر سنی کی لڑکی کا نکاح اس کی ماں نے وہابی سے کیا تو نہ ہوا۔ لڑکی کو وہابی کے یہاں جانا ہرگز جائز نہ تھا۔ شفیع محمد اگر اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو کرسکتا ہے طلاق کی ضرورت نہیں۔ لیکن شفیع محمد نے جو اسے بغیر نکاح بیوی کی طرح رکھا تو سخت گنہگار ہوا۔ اسے اور لڑکی کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے پابندیٔ نماز کی تاکید کی جائے اور میلاد شریف و قرآن خوانی کرنے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی قال اللہ تعالیٰ: **مَنْ تَابَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا** (پ۱۹ ع۴)۔ **وهو تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۸؍ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از عبد الجبار مدرسہ اہلسنّت وجیہ العلوم والٹرگنج ضلع بستی۔

کیا فرماتے ہیں حضرت مفتی صاحب قبلہ اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح اس کے والدین نے حالت نابالغی میں کیا لڑکی بالغ ہوگئی البتہ شوہر ابھی تک نابالغ ہے مگر لڑکی رخصت ہوکر اپنے شوہر کے گھر گئی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حالت نابالغی کا نکاح لازم ہوجاتا ہے لڑکی بالغ ہونے پر اگر کہہ دے کہ میں نہیں جانتی کہ میرا نکاح ہوا تھا یا نہیں تو ایسا کہنے کے باوجود لڑکی عقد کی قید میں رہے گی یا الگ ہوجائے گی؟ اور صورت مذکورہ میں اگر شوہر طلاق دے تو عدت ہے کہ نہیں؟

الجواب: حالت نابالغی میں باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہوجاتا ہے۔ لڑکی کا بعد بلوغ اس سے انکار کرنا فضول ہے۔

ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہو چکا ہو مثلاً اس سے پہلے اس نے لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے کیا تھا پھر یہ دوسرا نکاح اگر غیر کفو سے کیا تو صحیح نہ ہوا درمختار میں ہے: لزم النکاح ولو بغبن فاحش اومن غیر کفؤان کان المزوج ابا اوجد الم یعرف منھما سوء الاختیار، اور جبکہ باپ کا سوء اختیار نہ معلوم ہو تو اس صورت میں لڑکی کا بعد بلوغ یہ کہنا بے کار ہے کہ میں نہیں جانتی کہ میرا نکاح ہوا تھا یا نہیں۔ لڑکی بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں رہے گی، اور لڑکا اگر نابالغ ہے تو وہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا اور اگر طلاق دے تو واقع نہ ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۳۰ میں ہے: لایقع طلاق الصبی و ان کان یعقل، اور اگر واقعی شوہر سے خلوت نہ ہوئی اور بعد بلوغ اس نے طلاق دی تو اس صورت میں عدت نہیں جیسا کہ پ۲۲ م رکوع ۳ میں ہے: اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ اور اگر نابالغی میں خلوت ہوئی ہے، اور بالغ ہونے کے بعد طلاق دی تو عدت لازم ہے بغیر عدت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ ھٰکذا فی بھار شریعت عن ردالمحتار۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی محمد حنیف منیجر مدرسہ اہلسنّت بڑہرا ابشنپور پوسٹ تلوکپور تھانہ بستی۔

ایک بیوہ عورت ہے۔ اس کی صرف ایک نابالغہ لڑکی ہے جس کا نکاح وہ عورت اپنی ولایت سے کرنا چاہتی ہے حالانکہ لڑکی کا چچا اور اس کے چچا کا بیٹا موجود ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ چچا اور چچا کے بیٹے کی اجازت کے بغیر وہ نکاح ہوگا یا نہیں؟ اور بیوہ مذکورہ ایک غیر مسلم سے تعلق رکھتی ہے تو مسلمانوں کو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں نابالغہ لڑکی کا ولی اس کا چچا ہے اس کے ہوتے ہوئے ماں کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا لڑکی جب تک کہ نابالغہ ہے چچا کی اجازت کے بغیر لڑکی مذکور کا نکاح نہیں ہوگا۔ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۳۱۱ میں ہے: الولی فی النکاح العصبة بنفسہ، اور ص ۳۱۵ میں ہے: لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علیٰ اجازتہ، اور عورت جو غیر مسلم سے تعلق رکھتی ہے (العیاذ باللہ) اسے غیر مسلم سے قطع تعلق پر مجبور کیا جائے اور اسے علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے۔ اگر وہ غیر مسلم سے قطع تعلق نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں اس کے یہاں کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے سخت پرہیز کریں۔ جو لوگ اس کا اسلامی بائیکاٹ نہ کریں وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۶ / جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از چودھری ممتاز علی چودھری ڈیہہ۔ گئوڈیہہ ضلع بستی۔

زبیدہ کی شادی حالت نابالغی میں اس کے والدین نے محمود سے کر دی۔ کچھ دنوں بعد محمود نے اپنے گھر ایک خنزیر باندھا

اور بیچا تو زبیدہ کو شوہر کی اس حرکت کے سبب اس کے یہاں جانے سے انکار ہے۔ ایسی صورت میں نکاح ختم ہو گیا یا طلاق کی ضرورت ہے؟

الجواب: حالت نابالغی میں باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے البتہ اگر باپ کا سوءِ اختیار معلوم ہو مثلاً اس سے پہلے باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے کیا تھا پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے کیا تو نہ ہوا۔ **ھٰکذا فی الدر المختار**' اور جبکہ باپ کا سوءِ اختیار نہ معلوم ہو تو لڑکی کا نکاح لازم ہو گیا' اور اس کا شوہر محمود اپنے گھر خنزیر باندھنے اور بیچنے کے سبب سخت گنہگار ضرور ہوا مگر اس کی بیوی اس کے نکاح سے نہیں نکلی۔ لہٰذا اگر لڑکی کو اس کے یہاں جانے سے انکار ہے تو جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کرے۔ طلاق یا شوہر کی موت کے بغیر لڑکی دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی۔ **وھو اعلم بالصواب۔**

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۹ ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از حکمدار ضلع سورہا۔ راجے ڈیہا ضلع بستی۔ یو پی

ہندہ کا نکاح اس کے والدین نے کم سنی ہی میں زید کے ساتھ کر دیا۔ جب ہندہ باشعور ہوئی' تو زید سے نکاح کرنا ناپسند قرار دیا اور قبل بلوغ ہی سے زید کے گھر جانے سے مسلسل انکار کرتی رہتی ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر لڑکی مذکور کے نکاح سے پہلے باپ کا سوءِ اختیار معلوم ہو چکا ہو مثلاً اس سے پہلے اس نے اپنی کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو سے یا مہر مثل میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تھا' اور پھر اس لڑکی کا نکاح غیر کفو سے یا مہر مثل میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تو نکاح نہ ہوا۔ اس صورت میں لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے' اور باپ کا سوءِ اختیار نہ معلوم ہو تو اس کا کیا ہوا نکاح نابالغہ لڑکی کے لئے لازم ہو جاتا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد اس کا انکار کرنا لغو ہے۔ اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر لڑکی دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۳۰۴ میں ہے: **لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفؤ ان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقاً اھ۔ وھو سبحانہ و اعلم بالصواب۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳ ر ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبدالغفور فنڑ اے۔ سی۔ سی۔ کپور ضلع جبل پور (ایم۔ پی)

مسماۃ رفیق بنت سخاوت الدین عمر تقریباً ڈیڑھ سال اور مسمی نثار احمد بن اظہار محمد عمر تقریباً ساڑھے چار سال جہالت کی محبت کی بناء پر لڑکے اور لڑکی کے والدین نے بڑی خوشی کے ساتھ ولی اور شاہدوں کی شہادت سے باقاعدہ شادی کر دی لیکن لڑکی

کے سن بلوغ کو پہنچنے کے قبل ہی لڑکے کے والدین نے اپنے لڑکے کی شادی دوسری لڑکی کے ساتھ کر لی۔ اب چونکہ لڑکی بھی بالغ ہو چکی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مجھے اپنی شادی کا کچھ ہوش و پتہ نہیں ہے' اور ایسی حالت میں نہ میں اس رشتہ کو پسند کرتی ہوں اور نہ ہی اس رشتہ کو ماننے کو تیار ہوں ایسی حالت میں لڑکی کے والدین بھی دوسری جگہ شادی کرنا چاہتے ہیں نکاح نامہ میں صرف نکاح ہونے کی تاریخ ۱۷ ارجون ۱۹۶۵ء تحریر ہے دولہا اور دولہن کے نام مع ولدیت درج ہیں۔ لیکن عمر کسی کی بھی درج نہیں ہے۔ مہر ۲۲۵ روپیہ درج ہے' نکاح پڑھانے والے قاضی کا انتقال ہو چکا ہے۔ باقی اشخاص زندہ اور موجود ہیں۔

(۱) کیا شریعت اسلام کے تحت اس قسم کی شادی جائز ہے؟ اور ارکان واصول کی پابندیاں کہاں تک درست اور ضروری ہیں؟

(۲) نابالغ لڑکی کو سن بلوغ کے پہنچنے کے بعد اگر اسی شادی پر جوان والدین کے مرضی پر ہوئی تھی پسند نہ ہو تو اپنا نکاح فسخ کرنے کا حق کن وجوہات پر ہے۔

(۳) کیا بغیر خلع یا طلاق کے لڑکی کے والدین اس کی دوسری جگہ شادی کر سکتے ہیں؟ اس کے لئے کیا سبیل کی جائے؟

الجواب: (۱) نابالغ لڑکی کے نکاح پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے۔ یعنی اگر چہ لڑکی نہ چاہے اور ولی نے جب نکاح کر دیا تو ہو گیا۔ پھر اگر باپ دادا نے نکاح کر دیا ہے تو اگر چہ مہر مثل سے بہت کم پر نکاح کیا یا غیر کفو سے کیا جب بھی ہو گیا' بلکہ لازم ہو گیا۔ اس کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کے توڑنے کا اختیار نہیں رہا۔ ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہو چکا ہو مثلاً اس سے پیشتر اس نے اپنی کسی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو وغیرہ سے کر دیا اور پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے کیا تو صحیح نہ ہوا۔

(بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۴۳)

(۲) جبکہ باپ کا سوء اختیار نہ معلوم ہو چکا ہو تو اس کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے۔ بالغ ہو جانے کے بعد لڑکی اسے فسخ نہیں کر سکتی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۷ میں ہے: ان زوجهما الاب والجد فلاخيار لهما بعد بلوغهما كذا في الهداية. وهو تعالىٰ اعلم بالصواب.

(۳) اگر باپ کا سوء اختیار نہ معلوم ہو چکا ہو تو لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جائے' اور اگر لڑکی کسی طرح اس کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو تو پھر جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ ر ذی القعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از سیّد عبد الصمد شیو پوری۔ شیوتری بازار ضلع گورکھپور۔

خالد ذات کا سیّد ہے اِن کے پاس ایک لڑکی ہے' اور عمرو ذات کا پٹھان ہے اس کے پاس ایک لڑکا ہے خالد جو ہے' اپنی

حقیقی لڑکی کی شادی عمرو کے لڑکے کے ساتھ کر رہا ہے جو ذات کا پٹھان ہے تمام لوگ منع کر رہے ہیں کہ یہ شادی درست نہیں ہے۔ سیّد اور پٹھان کی شادی درست نہیں ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں جب اس کے ماں باپ شادی کر رہے ہیں تو درست ہے اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ شادی درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر لڑکی نابالغ ہے اور باپ کا سوء اختیار معلوم ہے یعنی اس سے پہلے اپنی کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کر چکا ہے تو یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے صحیح نہ ہوگا اور اگر اس سے پہلے لڑکی کا نکاح غیر کفو سے نہیں کیا ہے تو ہو جائے گا جیسا کہ درمختار میں ہے: لزم النکاح بغیر کفؤ ان کان الولی ابا اوجدا لم یعرف منهما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا اھ ملخصًا اور اگر لڑکی بالغ ہے، اور باپ بیٹی دونوں کو اس کا پٹھان ہونا معلوم ہے، اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں تو اس صورت میں نکاح ہو جائے گا۔ ھٰکذا فی الفتاویٰ الرضویة. وهو تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷؍ ذی القعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از محمد داؤد پوسٹ و مقام پینوا اپنیئی ضلع گورکھپور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے حق اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی اس کے نانا نے طے کی اور پھر حالت نابالغی میں اپنی ولایت سے نکاح کر دیا۔ باپ بمبئی میں تھا جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے نانا کے کئے ہوئے نکاح کو قبول نہ کیا بلکہ ناراض ہوا۔ سوال یہ ہے کہ نانا کا کیا ہوا نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب: نانا نے جس کے ساتھ ہندہ نابالغہ کی شادی طے کی اگر وہ ہندہ کا کفوٗ تھا اور باپ سے نکاح کی اجازت لینے تک اس رشتہ کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا اور پھر اس قسم کا اچھا رشتہ ملنا مشکل تھا اور نانا سے اقرب ہندہ کا کوئی ولی موجود نہ تھا تو نکاح ہو گیا۔ لیکن اگر لڑکا ہندہ کا کفوٗ نہ تھا۔ یا باپ سے اجازت لینے تک رشتہ کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ تھا یا اس رشتہ کے فوت ہونے پر اس قسم کا اچھا رشتہ ملنا مشکل نہ تھا۔ یا ہندہ کے خاندان میں اس کے دادا پردادا وغیرہ کی اولاد میں سے کوئی مرد نانا سے ولی اقرب موجود تھا یا ہندہ کی ماں دادی یا نانی موجود تھی اور نانا نے اپنی ولایت سے نکاح کیا اور ولی اقرب نے صراحۃً دلالۃً اسے جائز نہ کیا تو ان تمام صورتوں میں نکاح نہ ہوا درمختار میں ہے: ان کان المزوج غیرهما ای غیر الاب وابیه لایصح النکاح من غیر کفؤ اصلا، اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۶ میں ہے: ان کان الاقرب غائبًا غیبة منقطعة جاز نکاح الابعد کذا فی المحیط، اور غیبت منقطعہ کی تعریف میں اختلاف ہے ردالمحتار جلد دوم ص ۳۱۵ میں ہے: قال فی الذخیرة الاصح انه اذا کان فی موضع لوانتظر حضوره اواستطلاع رائه فات کفوا الذی حضر فالغیبة منقطعة وفی البحر عن المجتبیٰ والمبسوط انه الاصح. وفی النهایة واختاره اکثر المشایخ وصححه ابن الفضل وفی الهدایة انه اقرب الی الفقه. وفی الفتح انه الاشبه بالفقه. ھٰذا ماعندی وهو

اعلم بالصواب۔ والیه المرجع والمآب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شمس الحق مقام کول پور ضلع گورکھپور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اسلامیہ اس مسئلہ میں کہ ہندہ جو شریف خاندان کی لڑکی ہے، اور خود بھی شریف ہے اس کے ددھیال اور ننھال میں کوئی اس کا ولی نہیں ہے صرف اس کی خالہ ہے ہندہ اپنی خالہ کے یہاں گئی تو زید جو چور بدمعاش اور ڈاکو ہے اس نے ہندہ کو ایک مکان میں بند کر کے مار ڈالنے کی دھمکی دی رسی سے باندھ دیا یہاں تک کہ گلے پر گنڑاسا رکھ کر اپنے ساتھ نکاح کا اقرار کرایا اور نکاح پڑھالیا ہندہ اور اس کی خالہ اس نکاح سے راضی نہ رہے ہندہ تین چار روز کے بعد موقع پا کر زید کے یہاں سے بھاگ گئی اور اس کے گھر سے نکلنے کے بعد ہندہ نے کہا کہ میں اس ڈاکو کے یہاں کبھی نہیں جاؤں گی اور دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دھمکی دے کر بھی نکاح کے قبول کرانے سے نکاح ہو جاتا ہے جیسا کہ بہار شریعت حصہ پانزدہم ص ۹ میں ہے: ''نکاح وطلاق وعتاق پر اکراہ ہوا یعنی دھمکی دے کر ایجاب یا قبول کرالیا یا طلاق کے الفاظ کہلوائے یا غلام کو آزاد کرایا تو یہ سب ہو جائیں گے اور فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم ص ۳۱ میں ہے: ان تصرفات المکرہ کلھا قولًا منعقدةٌ عندنا کالطلاق والعتاق والنکاح والتدبیر والاستیلاد والنذرفھم لازم کذا فی الکافی اھ تلخیصًا اور درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۸۶ کتاب الاکراہ میں ہے: صح نکاحه وطلاقه وعتقه بالقول لابالفعل۔ لیکن اگر ہندہ شریف خاندان کی لڑکی ہے، اور خود بھی شریف ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو زید جو چور، بدمعاش اور ڈاکو ہے اس کا کفو نہیں جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۳۲۰ میں ہے: تعتبر فی العرب والعجم دیانة ای تقویٰ فلیس فاسق کفؤ الصالحة اوفاسقة بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاھر نھر اھ۔ اور ولی والی عورت کا نکاح صحیح ہونے کے لئے کفاءت شرط ہے یا ولی اقرب کا عقد سے پہلے جان بوجھ کر غیر کفو پر نکاح پر اظہار رضا ضروری ہے۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں ہندہ کی خالہ جو اس کی ولیہ ہے اگر نکاح سے پہلے اس بدمعاش کے ساتھ عقد پر اپنی رضا کو ظاہر نہ کیا تو نکاح نہ ہوا۔ عورت طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۲۹۱ میں ہے: ''روایت مفتی بہا پر ولی والی عورت کے لئے کفاءت شرط صحت نکاح ہے یا ولی اقرب پیش از عقد عدم کفاءت پر دانستہ اپنی رضا ظاہر کر دے بعد عقد راضی ہو جانا بھی نفع نہیں دیتا۔ فی ردالمحتار تعتبر الکفاء ة للزوم النکاح علی ظاھر الروایة والصحته علی زوایة الحسن المختارة للفتویٰ اھ وفی الدر المختار یفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتویٰ فلا تحل بلا رضی ولی بعد معرفته ایاہ فلیحفظ اھ مختصرًا'' اور اگر اس بدمعاش کے ساتھ نکاح ہونا ہندہ کی خالہ کے لئے ننگ وعار کا

باعث نہ ہو تو اس صورت میں نکاح ہو گیا۔ طلاق حاصل کئے بغیر وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ هٰذا ما ظهر لي والعلم بالحق عندالله تعالىٰ ورسولهٗ جل جلاله وصلى الله عليه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: شاد علی، نرکٹھا، بانسی بستی (یو۔ پی)

زید و ہندہ دونوں کی باہم محبت ہو گئی اور زید شادی شدہ ہے اور ہندہ بغیر شادی شدہ۔ زید اور ہندہ دونوں فرار ہو گئے۔ بعدہ ہندہ کے والد اس کو پکڑ کر اپنے گھر لائے اور کچھ دنوں ہندہ اپنے والد کے پاس رہی اس کے بعد پھر زید و ہندہ فرار ہو گئے اور کچھ دنوں بعد زید ہندہ کو اپنے گھر لایا زید نے علانیہ توبہ کی اور ہندہ سے نکاح پڑھ لیا تو کیا زید کے گھر کھانا پینا جائز ہے؟ اور ہندہ کے والد کے گھر کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر ہندہ بالغہ ہے اور زید اس کا کفو ہے تو اگر چہ باپ اس نکاح سے راضی نہ رہا ہو نکاح مذکور منعقد ہو گیا اور اگر زید ہندہ کا کفو نہیں تو باپ اگر چہ نکاح کے وقت چپ رہا ہو بلکہ اگر چہ اس نے بعد نکاح اپنی رضامندی صاف صاف ظاہر کر دی ہو لیکن قبل از نکاح باپ نے صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر نہ کی تو غیر کفو کی صورت میں نکاح ہرگز جائز نہ ہوا اسی طرح فتاویٰ رضویہ میں ہے: اور درمختار میں ہے: يفتى في غير الكفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان۔ اور ردالمحتار میں ہے: هٰذه رواية الحسن عن ابي حنيفة وهٰذا اذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضى بعده اور اسی طرح ردالمحتار میں ہے: السكوت منه لايكون رضى كما ذكرنا اھ۔ اور زید نے جبکہ علانیہ توبہ کر لی تو اس کے یہاں کھا، پی سکتے ہیں لیکن چونکہ اس نے گناہ عظیم کیا ہے اس لئے اس کو چاہئے کہ میلاد شریف و قرآن خوانی کرے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلائے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی اور ہندہ کا فرار اگر اس کے باپ کی لاپروائی سے ہوا تو اس کے باپ پر بھی علانیہ توبہ واستغفار لازم ہے اور بعد توبہ اس کے یہاں کھا پی سکتے ہیں اور ہندہ پر بھی توبہ لازم ہے۔ والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از حافظ عثمان۔ نوتنواں بازار گورکھپور۔ (یو۔ پی)

زید کی لڑکی آمنہ کا نکاح چھ سال کی عمر میں گھر والوں نے کر دیا اور ایک شخص جو عقیدہ کا گندہ وہابی تھا۔ اس نے لڑکی کا عقد پڑھا دیا۔ اب لڑکی بالغہ ہو گئی اور اس عقد سے انکار کرتی ہے۔ لڑکی کے والدین سنی اور صحیح العقیدہ ہیں بہت پریشان ہیں لہٰذا فتویٰ مع اسناد مرحمت فرمائیں؟

الجواب: وہابی سے نکاح پڑھوانا سخت ناجائز وگناہ ہے کہ اس میں اس کی تعظیم ہے۔ لیکن اگر وہابی نے پڑھا دیا تو منعقد ہو جائے گا اس کے لئے اسلام شرط نہیں۔ بدائع الصنائع اور فتاویٰ رضویہ میں ہے: تجوز وکالة المرتد بان وکل مسلم مرتداً وکذا لوکان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علیٰ وکالته الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالته لہٰذا صورت مستفسرہ میں عقد مذکور لازم ہوگیا۔ تاوقتیکہ شوہر طلاق نہ دے آمنہ کو اس کے ساتھ زندگی گزارنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۸؍ رجب المرجب ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از سیکرٹری انجمن معین الاسلام، پرانی بستی۔ شہر بستی۔

ہندہ جبکہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھی اس کا باپ مرگیا بعد عدت ہندہ کی ماں نے دوسرے گاؤں میں شادی کرلی جب ہندہ کی عمر پانچ برس کی ہوئی جو اپنی ماں کے پاس تھی تو اس کے حقیقی چچا عبد الغفار نے ہندہ کا نکاح غریب اللہ سے کردیا اس نکاح سے ہندہ کی ماں راضی نہیں تھی۔ ہندہ ابھی کنواری ہے غریب اللہ کی اس سے ابھی تک تنہائی نہیں ہوئی اب غریب اللہ نے پھر دوسرا نکاح کرلیا اور وہ ہندہ کو رکھنا نہیں چاہتا اور نہ طلاق ہی دیتا ہے۔ اب ہندہ کی عمر ۱۹ سال ہے۔ ہندہ کی ماں اس کا دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا دوسرا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر باپ نہ ہو تو دادا پھر پردادا وغیرہ پھر بھائی کو حق ولایت حاصل ہے اگر ان میں سے کوئی نہ تھا تو حقیقی چچا عبد الغفار کو حق ولایت حاصل تھا اگر اس نے اپنی بھتیجی کا نکاح غیر کفوٴ یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ کیا تو نکاح نہ ہوا۔ اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ درمختار میں ہے: ان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیه لایصح النکاح من غیر کفؤا وبغبن فاحش اصلا اھ ملخصًا۔ اور اگر کفو ومہر مثل کے ساتھ کیا تھا تو منعقد ہوگیا تھا لیکن اس صورت میں اگر لڑکی کو نکاح ہونا پہلے سے معلوم تھا تو بالغ ہوتے ہی فوراً نکاح فسخ کرسکتی تھی اگر فوراً اس نے فسخ نہ کیا تو اب اختیار فسخ جاتا رہا اور اس کے بارے میں مسئلہ معلوم نہ ہونے کا عذر شرعاً مسموع نہیں۔ اس صورت میں لڑکی غریب اللہ کی بیوی ہے اگر وہ رکھنا نہیں چاہتا تو جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر اسے دوسرا نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۷ میں ہے: ان زوجھا غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شآء اقام علی النکاح وان شاء فسخ۔ پھر اسی صفحہ پر چند سطر کے بعد ہے: یبطل ھٰذا الخیار فی جانبھا بالسکوت اذا کانت بکراً ولایمتد الی اخر المجلس حتی لوسکتت کما بلغت وھی بکر بطل الخیار اھ اور شرح وقایہ جلد دوم مجیدی ص ۲۲ میں ہے: ان البکر اذا سکتت بعد البلوغ اوالعلم بناء علی انھا لم تعلم ان لھا الخیار یبطل خیارھا فان سکوتھا رضاء ولا تعذر بالجھل اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷ ر ذی القعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از مظہر حسین نوری۔ بڑا بازار بانس ڈیہہ ضلع بلیا۔

ہندہ کی شادی نابالغی میں ہوئی۔ ہندہ کا باپ بیمار تھا۔ ولی نکاح دوسرے کو منتخب کیا۔ اب ہندہ کی شادی دوسرے سے ہو گئی۔ شومئی قسمت سے زید برص زدہ ہو گیا۔ علاج کافی ہوا مگر اچھا نہ ہوا۔ ہندہ کو خوف ہے اس کی بیماری کا۔ اب دو سال بعد جب ہندہ بالغ ہونے کو ہوئی کہ پہلا حیض آتے ہی ہندہ نے اپنے نکاح کو فسخ کر دیا' اور اپنے والدین سے زید کے گھر جانے سے انکار کر دیا۔ کیا ہندہ زید کے نکاح میں ہے کہ نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں جبکہ باپ کی اجازت سے نکاح ہوا تو وہ لازم ہو گیا۔ بالغ ہونے کے بعد لڑکی کا اس نکاح کو فسخ کرنا بیکار ہے وہ بدستور اپنے شوہر کی بیوی ہے بغیر طلاق وہ دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی ہاں باپ نے اگر اپنی کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح پہلے کسی غیر کفو یا مہر مثل میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تھا اور پھر اس لڑکی کا نکاح بھی غیر کفو یا مہر مثل میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تو نہ ہوا' تو اس صورت میں لڑکی بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ درمختار جلد دوم مع شامی ص ۳۰۴ میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفؤ ان کان الولی ابا اوجد الم یعرف منهما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا اھ ملتقطا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۹ ر ربیع النور ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از جلیل احمد موضع قصبہ پوسٹ دلاسی گنج ضلع فیض آباد۔

(۱) جلیل احمد کا کہنا ہے کہ محمد رفیق کو ہم نے اعلٰی مالک بنا دیا اور یہ کہہ دیا کہ جاؤ میری لڑکی کا نکاح کہیں طے کر کے کر دیجئے میں نے اس کی شادی طے کی اور رفیق کو بلوایا تو رفیق نے کہا کہ میرے پیر میں چوٹ آ گئی ہے میں پریشان ہوں میں نے آپ کو مالک بنا دیا ہے آپ جا کر کر دیجئے۔ شادی ہوئے تقریباً تین سال ہوئے اب رفیق انکار کر رہا ہے کہ میں نے جلیل کو اعلٰی مالک نہیں بنایا تھا جلیل نے اپنی مرضی سے میری لڑکی کا نکاح کر دیا ہے۔ میں اس نکاح سے راضی نہیں ہوں آج تین سال بعد گاؤں میں پنچایت بلائی گئی۔ گاؤں کے سامنے جلیل نے گواہ پیش کیا (۱) رمضان علی موضع قصبہ (۲) جنت النساء موضع قصبہ (۳) سعید النساء موضع قصبہ۔ گاؤں والوں کے سامنے ان تینوں آدمیوں نے کہا کہ ہم سے رفیق نے کہا تھا کہ ہماری لڑکی کا نکاح ہے تمہارے یہاں سے کون جائے گا۔ پھر رمضان کے یہاں جمن گئے اور جنت النساء کے یہاں سے اس کا لڑکا تاج محمد گیا اور سعید النساء کے گھر سے کوئی نہیں گیا۔ جلیل نے رفیق کے لڑکی کا نکاح کر دیا لیکن لڑکی کی رخصتی نہیں کی۔ وہ ابھی تک اپنے والد کے یہاں رہ رہی ہے' اور نکاح ہوئے تقریباً تین سال کے ہو گئے آج تقریباً ایک ماہ ہوا رفیق نے اپنی اسی لڑکی کا نکاح دوسری

جبکہ کسی دوسرے لڑکے کے ساتھ کردی پہلے والے نکاح میں لڑکی نابالغ تھی اب اس وقت لڑکی بالغ ہوچکی ہے۔ایسی حالت میں دوسرا نکاح ہوا کہ نہیں؟

الجواب: محمد رفیق نے اگر واقعی محمد جلیل سے کہا تھا کہ تم میری لڑکی کا نکاح کہیں طے کر کے کردو اور جلیل نے محمد رفیق کی لڑکی کا نکاح کردیا تو وہ لازم ہوگیا۔ پھر محمد رفیق نے اپنی اسی لڑکی کا نکاح جو دوسرے کے ساتھ کیا وہ نکاح باطل ہے۔اس پر لازم ہے کہ اپنی لڑکی کو شوہر اوّل کے پاس بھیجے یا اس سے طلاق حاصل کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ٥ (پ۷ع۱۴)۔ وھو تعالٰی سبحانہٗ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبدالستار موضع بسڈیلہ پوسٹ مروٹیا بازار ضلع بستی۔

ہندہ جو کہ بالغہ ہے اپنے نانہال جارہی تھی راستہ میں اسے اس کا بہنوئی ملا تو وہ اسے اپنے گاؤں لے گیا اور بغیر ہندہ کی اجازت کے اس کا نکاح بکر کے ساتھ کردیا جو کہ نابالغ ہے۔ ہندہ برابر اس نکاح کا انکار کرتی رہی اور بکر کے ساتھ ہندہ کی تنہائی بھی نہیں ہوئی۔صبح کے وقت جب ہندہ کے باپ کو معلوم ہوا تو اس نکاح کا اس نے بھی انکار کیا اور اپنی لڑکی ہندہ کو اس کے بہنوئی کے یہاں سے لے آیا اب سوال یہ ہے کہ نکاح مذکور منعقد ہوا یا نہیں اور طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں ہندہ کا نکاح مذکور منعقد نہیں ہوا۔طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از عزیز احمد بیگ رضوی

زید کی لڑکی ہندہ ہے اور ہندہ نابالغہ ہے اور بلا اجازت زید کے بکر ہندہ کا حقیقی بھائی ہندہ کا عقد کردیتا ہے اور زید انکار کر رہا ہے کہ میں اپنی لڑکی ہندہ کا عقد عمرو کے ساتھ منظور نہیں کرتا ہوں اور عقد ہوجانے کے بعد بکر بھی بری الذمہ ہو رہا ہے اب اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟ اور زید بلا طلاق ہندہ کا عقد کرسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: باپ کی موجودگی میں بھائی ولی ابعد ہے اور ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی موجودگی میں اس کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر نابالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے با(پ) کی موجودگی میں اس کی اجازت

کے بغیر کیا تو وہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا اس نے نامنظور کردیا تو نکاح نہ ہوا طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا دوسرا عقد کرنا جائز ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۲۶۶ میں ہے: ان زوج الصغیرا والصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضراً وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ کذا فی المحیط۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ / جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از تاج محمد ایجنٹی رام پورہ پنہوان ضلع گونڈہ (یو۔ پی)

فاطمہ کا نکاح اس کے باپ نے قبل بلوغ کردیا تھا بلوغ کے بعد لڑکی نے فسخ نکاح کا اعلان کردیا تو کیا فاطمہ کا نکاح فسخ ہو گیا اور وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فاطمہ کے باپ تاج محمد نے زبانی بیان دیا کہ اس سے پیشتر اس نے اپنی بڑی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے نہیں کیا ہے یعنی وہ معروف بسوء اختیار نہیں ہے تو صورت مستفسرہ میں دوسری لڑکی فاطمہ کا نکاح باپ نے اگر چہ غیر کفو فاسق وغیرہ سے کیا لیکن لازم ہوگیا کہ بعد بلوغ فاطمہ کو اسے توڑنے کا اختیار نہیں لہٰذا طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی فتاویٰ عالمگیری اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۷ میں ہے: ان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما بعد بلوغھما کذا فی الھدایۃ اھ۔ درمختار میں ہے: لزم النکاح ولو بغبن فاحش بزیادۃ مھرہ اوبغیر کفؤ ان کان الولی ابا اوجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار اھ تلخیصًا۔ وھو تعالٰی و سبحانہٗ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷/ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از علی احمد قاضی پور خورد شہر گورکھپور۔

ہندہ کی گود میں اس کی چھوٹی لڑکی زینب تھی ہندہ اس کو اپنے ہمراہ اپنے شوہر زید کو چھوڑ کر بکر کے ساتھ چلی گئی۔ جب زینب کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو بکر نے اس کو اپنی بیٹی قرار دے کر اس کا ایک شخص سے نکاح کردیا پھر زینب نکاح کے بعد اپنے سسرال چلی گئی اور تقریباً تین برس سسرال رہ کر اپنے اصل باپ زید کے گھر چلی آئی اس وقت زینب کی عمر تقریباً دس سال یا گیارہ سال ہے وہ اپنے سسرال میں قطعی نہیں جانا چاہتی اور دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا بغیر طلاق دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر زید کو نکاح کی اطلاع ملی اور اس نے انکار کردیا تو نکاح جائز نہ ہوا اس صورت میں زینب بغیر طلاق حاصل کئے دوسرا نکاح کرسکتی ہے' اور اگر اطلاع پانے پر زید نے منظور کرلیا تھا تو نکاح صحیح ہوگیا اس صورت میں زینب بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے' اور اگر زید کو نکاح کی اطلاع نہ ملی یہاں تک کہ زینب بالغ ہوگئی تو اگر اس

نے بلوغ کی مجلس میں حق خیار بلوغ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے نکاح کو رد کر دیا تو ایسی صورت میں وہ دوسرا نکاح بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے کر سکتی ہے' اور اگر مجلس بلوغ میں اس نے حق خیار بلوغ کو استعمال نہ کیا تو نکاح برقرار رہے گا۔ اس صورت میں بغیر حصول طلاق دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ هٰذا ما عندی والعلم عند الله تعالٰی ورسوله الاعلٰی جل جلاله وصلی الله علیه وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۴؍ر من جمادی الاخریٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از سیّد عبدالمنان ہاشمی وشاہ محمد قادری ہاشمی بکڈپو بڑھنی بازار ضلع بستی۔

شمس النساء بنت ابرار حسین کا عقد بچپن کی حالت میں ایک شخص کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ اب جب کہ عرصہ چند سال کا گزرا اور شمس النساء حالت شباب میں قدم رکھ رہی ہے جس جگہ اس کا عقد ہوا تھا جانے سے انکار کر رہی ہے اب ایسی حالت میں کیا شمس النساء حسب منشاء بغیر طلاق حاصل کئے دوسری جگہ کر سکتی ہے یا نہیں۔ از روئے شرع مفصل جواب سے نوازیں۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ صورت مستفسرہ میں شمس النساء کا عقد اگر اس کے باپ دادا نے کیا تھا یا ان کی اجازت سے کسی دوسرے نے کیا تھا یا ان کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے نے عقد کر دیا تھا مگر علم ہونے پر باپ نے یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں دادا نے اسے جائز ٹھہرا دیا تھا تو ان تمام صورتوں میں شمس النساء طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی' اور اگر حالت نابالغی میں باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے نے نکاح کیا تھا اور باپ دادا زندہ نہ تھے یا زندہ تھے مگر ان کو نکاح کا علم نہ ہوا اور مر گئے تو ان صورتوں میں لڑکی کو بالغ ہوتے ہی فوراً فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ اگر کچھ بھی وقفہ ہوا تو اختیار فسخ جاتا رہے گا' مگر فسخ نکاح کرنے کے لئے قضائے قاضی شرط ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۶۷ میں ہے: ان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غير الاب والجد فلكل منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ وهٰذا عند ابی حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالٰی ويشترط فيه القضاء كذا في الهدايه۔ اور جس ملک میں قاضی نہ ہو تو ضلع کا سب سے بڑا سنی صحیح العقیدہ عالم اس کے قائم مقام ہوگا ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد چہارم اور حدیقۂ ندیہ میں ہے۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدیؔ

۲؍ربیع الاخر ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از ابوالکلام مقام و پوسٹ کسم کھور۔ ضلع فرخ آباد۔

خالدہ نابالغہ کے نکاح کا ولی کون ہو سکتا ہے۔ جبکہ خالدہ کے نہ تو والد نہ بھائی نہ حقیقی چچا موجود ہیں۔ ہاں خاندان کے لوگ موجود ہیں۔ کیا خالدہ کی ماں ولی ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب. خالدہ نابالغہ کی ولایت کا حق بالترتیب حسب ذیل لوگوں کو حاصل ہے۔ سب میں مقدم باپ پھر دادا پھر پردادا وغیرہم اصول اگرچہ کئی پشت اوپر کا ہو۔ پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلا بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا پھر حقیقی چچا پھر سوتیلا چچا پھر حقیقی چچا کا بیٹا پھر سوتیلے چچا کا بیٹا پھر باپ کا حقیقی چچا پھر سوتیلا چچا پھر باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا پھر سوتیلے چچا کا بیٹا پھر دادا کا حقیقی چچا پھر سوتیلے چچا پھر دادا کے حقیقی چچا کا بیٹا پھر سوتیلے چچا کا بیٹا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس خاندان میں سب سے قریب کا رشتہ دار جو مرد ہو "ولی ہے" بہار شریعت ہفتم ص ۳۵ پر ہے: اگر عصبہ (وہ مرد جس کو اس سے قرابت کسی عورت کی وساطت سے نہ ہو یا یوں سمجھو کہ وہ وارث کہ ذوی الفروض کے بعد جو کچھ بچے سب لے لے اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو سارا مال یہی لے) نہ ہو تو ماں ولی ہو سکتی ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد الیاس خان

مسئلہ: از شفیع موضع نواری قصبہ جہانگیر گنج ضلع فیض آباد (یو۔ پی)

زبیدہ خاتون کی شادی بعمر دس سال تجمل حسین کے ساتھ ہوئی اب زبیدہ خاتون کی عمر اکیس سال کی ہوگئی ہے' اور اس کا شوہر مختلف شہروں میں ادھر ادھر گھوم رہا ہے بارہا اس کے پاس آدمی اور خط بھیجا گیا مگر نہ تو وہ آتا ہے' اور نہ طلاق ہی دیتا ہے' اور اگر خط کا جواب بھی دیتا ہے تو صرف آنے کا وعدہ کرتا ہے آتا نہیں ہے چونکہ لڑکی کے رخسار پر چھن ہے اس لئے وہ اسے لے جانا پسند نہیں کرتا ہے گیارہ سال سے انتظار کرتے کرتے اب لڑکی بھی چاہتی ہے کہ ایسے شوہر سے فرصت مل جائے تو اچھا ہے' اور لڑکی کے والدین بھی سخت حیران ہیں اور چونکہ تجمل حسین جواری ہونے کے باوجود اور دوسرے غلط افعال میں بھی مبتلا ہے اسے اپنے گھر کی فکر نہیں ہے لہٰذا اس سے یہ قطعی امید نہیں کہ وہ اپنی بیوی زبیدہ خاتون کو لے جائے گا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں زبیدہ اور اس کے والدین کیا کریں؟

الجواب: زبیدہ خاتون اگر بوقت نکاح نابالغہ تھی تو حالت نابالغی میں باپ یا اس کے حکم سے دوسرے کا کیا ہوا نکاح لازم ہو گیا اس صورت میں جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہو چکا تھا مثلاً اس سے پہلے اس نے اپنی کسی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے کر دیا تھا اور پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے کیا تو صحیح نہ ہوا درمختار میں ہے: لزم النکاح ولو بغبن فاحش بزیادۃ مھرہ اوبغیر کفؤ ان کان الولی ابا اوجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ ربیع الاخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد رفیق احمد قصبہ دلاسی گنج۔ فیض آباد (یو۔ پی)

جمن اور جمعراتی دو حقیقی بھائی ہیں لیکن ان دونوں کے مابین اتفاق نہیں رہتا ہے جن کے پاس ایک نابالغ لڑکی ہے جس کی

شادی جعفراتی نے ایک معمر لڑکے سے کردی اس کے نکاح کے بارے میں جمن اور جمن کی اہلیہ دونوں بے خبر ہیں البتہ نکاح کے وقت جمن کا ایک نابالغ لڑکا موجود تھا اس نے آکر اپنے والدین کو مطلع کیا کہ چچا صاحب نے میری بہن کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا ہے جو عمر دراز ہے۔ ایسی صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟ بغیر اس کے باپ کی اجازت واقرار کے اگر نکاح ہوگیا تو اس کے فسخ کا کون سا طریقہ ہے؟ جمن اس بات سے بہت ناراض ہے' اور وہ کسی طرح اپنی لڑکی اس کے گھر بھیجنے کو تیار نہیں ہے۔ لہٰذا حضور کرم فرمائیں اور جواب باصواب سے نوازیں۔

الجواب: باپ کی موجودگی میں چچا کوئی چیز نہیں۔ اگر باپ کی اجازت کے بغیر نابالغہ لڑکی کا نکاح چچا نے کر دیا تو وہ باپ کی اجازت پر موقوف تھا اگر باپ نے جائز نہ کیا اور رد کر دیا تو وہ نکاح باطل ہے۔ طلاق و فسخ کی کوئی ضرورت نہیں باپ جس سنی صحیح العقیدہ مسلمان سے چاہے دوسرا نکاح کر سکتا ہے۔ درمختار میں ہے: **لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸ ربیع الغوث ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: محمد شفیع شہرت گڑھ ضلع بستی۔

(۱) ہندہ کی شادی ہندہ کے والد نے نابالغ حالت میں بچپن ہی میں خالد کے ساتھ کر دیا' اور خالد کی عمر کافی تھی اس کی شادی ہی کے وقت جب ہندہ بالغ ہوئی تو اس نے اپنے والد سے کہا کہ میں خالد کے گھر نہیں جاؤں گی تو ایسی صورت میں ہندہ بغیر خالد کے طلاق کے بکر سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اسے نکاح توڑنے کا حق ہے یا نہیں؟

(۲) ہندہ کی شادی بالغ حالت میں اس کے باپ نے بلا اجازت ایک بوڑھے سے دوسرے گاؤں جا کر کر دی اور جب اسے بھیجنے کا ارادہ لیا تو ہندہ کو پتہ چل گیا کہ وہ بوڑھا ہے' تو اس نے انکار کر دیا اور کہا میں اس کے یہاں نہیں جاؤں گی اور ہندہ دوسری جگہ اپنی شادی کرنا چاہتی ہے' اور ایسی صورت میں وہ طلاق لینا چاہی ہے' اور وہ طلاق دینا نہیں چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ کو نکاح توڑنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور وہ بغیر طلاق کے اپنا نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: (۱) حالت نابالغی میں باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے۔ لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہے مثلاً اس سے پہلے اس نے اپنی کسی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو سے کر دیا تھا اور پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے کیا تو صحیح نہ ہوا درمختار میں ہے: **لزم النکاح ولوبغبن فاحش بزیادۃ مھرہ اوبغیر کفو ان کان الولی ابا اوجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار اھ۔ وھو اعلم بالصواب۔**

(۲) ہندہ بالغہ عاقلہ کا نکاح اگر اس کے باپ نے اس کی اجازت کے بغیر کیا تو وہ نکاح فضولی ہوا جو ہندہ کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر ہندہ کنواری ہے تو جس مجلس میں اسے نکاح کی خبر پہنچی اس مجلس میں وہ نکاح سے انکار کر سکتی تھی۔ اگر اس مجلس

میں اس نے باپ کے کیئے ہوئے نکاح سے انکار نہ کیا تو بعد میں انکار بیکار ہے نکاح لازم ہو گیا طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ البتہ ثیبہ کو صراحۃً یا دلالۃً قبول کرنے سے پہلے فضولی نکاح کے رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے اگرچہ مجلس بدل جائے هٰکذا فی الکتب الفقهة۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از حکمدار موضع دیوریا ڈاکخانہ رام پورستی۔

ایک بیوہ عورت کو نصیب علی ناجائز طور پر رکھے ہوئے ہے جس کے کئی بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ اس عورت کے پاس پہلے شوہر سے ایک نابالغ لڑکی تھی جس کا کوئی ولی نہ تھا نہ باپ نہ دادا نہ چچا۔ اس کے تین بھائی چچازاد تھے جن میں سے ایک بالغ تھا اور دو نابالغ۔ لڑکی مذکور کی ماں نے لڑکی کی شادی نصیب علی کے لڑکے سے کردی۔ لڑکی مذکور کے چچازاد بھائی اس نکاح سے نہ پہلے راضی تھے اور نہ نکاح کے بعد بھی کبھی راضی ہوئے۔ نیز وہ لڑکی اس نکاح کا حالت نابالغی میں انکار کرتی رہی اور بالغ ہونے کے بعد بھی انکار کیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ماں کا کیا ہوا نکاح مذکور منعقد ہوا تھا یا نہیں؟ اور لڑکی کے انکار سے وہ ختم ہو گیا کہ نہیں؟ اور اب وہ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور نصیب علی اور وہ بیوہ عورت جو ناجائز تعلق آپس میں رکھتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: نابالغہ لڑکی کا ولی باپ پھر دادا پھر پردادا وغیرہ ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو حقیقی بھائی پھر سوتیلا بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا۔ پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا اگر ان میں سے بھی کوئی نہ ہو تو پھر حقیقی چچا پھر سوتیلا چچا پھر حقیقی چچا کا بیٹا پھر سوتیلے چچا کا بیٹا هٰکذا فی الکتب الفقهه۔ صورت مسئولہ میں جبکہ نابالغہ کے چچازاد بھائی کی رضا حاصل کئے بغیر نکاح کیا گیا اور پھر بعد نکاح بھی وہ راضی نہ ہوا تو نکاح مذکور باطل ہے لہٰذا طلاق کی ہرگز ضرورت نہیں لڑکی مذکور طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

نصیب علی اور بیوہ عورت جو آپس میں ناجائز تعلق رکھتے ہیں ان پر واجب ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور ہرگز ہرگز آپس میں ناجائز تعلق نہ رکھیں اور علانیہ توبہ و استغفار بھی کریں۔ اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سلام و کلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات بند کردیں یعنی ان دونوں کا بائیکاٹ کریں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ واللہ تعالٰی ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ر شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از سجاد علی کھوٹہنہ ضلع گورکھپور۔

باپ سے اجازت لئے بغیر ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے نانی نانا نے زید کے ساتھ کر دیا حالانکہ زید جو کفو ہے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ باپ بمبئی تھا اس خبر کو سن کر وہاں سے آیا اور نانا نانی کے کئے ہوئے نکاح کو نامنظور کر کے طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا تو شرعاً عقد اوّل درست ہوا یا عقد ثانی؟

الجواب: جبکہ ہندہ کے باپ دادا پردادا وغیرہ کی اولاد کا کوئی مرد عاقل بالغ خواہ کتنے ہی دور کا ہو موجود نہ ہو بلکہ اس کی ماں اور دادی بھی موجود نہ ہوں تو نانی ولی ابعد ہوتی ہے اور نانا تو نانی کے بعد کئی درجہ بعد ولی ابعد ہوتا ہے علاوہ ازیں باپ کی غیبت ۔غیبت منقطعہ نہ تھی اس لئے کہ کفو کے فوت کا اندیشہ نہ تھا لہٰذا نانی نانا کا کیا ہوا عقد نہ ہوا اور باپ کا کیا ہوا نکاح ہو گیا درمختار باب الولی میں ہے: الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب ثم للبنت ثم لبنت الابن وھٰکذا ثم للجد الفاسد اھ ملخصًا' اور بدائع الصنائع جلد دوم ص ۲۵۱ میں ہے: عن الشیخ الامام ابی بکر محمد بن فضل البخاری انه قال ان کان الاقرب فی موضع یفوت الکفؤ الخاطب باستطلاع رأیه فھو غیبة منقطعة و ان کان لایفوت فلیست بمنقطعة وھٰذا اقرب الی الفقه۔ وفی الدر المختار۔ لزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته۔ ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰه تعالٰی ورسولهٗ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مسماۃ نوادہ گونڈہ۔

میری شادی میرے خالو نے اپنے لڑکے کے ساتھ زبردستی کر دی میں نابالغ تھی اور میرے والدین کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اور میں ننھیال میں تھی گھر پر میرے ماموں نہ تھے' آئے اور جب انھیں معلوم ہوا تو انھوں نے نکاح کی چوڑی توڑ دی اور کپڑا نکاح کا جلا دیا اب جبکہ ماموں اور خالو میں شادی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تو اسی دن سے خالو نے مجھے جبراً اپنے گھر رکھ لیا اور ان کا لڑکا بمبئی چلا گیا جس کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی اور تقریباً سات آٹھ سال ہو گئے گھر پر نہیں آیا اور مجھے بھی اس کے گھر سے نکلے تین سال ہو گئے میرا کوئی پرسان حال نہیں اور مجھ سے ناجائز حرکت بھی ہوئی میں ادھر ادھر مزدوری سے بسر اوقات کرتی رہی لیکن اب بسر نہیں ہو رہا ہے' اور نہ تو وہ مجھے کسی قسم کا خرچ اخراجات دیتا ہے' اور نہ تو طلاق ہی دیتا ہے میرے لئے شرع سے کیا حکم ہے؟ میں کسی دوسرے سے شادی کر سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب: اگر ماموں سے ولی اقرب کوئی نہ تھا تو صورت مسئولہ میں خالو کے نکاح کو اگر ماموں صحیح کر دیتا تو نکاح درست تھا لیکن ماموں چونکہ نکاح سے راضی نہ ہوا اس لئے وہ نکاح درست نہیں لہٰذا طلاق کی کوئی ضرورت نہیں لڑکی بالغ ہونے کے بعد جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے واللّٰه تعالٰی ورسولهٗ اعلم جل جلاله صلی اللّٰه علیه وسلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد رضوی

۳ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

مسئلہ: از پرتاب گڑھ مرسلہ عبدالقوی

زید بمبئی تھا اس کی نابالغہ لڑکی کتاب النساء کا نکاح زید کے لڑکے اور اس کی بیوی نے بغیر زید سے اجازت لئے رحم اللہ بن عبدالشکور کے ساتھ کر دیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوا یا نہیں؟ جبکہ زید نہ پہلے راضی تھا اور نہ اب راضی ہے۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید کے لڑکے اور اس کی بیوی کو اگر پہلے سے اس بات کا علم تھا کہ کتاب النساء کا نکاح رحم اللہ کے ساتھ کرنے کے لئے زید راضی نہیں اس کے باوجود رحم اللہ کے ساتھ کر دیا یا زید کی رضا و عدم رضا کا انھیں علم نہ تھا اور زید سے اجازت لینے تک کفو خاطب کے فوت کا اندیشہ بھی نہ تھا تو شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶ رمضان شعبان ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از محمد سلیمان چیف انجینئر آفس این، ای ریلوے گورکھپور۔

ہماری بستی میں نکاح کے بارے میں انجمن اسلامیہ کی طرف سے یہ اصول بنا دیا گیا ہے کہ اگر کسی کا نکاح ہو تو انجمن اسلامیہ کے رجسٹر میں لڑکے اور لڑکی گواہ اور وکیل وغیرہ سے دستخط لی جائے بعد وہ مولوی صاحب برادری کے سامنے نکاح پڑھیں۔ لیکن ابھی حال ہی میں ایک ایسا واقعہ درپیش ہوا کہ زید نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے پڑھوا دیا جس میں نہ تو برادری و محلہ کے لوگ شریک رہے اور نہ انھیں کچھ علم ہوا لڑکی کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال ہے اس کو بھی کچھ اپنے نکاح کا علم نہیں صبح جب لڑکی کے والد زید نے نکاح کا چھوہارہ لڑکی کو دیا تو اس نے پھینک دیا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب: صورت مسؤلہ میں اگر بوقت نکاح لڑکی بالغہ تھی تو نکاح جائز نہ ہوا اور اگر نابالغہ تھی تو نکاح جائز ہو گیا۔ اس لئے کہ نابالغہ لڑکی کے نکاح پر باپ کو ولایت اجبار حاصل ہے اس طرح کہ بالغ ہونے کے بعد وہ توڑ نہیں سکتی ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہو چکا ہو مثلاً اس سے پیشتر وہ اپنی کسی اور دوسری لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے کر چکا ہو اور اب یہ دوسرا نکاح اگر کسی غیر کفو سے کیا تو جائز نہ ہوا۔ **وھو تعالٰی اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ رمضان ذی القعدہ ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از موضع کھوٹہنہ پوسٹ کھجنی ضلع گورکھپور مرسلہ سجاد علی۔

باپ سے اجازت لئے بغیر ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے نانا نانی نے زید کے ساتھ کر دیا حالانکہ زید کفو ہے اس کے فوت کا

اندیشہ نہ تھا۔ باپ بمبئی تھا اس خبر کو سن کر وہاں سے آیا اور نانا نانی کے کیے ہوئے نکاح کو نامنظور کر کے طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا تو شرعاً عقد اوّل درست ہوا یا عقد ثانی؟

الجواب: ولی اقرب اگر حاضر ہو یا غائب ہو مگر غیبت منقطعہ نہ ہو تو ولی ابعد کی ولایت سے کیا ہوا نکاح صحیح نہیں۔ بدائع الصنائع جلد دوم ص ۲۵ میں ہے: یتقدم الاقرب علی الابعد اذاکان الاقرب حاضراً وا غائباً غیبة غیر منقطعة یعنی ولی اقرب ولی ابعد پر مقدم ہوگا اگر ولی اقرب حاضر ہو یا غائب ہو مگر غیبت منقطعہ نہ ہو' اور ولی اقرب کی غیبت اگر غیبت منقطعہ ہو تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح جائز ہے۔ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۲۶۶ میں ہے: ان کان الاقرب غائباً غیبة منقطعة جاز نکاح الابعد کذافی المحیط' اور صورت مستفسرہ میں ولی اقرب کی غیبت غیبت منقطعہ نہیں۔ بدائع الصنائع مطبوعہ مصر ص ۲۵۱ میں ہے: ان کان الاقرب فی موضع یفوت الکفؤ الخاطب باستطلاع رأیه فهو غیبة منقطعة وان لایفوت فلیست بمنقطعة۔ یعنی اگر ولی اقرب ایسی جگہ ہے کہ اس کی رائے معلوم کرے سے کفو خاطب فوت ہو جائے گا تو ایسی حالت میں ولی کی غیبت غیبت منقطعہ ہے' اور اگر کفو خاطب فوت نہ ہوتا تو اس کی غیبت غیبت منقطعہ نہیں۔ بہار شریعت کتاب النکاح مطبوعہ لاہور ص ۹۵۸ میں ہے: ولی کے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کا انتظار کیا جائے تو وہ جس نے پیغام دیا ہے' اور کفو بھی ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہو گیا کہ ہندہ کے باپ کی غیبت چونکہ غیبت منقطعہ نہیں اس لئے نانا یا نانی کا کیا ہوا نکاح ناجائز ہے لہٰذا بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے ہندہ کا جو نکاح اس کے باپ نے کیا وہ شرعاً درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ رصفر ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از محمد رفیق خطیب مسجد سجا کھر ضلع پرتاب گڑھ۔

سکینہ کا نکاح اس کی والدہ اور ماموں نے سکینہ کے دادا اور چچا کی اجازت کے بغیر کر دیا اس وقت دادا اور چچا کہتے ہیں کہ یہ نکاح میری راضی اور خوشی سے نہیں ہوا تو نکاح مذکور شرعاً صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر سکینہ بوقت نکاح بالغہ تھی اور کفو کے ساتھ اس کی اجازت سے نکاح ہوا تو صحیح ہو گیا اور اگر نابالغہ تھی اور دادا غائب تھا اس طرح کہ اس کی اجازت حاصل کرنے میں کفو خاطب کے فوت کا اندیشہ تھا تو صحیح ہو گیا اور اگر اندیشہ نہ تھا تو دادا کی اجازت پر موقوف تھا نکاح کا علم ہونے کے بعد اگر دادا نے والدہ کا نکاح کیا ہوا تسلیم نہیں کیا بلکہ رد کر دیا تو رد ہو گیا' اور اگر اس وقت تسلیم کر لیا اگرچہ ناپسندیدگی سے، تو نکاح صحیح ہو گیا بعد میں رد نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴ رمن صفر المظفر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از سمیع اللہ موضع ٹکری ضلع سلطان پور۔

شوہر کے انتقال کے ایک سال بعد مسماۃ بیوہ نے دوسرا شوہر کرلیا اس وقت اس کی گود میں شوہر اوّل سے چھ ماہ کی ایک لڑکی تھی جسے اس نے اپنے ساتھ رکھا جب اس کی عمر ڈیڑھ سال کی ہوئی تو لڑکی کا چچا اسے اپنے گھر لے آیا لڑکی تقریباً ایک سال تک اس کی پرورش میں رہی پھر مسماۃ بیوہ جا کر دھوکہ دے کر اسے اپنے ساتھ لے آئی اور چند ہی دن میں مسماۃ بیوہ نے لڑکی کا نکاح اپنی راضی، خوشی، ہوش وحواس کے ساتھ کردیا۔ جب لڑکی کے چچا کو معلوم ہوا تو اس کے گھر جا کر کسی طرح اپنے ہمراہ لے آیا نکاح ہوئے عرصہ دس سال ہوئے چچا ابھی تک اس کی پرورش کررہا ہے اور وہ اس کے پاس ہے۔ جس لڑکے سے اس کا نکاح ہوا تھا تقریباً ۸ سال ہو گئے اس نے دوسرا نکاح کرلیا۔

لڑکی کا چچا لڑکی کی دوسری جگہ شادی کرنا چاہتا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شوہر اوّل سے طلاق لئے بغیر چچا اس کی دوسری شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: باپ کے انتقال کے بعد نابالغ لڑکی کا ولی دادا ہے پھر پردادا وغیرہ ہیں اگر چہ کئی پشت اوپر کا ہو۔ پھر حقیقی بھائی، پھر سوتیلا بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا اگر ان میں سے کوئی نہ تھا تو نابالغ لڑکی کا ولی اس کا حقیقی چچا تھا ان میں سے کسی ایک کی موجودگی میں ماں ہرگز ولی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ماں نے اگر لڑکی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تھا تو وہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف تھا۔ نکاح کی اطلاع کے بعد اگر ولی نے ماں کے کئے ہوئے نکاح کو منظور کرلیا تھا تو وہ نکاح لازم ہوگیا تھا۔ اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر لڑکی کا دوسرا نکاح نہیں ہوسکتا اور اگر ولی نے ماں کے کئے ہوئے نکاح کو منظور نہیں کیا تھا بلکہ رد کردیا تھا تو طلاق حاصل کئے بغیر لڑکی کا دوسرا نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔ **وھو تعالیٰ اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از نصیر خاں مسٹر فاش واڑہ۔ ڈونگر پور (راجستھان)

ہندہ جو قوم سے پٹھان ہے اور لڑکا جو قوم سے گھانچی (مسلم تیلی) ہے وہ ہندہ کے لئے کفو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہندہ کو فرار کر کے لے گیا اور دوسرے شہر میں دونوں نے اپنا نکاح کرلیا۔ اب ہندہ کے والدین اس نکاح کو غیر کفو سمجھ کر اپنے لئے عار تصور کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں نکاح فسخ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب: کفاءت کا دارومدار عرف پر ہے۔ اگر وہاں کے عرف میں پٹھان کی لڑکی کا گھانچی یعنی مسلم تسلی سے نکاح کرنا والدین کے لئے باعث عار ہو تو فسخ نکاح کی ضرورت نہیں کہ مذہب مفتی بہ پر وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں یہاں تک کہ بعد نکاح اگر ولی راضی ہو جائے تو اس صورت میں بھی نکاح نہیں ہوگا کہ غیر کفوٗ سے نکاح صحیح ہونے کے لئے عقد سے پہلے ولی کا جان بوجھ کر اپنی رضا کا اظہار ضروری ہے۔ درمختار میں ہے: **یفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلًا وھو المختار**

للفتویٰ لفساد فلا تحل بلا رضي ولي بعد معرفته اياه فليحفظ اھ تلخیصاً۔ اسی کے تحت ردالمحتار جلد دوم ص ۲۹۷ میں ہے: ھٰذا اذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضى بعده بحر۔اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۷/ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد نذیر۔ گینڈھوا تلسی پور ضلع گونڈہ۔

ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ نابالغیت ہی میں ہندہ کے نانا جان نے پڑھوا دیا۔ بعد چند یوم بلوغیت میں ہندہ کا تعلق بکر سے ناجائز طور پر ہو گیا جس کی وجہ سے ہندہ کے حمل قرار پا گیا۔ جب زید کے باپ وغیرہ نے مذکورہ واقعہ سنا اور دیکھا تو ہندہ کو لے جانے سے انکار کر دیا۔ اب ہندہ بکر ہی کے ساتھ رہتی ہے اور بچہ بھی پیدا ہو گیا لیکن اب تک زید نے طلاق نہیں دی۔ اب ایسی صورت میں از روئے شرع زید، ہندہ اور بکر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ چونکہ زید طلاق دینے سے بھی انکار کر رہا ہے اور لے جانے سے بھی انکار کر رہا ہے اور ہندہ بغیر نکاح کے بکر کے ساتھ رہتی ہے۔ لہٰذا کرم فرما کر از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

نوٹ: ہندہ کا نکاح جب سے زید کے ساتھ ہوا اس وقت سے لے کر اب تک تقریباً سات سال کا عرصہ گزر گیا لیکن ہندہ اب تک زید کے پاس نہیں گئی۔

الجواب: اگر نانا نے ہندہ کا نکاح کفو کے ساتھ کیا اور اس سے اقرب ہندہ کا کوئی ولی نہیں تھا۔ یا تھا مگر نانا کے کئے ہوئے نکاح کو جائز کر دیا تھا تو وہ صحیح ہو گیا۔ طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اگر زید ہندہ کو نہیں لے جانا چاہتا ہے اور کسی حالت میں اس کو طلاق دینے کو بھی تیار نہیں تو وہ سخت گنہگار ہے۔ لیکن اگر وہ کسی معقول وجہ سے طلاق نہیں دیتا مثلاً لڑکی کے پاس اس کا زیور وغیرہ ہے جسے واپس مانگتا ہے یا شادی کا مناسب خرچ طلب کرتا ہے، تو اس صورت میں زید پر کوئی گناہ نہیں۔ بکر اور ہندہ پر لازم ہے کہ وہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور اب تک جو حرام کاریاں کی ہیں ان سے علانیہ توبہ واستغفار کریں۔ پھر ہندہ کا شوہر زید اگر اسے نہ لے جانا چاہے تو جس طرح بھی ہو سکے پیسہ وغیرہ دے کر اس سے طلاق حاصل کی جائے اس کے بعد ہندہ اگر بکر کے ساتھ رہنا چاہے تو عدت گزار کر اس سے نکاح کرے، اور اگر وہ دونوں شرعی طور پر نکاح کئے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ رہیں تو سب مسلمان ان سے قطع تعلق کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (پ ۷ ع ۱۴)۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۹/ ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از ہرلا پور ضلع بستی مرسلہ علاقت حسین۔
سوال کی وضاحت کے لئے شجرہ حسب ذیل ہے۔

دھنو تیلی مسلم

بصالت — داہو — جہانگیر — ساہو

رحمت اللہ

ساہو اور رحمت اللہ دونوں ہیضہ کی بیماری میں ایک ہی سال میں فوت ہو گئے رحمت اللہ کی صرف دو بہنیں تھیں اور رحمت اللہ کا کوئی بھائی نہیں تھا یہ اپنے باپ کا تنہا بیٹا تھا رحمت اللہ کی وفات کے بعد اس کی بیوی تین سال تک موضع پرا میں اسی کے مکان میں رہی۔ رحمت اللہ کی دو لڑکیاں تھیں ایک بچی تین سال کی اور ایک دو سال کی۔ رحمت اللہ کے فوت ہونے کے تین سال بعد وہ عورت موضع ڈبرا چلی گئی اور وہاں پر صدیق نام کے ایک شخص کے ساتھ اپنا عقد کر لیا رحمت اللہ کی بیوی اپنے دونوں لڑکیوں کے ساتھ اپنا گھر چھوڑ کر ڈبرا میں آ کر مقیم ہو گئی اس عقد ثانی کے دو سال بعد اپنی بڑی لڑکی کی شادی اپنی اور صدیق کی رائے سے خود (ماں نے) ولی بن کر ایک جگہ کر دی اس لڑکی کے عقد کے تین سال بعد ماں فوت ہو گئی اب صدیق نے اس لڑکی کے نکاح کے چھ سال بعد اپنی رائے سے دوسری جگہ اسی لڑکی کا نکاح کر دیا صدیق یہ کہتا ہے کہ پہلی شادی ناجائز ہے کیونکہ اس لڑکی کا ولی نہ تو میں ہوں اور نہ اس کی ماں۔ اس لڑکی کے ولی اس کے چچا ہیں۔ بصالت، جہانگیر اور داہو رحمت اللہ کے فوت ہونے کے بعد ان لڑکیوں سے ایک دم کنارہ کش تھے ان لوگوں نے کبھی بھی ان لڑکیوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جن صاحب نے نکاح پڑھا وہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی ماں نے جو نکاح کیا تھا وہ جائز نہیں تھا اس لئے نکاح پڑھ دیا۔ اب ایسی صورت میں اس لڑکی اور نئے شوہر اور نکاح پڑھنے والے اور نکاح میں شامل ہونے والے صاحبان کے لئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے تحریر فرمائیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اس لڑکی کے ولی شرعاً ساہو کے بھائی ہیں خواہ انھوں نے پرورش کی ہو یا نہ کی ہو تو صدیق اور اس کی بیوی کا کیا ہوا نکاح برادران ساہو کی اجازت پر موقوف تھا اگر ان لوگوں نے بعد اطلاع نکاح اجازت دے دی تھی تو نکاح اوّل صحیح ہو گیا تھا ورنہ نہیں مگر ان لوگوں کی اجازت پر صحیح شدہ نکاح کو لڑکی بعد بلوغ فوراً فسخ یعنی نکاح سے انکار کر سکتی ہے' اور اگر کچھ بھی وقفہ ہوا تو اختیار فسخ جاتا رہا تو اس صورت میں اگر لڑکی نے بعد بلوغ فوراً نکاح فسخ کر دیا تو نکاح اوّل باطل ہو گیا بعدہ اپنی رضا اور خوشنودی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے پھر نکاح ثانی قبل بلوغ ہوا تو ساہو کے بھائیوں کی اجازت پر موقوف ہے' اور اگر بالغ ہونے کے بعد لڑکی کی اجازت سے ہوا تو وہ نکاح شرعاً جائز ہوا اور اس میں شرکت کرنے والے گنہگار نہ ہوئے' اور لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد فوراً نکاح فسخ نہ کیا تو نکاح اوّل قائم ہو گیا اور نکاح ثانی باطل ہے تو اس

صورت میں نکاح ثانی کے اندر شرکت کرنے والے اور پڑھنے والے گنہگار ہوئے سب توبہ کریں۔ واللہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵؍محرم الحرام ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از بارک پار ضلع بستی مرسلہ قاضی نہال الدین۔

ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے سوتیلے باپ اور حقیقی ماں نے زید سے کردیا حالانکہ لڑکی کا چچا دوسری جگہ موجود تھا بعد میں علماء سے فتویٰ لینے پر معلوم ہوا کہ یہ دونوں ہندہ نابالغہ کے ولی نہیں ہوسکتے لہٰذا ان دونوں کا کیا ہوا نکاح فاسد ہے اگر موجودہ ولی اس نکاح سے راضی ہوجائے اور اس کی اجازت ثابت ہوجائے تو نکاح صحیح ہوجائے گا لیکن ہندہ اگر بالغ ہوکر فوراً اس نکاح سے بیزاری ظاہر کردے اور راضی نہ ہو تو نکاح فسخ ہوجائے گا۔ چنانچہ ہندہ کے رخصتی کی بات چیت ہونے پر ہندہ نے زید کے یہاں جانے سے انکار کردیا اور نکاح سے راضی نہ ہوئی اس پر کچھ ایام گزر گئے کہ سوتیلے باپ نے ہندہ کا دوسرا نکاح بکر سے کردیا اور قاضی نہال الدین صاحب مقیم بارک پار نے لڑکی سے سب حال پوچھ کر نکاح پڑھا دیا چنانچہ لڑکی نے کہا کہ میں جب سمجھ والی ہوئی جبھی اس نکاح سے راضی نہیں تھی اس نکاح پڑھانے کی وجہ سے لوگ قاضی صاحب کو برا بھلا کہنے لگے اور امامت سے معزول کردیا ایسی صورت میں قاضی صاحب مجرم ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں برصدق سوال نکاح خواں قاضی پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ نکاح اوّل موقوفاً فاسد تھا لڑکی کے موجودہ ولی سے صراحۃً یا دلالۃً اجازت ثابت ہوتی تو وہ نکاح شرعاً نافذ ہوجاتا مگر اجازت ثابت نہ ہوئی کہ لڑکی نے بالغ ہوکر (بلکہ اس سے پہلے جیسا کہ سائل نے بیان کیا) اس نکاح سے انکار کرکے فسخ کردیا تو اب نکاح ثانی شرعاً صحیح ہوگیا۔ کما ھو مبین فی ال کتب الفقھیۃ اور اس گمان اور امکان سے کہ لڑکی کے ولی نے اجازت دے دی ہو یا لڑکی نے بالغ ہو کر علی الفور انکار نہ کیا ہو نکاح پڑھانے والے قاضی نہال الدین صاحب پر الزام قائم کرنا شرعاً بے جا اور ممنوع ہے نکاح خواں سائل قاضی صاحب کا خود بیان ہے کہ میں نے لڑکی سے تفتیش حال کرلی ہے جس میں لڑکی نے بتایا کہ میں نکاح اوّل سے راضی نہیں ہوں اور اپنی عدم رضا بلوغ کے قریب ظاہر کرچکی ہوں گھر اور پڑوس کے لوگ جانتے ہیں' تو اب ایسی صورت میں بلاوجہ شرعی نکاح خواں قاضی نہال الدین صاحب کو ملزم قرار دینا اور انھیں امامت سے معزول کردینا شرعاً درست نہیں۔ الزام سے رجوع کرنا اور ان پر طعن و تشنیع سے باز آنا لازم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے امام مسلم نے حدیث روایت کی ہے کہ ایک شخص نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ای المسلم خیر قال من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہٖ (مشکوٰۃ شریف) ترجمہ: کون سا مسلمان بہتر ہے فرمایا جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان امن میں رہیں۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے نہ طعن و تشنیع، سخن چینی، سب وشتم سے اذیت پائے نہ مار پیٹ سے دکھ پائے اسی طرح اور بہت سی احادیث کریمہ

حقوق مسلم میں وارد ہیں لہٰذا نکاح خواں قاضی نہال الدین کو لوگ امامت پر بحال رکھتے ہوئے ان پر طعن و تشنیع اور قیل وقال سے باز آئیں۔ واللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم۔

کتبہ: محمد نعیم الدین احمد الرضوی، ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: از غفران احمد نئی سڑک کانپور۔

اگر سیّدہ بالغہ کا ولی راضی نہ ہو اور وہ خود اپنا نکاح کسی پٹھان سے کرلے تو ہوگا یا نہیں؟ اور اگر نابالغہ سیّدزادی کا نکاح اس کا ولی کسی پٹھان سے کردے تو یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: اگر بالغہ سیدانی خود اپنا نکاح اپنی خوشی و مرضی سے کسی پٹھان یا انصاری شیخ غیر عالم دین سے کرے گی تو نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں جب تک کہ اس کا ولی پیش از نکاح مرد کے نسب پر مطلع ہو کر صراحتاً اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے' اور اگر نابالغہ ہے' اور اس کا نکاح باپ دادا کے سوا کوئی ولی اگرچہ حقیقی بھائی یا چچا یا ماں ایسے شخص سے کردے تو وہ بھی محض باطل و مردود ہوگا۔ اور باپ دادا بھی ایک ہی بار ایسا نکاح کرسکتے ہیں دوبارہ اگر کسی دختر کا نکاح ایسے شخص سے کریں گے تو ان کا کیا ہوا نکاح بھی باطل ہوگا ذٰلک معروف فی کتب الفقۃ کالدر المختار وغیرہ من الاسفار۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۲۹۳)

وھو تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: غلام احمد یار علوی۔ ساکن پکورہ پوسٹ بھن جوت ضلع گونڈہ

(۱) ہندہ پیشہ ور طائفہ ہے جو برسہا برس سے ناچنے گانے نیز دوسرے افعال بد کا ارتکاب کرتی چلی آرہی ہے ہندہ مذکورہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ولد الزنا ہے' تو اس ولد الزنا کا ولی کون ہوگا؟

(۲) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ولد الزنا کا وئی کوئی بھی ہوسکتا ہے تو اس کا کہنا درست ہے کہ نہیں؟

(۳) ہندہ پیسہ ور طائفہ ہے اس کا باپ اس سے اور اس کی بہن سے جسم فروشی کراتا ہے تو ایسے شخص کے یہاں تقریبات شادی وغمی میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: ولایت کے چار اسباب ہیں، قرابت، ملک، ولاء، امامت درمختار میں ہے: (الولایۃ) تثبت باربع قرابۃ، ملک، ولاء، امامت، قرابت کی وجہ سے ولایت عصبہ بنفسہ کے لئے ہے' اور یہاں بھی وہی ترتیب ملحوظ ہے جو وراثت میں معتبر ہے یعنی سب سے مقدم بیٹا ہے، پھر پوتا، پھر پڑپوتا اگرچہ کئی پشت کا فاصلہ ہو، یہ نہ ہوں تو باپ پھر دادا پھر پڑدادا

وغیرہم اصول اگر چہ کئی پشت اوپر کا ہو پھر حقیقی بھائی، پھر سوتیلا بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا، پھر حقیقی چچا پھر سوتیلا چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، پھر باپ کا حقیقی چچا، پھر باپ کا سوتیلا چچا، پھر باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا، پھر باپ کے سوتیلے چچا کا بیٹا، پھر دادا کا حقیقی چچا، پھر دادا کا سوتیلا چچا، پھر دادا کے حقیقی چچا کا بیٹا، پھر دادا کے سوتیلے چچا کا بیٹا، خلاصہ یہ ہے کہ اس خاندان میں سب سے زیادہ قریب رشتہ دار جو ہو ولی ہے۔ عصبہ نہ ہو تو ماں ولی ہے پھر دادی، پھر نانی، پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی، پھر پڑپوتی، پھر نواسی کی بیٹی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن، پھر سوتیلی بہن، پھر اخیافی بہن، ان کی بہن وغیرہ کی اولاد، اسی ترتیب سے پھر پھوپھی پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچازاد بہن، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد۔ جب رشتہ دار موجود نہ ہوں تو ولی مولی الموالات ہے یعنی وہ جس کے ہاتھ پر اس کا باپ مشرف بہ اسلام ہوا ہو اور یہ عہد کیا ہو کہ اس کے بعد یہ اس کا وارث ہو گا یا دونوں نے ایک دوسرے کا وارث ہونا ٹھہرا لیا ہو، ان سب کے بعد بادشاہ اسلام ولی ہے۔ پھر قاضی جب کہ سلطان کی طرف سے اسے نابالغوں کے نکاح کا اختیار دیا گیا ہو۔ (ملخص از بہار شریعت جلد ہفتم بحوالہ درمختار، ردالمحتار، عالمگیری وغیرہ)

اس تفصیل کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ صورت مسئولہ میں ہندہ ہی اپنے اس نابالغ ولد الزنا غیر ثابت النسب بچے کی ولی ہو گی۔

(۲) جواب نمبر (۱) سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ یہ کہنا کہ مطلقاً ولد الزنا کا کوئی بھی ولی ہو سکتا ہے درست نہیں۔

(۳) ایسا شخص سخت خبیث و مردود و دیوث ہے۔ بحکم حدیث اس پر جنت حرام ہے اور بحکم قرآن اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔ قال اللہ تعالٰی: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ٥ مسلمان اس کا یک لخت تعلق چھوڑ دیں اس کی تقریبات شادی و غمی میں ہرگز ہرگز شریک نہ ہوں۔ اس سے سلام کلام، میل جول سب ترک کر دیں جب تک صدق دل سے توبہ نہ کرے اس سے زیادہ یہاں کیا سزا ہو سکتی ہے۔

کتبہ: غلام عبد القادر العلوی، ۲۳ رشوال المکرم ۱۴۰۳ھ

ھٰکذا الجواب واللہ اعلم بالصواب۔
حکیم ابو البرکات العبد محمد نعیم الدین احمد عفی عنہ

باب المھر

مہر کا بیان

مسئلہ: از عبدالرحمٰن مرسٹھوا پوسٹ گنیش پور ضلع بستی۔

مہر کم سے کم کتنا کا ہو سکتا ہے؟

الجواب: مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم چاندی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: **لامھر اقل من عشرۃ دراھم**' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۲۸۳ میں ہے: **اقل المھر عشرۃ دراھم**' اور دس درہم چاندی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ کے برابر ہوتی ہے۔ لہٰذا اتنی چاندی نکاح کے وقت بازار میں جتنی کی ملے کم سے کم اتنے روپے مہر ہو سکتا ہے۔ اس سے کم کا نہیں ہو سکتا۔ **وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از منشی امام علی مقام کوئلہ بازار پوسٹ راج محل ضلع سنتھال پرگنہ (بہار)

(۱) لڑکا بالغ ہے' اور لڑکی نابالغہ تو لڑکے نے لڑکی کو خط کے ذریعہ طلاق دے دیا تو اس کے مہر کا کیا حکم ہے؟

(۲) لڑکا بھی بالغ اور لڑکی بھی بالغہ لیکن دونوں میں تنہائی نہیں ہوئی اور خط کے ذریعہ طلاق دے دیا تو اس کے مہر کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) بالغ لڑکے نے اگر اپنی نابالغہ بیوی کو ہمبستری یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی ہے تو پورا مہر دینا واجب ہے' اور اگر ہمبستری و خلوت صحیحہ کے پہلے طلاق دی ہے تو مقررہ مہر میں سے نصف دینا واجب ہے۔ جیسا کہ پارۂ دوم رکوع ۱۵ میں ہے: **وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَھُنَّ فَرِیْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ۔**

(۲) اگر ہمبستری و خلوت صحیحہ ہونے سے پہلے طلاق دی ہے تو مقررہ مہر میں سے نصف دینا واجب ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے واضح ہے۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ر من شوال ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از منشی امام علی مقام کوئلہ بازار۔ راج محل ضلع سنتھال پرگنہ (بہار)

کوئی عورت اپنے شوہر کے خلاف کوئی کام کرے یا بغیر اجازت کہیں چلی جائے تو وہ عورت مہر پائے گی یا نہیں؟

الجواب: اگر عورت شوہر کی نافرمانی کرے یا اسے اذیت پہنچائے یا اس کے حکم کے بغیر ادھر ادھر چلی جائے تو بھی شوہر پر پورا مہر دینا واجب رہے گا۔ ضبط مہر شرعاً و قانوناً ہرگز جائز نہیں۔ البتہ بیوی اپنے شوہر کی نافرمانی کے سبب سخت گنہگار ہوئی توبہ کرے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: نور محمد قادری یار علوی

۱۵ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از کرامت علی پرتاب گڑھ۔

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دی لیکن مہر اور عدت کا خرچہ نہیں دیا۔ ہندہ مہر اور عدت کا روپیہ پانے کے لئے برادری میں عذر دار ہوئی۔ لوگوں نے کہا بہت سے لوگوں نے نہیں دیا ہے جب سب لوگ دیں گے تو زید بھی دیں گے۔ ایسی حالت میں زید اور جن لوگوں نے کہا کہ جب سب دیں گے تو وہ بھی دیں گے ان کے یہاں کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: پارۂ چہارم سورۂ نساء کے رکوع اوّل میں ہے: وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔ یعنی عورتوں کا مہر خوشی کے ساتھ ادا کرو۔ اور حدیث شریف میں ہے: جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ عورت کو مہر میں سے کچھ نہ دے گا تو جس روز مرے گا زانی مرے گا۔ لہٰذا زید پر اپنی مطلقہ بیوی کی عدت کا خرچہ اور مہر ادا کرنا لازم ہے۔ اگر نہیں ادا کرے گا تو حق العبد میں گرفتار اور دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوگا، نہ ادا کرنے کی صورت میں زید اور اس کی غلط حمایت کرنے والوں کا مسلمانوں پر بائیکاٹ کرنا لازم ہے قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ۷ ع ۱۴)۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: مسئولہ عبد الرشید خاں پیش امام مسجد ہریا ضلع بستی۔

زید کی بیوی عارفہ ناراض ہو کر میکے چلی گئی عارفہ کے والدین بضد ہیں کہ زید طلاق دے دے لیکن وہ طلاق دینا نہیں چاہتا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر زید عارفہ کے والدین کے اصرار پر اس کو طلاق دے دے تو کیا مہر کی ادائیگی زید پر واجب ہوگی؟ اور جہیز جسے عارفہ کے والدین نے دیا تھا کیا اس کی واپسی لازم ہے؟ نیز عارفہ کے گود میں ایک ماہ کا بچہ ہے طلاق کے بعد بچے کی پرورش و اخراجات کا حق کس پر ہے؟ اور عارفہ کا نان و نفقہ زید پر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: طلاق ابغض مباحات سے ہے بلا وجہ شرعی طلاق لینا دینا اللہ تبارک وتعالیٰ کو سخت ناپسند ہے چنانچہ ابوداؤد سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق (مشکوٰۃ شریف) یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندہ چیز طلاق ہے نیز دار قطنی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: یامعاذ ما خلق اللّٰہ شیئا علی وجہ الارض احب الیہ من العتاق ولاخلق اللّٰہ شیئا علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق (مشکوٰۃ شریف) یعنی اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ نہ پیدا فرمائی اور کوئی چیز روئے زمین پر طلاق سے زیادہ پسندیدہ نہ پیدا فرمائی۔ نیز امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، دارمی سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روای ہیں کہ فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ایما امرأۃ سئلت زوجھا طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ (مشکوٰۃ شریف) یعنی جس عورت نے بغیر کسی سخت تکلیف و مجبوری کے شوہر سے طلاق کا سوال کیا تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ بہر حال اگر طلاق دینی ہی پڑے تو طلاق احسن دے یعنی طہر (پاکی) کے ایام میں صرف ایک طلاق رجعی دے کہ اگر دوران عدت طرفین میں مصالحت ہو جائے اور شوہر رجعت کر لے تو بہتر ہے ورنہ عدت پوری ہو جانے پر عورت آزاد اور مختار ہے' اور صورت مسئولہ میں چونکہ عارفہ زید کی مدخولہ ہے لہٰذا طلاق ہو جانے پر عارفہ زید سے مقررہ مہر لے سکتی ہے زید کو ادا کرنا واجب ہے نیز زمانہ عدت کا خرچہ بھی زید کو دینا ہوگا' اور عارفہ کی عدت مکمل تین حیض ہے وہ چاہے کتنے ہی دن میں پورا ہو۔ عارفہ کی گود میں جو زید کا بچہ ہے وہ زید ہی کا ہے لیکن پرورش کا حق ماں کو ہے لہٰذا وہ بچہ تقریباً سال برس تک ماں کی پرورش میں رہے گا اور پرورش کے اخراجات زید کو دینے ہوں گے۔ جہیز میں دیا ہوا سامان نہ اب عارفہ کے والدین کا ہے نہ شوہر کا بلکہ وہ عارفہ کا ہے عارفہ اس کی مالک ہے چنانچہ احکام شریعت ص ۱۰۷ میں ہے۔ جہیز عورت کی ملک ہے اس کے مرنے پر حسب شرائط ورثہ تقسیم ہوگا۔ انتہٰی بقدر الحاجۃ ھٰکذا فی کتب الفقۃ۔ واللّٰہ ورسولہٗ اعلم۔

کتبہ: محمد نعیم الدین احمد صدیقی رضوی

۱۳؍ رجب المرجب ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از محمد حنیف مقام پکورہ ضلع گونڈہ۔

زید نے اپنی بیوی زینب کو رخصتی سے پہلے طلاق دے دی تو زید کو کتنا مہر ادا کرنا پڑے گا؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید مذکور نے اپنی بیوی زینب کو خلوت صحیحہ اور وطی سے پہلے طلاق دے دی ہے تو زید پر نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (پ۲ رکوع ۱۴)۔ یعنی اور اگر تم نے عورتوں کو (خلوت صحیحہ اور) مباشرت کے پہلے

طلاق دے دی اوران کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا مقرر تھا اس کا آدھا واجب ہے۔ وھو تعالٰی اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷؍رجب المرجب ۱۳۸۰ھ

مسئلہ: از قاضی اطیعوا الحق عثمانی رضوی علاء الدین پور۔ سعد اللہ نگر ضلع گونڈہ

آپ نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا مہر شریف چار سو درہم یعنی ایک سو ساڑھے سولہ تولہ چاندی بحوالۂ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور اشعۃ اللمعات تحریر فرمایا ہے۔ (انوار الحدیث ص ۲۵۸) اور حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی علیہ الرحمہ نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا مہر شریف چار سو مثقال چاندی یعنی ڈیڑھ سو تولہ تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں چار سو مثقال چاندی مہر تھا وزن جس کا ڈیڑھ سو ہوا (اسلامی زندگی ص ۵۱) تو یہاں صرف سوال یہ ہے کہ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحقیق حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے مہر کریم کی مقدار کے بارے میں کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا جس کا وزن ایک سو ساٹھ روپے کے برابر ہوا جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۳۱۸ میں ہے: ''حضرت بتول زہراء رضی اللہ عنہا کا مہر اقدس چار سو مثقال چاندی، اور چار سو مثقال ایک سو ساٹھ روپے ہوئے'، اور اسی کتاب اسی جلد کے ص ۴۳۱ میں ہے: ''حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا جس کے ایک سو ساٹھ روپے بھر چاندی ہوئی۔''

یہ مسئلہ ائمہ محققین کے نزدیک مختلف فیہ ہے انوار الحدیث کے چھٹے ایڈیشن سے ہم نے بھی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا مہر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیق کے مطابق کر دیا ہے۔ واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶؍ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد حنیف میاں۔ سبہیاں کلاں ضلع گونڈہ۔

عورت سے اگر مہر معاف کرائے اور وہ معاف کر دے، تو اس طرح مہر معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب: عورت اگر ہوش وحواس کی درستگی میں راضی خوشی سے مہر معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا۔ ہاں اگر مارنے کی دھمکی دے کر معاف کرایا اور عورت نے مار کے خوف سے معاف کر دیا تو اس صورت میں معاف نہیں ہوگا، اور اگر مرض الموت میں معاف کرایا جیسا کہ عوام میں رائج ہے کہ جب عورت مرنے لگتی ہے تو اس سے مہر معاف کراتے ہیں تو اس صورت میں ورثاء کی اجازت کے بغیر معاف نہیں ہوگا درمختار مع شامی جلد دوم ص ۳۲۸ میں ہے: صح حطھا، اور اسی کے تحت

ردالمحتار میں ہے: لابد من رضاها ففي هبة الخلاصة خوفها يضرب حتى وهبت مهرها لم يصح لوقادر اعلیٰ الضرب. وان لاتكون مريضة مرض الموت اھ ملخصًا' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۹۳ میں ہے: لابد في صحة حطها من الرضى حتى لوكانت مكرهة لم يصح ومن ان لاتكون مريضة مرض الموت. هٰكذا في البحر الرائق. هٰذا ماعندى. وهو تعالٰى اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

کتاب الرضاع

دودھ کے رشتہ کا بیان

مسئلہ: از برکت اللہ مقام و پوسٹ چوکھڑہ ضلع بستی۔

ایک ماں کی دو لڑکیاں ہیں بڑی لڑکی کا نام ہاجرہ ہے اور چھوٹی کا نام آمنہ ان دونوں کی ماں کا انتقال ہوگیا۔ آمنہ گود میں تھی تو ہاجرہ نے اپنی بہن کو دودھ پلایا اب آمنہ بالغ ہوگئی اور اس کی شادی بھی ہوگئی اور ایک لڑکی پیدا ہوئی تو آمنہ کی اس لڑکی کا نکاح ہاجرہ کے لڑکے کے ساتھ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں آمنہ کی لڑکی کا نکاح ہاجرہ کے لڑکے سے کرنا حرام ہے ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے رضاعی ماموں بھانجی ہیں اور ماموں بھانجی کا نکاح جیسا کہ نسباً حرام ہے رضاعاً بھی حرام ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ ھٰذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ و صلی المولیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ر شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: مسئولہ جمعدار نداف پوسٹ و مقام چتر اشیخ۔ بستی۔

زید نے تقریباً ایک سال کی عمر میں اپنی دادی کا دودھ پیا تو زید کا نکاح اپنے حقیقی چچا کی بیٹی سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید کا اس لڑکی سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے اس لئے کہ دودھ پینے والے پر رضاعی ماں کے نسبی اور رضاعی اصول و فروع سب حرام ہو جاتے ہیں فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۳۲۱ میں ہے: یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا۔ لہٰذا اگر زید کا اس لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو تو اسے روکا جائے اور اگر ہو چکا ہو تو اس نکاح کے حرام ہونے کا اعلان کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

یکم محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از جمیل احمد منیجر اردو بک اسٹال اینڈ نیوز ایجنسی السلام پیٹ و جے واڑہ

حفیظ النساء اور حسین بی بی دونوں بہنیں ہیں ایک ہی ماں باپ سے ہیں حفیظ النساء کے دولڑکے لطیف اور رحمت اور حسین بی بی کے ایک لڑکی فرحت النساء۔ رحمت کو زمانہ شیر خواری میں حسین بی بی نے چند دنوں تک دودھ پلایا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ فرحت النساء کا نکاح رحمت کے بھائی لطیف کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حسین بی بی نے رحمت کو دودھ پلایا تو رحمت کے بھائی لطیف کو حسین بی بی کی لڑکی فرحت النساء کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو کنز الدقائق اور بحر الرائق جلد ثالث ص ۲۲۷ میں ہے: **تحل اخت اخیہ رضاعاً۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ر من صفر المظفر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از عبدالرسول قادری متعلم جامعہ برکاتیہ سیّد العلوم کا سگنج۔

عادلہ کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے اس کو کسی نے بتایا کہ تو اپنے بچے کو کسی دیگر عورت کا دودھ پلوادے۔ عادلہ نے اپنی بہن سے کہا کہ تم اس کو دودھ پلا دو۔ بہن نے دودھ پلانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے رضاعت لازم آئے گی اس نے اپنی پستان سے دودھ نکالا اور پلا دیا' تو سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں رضاعت لازم آئی کہ نہیں؟ عادلہ اپنے اس لڑکے کا نکاح اپنی بہن کی لڑکی سے کرنا چاہتی ہے یہ نکاح عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عادلہ کے اس لڑکے کا نکاح اس کی بہن کی کسی بھی لڑکی سے کرنا حرام ہے ہرگز جائز نہیں کہ پستان سے دودھ نکال کر پلانے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۳۲۲ میں ہے: **کما یحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب والسعوط والوجود کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔** یہاں تک کہ عورت مر جائے اور اس کی پستان سے دودھ نکال کر پلایا جائے تو اس صورت میں بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۴۰۸ میں ہے: **یحرم لبن میتۃ ولو محلوبا۔ اھ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔**

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۷ر ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد تقسیم ساکن گوراکلاں۔ ضلع بستی۔

دو عورتیں تھیں ایک عورت کا لڑکا تھا اور دوسری عورت کی لڑکی تھی۔ لڑکی والی کی ماں نے اس عورت کے لڑکے کو اپنا دودھ پلا دیا۔ اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس لڑکے کی شادی اس عورت کی دوسری لڑکی سے ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ دونوں دو ماؤں اور دو باپوں کے لڑکا لڑکی ہیں؟

الجواب: جس عورت نے لڑکے کو دودھ پلایا ہے اس عورت کی کسی لڑکی سے اس لڑکے کا نکاح کرنا حرام حرام سخت حرام ہے۔ شرح وقایہ میں ہے: از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند۔ واز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع۔ **وھو سبحانہ و تعالٰی اعلم۔**

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۱۱؍صفر المظفر ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: مسئولہ الطاف حسین صدیقی ہائر سکنڈری اجیار پوسٹ دودھارا ضلع بستی۔

زید شوہر ہے جس کی دو بیویاں ہند اور حنظلہ ہیں۔ ہندہ سے تین اولادیں عمر، بکر اور سائرہ بانو ہیں۔ حنظلہ سے پانچ اولادیں رحمانی، کریمن، سبحانی، جوشانی اور سالم ہیں۔ عمر کے ایک لڑکا غلام رسول ہے سائرہ بانو کی لڑکی رحیمن ہے حنظلہ بی بی نے عمر کے لڑکے غلام رسول کو دو سال یا دو سال کے اندر دودھ پلایا ہے جیسا کہ حنظلہ بتاتی ہے۔ حنظلہ کے ایک لڑکا سالم پیدا ہوا تھا جس کی عمر اس وقت چھ سات سال کی تھی جب غلام رسول کو دودھ پلایا ہے۔ دودھ پلانے کی مدت ٹھیک سے حنظلہ نہیں بتلاتی ہے اور نہ ہی غلام رسول کی ماں ہی مدت کو صاف بتاتی ہے کہ کب اور کس عمر میں پلایا ہے؟ مسئلہ کا خاکہ مندرجہ ذیل ہے۔

زید شوہر

ہندہ (بیوی) حنظلہ (بیوی)

ہندہ (بیوی)

عمر بکر سائرہ بانو

غلام رسول رحیمن

حنظلہ (بیوی)

رحمانی کریمن سبحانی جوشانی سالم

غلام رسول اور رحیمن میں شادی ہونے کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں جب کہ بچپن سے دونوں میں رشتہ کی بات چیت تھی؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں غلام رسول نے اگر واقعی ڈھائی سال کی عمر ہونے سے پہلے حنظلہ کا دودھ پیا ہے تو اس کا عقد رحیمن کے ساتھ حرام سخت حرام ہے فتاویٰ عالمگیری اوّل مصری ص ۳۲۱ میں ہے: **یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب الرضاع جمیعًا** اھ اگر ظن غالب ہو کہ ڈھائی سال کی عمر ہونے سے پہلے دودھ پیا ہے تو اس صورت میں بھی نکاح مذکور حرام ہے اور اگر شبہ ہو کہ ڈھائی سال کی عمر ہونے سے پہلے دودھ پیا ہے یا بعد میں تو اس صورت میں بھی احتیاطاً عقد نہ کرنے کا حکم دیا جائے گا کہ حرام کے شبہ سے بچنا چاہئے۔ خصوصاً زندگی بھر کی زنا کاری کے

ہے۔ هٰذا ما ظهر لی والعلم بالحق عندالله تعالٰی ورسوله الاعلٰی صلی الله علیه وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ

مسئلہ: از محمد عمر موضع پھریندی ضلع گونڈہ۔

ہندہ نے اپنے ناتی کو جبکہ اس کی عمر تقریباً دو سال تھی دودھ پلایا تو ہندہ کی پوتی کے ساتھ اس ناتی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جبکہ ہندہ نے اپنے ناتی کو دودھ پلایا تو ہندہ کی پوتیاں اس ناتی پر حرام ہوگئیں لہٰذا ہندہ کی کسی پوتی سے اس کا نکاح ہرگز نہیں ہوسکتا حدیث شریف میں ہے: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب' اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۲۱ میں ہے: یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعًا.اه۔وهو سبحانه وتعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۲۹ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از جوہر علی موضع کسیا پوسٹ مہدو پار ضلع بستی۔

مدت رضاع کتنی ہے ائمہ کے اختلاف دلائل کے ساتھ بیان فرمائیں؟ کرم ہوگا۔

الجواب: ثبوت حرمت کے لئے مدت رضاع حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ڈھائی سال یعنی تیس ماہ ہے اور حضرت امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دو برس ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۲۱ میں ہے: وقت الرضاع فی قول ابی حنیفه رحمة الله علیه مقدر بثلاثین شهرًا وقالا مقدر بحولین هٰکذا فی فتاویٰ قاضی خاں۔ ائمہ کے اختلاف کی تفصیل ودلائل کے لئے مطولات کا مطالعہ کریں۔ والله تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از عبدالرؤف سکن بھٹملا پوسٹ ڈبرا ضلع بستی۔

زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئے ایک عرصہ دراز ہوگیا اس سے چار بچے بھی پیدا ہوئے۔ ہندہ رشتہ میں زید کی رضاعی پھوپھی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہونے کی کوئی شرعی صورت ہو تو اس سے مطلع فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ صورت مسئولہ میں زید کا نکاح ہندہ سے صحیح نہیں کیونکہ ہندہ زید کے لئے محرمات ابدیہ سے ہے اور محرمات ابدیہ سے نکاح کرنا درست نہیں بلکہ حرام اشد حرام ہے زید اور ہندہ دونوں پر فرض ہے کہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور میاں بیوی کے تعلقات منقطع کر دیں۔ ان دونوں کے درمیان نکاح درست ہونے کی کوئی شرعی صورت نہیں قرآن عظیم چوتھا پارہ سورۂ النساء میں ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ الآیہ بخاری شریف جلد دوم ص ۷۶۴ میں ہے: الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ۔ اور مسلم شریف جلد اوّل ص ۴۶۷ میں ہے: یحرم من الرضاعۃ ما تحرم من النسب اور مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳ پر ہے: عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ' اور نووی شرح مسلم شریف ص ۴۶۶ پر ہے: واجمعوا ایضًا علیٰ انتشار الحرمۃ بین المرضعۃ واولاد الرضیع واولاد المرضعۃ وانہ فی ذٰلک کولدھا من النسب ھٰذہ الاحادیث۔ اور درمختار ص ۴۰۸ پر ہے: ولاحل (بین الرضیعۃ وولد مرضعتھا) ای التی ارضعتھا (وولد ولدھا) لانہ ولد الاخ۔ بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۳۲ پر ہے۔ مسئلہ: دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح پلانے والی کے بیٹوں پوتوں سے نہیں ہوسکتا کہ اس کی بہن یا پھوپھی ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبد الجبار القادری الاشرفی

بیشک جس عورت نے ہندہ کو دودھ پلایا اس کے پوتے زید سے ہندہ کا نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہندہ زید کی رضاعی پھوپھی ہے' اور رضاعی پھوپھی سے نکاح حرام اشد حرام ہے۔ زید اور ہندہ پر ایک دوسرے سے الگ ہو جانا اور علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ رصفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از عین الحق صدیقی معرفت عبد الحیٔ صدیقی تتری بازار بستی۔

ہندہ نے اپنے بھائی زید کی لڑکی مریم کو دودھ پلایا اور اپنی بہن زینب النساء کے لڑکے بکر کو ایک بار جبکہ وہ لیٹی ہوئی اپنی بچی عرفانہ کو دودھ پلا رہی تھی۔ پاس میں بکر بھی لیٹا ہوا تھا۔ حالت غنودگی میں بکر نے ہندہ کا پستان اپنے منہ میں لے لیا۔ ہندہ نے فوراً بکر کو چھڑا دیا۔ ہوسکتا ہے کہ چونکہ بچی ہندہ کی دودھ پی رہی تھی کوئی قطرہ بکر کے منہ کو لگ گیا ہو۔ اب ایسی صورت میں بکر کی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے کہ نہیں جبکہ ہندہ کا بیان ہے کہ بچے (بکر) نے دودھ نہیں پی پیا۔ اب زید کی لڑکی مریم جس کو کہ ہندہ دودھ پلاتی رہی ہے اس کی شادی زینب النساء کے لڑکے بکر سے ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ بکر نے ہندہ کا دودھ پیا ہے بلکہ پینے اور نہ پینے میں شک

ہے اور شک کے صورت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا شرعاً بکر اور مریم کا باہم عقد ہوسکتا ہے۔ البحر الرائق میں ہے:
لو ادخلت امرأة حلمة ثديها في فم رضيع ولايدري ادخل اللبن في حلقه ام لا. لايحرم النكاح لان في المانع شكا۔ (البحر الرائق ص۲۲۲ ج۳) لیکن چونکہ ہندہ نیند کی حالت میں تھی اس لئے ہوسکتا ہے کہ بکر نے دودھ پینا شروع کر دیا ہو پھر ہندہ نے چونک کر الگ کیا ہو ایسی صورت میں ممکن ہے کہ دو چار قطرے بکر کے پیٹ میں پہنچ گئے ہوں بہر حال شک اور ایسے قوی شک کی بنیاد پر شریعت مطہرہ کا احتیاطی حکم یہ ہے کہ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر چہ بکر اور مریم کا باہم عقد ضرور جائز ہے مگر احوط یہی ہے کہ دونوں کا باہم عقد نہ کیا جائے۔ عالمگیری میں ہے: اذا جعلت ثديها في فم الصبي ولاتعرف امص اللبن ام لا ففي القضاء لاتثبت الحرمة بالشك وفي الاحتياط تثبت (عالمگیری۔ کتاب الرضاع ص ۳۴۴ ج۱)۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

کتبہ: محمد الیاس خان سالک بارہ بنکوی

۱۶ ربیع النور شریف ۱۳۹۱ھ

الجواب: صحیح، بدر الدین احمد

مسئلہ: از محمد اسحٰق چھیدی گورا کلاں ضلع بستی۔

رقیب النساء نے زید کو ایام رضاعت میں اپنی لڑکی ہندہ کے ساتھ دودھ پلایا اب ہندہ کی بہن یعنی رقیب النساء کی دوسری لڑکی کے ساتھ زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید کا نکاح ہندہ کی بہن سے ناجائز و حرام ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۳۲۱ میں ہے: يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعًا. وهو تعالٰى اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ ربیع الآخر ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از محمد علی قریشی انسکن مرچنٹ پرانی بستی ضلع بستی (یو۔پی)

ایک ماں کی دو لڑکیاں ہیں اور دونوں لڑکیاں شادی شدہ ہیں اب ایک بہن کے ایک لڑکا ہے اور دوسری بہن کی ایک لڑکی ہے دونوں بہنیں آپس میں اپنے لڑکے اور لڑکی کی شادی کرنا چاہتی ہیں، مگر لڑکے نے کسی مجبوری کی بناء پر اپنی نانی کا دودھ چھ ماہ تک پیا ہے تو کیا ایسی صورت میں شرع شادی کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ صورت مستفسرہ میں مذکورہ لڑکی و لڑکے کے مابین عقد جائز نہیں حرام

ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۲۱ میں ہے: یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا ھٰذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

۲۱ر ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ

مسئلہ: از صاحبزادہ شیخ بنکے گاؤں ضلع بستی۔

ایک عورت نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا پھر اس لڑکی کا نکاح ایک مولوی نے عورت مذکور کے لڑکے کے ساتھ پڑھ دیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت مذکور نے اگر قبل اختتام مدت رضاعت یعنی ڈھائی سال عمر ہونے سے پہلے لڑکی کو دودھ پلایا تو نکاح مذکور ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا۔ حدیث شریف میں ہے: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۲۱ میں ہے: یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا۔ یعنی لڑکا ہو یا لڑکی ان پر رضاعی ماں باپ اور ان کے نسبی و رضاعی اصول و فروع سب حرام ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مولوی مذکور نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے، اور اگر لڑکے لڑکی کو رضاعی بھائی بہن جانتے ہوئے نکاح پڑھا ہے تو علانیہ توبہ و استغفار کرے۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از محمد حسن علی پوسٹ و مقام کپتان گنج۔ ضلع بستی۔

زید نے اپنی حقیقی دادی زینب کا دودھ تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں پیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زینب کی حقیقی نواسی کے ساتھ زید کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ یا بچے نے ایام رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پی لیا تو اس دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان دونوں کے (رضاعی ماں و باپ کے) نسبی اور رضاعی اصول یعنی آباء و اجداد و والدہ و جدات وغیرہ الی الاعلیٰ اور فروع یعنی لڑکے لڑکیاں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں الی الاسفل سب حرام ہو جاتے ہیں۔ صورت مستفسرہ میں جبکہ زید نے اپنی حقیقی دادی زینب کا دودھ ایام رضاعت میں پی لیا ہے تو زینب کی حقیقی دادی کے علاوہ اس کی رضاعی ماں بھی ٹھہری لہٰذا زینب کے اصول و فروع سب کے سب زید پر حرام ہیں اور زینب کی کسی

بھی پوتی یا نواسی کے ساتھ زید کا نکاح کرنا ناجائز وحرام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۳۲۱ میں ہے: ویحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ الاعلٰی جل جلالہ وصلی المولیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: نور محمد القادری الاوجھا گنجوی البستوی

۱۳؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از جوہر علی موضع کسیا۔ مہدو پار ضلع بستی۔

ساجدہ نے ڈیڑھ سال کی عمر میں ہندہ کا دودھ پیا ہے ساجدہ کے والدین نے ہندہ کے لڑکے زید کے ساتھ ساجدہ کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ واضح رہے کہ ساجدہ نے زید کے ساتھ دودھ نہیں پیا ہے؟

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ صورت مستفسرہ میں برصدق مستفتی ساجدہ نے جبکہ ڈیڑھ سال کی عمر میں ہندہ کا دودھ پیا تو ہندہ ساجدہ کی رضاعی ماں ہوگئی اس کے سب لڑکے ساجدہ پر حرام ہو گئے خواہ ساجدہ کے دودھ پینے کے بعد پیدا ہوئے ہوں یا پہلے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: یحرم من الرضاع مایحرم من النسب اور فتاویٰ عالمگیری مصری ص ۳۲۱ میں ہے: یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا۔ لہٰذا ہندہ کے لڑکے زید کا نکاح جو ساجدہ کے ساتھ کیا گیا وہ ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوا۔ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عنداللّٰہ تعالٰی ورسولہٗ جل جلالہ وصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از اصغر علی موضع موسوا چک پوسٹ پچھی پور ضلع گورکھپور۔ (یو۔ پی)

علیم النساء نے چھ ماہ کی عمر میں شیر علی کی ماں کا دودھ پیا تو علیم النساء کا نکاح شیر علی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر لوگوں نے ان دونوں کا نکاح ایک دوسرے کے ساتھ کر دیا تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: علیم النساء کا نکاح شیر علی کے ساتھ حرام وناجائز ہے قال اللّٰہ تعالٰی: وَاُمَّھٰتُکُمُ اللّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ (پ۴ع آخر) اور حدیث شریف میں ہے: یحرم من الرضاع مایحرم من النسب۔ اگر لوگوں نے علیم النساء کا نکاح شیر علی کے ساتھ کیا تو وہ نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا۔ ان دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے الگ رہیں اور ہرگز آپس میں میاں بیوی کا تعلق نہ قائم کریں کہ زنا ہے حرام ہے اور گھر والوں پر لازم ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھیں ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ اگر قدرت کے باوجود ان کے گھر والے ایسا نہ کریں تو مسلمانوں پر

ان سب کا بائیکاٹ کرنا لازم ہے۔ وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲؍رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از ابوالفہیم قادری۔ موضع پورینہ بلندرام دین ڈیہہ ضلع گونڈہ۔

رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی زید نے اپنی ممانی ہندہ کا دودھ پیا تو ہندہ کے لڑکے بکر کے ساتھ زید کی بہن سلمہ کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں بکر کے ساتھ سلمہ کا عقد کرنا جائز ہے درمختار میں ہے: تحل اخت اخیہ رضاعًا کان یکون لاخیہ رضاعًا اخت نسبا اھ ملخصًا. وھو تعالٰی و سبحانہٗ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۶؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از محمد سمیع الدین عرف صلاح الدین لڈن راوتپار شاہ پور گورکھپور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ادام ظلکم المولٰی المعین اس مسئلہ میں کہ خالدہ نے ہندہ کو دودھ پلایا تو خالدہ کے لڑکے کا نکاح ہندہ کی لڑکی سے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر مدت رضاعت متعلق حرمت یعنی ڈھائی سال کی مدت میں دودھ پلایا گیا تو خالدہ [illegible] ہندہ کی لڑکی [illegible] خالدہ کے لڑکے کی بھانجی ہوئی تو جیسے حقیقی نسبی بھانجی حرام ہے ایسے ہی رضاعی بھانجی [illegible] کتاب النکاح

الرضاعۃ میں ہے: ''فیحرم منه ما یحرم من النسب الام اخته واخت ابنه وجدة ابنه وام عمه وعمته وام خاله و خالته'' (الخ انتهی بقدر الحاجة) یعنی جو رشتے نسب سے حرام ہیں رضاعت سے بھی حرام ہیں مگر بہن کی ماں، بھائی کی ماں، لڑکے کی بہن، لڑکے کی دادی، نانی، چچا، اور پھوپھی کی ماں، ماموں، خالہ کی ماں یہ سب رضاع کی صورت میں حلال اور نسب میں حرام ہیں ایسے ہی درمختار، عالمگیری، بحر الرائق میں ہے تو فقہاء نے اس اصل مذکور سے جہاں چند صورتیں مستثنیٰ کی ہیں وہاں بنت الاخت یعنی بھانجی کو حرمت سے جدا نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ جس طرح نسبی بھانجی حرام ہے ویسے ہی رضاعی بھانجی بھی حرام ہے اور اس مسئلہ پر مزید روشنی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پڑتی ہے اور بیان کردہ مسئلہ کی تائید بھی ہوتی ہے۔ الحاصل رضاعی بھانجی سے نکاح درست نہیں اور ہو گیا ہو تو تفریق ضروری ہے میاں، بیوی کا تعلق ختم کر دینا فرض ہے۔ واللہ ورسولہٗ الاعلم۔

کتبہ: نعیم الدین احمد الصدیقی

۱۶ر من رمضان ۹ ۱۳۷ھ

مسئلہ: از گھرا وَ اللہ قادری رضوی پر سیا پوسٹ بانسی بستی۔

ایک لڑکے نے اپنی چچی کا دودھ پیا ہے اس کی چچی کی دو لڑکیاں ہیں ایک وہ لڑکی ہے کہ جس کے ساتھ اس نے دودھ پیا ہے اور ایک چھوٹی لڑکی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکے کا نکاح ان دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک سے ہو سکتا ہے کہ یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ میں اس لڑکے کا نکاح اپنی چچی کی کسی لڑکی سے نہیں ہو سکتا اگرچہ اس لڑکے نے اپنی چچی کا دودھ اپنی ڈھائی سال کی عمر یا اس سے کم میں پیا ہو۔ فقط۔ واللہ ورسولہٗ اعلم

کتبہ: بدر الدین احمد

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۶ ۱۳۷ھ

مسئلہ: از مولوی عبد الجبار قادری متعلم دار العلوم ہذا۔

ہندہ اپنے بھائی زید کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ہندہ اپنے بھائی کو زمانۂ رضاعت میں دودھ پلا سکتی ہے: لانه لم یثبت فی الشرع حرمة کذلك. واللہ اعلم

کتبہ: امام بخش قادری

۸ر جمادی الاخریٰ ۹ ۱۳۷ھ

مسئلہ از محمد اسلام موضع سرسیا ضلع بستی۔

ہندہ اور سلمہ دونوں عینی بہنیں ہیں۔ ہندہ کے لڑکے خالد نے جس کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے۔ سلمہ کا دودھ ایک چسکی پیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ سلمہ سو رہی تھی آنکھ کھلنے پر فوراً خالد کو الگ کر دیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ خالد کی شادی سلمہ کی لڑکی سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور ایک چسکی پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک چسکی سے حرمت رضاعت نہیں ثابت ہوتی۔ دلیل کے ساتھ جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: ایک چسکی پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مستفسرہ میں خالد کا نکاح سلمہ کی کسی لڑکی سے کرنا حرام ہے۔ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید پارہ چہارم کی آخری آیت کریمہ: وَاُمَّهَاتُكُمُ اللّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور حدیث شریف: یحرم من الرضاع مایحرم من النسب میں حرمت کا حکم مطلق ہے اور حکم مطلق کو کسی تعداد کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں۔ لان المطلق یجری علی اطلاقه اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ ایک چسکی سے حرمت رضاعت نہیں ثابت ہوتی وہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ بعض حدیثوں میں جو ہے کہ ایک دو چسکی سے حرمت رضاعت نہیں ثابت ہوتی تو وہ مذکورہ بالا آیت کریمہ کے اطلاق سے رد یا منسوخ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عباس انه قیل له ان الناس یقولون ان الرضعة لاتحرم فقال کان ذلك ثم نسخ۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بعض لوگوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت نہیں ثابت ہوتی تو انھوں نے فرمایا کہ یہ حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ وروی عن ابن عمر ان القلیل یحرم وعنه ان قیل له ان ابن الزبیر رضی اللّٰه عنهما یقول لاباس بالرضعة والرضعتین فقال قضاء اللّٰه خیر من قضاء ابن الزبیر قال تعالیٰ: وَاُمَّهَاتُكُمُ اللّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تھوڑا بھی حرمت رضاعت ثابت کرتا ہے اور انھیں سے یہ بھی مروی ہے کہ کسی نے ان سے کہا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ پینے سے کوئی حرج نہیں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ابن زبیر کے فیصلے سے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاُمَّهَاتُكُمُ اللّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ اور شرح وقایہ میں ہے: یثبت بمصة۔ یعنی رشتۂ رضاع ایک چسکی سے بھی ثابت ہوتا ہے اور ہدایہ، عنایہ، کفایہ نیز فتح القدیر وغیرہ میں ہے قلیل الرضاع وکثیرہ سواء یعنی تھوڑا اور زیادہ پینے کا حکم یکساں ہے اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۲۱ میں ہے: قلیل الرضاع وکثیرہ اذا حصل فی مدة الرضاع تعلق به التحریم۔ یعنی دودھ پینا مدت رضاع میں تھوڑا ہو یا زیادہ اس سے تحریم متعلق ہوتی ہے۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از رمضان علی متصل جامع مسجد مسکنواں ضلع گونڈہ۔

زینب نے ہندہ کو دودھ پلایا تو ہندہ کی بہن خالدہ کے ساتھ زینب کے لڑکے عابد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: خالدہ کا نکاح عابد کے ساتھ جائز ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۳۲۱ میں ہے: تحل اخت اخیہ رضاعاً کما تحل نسباً مثل الاخ لاب اذا کانت له اخت من امه یحل لاخیه من ابیه ان یتزوجها. کذا فی الکافی. وھو تعالیٰ اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مولوی عبد المبین خاں احمد شاہی ضلع بستی۔

زید کی بیوی ہندہ نے حالت حمل میں اپنی پستان کو خالد کے بچے کے منہ میں ڈال دیا تھا جو ڈیڑھ ماہ کا تھا۔ اب ہندہ کی ایک لڑکی ہے جس کا نکاح اسی بچے سے کرنا چاہ رہی ہے، تو یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر ہندہ کی پستان سے دودھ نکل کر ولد مذکور کے حلق سے نہیں اترا ہے تو ہندہ کی لڑکی کا نکاح اس بچہ سے کرنا جائز ہے لان المعتبر فی ھٰذا الباب وصول اللبن الی الجوف. اور اگر ہندہ کی پستان کا دودھ بچہ کے حلق سے اترا ہو تو نکاح مذکور جائز نہیں قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ. وھو سبحانه وتعالیٰ اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: از جمعدار موضع چتر اشیخ ضلع بستی۔

زید نے تقریباً ایک سال کی عمر میں اپنی دادی کا دودھ پیا تو زید کا نکاح اس کے حقیقی چچا کی بیٹی سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: زید کا نکاح اس کے حقیقی چچا کی لڑکی سے کرنا حرام ہے اس لئے کہ دودھ پینے والے پر رضاعی ماں کے نسبی اور رضاعی اصول وفروع سب حرام ہو جاتے ہیں فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مصری ص ۳۲۱ میں ہے: یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا اھ۔ واللّٰہ تعالیٰ ورسولہٗ اعلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از جمیل احمد اسلام پیٹ۔ وجے واڑہ۔

رحمت علی نے حسین بی بی کا دودھ پی لیا تو رحمت کے بھائی لطیف کا نکاح حسین بی بی کی لڑکی فرحت النساء کے ساتھ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: لطیف کا نکاح فرحت النساء کے ساتھ کرنا جائز ہے درمختار میں ہے: تحل اخت اخیه رضاعًا کان

يكون له ام نسبي له اخت رضاعية اه۔ ملخصًا. وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد مستقیم موضع گوراکلاں ضلع بستی۔

رقیب النساء نے زید کو ایام رضاعت میں اپنی لڑکی ہندہ کے ساتھ دودھ پلایا تو اس کا ہندہ کی بہن یعنی رقیب النساء کی دوسری لڑکی کے ساتھ زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالتحقیق۔

الجواب: زید کا نکاح ہندہ کی بہن سے ناجائز و حرام ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر ص ۳۲۱ میں ہے: يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعًا اه۔ شرح وقایہ میں ہے: ضابطته ما في هذا البيت الفارسي بيت۔ از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند۔ وز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع۔ هذا ما عندي والعلم عند الله تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی الله عليه وسلم.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از عبد الغفار قادری موضع شکرولی پوسٹ علی پور۔ ضلع گونڈہ۔

ایک شخص نے جوش کی حالت میں اپنی بیوی کا پستان منہ میں ڈال لیا۔ دودھ منہ میں اتر گیا اور اسے پی لیا تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی اور نکاح ٹوٹ گیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مرد اپنی بیوی کا دودھ پی جائے تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوتی اور نہ نکاح میں کوئی خلل پیدا ہوتا ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص ۴۱۴ میں ہے: مص رجل ثدي زوجته لم تحرم اه۔ لیکن بیوی کا دودھ پینا گناہ ہے لہٰذا شخص مذکور توبہ کرے۔ هذا ما عندي. وهو تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲ شوال ۱۴۰۱ھ

ہماری چند دیگر مطبوعات

Ph: 042 - 37352022